بسم الله الرحمن الرحیم

maablib.org

شرح چہل حدیث

چالیس حدیثیں

حضرت امام خمینی قدس سرہ

مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ : بین الاقوامی امور

مؤسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی

امور بین الملل

نام کتاب: شرح چہل حدیث (چالیس حدیثیں)

از: حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر: مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ؛ بین الاقوامی امور

تاریخ اشاعت:

پتہ: خیابان یاسر، خیابان شہید باہنر پلاک ۲- تہران- ایران پوسٹ بکس نمبر ۱۹۷۷۶

فون: ۲۲۸۳۱۳۸-۲۲۸۷۷۷۴

فیکس: ۲۲۸۷۷۷۲

ٹیلیگرام: ۲۲۲۹۳۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین، سیدنا محمد وآلہ المعصومین واللعن الدائم علی اعدائھم اجمعین۔ اما بعد

حضرت خاتم المرسلین کی مشہور و معروف حدیث ہے:

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا ینتفعون بھا بعثہ اللّٰہ یوم القیامۃ فقیھا عالما۔

جو شخص میری اُمت کے لئے ایسی چالیس حدیثیں حفظ کرے جس سے لوگ نفع اٹھائیں خدا اس کو قیامت میں عالم و فقیہ محشور کرے گا۔

تیسری صدی ہجری سے علمائے شریعت نے "اربعون حدیثا" لکھنا شروع کیا۔ اور بہت سے علما نے اپنی منتخب کردہ چہل حدیث پر شرح اور تفسیری نوٹ بھی لکھنے شروع کر دیئے۔ اور پھر اربعینیات کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ اور وہ اربعین اپنے انتخاب کرنے والے کے ناموں سے مشہور ہو گئیں۔ مثلاً اربعین شیخ بہائی، اربعین ......

اس صدی میں بھی اربعین نامی کتابیں لکھی گئی ہوں گی۔ لیکن زیرِ نظر کتاب اربعین حدیث جس کو حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی طاب ثراہ نے اپنی چالیس سال کی عمر میں تحریر فرمایا

ہے۔ عجوبۂ روزگار ہے اس کا مصنف ایک نابغۂ دہر اور نوادر روزگار میں سے ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ پڑھتے چلے جائیے اور یہ کتاب آپ کے دل و دماغ پر قبضہ کرتی چلی جائے گی۔ کتاب کا نام پڑھے بغیر آپ کتاب کا مطالعہ کر ڈالئے تو معلوم ہو جائے گا اس کا مصنف ایک عارف کامل، مرشدِ اکمل، فقیہ مسلّم ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

الموعظۃ اذا خرجت من القلب دخلت فی القلب و اذا خرجت من اللسان لم یتجاوز الآذان!

جب موعظۃ دل سے نکلتا ہے تو دل میں داخل ہو جاتا ہے اور جب صرف زبان سے کہا جاتا ہے تو کانوں سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ موعظۃ قلب سے نکلا ہے۔

حضرت امام طاب ثراہ کا مخاطب اس کتاب میں کوئی مخصوص طبقہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص اس کا مخاطب ہے عالم ہو یا جاہل، مومن ہو یا فاسق، بوڑھا ہو یا جوان، حکیم ہو یا عارف، فقیہ ہو یا اصولی، بلکہ مسلمان ہو یا کافر!

اسی طرح اس کتاب میں صرف تشخیص مرض نہیں ہے اس کا علاج بھی ہے، علمی نکات عرفانی لطائف، مکاشفات، معارف ربانی وغیرہ بھی ہیں یہ کتاب کیا ہے ایک کوزے میں سمندر کو بند کر دیا گیا ہے۔

ایسی ہی چیزوں کے لئے کہا گیا ہے کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"۔ بہرحال ہمارے ادارہ کو فخر ہے کہ حضرت امام خمینی طاب ثراہ کی اس "سفرِ قیم" کو اُردو زبان میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ اب میں آپ کو زیادہ دیر تک کتاب سے الگ نہیں رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ خود ہی کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ اور اپنی رائے سے ادارہ کو ضرور مطلع کریں تاکہ آپ کی رائے کی روشنی میں بعد والے ایڈیشنوں میں استفادہ کیا جا سکے۔ ہمیں آپ کا ہر وہ اصلاحی نقد و تبصرہ قابلِ قبول ہوگا۔ جو مخلصانہ ہو معترضانہ نہ ہو۔

مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، امورِ بین الملل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ علی محمد وآلہ اجمعین، ولعنۃ اللہ علی اعدائھم (اجمعین) الی یوم الدین۔

خداوندا! (میرے) آئینہ دل کو نورِ اخلاص سے روشنی بخش دے، اور (میرے) لوحِ دل سے نفاق اور زنگ وشرک کو دور کر دے۔ بیچارگانِ صحرائے حیرت وضلالت کی شاہراہ سعادت ونجات کی طرف رہنمائی کر دے۔ ہم کو اخلاق حسنہ سے متصف کر دے، اپنے مخصوص جلوؤں اور ان نعماتِ خاص سے جو تیرے اولیاء درگاہ سے مخصوص ہیں میں سے کچھ ہمارے نصیب میں بھی ہو جائے، اور ہمارے امور کے انجام کو سعادت سے مقرون کر دے۔ (ہماری) مملکتِ قلوب سے جہالت وشیطان کے لشکروں کو خارج کر دے، حکمت وعلم ورحمان کے لشکروں کو ان کی جگہ جاگزیں فرما دے۔ ہم کو اپنی اور اپنی بارگاہ کے مخصوص افراد کی محبت کے ساتھ اس دنیائے فانی سے اٹھا۔ مرتے وقت اور مرنے کے بعد ہمارے ساتھ اپنی رحمت ہمارے شاملِ حال فرما۔ محمدؐ وآلِ محمدؐ کے طفیل میں ہماری عاقبت بخیر فرما۔

امابعد! یہ بندۂ ناچیز وضعیف ایک مدت سے یہ سوچا کرتا تھا کہ اہلِ بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کی ان احادیث میں سے جو علماء رضوان اللہ علیہم واصحاب کی معتبر کتابوں میں

درج ہیں ان میں سے چالیس حدیثوں کو اکٹھا کر کے ان کی ایسی شرح کروں جو عوام الناس کی حالت سے مناسب ہو۔

اور اسی لئے میں نے جب خدا نے مجھے توفیق مرحمت فرمائی تو ان حدیثوں کو۔ فارسی زبان میں تحریر کیا۔ تاکہ فارسی زبان والے (اور فارسی داں حضرات) بھی اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ شاید۔ انشاء اللہ۔ میں (بھی) حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ۔ کی حدیث شریف کا مصداق بن سکوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

من حفظ علی امتی اربعین حدیثاً ینتفعون بھا بعثہ اللہ یوم القیامۃ فقیھاً عالماً[1]

"جو شخص میری اُمت میں سے ایسی چالیس حدیثیں حفظ کرے جس سے لوگ فائدہ حاصل کریں تو خدا اس شخص کو قیامت میں فقیہ اور عالم محشور کرے گا۔"

یہاں تک کہ بحمد خدا و توفیق الٰہی میں (اس کتاب کے) شروع کرنے پر موفق ہوا۔ اور (اب) خداوندِ عالم سے اس کے تمام کرنے کی توفیق چاہتا ہوں۔ انہ ولی التوفیق۔

---

[1]: اس روایت کا مضمون نبی مکرم اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے مختلف تعبیروں کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ علامہ مجلسیؒ بحار الانوار جلد ۲ ص ۱۵۶ پر اسی روایت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: یہ مضمون سنی و شیعہ کے درمیان مشہور و مستفیض ہے۔ بلکہ لوگوں نے تو کہا ہے متواتر ہے اس حدیث کے چند مدارک (علاوہ ان کے جو حاشیہ میں ہیں) یہ ہیں۔ خصال، جلد ۲، باب الاربعین حدیث ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹۔ اختصاص ص ۲، بحار الانوار جلد ۲ ص ۱۵۲ تا ۱۵۷۔ صحیفۃ الرضا ص ۶۵ جلد ۱۱۴۔ عیون اخبار الرضا، جلد ۲، باب ۳۱، ص ۳۷، جلد ۱۹۹ اور اس میں "علی" کے بجائے "من" ہے۔

پہلی حدیث

«أَخْبَرَنِی أَجَازَةً، مُكَاتَبَةً وَ مُشَافَهَةً عِدَّةٌ مِنَ الْمَشَايِخِ الْعِظَامِ وَ الثِّقَاتِ الْكِرَامِ مِنْهُمُ الشَّيْخُ الْعَلاَّمَةُ الْمُتَكَلِّمُ الْفَقِيهُ الْأُصُولِيُّ الْأَدِيبُ الْمُتَبَحِّرُ الشَّيْخُ[۲] مُحَمَّد رِضَا آل الْعَلاَّمَةِ الْوَفِيُّ الشَّيْخُ مُحَمَّد تَقِي الْإِصْفِهَانِي. أَدَامَ اللّٰهُ تَوْفِيقَهُ. حِينَ تَشَرُّفِهِ بِقُمِ الشَّرِيفِ، وَ الشَّيْخُ الْعَالِمُ الْجَلِيلُ الْمُتَعَبِّدُ الثِّقَةُ الثَّبْتُ الْحَاجُ شَيخ عَبَّاسُ الْقُمِّيُّ[۳]. دَامَ تَوْفِيقُهُ. كِلاَهُمَا عَنِ الْمَوْلَى الْعَالِمِ الزَّاهِدِ الْعَابِدِ الْفَقِيهِ الْمُحَدِّثِ الْآمِيرْزَا حُسَيْنِ النُّورِيِّ[۴]. نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ الشَّرِيفَ. عَنِ الْعَلاَّمَةِ الشَّيْخ مُرْتَضَى الْأَنْصَارِيِّ[۵]، قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهُ. وَ مِنْهُمُ السَّيِّدُ السَّنَدُ الْفَقِيهُ الْمُتَكَلِّمُ الثِّقَةُ الْعَيْنُ الثَّبْتُ الْعَلاَّمَةُ السَّيِّدُ مُحْسِنُ الْأَمِينُ الْعَامِلِی[۶]، أَدَامَ اللّٰهُ تَأْيِيدَاتَهُ، عَنِ الْفَقِيهِ الْعَلاَّمَةِ، صَاحِبِ الْمُصَنَّفَاتِ الْعَدِيدَةِ السَّيِّد مُحَمَّد بْنِ هَاشِمِ الْمُوسَوِي الرَّضَوِي الْهِنْدِيِّ، الْمُجَاوِرِ فِي النَّجَفِ الْأَشْرَفِ حَيّاً وَ مَيِّتاً، قَدَّسَ اللّٰه سِرَّهُ، عَنِ الْعَلاَّمَةِ الْأَنْصَارِي. وَ مِنْهُمُ السَّيِّدُ الْعَالِمُ الثِّقَةُ الثَّبْتُ

السيّدُ أبو القاسم الدِهكُردِيّ الإصفهانيّ[٩]، عَنِ السيّدِ السَّندِ الأمجدِ الآميرزا مُحمّد هاشم الإصفهانيّ[١٠]، قُدّسَ سِرُّه، عَنِ العلّامةِ الأنصاري (وَلَنا طُرُقٌ اُخرى غيرُ مُنتهيةٍ إلى الشّيخ تَرَكْناها) عَنِ المَولى الأفضلِ أحمدَ النّراقيّ[١١]، عَنِ السيّد مهديّ المَدعُوّ بِبَحرِ العُلومِ صاحِبِ الكراماتِ، رِضوانُ اللهِ عَلَيهِ، عَنْ أُستادِ الكُلّ الآقا مُحمّد باقِرِ البِهبهانيّ[١٢]، عَنْ والِدِهِ الأكمَلِ مُحمّد أكمَلَ[١٣]، عَنِ المَولى مُحمّد باقِر المَجلسيّ[١٤]، عَنْ والِدِهِ المُحقّقِ المَولى مُحمّد تَقي المَجلسيّ[١٥]، عَنِ الشّيخ المُحقّقِ البَهائيّ[١٦]، عَنْ والِدِهِ الشّيخ حُسَينٍ[١٧]، عَنِ الشّيخ زَيْنِ الدّينِ الشّهيرِ بِالشّهيد الثّاني[١٨]، عَنِ الشّيخ عليّ بْنِ عَبدِ العالي المَيسيّ[١٩]، عَنِ الشّيخ شَمسِ الدّينِ مُحمّد بْنِ المُؤذّنِ الجزّينيّ[٢٠]، عَنِ الشّيخ ضِياءِ الدّينِ عليّ[٢١]، عَنْ والِدِهِ الحائزِ لِلمرتبتَينِ الشّيخ شَمسِ الدّينِ مُحمّد بْنِ مكّيّ[٢٢]، عَنِ الشّيخ أبي طالِبٍ مُحمّد فَخرِ المُحقّقينَ[٢٣]، عَنْ والِدِهِ آيةِ اللهِ الحسن بْنِ مُطهّرٍ العلّامةِ الحِلّيّ[٢٤]، عَنِ الشّيخ أبي القاسِمِ جَعفرِ بْنِ الحَسَنِ بْنِ سَعيدٍ الحِلّي المُحقّقِ عَلَى الإطلاقِ[٢٥]، عَنِ السّيّدِ أبي عليّ فَخّارِ بْنِ المُعَدِّ المُوسَويّ[٢٦]، عَنِ الشّيخ شاذانَ بْنِ جَبرَئيلَ القُمّيّ[٢٧]، عَنِ الشّيخ مُحمّد بْنِ أبي القاسِمِ الطّبَريّ[٢٨]، عَنِ الشّيخ أبي عليّ الحَسَنِ[٢٩]، عَنْ والِدِهِ شَيخِ الطّائفةِ أبي جَعفرٍ مُحمّد بْنِ الحَسَنِ الطّوسيّ[٣٠] جامعِ التّهذيبِ وَالإستبصارِ، عَنْ إمامِ الفُقَهاءِ وَالمُتكلّمينَ الشّيخ أبي عَبدِاللهِ مُحمّدِ بْنِ مُحمّدِ بْنِ نُعمانَ الشّيخ المُفيدِ[٣١]، عَنْ شَيخِهِ رَئيسِ المُحدّثينَ الشّيخ أبي جَعفرٍ مُحمّدِ بْنِ عليّ بْنِ الحُسَينِ بْنِ مُوسَى بْنِ بابَوَيهِ القُمّيّ[٣٢] صاحِبِ كِتابِ «مَنْ لا يَحضُرُهُ الفَقيهُ»، عَنِ الشّيخ أبي القاسِمِ جَعفرِ بْنِ قُولَوَيهِ[٣٣]، عَنِ الشّيخ الأجلّ ثِقةِ الإسلامِ مُحمّدِ بْنِ يَعقوبَ الكُلَينيّ[٣٤] صاحِبِ الكافي، عَنْ عليّ بْنِ إبراهيمَ[٣٥]، عَنْ أبيهِ[٣٦]، عَنِ النّوفَليّ[٣٧]، عَنِ

السَّكُونِيُّ[38]، عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: أَنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بَعَثَ سَرِيَّةً فَلَمَّا رَجَعُوا قَالَ مَرْحَباً بِقَوْمٍ، قَضَوا الْجِهَادَ الْأَصْغَرَ وَبَقِيَ عَلَيْهِمُ الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ قَالَ جِهَادُ النَّفْسِ[39].»

ترجمہ :۔ سکونی نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے: آنحضرتؐ نے ایک "سریۃ" کو جنگ کے لئے روانہ فرمایا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا کہنا اس قوم کا جس نے جہادِ اصغر تو پورا کر لیا لیکن ابھی جہادِ اکبر باقی ہے۔ پوچھا گیا: یا رسولِ خدا جہادِ اکبر کیا ہے؟ فرمایا:

نفس سے جہاد کرنا۔

شرح : سریۃ لشکر کی ایک ٹکڑی۔ کہا جاتا ہے: بہترین سریۃ وہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہو[40]۔ باقی روایت کے الفاظ معلوم ہیں۔

سنو! انسان ہی وہ عجوبہ ہے جس (کی ایک زندگی) میں دو زندگیاں اور دو کائنات ہیں۔

۱:۔ بدن! اسی کو نشأۃ ظاہری دنیوی کہا جاتا ہے۔

۲:۔ نفس! اس کو نشأت باطنی غیبی ملکوتی کہا جاتا ہے۔

(جس) نفس کا تعلق عالمِ غیب و ملکوت سے ہوتا ہے (اس کے) متعدد درجات و مقامات ہیں۔

۱: کبھی تو اس کی تقسیم سات حصّوں میں کی گئی ہے۔[41]

۲: کبھی تو اس کی تقسیم چار حصّوں میں کی گئی ہے۔[42]

۳: کبھی اس کی تقسیم تین حصّوں میں کی گئی ہے۔[43]

۴: کبھی اس کی تقسیم دو حصّوں میں کی گئی ہے۔[44]

تمام درجات و مقامات کے دو قسم کے لشکر ہیں۔

۱: لشکرِ رحمانی و عقلانی: اس لشکر کا کام یہ ہے کہ انسان کو ملکوتِ اعلیٰ کی طرف کھینچتا ہے اور نیکی کے راستہ پر لگاتا ہے۔

۲: لشکرِ شیطانی و جہالتی: یہ انسان کو عالمِ سفلی کی طرف گھسیٹتا ہے اور شقاوت (و بدبختی) کی طرف دعوت دیتا ہے۔

یہ دونوں لشکر ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں اور ان کا میدان کارزار خود ذات انسانی ہوتی ہے۔

نتیجہ: اگر رحمانی لشکر غالب آگیا تو انسان سعید اور اہلِ رحمت میں سے ہوتا ہے اور صفِ ملائکہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور زمرۂ انبیا و اولیا و صالحین میں محشور ہوتا ہے۔ لیکن اگر جہالت و شیطانی لشکر غالب آتا ہے تو انسان شقی اور اہلِ غضب میں شمار ہوتا ہے اور شیاطین و کفار کے زمرہ میں محشور ہوتا ہے۔

چونکہ اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لئے نفس کے بعض مقامات (۳ مقام) کی طرف اشارہ کرکے اس کے اسبابِ سعادت و شقاوت کا ذکر کرتے ہوئے انشاءاللہ جہادِ نفس کی کیفیت کو بیان کریں گے۔

مقامِ اوّل

اس میں چند فصلیں ہیں:

(پہلی) فصل: نفس کے مقامِ اوّل کی طرف اشارہ

یہ جان لو کہ نفس کا مقام اوّل، و منزلِ پست اور ملک کی جگہ اور اس کی ظاہری و پوری کائنات یہی ہے کہ اس کے اس محسوس بدن اور ظاہری جسم پر انوارِ غیبیہ اور اس کی شعاعیں تابندہ ہونے لگیں اور اس کو عرضی زندگی عطا کریں۔ اور اسی بدن کے (اعضاء) میں لشکر بندی کریں۔ اس نفس کا میدانِ جنگ یہی بدن ہے اور اسی بدن کی ظاہری قوتیں اس نفس کے لشکر ہیں۔ اور وہ لشکر اس نفس کے اقالیم سبعۂ ملکیہ، کان، آنکھ، زبان، پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ، پاؤں۔ پر پھیلا ہوا ہے اور مقام وہم میں ان ساتوں ملکوں میں پھیلی ہوئی تمام طاقتیں نفس کے زیرِ تصرف ہیں کیونکہ نفس کے تمام باطنی و ظاہری قوتوں کا بادشاہ یہی وہم ہے۔

اب اگر وہم خود اس لشکر پر حکومت کرے یا شیطان کے ذریعہ ان قوتوں پر تصرف کرے تو ساری قوتیں شیطانی فوج بن جاتی ہیں اور پورے ملک جسم پر شیطان کی حکومت ہو جاتی ہے۔ رحمانی لشکر اور عقل کی فوج کمزور ہو کر شکست کھا جاتی ہے اور انسان کی دنیا سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر چل دیتی ہے اور پھر پوری کی پوری حکومت شیطان کی ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر وہم عقل و شرع کی نگرانی میں ان قوتوں پر تصرف کرے اور ان فوجوں کی حرکات و سکنات سب نظام عقل و شرع کی پابند ہوں تو مملکتِ جسم رحمانی ہوتی ہے اور شیطان اور اس کا لشکر وہاں سے دامن کش ہو کر فرار ہو جاتا ہے۔

لہٰذا یہاں پر جہادِ نفس۔ جو عظیم جہاد ہے اور راہِ خدا میں قتل ہونے سے بالاتر ہے۔ سے مُراد انسان کا اپنی ظاہری قوتوں پر غلبہ حاصل کرنے اور ان کو حکمِ خالق کے مطابق چلانے اور مملکت جسم کو شیطان اور اس کی فوجوں سے خالی کرا لینے کا نام ہے۔

دوسری فصل

غور و فکر

یہ بھی جان لو۔ جہادِ نفس اور حرکت الی اللہ کی پہلی شرط "غور و فکر" ہے اگرچہ بعض علماءِ اخلاق نے اس کو ہدایات کے پانچویں [45] درجے میں رکھا ہے اور اپنی جگہ پر یہ بھی صحیح ہے۔

یہاں پر غور و فکر سے مُراد یہ ہے کہ: انسان ۲۴ گھنٹہ میں (چاہے تھوڑی ہی دیر کے لئے ہو) روزانہ یہ سوچے کہ جس خدا نے اس کو اس دنیا میں پیدا کیا ہے، تمام راحت و آرام کے اسباب اس کے لئے مہیا کئے ہیں، اس کو صحیح و سالم بدن بخشا ہے اس بدن کو ایسی طاقتیں مرحمت فرمائی ہیں کہ ان میں سے ہر قوت نفع بخش ہے اور جن سے عقل حیران ہے، اور اس کے لئے نعمت و رحمت کی بساط بچھائی ہے اور دوسری طرف سے یہ بھی (سوچے) کہ اسی خدا نے ہم لوگوں کے لئے اتنے انبیاء بھیجے، کتابیں نازل کیں، ہماری ہدایت کا انتظام کیا۔ اس مالک کے لئے ہمارا فریضہ کیا ہے؟

کیا اس پوری کائنات کا مطلب صرف شہوت پرستی ہے؟ حیوانی خواہشات کی تکمیل ہے؟ جس میں ہمارے اور تمام حیوانات میں کوئی فرق نہیں ہے سب ہی اس میں شریک ہیں یا اس دنیائے رنگ و بو کا کچھ اور بھی مقصد ہے؟

کیا انبیائے کرام، اولیائے عظام، حکمائے بزرگ، ہر قوم و ملت کے علمائے اعلام جو لوگوں کو عقل و شرع کے قانون کی دعوت دیتے تھے، شہوت پرستی اور دنیائے فانی سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتے تھے یہ سب لوگوں سے دشمنی رکھتے تھے اور لوگوں کے اب بھی دشمن ہیں؟ یا ہم جیسے لوگوں

کی اصلاح سے واقف نہیں ہیں جو دریائے خواہشات میں غرق ہیں؟

ایک عقلمند انسان اگر تھوڑی دیر بھی غور و فکر کرے تو سمجھے گا کہ اس بساط کا مقصد کوئی دوسری چیز ہے۔ اس خلقت سے مقصود اس سے بزرگ و برتر عالم ہے اور یہ حیوانی زندگی بالذات مقصود نہیں ہے۔ انسان عاقل کو اپنی فکر کرنی چاہیئے اپنی بے چارگی پر رحم کھانا چاہیئے۔

اس کو اپنے نفس سے خطاب کرکے کہنا چاہیئے: اے نفس شقی و بدبخت! بہت دنوں تک خواہشات کے پیچھے تو نے اپنی عمر کو برباد کیا اور سوائے حسرت (وافسوس) کے کچھ تیرے ہاتھ نہ آیا۔ کتنا اچھا ہوتا کہ تو کچھ اپنی حالت پر رحم کھاتا، مالک الملوک سے شرم کرتا، مقصدِ اصلی کے راستہ پر دو چار گام آگے بڑھتا، جو حیاتِ دائمی و سعادت ابدی کا سبب ہے۔ ابدی سعادت کو چند روزہ فانی خواہشات کے بدلے میں نہ بیچ۔ کیونکہ طاقت فرسا زحمتوں کے بعد بھی وہ تیرے ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔

قرون ماضیہ سے لے کر اب تک کے انسانوں کے بارے میں جو اہلِ دنیا تھے ان کے بارے میں تھوڑا سا غور کر کہ ان کے رنج و غم، ان کی زحمتیں ان کی راحتوں کے مقابلہ میں کتنی زیادہ تھیں۔ جب کہ ہر شخص کے لئے راحت و خوشی کا میسر ہونا ممکن نہیں ہے۔ جو شخص انسان کی صورت میں شیطان کا نمائندہ ہے اور شیطانی فوج کا سپاہی ہے جس کو اس نے بھیجا ہے اور جو تم کو (تکمیلِ) خواہشات کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے: مادّی دنیا کی حفاظت کرو۔ (بار بار یعنی کوشش کرو عالم دوبارہ نیست کہتا ہے ــــ) ذرا اس کے بارے میں سوچو اور اس سے پوچھو کہ کیا وہ اپنی موجودہ حالت سے راضی ہے؟ (ہرگز نہیں) یا کیا وہ خود تو مبتلا ہے اب کیا وہ دوسرے کو بھی اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟

بہر حال اپنے خدا سے دُعا کرو، (گریہ) وزاری و عاجزی سے تمنّا کرو کہ تم کو تمھاری ذمہ داریوں سے آشنا کردے (ایسی ذمہ داریاں) جو تمھارے اور اس کے مابین منظور ہوں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ غور و فکر جو شیطان و نفسِ امارہ سے مجاہدہ کی خاطر ہے۔ تمھارے لئے کوئی دوسرا پیدا کردے گی اور اس مجاہدہ سے دوسری منزل کی توفیق نصیب ہوگی۔

تیسری فصل

عزم وارادہ

انسان مجاہد کے لئے تفکر کے بعد جو دوسری منزل پیش آتی ہے اس کا نام عزم (وارادہ) ہے۔ مگر یہ وہ ارادہ نہیں ہے جس کو شیخ الرئیس ؒ نے اشارات میں عارفین کا سب سے کم درجہ قرار دیا ہے۔ ۲۷

ہمارے بعض مشائخ۔ اطال اللہ عمرہ۔ نے فرمایا: عزم انسانیت کا جوہر اور امتیاز ہے انسان کے لئے میزان ہے۔ انسان کے درجات کا تفاوت، عزم کے تفاوت کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے۔

یہاں پر عزم (وارادہ) سے جس عزم کا مُراد لینا مناسب ہے وہ یہ ہے کہ انسان پختہ ارادہ کرلے کہ معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا اور کسی واجب کو ترک نہیں کرے گا اور زندگی میں جو واجب چھوٹ گیا ہے یا معصیت ہو گئی ہے۔ اس کا تدارک و جبران کرے گا۔ یعنی اپنی ظاہری حالت وصورت سے اپنے کو ایک ایسا شرعی وعقلی بنائے گا۔ کہ شرع اور عقل برحسب ظاہر (دونوں) حکم کریں گے کہ یہ شخص انسان ہے۔ اور انسانِ شرعی کا مطلب بھی یہی ہے کہ شریعت کے مطابق عمل کرے (زندگی بسر کرے) اور اس کا ظاہر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ۔ جیسا ظاہر ہو اور تمام افعال و تروک وحرکات وسکنات میں آنحضرتؐ کی تاسی کرے۔ اور یہ بات (ناممکن نہیں ہے بلکہ ممکن ہے۔ کیونکہ اپنے ظاہر کو آنحضرتؐ کے ظاہر کے مطابق کرنا ہر بندۂ خدا کے لئے مقدور ہے۔

یہ بات سمجھ لیجئے کہ معارف الٰہی کا کوئی بھی راستہ ظاہر شریعت سے ابتدا کئے بغیر طے کیا ہی نہیں جا سکتا اور جب تک انسان شریعت حقہ کے آداب کا پابند نہ ہوجائے اخلاقِ حسنہ حقیقت نہیں بن سکتے اور نہ ہی معرفت الٰہی کے نور کا اس کے دل میں جلوہ فگن ہونا ممکن ہے۔ اور نہ علم باطن واسرار شریعت کا انکشاف اس کے لئے ہوسکے گا۔ اور (اگر) انکشافِ حقیقت اور انوارِ معارف اس کے دل میں ظاہر (بھی) ہوگئے تو (صرف) آداب ظاہرہ ہی سے متادب ہوگا۔ اسی لئے جن لوگوں نے دعویٰ کیا ہے (ترک ظاہر سے علم باطن ہوتا ہے) ان کا دعویٰ باطل ہے یا یہ کہنا: (اس کی پیدائش کے بعد آداب ظاہرہ کی ضرورت (باقی) نہیں رہتی) یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ بات اس

بات کی غمازی کرتی ہے کہ کہنے والا مقامات و مدارج انسانیت سے ناواقف ہے۔ ہو سکتا ہے میں ان اوراق میں بعض چیزوں کے بیان پر موفق ہو سکا ہوں۔

انشاء اللہ تعالیٰ۔

چوتھی فصل

اے عزیز! اس بات کی کوشش کرو کہ صاحب عزم و مالک ارادہ بن سکو۔ کیونکہ خدانخواستہ اگر اس دنیا سے بے عزم کوچ کر گئے تو ایک بے مغز انسان صوری ہو گے اور اُس عالم میں انسانی صورت میں محشور نہیں ہو سکو گے اس لئے کہ وہ عالم کشف باطن اور ظہور سریرہ کی جگہ ہے۔ اور ارتکاب گناہ رفتہ رفتہ انسان کو بے عزم بنا دیتا ہے اور عزم جیسے شریف و قیمتی گوہر کو اس سے چھین لیتا ہے۔ میرے اُستادِ معظم۔ دام ظلہ۔ فرماتے تھے:

گانے کا سننا سب سے زیادہ ایسی اہم چیز ہے جو انسان سے اس کے عزم و ارادہ کو سلب کر لیتی ہے۔

لہٰذا میرے بھائی! گناہوں سے بچو اور خدا کی طرف ہجرت کرنے کا عزم (محکم) کرو اور ظاہرِ انسان کا ظاہر کرو۔ اور اپنے کو ارباب شرائع کی لڑی میں پرو دو۔ اور (رات کی) تنہائیوں میں (گڑگڑا کر) اپنے خدا سے دُعا کرو اس مقصد میں تمھاری مدد کرے۔ حضرت رسولِ خدا اور ان کے اہلِ بیتؑ کو شفیع اور (وسیلہ) قرار دو کہ خدا تم کو توفیق عنایت فرمائے۔ اور سامنے جو کٹھن منزلیں ہیں ان میں مدد کرے۔ کیونکہ انسان اپنی زندگی میں بہت سی لغزشوں کا مرتکب ہوتا ہے اور ممکن ہے ایک وقت ایسے ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے جہاں اپنے لئے کوئی چارہ و تدبیر نہ کر سکے بلکہ شاید چارہ جوئی کی سوچ بھی نہ کر سکے۔ بلکہ شاید شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی اس کے شاملِ حال نہ ہو سکے۔ نعوذ باللہ منہا۔

پانچویں فصل

(مشارطہ، مراقبہ، محاسبہ کے بیان میں)

مجاہد کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں۔ وہ مشارطہ اور مراقبہ اور محاسبہ ہے۔

۱۔ مشارطہ:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً پہلے دن طے کرے آج میں خدا کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ اور اس بات کا عزم محکم کرے۔ ظاہر ہے کہ ایک دن خلاف ورزی نہ کرنا بہت (آسان) وسہل ہے۔ انسان بہت آسانی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

تم عزم محکم کرو اور شرط کرلو (پھر) تجربہ کرلو کہ یہ کتنا آسان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شیطان اور اس کے چیلے اس بات کو تمہارے لئے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کریں۔ لیکن یہ صرف شیطانی دھوکہ ہے۔ اس پر واقعی اور دل سے لعنت کرو اور باطل (وبے ہودہ) خیالات کو اپنے دل سے نکال دو۔ ایک دن تجربہ کر کے تو دیکھو اس وقت تم خود اس کی تصدیق کرو گے۔ اس کے بعد مراقبہ کا نمبر ہے۔

۲۔ مراقبہ:۔ شرط کی پوری مدت میں اس شرط پر عمل کی طرف (پوری) توجہ رکھو اور اپنے کو اس پر عمل کرنے کا پابند سمجھو اگر خدانخواستہ اس مدت کے اندر تمہارے دل میں حکم خدا کے خلاف کچھ کرنے کا خیال پیدا ہو تو یقین کرلو کہ یہ شیطان اور اس کے چیلوں کا کام ہے جو تم کو کی ہوئی شرط سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں' ان شیطانوں پر لعنت کرو اور ان سے خدا کی پناہ مانگو اور اس باطل خیال کو دل سے نکال دو۔ اور شیطان سے کہو میں نے (صرف) آج کے لئے اپنے سے شرط کی ہے کہ فرمانِ خدا کی مخالفت نہ کروں گا۔ (حالانکہ) میرے ولی نعمت نے سالہا سال سے مجھے نعمت دی ہے۔ صحت وسلامتی' امن وعافیت مرحمت فرمائی ہے اور ایسی ایسی کرم فرمائیاں کی ہیں کہ اگر میں ابدالآباد تک اس کی خدمت کرتا رہوں جب بھی اس کی ایک نعمت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا (چہ جائیکہ اس کی نعمت ہائے بے پایاں ـــ) کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں ایک جزئی شرط کو بھی پورا نہ کروں۔ اُمید ہے اس طرح شیطان بھاگ جائے گا انشاء اللہ اور رحمانی لشکر غالب آجائے گا۔

اور یہ مراقبہ تمہارے کسی کام سے (مثلاً) تجارت' سفر' تحصیلِ علم وغیرہ سے منافات (بھی) نہیں رکھتا۔ اسی طرح پورا دن گزار دو یہاں تک کہ رات کا وقت آجائے جو محاسبہ کا موقع ہے۔

۳۔ محاسبہ:۔ اس کا مطلب ہے کہ اپنے نفس سے حساب لو کہ اپنے خدا کے ساتھ جو شرط کی تھی اس کو پورا کر دیا؟ اس سلسلہ میں اپنے ولی نعمت سے کوئی معمولی سی بھی خیانت تو نہیں کی؟

اگر تم نے شرط کے مطابق عمل کیا ہے تو اس توفیق پر خدا کا شکر ادا کرو اور یہ یقین کر لو کہ ایک قدم آگے بڑھ گئے اور موردِ نظر الٰہی ہو گئے اور انشاء اللہ خدا دنیا و دین کی ترقی میں تمہاری راہنمائی کرے گا اور کار فردا کو آسان کر دے گا۔ کچھ دنوں تک اسی طرح پابندی سے یہ عمل کرتے رہو تو

اُمید ہے کہ یہ ملکہ بن جائے اور پھر تمھارے لئے اس کام میں یعنی ترکِ معصیت و فعلِ واجبات میں ۔ کوئی زحمت نہ ہوگی بلکہ آسانی ہوگی ۔ بلکہ اسی دنیا میں ترکِ معاصی اور اطاعتِ فرمانِ خداوندی سے تم کو لذت ملنے لگے گی ۔ اگرچہ یہ دنیا دار جزا نہیں ہے مگر پھر بھی تم کو لذت حاصل ہوگی اور جزائے الٰہی تمھارے اندر اثر انداز ہوگی اور تم کو احساسِ لذت کرنے والا بنا دے گی ۔

یہ بات اپنے ذہن میں (ہمیشہ) رکھیے کہ خدا نے آپ کو آپ کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے اور جو چیز تمھارے بس میں نہیں ہے اور تمھاری طاقت سے باہر ہے اس کا بوجھ تمھارے اوپر نہیں ڈالا ۔ لیکن شیطان اور اس کے چیلے تمھارے سامنے کام کو مشکل کر کے پیش کرتے ہیں ۔

اور اگر خدانخواستہ محاسبہ کے وقت تم دیکھو کہ خدا سے کی ہوئی شرط میں تم نے کچھ سستی برتی ہے ۔ کچھ کمی کی ہے تو اپنے خدا سے معذرت کرو ۔ اور یہ ٹھان لو کہ کل مردانہ وار اس شرط پر عمل کروں گا ۔ اسی طرح رہو یہاں تک کہ خدا سعادت و توفیق کے دروازے تمھارے لئے کھول دے اور تم کو انسانیت کے صراطِ مستقیم تک پہونچا دے ۔

چھٹی فصل

(ذکر و) تذکر

شیطان اور نفس سے جہاد کرنے میں جو چیز انسان کی بھرپور مدد کرتی ہے اور انسانِ سالک و مجاہد کو جس کے پابندی کی بہت ضرورت ہے وہ "تذکر" ہے اور ہم اس (مقامِ اوّل) کو اسی تذکر کے ذکر پر ختم کرتے ہیں حالانکہ ابھی بہت سے مطالب باقی ہیں ۔

تذکر : خداوندِ عالم اور اس کی مرحمت کی ہوئی نعمتوں کو یاد کرنا ! اس کا نام تذکر ہے ۔

یہ بات ذہن نشین کر لو : کہ اپنے منعم کا احترام کرنا ایک فطری و جبلی حکم ہے ۔ جو انسان بھی اپنی کتابِ ذات میں غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے :

جو شخص انسان کو نعمت دے اس کا احترام کرنا چاہیئے ۔ اور (یہ بھی) معلوم ہے کہ نعمت جتنی عظیم ہوگی اور انعام کرنے والا جس قدر بے غرض ہوگا فطرت (و طبیعت) کی نظر میں اس کا احترام اتنا ہی زیادہ ضروری اور بیشتر ہوگا ۔

مثلاً ایک شخص تم کو ایک گھوڑا دیتا ہے اور اس کی نظر میں کوئی غرض بھی ہے اور ایک شخص

پورا ایک دیہات بغیر احسان جتائے دے دیتا ہے تو دونوں کے احترام میں واضح فرق ہوگا۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر تم کو اندھے پن سے نجات دے دیتا ہے تو فطرتاً اس کا احترام لازم ہے۔ لیکن اگر وہ موت سے بچالے تو یقیناً تم اس کا احترام زیادہ کروگے۔

اب ذرا تم خود غور کرو اور دیکھو کہ خداوند مالک الملوک نے کتنی ظاہری و باطنی نعمتیں ہم کو مرحمت فرمائی ہیں۔ اگر جن وانس (مل کر بھی) ان میں سے کوئی ایک نعمت ہم کو دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے۔ مگر (افسوس) ہم اس سے غافل ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ہوا (جس سے ہم لوگ دن رات فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہماری (بلکہ) پوری کائنات کی زندگی کا دار و مدار اس سے وابستہ ہے اگر یہ صرف ۱۵ منٹ نہ رہے تو کوئی حیوان زندہ نہیں رہ سکتا) کتنی عظیم نعمت ہے۔ اگر تمام جن وانس مل کر اس کے مشابہ کو ہم کو دینا چاہیں تو اس کے دینے سے عاجز ہیں۔

اسی طرح خدا کی دوسری نعمتوں کو یاد کرو جیسے بدن کی صحت، ظاہری قوتیں، از قسم آنکھ، کان، (قوت) ذائقہ (قوت) لامسہ (یا مثلاً) باطنی قوتیں جیسے خیال، وہم، عقل وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک قوت کے اتنے فوائد و منافع ہیں جن کی حد (وانتہا) نہیں ہے۔ مالک الملوک نے ان ساری نعمتوں کو ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اور (لطف یہ ہے کہ) ہمارے چاہے بغیر، اور ہم پر احسان جتائے بغیر خدا نے یہ نعمتیں دی ہیں۔ (بلکہ صرف) انھیں پر اکتفا نہیں فرمایا، انبیا و پیغمبروں کو بھیجا، کتابوں کو نازل فرمایا، سعادت و شقاوت، جنت و دوزخ کا راستہ (بھی) ہم کو دکھایا، دنیا و آخرت میں ہم کو جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ ہم کو عطا فرمائیں وہ ہماری اطاعت و عبادت کا محتاج نہیں ہے اور نہ ہماری اطاعت و معصیت سے اس پر کوئی فرق پڑتا ہے لیکن اس کے باوجود صرف ہمارے نفع کے لئے امر و نہی فرمایا۔

ان نعمتوں پر اور ان جیسی ہزاروں ایسی نعمتوں پر جن کے کلیات شمار کرنے سے بشر عاجز ہے چہ جائیکہ جزئیات کیا آپ کی فطرت میں ایسے عظیم منعم کے لئے احترام ضروری ہے؟ ایسے ولی نعمت کے ساتھ خیانت کرنا از روئے عقل کیسا ہے؟

نیز جو بات فطرت میں ثبت و مذکور ہے وہ عظیم و بزرگ شخص کا احترام ہے۔ لوگ جو اہل دنیا اور دولت مندوں کا احترام کرتے ہیں، بزرگوں اور بادشاہوں کا احترام کرتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ ان کو عظیم و بزرگ سمجھتے ہیں۔ اب کیا لوگوں کی بڑائی کا مقابلہ مالک الملوک کی عظمت و بڑائی سے کیا جا سکتا ہے؟ وہ صانع و خالق جس کی مخلوقات میں ہماری یہ دنیا حقیر ترین

دنیا ہے اور خدا کی کائنات کا سب سے چھوٹا جزو ہے (لیکن اس کے باوجود) کسی موجود کی عقل اب تک اس (مختصر عالم) کا احاطہ نہ کر سکی (دوسری دنیاؤں کو جانے دیجیے) خود ہمارا یہ نظام شمسی جو دیگر شمسی نظاموں میں سب سے چھوٹا ہے اور دوسرے سورجوں کے مقابلہ میں شمار کئے جانے کے بھی لائق نہیں ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے ماہرین فلکیات اب تک اس کا اندازہ نہیں لگا سکے۔ کیا فطرتِ عقل میں ایسا عظیم خدا جس نے ایک اشارہ میں ان تمام عوالم اور ہزاروں ہزار غیبی عوالم کو پیدا کر دیا لازم الاحترام نہیں ہے؟

ایک بات یہ بھی ہے کہ کتاب فطرت میں حاضر (شخص) لازم الاحترام ہے۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ خدانخواستہ کوئی کسی کی بدگوئی کر رہا ہو اور وہ شخص آجائے تو برائی کرنے والا فطرتاً خاموش ہو جاتا ہے۔ اور اس کا احترام کرنے لگتا ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ خدا ہر جگہ حاضر (وناظر) ہے اور تمام ممالکِ وجود کا ادارہ اس کے تحتِ نظر ہوتا ہے۔ بلکہ ہر نفس اور تمام عالم خدا کے سامنے ہے۔

اب تم تذکر کرو اے نفس خبیث اگر تو ایسے عظیم خدا کی معصیت کرے کہ خود تیرے قویٰ بھی اس کی نعمت ہیں اور اس کے سامنے تو گناہ کرے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور کتنا عظیم گناہ ہے۔

اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی (غیرت و) حیا ہے تو کیا تم کو شرم سے پانی (پانی) نہیں ہو جانا چاہیے اور تم کو زمین میں دھنس نہیں جانا چاہیے؟ لہٰذا میرے عزیز اپنے خدا کی عظمت کو یاد کرو اس کی نعمتوں اور رحمتوں کو یاد کرو، اور اس کے حضور کو یاد کرو، اس کی نافرمانی چھوڑ دو، اور عظیم جنگ میں شیطان اور اس کی فوج پر غالب آجاؤ۔ اپنی مملکت کو مملکتِ رحمانی وحقانی کرو، شیطانی لشکر کی جگہ حق تعالٰے کے لشکر کی جگہ قرار دو، تاکہ خدا تم کو دوسرے مقام پر اور دوسرے اس سے بڑے میدان میں جو تم کو درپیش ہے توفیق دے۔ اور وہ (بڑا میدان) عالم باطن کا جہادِ نفس ہے۔ اور نفس کا مقام دوم ہے۔ جس کی طرف ہم انشاءاللہ اشارہ کریں گے۔

ہم دوبارہ پھر یاد دہانی کراتے ہیں کہ ہرگز یہ امید اپنے کو نہ دلاؤ کہ خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی اور بھی کارساز ہے۔ خداوندِ عالم سے تضرع وزاری کے ساتھ توفیق کی دعا کرو کہ اس جہاد میں تمھاری مدد کرے تاکہ تم اس میں انشاءاللہ غالب آسکو۔ إنّہ ولیّ التوفیق۔

مقام دوم

اس میں بھی چند فصلیں ہیں:

پہلی فصل

(نفس کے باطنی (رحمانی و شیطانی) لشکروں کی نزاع)

یہ جان لو کہ انسان کے نفس کی ایک علیٰحدہ حکومت و مملکت اور (بھی) ہے۔ یہ باطن کی دنیا ہے اور اس کے ملکوت کے ظہور و نفوذ کی دنیا ہے۔ نفس کی قوتیں اس مملکت میں مملکتِ ظاہر کے بہ نسبت بہت زیادہ اور اہمیت کی مالک ہوتی ہیں۔ رحمانی و شیطانی طاقتوں میں یہاں پر ٹکراؤ بہت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اس مملکت میں غلبہ کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ مملکتِ ظاہر میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ اسی دُنیا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو بھی شیطانی یا رحمانی طاقت مملکتِ باطن میں غالب آتی ہے وہی مملکتِ ظاہر میں بھی غالب آتی ہے۔ مشائخ عظام اور اہلِ سلوک و اخلاق کی نظر میں یہاں پر جہادِ نفس کی زیادہ اہمیت ہے۔ بلکہ اس کو تمام سعادتوں، شقاوتوں (انسانی) بلندیوں، پستیوں کا سرچشمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس جہاد میں انسان کو بہت زیادہ التفات و توجہ کی ضرورت ہے۔

خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مملکت باطن میں رحمانی قوتوں کی شکست اور ان کی جگہ خالی ہونے پر، نااہل و غاصب شیطانی قوتوں کے قبضہ ہو جانے پر انسان کے لئے ایسی دائمی ہلاکت مہیا ہو جائے جو قابلِ تدارک نہ ہو اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی اس کے شاملِ حال نہ ہو سکے اور نعوذ باللہ ارحم الراحمین بھی غیظ و غضب کی نگاہ ڈالے، بلکہ کہیں اس کے شفیع اس کے دشمن نہ بن جائیں۔ اور وائے ہو اس پر جس کے شفیع اس کے دشمن ہو جائیں۔ خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا (کہ ایسی صورت میں) کیسے عذاب ہوں گے، کیسی تاریکیاں ہوں گی، کیسی سختیاں ہوں گی، کیسی بدبختیاں ہوں گی جو صرف غضبِ الٰہی اور اولیائے حق کی دشمنی کا نتیجہ ہوں گی۔ جن کے مقابلہ میں تمام آتش جہنم، تمام زقوم (تھوہڑ کا جہنمی درخت) سانپ، بچھو اس کے سامنے ہیچ ہوں گے۔ حکماء، عرفاء، اہل ریاضت و

سلوک ان عذابوں کے بارے میں جو خبر دیتے ہیں خدا نہ کرے ہم ضعیفوں اور کمزوروں اور بیچاروں کے سر پر آپڑے کیوں کہ تمام وہ عذاب جس کا تم تصور کرسکتے ہو اس کے سامنے آسان ہے اور تمام جہنم اس کے مقابلہ میں رحمت و بہشت ہے۔

قرآن مجید، اخبار انبیاء و اولیاء میں جس، جنت و دوزخ کا وصف بیان کیا گیا ہے غالباً وہ اعمال کی جنت و دوزخ ہے یعنی اس کو اچھے اور برے عمل کے جزا کے لئے مہیا کیا گیا ہے (اسی طرح اخلاق کے جنت و دوزخ کی طرف بھی مخفی اشارہ کیا گیا ہے اور اخلاق کے جنت و دوزخ کی اہمیت زیادہ ہے اور کبھی بہشت لقاء اور دوزخ فراق (کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن یہ سب (باتیں) در پردہ ہیں اور (صرف) اہل کے لئے ہیں۔ ہم اور تم اس کے اہل (تو) نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے لئے اس کا انکار کرنا بھی مناسب نہیں ہے بلکہ جو کچھ خداوند عالم نے فرمایا ہے اور اس کے اولیاء نے کہا ہے ہم کو اس پر ایمان رکھنا چاہیئے اور ہوسکتا ہے یہ اجمالی ایمان بھی ہمارے لئے فائدہ مند ہو بے جا انکار، بغیر جانے اور بغیر سمجھے بوجھے بے موقع تردید بھی شاید ہمارے لئے کبھی بہت زیادہ ضرر رساں ہو۔ اس دنیا میں ان نقصانات و ضرر کی طرف توجہ و التفات نہیں کیا جاسکتا (اور نہ یہ دنیا اس کے لئے ہے) مثلاً اگر تم سنو کہ فلاں حکیم یا فلاں عرتاض یا فلاں عارف نے کوئی بات کہی ہے اور وہ تمہارے (ذوق و) سلیقہ کے مطابق نہیں ہے اور تمہارا مزاج اس کو گوارہ نہیں کرتا تو (سنتے ہی) نہ تو اس کو خیالی (باتیں) سمجھو اور نہ مہمل بیا طل کرو۔ ہوسکتا ہے وہ بات کتاب و سنت عقل کی بنیاد پر کہی گئی ہو اور تمہاری اطلاع میں وہ بات نہ آسکی ہو۔ (مثلاً) ایک فقیہ دیات کے بارے میں ایک فتویٰ دیتا ہے جس کو تم نے نہیں دیکھا ہے اب تم اس کا مدرک دیکھے بغیر اس کی رد کردو۔ یا ایک شخص سالک الی اللہ یا عارف باللہ معارف الہیہ کے سلسلہ میں کوئی بات کہے یا بہشت و دوزخ کے بارے میں کوئی بات کہے اور تم مدرک کو دیکھے بغیر اس کی بات کو رد کردو۔ تو (یہ) رد کرنا یا توہین کرنا، یا کسی کی شان میں جسارت کرنا بہت آسان ہے۔ (اس لئے کہ تردید کرنے کے لئے کسی علم کی ضرورت نہیں ہے) یہ سوچو کہ وہ شخص اس وادی کا شہ سوار ہے اور اس فن کا ماہر ہے ممکن ہے اس کے پاس کتاب خدا یا اخبار ائمہ ہدیٰ سے ایک مدرک ہو جس کی اطلاع تم کو نہ ہو ایسی صورت میں تم نے بغیر کسی معقول عذر کے خدا و رسول کی تردید کردی۔ اور یہ کہہ دینا کہ "میرے ذوق کے اعتبار سے وہ بات درست نہیں تھی یا "میرے علم میں یہ بات نہیں تھی" یا "اہل منبر سے میں نے اس کے برخلاف سنا تھا" ظاہر ہے کوئی معقول عذر نہیں ہے۔

بہر حال ہم اپنے مقصد سے دور نہ ہو جائیں۔ بہشتِ اخلاق و ملکات کے بارے میں اولیاء نے جو کچھ کہا ہے اور اخلاق و درکاتِ جہنم کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ ایسی اعظیم ا مصیبت ہے جس کی ہم کو سننے کی بھی تاب و تواں نہیں ہے۔

پس اے عزیز فکر کرو، کوئی چارہ جوئی کرو، اپنے لئے کوئی چھٹکارے کا ذریعہ اور نجات کا راستہ تلاش کرو۔ ارحم الراحمین خدا کی پناہ حاصل کرو، رات کی تاریکیوں میں تضرع و زاری کے ساتھ اس ذاتِ مقدس یکتا و بے ہمتا سے منت و سماجت کرو کہ اس جہادِ نفس میں تمھاری مدد کرے تاکہ انشاء اللہ تم کو غلبہ حاصل ہو، اور تمھارے وجود کی مملکت رحمانی ہو جائے۔ شیطانی فوج کو وہاں سے بھگاؤ۔ منزلِ دل کو اس کے مالک کے حوالہ کر دو تاکہ خداوندِ عالم تم کو سعادت، مسرت، رحمت عطا کرے۔ تم نے جنت و حور و قصور کے بارے میں جو کچھ سُنا ہے وہ اس سعادت و رحمت کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں ہے۔ یہی خدا کی وہ لامتناہی سلطنت ہے جس کی خبر ملتِ بیضاء کے منتخب اولیاء نے دی ہے۔ یہ سلطنت ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے اس کے بارے میں نہ کسی کان نے سُنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔[۴]

دوسری فصل

بعض قوائے باطنی

یہ بات جان لو کہ دستِ قدرت و حکمتِ الٰہی نے (انسان کے) عالمِ غیب اور باطنِ نفس میں ایسی قوتیں تخلیق فرمائی ہیں جن کے منافع بے شمار ہیں۔ یہاں پر ہم صرف تین قوتوں سے بحث کریں گے۔ ۱۔ واہمہ ۲۔ غضبیہ ۳۔ شہویہ۔

خود ان قوتوں میں ہر وقت کے حفظ نوع و فرد، تعمیرِ دنیا و آخرت کے اعتبار سے بے انتہا فوائد ہیں (جس کو) علماء نے ذکر کیا ہے۔ فعلاً ہم کو اس (سے بحث) کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں پر ہم صرف اتنا بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ تینوں قوتیں تمام اچھے بُرے ملکات کا سرچشمہ ہیں۔ اور تمام ملکوتی غیبی صورتوں کی منشا (و منبع) ہیں۔

تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خداوندِ عالم نے جس طرح انسان کو اس دنیا میں کمالِ حسن، اور (ایسی) بدیع (بے مثال) ترکیب سے پیدا کیا ہے کہ تمام فلاسفۂ دہر اور بزرگوں کی عقل متحیر ہے اور علمِ معرفۃ الاعضاء و تشریح (الابدان) (یعنی اناٹومی و علم فیزیالوجی) اب تک اس کی صحیح معرفت نہیں حاصل کرسکا ہے۔ اور (جس طرح) خدا نے تمام مخلوقات کے درمیان انسان کو حسنِ ترکیب، حسن و جمال و خوش منظری سے نوازا ہے۔ اسی طرح عالم بعد از موت "خواہ وہ برزخ ہو یا قیامت" کے لئے ایک ملکوتی و غیبی شکل و صورت معین کی ہے۔ (البتہ) یہ ملکوتی صورت اس کے نفس کے ملکات اور خلقِ باطن کے تابع ہوتی ہے۔ (بایں معنیٰ کہ) اگر انسان کا باطن اس کی سریرت و ملکۂ انسانی ہوگا تو اس کی ملکوتی صورت بھی انسانی صورت پر ہوگی۔ لیکن اگر اس کے ملکات غیر انسانی ملکات ہوں گے تو پھر اس کی صورت انسانی نہیں ہوگی بلکہ اسی ملکہ اور سریرۃ کے تابع ہوگی۔ مثلاً اگر اس کے باطن پر شہوت و بہیمیت کا غلبہ ہو تو مملکتِ باطن کا حکم (بھی)، بہیمہ (جانور) کا حکم ہوگا۔ اور انسان کی ملکوتی صورت بھی کسی ایسے جانور کے مطابق ہوگی جو جانور اس کے خلق کے مطابق ہوگا۔ اور اگر باطن پر غضب و درندگی (جیسی صفتوں) کا غلبہ ہوگا تو اس کے مملکتِ باطن و سریرت کا حکم درندہ کا حکم ہوگا اور اس کی ملکوتی و غیبی صورت کسی درندہ کے مناسب ہوگی اور اگر وہم و شیطنت کا غلبہ ہوا اور باطن و سریرت میں شیطانی ملکات راسخ ہوگئے جیسے دھوکہ، چغلخوری، غیبت، تقلب وغیرہ تو اس کی ملکوتی صورت شیاطین کی صورت پر ہوگی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ دو ملکہ یا کئی ملکہ سے مرکب ہو کر انسان کی ملکوتی صورت تشکیل پائے۔ ایسی صورت میں انسان کی ملکوتی صورت کسی بھی حیوان کی شکل میں نہ ہوگی بلکہ ایسی عجیب و غریب صورت ہوگی اور ایسی وحشت ناک و دہشت ناک ہوگی جس کا اس عالم میں کبھی سابقہ بھی نہ پڑا ہوگا۔ چنانچہ رسولِ خدا سے منقول ہے:

قیامت میں کچھ لوگ ایسی صورت و شکل میں محشور ہوں گے جن کی صورت و شکل سے کہیں اچھی شکل بندروں اور گوریلوں[۱] کی ہوتی ہے۔

بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص کی کئی صورتیں ہوں کیونکہ وہ دنیا اس دنیا کی طرح نہیں ہے جو ایک صورت سے زیادہ کو قبول نہیں کرتی۔ اور یہ بات دلیل و برہان کے بھی مطابق

ہے جو اپنی جگہ مذکور ہے۔

یہ بات جان لو کہ: ان مختلف صورتوں میں جن میں ایک انسان ہے اور باقی دوسری چیزیں ہیں۔ انسان کی شکل و صورت کا دارومدار اسی کیفیت پر ہوتا ہے جب اس کی روح بدن سے نکلتی ہے۔ اور برزخ کی حکومت ہوتی ہے اور سلطانِ آخرت کا غلبہ ہوتا ہے جس کی ابتداء یہ ہوتی ہے کہ وہ روح جس ملکہ کے ساتھ دنیا سے جاتی ہے۔ آخرت میں اسی ملکہ کے مطابق اپنا روپ دھار لیتی ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے اسے برزخ میں جانا ہوگا۔ اور برزخ کی چشم ملکوتی اس کو دیکھے گی۔ بلکہ اگر اس کو آنکھ ملی ہے تو وہ خود بھی چشمِ برزخی کھولنے کے بعد اپنے کو اسی صورت میں دیکھے گا جس میں ہے۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی جس صورت پر یہاں ہے وہاں بھی اسی صورت پر رہے۔

خداوندِ عالم بعض لوگوں کی حکایت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے: "پالنے والے جب میں دنیا میں آنکھوں والا تھا تو تو نے مجھے اندھا کیوں محشور کیا؟ خدا جواب دے گا: چونکہ تو نے میری نشانیوں کو بھلا دیا تھا اس لئے آج تجھ کو بھلا دیا گیا۔" اے بے چارے تو ملکِ ظاہر میں چشمِ بینا رکھتا تھا لیکن مملکتِ باطن میں اندھا تھا۔ اپنے اندھے پن کا احساس تجھے اب ہوا ہے ارے تو تو ابتدا ہی سے اندھا تھا تو وہ باطنی چشمِ بصیرت رکھتا ہی نہیں تھا جس سے آیاتِ الٰہی کو دیکھ سکتا۔ اے بے چارے تو قدِ رعنا اور اچھی صورت ضرور رکھتا تھا۔ (لیکن) ملکوت اور باطن کا معیار کچھ اور ہے تم استقامتِ باطنی پیدا کرو تاکہ قیامت میں مستقیم القامت (اور قدِ رعنا کے مالک) بنو۔ تمھاری روح انسانی روح ہونی چاہیئے تاکہ عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں تمھاری صورت انسانی صورت رہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ عالمِ غیب و باطن۔ جو عالمِ کشفِ سرائر و ظہورِ ملکات ہے۔ یہ دنیا کے عالمِ ظاہر کی طرح ہے کہ جہاں امور میں اشتباہ و خلط ملط ہوتا ہے (سنو) تمھارے کان، تمھاری آنکھ، تمھارے ہاتھ پیر، بلکہ تمھارے سارے اعضاء زبانِ ملکوتی سے۔ بلکہ بقول بعض صورتِ ملکوتی سے بھی ہر اس چیز کی گواہی دیں گے جو تم نے کیا ہے۔

(لہٰذا) میرے عزیز گوشِ دل کو کھول لو، دامنِ ہمت کو گردان لو، اور اپنی بدبختی پر رحم کرو۔ ہو سکتا ہے اپنے کو انسانی صورت میں کر سکو اور اس دنیا سے آدمی کی صورت میں جاؤ اور (ایسا کرنے پر) اہلِ سعادت و اہلِ نجات سے ہو گے۔ خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ یہ تو ایک موعظہ ہے ایک تقریر ہے (نہیں بلکہ) یہ سب حکمائے عظام کے براہین و دلائل کا نتیجہ ہے اور اصحابِ ریاضت کا کشف ہے معصومینؑ

وصادقین کی روایات ہیں۔ ان صفحات میں نہ تو اقامۂ برہان مقصود ہے اور نہ زیادہ اخبار و آثار کا ذکر کرنا مطلوب ہے۔

تیسری فصل

انبیا کی فطری میلانات پر معقول پابندی

جہاں وہم و غضب و شہوت کا جنودِ رحمانی سے ہونا ممکن ہے اور اگر ان کو عقلِ سلیم اور انبیائے کرام کے بتائے ہوئے راستہ کا پابند بنا دیا جائے تو یہی چیزیں انسان کی سعادت و خوش بختی کو (نہ صرف ممکن بلکہ) یقینی بنا دیتی ہیں۔ وہاں ان کا۔ یعنی وہم و غضب و شہوت کا۔ جنودِ شیطانی سے (بھی) ہونا ممکن ہے۔ اگر ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور واہمہ کو دوسری دونوں طاقتوں اور حکمرانی کا موقع دے دیا جائے۔

یہ بات بھی واضح ہو جانا چاہیئے کہ انبیائے کرام۔ علیہم السلام۔ میں سے کسی ایک نے بھی شہوت، غضب اور واہمہ کو پوری طرح کچلنے کا کبھی حکم نہیں دیا۔ اور نہ کسی داعی الی اللہ نے ابھی تک یہ کہا ہے کہ شہوت کو کلی طور سے ختم کر دیا جائے اور آتشِ غضب کو بالکلیہ خاموش کر دیا جائے یا واہمہ کی قوت سے بالکل کام ہی نہ لیا جائے۔ بلکہ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ ان فطری قوتوں کو اس طرح لگام دیا جائے کہ یہ عقل کے مطابق اور قوانینِ الٰہی کے موافق کام کریں۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر قوت یہ چاہتی ہے کہ اپنا مقصد حاصل کرلے چاہے اس سے فساد پیدا ہو یا ہرج و مرج لازم آئے۔ مثلاً درندہ صفت و خود سر نفس شہوانی قوت میں مست ہو کر بے لگام ہو کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے چاہے خانۂ کعبہ میں زنائے محصنہ (شوہر دار عورت سے زنا) کر کے بھی اور غیظ و غضب میں بھرا نفس اپنے مطلب کو حاصل کرنا چاہتا ہے خواہ اس کو انبیا و اولیا کو قتل کرنا پڑے۔ اسی طرح واہمہ شیطانیہ اپنے غرض کی تکمیل چاہتا ہے چاہے زمین میں فساد ہو یا عالم درہم و برہم ہو جائے۔

انبیائے کرام (دنیا میں) تشریف لائے، (اپنے ساتھ) قوانین لائے، ان پر (خدا نے) آسمانی کتابیں نازل کیں تاکہ فطرتِ انسانی کی سرکشی پر روک لگائی جاسکے، نفسِ انسانی کو عقل و شرع

کے قانون کا پابند بنایا جاسکے۔ نفس کی ایسی تربیت کی جائے جس کی بنا پر وہ خلاف عقل یا خلاف شرع کوئی کام نہ کرے۔ اس لئے جو نفس کی الٰہی قوانین اور عقلی موازین پر اپنے ملکات کی تطبیق کرے گا۔ وہ سعید ہوگا اور اہلِ نجات سے ہوگا۔ اور جو نفس ایسا نہ کرے اس کو چاہیئے کہ درپیش ہونے والی شقاوتوں، بدبختیوں، تاریکیوں، سختیوں سے خدا کی پناہ مانگے اور ان وحشت ناک و دہشت ناک صورتوں سے (بھی) خدا کی پناہ مانگے جو برزخ، قبر، قیامت، جہنم میں اس کے ساتھ ہوں گی۔ اور ان ملکات واخلاق فاسدہ کے نتائج سے بھی خدا کی پناہ چاہے جو اس کے ہمراہ ہمہ وقت ہوں گے۔

چوتھی فصل

قوت تخیل کی تہذیب

اس جگہ اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی مجاہد کو شیطان اور اس کے ہمراہیوں کو زیر کرنے کے لئے تخیل کی بلند پروازی کو کنٹرول کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ (انسانی) تخیل ہمیشہ ایک پرندہ کی طرح مائل پرواز رہتا ہے اور ہر لحظہ کسی شاخ پر لٹکنے کے لئے بے چین رہتا ہے۔ اور یہ (بلند پروازی) کبھی بدبختیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ تخیل شیطان کا آلہ کار بھی ہے اور یہ انسان کو اس کے ذریعہ لاچار بنا سکتا ہے۔ بدبختی کے کھڈ میں گرا سکتا ہے۔ جو مجاہد اپنے اصلاح کی فکر میں ہے، اپنے باطن کو جلا دینا چاہتا ہے۔ شیطان کے چیلوں سے اس کو خالی کرنا چاہتا ہے اس کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ لجامِ خیال پر اپنی گرفت مضبوط رکھے۔ اس کو اس کی مرضی پر نہ چھوڑ دے۔ فاسد خیالات کو اس کے قریب پھٹکنے نہ دے۔ مثلاً کارہائے گناہ و شیطنت کا تصور نہ کرے۔ (بلکہ) ہمیشہ اپنے خیالات کو امورِ شریفہ پر مرکوز رکھے یہ بات اگرچہ شروع میں مشکل ضرور معلوم ہوگی۔ اور شیطان اور اس کے چیلے اس بات کو اس کی نظروں میں اور بڑا کر کے دکھائیں گے لیکن مسلسل پابندی و مراقبت و نگرانی سے کام آسان ہو جائے گا۔

ممکن ہے تم بھی تجربہ کرو اور تھوڑی سی توجہ و کوشش سے اپنے تخیل کے اِدھر اُدھر بھٹکنے کی عادت کو ختم کر سکو۔ جب بھی تم یہ دیکھو کہ تمھارے خیالات پست اور ذلیل چیزوں کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں ان کو پاک اور شریف چیزوں کی طرف متوجہ کر دو۔ اگر تم دیکھو کہ تم کو اپنی کوششوں میں کامیابی نصیب ہو رہی ہے تو اس توفیق پر اپنے خدا کا شکر ادا کرو اور اپنی کوشش جاری رکھو۔ ہو سکتا ہے

پروردگارِ عالم تم پر اپنی رحمت سے ملکوت کا کوئی راستہ تمہارے لئے کھول دے۔ جس سے انسانیت کے صراطِ مستقیم کی طرف تمہاری ہدایت ہو جائے۔ اور سلوک الی اللہ کا راستہ تمہارے لئے آسان ہو جائے۔

اس بات کی طرف خصوصی توجہ رکھو کہ قبیح و فاسد خیالات اور باطل تصورات شیطانی القائات ہیں۔ شیطان اپنے چیلوں کو تمہاری سلطنتِ باطن میں قدم جما لینے کی بھرپور کوشش کرتا ہے اور تم جو شیطان اور اس کے چیلوں سے جہاد کے لئے نکلے ہو اور اپنے صفحۂ نفس کو رحمانی و الٰہی مملکت بنانا چاہتے ہو اس لعین کی مکاریوں سے تم کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اور ان تمام خیالات کو جو رضائے الٰہی کے خلاف میں اپنے سے دور کر دو تاکہ اس داخلی جنگ میں انشاءاللہ یہ اہم چوکی (جو بہت ہی اہم ہے) شیطان اور اس کے چیلوں کے ہاتھ سے نکل جائے کیوں کہ یہ چوکی سرحدی چوکی ہے۔ اگر یہاں کامیاب ہو گئے تو آگے بھی کامیابی کی اُمید ہے۔

اے عزیز! ہر وقت خداوندِ عالم سے مدد مانگو، اپنے معبود سے بصدِ عجز و نیاز، الحاح و زاری کے ساتھ استغاثہ کرتے ہوئے کہو: بارالٰہا شیطان ایک بہت بڑا دشمن ہے جو تیرے انبیا و اولیا کو (بہکانے کی) طمع رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔ اے خدا تو اپنے اس کمزور و ناتواں بندے کی جو (دراز کار) اُمیدوں، باطل اوہام اور پست و بیکار خیالات (کے جال) میں گرفتار ہے۔ مدد کر! تاکہ وہ اس قوی دشمن سے عہدہ برآ ہو سکے خدایا تو اس میدانِ جنگ اس قوی دشمن سے جو میری سعادت و انسانیت کے لئے خطرہ ہے مجھے محفوظ رکھ اور میری مدد کر۔ تاکہ اس کی فوج کو تیری مخصوص مملکت سے نکال سکوں اور (مجھے توفیق دے کہ) جو گھر تیرے لئے مخصوص ہے اس تک اس غاصب کے ہاتھ نہ پہونچنے دوں۔

پانچویں فصل

موازنہ میں (یعنی احتساب کے بیان میں)

راہِ سلوک میں جو چیز انسان کی مددگار ہوتی ہے اور انسان کو اس کی پابندی کرنی چاہیئے وہ "موازنہ" ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عقلمند انسان کو چاہیئے کہ قوتِ شہویہ و غضبیہ و واہمہ سے پیدا ہونے والے فاسد اخلاق اور پست ملکات جو خود سر اور تصرفِ شیطان کے تابع ہوتے ہیں

ان کا مقابلہ ان اخلاقِ حسنہ اور فضائلِ نفسانیہ کے منافع سے کر کے دیکھے جو منافع عقل و شرع کے تصرف کے تابع ہیں۔ ان دونوں مضار و منافع۔ کے افعال میں خوب غور و فکر کر کے جو مناسب و مفید ہو اس کو اختیار کرنا چاہئیے۔ (دیکھئے ہر قوت کے منافع ہم بیان کئے دیتے ہیں۔)

۱۔ قوتِ شہویہ

یہ ایک بے لگام قوت ہے یہ انسان میں راسخ ہو کر (جب) ایک ملکہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو پھر اس سے بہت سے دوسرے رذائل اور دوسری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر یہ قوت کسی بھی فسق و فجور کے ارتکاب میں کوتاہی نہیں کرتی اور جو مال جس راہ سے بھی ہے اس سے روگردانی نہیں کرتی۔ جو بھی چیز اس کے (جنسی) میلان کے مطابق ہو اس کے حاصل کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی ہے چاہے ان کے نتائج کتنے ہی برے ہوں۔

۲۔ قوتِ غضبیہ

اگر اس کو اتنی چھوٹ مل گئی کہ یہ ملکہ کی صورت اختیار کر گئی تو اس سے دوسرے بہت سے رذائل پیدا ہو جائیں گے اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی (مثلاً) جو شخص بھی اس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ اس پر ظلم و ستم کرے گا۔ اگر کسی نے ایسے شخص کی معمولی سی مقاومت کر لی تو یہ اسکو شکست دینے کے لئے جو بھی ممکن ہو گا کرے گا۔ ذرا سی نا ملائم بات پر شور و غوغا شروع کر دے گا۔ اور اپنے سے خلافِ مزاج ہر بات کو بہر صورت دور کرنے پر تل جائے گا چاہے اس سے دنیا زیر و زبر ہو جائے۔

۳۔ قوتِ واہمہ:

اسی طرح یہ شیطانی قوتِ واہمہ جس کے یہاں راسخ ہو جائے اور ملکہ کی صورت اختیار کرے تو پھر ہر شیطانی طریقے سے اپنے شہوت و غضب کو تسکین و تشفی دینا چاہتی ہے اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے بندگانِ خدا پر تسلط حاصل کرنا چاہتی ہے۔ چاہے اس کے لئے ایک خاندان کو تباہ کرنا پڑے یا ایک شہر یا ملک کو اجاڑنا پڑے۔

ان قوتوں (شہویہ، غضبیہ، واہمہ) کے یہ درج بالا نتائج اس وقت ہیں جب یہ قوتیں شیطان کے زیرِ تصرف ہوں۔

ویسے اگر آپ واقعی اور صحیح طریقہ سے ایسے لوگوں کے حالات کے بارے میں غور و فکر کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کوئی بھی شخص چاہے کتنا ہی قوی ہو اور چاہے جتنی اس کی خواہشیں پوری بھی ہو چکی ہوں پھر بھی اس کی لاکھوں خواہشیں ایسی ہوں گی جو پوری نہ ہوئی ہوں گی۔

بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ اس دنیا میں تمام اُمیدوں کا پوری ہونا اور ہر شخص کا اپنے مقصد کا حاصل کر لینا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ دنیا "عالمِ مزاحمت" ہے۔ اس دنیا کے عوامل ہمارے ارادوں کی تکمیل میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ دوسری چیز یہ بھی ہے کہ ہماری اُمیدوں کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ مثلاً انسان کی شہوانی قوت کچھ اس طرح کی ہے کہ بہ فرض محال ایک شہر کی عورتیں اس کے قبضہ میں آجائیں تب بھی وہ دوسرے شہروں کی عورتوں کی طرف پھر بھی متوجہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو ایک حکومت مل جائے تو دوسری حکومت کا خواہش مند رہتا ہے۔ ہمیشہ جو چیز اس کے دسترس میں نہیں ہے۔ اسی کی خواہش کرتا ہے۔ حالانکہ یہ بات کہی گئی ہے کہ تمام خواہشوں کی تکمیل فرضِ محال اور خیالِ خام ہے لیکن اس کے باوجود تنورِ شہوت ہمیشہ دہکتا ہی رہتا ہے۔ اور انسان کبھی بھی اپنی آرزوؤں کو نہیں حاصل کر پاتا۔

اسی طرح انسان کے اندر قوتِ غضبیہ کی تخلیق کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ اگر وہ پوری ایک حکومت کا بلا شرکتِ غیر مالک ہو جائے پھر بھی وہ دوسری ایسی حکومت کی کوشش کرے گا جو اس کو نہیں مل سکی ہے۔ بلکہ جتنا بھی اس کو ملے گا اتنا ہی اس قوت میں اور اضافہ ہو گا۔ اگر کسی کو ہماری بات کا یقین نہیں ہے تو خود اپنے حالات کا جائزہ لے اور اہلِ دُنیا کے حالات کا جائزہ لے مثلاً بادشاہوں، مالداروں، صاحبانِ قدرت و حشمت کی زندگیوں کو دیکھے تو خود ہی ہماری بات کی تصدیق کرے گا۔

(دیکھئے) انسان ہمیشہ ایسی چیز کا عاشق رہتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی اور اس کو حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ ایسی انسانی فطرت ہے جس کو مشائخِ اعظام اور اسلام کے علمائے اعلام نے ثابت فرمایا ہے مخصوصاً معارفِ الٰہیہ کے اندر ہمارے استاد و شیخ جناب عارفِ کامل آقائے آقا میرزا محمد علی شاہ آبادی۔ روحی لہ الفداء۔ نے بہت سے معارفِ الٰہیہ کو ثابت فرمایا ہے۔ جو ہمارے مقصد سے مربوط نہیں ہے۔[۵۲]

بہر صورت اگر بفرض محال انسان اپنے تمام مقاصد کو حاصل بھی کر لے تو کیا اس کو اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع مل سکتا ہے؟ اس کی جوانی کی قوتیں کتنے دنوں تک برقرار رہیں گی؟ جب زندگی کے موسم بہار پر خزاں آتی ہے تو دل سے نشاط، اعضاء سے طاقت سلب ہو

جاتی ہے، قوتِ ذائقہ بیکار ہو جاتی ہے، چیزوں کے مزہ کا صحیح ادراک نہیں ہو سکتا، آنکھیں (قوتِ بینائی سے) کان (قوتِ سماعت سے) لامسہ (قوتِ لمس سے) اور دیگر قوا بیکار ہو جاتے ہیں، لذتیں یا تو یک دم سے ختم یا ناقص ہو جاتی ہیں، بیماریاں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ نظامِ ہاضمہ، قوتِ جاذبہ، قوتِ دافعہ، نظامِ تنفس (یہ سب) اپنے فرائض کی انجام دہی سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ آہِ سرد، دلِ پُر درد حسرت و ندامت کے علاوہ انسان کا دامن ہر چیز سے خالی ہو جاتا ہے۔ حسن تمیز اور اچھے بُرے کی سوجھ بوجھ سے لے کر انسانی قوتوں کے تنزل تک قوی سے قوی انسان کی بھی ان جسمانی قوتوں سے استفادہ کی مدت تیس چالیس سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ وہ بیماریوں اور دیگر ان مصیبتوں سے دوچار نہ ہو جس کا روزانہ سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ اور ہم ان سے غافل ہو جایا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر ان سے سابقہ پڑتا رہا تو تیس چالیس سال بھی استفادہ محال ہے۔

میں جلدی میں آپ کے لئے عالمِ تصور میں۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ فرض کئے لیتا ہوں کہ آپ کی عمر ۱۵۰ سال کی ہوئی۔ اور آپ نے ان تینوں قوتوں۔ شہویہ، غضبیہ، وہمیہ کا بغیر کسی رکاوٹ و تکلیف کے استعمال بھی کیا۔ تو کیا اس مختصر مدت۔ جو ہوا کے جھونکے کی طرح گزر جانے والی ہے۔ کے بعد (میں معلوم کر سکتا ہوں کہ) آپ کا انجام کیا ہوگا؟ ان فانی لذتوں سے آپ نے اپنی دائمی زندگی کے لئے کیا ذخیرہ کیا؟ لاچارگی اور بیچارگی کے دن کے لئے تم نے کیا کیا؟ اپنی تنہائی و فقر و فاقہ کے دن کے لئے کون سا ذخیرہ اکٹھا کیا؟ برزخ و قیامت کے لئے کون سا اثاثہ محفوظ کیا؟ ملائکۂ الٰہی، اولیائے خدا، انبیائے خدا سے ملاقات کے لئے تم نے کون سا تحفہ تیار کیا؟ (ہاں ہاں) تم نے چند اعمالِ قبیحہ کا ایک سلسلہ ضرور جمع کر لیا ہے۔ جو اعمالِ قبیحہ برزخ و قیامت میں ایسی شکلوں میں نظر آئیں گے جن کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ شکلیں کیسی ہوں گی؟

تم نے جو آتشِ دوزخ و عذابِ قبر و قیامت وغیرہ کو سن کر جو آتشِ دنیا اور عذابِ دنیا پر قیاس کیا۔ یہ غلط قیاس کیا ہے اور اس کے سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے۔ اس دنیا کی آگ بہت ہلکی اور دھیمی ہے۔ اس دنیا کا عذاب بہت سہل اور آسان ہے۔ اس دنیا میں (عالمِ آخرت کے بارے میں) تمہارا ادراک بہت ہی ناقص اور نا تمام ہے۔ اس دنیا کی تمام آتش کو بھی جمع کر لیا جائے جب بھی وہ انسانی روح کو نہیں جلا سکتی۔ لیکن آخرت کی آگ جسم کو جلاتے کے ساتھ قلب و روح کو بھی بھسم کر دیتی ہے۔ دل کو جلا دیتی ہے۔ تم نے اب تک جس جہنم کے بارے میں سنا ہے وہ تمہارے اعمال کا جہنم ہے۔ جو حقیقت بن کر وہاں تمہارے سامنے حاضر ہوگا۔

ارشادِ خداوندِ عالم ہے:

"وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا" ۵۳

"اور جو کچھ انھوں نے (دنیا میں) کیا تھا اس کو حاضر پایا"

(تم نے اس دُنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کی سزا آخرت میں بھگتنی ہے) اگر تم نے یہاں یتیم کا مال ہڑپ کیا ہے اور اس کے مزے اڑائے ہیں تو خدا ہی جانتا ہے کہ آخرت میں جہنّم کے اندر تم کس صورت میں اس کو دیکھو گے اور وہاں کتنی ذلت اٹھاؤ گے اور اس ذلت کی حقیقت کیا ہوگی یہاں تم نے اگر اپنے سخت و سُست الفاظ سے لوگوں کے دِل جلائے ہیں۔ تو اب یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ آخرت میں اس کا کیا عذاب ہے۔ جب تم خود دیکھو گے تو تمھاری سمجھ میں آئے گا کہ خود تم نے اپنے لئے کیسا عذاب مہیا کر لیا ہے؟ اگر تم نے کسی کی غیبت کی ہے تو اس غیبت کی جو اخروی شکل ہے وہ تم کو دے دی جائے گی اور تم اسی صورت پر محشور ہو گے اور اس کے عذاب کا مزہ چکھو گے۔

یہ سب اس جہنّم کی بات ہے جو بُرے اعمال کا دوزخ ہے جو نسبتاً سرد، آسان ملائم اور گوارا ہے اور یہ ان گنہگاروں کے لئے ہے جو کبھی کبھی گناہ کر کے اہلِ معصیت میں (شمار) ہوتے ہیں۔ لیکن جن اشخاص کے یہاں گناہ ملکۂ فاسدہ و رذیلہ و باطلہ بن چکا ہے۔ جیسے طمع، حرص، لڑائی جھگڑے کے ملکات، حبِ مال و جاہ، حبِّ دُنیا اور دیگر پست ملکات تو اس دوزخ کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس دوزخ میں عذاب کی صورتوں کا تصور بھی ہمارا اور تمھارا ذہن نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہ خود نفس کے باطن سے ظاہر ہوں گی اور ان کے عذاب سے خود اہلِ جہنّم بھی گریزاں ہوں گے اور وحشت کریں گے۔

بعض موثق روایات میں ہے کہ جہنّم میں متکبرین کے لئے ایک وادی ہے جس کا نام "سَقَر" ہے۔ اس وادی نے ایک مرتبہ حرارت و گرمی کی شدّت کی وجہ سے خداوندِ عالم سے اجازت چاہی کہ مجھے ایک سانس لینے کی اجازت دی جائے۔ اجازت حاصل ہونے کے بعد جب اس نے سانس لی تو اس کے اثر سے جہنّم تپ اُٹھا۔ ۵۴

کبھی یہی ملکات انسان کو ہمیشہ ہمیشہ جہنمی بنانے کے سبب بن جاتے ہیں کیونکہ انسان سے ایمان کو ختم کر دیتے ہیں اور جب ایمان نہ ہوگا تو انسان کافر ہوگا اور کافر ہمیشہ جہنّم میں رہے گا: جیسے حسد ہے اس کے لئے ہماری صحیح روایات میں آیا ہے: حسد ایمان کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ ۵۵

اسی طرح حبِّ دنیا، اقتدار، اور حبِّ مال کے لئے صحیح روایات میں آیا ہے: ایسا گلہ گوسفند جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو اگر اس گلے پر ایک بھیڑیا آگے سے اور ایک پیچھے سے چھوڑ دیا جائے تو یہ دونوں بھیڑیے اس گلے کو اتنی جلدی ختم نہیں کر سکیں گے جتنی جلدی حبِّ اقتدار و حبِّ دنیا مومن کے ایمان کو ختم کر دیتا ہے۔[56]

خدا نہ کرے انسان کی معصیتیں فاسد ملکات تک پہونچ جائیں، اور بد اخلاقی کے ملکہ تک پہونچ جائیں۔ اور پھر ان فاسد و باطل ملکات پر عمل کرنے کا انجام خاتمۂ ایمان کی صورت میں ظاہر ہو۔ اور وہ کافروں کی موت مرے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو کافروں کے اور باطل عقائد والوں کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور یہ دونوں جہنم دوسرے جہنموں سے بہت زیادہ سخت بہت زیادہ گرم، اور بہت زیادہ تاریک ہیں۔

اے عزیز! علومِ عالیہ (سائنس) میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ "شدت کے مراتب غیر متناہی ہیں" تم چاہے جتنا تصور کر و اور تمام عقول چاہے جتنے زیادہ شدتِ عذاب کا تصور کر لیں اس سے شدید تر کا امکان موجود ہے۔ کیا تم نے حکما کے براہین کو نہیں دیکھا؟ یا کیا تم نے اہلِ ریاضت کے کشف پر یقین نہیں کیا؟ اچھا تم تو۔ بحمد اللہ۔ مومن ہو۔ انبیا کو تو سچا مانتے ہو، ہماری معتبر کتابوں میں واردِ روایات جس کو تمام علمائے امامیہ قبول کرتے ہیں ان کو تو صحیح مانتے ہو۔ ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین سے منقول دعاؤں اور مناجات کو تو درست تسلیم کرتے ہو۔ تم نے مولائے متقیان امیر المومنین سلام اللہ علیہ کے مناجات کو تو دیکھا ہی ہو گا۔ سید الساجدین علیہ السلام کی مناجات جو دعائے ابو حمزہ ثمالی کے اندر ہے اس کو تو دیکھا ہی ہو گا۔ ذرا اس کے مضمون میں غور کرو۔ ان کے جملوں میں تھوڑا سا تامل کرو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک لمبی دعا کو ایک مرتبہ میں جلدی جلدی پڑھ ڈالو اور اس کے مطالب میں غور و فکر نہ کرو۔ ہم ہوں یا تم ہو سید سجادؑ کا عالم تو نہیں پیدا کر سکتے کہ لمبی لمبی دعا کو توجہ وخضوع وخشوع سے پڑھ لیں۔ (آپ ایسا بھی کر سکتے ہیں) ہر رات ایک چوتھائی پڑھ لیں، یا ہر رات ایک تہائی پڑھ لیں۔ لیکن سمجھ کے پڑھو، ہر ہر فقرہ میں غور کرو۔ ہو سکتا ہے تم بھی صاحبِ حال ہو جاؤ۔

سب کو جانے دو تھوڑا سا قرآن میں تفکر کرو، اور یہ دیکھو کہ اہلِ جہنم کے لئے کس کس قسم کے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ لوگ خدا سے موت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ مگر افسوس موت بھی ان کے دکھ درد کا مداوا نہیں! دیکھو خدا کا ارشاد ہے:

يَا حَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللّٰهِ۔[58]

ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا (کی بارگاہ) کا تقرب حاصل کرنے میں کی۔ اب یہ کون سی حسرت ہے؟ جس کو خدا اپنی اس عظمت کے ساتھ تعبیر کے ساتھ ذکر کر رہا ہے۔ اس میں غور کرنا چاہیئے۔ بغیر تدبر کئے اس سے نہیں گزرنا چاہیئے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

«يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ»[59]

"جس دن تم اسے دیکھو گے تو ہر دودھ پلانے والی (ڈر کے مارے) اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی اور ساری حاملہ عورتیں اپنے اپنے حمل (دہشت سے) گرا دیں گی اور (گھبراہٹ میں) لوگ تجھے متوالے معلوم ہوں گے حالانکہ وہ متوالے نہیں ہیں۔ بلکہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے (کہ لوگ بدحواس ہو رہے ہیں)

میرے عزیز ذرا سوچو! قرآنِ مجید (نعوذ باللہ) کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے۔ تم سے مذاق نہیں کرتا۔ دیکھو تو کیا کہتا ہے؟ آخر یہ کس قسم کا عذاب ہے جو عزیز رشتہ دار کو بھلا دیتا ہے، حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جاتا ہے؟ آخر یہ کیسا عذاب ہے جس کا ذکر خدا اپنی تمام عظمتوں کے باوجود کر رہا ہے اور بڑی سختی سے کر رہا ہے اور دوسری جگہ عظمت سے کر رہا ہے۔ جس چیز کے بارے میں وہ خدا جس کے عظمت کی حد و انتہا نہ ہو اور جس کی عزت و سلطنت کا نہ کوئی اور ہو نہ چھور شدت و عظمت کے ساتھ اس کا ذکر کرے وہ چیز کیا ہو سکتی ہے؟ خدا جانتا ہے کہ میری اور تمہاری عقل اور تمام انسانوں کی فکر اس کے تصور سے بھی عاجز ہے۔ اگر اہلِ بیتِ عصمت و طہارت کے اخبار و آثار کا مطالعہ کیجئے اور اس میں غور و فکر کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کا عذاب اس دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ شدید ہے اس کا قیاس اس دنیا کے عذاب سے کرنا غلط اور باطل ہے۔

میں تمہارے لئے شیخ جلیل القدر صدوق طائفہؒ کی ایک حدیث شریف نقل کرتا ہوں تاکہ تم سمجھ لو کہ مطلب کیا ہے؟ اور مصیبت کتنی عظیم ہے؟ حالانکہ یہ حدیث اعمال کے دوزخ سے متعلق ہے جو تمام جہنموں سے سرد تر ہے۔ پہلے تو تم یہ سمجھ لو کہ شیخ صدوقؒ جن کی یہ حدیث ہے وہ بزرگوار ہیں۔ جن کے سامنے تمام علمائے اعلام اپنے کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ اور ان کی جلالت قدر کے قائل ہیں۔ (دوسرے یہ کہ) یہ وہ بزرگوار ہیں جو امام علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے ہیں۔ (تیسرے یہ کہ) یہ وہ عظیم شخص ہیں جو امام زمانہ علیہ السلام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ۔ کے مورد لطف و کرم رہے ہیں۔ اور میں

یعنی اس کتاب کا لکھنے والا یعنی امام خمینی طاب ثراہ" علمائے امامیہ کے بزرگوں سے متعدد طریقوں سے جو شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو نقل کرتا ہوں اور ہمارے اور شیخ صدوقؒ کے درمیان جتنے مشائخ (واسطہ) ہیں وہ سب کے سب بزرگوں میں سے اور اصحاب ثقات میں سے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ مومن ہیں تو اس حدیث پر عقیدت مند رہیے۔

«رَوَى الصَّدُوقُ بِإسْنادِهِ عَنْ مَوْلٰينا الصّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: بَيْنا رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَآلِهِ، ذاتَ يَوْمٍ قاعِداً إذْ أتاهُ جِبْرَئيلُ، عَلَيْهِ السَّلامُ، وَهُوَ كَئيبٌ حَزِينٌ مُتَغَيِّرُ اللَّوْنِ فَقالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يا جِبْرَئيلُ مالِي أراكَ كَئِيباً حَزِيناً؟ فَقالَ يا مُحَمَّدُ فَكَيْفَ لا أكُونُ كَذٰلِكَ وَإنَّما وُضِعَتْ مَنافِيخُ جَهَنَّمَ الْيَوْمَ. فَقالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: وَما مَنافِيخُ جَهَنَّمَ يا جِبْرَئيلُ؟ فَقالَ: إنَّ اللّٰهَ تَعالىٰ أمَرَ بِالنّارِ فَأُوقِدَ عَلَيْها ألْفَ عامٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ؛ ثُمَّ أمَرَ بِها فَأُوقِدَ عَلَيْها ألْفَ عامٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ، ثُمَّ أمَرَ بِها فَأُوقِدَ عَلَيْها ألْفَ عامٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ، وَهِيَ سَوْداءُ مُظْلِمَةٌ. فَلَوْ أنَّ حَلْقَةً مِنَ السِّلْسِلَةِ الَّتِي طُولُها سَبْعُونَ ذِراعاً وُضِعَتْ عَلَى الدُّنْيا، لَذابَتِ الدُّنْيا مِنْ حَرِّها؛ وَلَوْ أنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّومِ وَالضَّرِيعِ قَطَرَتْ فِي شَرابِ أهْلِ الدُّنْيا، ماتَ أهْلُ الدُّنْيا مِنْ نَتْنِها. قالَ: فَبَكىٰ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَبَكىٰ جَبْرَئيلُ؛ فَبَعَثَ اللّٰهُ إلَيْهِما مَلَكاً، فَقالَ: إنَّ رَبَّكُما يَقْرَأُ كُما السَّلامَ وَيَقُولُ: إنِّي أمِنْتُكُما مِنْ أنْ تُذْنِبا ذَنْباً أُعَذِّبَكُما عَلَيْهِ. انتهى[۶].»

حدیث شریف کا حاصل ترجمہ یہ ہے کہ ایک دن رسولِ خدا تشریف فرما تھے کہ جبرئیلِ امین افسردہ و محزون، چہرے کا رنگ اڑا ہوا آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے۔ رسولِ خدا نے پوچھا: جبرئیل میں تم کو محزون و افسردہ دیکھ رہا ہوں؟ جبرئیل نے کہا: اے محمدؐ میں کیوں افسردہ نہ ہوں؟ جبکہ میں نے دیکھا ہے کہ منافیخ جہنم کو آج بھڑکایا گیا ہے۔ رسولِ خدا نے پوچھا: منافیخ جہنم کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا" اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کو حکم دیا گیا کہ اس کو ہزار سال تک دھکایا جائے یہاں تک کہ وہ

سُرخ ہو جائے۔ اس کے بعد پھر اس کے دھکانے کا حکم ہوا اور وہ ہزار سال تک دہکتی رہی یہاں تک کہ وہ آگ سفید ہو گئی اس کے بعد پھر اس کو دہکانے کا حکم ہوا اور وہ ہزار سال تک دہکتی رہی یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی اور بالکل سیاہ و تاریک۔ اب اگر اس زنجیر کا ایک حلقہ جس کا طول ستر ذراع ہے دنیا پر گر جائے تو اس کی گرمی سے پوری دنیا پگھل جائے اور اگر اس کے زقوم (ایک درخت جس کا ذکر قرآن میں ہے) یا ضریع (ایک نہایت کڑوی گرم شئے جو اہلِ جہنم کی غذا ہوگی) کا ایک قطرہ اہلِ دنیا کے تمام پانی میں ٹپک جائے تو اس کی بدبو سے پوری دنیا کے لوگ مر جائیں۔ (یہ سُن کر) رسولِ خدا رونے لگے اور جبرئیل پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ اس وقت خدا نے ایک فرشتہ کو بھیجا اور اس نے آکر کہا، تمہارا خدا تم کو سلام کہہ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں نے تم دونوں کو اس بات سے امان دے دی کہ تم دونوں کوئی گناہ کرو اور اس گناہ کی وجہ سے تم پر عذاب کروں۔

میرے عزیز! اس حدیث شریف کی طرح بہت سی حدیثیں ہیں۔ جہنم کا وجود اور اس کا دردناک عذاب دنیا کے تمام ادیان کے نزدیک بدیہیات میں سے ہے اور اس کے براہین واضح ہیں۔ (بلکہ) اس کی حقیقت اسی دنیا میں صاحبانِ کشف اور اربابِ دل پر ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لرزہ فگن حدیث کے بارے میں ٹھیک سے غور و فکر کرو۔ اگر اس کے صحیح ہونے کا احتمال بھی ہو تو کیا دیوانہ وار جنگل کی طرف بھاگ نہیں نکلنا چاہیے؟ آخر کیا بات ہے کہ ہم اس قدر غفلت و جہالت میں پڑے ہیں؟ کیا رسولِ خدا اور جبرئیل کی طرح ہمارے اوپر بھی کوئی ملک نازل ہوا ہے؟ اور ہم کو عذاب سے امان کا مژدہ سنا گیا ہے؟ کیا رسولِ خدا اور اولیاء الٰہی تمام عمر خوفِ خدا سے تڑپتے نہیں رہے؟ ان کا کھانا، پینا، سونا سب چھوٹ نہیں گیا تھا؟ ولی خدا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام خوفِ خدا سے غش کھا جاتے تھے۔ امام معصومؑ کی گریہ و زاری، نالہ و مناجات دل کے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ آخر ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ بے حیائی و بے غیرتی کے ساتھ اس کے محرکات و نوامیس کی بے حرمتی کرتے ہیں؟ وائے ہو ہمارے اوپر اور ہماری غفلتوں پر! وائے ہو ہمارے اوپر اور سکراتِ موت کی شدت پر! ہائے افسوس وائے ہو ہمارے اوپر دوزخ میں اور اس کی سختیوں پر! اور قیامت اور اس کی تاریکیوں پر! وائے ہو ہمارے اوپر جہنم اور عذابِ جہنم پر!

چھٹی فصل

اخلاقی امراض کا علاج

ہاں اے عزیز خواب (غفلت) سے جاگو، اپنی (کوتاہیوں) سے ہوشیار ہو، کمر ہمت باندھ لو اور جب تک وقت ہے فرصت کو غنیمت شمار کرو، جب تک عمر باقی ہے اور تمھارے قواء تمھارے بس میں ہیں، جب تک جوانی قائم ہے اور فاسد اخلاق کا ابھی تم پر غلبہ نہیں ہوا، پست و ذلیل ملکات نے ابھی تم پر تسلط نہیں حاصل کیا، ان کے علاج کی کوئی تدبیر کرو، فاسد اور برے اخلاق دور کرنے کا راستہ نکالو، آتشِ شہوت و غضب کے خاموش کرنے کی کوئی ترکیب کرلو۔

علمائے اخلاق و اہلِ سلوک نے ان اخلاقی بیماریوں کو دور کرنے کا سب سے بہترین علاج یہ تجویز کیا ہے کہ جب بھی اپنے آپ میں تمھیں ان اخلاقی برائیوں میں سے کوئی برائی نظر آئے اس کو اپنی نظر میں رکھ لو، اور اس کے خلاف مردانہ وار جدوجہد کرو، اور ہمت کر کے اپنے نفس کے خلاف ایک مدت تک اس غلط خواہش کے خلاف اقدام کرتے رہو۔ اور ہر حالت میں اپنے خدا سے دعا کرتے رہو کہ اس جہاد میں تمھاری مدد کرتا رہے۔ یقین رکھو تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ بری عادت دور ہو جائے گی۔ اور شیطان واس کا لشکر اس محاذ سے بھاگ جائے گا اور رحمانی لشکر اس کی جگہ لے لے گا۔

مثلاً اخلاقی برائیوں میں سے ایک برائی جو انسان کی ہلاکت کا سبب اور فشارِ قبر کا سبب بنتی ہے اور انسان کو دونوں جہان میں عذاب میں گرفتار رکھتی ہے وہ گھر والوں، یا پڑوسیوں یا ہم پیشہ لوگوں، یا اہلِ محلّہ یا اہلِ بازار کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آنا ہے اور یہ بد اخلاقی غصّہ اور شہوت کی پیداوار ہوتی ہے۔

اگر مردِ مجاہد ایک مدت تک اس بات پر تل جائے کہ جب کبھی اس کو غصّہ آئے گا اور آتشِ غضب کے شعلے بھڑکنے لگیں گے اور اس کے سینہ میں آگ لگادیں گے اور اس کو بد گفتاری و تند رفتاری پر آمادہ کریں گے تو وہ اپنی خواہشِ نفس کے خلاف قدم اٹھائے گا اور برائی کے برے انجام کو سوچے گا اور دل میں شیطان پر لعنت کرے گا اور اس سے خدا کی پناہ مانگے گا تو میں آپ کو

قول دیتا ہوں کہ اگر وہ اس پیکار بند رہا۔ تو چند مرتبہ تکرار کے بعد۔ تو اس کی اخلاقِ عادت بالکل بدل جائے گی اور مملکت باطن میں اس کی جگہ اچھی عادت اپنی جگہ واپنا گھر بنالے گی۔ لیکن اگر خواہش نفس کے مطابق عمل کرتا ہو تو ممکن ہے یہ بات اس کو اسی دنیا میں نیست و نابود کردے۔

میں غیظ و غضب سے بھی خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ غضب ایک پل میں اس کی دونوں دنیا کو تباہ کردیتا ہے۔ خدانخواستہ غصہ کسی کے قتل کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے انسان غصہ کی حالت میں نوامیسِ الٰہی کے بارے میں کچھ اول فول بک دے۔ جیسے کہ میں نے لوگوں کو غصہ کی حالت میں کفر کے کلماتِ بکتے ہوئے دیکھا ہے۔

حکمانے فرمایا ہے: بغیر ملاح کے شدید طوفانی موجوں میں گھری ہوئی کشتی کا نجات پالینا بہ نسبت غصہ میں بھرے ہوئے شخص کے زیادہ قریب ہے۔"[۹۱]

اور اگر خدانخواستہ تمہارا شمار علمی مباحث میں جھگڑا کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم طلبہ میں بعض اس بری عادت میں گرفتار ہیں۔ تو ایک مدت تک اپنی اس عادت کے خلاف عمل کرو (خصوصاً) ان رسمی مجلسوں میں جہاں علما اور عوام دونوں ہوتے ہیں اگر کوئی بحث چھڑ جائے اور تم دیکھو کہ تمہارا مقابل صحیح کہہ رہا ہے تو اپنی غلطی مان لو اور اس کی تصدیق کرو۔ اُمید کی جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے ایک مدت کے بعد تمہاری یہ بُری عادت (جدال ومراء والی) چھوٹ جائے گی خدا نہ کرے بعض اہل علم ومدعی مکاشفہ کا قول (تمہارے بارے میں) صادق ہو۔ کہ وہ کہتے ہیں: بعض مکاشفات میں میرے اوپر یہ بات کشف ہوئی کہ تخاصم اہل النّار سے مراد اہلِ علم وحدیث کا جدال کرنا ہے۔

انسان اگر اس کے صحیح ہونے کا احتمال بھی دیتا ہے جب بھی اس خصلت کے دور کرنے کی فکر میں (ہمہ وقت) رہنا چاہیئے۔

«رُوِیَ عَنْ عِدَّةٍ مِنَ الْأَصْحابِ أَنَّهُمْ قالُوا: خَرَجَ عَلَيْنا رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَوْماً وَنَحْنُ نَتَمارىٰ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ. فَغَضِبَ غَضَباً شَدِيداً لَمْ يَغْضَبْ مِثْلَهُ. ثُمَّ قالَ: إِنَّما هَلَكَ مَنْ كانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذا. ذَرُوا الْمِراءَ فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ لا يُمارِي؛ ذَرُوا الْمِراءَ فَإِنَّ الْمُمارِيَ قَدْ تَمَّتْ خَسارَتُهُ؛ ذَرُوا الْمِراءَ فَإِنَّ الْمُمارِيَ لا أَشْفَعُ لَهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ؛ ذَرُوا الْمِراءَ فَإِنِّي زَعِيمٌ بِثَلاثِ أَبْياتٍ فِي

الْجَنَّةِ فِي رِيَاضِهَا وَأَوْسَطِهَا وَأَعْلاهَا لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ صَادِقٌ؛ ذَرُوا الْمِرَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ مَا نَهَانِي عَنْهُ رَبِّي بَعْدَ عِبَادَةِ الأَوْثَانِ الْمِرَاءُ[۶۲]، وعَنْهُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَآلِهِ: لاَ يَسْتَكْمِلُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ حَتّٰى يَدَعَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقّاً.»[۶۳]

روایت میں ہے "ایک مرتبہ ہم لوگ کسی دینی مسئلہ پر آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسولؐ تشریف لے آئے۔ اور (آتے ہی) آپ اس قدر غضبناک ہوئے کہ اس طرح کبھی غضبناک نہیں ہوئے تھے اس کے بعد فرمایا: "تم سے پہلے والے لوگ بھی اسی وجہ۔ بحث وجدال۔ سے ہلاک ہوئے تھے۔ یہ بحث وجدال چھوڑ دو۔ کیونکہ مومن کبھی ایسا نہیں کرتا۔ اس کی عادت کو ترک کر دو کیونکہ بحث وجدال کرنے والا مکمل خسارہ اٹھا چکا ہے۔ اس کو اس لئے بھی ترک کر دو کہ میں جھگڑالو شخص کی شفاعت نہیں کروں گا۔ بحث وجدال کو چھوڑ دو تو میں تمہارے لئے جنت میں تین دروازوں کی ذمہ داری لیتا ہوں (اس کا ادنیٰ دروازہ) باغوں میں کھلے گا) اوسط اور اعلیٰ دروازے اس شخص کے لئے ہوں گے جو بحث وجدال کو چھوڑ دے اور واقعاً وہ سچا بھی ہو۔ بحث وجدال کو ترک کر دو! اس لئے کہ میرے خدا نے بت پرستی کی ممانعت کے بعد سب سے پہلے جس سے روکا ہے وہ یہی بحث وجدال ہے۔

آنحضرتؐ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ "کسی بندے کے ایمان کی حقیقت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ بحث وجدال کو چھوڑ نہ دے خواہ وہ بحث میں حق پر بھی ہو۔

اس سلسلہ (علمی بحث میں غلبہ کے لئے) میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ کتنی بری بات ہے کہ وقتی کامیابی کے لئے انسان رسولِ خداؐ کی شفاعت سے محروم ہو جائے۔ جبکہ اس کا ثمرہ بھی نہیں ہے اور (اسی طرح) مذاکرہ علم کو۔ جو افضل عبادات وافضل طاعات ہے بشرطیکہ صحیح نیت سے ہو۔ عظیم ترین مصیبت بنادے اور بت پرستی کا ثانی بنادے (یہ بھی کتنی بری بات ہے)

بہر حال انسان کو چاہیئے کہ تمام اخلاقی برائیوں کو ایک ایک کر کے نظر میں رکھے اور نفس کی مخالفت کر کے اپنی مملکتِ روح سے اس کو خارج کر دے۔ اور جب غاصب چلا جائے گا تو مالکِ مکان خود ہی اس میں آجائے گا۔ کسی دوسری زحمت کی ضرورت ہی نہیں ہے اور

نہ وعدہ خواہی کی ضرورت ہے۔

خاتمہ

چونکہ اس مقام پر پہونچ کر مجاہدہ نفس کا بیان مکمل ہوگیا۔ اور اس مرحلہ پر انسان ابلیسی قوتوں کو نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس کی مملکت ملائکہ خدا کا مسکن بن جاتی ہے اور خدا کے نیک بندوں کی عبادت گاہ بن جاتی ہے اس لئے سلوک الی اللہ کا کام آسان ہوجاتا ہے اور انسانیت کی صراطِ مستقیم واضح وروشن ہوجاتی ہے۔ تمام جنتوں اور برکتوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور جہنم کے درجے و دروازے اس کے لئے بند ہوجاتے ہیں۔ اور پروردگار عالم اس کی طرف لطف و کرم کی نظر ڈالتا ہے اور اہل ایمان کی لڑی میں اس کو پرو دیتا ہے اور وہ شخص نیک بختوں اور اصحاب یمین میں ہوجاتا ہے۔ اور معارف الٰہیہ۔ جو جن وانس کی تخلیق کی غرض وغایت ہے۔ کے دروازے کا راستہ اس پر کھل جاتا ہے۔[۶۲] اور اس پُرخطر راستہ میں خدا اس کی دستگیری کرتا ہے۔

میں چاہتا تھا کہ نفس کے مقامِ سوم اور اس کی کیفیت جہاد کا (بھی) ذکر کروں۔ اور شیطان کی مکاریوں کا ذکر کروں۔ لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے اس سے صرف نظر کرکے خداوندِ عالم سے توفیق وتائید کا طلب گار ہوں کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھ سکوں۔

پہلی حدیث کی توضیحات

۱۔ حدیثوں کو جھوٹوں اور جعلی حدیث گھڑنے والوں کی دستبرد سے حفاظت کے لئے اور نااہل و ناآشنا راویوں کے توسط سے نقل حدیث کرنے کی حفاظت کی خاطر قدیم زمانہ سے علمائے علمِ حدیث نے "اجازۂ روایت" دینے اور لینے کی ایک رسم بنالی ہے۔ مشائخ حدیث جس شخص کے تقویٰ اور علم کو آزمالیتے تھے اس کو اجازۂ روایت دیتے تھے۔ طلاب علوم بھی اس علم کے علماء و مشائخ کے پاس جاکر "علم حدیث" سیکھتے تھے پھر ان سے اجازہ کی درخواست کرتے تھے تاکہ ان کی بیان کردہ حدیثیں معتبر سمجھی جائیں کم و بیش یہ سیرت اب تک جاری ہے۔

مشائخ جو اجازے دیتے تھے وہ بھی مختلف ہوا کرتے تھے۔ بعض اجازہ کتبی اور بعض شفاہی ہوا کرتے تھے اور جس کے پاس یہ اجازہ ہوتا تھا وہ حدیث بیان کرتے وقت کہتا تھا: "فلاں شخص نے اجازۂ کتبی یا شفاہی کے ذریعہ مجھے اس طرح خبر دی" اسی سنت جاریہ کے پیش نظر امام (قدہ) نے (بھی) ابتدا میں اپنے تھوڑے سے سلسلہ اجازت کو پشت در پشت محمد بن یعقوب کلینی (قدس اللہ اسرارہم) تک نقل فرمایا ہے۔

۲۔ شیخ محمد رضا مسجد شاہی متوفی ۱۳۶۲ھ ق اصفہان کے علمی گھرانے سے متعلق تھے اور عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا تعلق شیخ محمد تقی اصفہانی کے خاندان سے تھا اور آپ میرزائے شیرازی، سید محمد فشارکی اور آخوند خراسانی کے شاگردوں میں تھے۔ آیۃ اللہ شیخ عبدالکریم حائری کے ہم مباحثہ اور دوستوں میں سے تھے۔ شیخ (۱۳۴۴ سے ۱۳۴۵ھ ق تک) قم میں مشغولِ تدریس تھے۔ لیکن اپنے چچا حاج آقا نوراللہ اصفہانی کی شہادت کے بعد اصفہان واپس چلے گئے تھے اور آخری عمر تک وہیں قیام پذیر تھے۔ آپ شیعوں کے مرجع تھے، اصفہان میں آپ کا حوزۂ درس آپ کی زندگی تک باقی تھا۔ آپ کے جد محترم شیخ محمد تقی اصفہانی متوفی ۱۲۴۸ھ ق تھے جو مشہور ترین فقہا میں تھے اور حضرت وحید بہبہانی کے شاگردوں میں تھے۔ آپ کا حوزۂ درس اصفہان میں تھا، میرزائے شیرازی اور سید حسن مدرس آپ کے شاگردوں

میں تھے۔ آپ کی مشہور ترین تصنیف "ہدایۃ المسترشدین" ہے جو معالم الدین کی شرح ہے۔

۳۔ حاج شیخ عباس قمی (۱۲۹۴ - ۱۳۵۹ھ ق) چودھویں صدی ہجری کے مشہور ترین شیعہ محدث تھے۔ اور آپ کا شمار مشائخ روایت میں ہوتا ہے خود امام خمینی (قدہ) نے ان سے اجازہ حاصل فرمایا تھا۔ آقائے شیخ عباس قمی سالہاسال علامہ بتحر (محدث کبیر) مرزا حسین نوری کے ساتھ رہے تھے اور محدث نوری کی تمام تصانیف میں اور استنساخ و مقابلہ میں ان کے مددگار تھے۔ شیخ عباس قمی محقق کثیر التالیف انسان تھے۔ آپ کی ایک مشہور تالیف سفینۃ البحار ہے جس کی تالیف میں ۲۰ سال کی مدت صرف ہوئی تھی۔ آپ کی دیگر تصانیف میں مفاتیح الجنان، منتہی الاعمال، تتمۃ المنتہی، فوائد رضویہ وغیرہ ہیں۔

۴۔ حاج میرزا حسین (نوری) ابن محمد تقی نوری طبرسی (۱۲۵۴ - ۱۳۲۰ھ ق) فقیہ، مفسر اور علم حدیث میں کم نظیر اور علم رجال میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے احادیث اہل بیتؑ کی نشر و اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ شیخ العراقین، شیخ مرتضیٰ انصاری اور میرزائے شیرازی کے شاگرد تھے اور اپنے بعد کے آنے والوں کے لئے "شیخ الاجازہ" تھے۔ حاج شیخ عباس قمی اور آقائے بزرگ تہرانی آپ کے شاگردوں میں تھے اور ان حضرات نے ان سے اجازہ لیا تھا۔ مستدرک الوسائل، مستدرک مزار البحار، النجم الثاقب، لؤلؤ و مرجان، تحفۃ الزائر آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

۵۔ شیخ مرتضیٰ انصاری (۱۲۱۴ - ۱۲۸۱ھ ق) آپ کا لقب خاتم الفقہاء والمجتہدین تھا۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاری صحابی رسولؐ کے پوتوں میں سے تھے۔ آپ کا شمار علم اصول کے نوابغ میں ہوتا تھا۔ اس فن میں آپ نے عظیم انقلاب پیدا کیا۔ آپ کے آراء و نظریات اور آثار آج تک بڑے بڑے فقہاء کی نظر میں محل بحث و نظر ہیں اور مورد توجہ ہیں۔

آپ کی کتابوں پر بہت سے حواشی و شروح تحریر کئے جا چکے ہیں۔ آپ کے بعض اساتذہ یہ تھے شیخ موسیٰ کاشف الغطاء، شیخ علی کاشف الغطاء، ملا احمد نراقی، سید محمد مجاہد وغیرہ۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں آخوند خراسانی، میرزائے شیرازی، میرزا محمد حسن آشتیانی تھے۔ آپ کی اہم ترین تصانیف رسائل، مکاسب، طہارت ہیں۔

۶۔ سید محسن بن عبدالکریم بن علی بن محمد حسینی جبل عاملی ملقب بہ "امین" (۱۲۸۲ - ۱۳۷۱ھ ق) اکابر علمائے امامیہ میں سے تھے۔ اور شیعہ اثنا عشریہ کے مفاخر میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن جبل عامل میں حاصل کی۔ اس کے بعد نجف اشرف تشریف لائے اور آخوند خراسانی، شریعت اصفہانی، حاج آقا رضا ہمدانی، شیخ محمد طٰہٰ نجف اور دیگر بزرگوں سے تکمیل فرمائی۔

تعلیمی دورہ مکمل کر لینے کے بعد اپنے وطن جبل عامل واپس تشریف لائے اور تحقیق و تدریس و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی تصانیف تو بہت ہیں، مگر مشہور ترین تصانیف میں اعیان الشیعہ ہے جو متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے اس کے علاوہ فقہ استدلالی میں اساس الشیعہ ہے، الدرۃ البہیہ، المجالس السنیہ، معدن الجواہر فی علوم الاوائل والاواخر وغیرہ ہیں۔

۷۔ محمد بن ہاشم موسوی رضوی ہندی (۱۲۴۲ - ۱۳۲۳ھ ق) آپ کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی

اور نجفِ اشرف میں تحصیل علوم فرمایا اور وہیں انتقال فرمایا اور دفن ہوئے۔ آپ شیخ مرتضیٰ انصاری کے شاگردوں میں تھے۔

آپ کی تالیفات میں علم رجال میں نظم اللئالی ہے۔ ارجُوزَۃ فی الفقہ ہے، الاضواء المزابلۃ، شرح الشرائع، تقریرات درس شیخ انصاری ہے۔

۸۔ سیدابوالقاسم حسینی دھکردی متوفی (۱۳۵۲ھ ق) آپ میرزا حسن شیرازی، شیخ زین العابدین مازندرانی اور میرزا حسین نوری کے شاگرد تھے۔

آپ کی تالیفات میں حاشیہ بر تفسیر صافی، حاشیہ بر وافی، حاشیہ بر مکاسب ہے اور الوسیلۃ فی السیر والسلوک ہے۔

۹۔ محمد ہاشم بن زین العابدین موسوی اصفہانی معروف بہ "چہار سوقی" (۱۲۳۵ - ۱۳۱۸ھ ق) فقہائے امامیہ سے تھے۔ صاحب "روضات الجنات" کے بھائی تھے۔ شیخ مرتضیٰ انصاری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ سید محمد کاظم یزدی و شیخ الشریعۃ اصفہانی کے مشائخ اجازہ میں سے تھے۔ آپ کے آثار میں استصحاب اصول آل رسولؐ، حاشیہ بر اسفار، حاشیہ شرح لمعہ، حاشیہ قوانین، حاشیہ معالم ہے۔

۱۰۔ احمد بن محمد مہدی بن ابی ذر نراقی متوفی (۱۲۴۴ھ ق) فقیہ و محدث تھے، علم رجال، علم ریاضی، علوم عقلیہ کے استاد تھے۔ زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ زیادہ تر علوم اپنے والد ماجد مُلّا محمد مہدی نراقی سے حاصل کئے۔ مُلّا محمد مہدی نوادرِ روزگار میں سے تھے۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں سید مہدی بحرالعلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء تھے۔ وہ شیخ انصاری اور سید محمد شفیع جابلقی کے اُستاد تھے۔

آپ کی تالیفات میں معراج السعادۃ، مفتاح الاحکام عوائد الایام، منہاج الوصول الی علم الاصول، مستند الشیعہ اور دیوان شعر فارسی ہے۔

۱۱۔ سید مہدی بن مرتضیٰ طباطبائی بروجردی (۱۱۵۴ - ۱۲۱۲ھ ق) معروف بہ "بحرالعلوم" بہت بڑے فقیہ تھے، عارف کامل تھے۔ صاحب کرامات تھے، عوام و خواص کی نظر میں بہت زیادہ محترم تھے۔ آپ ان چند مخصوص شخصیتوں میں سے ہیں جو غیبت کبریٰ میں متعدد مرتبہ امام زمانہ (عج) کی خدمت میں مشرف ہوئے تھے۔ بحرالعلوم علمی و اجتماعی ریاست کے مالک تھے آپ کے حوزۂ درس میں عظیم فقہاء مثلاً شیخ جعفر کاشف الغطاء، سید محمد جواد عاملی، شیخ محمد تقی اصفہانی، مُلّا احمد نراقی، ابوعلی حائری، شیخ اسد اللہ تستری، کی تربیت ہوئی تھی۔ آپ کی مشہور ترین تصنیف فقہ و رجال میں مصابیح و درّۃ نجفیہ ہے۔

۱۲۔ محمد باقر بن محمد اکمل بہبہانی (۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ + ۱۲۰۸ھ ق) معروف بہ "وحید" و "آقا" و "اُستادِ کل" آپ فقیہ، اصولی اور رجالی تھے اور ان میں مشہور تھے۔ آپ نے کربلائے معلیٰ کو اپنا مرکز قرار دیا تھا۔ اور بہترین قسم کے طلاب کی تربیت کرکے، بحث و مناظرہ کے جلسے کرکے اخباریوں کی حاکمیت فقہ میں ختم کردی تھی۔ آپ کے مشہور ترین شاگردوں کی فہرست میں یہ حضرات آتے ہیں۔ سید مہدی بحرالعلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء، میرزائے قمی (صاحبِ قوانین) مُلّا محمد مہدی نراقی، سید علی طباطبائی

(صاحب ریاض) سید مہدی شہرستانی، سید محمد باقر شفتی اور سید جواد عاملی (صاحب مفتاح الکرامۃ)

۱۳۔ مُلا محمد اکمل، محمد باقر بہبہانی کے والد، آپ علم و تقویٰ میں مشہور تھے اور مشائخ اجازہ میں سے تھے۔

۱۴۔ مُلا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی اصفہانی۔ آپ ہی علامہ مجلسی کے نام سے مشہور ہیں (۱۰۳۷۔ ۱۱۱۱ ھ ق) شیعوں کے بزرگ ترین علما میں سے تھے۔ بہت سے علوم میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ علم حدیث میں تو متبحر تھے ہی۔ آپ کے اساتذہ میں خود آپ کے والد ماجد، شیخ حر عاملی، سید علی خان شیرازی تھے۔ آپ نے بہت سے شاگرد تربیت کئے۔ چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ میرزا عبد اللہ آفندی (مولف ریاض العلما) سید نعمت اللہ جزائری، مُلا صالح مازندرانی آپ نے مذہب امامیہ کی جمع و نشر میں بڑی سعی بلیغ فرمائی تھی۔ عربی و فارسی کتابوں کی تعداد ۶۰ جلدوں سے زیادہ ہے۔ سب سے زیادہ مشہور بحار الانوار، مرآۃ العقول، شرح کافی میں حیاۃ القلوب، زاد المعاد، حق الیقین، جلاء العیون، حلیۃ المتقین اور الاربعون حدیثاً ہیں۔

۱۵۔ مُلا محمد تقی بن مقصود علی اصفہانی مشہور بہ مجلسی اول ہیں۔ (۱۰۷۰ ھ ق) آپ بھی فقیہ، محدث رجالی تھے بہت ہی عابد و زاہد تھے۔ احادیث شیعہ کی نشر و اشاعت میں بڑا حصہ آپ کا بھی ہے۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ بہائی اور ملا عبد اللہ شوشتری تھے آپ کے بھی آثار بہت زیادہ ہیں۔ ان میں مشہور ترین یہ ہیں:

شرح زیارت جامعہ، روضۃ المتقین در شرح من لا یحضرہ الفقیہ، احیاء الاحادیث، در شرح تہذیب شیخ طوسی، اربعون حدیثاً اور حاشیہ صحیفۂ سجادیہ۔

۱۶۔ شیخ بہاؤ الدین محمد بن حسین بن عبد الصمد عاملی معروف بہ شیخ بہائیؒ (۹۵۳۔ ۱۰۳۰ ھ ق) متعدد علوم و فنون میں استاد دوراں اور یگانۂ زمانہ تھے۔ اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام اصفہان کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں صدر المتالہین، مُلا محمد تقی مجلسی، محقق سبزواری، فاضل جواد وغیرہ تھے۔

مختلف علوم میں آپ کی تصنیف و تالیف موجود ہے۔ مثلاً جامع عباسی، حواشی بر قواعد شہید در فقہ اسطرلاب و تشریح الافلاک علم ہیئت میں مشرق الشمسین، حبل المتین، شرح دعائے صباح، شرح اربعین حدیث در علم دین، فوائد صمدیہ، تہذیب النحو، اسرار البلاغہ علم ادب میں۔

۱۷۔ شیخ حسین بن عبد الصمد عاملی (۹۱۸۔ ۹۸۴ ھ ق) شیخ بہائی کے والد تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حارث ابن عبد اللہ ہمدانی سے ملتا تھا۔ حارث بن عبد اللہ حضرت علی علیہ السلام کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ شیخ حسین شہید ثانی اور محقق کرکی کے شاگرد تھے اور خود بہت بڑے استاد، شاعر اور محقق و ادیب تھے۔ آپ کے درس میں بہت سے طلاب شریک ہوتے تھے۔ آپ کی تالیفات میں درایۃ الحدیث، اربعون حدیثاً، شرح القواعد ہے۔

۱۸۔ شیخ زین الدین بن شیخ نور الدین عاملی، مشہور بہ شہید ثانیؒ (۹۱۱۔ ۹۶۶ ھ ق) بزرگان فقہائے

شیعہ میں سے تھے، مختلف علوم کے جامع تھے، زاہد و عابد تھے، آپ اہل سنّت کے چاروں فقہی مذاہب پر تسلط رکھتے تھے اور ان کا درس بھی دیا تھا۔ آپ کی تصنیفات میں شرح لمعہ، مسالک الافہام فی شرح شرائع الاسلام، منیۃ المرید فی آداب المفید والمستفید، اسرار الصلوٰۃ اور کشف الریبۃ فی احکام الغیبۃ ہے۔

۱۹۔ الشیخ علی بن عبدالعالی عیسی کرکی مشہور بہ محقق کرکی و محقق ثانی تھے (۹۳۸ ھ ق) فقیہ اور اصولی تھے مفاخر علمائے شیعہ میں تھے۔ صفوی خاندان کے زمانہ میں ایران آئے اور قزوین و اصفہان میں حوزۂ درس تشکیل دیا۔ اور بڑے بڑے شاگردوں کی تربیت فرمائی۔

مثلاً شیخ علی منشار، سید امیر اسمرآبادی، الشیخ عبدالنبی جزائری، آپ کی مشہور ترین کتاب جامع المقاصد فی شرح القواعد ہے۔ یہ علامہ حلّی کی مشہور کتاب قواعد کی شرح ہے۔

۲۰۔ محمد بن محمد بن داؤد مؤذن عاملی جزینی، آپ شہید اوّل کے چچازاد بھائی تھے۔ دانش مند فاضل و شاعر تھے۔

۲۱۔ شیخ ضیاء الدین علی بن محمد مکی شہید اوّل کے دوسرے لڑکے تھے، عالم، فاضل، محقق تھے۔ شیخ محمد بن محمد بن داؤد مؤذن نے ان سے روایت کی ہے۔

۲۲۔ شیخ شمس الدین محمد بن مکی عاملی معروف بہ شہید اوّل (۷۳۴۔ ۷۸۶ ھ ق) عظیم ترین فقہائے شیعہ میں تھے، مختلف علوم میں مسلم استاد تھے۔ فقہ میں آپ کو "امام الفقہ" کہا جاتا تھا۔ آپ کی تربیت علم و ادب کے درمیان ہوئی تھی۔ آپ کی لڑکیاں اور لڑکے سب ہی علما و فقہا تھے۔ شہید نے بہت سے اساتذہ سے استفادہ کیا تھا اور مختلف اسلامی فرقوں کے علماء سے اجازہ بھی حاصل کیا تھا آپ کے مشہور شاگردوں میں شیخ زین الدین علی بن خازن، شیخ عبدالعالی کرکی، شیخ حسن بن سلیمان، شیخ مقداد سیوری تھے۔ آپ کی مشہور کتابوں میں دروس، ذکریٰ، بیان، قواعد، اللمعۃ الدمشقیۃ، اربعون حدیثاً ہیں۔

۲۳۔ فخر المحققین ابو طالب محمد بن الحسن (۶۸۲۔ ۷۷۱ ھ ق) فقہائے امامیہ کے بزرگ علماء میں سے تھے۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دس سال کی عمر میں اجتہاد کے درجہ پر فائز ہو چکے تھے۔ اپنے والد ماجد علامہ حلّیؒ کے شاگرد تھے اور ان کے علمی وارث تھے، آپ کے مشہور شاگردوں میں شہید اوّل، سید حیدر آملی، سید تاج الدین اور آپ کے بیٹے ظہیر الدین تھے۔

آپ کی تالیفات میں الفوائد فی حل مشکلات القواعد، شرح مبادی الاصول اور علم کلام میں الکافیہ الوافیہ ہیں۔

۲۴۔ آیت اللہ شیخ جمال الدین حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلّی (۶۴۸۔ ۷۲۶ ھ ق) آپ فقیہ، محدث، مفسر، متکلم، ادیب، جامع معقول و منقول، اپنے زمانہ میں مذہب امامیہ کے رئیس اور "علامہ" کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ نے شیعہ و سنی علماء سے کسب فیض کیا تھا۔ آپ کے اساتذہ میں محقق حلّی، خواجہ نصیر الدین طوسی، سید احمد بن طاووس، الشیخ نجیب الدین تھے۔ اور خواجہ نصیر الدین طوسی نے علامہ حلّی کے درس فقہ سے استفادہ کیا تھا۔

آپ کے صاحبزادے فخر المحققین بھی آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کی تصانیف میں تبصرہ المتعلمین،

المختلف، القواعد، تذکرة الفقہاء (یہ سب) فقہ میں ہیں۔ کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد علم کلام میں ہے الفین اثبات امامت حضرت علی علیہ السلام میں ہے۔ المختصر علم رجال میں، تلخیص الکشاف تفسیر میں ہے۔

۲۵۔ شیخ ابو القاسم نجم الدین جعفر بن حسن حلی (۶۰۲ - ۶۷۶ ھ ق) آپ محقق کے لقب سے مشہور تھے۔ شیعوں کے درجہ اول کے فقہاء میں شمار ہوتا ہے۔ علامہ حلی اور ان کے بھائی، سید غیاث الدین بن احمد بن طاووس جیسے فقہاء آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کی کتاب شرائع الاسلام تالیف کے بعد سے اب تک فقہاء کے لئے مورد توجہ ہے۔

مشہور فقیہ شیخ محمد حسن نجفی نے شرائع کی شرح جواہر الکلام کے نام سے لکھی ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں المعتبر فی شرح المختصر، مختصر النافع، المعارج در اصول ہے۔

۲۶۔ سید شمس الدین ابو علی فخار بن معد موسوی حلی (۶۰۰ ھ ق) آپ فاضل، ادیب، محدث اور صاحب کتاب "الرد علی الذاہب الی تکفیر ابی طالب" ہیں۔

۲۷۔ شیخ جلیل، ثقہ، ابو الفضل شاذان بن جبرئیل قمی بہت بڑے عالم و فاضل اور فقیہ جلیل القدر تھے، ازاحۃ العلۃ فی معرفۃ القبلۃ اور کتاب الفضائل آپ کی بہترین تصنیفات میں ہے۔

۲۸۔ عماد الدین ابو جعفر محمد بن ابی القاسم طبری، ابن ابو القاسم علی بن محمد آملی، آپ کی تالیفات میں سے بشارۃ المصطفیٰ، الشیعۃ المرتضیٰ، الفرج فی الاوقات اور شرح مسائل الذریعۃ ہے۔

۲۹۔ ابو علی حسن بن محمد طوسی، شیعہ مذہب کے بڑے فقیہ اور اپنے باپ شیخ طوسیؒ کے مشہور شاگرد تھے۔ شیخ طوسیؒ کے انتقال کے بعد ان کی مسند درس پر آپ ہی بیٹھے اور ان کے شاگردوں کو تعلیم دی۔

آپ کے درس میں کثرت سے طلاب شرکت کرتے تھے۔ شیخ طوسیؒ (۵۱۵ ھ ق) تک زندہ تھے۔ آپ کی تصنیفات میں المرشد الی سبیل التعبد، امالی، شرح نہایۃ الاحکام ہے۔

۳۰۔ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (۳۸۵ - ۴۶۰ ھ ق) آپ کا لقب "شیخ الطائفہ" تھا۔ دنیائے اسلام کے عظیم ترین دانش مند تھے، اپنے زمانہ کے فقہاء و متکلمین کے رئیس تھے۔ ادب، رجال، تفسیر اور حدیث میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

آپ کے اساتذہ میں شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، ابن غضائری اور ابن عبدون تھے۔ آپ کی دو کتابیں حدیث شیعہ میں بہت ہی مشہور ہیں، استبصار، تہذیب ان دونوں کا شمار فرقہ امامیہ کے کتب اربعہ میں ہوتا ہے۔ فقہ میں نہایہ اور خلاف بہت مشہور ہیں، مبسوط بھی فقہ میں ہے۔ اس میں فقہ کے بہت سے فروعات کا تذکرہ ہے۔

آپ کی تصانیف میں یہ بھی کتابیں ہیں۔ فہرست، رجال، اختیار معرفۃ الرجال، عدۃ الاصول، الغیبۃ، التبیان فی تفسیر القرآن، تلخیص الشافی، مصباح المتہجد (وغیرہ) سن (۴۴۸ ھ ق) میں جب آپ کا کتب خانہ جلا دیا

گیا تو آپ نے بغداد سے نجف اشرف کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں پر حوزۂ علمیہ نجف اشرف کی بنیاد رکھی۔

۳۱۔ شیخ ابو عبداللہ محمد بن نعمان (۳۳۶ یا ۳۳۸ - ۴۱۳ھ ق) آپ کا لقب "مفید" و "ابن معلم" تھا مذہب امامیہ کے زبردست متکلم، محدث، فقیہ تھے۔ اپنے زمانہ میں بغداد کی ریاست علمی آپ ہی کے پاس تھی۔ آپ پر حضرت امام زمانہ عج کی خصوصی توجہ تھی۔

بارہویں امامؑ کی طرف سے جو دو خط علامہ شیخ مفید کے پاس آئے ہیں اس میں حضرتؑ نے ان کو "اخ سدید" "شیخ مفید" "ولی و شہید" "ولی مخلص" "ناصر حق" "داعی الی الحق" جیسے القاب سے نوازا ہے۔

شیخ مفیدؒ نے شیعہ، سنی، زیدی علما کے ساتھ ساتھ جعفر بن محمد قولویہ، شیخ صدوق، ابن جنید اسکافی، علی بن ابی الجیش بلخی سے بھی درس حاصل کیا تھا۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، سید رضی جامع نہج البلاغہ، شیخ طوسی، نجاشی، کراجکی، سالار بن عبدالعزیز وغیرہ تھے۔ چھوٹی بڑی دو سو کتابیں آپ کے آثار میں باقی رہیں۔ جن میں مشہور ترین یہ ہیں۔ ارشاد، اختصاص، اوائل المقالات امالی، مقنعہ۔

۳۲۔ محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی آپ کی کنیت ابو جعفر اور "ابن بابویہ" اور "صدوقؒ" سے مشہور تھے۔ (۳۸۱ھ ق) بزرگان علمائے شیعہ اور مشائخ حدیث و فقہائے شیعہ میں سے تھے۔ غیبت صغریٰ میں امام زمانہ عج کی دعا کی برکت سے آپ کی ولادت ہوئی۔

آپ نے اپنے والد علی بن بابویہ، محمد بن حسن بن ولید، جعفر بن محمد قولویہ سے روایت کی ہے اور شیخ مفیدؒ، غضائری، ابن شاذان، شیخ ابو جعفر محمد دوریستی نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپکی تالیفات کو علما نے تقریباً تین سو لکھا ہے۔ جن میں سے مشہور ترین "من لایحضرہ الفقیہ" "اکمال الدین و اتمام النعمۃ" الخصال، التوحید، عیون اخبار الرضا، الامالی، معانی الاخبار، علل الشرائع، ہدایۃ، مقنع ہیں۔ آپ کا مزار شہر ریؒ میں دوستان اہل بیتؑ کی زیارت گاہ ہے۔

۳۳۔ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ قمی (۳۶۸ھ ق) چوتھی صدی ہجری کے شیعہ مذہب کے بڑے محدث و فقیہ تھے۔ آپ نے کلینی، ابن عقدہ، علی بن بابویہ قمی (پدر شیخ صدوق) سے روایت کی ہے۔ شیخ مفید، نجاشی اور دیگر حضرات نے آپ سے روایت کی ہے۔

فقہ و حدیث میں آپ کی تالیفات موجود ہیں۔ کامل الزیارات آپ کی سب سے مشہور کتاب ہے۔

۳۴۔ محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی مشہور بہ ثقۃ الاسلام (۳۲۸ - یا ۳۲۹ھ ق) شیعہ مذہب کے بزرگ ترین محدث اور مشائخ اہل حدیث کے شیخ تھے۔ علم حدیث میں سرآمد روزگار تھے۔ تقریباً چالیس آدمیوں سے علم حدیث حاصل کیا۔

بہت سے بزرگوں نے مثلاً جعفر بن محمد قولویہ، ہارون بن موسیٰ تلعکبری نے آپ سے

حدیث نقل کی ہے۔

امامیہ مذہب کی کتب اربعہ کے مولفین میں سے کلینی سب سے پہلے مولف ہیں کہ سالہا سال (۲۰ سال مترجم) کی محنت کے بعد کافی کو تین حصوں میں (اصول، فروع، روضۃ) اکٹھا کیا۔ آپ کی تالیفات میں کتاب الرجال، رسائل الائمۃ، کتاب در رد قرامطہ، کتاب تعبیر الرؤیا ہے۔

۳۵۔ علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی، محدث، مفسر، فقیہ تھے۔ آپ کا زمانہ تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل پر مشتمل ہے۔ کلینی کے مشائخ میں ہیں۔ آپ کی تالیفات بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً کتاب المناقب، قرب الاسناد، کتاب الشرائع، کتاب مغازی، کتاب الانبیاء، تفسیر القرآن، آپ کا مدفن قم میں ہے۔

۳۶۔ ابراہیم بن ہاشم قمی، یہ امام محمد تقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ اور اصحاب ائمہ سے بہت روایت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے قم میں کوفیوں کی احادیث نشر کی ہیں۔

کتاب نوادر اور قضایائے امیر المومنینؑ آپ کی تالیفات میں سے ہیں۔

۳۷۔ حسین بن یزید نوفلی، شاعر و ادیب تھے۔ رَی کے ساکن تھے۔ شیخ طوسیؒ نے اپنے رجال میں ان کو امام ہشتمؑ کے اصحاب میں سے شمار کیا ہے آپ کا انتقال بھی رَی میں ہوا۔

۳۸۔ اسماعیل بن ابی زیاد سکونی: یہ سنی تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ شیخ طوسی رحمت اللہ علیہ نے عدۃ الاصول میں لکھا ہے: علمائے امامیہ نے ان کی روایتوں پر عمل کیا ہے۔ (جلد ۱، ص ۳۸)

۳۹۔ فروع کافی، جلد ۵، ص ۱۲ "کتاب جہاد" "باب وجوب جہاد"، حدیث ۲

۴۰۔ امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:

(خیر السرایا اربعمائۃ) بہترین سریہ چار سو افراد کا ہوتا ہے۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱۔ ص ۱۰۳ (کتاب الجہاد) باب ۵۲۔ حدیث ۱۔

۴۱۔ حاج ملا ہادی سبزواری نے نفس کے اقسام ہفتگانہ کو اسفار کے حاشیہ (جلد ۷، ص ۳۶) پر اس ترتیب سے ذکر کیا ہے:

نفس، قلب، عقل، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔

لیکن مرحوم شاہ آبادی نے اپنی کتاب "الانسان والفطرۃ" میں عقل کو قلب سے پہلے تحریر کیا ہے۔ لیکن صدر المتالہین نے اس طرح شمار کیا ہے:

طبع، نفس، قلب، عقل، روح، سر، خفی، البتہ مرتبہ اخفی کو ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے بجائے "طبع" کو لکھا ہے (اسفار جلد ۷، ص ۳۶)

۴۲۔ انسانی عقل کے لئے چار مرتبہ شمار کیا گیا ہے۔

۱۔ عقل ہیولانی۔

۲۔ عقل بالملکہ

۳۔ عقل بالفعل

۴۔ عقل بالمستفاد (شواہد الربوبیہ ص ۲۰۲ ۔ ۲۰۷)

اسی طرح صدر المتالہین نے نفسِ انسانی کو ستر و علن کی طرف اور پھر دونوں کو ظاہر و باطن کی طرف تقسیم کیا ہے کہ اس سے نفس کے لئے چار مرتبہ شمار کئے جا سکتے ہیں۔ "اسفار جلد ۷، ص ۳۶"

۴۳۔ بو علی سینا نے قوائے نفس کو پہلی تقسیم میں تین مرتبہ میں قرار دیا ہے نفس نباتی، نفس حیوانی، نفس انسانی۔ اور پھر دوسری تقسیم سہ گانہ ملک و برزخ و عقل کے مرتبہ کے اعتبار سے کیا ہے (لیکن امام خمینی (قدس سرہ) اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے نفس کے لئے تین مقام، تین مرتبے کے قائل ہوئے ہیں۔

مقامِ اوّل، مقام ملک و ظاہر و دنیائے نفس ہے۔

مقامِ دوم، باطن و ملکوتِ نفس ہے

مقامِ سوم، کی طرف حدیث کی شرح کرتے ہوئے آخر میں اشارہ فرمایا ہے اور اس کی شرح نہیں کی ہے اور وہی مقام عقل ہے۔ جیسا کہ شرح حدیث ۲۴ اربعین میں بیان کیا ہے۔

۴۴۔ دوسری مرتبہ کی تقسیم سے اشارہ ہے نفس کے ظاہر و باطن کی تقسیم کی طرف اور یا دوسری تعبیروں کے اعتبار سے ستر و علن، ملک و ملکوت، دنیا و آخرت کہا گیا ہے۔

۴۵۔ منازل السائرین، خواجہ عبد اللہ انصاری ص ۱۲

۴۶۔ حسین بن عبد اللہ بن سینا (حدود ۳۷۰ ۔ ۴۲۷ یا ۴۲۸ ھ ق) یہ شخص "ابو علی سینا" اور "شیخ الرئیس" کے لقب سے مشہور تھا۔ اسلامی اطباء میں بے مثل تھا اور حکمائے مشائین میں شمار ہوتا تھا۔ دیگر علوم میں بھی صاحبِ نظر تھا، فوق العادۃ صلاحیت کا مالک تھا۔ قوی ترین قوتِ حافظہ اس کی خصوصیت میں سے تھی۔ اسی وجہ سے بہت کم مدت میں اپنی تحصیلات کو مکمل کر لیا تھا۔ مختلف علوم میں اس شخص کی بے مثال تصنیفات ہیں۔

مثلاً الاشارات والتنبیہات جو منطق و طبیعیات و الٰہیات پر مشتمل ہے۔ جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں مشہور ترین شرح فخر رازی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی ہے، شفا اس میں بھی منطق، ریاضیات، طبیعیات و الٰہیات سے بحث ہے اور بڑی تفصیل سے لکھی گئی ہے۔ فلسفہ میں النجاۃ ہے۔ المبدء والمعاد ہے۔ طب میں قانون ہے، قصیدۂ عینیہ ہے التعلیقات ہے۔

۴۷۔ شیخ الرئیس نے اشارات و تنبیہات کے نمط نہم و فصل ہشتم میں لکھا ہے۔ سیر عارفان کی سیڑھی کے پہلے درجہ کو "ارادہ" کہا جاتا ہے۔ اور یہ خداوند عالم کی مضبوط رسی کو محکم پکڑ لینا ہے اس لئے کہ یقین سے بلند ہو کر برہان سے بینا ہو گیا ہے یا اس کی خودی کو ایمان سے سکون مل گیا۔ اور اس کے نتیجہ میں اس کا ستر قدس کی طرف سیر کرتا ہے۔ اور پھر "روح اتصال" کو پا لیتا ہے، جب تک عارف اس زینہ پر رہتا ہے۔ اس کو مرید کہا جاتا ہے۔

۴۸ ۔ یہ رسولِ خدا کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔
إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ...
الحدیث خداوند عالم کا ارشاد ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزوں کو مہیا کیا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔ مجمع البیان در تفسیر آیہ ۱۸ سورہ سجدہ۔ بحارالانوار جلد ۸، ص ۱۹۸، "کتاب العدل والمعاد" (باب الجنۃ) حدیث ۱۶۸۔

۴۹ ۔ «يُحْشَرُ بعضُ النّاسِ عَلٰى صُوَرٍ تَحْسُنُ عِنْدَها الْقِرَدَةُ وَالْخَنازِيرُ عِلْمُ الْيَقِينِ،
ج، ص، ۹۰۱

۵۰ ۔ «قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيراً. قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى.» (طٰہٰ)۔ ۱۲۵-۱۲۶۔

۵۱ ۔ میرزا محمد علی بن محمد جواد حسین آبادی اصفہانی شاہ آبادی (۱۲۹۲ - ۱۳۶۹ ھ ق) فقیہ، اصولی، عارف اور چودھویں صدی ہجری کے برجستہ ترین فلسفی تھے۔ آپ کی تعلیم حوزہ علمیہ اصفہان، تہران، نجف اشرف میں مکمل ہوئی تھی۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے بھائی شیخ احمد، میرزا محمد ہاشم چہار سوقی اصفہان میں، میرزا ہاشم اشکوری، میرزا حسن آشتیانی تہران میں، آخوند خراسانی، شریعت اصفہانی، میرزا محمد تقی شیرازی نجف اشرف میں تھے۔ اپنے تدریس کے فرائض ابتداء میں سامراء میں پھر قم و تہران میں انجام دیے۔ قم میں (۱۳۴۷-۱۳۵۴ ھ ق) کے درمیان امام خمینی قدس سرہ بھی آپ کے درسِ اخلاق و عرفان میں شریک ہوتے تھے۔ امام خمینی قدہ بڑے احترام سے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم شاہ آبادی قم سے مراجعت کے بعد تہران میں قیام پذیر ہو گئے تھے اور نفوس کو ارشاد و ہدایت کرتے تھے۔ تہران ہی میں انتقال ہوا۔ اور حضرت عبدالعظیم حسنی کے جوار میں مقبرہ ابوالفتوح رازی کے اندر مدفون ہوئے۔ آپ کی تالیفات میں شذرات المعارف، الانسان والفطرۃ، القرآن والعترۃ، الایمان والرجعۃ، منازل السالکین، حاشیہ بر کفایۃ ہے۔

۵۲ ۔ رشحات البحار کتاب الانسان والفطرۃ۔

۵۳ ۔ سورۂ کہف: آیت ۴۹

۵۴ ۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: إِنَّ فِي جَهَنَّمَ لَوَادِياً لِلْمُتَكَبِّرِينَ يُقَالُ لَهُ، «سَقَرُ» شَكٰى إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ شِدَّةَ حَرِّهِ وَسَأَلَهُ أَنْ يَأْذَنَ لَهُ أَنْ يَتَنَفَّسَ. فَتَنَفَّسَ فَأَحْرَقَ جَهَنَّمَ.» اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۰ "کتاب ایمان و کفر" باب کبر حدیث ۱۰۔

۵۵ ۔ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ (ع) إِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْإِيمَانَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۶ "کتاب ایمان و کفر" باب حسد حدیث ۲

۵۶ ۔ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (ع) قَالَ: مَا ذِئْبَانِ ضَارِيَانِ فِي غَنَمٍ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ، هٰذَا فِي أَوَّلِهَا وَهٰذَا فِي آخِرِهَا بِأَسْرَعَ فِيهَا مِنْ حُبِّ الْمَالِ وَالشَّرَفِ فِي دِينِ الْمُؤْمِنِ۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۵ "کتاب ایمان و کفر" باب حب الدنیا الحرص علیہا، حدیث ۲-۳

۵۷۔ صدر المتالہین اور دیگر حکیمانِ الہٰی نے اس حقیقت کو اپنے اسفار علمی میں بیان کیا ہے۔ اسفار جلد ا ص ۴۵۔ ۶۵۔ ۶۹۔

۵۸۔ سورۂ زمر، آیت ۵۶

۵۹۔ سورۂ حج، آیت ۲

۶۰۔ علم الیقین، مقصد ۴، باب ۱۵، فصل ۱ ص ۱۰۳۲

۶۱۔ ابن مسکویہ نے اپنی کتاب تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق (باب تہور و جبن) ص ۱۶۲ میں اس کلام کو بقراط سے نقل کیا ہے۔

۶۲۔ بحار الانوار جلد ۲ ص ۱۳۸

۶۳۔ بحار الانوار جلد ۲ ص ۱۳۸

۶۴۔ یہ سورہ ذاریات کے ۵۶ ویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔ «مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ» اس آیت میں عبادت کی تفسیر معرفت سے کی گئی ہے۔ امام حسینؑ سے ایک حدیث منقول ہے اس میں حضرت نے فرمایا: «أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ ذِكْرُهُ مَا خَلَقَ الْعِبَادَ إِلَّا لِيَعْرِفُوهُ» اے لوگوں خداوند عالم نے اپنے بندوں کو صرف اپنی معرفت حاصل کرنے کیلئے خلق فرمایا ہے۔ علل الشرائع، جلد ا ص ۹، باب ۹، حدیث ا۔

دوسری حدیث

«بالسَّنَدِ المُتَّصِلِ إلى مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ عَليِّ بْنِ إبْراهِيمَ، عَنْ أبِيهِ، عَنْ أبِي المَغْرا، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَلِيفَةَ، قالَ: قالَ أبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: كُلُّ رِياءٍ شِرْكٌ. إنَّهُ مَنْ عَمِلَ لِلنّاسِ كانَ ثَوابُهُ عَلَى النّاسِ؛ وَ مَنْ عَمِلَ لِلّٰهِ كانَ ثَوابُهُ عَلَى اللّٰهِ.»[1]

بہ سند مذکور یزید بن خلیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

"ہر ریا کاری شرک ہے۔ جو کام لوگوں کے لئے ہوگا اس کا ثواب بھی لوگوں پر ہوگا اور جو کام خدا کے لئے ہوگا اس کا ثواب بھی خدا پر ہوگا۔"

ریا کاری اور اس کے درجات

شرح: لوگوں کے دلوں میں عزت و منزلت حاصل کرنے کے لئے اور ان کی نظر میں

شہرت حاصل کرنے کے لئے خدا کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اچھے اعمال کرنا، پسندیدہ صفات کا یا عقائدِ حقہ کا بحسن وخوبی صحت وامانت ودیانت سے بجالانا ریاکاری کہلاتا ہے۔

ریاکاری کا تحقق چند مقامات پر ہوتا ہے

مقامِ اول: اس کے دو درجہ ہیں

پہلا درجہ:

عقائدِ حقہ اور معارفِ الہیہ کا اظہار صرف اس لئے کرنا کہ اس کے دینداری کی شہرت ہوجائے اور لوگوں کے دلوں میں اس کا احترام پیدا ہوجائے مثلاً کوئی یہ کہے: میں کائنات کے اندر خدا کے علاوہ کسی کو وجود میں موثر نہیں مانتا۔ یا یہ کہے: میں خدا کے علاوہ کسی پر بھی بھروسہ نہیں رکھتا۔ یا اشارے وکنایہ سے دوسروں پر اپنے صحیح عقائد کا اظہار کرے یہی دوسرا طریقہ زیادہ رائج ہے۔ مثلاً اپنی گفتگو میں خدا پر بھروسہ اور قضائے الٰہی پر رضامندی کا بہت ذکر کرتا ہو ریاکار ایک آہ (سرد بھر کر) یا سر کو جھٹکا دے کر اپنے کو انھیں لوگوں میں شمار کرانے کی کوشش کرتا ہے۔

دوسرا درجہ:

یہ ہے کہ باطل عقائد کو اپنے سے دور کرے اور اپنے نفس کا تزکیہ کرے مگر اس کا مقصد صرف لوگوں کے دلوں میں جاہ ومنزلت حاصل کرنا ہو۔ چاہے وہ صریحی طور سے کہے یا اشارے وکنایہ میں۔

مقامِ دوم: اس کے بھی دو درجہ ہیں

پہلا درجہ:

اچھے خصائل اور بہترین وفاضل ملکات کا اسی مقصد سے اظہار کرے۔

دوسرا درجہ:

بُری عادتوں سے بچے اور ان سے نفس کو پاک وپاکیزہ رکھے مگر مقصد وہی ہو۔

مقامِ سوم

مشہور ریاکاری جو ہمارے فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم کے یہاں معروف ہے اس کے بھی یہی دو درجے ہیں۔

۱۔ لوگوں کے دکھانے اور جلبِ قلوب کے لئے شرعی عبادتوں واعمال کو یا میلانات عقلی کو بجالاتا ہے۔ خواہ ذات عمل کو ریاکاری کی نیت سے کرتا ہو یا اس کی کیفیت، شرط یا جزء کو اس طرح بجالاتا ہو جس طرح فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔[۲]

۲۔ اسی قصد وارادہ سے کسی عمل کو ترک کرتا ہو۔

ہم اس کتاب میں انھیں تینوں مقامات کے بعض مفاسد کی تشریح کریں گے۔ اور جو میری نظر میں اس کا علاج ہے۔ مختصر طور سے اس کا بھی ذکر کریں گے۔

مقامِ اوّل (ریاکاری)

اس میں چند فصول ہیں

پہلی فصل

مذہبی عقائد میں ریاکاری

ریاکاری کے جملہ اقسام میں سب سے بدترین ریاکاری اصولی عقائد اور معارف الٰہی میں ریا ہے۔ اس کا انجام سب سے بدتر اور اس کی تاریکی تمام ریاکاریوں کی تاریکی سے زیادہ اور سخت ہے۔

اگر کوئی شخص ایسے عقائد و تصورات کا سچے دل سے معتقد نہ ہو جن کا اظہار وہ محض دوسروں کے دکھانے کے لئے کرتا ہے تو اس کا شمار منافقین میں ہے اور اس کی سزا دائمی جہنم ہے اور اس کے لئے ابدی ہلاکت ہے اور اس کے لئے سب سے زیادہ شدید عذاب ہے۔ اور اگر وہ

معتقد تو ہے مگر لوگوں کی نظر" اور دل " میں عظمت و منزلت حاصل کرنے کی خاطر اس کا مظاہرہ کرتا ہے تو اگرچہ وہ منافق نہیں ہے لیکن اس ریا کی وجہ سے نورِ ایمان اس کے دل سے چلا جائے گا اور اس کی جگہ دل میں کفر کی تاریکی لے لے گی۔ ایسا شخص بنیادی طور سے مشرک ہے لیکن اس کا شرک مخفی ہے۔ کیونکہ اصولی عقائد و معارفِ الٰہی میں اس کا خالص خدا کے لئے ہونا اولین شرط ہے۔

اور اس شخص نے اپنے عقائد کو لوگوں کی تحویل میں دینے اور دوسرے کو اس میں شریک بنانے اور شیطان کے تصرف میں کرنے کا بہت بڑا جرم کیا ہے۔ اس کا دل خدا کے لئے مخصوص نہ رہ گیا۔

میں کسی فصل میں بیان کروں گا کہ ایمان محض علم کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے لئے قلبی تعلق بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ خود حدیث شریف میں آیا ہے: "ہر ریا شرک ہے" مگر یہ ہلاک کرنے والی مصیبت، تاریک سیرت، خبیث ملکہ انسان کو اس منزل تک پہونچا دیتا ہے کہ اس کا خانۂ دل غیر خدا کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس بری خصلت کی تاریکی انسان کو اس منزل تک پہونچا دیتی ہے کہ وہ دنیا سے بے ایمان جاتا ہے۔ اور یہ خیالی ایمان (در حقیقت) ایک جسم بے روح، ایک صورت بے معنیٰ، ایک بے مغز کا چھلکا ہوتا ہے جو خدا کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے جیسا کہ اس فرمان کی طرف کافی کی اس حدیث میں اشارہ موجود ہے۔ جو علی بن سالم سے مروی ہے۔

«قالَ: سَمِعْتُ أبا عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلام، يَقُولُ: قالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أنا خَيْرُ شَريكٍ؛ مَنْ أشْرَكَ مَعِي غَيْرِي فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ، لَمْ أقْبَلْهُ إلّا ما كانَ لِي خالِصاً.»[۴]

راوی کہتا ہے۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ خدا کہتا ہے۔ "میں سب سے بہتر شریک ہوں۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی کام میں میرے علاوہ دوسرے کو بھی شریک قرار دیدے تو میں اس عمل کو قبول نہیں کرتا ہوں۔ میں صرف اس عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لئے ہوتا ہے۔

یہ سب ہی کو معلوم ہے کہ غیر خالص عمل کو خدا قبول نہیں کرتا۔ اس کو اس شخص کے

حوالہ کر دیتا ہے جس کے لئے وہ عمل کیا گیا ہے۔ اس لئے قلبی اعمال کو خالص ہونا چاہیئے ورنہ وہ حد شرک سے نکل کر حد کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص بھی منافقین میں سے ہے۔ جس طرح اس کا شرک خفی ہے اس کا نفاق بھی خفی ہے۔ (حالانکہ) اس بیچارے کو یہی گمان رہا کہ وہ مومن ہے (مگر) وہ تو ابتدا ہی سے مشرک تھا اور نتیجہ میں منافق ہے۔ اور منافق کا عذاب اس کو بہر حال چکھنا ہوگا۔ اور وائے ہو اس شخص کی حالت پر جس کے کام کا انجام نفاق پر تمام ہو۔

دوسری فصل

علم وایمان کا فرق

ایمان ایک الگ چیز ہے اور معرفت، وحدانیت، دیگر صفات کمالیہ (صفات) ثبوتیہ وجلالیہ وسلبیہ کا علم ملائکہ وآسمانی کتابوں، رسولوں اور قیامت کا علم الگ چیز ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی ان تمام چیزوں کا علم رکھتا ہو مگر مومن نہ ہو۔ شیطان ان تمام مراتب کا علم ازکم، ہمارے آپ کے برابر عالم ہے مگر اس کے باوجود کافر ہے۔ (درحقیقت) ایمان ایک قلبی عمل ہے اگر ایمان کا تعلق دل سے نہ ہو تو پھر وہ ایمان نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص دلیل عقلی کے ذریعہ سے یا دینی ضرورت کی بنا پر کسی چیز کا علم حاصل کرے تو پھر دل سے بھی اس کو قبول کرے۔ اور قلبی عمل جو ایک قسم کا مان لینا (اور اس کے سامنے) سر تسلیم خم کرنا ہے اور قبول کرنا اور عقیدت سے سر جھکانا ہے اس کو بھی انجام دے تاکہ مومن ہو سکے ایمان کے کامل ہونے کی دلیل اطمینان قلب کا حصول ہے۔ نور ایمان جتنا قوی ہوگا دل کو اتنا ہی اطمینان حاصل ہوگا۔ اور یہ تمام چیزیں علم کے علاوہ ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ برہان ودلیل کے ذریعہ آپ کی عقل ایک چیز کا ادراک کرے مگر آپ کا دل اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو وہ علم بیکار و بے فائدہ ہے۔ مثلاً آپ نے اپنی عقل کے ذریعہ یہ ادراک کر لیا کہ مردہ کسی کو نقصان نہیں پہونچا سکتا اور دنیا کے سارے مردے ایک مکھی کے پر کے برابر بھی حس وحرکت پر قادر نہیں ہیں (اس لئے کہ) اس کے تمام جسمانی ونفسانی قوی اس سے جدا ہو چکے

ہیں۔ لیکن اگر اس مطلب کو آپ کے دل نے قبول نہیں کیا ہے تو آپ کسی تاریک رات میں ایک مردہ کے پہلو میں شب بسر نہیں کر سکیں گے اور اگر آپ کے دل نے اس کو قبول کر لیا ہے تو یہ کام آپ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اور اگر کہیں آپ نے چند بار عقل کی تسلیم کردہ بات پر عمل بھی کر لیا ہے تو پھر مُردہ کے ساتھ رات بسر کرنا آپ کے لئے معمولی بات ہو گی۔

پس اس سے پتہ چلا کہ تسلیم و سپردگی جو لذتِ قلب ہے وہ اس علم کے علاوہ ہے۔ جو 'لذتِ عقل' ہے۔ ممکن ہے کہ انسان دلیل و برہان سے خدا کا وجود، اس کی وحدانیت، معاد اور دیگر عقائدِ حقہ کا اثبات کر سکے۔ لیکن اس (اثباتِ عقائد) کو ایمان نہیں کہہ سکتے اور نہ اس شخص کو مومن کہہ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس شخص کا شمار کفار یا مشرکین یا منافقین میں ہو۔ مثلاً آج آپ کی چشمِ دل بستہ ہے اور آپ ملکوتی بصارت نہیں رکھتے اور دنیاوی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اس لئے جب پردہ اُٹھے گا اور الٰہی حکومت کا ظہور ہو گا۔ کائنات ختم ہو جائے گی۔ حقیقت سامنے آئے گی تب تم کو پتہ چلے گا کہ تم خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور تمھاری عقل کا یہ حکم تمھارے ایمان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا (اس لئے) جب تک انسان کی صاف و شفاف لوحِ دل پر عقل کے قلم سے لا الٰہ الا اللہ لکھا نہ جائے۔ انسان وحدانیت خدا کا مومن نہیں ہو سکتا۔ اور جب کلمہ طیبہ قلب میں سما جاتا ہے تو انسان کے دل کی دنیا خود بخود مملکتِ خدا ہو جاتی ہے اور پھر انسان حق کی حکومت میں کسی دوسرے کو مؤثر نہیں مانتا اور نہ کسی اور سے جاہ و جلال کی توقع رکھتا ہے اور نہ دوسروں سے منزلت و شہرت کا طالب ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد دل نہ ریا کار ہوتا ہے نہ چاپلوس!

لہٰذا اگر اپنے دل میں ریا دیکھو تو سمجھ لو کہ تمھارے دل نے عقل کی بات نہیں مانی اور ایمان تمھارے دل میں ضوفشاں نہیں ہوا۔ اور تم دوسرے کو خدا اور مؤثر عالم مانتے ہو۔ اور تمھارا شمار منافقین یا مشرکین یا کفار میں ہے۔

تیسری فصل

ریا کی بُرائیاں

اے ریا کار انسان! تو نے سچے عقائد اور الٰہی معارف کو دشمنِ خدا "شیطان" کے حوالہ کر دیا

جو چیزیں خدا کے لئے مخصوص تھیں تو نے ان کو دوسروں کے سپرد کر دیا۔ جو انوار روح و قلب کو روشنی بخشنے والے تھے، سرمایہ نجات و سعادتِ ابدی کا باعث تھے، لقائے الٰہی کا سرچشمہ اور محبوب حقیقی کے جوار کے پیچ تھے ان کو تو نے وحشت ناک تاریکیوں، شقاوت و ہلاکت ابدی، محبوب کے ساحت قدس سے بُعد اور لقائے باری کی دوری سے بدل لیا۔ اب تو ان تاریکیوں کے لئے تیار ہو جا جس کے بعد کوئی نور نہ ہوگا اور ان تنگیوں کے لئے آمادہ ہو جا جس کے بعد کوئی وسعت نہ ہوگی۔ ایسی بیماریوں کے لئے مہیا ہو جا جن کے لئے شفا نہیں ہے۔ ایسی موت کے لئے تیار ہو جا جس کے بعد زندگی نہیں ہے۔ ایسی آگ (کو برداشت کرنے) کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو قلب کے اندر سے اٹھے گی اور روح و بدن کو اس طرح جلائے گی جس کا تصور بھی میرا اور تیرا دل نہ کر سکے گا۔ (نہ سوچ سکے گا۔) جیسا کہ خدا نے اپنی کتاب کے مندرجہ ذیل آیت میں فرمایا ہے۔

«نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ»

"وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو (تلوے سے نکلی تو) دلوں تک چڑھ جائے گی۔"

آتشِ الٰہی کے علاوہ کوئی بھی آگ دل کو جلانے والی نہیں ہے۔ اگر فطرت توحید ہاتھوں سے نکل گئی جسے فطرۃ اللہ کہا گیا ہے اور اس کی جگہ کفر و شرک کا قبضہ ہو گیا تو پھر ایسے انسان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی فائدہ نہ پہونچا سکے گی اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا رہے گا اور وہ بھی کیسا عذاب؟ جو عذاب قہر الٰہی اور غیرت خداوندی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اس لئے اے عزیز! صرف ایک خیال باطل کے لئے ایک معمولی سی مقبولیت کے لئے اور وہ بھی خدا کے کمزور اور بے بس بندوں کے درمیان اور مجبور و ناچار انسانوں کی تھوڑی سی توجہ حاصل کرنے کے لئے اپنے کو قہر و غضب الٰہی کا مستحق نہ بنا۔ اور خدا کی محبتوں اور غیر متناہی کرامتوں کو ان معمولی چیزوں کے عوض بیچ نہ دے۔

ربوبیت کے الطاف و مراحم خسروانہ کے مقابلہ میں دنیا کی نظروں میں محبوبیت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس سے حسرت و ندامت کے علاوہ کچھ بھی نہ پائے گا۔ جب اس دُنیا سے تیرے اعمال کا سلسلہ قطع ہو جائے گا تو پشیمانی کے علاوہ تجھ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد اگر خدا کی طرف رجوع کرے گا جب بھی بے فائدہ ہوگا۔

چوتھی فصل

ریا کی بیخ کنی کا علمی طریقہ

یہاں پر ہم بعض ایسی چیزوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو یہاں پر اور دوسرے مقامات پر قلبی بیماری کے لئے مفید ہیں۔ اور یہ چیزیں اصولِ عقل کے ساتھ ساتھ مکاشفہ و اخبار معصومین و قرآن کے بھی مطابق ہیں۔ اور اس کو تمہاری عقل بھی ماننے پر مجبور ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

چونکہ قدرتِ الٰہی تمام موجودات پر محیط ہے اور اس کی سلطنت تمام کائنات میں پھیلی ہے اور اس کی قبولیت کا احاطہ تمام ممکنات پر ہے۔ اس لئے تمام بندوں کے دل اس کے زیر تصرف ہیں۔ اور اس کی قوتِ تخلیق کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص اس کی سلطنت میں تصرف نہیں کر سکتا۔ بلکہ خود صاحبانِ دل بھی اس کی مشیت و اجازت کے بغیر (اپنے) دلوں پر تصرف نہیں کر سکتے۔ اشارتاً و کنایتاً و صراحتاً اس مطلب کی طرف قرآن اور اخبار اہلِ بیتؑ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

پس پروردگارِ عالم ہی (تمہارے) دل کا مالک اور اس پر تصرف کرنے والا ہے۔ اور آپ جو خدا کے ایک ضعیف و عاجز بندے ہیں خود بھی مشیتِ الٰہی کے بغیر اپنے دلوں پر تصرف نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کا ارادہ آپ کے اور تمام موجودات کے ارادوں پر غالب و حاکم ہے۔ اس لئے اگر تمہاری ریاکاری و چاپلوسی لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ہے اور دلوں میں اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے ہے اور نیکی میں شہرت حاصل کرنے کے لئے ہے تو یہ بات بالکلیہ آپ کے امکان سے خارج اور خدا کے بس میں ہے۔ پروردگارِ عالم دلوں کو اور دلوں کے مالکوں کو جس طرف چاہتا ہے متوجہ کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ نتیجتاً (آپ کے مقصد کے) بالکل ہی برخلاف ہو۔ کیونکہ ہم نے سنا بھی ہے اور دیکھا بھی ہے کہ ریاکار و منافق قسم کے لوگ جن کے دل پاک نہیں تھے وہ ذلیل و رسوا بھی ہوئے ہیں وہ جو چاہتے تھے نتیجتاً اس کے برخلاف نکلا۔

چنانچہ کافی میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ارشاد ہوتا ہے:

جراح مدائنی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے خداوند عالم کے اس قول: عَنْ جَرّاحِ المَدائِني، عَنْ أَبي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ،

فِي قَوْلِ اللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ: «فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا.» قَالَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ: اَلرَّجُلُ يَعْمَلُ شَيْئاً مِنَ الثَّوَابِ لاَ يَطْلُبُ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ، إِنَّمَا يَطْلُبُ تَزْكِيَةَ النَّاسِ، يَشْتَهِي أَنْ يَسْمَعَ بِهِ النَّاسُ، فَهٰذَا الَّذِي أَشْرَكَ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ. ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ أَسَرَّ خَيْراً فَذَهَبَتِ الْأَيَّامُ أَبداً حَتَّى يُظْهِرَ اللّٰهُ لَهُ خَيْراً، وَمَا مِنْ عَبْدٍ يُسِرُّ شَرّاً فَذَهَبَتِ الْأَيَّامُ أَبداً حَتَّى يُظْهِرَ اللّٰهُ لَهُ شَرّاً.»

جو شخص خواہش مند ہو کہ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوتا ہے اس کو اچھے کام کرنا چاہیے اور خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ کے بارے میں پوچھا تو حضرت نے فرمایا: (اس کا مطلب ہے) انسان کوئی کار ثواب کرے مگر وہ خدا کے لئے نہ ہو بلکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ سن کر اس کو ظاہر بہ نیکی خیال کریں تو گویا اس نے اپنی عبادت میں شریک قرار دیا۔ اس کے بعد فرمایا: اگر کوئی شخص (صرف خدا کے لئے) کوئی کام چھپا کرے تو کچھ دن گزرنے کے بعد خدا اس کی نیکیوں کو ظاہر کر کے رہتا ہے۔ (اسی طرح) جو بھی انسان اپنے بُرے اعمال کو ہمیشہ چھپاتا ہے پھر بھی خدا کبھی نہ کبھی اس کی برائیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔

پس اے عزیز اپنے خدا سے نیک نامی کو چاہ۔ لوگوں کے دلوں کو جذب کرنا چاہتے ہو تو دلوں کے مالک سے اس کی خواہش کرو۔ تم ہر کام خدا کے لئے کرو۔ خداوند عالم آخرت میں تم پر عنایت و کرم کرنے اور تم کو عالم آخرت کی نعمتوں سے نوازنے کے علاوہ اس دنیا میں بھی تم پر اپنی نوازشیں کرے گا۔ تم کو محبوب (القلوب) بنادے گا۔ دلوں میں تمھاری عزت زیادہ کریگا۔ دونوں عالم میں تم کو سر بلند کرے گا۔

اور اگر کہیں تم ریاضت و زحمت سے اپنے دل کو اس محبت سے بھی بالکلیہ خالص کر لو۔ باطن کو پاک و پاکیزہ کر لو تب تو اس اعتبار سے بھی تمھارا عمل خالص ہو جائے گا۔ دل خدا کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ روح کثافتوں اور آلائشوں سے پاک و صاف ہو جائے گی۔ نفس کی کدورت دور ہو جائے گی۔

(خدا کے مقابلہ میں) کمزور و ناتواں بندوں کی محبّت و نفرت، بندگانِ الٰہی کے نزدیک شہرت کا آخر کیا فائدہ ہے؟ اور اگر بالفرض کوئی فائدہ ہو بھی تو ایک جزئی و (عارضی) فائدہ ہے۔

(یہ بھی تو) ممکن ہے کہ طلب شہرت و نیک نامی کی وجہ سے تمہارے کاموں میں ریا کا عنصر شامل ہو جائے۔ جو خدا نخواستہ تم کو مشرک و منافق و کافر بنا دے۔

(جس کے نتیجہ میں) اگر تمہاری اس دنیا میں رسوائی نہ بھی ہوئی۔ پھر بھی دوسری دنیا میں عدل الٰہی کے حضور میں، خدا کے نیک بندوں کے سامنے انبیائے عظام و ملائکہ مقربین کے سامنے تو بہر حال ذلت و رسوائی ہوگی (شرم سے) سر نیچا کرنا پڑے گا۔ اور اس دن تم اپنے کو بے بس و لاچار و بے چارہ پاؤ گے۔ اس دن کی رسوائی کا تو تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کیسی رسوائی ہوگی؟ اس جگہ کی سرگشتگی کو تو بس خدا جانتا ہے کہ یہ سرگشتگی اپنے پیچھے کتنی بھیانک تاریکیاں لائے گی۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ بقول پروردگار عالم: کافر کہے گا "اے کاش میں مٹی ہوتا"[۸]

اے بے بس (انسان) ایک معمولی سی لوگوں کی حصول محبت کے لئے، ایک بے فائدہ شہرت کی خاطر تو نے کیسی کرامتوں کو کھو دیا، مرضیٔ الٰہی کو اپنے ہاتھ سے نکل جانے دیا، اپنے کو غضب الٰہی کا مستحق بنا لیا، جن اعمال کے ذریعہ کرامت حاصل کرتا ابدی و دائمی خوشی حاصل کرتا، بہشت کے اعلیٰ علیین میں اپنے لئے جگہ حاصل کرتا۔ ان کے بدلے شرک و نفاق کی تاریکیوں کو، اپنے لئے حسرت و ندامت کو، عذاب شدید کو مہیا کر لیا، اور اپنے کو سجین بنا لیا۔ اصول کافی کے اندر ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس میں حضرت نے فرمایا: رسول خدا کا ارشاد ہے: "جب فرشتہ کسی بندے کے اعمال کو خوشی سے اوپر لے جاتا ہے تو جیسے ہی وہ اس کے نیک کاموں کو لے کر اوپر پہونچتا ہے خدا کہتا ہے "اس کے اعمال کو سجین میں ڈال دو۔ اس لئے کہ اس نے ان اعمال کو صرف میرے لئے نہیں انجام دیا"[۹]

میں اور تم تو اس حالت میں سجین کا تصور نہیں کر سکتے اور نہ فاسق و فاجر لوگوں کے دیوان عمل کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان اعمال کی (اصلی) صورتوں کو جو سجین میں ہوں گی دیکھ سکتے ہیں اور جب حقیقت امر کو دیکھیں گے تو (وقت گزر چکا ہوگا) ہمارے ہاتھ کوتاہ ہو چکے ہوں گے، راہ چارہ و تدبیر ختم ہو چکی ہوگی۔

(اس لئے) اے عزیز! بیدار ہو جاؤ اور غفلت و مستی کو اپنے سے دور کر دو، اپنے اعمال کو عقل کی ترازو میں تول لو اس سے پہلے کہ اس عالم میں تولے جائیں۔ تمہارا حساب کیا جائے اس سے پہلے تم خود اپنا حساب کر لو، اپنے آئینۂ دل کو شرک و نفاق سے پاک کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفر و شرک کا اس پر ایسا زنگ لگ جائے۔ جس کو دوسری دنیا کے آتشیں شعلے بھی ختم نہ کر سکیں۔ ایسا نہ

کرو کہ نورِ فطرت ظلمتِ کفر سے بدل جائے۔

«فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا»[1]

"یہی خدا کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔"

ایسا نہ کرنا کہ یہ فطرۃ اللہ برباد ہو جائے۔ امانتِ الٰہی میں (اب اتنی بھی) خیانت نہ کرو۔ آئینۂ دل کو (اتنا) پاک کر لو کہ جمالِ حق کا نور اس میں جلوہ افگن ہو سکے۔ اور (پھر) تم کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دے، محبتِ الٰہی کی آگ دل میں روشن ہو کر تمام دوسری محبتوں کو اس طرح جلا دے گی کہ پورے عالم کے لئے ایک لحظہ بھی نہ لگے گا۔ اور ذکرِ الٰہی و یادِ خدا سے وہ لذت تم کو حاصل ہوگی جس کے مقابلہ میں تمام حیوانی لذتیں بازیچۂ اطفال معلوم ہوں گی اور اگر تم اس مقام کے اہل نہیں ہو اور یہ مطالب تم کو عجیب (و غریب) معلوم ہوتے ہیں تو (کم از کم)، دوسری دنیا کی اُن الٰہی نعمتوں کو جن کی خبر قرآن نے اور ائمہ معصومینؑ کی حدیثوں نے دی ہے۔ اپنے ہاتھ سے تو نہ جانے دو۔ اور چند روزہ موہوم سی شہرت اور خدا کی کمزور مخلوق کے دل میں جگہ پانے کے لئے ان تمام ثواب کو ضایع و برباد تو نہ کرو۔ اپنے کو خدا کی کرامتوں سے محروم تو نہ کرو، سعادتِ ابدی کو شقاوتِ دائمی سے تو نہ بدلو۔

پانچویں فصل

خلوصِ عمل

یہ سوچو کہ وہ خدا جو حقیقی مالک الملوک ہے اور واقعی ولی نعمت ہے اسی نے ہم کو یہ تمام کرامتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ سارے انتظامات ہمارے لئے کئے ہیں کہ ہمارے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم کو ایک ایسی غذا سے جس میں صالح اور مناسب اجزاء موجود ہیں اور ہمارے ضعیف معدے کے لئے نہایت ہی موزوں ہے اس سے نوازا، ہمارے لئے تربیت کرنے والے اور ذاتی و فطری طور سے محبت کرنے والے، بے لوث خدمت کرنے والے (ماں باپ) خوشگوار و مناسب ماحول، اور ظاہری و باطنی نعمتوں کو مہیا کیا۔ اور (صرف اسی دنیا میں نہیں بلکہ) عالمِ آخرت میں، برزخ میں (بھی)، ہمارے وہاں پہونچنے سے پہلے ان کا انتظام کیا۔ اور (ان سب کے بدلے میں)، ہم سے صرف یہ چاہا کہ اس دل کو صرف ہمارے لئے یا ہماری کرامتوں کے لئے خالص رکھو تاکہ اس کا فائدہ بھی تم ہی کو

پہونچے۔ اور اس کے بعد بھی ہم اس کی بات پر کان نہ دھریں، اس کی نافرمانی کریں، اس کی مرضی کے خلاف اقدام کریں تو کتنا بڑا ہم نے ظلم کیا ہے اور کیسے مالک الملوک سے جنگ کی ہے؟ تو پھر اس کا نتیجہ بھی ہم ہی کو بھگتنا ہوگا۔ (ہماری نافرمانی سے) اس کی سلطنت و حکومت کو تو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا اور نہ ہم اس کی حکومت و سلطنت سے خارج ہو سکتے ہیں (بلکہ) ہم خود ہی مشرک ہو جائیں گے اور اپنے کو ضرر پہونچائیں گے۔

«فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ.»

بے شک خدا سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔ وہ نہ تو ہماری عبادت کا، نہ ہمارے اخلاص کا، نہ ہماری بندگی کا (کسی کا بھی) محتاج نہیں ہے۔ ہماری نافرمانی، ہمارے شرک، ہمارے نفاق سے اس کی حکومت کا کچھ نہ بگڑے گا۔

لیکن چونکہ خدا ارحم الراحمین ہے، اس کی رحمت واسعہ اور حکمت بالغہ اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم کو ہدایت کرے، خیر و شر، اچھائی و برائی کا راستہ ہم کو دکھائے۔ راہِ انسانیت کی بلندی سے نیچے گرنے اور سعادت کے راستوں پر لغزش کھانے سے ہم کو آگاہ کرے۔ خداوندِ عالم کا ہماری ہدایت و رہنمائی کرنے میں، بلکہ ان عبادتوں اور اخلاص و بندگی میں ہم پر بہت بڑا احسان و کرم ہے۔ اس کے ان احسانات کا اندازہ ہم کو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہماری چشمِ بصیرت نہ کھلے اور اصلیت کو دیکھنے (و پرکھنے) کی برزخی نظر وا نہ ہو اور جب تک ہم اس تاریک و تنگ دنیا میں ہیں اور فطرت کے ظلمت کدہ میں اسیر ہیں۔ زنجیرِ زمان میں بستہ، امتداد و مکان کی تاریکی میں مقید ہیں۔ خدا کی عظیم نعمتوں کا ادراک نہیں کر سکتے اور نہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ یہی اخلاص و عبادت خدا کی نعمتوں کا شکریہ ہیں اور اس کی راہنمائی کا یہی حق ہے۔

لیکن (ایسا ہرگز نہیں ہے) تم تو بھول کر بھی گمان نہ کرنا کہ خدا کے بھیجے ہوئے انبیائے کرام یا علمائے اُمّت جو ہماری سعادت و خلاصی کے رہنما ہیں اور ہم کو جہالت و تاریکی و بدبختی سے نجات دلاتے ہیں اور عالم نور و سرور، بہجت و عظمت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان تمام تاریکیوں سے جو باطل اعتقادات کا نمونہ ہیں (بلکہ) جہل مرکب ہیں ان سے نجات دلانے اور ہماری تربیت کرنے کے لئے تمام زحمتوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہیں اور برے اخلاق و برے ملکات جو عذاب و فشار کی صورت میں ہم سے ناقابل جدائی ہیں اور ہمارے برے افعال کی اور اعمال دنیاوی کی جو دہشتناک و وحشت ناک صورتیں ہیں ان سے چھٹکارا دلاتے کے لئے سعی و کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسے انوارِ

مقدسہ، بہجت و سرور، خوشی و مسرت و حور و قصور تک ہمارے پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں جنکا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان حضرات پر ہم عبادت کر کے احسان کر رہے ہیں۔

یہ عالم ملکوت اپنے تمام تر وسعت کے باوجود اس میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ بہشتی حلوں میں سے ایک حلہ بھی یہاں لایا جا سکے، اور ہماری آنکھوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ حور العین کے ایک بال کا نظارہ کر سکیں (البتہ) ان عقائد و اخلاق و اعمال کی یہ ملکوتی صورتیں ہیں۔ جن کا ادراک انبیائے کرام نے کیا ہے۔ خاص کر صاحبِ کشف کلی، و دستور جامع خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہ و علیہم نے ان کا ادراک وحی الٰہی کے ذریعہ کر لیا تھا اور دیکھا بھی تھا سُنا بھی تھا اور ہم کو بھی ان عقائد و اعمال و اخلاق کی دعوت دی تھی۔ (لیکن) ہم لوگ بے چارے ان بچوں کی طرح ہیں جو (اپنی ناسمجھی کی وجہ سے) عقلا کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ حکم عقل ہی کو غلط بتاتے ہیں اور ہمیشہ عقل سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ مگر ان مطمئن و پاکیزہ نفوس، طیب و طاہر ارواح مقدسہ نے اپنے اس شفقت و مہربانی کی وجہ سے جو ان کو بندگانِ خدا سے ہے کبھی بھی ہماری نادانی کی وجہ سے اپنی دعوت میں کوتاہی نہیں کی۔ (بلکہ) زور و زر کے ذریعہ ہمیشہ ہم کو بہشت و سعادت ہی کی طرف کھینچتے رہے اور اس عظیم کارنامے پر ہم سے کسی اُجرت کے بھی خواستگار نہیں ہوئے۔ بلکہ اگر آخری رسولؐ نے اپنی اُجرت کو ذوی القربیٰ کی مودت[۱۲] میں منحصر بھی کیا ہے تو شاید اس لئے کہ دوسری دنیا میں یہ محبت و مودت بتمام صورتوں سے نورانی تر ہو گی اور وہ بھی ہمارے لئے اور ہمارے سعادت و رحمت تک پہونچنے کے لئے۔ پس رسالت کی اجرت بھی ہماری ہی طرف پلٹے گی اور اس سے ہم ہی کو فائدہ ہوگا۔ بھلا ہم غریبوں کا ان آقاؤں پر کیا احسان ہے؟ ہمارے اخلاص و ہماری عقیدت مندی سے آخر ان حضرات کو کیا فائدہ پہونچے گا؟ ہم نے اور آپ نے علمائے کرام پر کیا احسان کیا ہے؟ ایک مسئلہ گو عالم سے لے کر حضورؐ سرورِ کائنات تک اور آنحضرتؐ سے لے کر خداوندِ عالم تک ہر ایک نے اپنے اعتبار سے ہم کو ہدایت کی ہے۔ ہم پر احسان کیا ہے۔ جس کی جزا اس عالم میں دینا ہمارے لئے محال ہے۔ یہ عالم اس لائق ہی نہیں ہے کہ ان حضرات کو جزا دی جا سکے۔ درحقیقت خدا و رسولؐ اور اس کے اولیا کا احسان ہے۔ جیساکہ خود خدا نے اعلان کیا ہے:

«قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ.[۱۳]»

تم کہہ دو کہ تم اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ (بلکہ) اگر تم (دعوائے ایمان میں) سچے ہو تو (سمجھ لو کہ) خدا نے تم پر احسان کیا ہے کہ تم کو ایمان کا راستہ دکھایا ہے۔ بے شک خدا تو سارے آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

پس (بالفرض) اگر ہم اپنے دعوائے ایمان میں سچے بھی ہوں تو اس ایمان میں بھی خدا کا ہمارے اوپر احسان ہے۔ خدا عالم غیب کا جاننے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہمارے اعمال اور ہمارے ایمان و اسلام کی صورتیں عالم غیب میں کیسی ہیں۔ ہم غریبوں کو چونکہ حقیقت پر اطلاع نہیں ہے مثلاً گوے علم حاصل کرتے ہیں اور (پھر الٹا) اسی پر احسان جتاتے ہیں۔ عالم کی تقلید کرتے ہیں اور اس پر دھونس جماتے ہیں اگر کسی عالم کے پیچھے نماز جماعت پڑھتے ہیں اور پھر اس پر (اس کے باپ دادا پر) منت گزاری کرتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں نے ہمارے اوپر احسان فرمایا ہے۔ خود ہمارے یہاں خیر نہیں ہے۔ یہ احسانات کا جتانا سارے اعمال کو الٹ پلٹ دیتا ہے اور جہنم رسید کر دیتا ہے۔ سب کو فنا کر دیتا ہے۔

(ریا کا) دوسرا مقام

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل

یہاں پر ریا کاری اگرچہ اتنی شدید نہیں ہے جتنی مقام اول میں تھی پھر بھی ایک مطلب کی طرف متوجہ ہونے کے بعد یہ امکان ہے کہ مقام دوم کا ریا کار مقام اول کے ریا کار کے نتیجہ میں ایک ہی ہو جائے۔ میں نے پہلی حدیث کی شرح میں یہ بیان کر دیا ہے کہ ہو سکتا ہے عالم ملکوت میں انسان کی صورتیں ایسی ہوں جو اس دنیا کے برخلاف ہوں اور وہ صورتیں ملکوت نفس اور ملکات نفس کے تابع ہوتی ہیں۔ اگر تم اچھے انسانی ملکات (ملکات فاضلہ انسانیہ) کے حامل ہو گے تو ان ملکات کی بنا پر تمھاری صورت انسانی ہو سکتی ہے اور تم اسی صورت سے محشور ہو سکتے ہو بشرطیکہ تم نے ان ملکات سے کام لینے میں اعتدال کی حد سے تجاوز نہ کیا ہو۔ بلکہ تمہارے ملکات اسی وقت فاضلہ

کہلائیں گے جب نفسِ امارہ نے اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا ہو اور ان کے تشکیل پانے میں نفسیات کا ذرا بھی شائبہ نہ رہا ہو۔ ہمارے اُستاد و شیخ فرمایا کرتے تھے:

ریاضت باطل اور صحیح شرعی ریاضت میں یہ فرق ہے کہ اس میں نفس کی مداخلت کتنی ہے اور حق کا دخل کتنا ہے؟ اگر سالک نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا مقصد (اس ریاضت سے) نفس کی قوتوں کو مضبوط بنانا ہے اور نفس کی سلطنت و قدرت کو وسیع کرنا ہے تو پھر وہ ریاضت باطل ہے۔ اور اس کا سلوک آخرت میں اس کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اور اسی قسم کے لوگ جھوٹے اور کھوکھلے دعوے کیا کرتے ہیں۔

لیکن اگر سالک حق کے راستے میں قدم بڑھاتا ہے اور اس کا مقصد خدا کی جستجو ہے تو اس کا مقصد اور اس کی ریاضت شرعی ہے اور حق ہے اور بہ نصِ قرآن پھر خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

«وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا.»

"اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا۔ انھیں ہم ضرور اپنی راہ کی ہدایت کریں گے۔"

اس لئے ایسے انسان کو سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اس کی نفس پرستی و خودکشی دور ہو جاتی ہے اور خود نمائی اس کے پاس نہیں آپاتی۔ یہ بات سب ہی کو معلوم ہے اگر کسی کا مقصد اپنے اخلاقِ حسنہ اور ملکات فاضلہ سے یہ ہو کہ وہ لوگوں کا مرکزِ نظر بن جائے اور لوگ اس کو دیکھیں تو اس کا یہ اقدام نفس پرستی، خود بینی و خود خواہی و خود پرستی ہے اور خود بینی کے ساتھ خدا بینی و خدا خواہی کا تصور ایک خام خیال اور امر باطل و محال ہے۔ جب تک تمھارے وجود کی مملکت حُبِّ نفس حُبِّ جاہ و جلال، بندگانِ خدا میں حصولِ شہرت اور ان پر حکومت و ریاست سے پُر ہے اس وقت تک تمھارے ملکات کو نہ ملکات فاضلہ میں شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ تمھارے اخلاق کو اخلاقِ الٰہی کہا جا سکتا ہے۔

(ایسی صورت) میں تمھاری مملکت کا کارکن شیطان ہے۔ اور تمھارا باطن بھی انسانی صورت کا نہیں ہے۔ آنکھ کھولنے کے بعد اپنے ملکوتی برزخ کو غیر انسانی صورت میں پاؤ گے۔ اپنے کو شیطانوں میں سے کسی شیطان کی صورت کا پاؤ گے۔ (دوسری خرابی یہ ہوگی کہ) اور ایسے قلوب کے لئے "جو شیطان کی منزل ہے" صحیح توحید، معارفِ الٰہی کا حصول محال ہوا کرتا ہے اور یہ صورت اس وقت تک رہے گی جب تک تمھارا ملکوتِ انسانی نہ ہو جائے اور تمھارا دل ان کمیوں اور خود خواہیوں سے پاک

نہ ہو جائے.....

حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے:

«لا يَسَعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي، بَلْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ.»[15]

۱۔ میری زمین اور میرے آسمان میں میری سمائی نہیں ہے صرف میرے مومن بندے کے دل میں میری سمائی ہے۔

«قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ إِصْبَعَيِ الرَّحْمٰنِ، يُقَلِّبُهُ كَيْفَ يَشَاءُ»[16]

۲۔ رحمان کے دونوں انگلیوں کے درمیان قلب مومن ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو الٹتا پلٹتا ہے۔

مومن کی حکومت قلب میں وسعتِ حق متصرف ہوتا ہے۔ لیکن اے بیچارے تو تو اپنے نفس کی عبادت کرتا ہے تیری مملکتِ قلب پر شیطان متصرف ہے۔ تیرے قلب سے خدا نے اپنے حق تصرف کو اٹھالیا ہے۔ اب بھلا تیرے پاس کون سا ایمان ہے جس کی وجہ سے تو مورد تجلی بن سکے اور تو مطلق سلطنت کی جگہ واقع ہو سکے؟

پس تو سمجھ لے جب تک تیری یہ حالت ہے اور یہ ریاکاری بری صفت تیرے اندر ہے تو کافر باللہ ہے اور تیرا شمار منافقین میں ہے چاہے تو اپنے کو مومن و مسلمان ہی سمجھتا رہے۔

دوسری فصل

اے عزیز جاگ جا! اپنے کان سے غفلت کی روئی نکال، خوابِ غفلت کو اپنی آنکھوں پر حرام قرار دیدے، یہ سمجھ لے کہ خدا نے تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔

«يَا ابْنَ آدَمَ خَلَقْتُ الْأَشْيَاءَ لِأَجْلِكَ، وَخَلَقْتُكَ لِأَجْلِي.»[1]

اے بنی آدم! ساری چیزوں کو میں نے تیرے لئے پیدا کیا ہے اور تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔" اور تیرے دل کو اپنی منزل بنایا ہے۔ تو اور تیرا قلب نوامیسِ الٰہی میں سے ہے، اور خدا اپنے ناموس کے بارے میں بہت غیور ہے۔ ناموسِ الٰہی کی اتنی پردہ دری نہ کر، ناموسِ خدا کی طرف

دست درازی نہ کر، غیرت الٰہی سے ڈر کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی دنیا میں تجھ کو اتنا ذلیل کر دے کہ تو چاہے جتنا بھی اصلاح کرنا چاہے تیرے لئے ممکن نہ ہو۔ تو اپنی باطن کی دنیا میں ملائکہ اور انبیائے کرام کے سامنے ناموسِ الٰہی کی پردہ دری کرتا ہے۔ وہ اخلاق حسنہ جن کے واسطہ سے اولیا خدا سے تشبہ پیدا کرتے ہیں تو انھیں کو غیر حق کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنے دل کو دشمنِ خدا کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اپنے باطن کے اندر شرک اختیار کر لیتا ہے۔

اس بات سے ڈر کہ کہیں خدا تیرے ناموسِ حکومت کو (باطن کو) چاک نہ کر دے اور تجھے انبیائے عظام وملائکۂ مقربین کے سامنے ذلیل ورسوا نہ کر دے۔ اسی دنیا میں تجھ کو رسوا کر دے۔ ایسی ذلت میں تجھ کو مبتلا کر دے جس کا تدارک ممکن نہ ہو سکے۔ اور تیری پاکبازی کے پردے کو اس طرح ذلیل کر دے کہ پھر وہ پیوند کاری کے قابل نہ رہ جائے یہ درست ہے کہ خدا ستار (عیبوں کو چھپانے والا) ہے۔ مگر اسی کے ساتھ غیور (غیرت مند) بھی تو ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ ارحم الراحمین ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ وہ اشد المعاقبین (سب سے شدید عتاب کرنے والا) بھی تو ہے۔ وہ اسی وقت تک عیوب کی پردہ داری کرتا ہے جب تک وہ حد سے نہ گزر جائے۔ ممکن ہے کہ خدانخواستہ یہ ناشائستہ افعال اس کی غیرت کو ستاری پر غلبہ عطا کر دیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں تم نے سن لیا۔[۱۸]

لہٰذا اپنے آپ میں آجاؤ اور خدا کی طرف رجوع کرو اور اس کی طرف بازگشت کرو۔ کیونکہ خدا رحیم ہے اور اپنی رحمت کے لئے بہانہ ڈھونڈھتا ہے۔ اگر تم نے (خلوص دل سے) اس کی طرف رجوع کر لیا تو تمہارے گزشتہ گناہوں کو دامن عفو میں چھپا لے گا اور کسی کو اس پر مطلع نہ کرے گا۔ اور تجھ کو صاحب فضیلت بنا دے گا تیرے اچھے اخلاق کو شہرت عطا کرے گا۔ اور تجھے اپنی صفات کا آئینہ بنا دے گا۔ اور تیرے ارادے کو اس عالم میں اس طرح کارفرما بنا دے گا جس طرح خود اس کا ارادہ پوری کائنات میں نافذ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

جب اہل جنت جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہونچ جائیں گے تو ان کے پاس خدا کا یہ پیغام آئے گا: اس زندہ و پائندہ (خدا) کی طرف سے۔ اپنی اس زندہ و پائندہ (مخلوق) کے لئے جس کو اب موت نہیں ہے۔ میں جس کو چاہتا ہوں کہ موجود ہو جائے اور کہتا ہوں کہ ہو جائے پس وہ ہو جاتی ہے۔ تجھ کو (آج سے) یہ اختیار دیتا ہوں جس چیز کو چاہے کہ ہو جائے اس کو حکم دیدے کہ ہو جا وہ چیز ہو جائے گی۔[۱۹]

لہٰذا تو اتنی خود پسندی نہ کر، تو اپنے ارادہ کو حق کے حوالے کر دے۔ ذاتِ اقدس الٰہی تجھ کو بھی اپنے ارادہ کا مظہر بنا دے گی۔ تجھ کو تمام امور میں متصرف بنا دے گی۔ مملکتِ ایجاد کو آخرت میں تیری قدرت کے تابع کر دے گی اور یہ وہ تفویض نہیں ہے جو باطل ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر معلوم ہے۔

میرے عزیز! تو خود جانتا ہے اب چاہے اِس کو قبول کر یا اس کو! اس لئے کہ خدا تو ہم سے اور تم سے بلکہ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے اور ہمارے اور تمام موجودات کے اخلاص سے بھی بے نیاز ہے۔

(ریا کا) تیسرا مقام

اس میں بھی چند فصلیں ہیں:

پہلی فصل

اس مقام پر ریاکاری دوسرے مقامات سے بہت زیادہ اور شایع تر ہے۔ کیونکہ ہم لوگ عموماً پہلے والے دو مقام کے اہل نہیں ہوا کرتے۔ اسی لیے شیطان بھی ان راستوں سے ہمارے پاس نہیں آتا۔ لیکن چونکہ زیادہ تر لوگ عبادت گزار اور اہلِ مناسک ہوتے ہیں اور ظاہری عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے شیطان بھی اسی جگہ زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور اپنی چالبازیوں کو زیادہ تر اسی مقام میں استعمال کرتا ہے۔ دوسری لفظوں میں اس طرح عرض کیا جائے کہ نوعاً لوگ جسمانی اعمال کے ذریعہ بہشت کے طالب ہوتے ہیں۔ اور اچھے اعمال کر کے اور بُرے اعمال چھوڑ کے اخروی مقامات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے شیطان بھی اسی راستہ سے آکر ان کے اعمال (و عبادات) میں ریاکاری و چاپلوسی کے بیج بو دیتا ہے تاکہ ان میں کونپلیں اور پتے نکل آئیں اور ان کے اچھے اعمال بُرے اعمال سے بدل جائیں لہٰذا وہ لوگ مناسک و عبادات کے راستے سے جہنم میں پہونچ جائیں۔ اور جن چیزوں سے لوگ اپنی آخرت آباد کرنا چاہتے ہیں (شیطان کے بہکانے میں آکر) انھیں چیزوں سے آخرت کو برباد کر لیتے ہیں۔ جو چیز علیین سے ہے اس کے

لئے ایسا کام کرتے ہیں کہ حکم خدا سے ملائکہ اس کو سجین میں قرار دیتے ہیں۔

لہٰذا جن لوگوں کے پاس صرف یہی پہلو (عبادت) ہے اور اعمال کے علاوہ ان کے پاس کوئی زاد و راحلہ نہیں ہے۔ انھیں تو مکمل طور سے اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ خدا ناخواستہ کہیں یہ بھی ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور ہم جہنمی ہو جائیں اور سعادت کا ہمارے پاس کوئی راستہ ہی نہ رہے اور بہشت کے دروازے ہمارے لئے بند ہو جائیں اور جہنم کے دروازے کھل جائیں۔

دوسری فصل

ریاکاری کے بارے میں غور و فکر

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خود ریاکار اس بات سے غافل ہوتا ہے کہ ریاکاری نے اس کے اعمال کو برباد کر دیا ہے اور اس کے ریاکاری والے اعمال ناچیز و بیکار ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ (ایک تو) شیطان کے جال (اور دوسرے) نفس کی دقت و باریکی (تیسرے) انسانیت کے راستے کی تاریکی و باریکی انسان کو یہ سمجھنے ہی نہیں دیتی کہ وہ کیا ہے جب تک کہ وہ باقاعدہ اور مکمل موشگافی نہ کرے؟ خود تو وہ یہی خیال کرتا ہے کہ میرے تمام اعمال خدا کے لئے ہیں حالانکہ وہ شیطان کے لئے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ انسان کی تخلیق حُبِّ نفس پر ہے اس لئے خود پرستی کا پردہ اس کے عیوب کو چھپائے رکھتا ہے۔ انشاء اللہ اگر ممکن ہو سکا تو اس مطلب کی تھوڑی سی شرح بعض حدیثوں کے ضمن میں آئے گی۔ بشرطیکہ توفیق الٰہی شامل حال رہی۔ ۲۰

مثلاً علم دین کا حاصل کرنا اہم ترین اطاعت و عبادت ہے۔ لیکن کبھی بڑے سے بڑا آدمی بھی اس بڑی عبادت میں ریاکاری کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسی حجاب غلیظ حُبِّ نفس کی بنا پر وہ خود بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ (مثال کے طور پر) کبھی علماء و روساء و فضلاء کی موجودگی میں انسان کبھی کسی مطلب کو اس طرح حل کرنا چاہتا ہے کہ کسی نے اس کو اس طرح (ابھی تک) حل ہی نہ کیا ہو اور جیسے وہ اس مسئلہ کے سمجھنے میں منفرد ہو اور پھر جس قدر خوبی سے اس کو بیان کرے گا اور اہل مجلس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے گا۔ اتنا ہی اس پر فخر کرے گا (اور خوش

وسرور ہوگا) اور جو بھی اس کی مخالفت کرے گا اس کو مغلوب کردے گا۔ اور وہ اپنے اندر ایک قسم کا گھمنڈ و ناز محسوس کرنے لگے گا۔ اور اگر کہیں کسی نے اس کی تائید بھی کردی پھر تو نور علی نور والی بات ہوجائے گی۔ حالانکہ اس بے چارہ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہاں تو علما و فضلا کی نظر میں اس کی اہمیت و قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ لیکن اس کے خدا کی نظر میں اور تمام مخلوقات کے خدا کی نظر میں اسکی اہمیت ختم ہوگئی۔ اور اس کا عمل خدا کے حکم سے سجین میں ڈال دیا گیا۔

(یہی نہیں بلکہ) اس ریاکاری کے ساتھ چند اور بھی گناہ کا ارتکاب بھی کیا ہے مثلاً (۱) ایک برادر مومن کو ذلیل و رسوا کرنا اس کو اذیت پہونچانا (۲) کبھی اس کے ساتھ مومن کے ساتھ جسارت کرنا اور اس کی ہتک حرمت کرنا بھی شامل ہوجاتا ہے اور یہ چیزیں خود اپنی جگہ پر مستقل ہلاک کرنے والی اور جہنمی بنانے والی ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد بھی نفس اپنا جال تمہارے اوپر یہ کہہ کر پھینکتا ہے کہ: میرا مقصد تو (اس مشکل کو حل کرنے سے) صرف حکم شرعی کا بیان کرنا تھا اور کلمہ حق کا اظہار تھا جو افضل طاعات ہے میرا مقصد اظہار قابلیت اور خودنمائی ہرگز نہیں تھا۔ تو تم خود ہی اپنے باطن سے سوال کرو کہ اگر اس حکم شرعی کو دوسرا کوئی دوست اور ہم مرتبہ بیان کرتا اور اس مشکل کو حل کرتا اور تم خود اس سے مغلوب ہوجاتے تو کیا اس سے تمہارے اوپر کوئی اثر نہ ہوتا؟ کوئی فرق نہ پڑتا؟ اگر واقعاً کوئی فرق نہ پڑتا تب تو اپنے دعویٰ میں سچے تھے (ورنہ نفس کے جال میں پھنسے ہو)

اور اگر اس کے بعد بھی تمہارا نفس تم کو دھوکہ دینے پر کمربستہ ہے اور تم سے کہتا ہے: سچائی کا اظہار کرنے میں فضیلت ہے اور بہت ثواب ہے اس لئے میں اس فضیلت کو حاصل کرنا چاہتا ہوں اور ثواب الٰہی کے طفیل (جنت میں) گھر بنانا چاہتا ہوں۔ تو تم اس نفس سے کہو:۔ فرض کرلو مغلوب ہوجانے کی صورت میں بھی خدا تم کو وہی فضیلت عطا کردے تو کیا اس کے بعد بھی اے نفس تو دوسروں پر غلبہ کا متمنی رہے گا؟ اب اگر اپنے باطن میں (جھانک کر) دیکھو کہ تمہارا نفس اس کے باوجود قہر و غلبہ چاہتا ہے۔ علما کے سامنے علم و فضل میں اپنی شہرت کا خواہش مند ہے اور یہ علمی بحث صرف ان کے دلوں میں عظمت پیدا کرنے کے لئے تھی تو جان لو کہ اس علمی بحث میں۔ جو افضل ترین طاعت و عبادت ہے۔ تم ریاکار ہو۔ اور کافی کی روایت کی بناپر تمہارا یہ عمل سجینی ہے اور تم مشرک ہو۔ اور تمہارا یہ عمل صرف محبت جاہ و شرف کے لئے ہے۔ اور تمہارا یہ عمل بنابر روایت تمہارے ایمان کے لئے ان دو بھیڑیوں سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ جو گوسفند کے اس گلہ پر جا پڑیں جن کا چرواہا موجود نہ ہو۔[۲۱]

لہٰذا تم جو اہل علم ہو، امت کی اصلاح کے ذمہ دار ہو، آخرت کے رہنما ہو، امراض نفس کے طبیب ہو تمہارے اوپر واجب ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرو اور اپنے نفس کے مزاج کو سالم بناؤ تاکہ تمہارا شمار بے عمل علما میں نہ ہو۔ پروردگار! شرک و نفاق کی کدورت سے ہمارے دل کو پاک کر، ہماری مدد فرما۔ ہم گرفتاران ہوا و ہوس، حُبّ جاہ و شرف کی اس سفر پر خطر اور راہ پرپیچ و خم و تاریک و تنگ میں دستگیری فرما۔ تو ہر چیز پر قادر و توانا ہے۔

اسی طرح اسلام کی ایک بزرگ ترین عبادت 'نماز جماعت' ہے اور پیش نماز کی فضیلت بہت ہے۔ اس لئے شیطان بھی اس میں سب سے زیادہ رخنہ اندازی کرتا ہے۔ اور پیش نماز کا سب سے زیادہ دشمن ہوتا ہے۔ اور اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح اس کو اس فضیلت سے روک دے اور اس کے اس عمل کو اخلاص سے خالی کر کے اس کو سجین میں داخل کر دے اور اس پیش نماز کو مشرک بنا دے۔ اس لئے بعض پیش نمازوں کے دلوں میں مختلف طریقوں سے داخل ہوتا ہے جیسے تکبر، اس کا ذکر بعد میں انشاء اللہ آئے گا و ریاکاری۔ اس کا مطلب لوگوں کے دلوں میں عظمت و منزلت پیدا کرنا اور اپنی عظمت و بزرگی کی شہرت کرنا۔ مثلاً پیش نماز کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مقدس شخص اس کی جماعت میں آیا ہے تو اس کو اپنی طرف جذب کرنے کے لئے اور زیادہ خضوع و خشوع کرنا، اور مختلف حیلوں، بہانوں سے اس کو اپنے جال میں پھانسنا، مجلسوں میں اس مقدس شخص کا طرف اس لئے ذکر کرنا تاکہ جو لوگ جماعت میں نہیں تھے ان کو پتہ چل جائے کہ ایسے (ایسے) مقدس اشخاص ہماری جماعت میں شریک ہوتے ہیں، اور خود اس شخص سے اتنا خلوص اور اتنی محبت کرنا کہ شاید اس نے کبھی اپنے خدا کے لئے بھی اتنا خلوص نہ برتا ہو۔ خصوصاً وہ مقدس شخص اگر محترم تاجر بھی ہو تب تو اظہار عقیدت کی انتہا ہی نہیں ہے۔

اور اگر خدا نخواستہ کوئی محترم شخص راستہ بھول کر ایسے پیش نماز کے پیچھے صف میں کھڑا ہو جائے جہاں لوگ کم ہوں تب تو مصیبت اور زیادہ ہے کیونکہ شیطان اس پیش نماز کو بھی نہیں بخشتا۔ بلکہ اس کی زبان سے کہلاتا ہے۔ میں نے دنیا ترک کر دی ہے (تارک الدنیا ہوں) محلّہ کی چھوٹی سی مسجد میں فقیروں اور کمزوروں کے ساتھ گزر بسر کر لیتا ہوں۔ یہ ریاکاری پہلے ہی کی طرح ہے یا پھر اس سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اس سے اس کے دل میں حسد جیسی برائی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بیچارہ دنیا سے تو محروم تھا ہی۔ (شیطان) اس سے (ریاکاری کی وجہ سے) اس کی آخرت بھی چھین لیتا ہے۔ اور یہ دنیا و آخرت دونوں میں دیوالیہ ہو جاتا ہے۔

ہم اور آپ جیسے جماعت نہ پڑھنے والوں کو بھی شیطان معاف نہیں کرتا بلکہ ہم لوگوں کو بھی جو اپنی کم مائیگی سے افسردہ رہتے ہیں ان کو گمراہ کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ہم کو آمادہ کرتا ہے کہ ہم جماعت مسلمین پر نکتہ چینی کریں (کیونکہ ہم خود تو جاتے نہیں لہٰذا دوسروں کو کیسے برداشت کریں) ان پر لعن طعن کریں۔ (اپنی طرف سے) جماعت میں کیڑے نکالیں۔ اپنی جماعت سے دوری کی تحسین کریں اور اپنے کو تارک الدنیا اور حُبِ جاہ و نفس سے خالی معرفی کرائیں۔

اور ہم تو دونوں گروہوں سے بدتر ہیں نہ پہلے گروہ کی دنیائے تام رکھتے ہیں نہ دوسرے گروہ کی دنیائے ناقص۔ اور نہ آخرت ہی رکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہمارا بس چلتا تو ہم دونوں گروہوں سے بڑھ کر جاہ طلب ہوتے اور ان سے زیادہ حُبِ شرف و مال کا شکار ہوتے!

شیطان صرف پیش نماز ہی پر اکتفا کر کے اور اس کو جہنمی بنانے کے بعد بھی اس کی آتشِ شہوت خاموش نہیں ہوتی بلکہ پھر وہ مامومین کو بھی نہیں بخشتا۔ اور ماموین میں بھی چونکہ صفِ اوّل کو تمام صفوف میں اور صفِ اوّل میں بھی داہنی طرف کو بائیں طرف پر زیادہ فضیلت ہے، لہٰذا اس کا نشانہ بھی زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ بے چارے مقدس نمازی کو گھر سے دور لا کر صفِ اوّل کے داہنی طرف بٹھا دیتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیتا ہے کہ لوگ اس جگہ اس کو دیکھ کر اس کے فضل کا احساس کریں گے اور وہ یہ جانے بغیر کہ اس کا ڈانڈا کہاں سے مل رہا ہے۔ بڑے عشوہ و ناز سے اپنی اس فضیلت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے شرکِ باطن کو ظاہر کر کے اپنے عمل کو خود ہی سجّین میں بھیج دیتا ہے۔

اس کے بعد شیطان بعد کی صفوں میں داخل ہو کر اپنی توجہ ان کی طرف مبذول کر دیتا ہے۔ اور دوسری صفوف کے لوگ صفِ اوّل کے لوگوں کی اشارہ و کنایہ سے تکذیب کرنے لگتے ہیں۔ بے چارے مقدس کو سب و شتم طعن و طنز کا نشانہ بنا لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں ہمارے یہاں یہ برائیاں نہیں ہیں۔ صرف صفِ اوّل والوں میں ہیں۔ اور اکثر ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ شیطان کسی محترم شخص کو خصوصاً اگر وہ اہلِ علم و فضل ہو تو اس کو آخری صف میں لا کر بٹھا دیتا ہے اور اس کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیتا ہے کہ میں اس مقام کا ہرگز اہل نہیں ہوں۔ (کہ غریبوں و فقیروں کے ساتھ نماز پڑھوں) لیکن چونکہ تارک الدنیا ہوں۔ خواہشاتِ نفس کا شکار نہیں ہوتا ہوں اس لئے آخری صف میں نماز پڑھتا ہوں۔ آپ ایسے اشخاص کو کبھی صفِ اوّل میں نہ دیکھیں گے۔

شیطان نماز جماعت کے پیش نماز و ماموین کو چھوڑ کر کبھی فرادیٰ (اکیلے) نماز پڑھنے

والے کو بہکانے میں لگ جاتا ہے۔ اس طرح کہ اس کو گھر یا بازار سے نکال کر مسجد کے ایک گوشہ میں پہونچا دیتا ہے۔ جہاں وہ سب سے الگ تھلگ اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے کسی کو عادل نہیں سمجھتا اس لئے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ اور لوگوں کی موجودگی میں بڑے لمبے چوڑے ذکر کے ساتھ رکوع و سجود کرتا ہے اور بڑی لمبی نماز پڑھتا ہے۔ یہ شخص باطن میں بدمست و نشۂ تکبر میں چور ہے۔ یہ لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہے کہ میں اتنا مقدس و محتاط ہوں کہ نمازِ جماعت نہیں پڑھتا صرف اس ڈر سے کہ کہیں میری کوئی نماز غیر عادل کے پیچھے نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ شخص ریاکار و تکبر میں گرفتار ہے۔ شرعی مسائل سے بھی واقف نہیں ہے کیونکہ خود اس کا مرجع تقلید بھی غالباً صحبتِ اقتدار کے لئے حسن ظاہر کے علاوہ دوسری شرط نہیں کرتا ہوگا۔

لیکن مسئلہ یہ نہیں ہے وہ تو ریاکاری کرنا چاہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت بڑھانا چاہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے سارے کام شیطان کے زیرِ تصرف ہوتے ہیں۔ اور شیطان ملعون جس دل میں بھی پاکیزگی نہیں پاتا اسی کو اپنا گھر بنا لیتا ہے۔ اور اس کے تمام ظاہری و باطنی اعمال کو جلا دیتا ہے۔ اور ہم کو اعمالِ حسنہ کے باوجود جہنمی بنا دیتا ہے۔

تیسری فصل

اخلاص کی دعوت

لہٰذا میرے عزیز! اپنے کاموں میں اور زیادہ دقت سے کام لو۔ اپنے نفس سے اپنے ہر عمل کا حساب لو، اور ہر کام سے پہلے اس سے پوچھو کہ اس کا یہ اقدام خیرات اور امورِ شریفہ کے لئے ہے (یا نہیں)؟ وہ نمازِ شب کے مسائل کیوں پوچھ رہا ہے؟ وہ مسئلہ سمجھنے کے لئے یا مسئلہ بیان کرنے کے لئے پوچھ رہا ہے؟ یا اپنے کو نمازِ شب پڑھنے والوں کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے؟ وہ آخر اپنے زیارتی سفر کو کیوں کسی نہ کسی طرح لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے؟ انتہا یہ ہے سفر زیارت کی تعداد بھی بتاتا ہے۔ پوشیدہ طور سے دیئے گئے صدقہ کو کیوں کسی پر ظاہر کرتا ہے؟ جس راستہ سے ممکن ہوتا ہے اس کا ذکر کر کے لوگوں کو بتاتا ہے۔ اگر یہ کام خدا کے لئے ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر دوسرے بھی اس کی پیروی کرتے

لگیں اور وہ «اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ»[۲۲] کا مصداق بننا چاہتا ہے تب تو درست ہے۔ اور اس کو اس اقدام پر شکر خدا کرنا چاہیئے کہ اس کو خدا نے ایسا صاف ضمیر اور پاک دل عطا کیا ہے۔ لیکن متوجہ رہنا چاہیئے کہ کہیں نفس نے اس کو دھوکہ نہ دیا ہو۔ اور ریاکاری کو تقدس کی صورت میں نہ پیش کیا ہو۔ لیکن اگر یہ کام خدا کے لیئے نہیں ہے تو پھر اس کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی صورت میں وہ "سمعہ" لوگوں کو سنانے کے لیئے ہو جائے گا۔ اور ریاکاری کے شجرہ ملعونہ کا پھل سمعہ ہوتا ہے۔ خداوند منان اس عمل کو قبول نہیں کرتا۔ خدا اپنے ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ اس عمل کو سجین میں ڈال دو۔

نفس کی مکاریوں کی برائیوں سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے کیونکہ نفس کی مکاریاں بہت ہی دقیق ہوتی ہیں۔ البتہ ہم کو اجمالاً اتنا ضرور معلوم ہے کہ ہمارے اعمال خالص نہیں ہیں۔ اور اگر ہم (واقعی) خدا کے بندے ہیں تو پھر شیطان کا ہمارے اوپر اتنا قابو کیوں ہے؟ جبکہ اس نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ "تیرے مخلص بندوں سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا اور ان کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھاؤں گا۔"[۲۳]

ہمارے شیخ بزرگوار[۲۴] دام ظلہ۔ کے بقول شیطان درگاہ خداوندی کا ایک کتا ہے اگر کوئی خدا والا ہوتا ہے تو اس پر نہیں بھونکتا اور نہ اس کو کوئی اذیت پہونچاتا ہے۔ جیسے دنیا میں کسی مالک مکان کا کتا، مالک کے شناسا لوگوں پر نہیں بھونکتا (اسی طرح) شیطان جس کو خدا والا نہیں پاتا اس کو بارگاہ ایزدی تک پہونچنے نہیں دیتا۔ اس لیئے اگر تم دیکھو کہ شیطان تم سے کچھ سروکار رکھتا ہے تو یقین کر لو تمہارے افعال خلوص سے خالی تھے، خدا کے لیئے نہیں تھے۔

اگر آپ (واقعی) مخلص ہیں تو آپ کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر آپکی زبان پر کیوں نہیں جاری ہوئے جبکہ آپ بخیال خود چالیس سال سے قربتاً الی اللہ عمل کر رہے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے "جو شخص چالیس صبح خدا سے اخلاص برتے اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔"[۲۵] اس لیئے یہ جان لیجئے کہ ہمارے اعمال خدا کے لئے نہیں ہیں اور ہم خود بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ اور یہی درد بے درمان ہے۔

ان اہل طاعت وعبادت، جمعہ وجماعت، علم و دیانت کی حالت پر وائے ہو کہ جب سلطان آخرت خیمے لگائے گا اور یہ لوگ اپنے کو اہل گناہان کبیرہ پائیں گے بلکہ اہل کفر و

شرک سے بھی بدتر اپنے کو دیکھیں گے اور اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ سے سیاہ تر پائیں گے۔

اس شخص کی حالت پر وائے ہو جو اپنی نماز و اطاعت کے باوجود جہنّم میں جائے گا۔ الامان (والحفیظ) اس شخص سے جو اپنے صدقہ و زکات، نماز و روزہ کی صورتوں کو اتنی بد منظر و بد ہیئت پائے گا جس سے زیادہ بُری صورت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

اے (ریاکار) تو تو مشرک ہے۔ (کاش تو صرف گنہگار ہوتا) کیونکہ اہل معصیت کو خدا انشاء اللہ اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا۔ لیکن مشرک اگر بغیر توبہ کئے مرجائے تو اس کی بخشش کا سوال ہی نہیں ہے۔[۲۶]

حدیثوں میں تو سُنا ہی ہوگا کہ خدا کا ارشاد ہے۔" ریاکار مشرک ہے" جو شخص لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے اپنی دینی ریاست، اپنی امامت، اپنی تحصیل، اپنی تدریس، نماز و روزہ مختصر یہ کہ تمام اعمالِ صالحہ کو اسی نیت (ریاکاری) سے بجالائے وہ مشرک ہے۔ اور بموجب روایات اہلِ بیتؑ۔ صلوٰت اللہ علیہم۔ و بموجب آیۂ شریفہ کبھی بھی بخشا نہیں جائے گا۔ پس کاش تو اہلِ گناہ کبیرہ ہوتا، متجاہر بالفسق ہوتا، ظاہری محترم چیزوں کی بے حرمتی کرتا اور موحد ہوتا مشرک نہ ہوتا!

لہٰذا اے عزیز ذرا فکر کر، اور اپنے لئے کوئی چارہ پیدا کر، اور یہ جان لے کہ ناچیز لوگوں کے سامنے شہرت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لوگوں کے دل اتنے مختصر ہیں کہ اگر چڑیا کھا جائے تو اس کا بھی پیٹ نہ بھرے۔[۲۷] اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ اور اس ضعیف مخلوق میں قدرت ہو بھی کیا سکتی ہے۔ قدرت تو صرف اور صرف بارگاہ قدس ربوبیت میں پیدا ہوتی ہے، فاعل علی الاطلاق اور مسبب الاسباب وہی ذاتِ مقدس احدیت ہے۔ تمام مخلوق مل کر بھی ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتی اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز اچانک لے جائے تو یہ مخلوق واپس نہیں لے سکتی۔[۲۸] قدرت صرف خدا کے پاس ہے تمام موجودات میں وہی مؤثر ہے۔ جس زحمت و ریاضت سے بھی ممکن ہو اپنے صفحۂ دل پر قلمِ عقل سے لکھ لے۔ لاموثر فی الموجود الا اللہ: کائنات میں خدا کے علاوہ کوئی مؤثر نہیں ہے۔

توحید فعلی کو۔ جو توحید کا پہلا درجہ ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہو دل میں جاگزیں کر اور دل کو مومن و مسلم بنا، اور کلمہ لاالہ الا اللہ کی اپنے دل پر مہر لگالے۔ اور قلب کی صورت کو کلمۂ توحید کی صورت میں کردو۔ اور منزلِ اطمینان تک پہونچا کر اس کو سمجھاؤ: لوگ کسی بھی قسم کا نفع و

نقصان نہیں پہونچا سکتے، نفع و نقصان پہونچانے والا صرف خدا ہے۔ نابینائی اور اندھے پن کو اپنی آنکھوں سے دور کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ:

"رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی" [۲۹] (پالنے والے مجھے کیوں اندھا محشور کیا) کے مصداق بن جاؤ اور جس دن سرائر ظاہر ہوں گے اس دن تم اندھے محشور ہو۔ خدا کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب ہے۔

اگر تمہارا دل اس کلمۂ طیبہ کا اطمینان حاصل کرے، اور اس عقیدہ کو تسلیم کرے تب تو امید ہے کہ تمہارا انجام بخیر ہو، اور شرک و ریا، کفر و نفاق کی جڑیں تمہارے دل سے کٹ جائیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ یہ عقیدۂ حقہ عقل و شرع (دونوں) کے مطابق ہے۔ یہاں جبر کا توہم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے بعض وہ لوگ جو اس کے مبادی و مقدمات سے مطلع نہ ہوں اور جن کے کان ان مطالب سے نا آشنا ہوں وہ اس کو جبر خیال کریں حالانکہ اس کا جبر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ توحید ہے اور جبر شرک ہے۔ یہ ہدایت ہے جبر گمراہی ہے (پس یہ جبر کیسے ہو سکتا ہے؟) یہاں پر جبر و قدر کا بیان مناسب نہیں ہے۔ البتہ جو اس کے اہل ہیں ان پر مطلب واضح ہے اور دوسروں کو ان مطالب میں دخل دینے کا حق نہیں ہے بلکہ صاحب شریعت نے ان مطالب میں داخل ہونے سے ممانعت فرمائی ہے۔ [۳۰]

بہر حال ہر وقت خصوصاً تنہائیوں میں تضرع و زاری کے ساتھ اپنے خدائے مہربان سے دعا کرو کہ تم کو نورِ توحید کی ہدایت کرے، اور تمہارے دل کو یکتا پرستی کے نور سے منور کرے؛ تاکہ تمام دنیا سے تم آزاد ہو جاؤ اور ہر چیز کو ناچیز سمجھو، (اسی طرح) اس ذاتِ مقدس سے دعا کرو کہ تمہارے اعمال کو خالص کرے اور تمہاری راہ خلوص واردات کی طرف ہدایت فرمائے۔ اب اگر تم صاحبِ حال ہو جاؤ تو اس بندۂ ضعیف و کاہل حقیقت سے خالی کے لئے جس نے اپنی پوری زندگی ہوا و ہوس میں گزار دی اور کدورات معاصی و امراض قلبی کی وجہ سے اس کا دل ایسا ہو گیا ہے کہ نہ کوئی نصیحت اثر کرتی ہے نہ کوئی آیت و روایت اثر کرتی ہے اور نہ کوئی دلیل و برہان ہے اس کا دل متاثر ہوتا ہے۔ اپنی دعاؤں میں التجا کرنا شاید تمہاری دعا سے راہِ نجات پیدا ہو سکے۔ کیونکہ خدا مومن کو اپنی بارگاہ سے خالی ہاتھ واپس نہیں کرتا اور اس کی دعاؤں کو بھی قبول کرتا ہے۔ رد نہیں کرتا ہے۔ [۳۱]

ان مطالب کے ذکر کے بعد جنھیں تم خود بھی جانتے ہو اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اپنے دل کو پابند بناؤ۔ اپنی حرکات وسکنات اپنے اعمال ورفتار کے بارے میں دقت نظر سے کام لو۔ دل میں چھپی ہوئی باتوں کی تفتیش کرو۔ اور اس سے سختی کے ساتھ اسی طرح حساب کرو جس طرح دنیا کے کاروباری شریک ایک دوسرے سے حساب میں سختی کرتے ہیں۔ جس عمل میں ریاکاری وچاپلوسی کا شبہ بھی ہو اس کو چھوڑ دو چاہے وہ عمل کتنا ہی شریف ہو۔ یہاں تک کہ اگر واجبات کو بھی ظاہراً خالص نہیں ادا کر سکتے تو مخفی طریقہ سے بجالاؤ۔ حالانکہ واجبات کا علی الاعلان بجالانا مستحب ہے۔ بلکہ اس واجب میں ریاکاری کا اتفاق کم ہوتا ہے۔ زیادہ تر خصوصیات وزوائد و مستحبات میں ریا ہوتا ہے۔

بہر صورت جدیت کامل اور قلب سے شدید مجاہدہ کرکے اس کو شرک کے شائبہ سے پاک کرو۔ کہیں خدانا خواستہ اسی عالم میں دنیا سے چلے جاؤ تو سارا کام خراب ہوگا اور پھر تمھاری نجات کی کوئی اُمید نہ رہے گی۔ اور خدا بھی تم پر غضب ناک ہوگا۔

چنانچہ وسائل میں قرب الاسناد کے حوالہ سے منقول ہے اور سلسلہ سند حضرت علیؑ تک منتہی ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔

«إِنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَنْ تَزَيَّنَ لِلنَّاسِ بِمَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَبَارَزَ للّٰهِ فِي السِّرِّ بِمَا يَكْرَهُ اللّٰهُ، لَقِيَ اللّٰهُ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ لَهُ مَاقِتٌ.»[۳۲]

"جو شخص لوگوں کے لئے اپنے کو ایسی چیز سے مزین کرے جو خدا کو محبوب ہو اور باطن میں ایسی چیز ہو جس کو خدا ناپسند کرتا ہو تو وہ خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ خدا اس پر غضب ناک و وحشت ناک ہوگا"

اس حدیث میں دو احتمال ہیں۔

۱ــــــ اعمال صالحہ لوگوں کو دکھانے کے لئے کرے اور اعمال قبیحہ باطن میں بجالائے۔

۲ــــــ لوگوں کو صرف پیکر عمل دکھائے اور باطن میں ریاکاری کا قصد رکھتا ہو۔

دونوں صورتوں میں ریاکاری کو شامل ہے کیونکہ واجبات وراجحات کا بغیر قصد ریا بجالانا سبب غضب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دوسرے معنیٰ کو بہتر کہا جا سکتا ہے کیوں کہ افعال قبیحہ کو علناً بجالانا زیادہ برا ہے۔ بہر حال خدا نہ کرے کہ مالک الملوک اور ارحم الراحمین کسی انسان پر

غضب ناک ہو جائے۔ اعوذ باللہ من غضب الحلیم۔

چوتھی فصل

حدیث علوی کا بیان

میں اس بحث کو اس حدیث پر ختم کرتا ہوں جس کو کافی میں حضرت علیؑ سے اور جناب صدوق رضوان اللہ علیہ نے اس کو امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث رسولخداؐ کی وصیتوں میں سے ہے اور وہ یہ ہے:

«بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلام: ثَلاثُ عَلامَاتٍ لِلْمُرائِي: يَنْشَطُ إِذَا رَأَى النَّاسَ؛ وَيَكْسَلُ إِذَا كَانَ وَحْدَهُ؛ وَيُحِبُّ أَنْ يُحْمَدَ فِي جَمِيعِ أُمُورِهِ.»[۲۴]

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ریاکار کی تین علامتیں ہیں۔

۱۔ لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

۲۔ تنہائی میں سست ہوتا ہے۔

۳۔ تمام امور میں اپنی تعریف کو پسند کرتا۔

یہ بری عادت کبھی اتنی مخفی ہوتی ہے کہ خود انسان اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ باطناً اہل ریا میں سے ہے وہ تو یہی گمان کرتا ہے کہ اس کا عمل خالص ہے۔ اس لئے (ہمارے ائمہؑ نے) اس کے لئے علامتوں کا ذکر کیا ہے تاکہ انسان ان علامتوں کی بنا پر اپنے باطن کے بارے میں اطلاع حاصل کرے اور پھر اس کا علاج کر ڈالے۔ (اس کا طریقہ یہی ہے) کہ جب تنہا ہو تو دیکھے اس کا نفس طاعات کی طرف مائل ہے (کہ نہیں؟) اور اگر تنہائی میں عبادت کرتا بھی ہے تو باقاعدہ کرتا ہے یا عمل کے ہاتھ پاؤں کو توڑ دیتا ہے پاک و پاکیزہ عمل نہیں کرتا۔ لیکن جب مسجدوں میں یا مجمع عام میں مشغول ہوتا ہے تو بڑے نشاط و مسرور، دلچسپی و حضور قلب کے ساتھ بجالاتا ہے۔ بڑے طولانی رکوع و سجود کرتا ہے۔ مستحبات سے لیکر اس کے اجزاء و شرائط کو بہت

اچھی طرح انجام دیتا ہے۔

اگر انسان اس بات کی طرف ذرا بھی متوجہ ہو اور اپنے نفس سے سوال کرے کہ آخر اس کی کیا علت ہے کہ وہ عبادات کا مقدس جال بچھا کر اپنے آپ کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنانا چاہتا ہے؟ ممکن ہے وہ اپنے آپ کو اطمینان دلانے کی کوشش کرے کہ ایسا نہیں ہے مثلاً یہ کہے کہ چونکہ نماز کا ثواب مسجد میں زیادہ ہے یا جماعت میں بہت زیادہ ہے (اس لئے مجمع میں پڑھتا ہوں) یا مثلاً اگر جماعت و مسجد نہیں ہے تو اس طرح تاویل کر سکتا ہے۔ عمل کو نیک لوگوں کی موجودگی میں بجالانا چاہیئے تاکہ دوسرے لوگ بھی دیکھ کر پیروی کریں اور دوسروں کو بھی رغبت ہو۔

(نفس) انسان کو ہر طریقہ سے دھوکہ دیتا ہے یہ کوئی سرور و نشاط نہیں ہے یہ صرف وہ قلبی بیماری ہے جس میں بے چارہ انسان مبتلا ہے۔ وہ چونکہ اپنے کو صحیح و سالم سمجھتا ہے اس لئے علاج و معالجہ کی فکر نہیں کرتا، ویسے بھی جو مریض اپنے کو صحت مند سمجھتا ہو اس سے اُمید صحت منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کی بدبختی یہ ہے کہ اپنے باطن میں عبادت گزاری کی نمائش کا میلان رکھتا ہے اور اپنے اس گناہ سے نہ صرف یہ کہ خود غافل ہے بلکہ ایک گناہ کو عبادت سمجھ کر اظہار کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنی خود نمائی کو مذہب کی ترویج کا نام دیتا ہے۔ حالانکہ مستحبات کا خلوت میں بجالانا مستحب ہے۔

آخر نفس کیوں ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اس کو علی الاعلان کیا جائے؟ عمومی مجمع میں ہی خوفِ خدا سے گریہ کرنے میں اس کو کیوں خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے؟ لیکن تنہائی میں وہ چاہے جتنا اپنے اوپر جبر کرے اس کی آنکھ تر نہیں ہوتی (یہ آخر کیوں؟)

خوفِ خدا مجمع ہی میں کیوں پیدا ہوتا ہے؟ شبِ قدر میں چند ہزار لوگوں کے درمیان ہی کیوں نالہ و فغاں سوز و گداز پیدا ہوتا ہے؟ (مجمع عام میں) سو رکعت نماز پڑھنی، دُعائے جوشنِ کبیر و صغیر کا پڑھنا، چند پاروں کی تلاوت کرنے سے نہ اس کے ابرو پر خم آتا ہے نہ خستگی کا احساس ہوتا ہے (یہ کیوں؟) اگر واقعی انسان کے تمام امور رضائے الٰہی کے لئے یا جلبِ رحمت یا خوفِ جہنم یا شوقِ جنت میں ہیں تو پھر اس کو اپنے کاموں پر لوگوں کی مدح سرائی کی توقع کیوں ہے؟ اس کے کان لوگوں کی زبان کی طرف اور دل لوگوں کی گفتگو کی طرف کیوں لگا رہتا ہے؟ کہ دیکھوں کہ کون اس کی مدح کرتا ہے؟ کون یہ کہتا ہے: آقا کتنے مقدس آدمی ہیں اول وقت کے پابند اور مستحبات کے دلدادہ ہیں۔

حاجی آقا کتنے اچھے آدمی ہیں معاملات میں تو جناب ایسے ہیں اور ویسے ہیں۔ اگر ان کی نظر میں خدا ہے تو اس اظہار محبت کا کیا مطلب؟ اور جنت و دوزخ نے اس عمل پر مجبور کیا ہے تو کسی کے کہنے سے دلچسپی کیوں؟ متوجہ رہیئے کہ یہ محبت اسی شجرۂ خبیثۂ ریا کا پھل ہے۔ جب تک ممکن ہے اس کے اصلاح کی کوشش کرو اور اگر ممکن ہو تو اپنے کو اس قسم کی محبتوں سے خالص کر لو۔

تنبیہ

ہم یہاں پر ایک مطلب کی طرف تنبیہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ تمام نفسانی صفات کے لئے۔ خواہ وہ صفات حسنہ ہوں یا صفات خبیثہ۔ بہت سے مرتبے ہیں ایک مرتبہ تو یہ ہے کہ ان حسنات سے متصف ہونا اور برائیوں سے منزہ ہونا خاصانِ خدا اور عرفاء باللہ کے لئے مخصوص ہے۔ (یہ بہت اہم مرتبہ ہے) دیگر اشخاص کے لئے وہ صفات خبیثہ جو خاصانِ خدا کے لئے باعثِ نقص ہے۔ ان کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک اعتبار سے ان کے لئے باعثِ کمال ہیں۔ (جیسا کہ کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات للمقربین) اسی طرح جو چیزیں دیگر اشخاص کے لئے حسنات ہیں وہ خاصانِ خدا کے لئے باعثِ نقص ہیں۔

ان چیزوں میں سے ایک ریا ہے کہ بر دست میں اسی موضوع پر گفتگو کر رہا ہوں۔ اخلاص صرف خاصانِ خدا کا درجہ ہے دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ عوام الناس اگر اس اخلاص کے کسی درجہ تک پہونچ بھی جائیں تو درجہ اخلاص تک نہ پہونچنا ان کے لئے نقص نہیں ہے۔ اور نہ یہ کمی ان کے ایمان واخلاص کے لئے نقصان رساں ہے۔ مثلاً عوام الناس فطری طور سے اس بات کی طرف مائل ہیں کہ ان کے خیرات کا اظہار لوگوں کے سامنے ہو۔ چاہے وہ خیرات اس نیت سے نہ کرتے ہوں لیکن چونکہ ان کے نفس کی تخلیق ہی اس محبت پر ہے لہٰذا وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کی یہ خواہش ان کے عمل کے بطلان کا سبب نہیں ہے اور نہ موجب شرک و کفر ہے۔ اگر چہ یہی چیز اولیا و خاصانِ خدا کے لئے باعث نقص ہے اور ولی اللہ اور عارف باللہ کی نظر میں شرک و نفاق ہے۔ مطلق شرک سے پاکیزگی اور اس کے تمام مراتب سے اخلاص یہ ابتدائی مقامات اولیا میں سے ہے۔ اس کے دیگر مقامات بھی ہیں جن کا تذکرہ یہاں پر مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے ائمہؑ کا یہ فرمانا۔ ہماری عبادت آزاد لوگوں کی عبادت ہے ہم نہ جنت کی طمع میں اور نہ جہنم کے خوف سے اس

کی عبادت کرتے ہیں۔[۳۵] یہ بھی ولایت کا ابتدائی اور معمولی درجہ ہے۔ ائمہ معصومینؑ کی عبادتوں میں ایسے حالات ہیں جو ہماری اور آپ کی عقل میں نہیں سما سکتے۔

ہمارے اس بیان سے اس حدیث میں جو حضرت علیؑ اور رسولِ خداؐ سے منقول ہے اور اس حدیث میں جو زرارہ نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے جمع کیا جا سکتا ہے۔ زرارہ والی روایت یہ ہے:

«مُحَمَّد بْنِ يعقوب بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَعْمَلُ الشَّيْءَ مِنَ الْخَيْرِ فَيَرَاهُ إِنْسَانٌ فَيَسُرُّهُ ذٰلِكَ. قَالَ: لَا بَأْسَ؛ مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَظْهَرَ لَهُ فِي النَّاسِ الْخَيْرُ إِذَا لَمْ يَكُنْ صَنَعَ ذٰلِكَ لِذٰلِكَ.»[۳۶]

(بحذف الاسناد) زرارہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام باقرؑ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا کہ ایک شخص کوئی اچھا کام کرتا ہے اور جب اس کے اچھے کام کو کوئی دیکھتا ہے تو اسے یہ بات بہت مسرور کرتی ہے؟ حضرت نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے دنیا میں ہر شخص اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ لوگوں میں اس کا (کارِ) خیر ظاہر ہو بشرطیکہ اس نے اس کارِ خیر کو اسی نیت سے نہ کیا ہو" (یعنی لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ کیا ہو)

دونوں حدیثوں میں سے ایک کے اندر تعریف کو ریا کی علامت قرار دیا گیا ہے اور دوسری میں خیرات کے ظاہر ہونے والی خوشی سے نفی باس کیا گیا ہے اور یہ اشخاص کے مراتب میں اختلاف کی بنا پر ہے۔ ایک دوسری وجہ جمع بھی ہے مگر اس سے اعراض کر لیا گیا ہے۔

تتمہ

"سمعہ" کا مطلب لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے (اور شہرت) کے لئے لوگوں کے کانوں تک اپنی خوبیوں کو پہونچانا ہے۔ یہ بھی چونکہ شجرہ خبیثہ ریا ہی سے تعلق رکھتا ہے اسی لئے ہم نے اس کو بھی ریا کے ساتھ ہی ذکر کر دیا۔ اس کے لئے الگ باب قائم نہیں کیا۔

دوسری حدیث کی توضیحات

۱:۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۳ کتاب ایمان وکفر باب ریا حدیث ۳

۲:۔ فقہا نے نیتِ نماز کی بحث میں ریا کو مورد بحث قرار دیا ہے ملاحظہ ہو جواہر الکلام جلد ۹ ص ۱۸۷-۱۹۵، کتاب الصلوٰۃ بحث نیت، عروۃ الوثقیٰ ص ۲۰۸-۲۱۰ کتاب الصلوٰۃ فصل نیت، تحریر الوسیلہ جلد ۱ ص ۱۴۲-۱۴۱ کتاب الصلوٰۃ بحث نیت،

۳:۔ یہی حدیث فصل "ایمان علم کے علاوہ ہے" میں ہے۔

۴:۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۵ کتاب ایمان وکفر، باب ریا حدیث ۹

۵:۔ سورہ ھمزہ آیت ۶-۷

۶:۔ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: «وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ» (یہ جان لو کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے) (انفال ۲۴) اور «وَ فَإِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ، يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ سَاعَةً كَذَا وَسَاعَةً كَذَا وَأَنَّ الْعَبْدَ رُبَّمَا وُفِّقَ لِلْخَيْرِ» (تمام قلوب خدا کے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو گردش دیتا ہے کبھی ادھر کبھی اُدھر اور بسا اوقات بندہ کارِ خیر کی توفیق پالیتا ہے) بحار الانوار جلد ۲، ص ۴۸، کتاب العشرۃ، باب ۴۰ حدیث ۹

۷:۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۴ کتاب ایمان وکفر، باب ریا حدیث ۴

۸:۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے: «يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا» جس دن انسان اپنے پہلے بھیجے ہوئے اعمال کو دیکھے گا اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔ (سورہ نبا، آیت ۴۱)

۹:۔ متنِ حدیث یہ ہے «إِنَّ الْمَلَكَ لَيَصْعَدُ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مُبْتَهِجاً بِهِ، فَإِذَا صَعِدَ بِحَسَنَاتِهِ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اِجْعَلُوهَا فِي سِجِّينٍ إِنَّهُ لَيْسَ إِيَّايَ أَرَادَ بِهَا.» اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۴ کتاب ایمان وکفر باب ریا حدیث ۷۔

۱۰:- سورہ روم آیت ۳۰/

۱۱:- سورۂ آلِ عمران، آیت ۹۷

۱۲:- یہ آیۂ مبارکہ: «قُلْ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى» (سورۂ شوریٰ آیت ۲۳) اے رسولؐ ان سے کہہ دیجئے میں تم سے اپنے قرابت داروں کی محبت کے علاوہ کوئی اجرِ رسالت نہیں چاہتا۔

۱۳:- سورۂ الحجرات آیت ۱۷-۱۸

۱۴:- سورہ عنکبوت آیت ۶۹

۱۵:- احیاء العلوم الدین جلد ۳ ص ۱۶، شرح عجائب القلب، عوالی اللئالی جلد ۴ ص ۷، (ولکن یسعنی)۔ بحار الانوار جلد ۵۵ ص ۲۹، کتاب السماء والعالم باب العرش والکرسی وحملتہا، المحجۃ البیضاء جلد ۵ ص ۲۷۔

۱۶:- حدیث ۲ حاشیہ ۶

۱۷:- علم الیقین جلد ۱ ص ۳۸۱

۱۸:- اسی کتاب کے صفحہ ۶۲ پر

۱۹:- متنِ حدیث یہ ہے «مِنَ الْحَيِّ الْقَيُّومِ الَّذِي لَا يَمُوتُ إِلَى الْحَيِّ الْقَيُّومِ الَّذِي لَا يَمُوتُ. أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ وَقَدْ جَعَلْتُكَ تَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ» علم الیقین ج ۲ ص ۱۰۶۱۔

۲۰:- اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۰ پر

۲۱:- حدیث ۱ - پاورقی ۵۶

۲۲:- بحار الانوار جلد ۹۳ ص ۱۷ (کتاب زکوٰۃ وصدقہ) باب ۲۰، حدیث ۱

۲۳:- یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے «قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ» (حجر/ ۴۰-۴۱) (شیطان نے) کہا: اے میرے خدا چونکہ تو نے مجھے راستہ سے الگ کیا اس لئے میں بھی دنیا میں ان کے لئے (دنیا کو) زینت بخش دکھاؤں گا۔ اور سب ہی کو بہکاؤں گا۔ البتہ تیرے خالص بندوں کو نہ بہکا سکوں گا۔

۲۴:- مُراد مرحوم آیت اللہ شاہ آبادی ہیں۔

۲۵:- بحار الانوار جلد ۶۷ ص ۲۴۲۔ باب اخلاص کتاب ایمان وکفر حدیث ۱۰۔

۲۶:- یہ اس آیۂ مبارکہ: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ» (یقیناً خدا شرک کو نہیں بخشے گا۔ اس کے علاوہ کو بخش سکتا ہے۔) نساء/ ۴۸-۱۱۶۔ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۷:- قال ابو عبد اللہؑ: «يَا ابْنَ آدَمَ، لَوْ أَكَلَ قَلْبَكَ طَائِرٌ لَمْ يُشْبِعْهُ» اے ابنِ آدم تیرے دل کو اگر ایک پرندہ کھائے تو اس کا بھی پیٹ نہ بھرے گا۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۹۳ (کتاب توحید) باب النھی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ۸۔

۲۸:- یہ اس آیہ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے: «إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ.» (حج/ ۷۳) تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہو وہ سب کے سب اکٹھا ہو کر بھی ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو یہ لوگ اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ (عجیب بات ہے) پکارنے والا اور جس کو پکارا گیا ہے دونوں کمزور ہیں۔

۲۹:- پالنے والے مجھے کیوں اندھا محشور کیا۔ (سورہ طٰہٰ / ۱۲۵)

۳۰:- امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت علیؑ سے "قدر" کے بارے میں پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا: «بَحْرٌ عَمِيقٌ فَلَا تَلِجْهُ» "یہ بہت گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہو" اس نے دوبارہ پھر پوچھا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: طَرِيقٌ مُظْلِمٌ فَلَا تَسْلُكْهُ، "یہ بہت تاریک راستہ ہے اس پر چلنے کی کوشش نہ کرو" اس نے تیسری بار پھر پوچھا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: سِرُّ اللّٰهِ فَلَا تَتَكَلَّفْهُ، "یہ خدا کا راز ہے اپنے کو سختی میں نہ ڈال۔ بحارالانوار جلد ۵ ص ۹۷۔ (کتاب العدل والمعاد) "باب القضاء والقدر" حدیث ۲۲۔

۳۱:- امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: «مَا أَبْرَزَ عَبْدٌ يَدَهُ إِلَى اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ إِلَّا اسْتَحْيَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَرُدَّهَا صِفْراً حَتَّى يَجْعَلَ فِيهَا مِنْ فَضْلِ رَحْمَتِهِ مَا يَشَاءُ فَإِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَرُدُّ يَدَهُ حَتَّى يَمْسَحَ عَلَى وَجْهِهِ وَرَأْسِهِ» "جب بھی کوئی بندہ خدائے عزیز، جبار کے سامنے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرتا ہے تو خدا کو خالی ہاتھ واپس کرتے ہوئے شرم آتی ہے یہاں تک کہ اپنی فضل و رحمت سے اس میں کچھ نہ کچھ رکھ دیتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے تو جب تک اس کو اپنے سر و چہرے پر نہ مل لے۔ نہ گرائے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۴۷۱ (کتاب دعا) "باب اِنَّ مَنْ دَعَا اسْتُجِيبَ لَهُ" حدیث ۲۔

۳۲:- وسائل الشیعہ جلد ۱ ص ۵۰ کتاب طہارت (ابواب مقدمہ عبادات) باب ۱۱۔ حدیث ۱۴۔

۳۳:- حدیث ۱، پاورقی ۳۲۔

۳۴:- اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۵ "کتاب ایمان وکفر باب ریا حدیث ۸۔

۳۵:- «الْعِبَادَةُ ثَلَاثَةٌ: قَوْمٌ عَبَدُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَوْفاً، فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْعَبِيدِ وَقَوْمٌ عَبَدُوا اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى طَلَبَ الثَّوَابِ، فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْأُجَرَاءِ وَقَوْمٌ عَبَدُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حُبّاً لَهُ، فَتِلْكَ عِبَادَةُ الْأَحْرَارِ وَهِيَ أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ» "عبادت تین قسم کی ہوتی ہے۔ ۱: ایک قوم خدا کی عبادت (جہنم کے) خوف سے کرتی ہے یہ غلاموں والی عبادت ہے۔ ۲: کچھ لوگ خدائے تبارک و تعالیٰ کی عبادت ثواب کی خاطر کرتے ہیں یہ مزدوروں کی عبادت ہے (ہاں) کچھ لوگ خدا سے محبت کی بنا پر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے اور یہی سب سے افضل عبادت ہے۔ وسائل جلد ۱ ص ۴۵ "ابواب مقدمۃ العبادات" باب ۹ حدیث ۱، اور اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۳۱، کتاب ایمان وکفر، باب عبادت" حدیث ۵۔

۳۶:- اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۵ "کتاب ایمان وکفر" باب ریا حدیث ۸۔

تیسری حدیث

«بِالسَّنَدِ المتصلِ اِلی مُحمَّدِبْنِ یعقوب، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إبراهیمَ، عَنْ أبیهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أسباطٍ، عَنْ أحْمَدَبْنِ عُمَرَ الحَلاّلِ، عَنْ عَلِیِّ بْنِ سُوَیْدٍ، عَنْ أبِي الْحَسَنِ، عَلَیْهِ السَّلامُ، قالَ: سَألْتُهُ عَنِ الْعُجْبِ الَّذي یُفْسِدُ الْعَمَلَ. فَقالَ اَلْعُجْبُ دَرَجاتٌ: مِنْها أنْ یُزَیَّنَ لِلْعَبْدِسُوءُ عَمَلِهِ فَیَراهُ حَسَناً، فَیُعْجِبُهُ وَیَحْسَبُ أنَّهُ یُحْسِنُ صُنْعاً. وَمِنْها أنْ یُؤْمِنَ الْعَبْدُبِرَبِّهِ فَیَمُنَّ عَلَی اللّٰهِ تعالی وَلِلّٰهِ عَلَیْهِ فِیهِ الْمَنُّ.»[1]

ترجمہ: "علی بن سوید کہتے ہیں: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے اس عجب کے بارے میں پوچھا جو عمل کو فاسد کر دیتا ہے تو حضرت نے فرمایا: عجب کے (کئی) درجے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا بُرا عمل اس کے لئے باعث زینت ہو، پس وہ شخص اس عمل کو اچھا سمجھے اور اس کی وجہ سے اس میں عجب پیدا ہو جائے اور اس کو گمان ہو کہ اس نے اچھا عمل کیا ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بندہ اپنے خدا پر ایمان لائے اور اس ایمان لانے کو خدا پر احسان کرنا سمجھے۔ حالانکہ ایمان لانے میں خدا کا بندے پر احسان ہے" (نہ کہ بندے کا خدا پر احسان ہے۔)

شرح: علمائے کرام رضوان اللہ علیہم کے نزدیک عجب (خود پسندی) کا مطلب "اپنے اچھے عمل کو بڑا سمجھنا اور زیادہ خیال کرنا اور اس پر خوش و مسرور ہونا" ہے اور اس عمل پر ناز کرنا اور اپنے کو حدِ تقصیر سے خارج سمجھنا ہے۔ لیکن اس عمل پر خوش ہونا اور خدائے بزرگ و برتر کے لئے تواضع و فروتنی کرنا اور اس توفیق پر خدا کا شکر ادا کرنا اور مزید توفیق کرنا، عُجب نہیں بلکہ ممدوح ہے۔[۲]

محدث عظیم الشان علامہ مجلسی[۳] طاب ثراہ، محقق کبیر، دانش مند بزرگ شیخ اجل بہاء الدین عاملی[۴] کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: بیشک اعمال صالحہ کرنے والے۔ مثلاً روزہ رکھنے والے شب بیداری کرنے والے وغیرہ حضرات کے دل میں ان اعمال سے ایک مسرت و سرور پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر یہ مسرت و سرور اس وجہ سے ہے کہ خدا نے اس کو اتنی بڑی نعمت عطا کی ہے کہ اس سے یہ اعمال صالحہ سرزد ہوئے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ ان کی کمیوں اور نقائص کی طرف سے خوفزدہ بھی ہو کہ کہیں یہ نعمت مجھ سے چھین نہ لی جائے اس لئے خدا سے اس میں مزید اضافہ طلب کرے تو یہ مسرت و سرور عُجب نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ مسرت و سرور اس وجہ سے ہو کہ اس نے ان اعمال کو کیا ہے اور اس کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے اور اپنے ان اعمال کو بہت اہمیت دے اور ان پر اعتماد و بھروسہ کرے اور اپنے کو حدِ تقصیر سے خارج سمجھے اور اس کی انتہا یہ ہو جائے کہ گویا وہ خدا پر ان اعمال کی وجہ سے احسان جتا رہا ہے تو یہی مسرت و سرور عجب ہے۔ انتہیٰ[۵]

فقیر (مؤلفِ کتاب) کہتا ہے:

خود پسندی کی جو تفسیر (ہمارے علما نے) کی ہے صحیح ہے۔ لیکن عمل کو عملِ قلبی و عملِ جوارحی سے عام ماننا چاہیئے۔ کسی ایک سے مخصوص نہیں کرنا چاہیئے اسی طرح اچھے اور بُرے عمل سے بھی اعم ماننا چاہیئے کیونکہ عُجب جیسے اعمال جوارح پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اعمالِ قلب و باطن پر بھی ہوتا ہے اور ان کو فاسد و برباد کر دیتا ہے۔ اور جس طرح نیک خصلت والا خود پسند ہوتا ہے۔ بُری عادتوں والا بھی اپنی عادت پر گھمنڈ کرتا ہے جیسا کہ اس حدیث شریف میں دونوں کی تصریح کر دی گئی ہے اور دونوں کا ذکر کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ بات اغلب لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور جب یہ بات واضح ہو گئی تو ہم اگر خدا نے چاہا تو دونوں کا ذکر کریں گے۔

نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جس مسرت و سرور سے خود پسندی کی نفی کی گئی ہے اور اس کو صفات ممدوحہ میں شمار کیا گیا ہے اس کا انحصار خود شخص کی حالت و نوعیت پر ہے جیسا کہ آئندہ کسی فصل میں بیان کیا جائے گا۔[۶]

نیز حدیث شریف کے مطابق خود پسندی کے درجات ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

پہلا درجہ ——— ایمان اور معارف حقہ پر خود پسندی۔ اس کے مقابلہ میں کفر و شرک اور عقائد باطلہ پر گھمنڈ ہے۔

دوسرا درجہ ——— صفات پسندیدہ و ملکات فاضلہ پر عُجب' اس کے مقابلہ میں برُے اخلاق اور برے ملکات پر گھمنڈ ہے۔

تیسرا درجہ ——— اعمال صالحہ اور افعال حسنہ پر عُجب' اور اس کے مقابلہ میں اعمال قبیحہ اور بُرے افعال پر خود پسندی ہے۔

ان کے علاوہ بھی عُجب کے درجات ہیں مگر اس جگہ کے لئے ان کی خاص اہمیت نہیں ہے۔ ہم انشاء اللہ ان کے درجات اور ان کے اسباب اور ان کے علاج کے سلسلہ میں چند فصلوں میں سب کا ذکر یں گے۔ وبہ نستعین

پہلی فصل

خود پسندی کے مرتبے

یہ جان لو کہ ان سابق الذکر درجات میں بھی خود پسندی کے کئی درجے اور مرتبے ہوتے ہیں۔ بعض تو بہت ہی واضح اور روشن ہوتے ہیں کہ انسان تھوڑی سی توجہ اور التفات سے اس کو سمجھ لیتا ہے۔ (البتہ) بعض اتنے دقیق و باریک ہوتے ہیں کہ جب تک انسان ان کی مکمل تفتیش نہ کرے اور بڑی دقت نظر سے کام نہ کرے اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اور بعض مرتبہ بعض دیگر مرتبوں سے شدید و سخت تر و مہلک تر ہوتے ہیں۔

پہلا مرتبہ : جو سب سے بڑا اور جس کی ہلاکت سب سے زیادہ ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے ایمان اور اچھی خصلتوں کا احسان اپنے ولی نعمت اور مالک الملوک پر رکھے اور اپنے دل میں گمان کرے کہ میرے ایمان کی وجہ سے خدا کی مملکت میں وسعت یا دین خدا میں رونق پیدا ہو گئی یا اس کی ترویج شریعت یا ارشاد و ہدایت یا اس کے امر بمعروف و نہی

از منکر یا اجرائے حدود یا اس کے محراب و منبر کی وجہ سے دینِ خدا کی رونق بڑھ گئی یا دیہ گمان کرے کہ مسلمانوں کی جماعت میں میرے آنے سے یا امام حسینؑ علیہ السلام کی مجلس میں شرکت کرنے سے دین کی رونق بڑھ گئی۔ اور اسی طرح وہ خدا و امامِ مظلوم و رسولِ خدا پر احسان رکھے خواہ زبان سے نہ بھی کہے (مگر) دل میں یہ احساس رکھے (تو یہ عُجب کی سب سے بڑی قسم ہے۔)

اسی طرح بندگانِ خدا پر امورِ دینی کے سلسلہ میں احسان جتانا مثلاً واجبی و مستحبی صدقہ دینے میں، کمزوروں اور فقیروں کی مدد کرنے احسان جتانا یہ بھی عُجب کے پہلے مرتبہ میں شامل ہے۔ البتہ یہ منت گزاری کبھی اتنی مخفی ہوتی ہے کہ خود انسان اس کو نہیں سمجھ پاتا۔ خدا کا اپنے بندوں پر احسان جتانا اور بندوں کا خدا پر کسی قسم کا احسان نہ ہونے کی تفصیل دوسری حدیث کی شرح میں گزر چکی۔

دوسرا مرتبہ: یہ ہے کہ دل میں موجود خود پسندی کی وجہ سے خداوندِ عالم سے ناز و نخرے کرنا۔ یہ احسان جتانے والے عُجب کے علاوہ ہے اگرچہ بعضوں نے دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

اس مرتبہ والا شخص اپنے کو محبوبِ خدا سمجھتا ہے اور اپنے کو خدا کے مقرب بندوں اور سابقین میں شمار کرتا ہے۔ اور اگر کہیں اولیائے حق یا محبوبین و محبین یا سالکین و مجذوبین کا ذکر کیا جائے تو یہ اپنے دل میں اپنے کو بھی انھیں لوگوں میں شمار کرتا ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کسرِ نفسی کرکے اس کے خلاف کا اظہار کرے۔ یا اپنے لئے اس مقام کے اثبات کی خاطر اس طرح نفی کرے کہ اس سے اثبات لازم آئے اور اگر خدا اس کو کسی بلا میں مبتلا کردے تو البلاءُ للولاء۔ (بلا تو دوستوں ہی کے لئے ہوتی ہے) کا نعرہ لگائے۔ عرفاء و صوفی و اہلِ سلوک و ریاضت جو ارشاد و ہدایت کے مدعی ہوتے ہیں وہی لوگ عُجب کے اس درجہ سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ: اپنے ایمان یا اعمال یا ملکات کی وجہ سے اپنے کو ثواب کا مستحق سمجھتا ہو۔ اور خدا کے لئے واجب جانتا ہو کہ اس کو اس دنیا میں عزیز رکھے اور آخرت میں بلند مرتبہ کرے اور اپنے کو مومن و پاک باز و صاف دل خیال کرتا ہو۔ اور جب کہیں ان مومنین کا ذکر آجائے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں تو اپنے سر کو اس طرح حرکت دے جیسے کہ وہ خود بھی انھیں میں

سے ہے اور دل میں یہ سوچے کہ: اگر خدا ہمارے ساتھ انصاف کرے تو میں بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوں۔ بلکہ بعض تو ایسے بے حیا و بے شرم ہوتے ہیں کہ اس باطل کلام کی تصریح بھی لفظاً کر دیتے ہیں۔ اور اگر کبھی کسی بلا میں گرفتار ہو گئے تو دل میں خدا پر اعتراض کرتے ہیں اور خدائے عادل کے کاموں پر تعجب کرتے ہیں کہ اس نے مومن پاک کو مبتلا بہ بلا کیوں کیا اور منافق کو رزق (و نعمت) کیوں دی؟ اور باطن میں خدا اور اس کی تقدیرات پر غضب ناک ہوتے ہیں مگر ظاہر میں اظہارِ رضامندی کرتے ہیں۔ اپنے غصہ کا اظہار اپنے ولی نعمت پر کرتے ہیں اور مخلوق پر رضا بہ قضا کا اظہار کرتے ہیں اور جب سنتے ہیں کہ خدا دنیا میں مومنین کو مبتلائے مصیبت کرتا ہے تو اپنے دل کو تسلی دے دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ منافق بھی کثیر تعداد میں مبتلا ہیں۔ نہ ہر مبتلا مومن ہے۔ (نہ ہر غیر مبتلا منافق ہے)

چوتھا درجہ: عُجب کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو دوسروں سے ممتاز و بہتر سمجھتا ہے۔ غیر مومنین سے اس لئے کہ وہ مومن ہے اور مومنین سے اس لئے کہ وہ خود کامل الایمان ہے اور جو لوگ اچھے اوصاف کے مالک نہیں ہیں ان سے صفاتِ حسنہ سے متصف ہونے کی وجہ سے اور اس کے مقابل والوں سے اپنے کو اس لئے بہتر سمجھتا ہے کہ خود تمام واجبات کا پابند ہے اور تمام محرمات کا تارک ہے اور عوام الناس سے اپنے کو اس لئے کامل و ممتاز سمجھتا ہے کہ وہ مستحبات کو بھی بجا لاتا ہے۔ جمعہ و جماعات و دیگر مناسک اور ترکِ مکروہات کا پابند بھی ہے۔

اپنے اوپر اور اپنے اعمال پر اعتماد و بھروسہ کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو ناقص و ناچیز سمجھتا ہے۔ تمام لوگوں کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے دل میں یا زبان سے تمام بندگانِ خدا کی سرزنش کرتا ہے اور طعن و طنز کرتا ہے۔ ہر شخص کو رحمتِ الٰہی سے دور جانتا ہے اور رحمتِ حق کو صرف اپنے لئے اور اپنے جیسے کچھ لوگوں کے لئے مخصوص سمجھتا ہے۔ اس درجہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے کسی بھی عمل صالح پر نکتہ چینی کئے بغیر رکتا نہیں ہے۔ اور اپنے دل میں اس پر خدشہ کرتا ہے اور اپنے اعمال کو ان تمام خدشات و مناقشات سے پاک جانتا ہے۔ لوگوں کے اعمالِ حسنہ کو ہیچ و پوچ سمجھتا ہے اور اگر وہی عمل خود کرے تو اس کی بڑی اہمیت سمجھتا ہے۔ لوگوں کے معمولی عیوب بھی دیکھ لیتا ہے اور اپنے بڑے سے بڑے عیب سے بھی غافل رہتا ہے۔ یہ سب عُجب کی علامتیں ہیں اگرچہ خود انسان ان سے غافل ہے۔ عُجب

کے اور بھی درجات ہیں۔ بعض کا میں نے خود ذکر نہیں کیا اور بعض سے مجبوراً غفلت برتی ہے۔

دوسری فصل

فسادیوں کا عُجب

کفار، منافقین، مشرکین، ملحدین، بُرے اخلاق والے، پست ملکات والے، گنہگار و نافرمان لوگ کبھی اس نوبت تک پہونچ جاتے ہیں کہ اپنے کفر و زندقہ، بُرے اخلاق، ہلاک کرنے والے اعمال پر تکبر و مسرت و فخر و مباہات کرنے لگتے ہیں اور اس طرح اپنے کو آزاد، اور توہم پرستی وغیر پرستی سے الگ ہو کر حریت فکر و ضمیر کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے اس عقیدے کو مردانگی خیال کرتے ہیں اور ایمان باللہ کو توہم پرستی، دینداری کو تنگ نظری خیال کرتے ہیں، اخلاقِ حسنہ و ملکات فاضلہ کو بے چارگی اور کمزوری نفس شمار کرتے ہیں، اعمالِ حسنہ و مناسک اور عبادات کو ضعفِ نفس اور اختلال حواس سمجھتے ہیں۔

اور اس آزادی اور (بخیال خود) بے اعتقادی موہومات و بے اعتنائی شریعت کو لائق مدح و ستائش خیال کرتے ہیں۔ اخلاقی معایب اور بُری خصلتیں جو ان کے دل میں جڑ پکڑ چکی ہیں اور وہ ان سے مانوس ہو چکے ہیں اور ان کی آنکھیں ان چیزوں کی عادی اور کان ان سے بھر چکے ہیں ان کی نظروں میں یہی چیزیں باعثِ زینت ہیں اور انھیں کو وہ لوگ کمال سمجھتے ہیں چنانچہ اس حدیث شریف میں اسی جگہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جہاں ارشاد ہے کہ: ان کے درجات میں سے ایک درجہ یہ ہے کہ بندے کی نظر میں اس کا بُرا عمل اچھا معلوم ہونے لگے اور باعثِ زینت بن جائے اور یہ خدا کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

«أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا.»

"بھلا وہ شخص جسے اس کا بُرا کام (شیطانی اغوا سے) اچھا کر دکھایا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا ہو (کبھی مومن نیکوکار کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں)" جیسے فرمایا گیا ہے کہ اسکو گمان ہے کہ وہ اچھا عمل کرتا ہے۔ الخ۔ یہ خدا کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

«قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا. اَلَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنيا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعاً. أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْناً.»[9]

"(اے رسول) تم کہہ دو کہ کیا ہم ان لوگوں کا پتہ بتا دیں جو لوگ اعمال کی حیثیت سے بہت گھاٹے میں ہیں (یہ) وہ لوگ (ہیں) جن کی دنیاوی زندگی کی سعی و کوشش سب اکارت ہو گئی اور وہ اس خام خیالی میں ہیں کہ وہ یقیناً اچھے اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور (قیامت کے دن) اس کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کیا تو ان سب کا کیا کرایا اکارت ہو گیا۔ تو ہم اس کے لئے قیامت کے دن میزان حساب بھی قائم نہ کریں گے" (اور ان کو سیدھے جہنم میں بھیج دیں گے)

لوگوں کا یہ گروہ جاہل و بے خبر ہے مگر اپنے کو عالم و مطلع خیال کرتا ہے یہ گروہ سب سے زیادہ بے چارہ اور بد بخت ہے۔ نفوس کا علاج کرنے والے اطباء اس کے علاج سے عاجز ہیں۔ دعوت و نصیحت کا اثر اس گروہ پر ہوتا ہی نہیں ہے بلکہ کبھی تو نصیحت کا اثر اُلٹا ہو جاتا ہے۔ یہ گروہ نہ برہان کو سنتا ہے نہ انبیاء کی ہدایت اور حکماء کے برہان اور علماء کے موعظہ پر کان دھرتا ہے۔ نفس کے شرور اور اس کے مکائد سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ نفس انسان کو گناہ سے کفر کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور کفر سے عُجب کی طرف اور وہ کفر تک پہونچا دیتا ہے۔

نفس و شیطان بعض گناہوں کو چھوٹا کر کے دکھانے کی وجہ سے انسان کو معصیت پر آمادہ کر دیتے ہیں اور پھر دل میں اس کو معمولی سمجھ کر انسان اس سے بڑی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور تکرار کے بعد اس کی بھی اہمیت گھٹ جاتی ہے اور پھر انسان بڑی سی بڑی معصیت میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح انسان قدم بہ قدم آگے بڑھتا جاتا ہے اور بڑی سے بڑی معصیت انسان کی نظر میں چھوٹی نظر آنے لگتی ہے اور پھر نوبت یہ آجاتی ہے کہ کسی بھی معصیت کی کوئی اہمیت اس کی نظر میں باقی نہیں رہتی اور شریعت و قانونِ الٰہی، رسول اور خدا اس کی نظر میں الفاظ بے معنیٰ ہو کر رہ جاتے ہیں اور وہ کفر و زندقہ تک پہونچ جاتا ہے اور پھر ان پر اتراتا ہے ممکن ہے آئندہ فصلوں میں اس کا ذکر آئے۔

تیسری فصل

شیطان کی مکاریاں

جس طرح عجب والے گناہ میں ایک درجہ سے ترقی کر کے دوسرے درجہ تک اور اسی طرح وہ کفر و زندقہ کے درجہ تک پہونچ جاتے ہیں اسی طرح طاعتوں میں تکبر کرنے والے تکبر کے ناقص درجہ سے بڑھتے بڑھتے اس کے کامل درجہ تک ترقی کر جاتے ہیں۔ نفس کی مکاری ہو یا دل میں شیطانی خیالات یہ سب (دفعتاً نہیں ہوتے بلکہ) ایک اصول و میزان کے ماتحت انجام پاتے ہیں۔ اگر آپ متقی اور دل میں خوفِ خدا رکھنے والے ہیں تو کسی طرح یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کا نفس (امارہ) آپ کو زنا یا کسی کے قتل پر (فوراً) آمادہ کر دے یا جس کے اندر بھی شرافت اور طہارتِ نفس ہے اس کو چوری یا ڈکیتی پر آمادہ کر دے۔

اسی طرح ابتدائے امر میں یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ شیطان تم سے کہے اپنے عقیدہ و عمل میں خدا پر احسان رکھو یا اپنے کو محبوبین، محبین، و مقربین بارگاہ میں شمار کرنے لگو۔ (وہ تو) شروع میں بالکل پست درجہ سے تمہارے دل میں وسوسہ پیدا کرنا شروع کرے گا اور (پہلے) تم کو مستحبات و وظائف و اذکار کی پابندی پر سختی سے آمادہ کرے گا اور اسی ضمن میں کسی گنہگار کی حالت کو جو تمہارے مناسب حال ہو تمہارے سامنے پیش کرے گا اور تمہارے کان میں کہے گا کہ تم عقل و شرع دونوں اعتبار سے اس گنہگار سے بہتر ہو۔ اور تمہارے اعمال بحمداللہ تمہاری نجات کے سبب ہیں اور تم بحمداللہ پاک و پاکیزہ ہو، گناہوں سے بَری ہو۔

اسی طرح (تمہارے ذہن میں یہ بات بٹھا کر) اس کو دو فائدے حاصل ہوں گے۔

۱ــــــ بندگانِ الٰہی کے ساتھ تم کو بدبین کر دے گا۔

۲ــــــ تمہارے اندر خود پسندی پیدا ہو جائے گی اور یہ دونوں صفتیں نہ صرف یہ کہ ہلاک کرنے والی ہیں بلکہ فساد کی جڑ ہیں۔

تم اپنے نفس اور شیطان سے کہو: ہو سکتا ہے اس گنہگار میں کوئی ایسا ملکہ ہو یا کوئی دوسرے ایسے اعمال ہوں کہ خدا کی رحمت اس کے شاملِ حال ہو جائے۔ اور اس ملکہ اور عمل

کا نور اس کی ہدایت کا سبب بن جائے اور اس کا انجام بخیر ہو جائے۔ (نیز) یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خدا نے اس کو گناہ میں اس لئے مبتلا کر دیا ہو کہ یہ خود پسندی، "جو گناہ سے زیادہ بدتر ہے" سے بچ جائے۔ جیسا کہ کافی کی ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

«عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلامُ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَلِمَ أَنَّ الذَّنْبَ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْعُجْبِ؛ وَلَوْلاَ ذٰلِكَ مَا ابْتَلَى مُؤْمِناً بِذَنْبٍ أَبَداً.»

"چونکہ خدا کو علم ہے کہ مومن کے لئے گناہ خود پسندی سے بہتر ہے (اس لئے اس کو گناہ میں مبتلا کرتا ہے) ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مومن ہرگز گناہ میں مبتلا نہ ہوتا) اور اس بد بینی کی وجہ سے کہیں میرا انجام خراب نہ ہو جائے۔"

ہمارے شیخ بزرگ عارف کامل شاہ آبادی۔ روحی فداہ۔ فرمایا کرتے تھے: اپنے دل میں کافر کو بھی سرزنش و ملامت نہ کرو، ہو سکتا ہے نور فطرت اس کو ہدایت کر دے اور تمہاری یہ سرزنش و ملامت تمہارے کام کو بدانجام نہ بنا دے۔

امر بمعروف و نہی از منکر قلبی سرزنش و ملامت کے علاوہ ہے بلکہ فرماتے تھے: جن کافروں کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ کفر کی حالت میں اس دنیا سے گئے ہیں ان پر بھی لعنت نہ کرو۔ ہو سکتا ہے مرتے وقت ہدایت یافتہ ہو گئے ہوں۔ اور ان کی روحانیت تمہاری ترقی میں مانع نہ ہو۔ مختصر یہ کہ نفس اور شیطان پہلے تو آپ کو عُجب کے پہلے مرحلہ میں داخل کرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ کر کے دوسرے مرحلہ میں اور پھر بڑھتے بڑھتے انسان کو اس جگہ پہونچا دیتے ہیں جہاں پہونچ کر وہ اپنے عقائد و اعمال کا احسان اپنے ولی نعمت، مالک الملوک پر رکھنے لگتا ہے اور پھر اس کا انجام اس آخری درجہ تک پہونچ جاتا ہے۔

چوتھی فصل

خود پسندی کے مفاسد

یہ جان لو کہ خود پسندی بذات خود تو مہلکات میں سے ہے ہی (مگر یہ) انسان کے

عقاید و اعمال کو بھی برباد کردیتی ہے۔ چنانچہ راوی نے اس خود پسندی کے بارے میں پوچھا جو اعمال کو فاسد کردیتی ہے تو امامؑ نے فرمایا: خود ایمان کے اندر ایک درجہ عجب کا ایسا رکھا گیا ہے۔ اور اس سے پہلے والی حدیث میں آپ نے پڑھا کہ خود پسندی گناہ سے بدتر ہے اور اسی لئے خدا بندہ مومن کو گناہ میں مبتلا کردیتا ہے تا کہ وہ عجب سے بچ جائے۔

خود رسولؐ خدا نے بھی ہلاک کرنے والی چیزوں میں خود پسندی کو بھی شمار کرایا ہے۔[۱۲]

امالی صدوقؒ میں بسند روایت حضرت علیؑ تک پہونچا کر حضرت علیؑ کا قول نقل کیا ہے کہ:

«مَنْ دَخَلَهُ الْعُجْبُ هَلَکَ»[۱۳]

"جس کے اندر خود پسندی پیدا ہوگئی وہ ہلاک ہوگیا" برزخ اور مابعد الموت عجب کی صورت جتنی ہولناک و وحشت ناک ہوتی ہے کسی اور چیز کی اتنی وحشت ناک صورت نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کو جو یہ وصیت فرمائی ہے کہ:

«وَلَا وَحْدَةَ أَوْحَشُ مِنَ الْعُجْبِ»[۱۴]

"عجب سے زیادہ کسی بھی تنہائی کی وحشت اتنی نہیں ہوتی" اس سے اسی کی طرف اشارہ مقصود ہو۔

حضرت موسیٰ بن عمران۔ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام نے شیطان سے پوچھا: مجھے وہ گناہ بتاؤ کہ اگر اولادِ آدمؑ اس کا ارتکاب کرے تو اس پر مسلط ہوجاتا ہے؟ شیطان نے کہا: جب وہ اپنی ذات پر عُجب و گھمنڈ کرتا ہے اور اپنے عمل کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اپنے گناہ کو ہیچ سمجھتا ہے۔ (تو پھر میں اس پر قابو پالیتا ہوں)[۱۵]

خداوندِ عالم نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا:

اے داؤدؑ گناہگاروں کو بشارت و خوشخبری دو اور صدیقین کو ڈراؤ۔ جناب داؤدؑ نے کہا: کیسی بشارت دوں ان کو۔ اور کیونکر ڈراؤں ان کو؟ خدا کا حکم ہوا: گنہگاروں سے کہہ دو کہ میں ان کی توبہ کو قبول کرلوں گا اور ان کے گناہوں کو بخش دوں گا اور صدیقوں کو اس بات سے ڈراؤ کہ اپنے اعمال پر عُجب و گھمنڈ نہ کریں۔ کیونکہ کوئی ایسا بندہ نہیں ہے جس سے میں حساب لینے پر اتر آؤں تو وہ ہلاک نہ ہوجائے۔[۱۶]

میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں حساب میں مناقشہ کرنے میں کیونکہ مناقشہ در حساب تو صدیقین کیا ان سے بھی بزرگ حضرات کو ہلاک کردے گا۔

جناب شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ نے خصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: "شیطان کہتا ہے: اگر میں تین چیزوں میں اولادِ آدمؑ پر غالب آجاؤں تو پھر مجھے کوئی فکر نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔" (اور وہ چیزیں یہ ہیں)

۱۔۔۔۔ وہ اپنے عمل کو بہت زیادہ سمجھنے لگے۔

۲۔۔۔۔ اپنے گناہوں کو بھول جائے۔

۳۔۔۔۔ اس میں عجب و غرور پیدا ہو جائے۔"[۱۸]

خود پسندی ان مفاسد کے علاوہ جن کا ذکر کیا جا چکا یہ ایک ایسا خبیث درخت ہے کہ اس کے تمام پھل کبائر اور ہلاک کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور جس دل میں یہ جڑ پکڑ لیتا ہے اس شخص کو کفر و شرک اور اس سے اوپر درجہ تک پہونچا دیتا ہے۔

اس کی ایک خرابی یہ ہے کہ خود پسند انسان اپنے گناہوں کو معمولی سمجھنے لگتا ہے۔ بلکہ ایسا شخص کبھی اپنے نفس کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتا۔ اپنے کو ہمیشہ پاک و پاکیزہ خیال کرتا ہے۔ اس کی کبھی فکر ہی نہیں کرتا کہ اپنے کو گناہوں سے پاک کرے، غرور و تکبر اور خود پسندی کا پردہ اپنی برائیوں کے بارے میں کبھی سوچنے ہی نہیں دیتا۔ اور یہ ایسی مصیبت ہے جو انسان کو تمام کمالات سے روک دیتی ہے اور برائیوں کے اقسام میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور انسان کو ہلاکتِ ابدی کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ ماہرین نفسیات بھی اس کے علاج سے عاجز ہو جاتے ہیں۔

دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال اور اپنے نفس پر بھرپور اعتماد کرنے لگتا ہے جس کے نتیجہ میں بے چارہ جاہل انسان اپنے کو خدا سے (بھی) مستغنی سمجھنے لگتا ہے اور خدا کے فضل و کرم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اپنی چھوٹی سی عقل میں خدا پر واجب جانتا ہے کہ اس کو اجر و ثواب دے گا۔ اور یہاں تک گمان کرتا ہے کہ اگر خدا نے عدل سے کام لیا تو میں ثواب کا مستحق ہوں گا اس کا ذکر انشاء اللہ بعد میں آئے گا۔[۱۹]

ایک (تیسری) خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ ایسا شخص خدا کے بندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور لوگوں کے اعمال کو حقیر شمار کرتا ہے چاہے دوسروں کے اعمال اس کے اعمال سے بہتر ہوں یہ بھی انسان کی ہلاکت کا ایک طریقہ ہے اور اس کے راستہ کا کانٹا ہے۔

اور (چوتھی) خرابی یہ ہے کہ خود پسندی اور عُجب انسان کو ریاکار بنا دیتا ہے۔ اس

لئے کہ جو شخص اپنے اعمال کو حقیر خیال کرے گا، اخلاق کو فاسد سمجھے گا، ایمان کو کسی قابل نہ شمار کرے گا وہ اپنے اعمال و صفات اور اپنی ذات پر غرور و تکبر نہ کرے گا۔ بلکہ وہ تو خود ہی جب اپنے کو اور اپنی تمام چیزوں کو برا سمجھے گا تو ان کی نمائش نہ کرے گا اور خود نمائی بھی نہ کرے گا۔ زشت و فاسد متاع کو کوئی بھی شخص بازار میں نہیں لاتا۔ ہاں اگر خود کو کامل اور اپنے اعمال کو قابل سمجھے گا تو ان کی نمائش کی بھی فکر کرے گا اور خود فروشی کی بھی سعی کرے گا۔

دوسری حدیث میں ریا کاری کے مفاسد کا ذکر ہو چکا ہے انھیں مفاسد کو عجب و خود پسندی کے لئے بھی مفاسد سمجھنا چاہیئے۔ اخلاقی برائیوں میں سے ایک ہلاک کرنے والی برائی خود پسندی بھی ہے اور یہ خود پسندی انسان کو تکبر میں بھی مبتلا کر دیتی ہے (خدا نے چاہا تو اس کا بھی ذکر بعد میں آئے گا۔)

اس خود پسندی کے بالواسطہ یا بلاواسطہ اور دوسرے مفاسد بھی ہیں جن کی تشریح تطویل کا سبب بن جائے گی۔

پس خود پسند کو یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیئے کہ خود پسندی دیگر برائیوں کی جڑ ہے اور یہ ایسے امور کو جنم دیتی ہے جن میں سے ہر ایک بذات خود ہلاکتِ ابدی اور خلود فی النار کا مستقل سبب ہے۔ اگر کوئی شخص ان مفاسد کو اچھی طرح سمجھ لے اور دقتِ نظر سے کام لے اور رسولِ اکرمؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ کے اخبار و آثار کی طرف رجوع کرے تو اپنے لئے واجب سمجھ کر نفس کی اصلاح کے درپے ہو کر اپنے کو اس برائی سے پاک کرے گا اور باطنِ نفس سے اس کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکے گا کہ کہیں خدانخواستہ اسی بری صفت کے ساتھ دوسرے عالم میں نہ منتقل ہو جائے۔

جب اس کی دنیاوی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور برزخ و قیامت کا سورج طالع ہوگا تو وہ دیکھے گا کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کا حال بھی اس سے بہتر ہے۔ گناہانِ کبیرہ کرنے والوں کو بھی رحیمِ آخرت نے اپنی دریائے رحمت میں غرق کر دیا ہے یا تو ان کی ندامت و پشیمانی کی بنا پر یا اس اعتماد و بھروسہ کی وجہ سے جو ان کو فضل و کرم پروردگار سے تھا، لیکن چونکہ یہ شخص اپنے کو مستقل سمجھتا تھا اور باطن میں اپنے کو خدا کے فضل و کرم سے بے نیاز سمجھتا تھا اس لئے خدا نے اس کے ساتھ حساب میں سختی کی اور اس کو اس کی خواہش کے مطابق میزانِ عدل پر لا کر سمجھا دیا کہ اس نے کوئی عبادت احق کے لئے نہیں کی تھی۔ اس کی تمام عبادتیں ساحت الٰہی سے دور تھیں اس کے سارے اعمال و عقائد باطل و ناچیز تھے اور آج وہی موجبِ ہلاکت و سببِ عذاب

الیم و علت خلود در جحیم ہو گئے۔

خدا نہ کرے پروردگار کسی کے ساتھ انصاف پر اُتر آئے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اولین و آخرین میں سے کسی کو نجات نہیں مل سکتی۔ ائمہ معصومین علیہم السلام اور انبیائے کرامؑ اپنی مناجات میں ہمیشہ فضل خداوندی کی دعا کرتے تھے۔ عدل و مناقشہ در حساب سے خوف زدہ رہتے تھے۔[20] خاصان درگاہ الٰہی اور ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم کی مناجات میں اپنی تقصیر کا اعتراف اور حق بندگی کے ادا نہ کر سکنے کا اعتراف برابر موجود ہے۔[21] افضل ممکنات واقرب موجودات آخری رسولِ کائنات فرمایا کرتے تھے:

«ما عَرَفْناکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ، وَما عَبَدْناکَ حَقَّ عِبادَتِکَ»[22]

"جو تیری معرفت کا حق ہے وہ ہم نہ کر سکے جو تیری عبادت کا حق ہے ہم اس سے عاجز رہے۔" جب ان کا یہ حال ہے تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟

یہ حضرات عظمتِ الٰہی کے عارف تھے ممکن کی واجب سے کیا نسبت ہے؟ اس کو جانتے تھے۔ ان حضرات کو معلوم تھا کہ دنیا کی عمر کے برابر اگر خدا کی اطاعت و عبادت تحمید و تسبیح کی جائے جب بھی خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ ذات و صفاتِ حق کی مدح و ثنا کون کر سکتا ہے؟ یہ حضرات جانتے تھے کہ کسی موجود کے پاس کچھ نہیں ہے۔ حیات، قدرت، علم و قوت، دیگر کمالات سب اس کے کمال کے سایہ و ظل ہیں اور ممکن بلکہ فقر محض ہے وہ تو دوسرے کے سایہ سے استفادہ کرتا ہے خود مستقل نہیں ہے۔ ممکن کے پاس کون سا کمال ہے جو کمال فروشی کرے گا؟ اس کے پاس کون سی قدرت ہے جو عمل فروشی کرے گا؟ وہ حضرات عارف باللہ تھے۔ جمال و جلالِ الٰہی کے عارف تھے وہ لوگ شہود و عیان کے ذریعہ اپنے نقص و عجز کو اور کمالِ واجب کا مشاہدہ کرتے تھے۔ یہ تو ہم بے چارے لوگ ہیں جن کے یہاں جہالت و نادانی، غفلت و خود پسندی، قلب و قالب کے معصیتوں کا پردہ ہمارے چشم و گوش پہ عقل و ہوش پر اس طرح پڑا ہوا ہے کہ سلطنت قاہرہ حق کے مقابلہ میں اپنے لئے بھی استقلال و شیئیت کے قائل ہیں!

اے بے چارے ممکن۔ اے اپنے اور اپنے خالق کی نسبت سے بے خبر! اے ممکن اپنے مالک الملوک کے فرائض سے غافل! یہی جہالت و نادانی تمام بدبختیوں کا سبب ہوئی اور اسی نے ہم کو تمام ظلمتوں اور کدورتوں میں مبتلا کر دیا۔ خرابی کار از سر منشا ہے اور آلودگی آب از سر چشمہ ہے ہماری چشمہائے معرفت اندھی ہیں۔ ہمارے دل مُردہ ہیں اور یہی تمام مصیبتوں کا سبب ہے اور دشکل یہ ہے

کہ ہم اس کی اصلاح کی فکر میں بھی نہیں ہیں۔

معبود تو ہم کو توفیق عنایت فرما، تو ہم کو ہمارے رذائل سے واقف کر، تو نے اپنے انوارِ معارف سے اولیاء و عرفا کے قلوب کو لبریز کر دیا۔ اس کی ایک چھوٹ ہمارے حصہ میں بھی نصیب فرما، تو اپنی قدرت و سلطنت کی وسعتوں سے ہم کو بھی مطلع فرما، ہمارے عیوب کی ہم کو نشاندہی کر دے، تو الحمد للہ رب العالمین کے معنی کو ہم غافلوں کو۔ جو تمام محامد کو مخلوق کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ سمجھا، تو ہمارے دلوں کو اس بات سے آشنا کر دے کہ کوئی تعریف مخلوق کے لئے نہیں ہے، تو ہمارے اوپر۔

«مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ.»[۴۳]

"جب تم کو کوئی فائدہ پہونچے تو (سمجھو کہ) خدا کی طرف سے ہے اور جب تم کو کوئی تکلیف پہونچے تو (سمجھو کہ) خود تمھاری وجہ سے ہے۔" کی حقیقت کو واضح فرما، کلمہ مبارکہ توحید کو ہمارے گندے اور سخت دلوں میں جاگزیں فرما، ہم اہلِ حجاب و ظلمت ہیں ہم اہلِ شرک و نفاق ہیں ہم خود خواہ و خود پسند ہیں۔ معبود تو حبِ نفس اور حبِ دنیا کو ہمارے دلوں سے باہر کر دے تو ہم کو خدا خواہ و خدا پرست بنا دے۔ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔[۴۴]

"بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

پانچویں فصل

عجب کا سرچشمہ حبِ نفس ہے

عجب ایک ایسی برائی ہے جو حبِ نفس سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ انسان کی تخلیق ہی حبِ نفس پر ہے اور تمام انسانی خطاؤں اور اخلاقی برائیوں کا سرچشمہ حبِ نفس ہے۔ اس لئے انسان اپنے چھوٹے موٹے اعمال کو بھی بہت بڑا سمجھتا ہے اور اپنے کو ان اعمال کی بنا پر خاصانِ خدا میں شمار کرنے لگتا ہے اور انھیں ناقابل و بیچ اعمال کے بل بوتے پر اپنے کو مستحق ثنا اور لائق مدح خیال کرنے لگتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کبھی اس کے برے اعمال بھی اس کی نظر میں اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں۔

اگر اس نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کے اعمال اس کے اعمال سے کہیں بہتر اور اچھے ہیں تو ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ بلکہ لوگوں کے اچھے اعمال کی توجیہ بھی ایسی کرتا ہے کہ گویا وہ برے اعمال

ہیں اور اپنے بُرے اعمال کو اس طرح پیش کرتا ہے جیسے وہ بہت اچھے اعمال ہوں۔ مخلوقِ خدا کے بارے میں ہمیشہ بدبین ہوتا ہے لیکن اپنے بارے میں بہت خوش بین ہوتا ہے۔ اپنے اسی حبِ نفس کی بنا پر ایک معمولی سے عمل کو جس میں ہزاروں کثافتیں بھری ہوتی ہیں۔ اور خدا سے دور کرنے والے عناصر ہوتے ہیں "رحمتِ الٰہی کا طلب گار اور مستحق سمجھتا ہے۔

اس لئے مناسب ہے کہ یہاں پر ہم تھوڑا سا نیک اعمال کے بارے میں بھی غور وفکر کریں اور جو عبادتی افعال ہم سے سرزد ہوتے ہیں ان کو عقل کی کسوٹی پر جانچ کر بہ نظرِ انصاف دیکھیں کہ آیا ان اعمال کی وجہ سے ہم مستحق مدح وثنا اور مستحق ثواب ورحمت ہیں یا ملامت وعقاب اور غضب و عذاب کے مستحق ہیں؟ اور اگر خدا ہمارے انھیں اعمال کی بنا پر جو ہماری نظر میں اچھے ہیں ہم کو آتشِ قہر وغضب میں جلائے تو یہ صحیح ہے اور مطابق عدل ہے؟

اس لئے میں آپ ہی سے ایک سوال کرکے آپ ہی کو حَکَم بھی بناتا ہوں اور غور وفکر کے بعد آپ سے مبنی بر انصاف فیصلہ کا خواہش مند ہوں۔ وہ سوال یہ ہے: اگر رسولِ اکرم جو صادق و مصدق ہیں۔ آپ کو یہ خبر دیں کہ تم چاہے پوری عمر خدا کی عبادت کرو، اوامر ونواہی کی اطاعت کرو، شہوات و خواہشاتِ نفس کو ترک کر دیا پوری عمر ان سب باتوں کے خلاف کرو، عبادت نہ کرو، غرقِ مے ناب رہو، نغمہ وسرور کی محفلیں جماؤ۔ آخرت میں تمھارے درجات میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ ہر حال میں جنت ملے گی اور تم اہلِ بہشت سے ہوگے۔ عذابِ الٰہی سے بچوگے نماز پڑھو نہ پڑھو، زنا کرو نہ کرو، اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ البتہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ تم عبادت کرو، اسکی مدح وثنا کرو، اپنی شہوتوں اور میلِ نفسانی کو چھوڑ دو مگر ایسا کرتے پر نہ کوئی اجر ملے گا نہ ثواب ملے گا تو ایسی صورت میں ہم آپ اہلِ معصیت میں ہوتے یا اہلِ عبادت ہیں؟ آپ صرف خوشنودیٔ خدا کے لئے شہوتوں کو ترک کر دیتے، نفسانی لذتوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے یا نہیں؟ آپ مستحبات جمعہ وجماعات کی طرف رغبت کرتے یا شہوتوں اور لہو ولعب ہی میں پڑے رہتے؟ ریاکاری و ظاہر سازی کے بغیر ایک منصفانہ نظر میں آپ کا کیا جواب ہوگا؟

(آپ کچھ کہیں یا نہ کہیں مگر) میں اپنی طرف سے اور اپنے جیسے دیگر افراد کی طرف سے آپ کو بتاتا ہوں کہ اس صورت میں ہم اہلِ معصیت سے ہوتے اور اطاعتوں کو ترک کرتے خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے۔ پس اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا تمام کام نفسانی لذتوں اور پیٹ بھرنے وجنسی خواہش کو پورا کرنے سے متعلق ہے۔ ہم شکم پرست بھی ہیں اور شہوت پرست بھی۔ یہاں جو

ترکِ لذت کرتے ہیں وہ بھی بڑی لذتوں کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔ ہمارا نقطۂ نظر اور ہماری امیدوں کا مرکز بساطِ شہوت کو بچھانا ہے۔ نماز جو قربِ الٰہی کی معراج ہے ہم صرف جنت کی عورتوں سے تقرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں اس کا قربِ الٰہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امرِ الٰہی کی اطاعت سے مربوط نہیں ہے۔ رضائے الٰہی سے تو ہزاروں فرسنخ دور ہے۔

اے معارفِ الٰہیہ سے بے خبر تو اپنی شہوت و غضب کے علاوہ کسی اور چیز کو سمجھ ہی نہیں سکتا اے شخصِ مقدس تو اوراد و وظائف و مستحبات و واجبات کا پابند ضرور ہے مکروہات و محرمات کے قریب بھی نہیں پھٹکتا، اخلاقِ حسنہ سے متصف ہے، بُری عادتوں سے بچتا بھی ہے۔ مگر اپنے اعمال کو ذرا انصاف کی ترازو میں رکھ کر دیکھ کہ کیا تو ان اعمال کو صرف نفسانی خواہشات کی تکمیل، زمردین تخت پر بیٹھنے، شوخ و شنگ حورانِ بہشتی سے ہم آغوش ہونے، حریر و دیبا کے لباس پہننے، بہترین و شاندار محلوں میں رہنے کی نفسانی خواہش و آرزو کی بنا پر نہیں کرتا؟ کیا یہ سب خود خواہی اور نفس پرستی کے لئے نہیں ہے؟ کیا اس کو خدا کے لئے اور حق کی پرستش کہا جا سکتا ہے؟

آپ جن مزدوروں سے کام لیتے ہیں ان میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟ اگر وہ مزدور کہنے لگیں کہ ہم نے تو مالک کی خوشنودی کے لئے کام کیا ہے تو کیا تمام لوگوں کے ساتھ آپ بھی ان کی تکذیب نہیں کریں گے؟ کیا آپ کا اسی طرح یہ کہنا کہ: ہم تقربِ خدا کے لئے نماز پڑھتے ہیں جھوٹ نہیں ہے؟ آپ کی نماز خدا سے قربت کے لئے ہے یا حورانِ بہشتی سے تقرب کے لئے ہے؟

میں کھل کر کیوں نہ کہہ دوں کہ عرفاء اور اولیاءِ خدا کے نزدیک ہماری تمام عبادتیں گناہِ کبیرہ ہیں۔ اے شخص تو خدا کے سامنے اس کے ملائکۂ مقربین کے سامنے مرضیٔ خدا کے خلاف عمل کرتا ہے اور جو عبادت تقربِ حق کے لئے معراج ہے اس کو نفسِ امارہ کی خاطر بجالاتا ہے اور شیطان کے لئے بجالاتا ہے اور پھر بھی تیری بے حیائی کی انتہا یہ ہے کہ خدا اور اس کے ملائکۂ مقربین کے سامنے عبادت میں جھوٹ و افترا پردازی و منت گزاری کرتا ہے اور ناز و نخرے، عُجب و گھمنڈ کرتا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ میری اور تیری عبادت میں اور اہلِ معصیت کی معصیت میں کیا فرق رہا؟ کیونکہ اہلِ معصیت بھی ریاکاری کرتے ہیں اور ہم و تم بھی کرتے ہیں پھر فرق ہی کیا رہا؟ اسی لئے ریاکاری شرک ہے اور اس کی بُرائی صرف اس وجہ سے ہے کہ خدا کے لئے نہیں ہے۔ (اسی طرح) ہماری تمام عبادتیں شرکِ محض ہیں ان میں خلوص و اخلاص کا شائبہ تک نہیں ہے بلکہ رضائے الٰہی تو بطور اشتراک بھی اس میں مدخلیت نہیں رکھتی۔ ہم تو صرف شکم سیری و جنسی تکمیل کیلئے ہی سب کچھ کرتے ہیں

میرے دوست جو نماز عورت حاصل کرنے کے لئے پڑھی جائے۔ چاہے وہ عورت دنیا ہو یا جنت کی حور ہو۔ وہ نماز خدا کے لئے نہیں ہے۔ جو نماز حصولِ دنیا یا حصولِ آخرت کے لئے ہو وہ بہر حال خدا کے لئے نہیں ہے۔ پس کیوں (ایسی نمازوں پر) ناز و غمزہ دکھاتے ہو، عشوہ و ناز کرتے ہو۔ خدا کے بندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، اپنے کو خاصانِ خدا میں کیوں شمار کرتے ہو؟ تم تو اسی نماز کی بدولت عذاب کے مستحق ہو۔ ستر ہاتھوں والی زنجیر کے لائق ہو۔[25] پس تم اپنے کو قرض خواہ کیوں خیال کرتے ہو؟ اور اسی عُجب و ناز و نخرے میں اپنے لئے دوسرے عذاب بھی مہیا کرتے ہو؟

تمھاری ڈیوٹی یہ ہے کہ اپنے اوپر معیّن کئے گئے اعمال کو بجالاتے رہو اور یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ اعمال خدا کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ جنّت میں جانا صرف خدا کے فضل و کرم اور رحم و مہربانی پر موقوف ہے۔ اور بندوں کی ضعف و کمزوری کی وجہ سے خدا ان کے شرک میں ایک حد تک تخفیف کر دیتا ہے اور اپنی رحمت و مغفرت کی بنا پر ان پر پردے ڈال دیتا ہے۔ (لہٰذا) تم اس پردے کو تو چاک نہ ہونے دو۔ اور ان گناہوں پر جو مغفرتِ حق کے پردے پڑے ہوئے ہیں جن کو عبادات کہا جاتا ہے کم از کم اسی طرح باقی رہنے دو۔ ورنہ اگر یہ پردہ ہٹ گیا اور میزانِ عدل کی زد میں تمھارے اعمال آگئے تو گناہ گاروں کی معصیت کی بدبو سے کہیں زیادہ تمھاری عبادتوں کی بدبو ہو گی۔

میں نے اس سے پہلے ثقۃ الاسلام کلینیؒ[26] کی کافی والی روایت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس کو امام جعفرِ صادقؑ سے نقل کیا گیا ہے اور یہاں پر میں تیمّناً و تبرّکاً اس حدیث کے بعض الفاظ کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

«عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ فِي حَدِيثٍ، قَالَ (أَيْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) «قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِدَاوُدَ يَا دَاوُدُ بَشِّرِ الْمُذْنِبِينَ وَأَنْذِرِ الصِّدِّيقِينَ قَالَ كَيْفَ أُبَشِّرُ الْمُذْنِبِينَ وَأُنْذِرُ الصِّدِّيقِينَ؟ قَالَ: يَا دَاوُدُ بَشِّرِ الْمُذْنِبِينَ أَنِّي أَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَأَعْفُو عَنِ الذَّنْبِ؛ وَأَنْذِرِ الصِّدِّيقِينَ أَنْ لَا يُعْجَبُوا بِأَعْمَالِهِمْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ عَبْدٌ أَنْصِبُهُ لِلْحِسَابِ إِلَّا هَلَكَ»[27]

"حضرت امام جعفرِ صادقؑ رسولِ خداؐ سے نقل کرتے ہیں کہ: خداوندِ عالم نے جناب

حضرت داؤدؑ سے فرمایا: "اے داؤدؑ گنہگاروں کو بشارت دیدو اور صدیقین کو خوف دلاؤ۔ داؤدؑ نے کہا: گنہگاروں کو کس طرح بشارت دوں اور صدیقین کو کس طرح ڈراؤں؟ ارشاد ہوا: گناہ گاروں سے کہہ دو میں ان کی توبہ قبول کر لوں گا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دوں گا اور صدیقین کو اس طرح ڈراؤ کہ وہ اپنے اعمال پر عُجب نہ کریں کیونکہ جس بندے کا میں حساب لینے بیٹھوں گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔"

جب صدیقین ہلاک ہو سکتے ہیں جو گناہ و معصیت سے پاک ہیں تو ہم اور آپ کس شمار وقطار میں ہیں؟ اور یہ سب تو اس وقت ہے جب ہمارے اور آپ کے اعمال ان دنیاوی، ریاکاری سے پاک ہوں جو حرام وہلاک کرنے والی ہیں۔ اور شاید ایسا کم ہی اتفاق ہوتا ہے کہ ہمارا عمل ریاکاری سے خالی ہوتا ہو۔ جانے دیجئے نہ کہنا ہی بہتر ہے۔

اب اگر اس کے بعد بھی عُجب کی کوئی جگہ باقی ہے تب تو غمزہ وناز ضرور کرو۔ لیکن اگر انصافاً شرمندگی و خجالت اور اعتراف تقصیر کی جگہ ہے تو پھر اس عبادت کے بعد جس کو تم بجالائے ہو اور واقعی اس کے لئے کوشش کی ہے اور پروردگار کے حضور میں جھوٹ بولے ہو، اور ان نسبتوں سے جو تم نے اپنی طرف غلط دی ہے۔ توبہ واستغفار کرو۔ کیا نماز میں داخل ہونے سے پہلے تم نے جو یہ کہا تھا:

«وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفاً وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.»[28]

"میں نے اپنے چہرے کو اس خدا کی طرف باطل سے کترا کے کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں بے شک میری نماز، مناسک، میری زندگی میری موت سب اس خدا کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔"

وہ جھوٹ نہیں ہے اس سے توبہ کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا واقعاً تم خالق آسمان و زمین کی طرف متوجہ ہوئے ہو؟ کیا تم سچے مسلمان اور شرک سے خالص ہو؟ آیا تمہاری نماز، عبادت، زندگی، موت سب خدا کے لئے ہے؟ کیا یہ باعث شرم نہیں ہے کہ نماز میں تم الحمد للہ رب العالمین کہتے ہو۔ اور عملاً ایسا نہیں کرتے ہو؟ کیا واقعی تم تمام محامد کو خدا ہی کے لئے سمجھتے ہو؟ کیا تمہارا رب العالمین کہنا جھوٹ نہیں ہے؟ جبکہ تم اسی دنیا میں ربوبیت کو دوسروں کے لئے ثابت کرتے ہو۔ تو کیا یہ بات توبہ کے قابل نہیں ہے؟ کیا ایاک نعبد وایاک نستعین جو تم کہتے ہو اس پر تم کو شرم آتی ہے؟ کیونکہ کیا تم خدا کی عبادت کرتے ہو یا شکم و جنسی خواہش کی؟

کیا تم خدا کو چاہتے ہو یا حور العین کو؟ کیا واقعی خدا سے مدد چاہتے ہو یا اپنے امور میں ایسی چیز کو خدا سمجھتے ہو جو نظروں میں نہیں ہے؟ تم حج کے لئے جاتے ہو اس سے تمہارا مقصد و مقصود کیا ہے؟ تمہارا مطلب و مطلوب خانۂ خدا ہے یا خدا ہے؟ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

«وَ مَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي؟»[۴۹]

«کیا تم واقعی خدا کے آثارِ جمال و جلال کو تلاش کر رہے ہو؟ (یا کسی اور چیز کو؟)

آپ امام حسینؑ کے لئے مجلسِ عزا برپا کرتے ہیں۔ سرو سینہ پیٹتے ہیں تو کیا یہ امام مظلوم کے لئے ہے؟ یا اپنی آرزو و امید کو پوری کرنے کے لئے ہے؟ کہیں تمہارا شکم تو تم کو آمادہ نہیں کرتا ہے کہ امام حسینؑ کی مجلس عزا برپا کرو؟ کہیں ریاکاری تو تم کو نماز جماعت پر آمادہ نہیں کرتی ہے۔ کیا کہیں خواہشِ نفس تو مناسک و عبادات کی طرف نہیں کھینچتی؟

میرے بھائی نفس و شیطان کی مکاریوں میں بہت زیادہ غور کرو۔ یہ تم کو ایک خالص عمل بھی نہیں کرنے دیں گے اور یہی اعمال غیر صالح جن کو خدا اپنے فضل و کرم سے قبول کر لیتا ہے۔ نفس و شیطان اس کو اس قابل بھی نہ رکھیں گے کہ منزل تک یہ پہونچا سکیں، یہ دونوں ایسا کام کریں گے جس سے یہ عُجب و بے جا ناز و نخرے تمہارے سارے اعمال کو برباد کر دیں گے اور یہ نفع بھی تمہاری جیب سے نکل جائے گا۔ اور اُلٹا تم خدا اور رضائے حق سے بھی دور ہو جاؤ، اور عذابِ ابدی اور آتشِ قہر تمہارا مقدر بن جائے۔ تم یہ گمان کرتے تھے کہ تمہارے یہ سڑے گلے گندے اور ٹوٹے پھوٹے لولے لنگڑے اعمال، جو ریا اور سمعہ جیسی ہزاروں دوسری ایسی آلودگیوں سے ملوّث ہیں جن میں سے ہر ایک خود بطور مستقل قبولیتِ اعمال سے مانع ہے۔« کے ذریعہ خداوندِ عالم پر استحقاق پیدا کر لو گے؟ یا محبوبین و مقربین میں سے ہو جاؤ گے؟ اے محبین کی حالت سے بے خبر! اے محبین اور ان کی آتشِ دل سے بے خبر بد بخت شخص! اے مخلصین کے سوز و گداز اور ان کے نورِ اعمال سے غافل! کیا تجھے یہ گمان تھا کہ ان کے اعمال بھی میرے اور تیرے جیسے ہیں تم کو تو یہی خیال ہوگا کہ حضرت علیؑ اور ہماری نماز میں بس اتنا فرق ہے کہ وہ ولا الضّالّین کے مَد کو ذرا لمبا کر دیتے ہوں گے؟ یا ان کی نماز ہماری نماز سے زیادہ صحیح تھی یا ان کی قرات ہماری قرات سے بہتر تھی یا ان کا رکوع و سجدہ ذکر و ورد زیادہ طولانی ہوتا تھا یا پھر ان حضرت کو یہ امتیاز تھا کہ ایک رات میں کئی سو رکعت نماز پڑھتے تھے؟ یا حضرت سید الساجدینؑ کی مناجات ہماری اور تمہاری مناجات کی طرح تھی؟ کیا وہ بھی حور العین، گلابی اور انار کی خاطر

گریہ وزاری کرتے تھے؟ انھیں بزرگ ہستیوں کی قسم «وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ عَظِيمٌ.» [۳۰] اور یقیناً یہ عظیم قسم ہے۔ اگر ہم سب مل کر ایک بار بھی حضرت علیؑ کی طرح لاالہ الا اللہ کہہ سکیں تو ناممکن ہے۔ میرے سر پر خاک اگر میں خیال کروں کہ یہ کہہ کر میں نے ولایتِ علیؑ کے مقام کی معرفت کا حق ادا کردیا۔ مقام حضرت علیؑ کی قسم اگر۔ رسولؐ کے علاوہ جو حضرت علیؑ اور دوسروں کے بھی مولاؑ ہیں۔ ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین بھی حضرت علیؑ کی طرح ایک تکبیر کہنا چاہیں تو نہیں کہہ سکتے۔ ان کے دل کا حال ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اے عزیز! اس قدر لاف زنی مت کر، خدا کی محبت کا اتنا دعویٰ نہ کر۔ اے عارف، اے صوفی، اے حکیم، اے مجاہد، اے عبادت گزار، اے فقیہ، اے مومن، اے مقدس، اے گرفتار ان بے چارگی، اے حبِ نفس اور اس کی آرزوؤں کے غلامو تم سب بے بس ہو۔ لاچار ہو، خلوص و خداخواہی سے میلوں دور ہو، اپنے سے اتنا زیادہ حسن ظن نہ رکھو، اس قدر ناز و نخرے نہ کرو، ذرا اپنے دلوں سے پوچھو دیکھو وہ خداخواہ ہے یا خود خواہ ہے؟ موحد ہے اور ایک ذات کا طالب ہے یا مشرک ہے؟ پس یہ عُجب یعنی چہ؟ اپنے عمل پر اتنا خوش ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ بالفرض کوئی ایسا عمل ہو جس کے اجزا و شرائط مکمل ہوں، ریاکاری، عُجب، شرک و دیگر مفسدات سے خالی ہو جب بھی اس کا مقصد اگر تکمیل خواہشِ شکم و قوّتِ جنسی ہی تو ہے پھر اس میں یہ صلاحیت و قابلیت کہاں سے پیدا ہو گئی کہ تحویلِ ملائکہ میں دیدیا جائے؟ ایسے اعمال کو تو نظروں سے چھپانا چاہیے یہ اعمال قبائح اور فجائع کا مجموعہ ہیں ان پر شرمندہ ہونا چاہیے ان کو پوشیدہ رکھنا چاہیے (نہ کہ ان پر فخر کرنا چاہیے۔)

پروردگارا ہم بے چارے (اور کمزور) لوگ شیطان اور نفسِ امارہ کے شرور سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ معبود تو خود ہی ہم کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کے طفیل میں ان کی مکاریوں سے محفوظ رکھ!

تیسری حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۳، کتاب ایمان وکفر، باب عجب" حدیث ۳۔

۲: جامع السعادات جلد ۱، ص ۸ - ۳۵۷، المحجۃ البیضاء جلد ۶، ص ۷ - ۲۷۶۔

۳: اس کی تفصیل حدیث اوّل کے توضیحات ۱۴ میں ملاحظہ ہو۔

۴: اس کی تفصیل حدیث اوّل کے توضیحات ۱۶ میں دیکھیے۔

۵: مرآۃ العقول جلد ۱، ص ۲۱۸، کتاب ایمان وکفر" باب عجب، ذیل حدیث ۱۔

۶: ص ۱۰۰۔

۷: یہ کلام احادیث سے ماخوذ ہے کہ دنیا کی بلاؤں کو کسی شخص کی ایمان داری اور خدا کی محبت پر دلیل قرار دیا جائے۔ چنانچہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: «یُبْتَلَی الْمَرْءُ عَلٰی قَدْرِ حُبِّهِ» انسان اپنے خدا کی محبت کے برابر بلا میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: «وَمَا أَحَبَّ اللّٰهُ قَوْماً إِلَّا ابْتَلَاهُمْ.» خدا کسی گروہ کو دوست نہیں رکھتا مگر یہ کہ اس کو بلاؤں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بحارالانوار جلد ۶۴، ص ۲۳۶، کتاب ایمان وکفر" باب شدۃ ابتلاء المومن۔

۸: سورۂ فاطر آیت ۸۔

۹: سورۂ کہف آیت ۱۰۳ - ۱۰۵۔

۱۰: اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۳ کتاب ایمان وکفر، باب عجب حدیث ۱۔

۱۱: ملاحظہ ہو حدیثِ اوّل توضیحات ۔ ۵۱

۱۲: قال رسول اللہ «ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ: شُحٌّ مُطَاعٌ؛ وَهَوًى مُتَّبَعٌ؛ وَاَعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ. وَهُوَ مُحْبِطٌ لِلْعَمَلِ، وَهُوَ دَاعِيَةُ الْمَقْتِ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ.» تین چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں۔ ۱: اطاعت کیا

جانے والا بخل ۲: پیروی کی جانے والی خواہش ۳: انسان کی خود پسندی۔ یہ نیک کاموں کو برباد کردیتی ہے۔ خدا کے غصّہ کو بھڑکاتی ہے۔ بحارالانوار جلد ۶۹، ص ۳۲۱، کتاب ایمان وکفر "باب ۱۱۱، حدیث ۲۷۔

۱۳: وسائل الشیعہ جلد ۱، ص ۷۸، ابواب مقدمہ عبادات اکتاب طہارت، باب ۲۳، حدیث ۸۔

۱۴: «لاَ مَالَ اَعْوَدُ مِنَ الْعَقْلِ. وَلاَ وَحْدَةَ اَوْحَشُ مِنَ الْعُجْبِ» عقل سے زیادہ کوئی مال سودمند نہیں ہے۔ عجب سے زیادہ کسی بھی تنہائی کی وحشت اتنی نہیں ہوتی، وسائل الشیعہ جلد ۱، ص ۷۷، کتاب طہارات، ابواب مقدر عبادات باب ۲۳۔ حدیث ۱۴۔

۱۵: «فَاَخْبِرْنِي بِالذَّنْبِ الَّذِي اِذَا اَذْنَبَهُ ابْنُ آدَمَ اسْتَحْوَذْتَ عَلَيْهِ؟ قَالَ: اِذَا اَعْجَبَتْهُ نَفْسُهُ وَاسْتَكْثَرَ عَمَلَهُ وَصَغُرَ فِي عَيْنِهِ ذَنْبُهُ.» اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۴، کتاب ایمان وکفر باب عجب حدیث ۸۔

۱۶: توضیح - ۲۷، ص ۱۰۳

۱۷: ملاحظہ ہو حدیث اوّل توضیحات ۳۲۔

۱۸: «قَالَ اِبْلِيسُ لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِ لِجُنُودِهِ: اِذَا اسْتَمْكَنْتُ مِنِ ابْنِ آدَمَ فِي ثَلاَثٍ لَمْ اُبَالِ مَا عَمِلَ فَاِنَّهُ غَيْرُ مَقْبُولٍ مِنْهُ: اِذَا اسْتَكْثَرَ عَمَلَهُ، وَنَسِيَ ذَنْبَهُ وَدَخَلَهُ الْعُجْبُ.» خصال باب ۳، ص ۱۱۲، حدیث ۸۶۔

۱۹: ص ۱۰۰

۲۰: چنانچہ امام سجاد دعائے ابوحمزہ ثمالی میں فرماتے ہیں: «لَسْتُ اَتَّكِلُ فِي النَّجَاةِ مِنْ عِقَابِكَ عَلَى اَعْمَالِنَا بَلْ بِفَضْلِكَ عَلَيْنَا لِاَنَّكَ اَهْلُ التَّقْوَى وَالْمَغْفِرَةِ.» تیرے عذاب سے بچنے کے لئے میں اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ تیرے اس فضل پر بھروسہ کرتا ہوں جو تیرا میرے اوپر ہے اس لئے کہ تو ہی تقویٰ اور بخشنے کا سزاوار ہے۔

۲۱: چنانچہ امام سجاد فرماتے ہیں: «وَلاَ يَبْلُغُ مَبْلَغاً مِنْ طَاعَتِكَ وَاِنِ اجْتَهَدَ اِلاَّ كَانَ مُقَصِّراً دُونَ اسْتِحْقَاقِكَ بِفَضْلِكَ فَاَشْكَرُ عِبَادِكَ عَاجِزٌ عَنْ شُكْرِكَ وَاَعْبَدُهُمْ عَنْ طَاعَتِكَ.» لاکھ کوشش کے باوجود کوئی تیری اطاعت کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا۔ مگر یہ کہ تیرے فضل وکرم کے استحقاق کے مقابلہ میں بہرحال مقصر ہوگا۔ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ شاکر بندہ بھی تیرا شکریہ ادا کرنے سے عاجز ہے۔ اور سب سے زیادہ عبادت کرنے والا بھی تیری اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے۔ صحیفہ سجادیہ دعائے ۳۷، امام چہارم کی ۵ ا مناجاتوں میں مناجات عارفین!

۲۲: مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۴۶ کتاب الایمان والکفر "باب الشکر، حدیث ۸۔

۲۳: سورۂ نساء آیت ۷۹۔

۲۴: سورۂ آل عمران آیت۔ ۲۶۔

۲۵: یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ «خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعاً فَاسْلُكُوهُ.» سورۂ حاقہ آیت ۳۱،۳۲) اسے گرفتار کرکے طوق پہنا دو، پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔ پھر ایک زنجیر میں جو ستر گز کی ہے اس کو خوب جکڑ دو۔

۲۶: ملاحظہ ہو حدیث اوّل کی توضیح ۳۴۔

۲۷: اصولِ کافی جلد ۱ ص ۳۱۴، کتاب ایمان وکفر، باب عجب، حدیث ۸۔

۲۸: سورہ انعام آیت ۷۹۔

۲۹: اصل اس طرح ہے: «وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا.» جب میں دیارِ لیلیٰ کی دیواروں کی طرف سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں۔ دیار کی محبت میں میرا دل مشغول نہیں ہے۔ میرا دل تو اس میں لگا ہے جو اس دیار میں ساکن ہے۔ جامع الشواہد (جلد ۳ ص ۴۴۴ باب الواو بعدہ الطیم) میں ہے کہ اس کا قائل معلوم نہیں ہے۔

۳۰: یہ اس آیت سے ماخوذ ہے: «وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ.» سورۂ واقعہ آیت ۷۶۔

maablib.org

madlib.org

چوتھی حدیث

«بالسَّنَدِ الْمُتَّصل إلى مُحَمَّدِبْن يعقُوبَ عَنْ عليِّ بْنِ إبراهيم، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عيسى، عَنْ يونُسَ، عَنْ أبانٍ، عَنْ حَكِيمٍ، قالَ: سَألتُ أبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلام، عَنْ أدْنَى الْإلحَادِ فقالَ: إنَّ الْكِبْرَ أدْناهُ.»[1]

ترجمہ:

"حکیم نے کہا: میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے الحاد کے سب سے پست ترین درجہ کے بارے میں پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا: سب سے پست درجہ تکبر ہے۔

شرح:

تکبر[1] کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک ایسی نفسانی حالت (وکیفیت) پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اپنے کو دوسرے سے اونچا اور بڑا سمجھنے لگے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سے ایسے اعمال و آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں: یہ شخص تکبر کرتا ہے۔

تکبر، عُجب کے علاوہ ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا یہ بری و خبیث صفت

عُجب سے پیدا ہوتی ہے اور یہ عُجب ہی کا پھل ہے کیونکہ عُجب کا مطلب خودپسندی ہے اور تکبر کا مطلب دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا اور فخر کرنا ہے۔ انسان جب اپنے اندر کوئی کمال دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایک سرور، ناز و عشوہ سا پیدا ہو جاتا ہے اور اسی کو عُجب کہتے ہیں اور جب اس میں یہ احساس ہوتا ہے کہ دوسرے کے اندر یہ متوہم کمال نہیں ہے تو پھر اس کے اندر ایک دوسری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یعنی بڑکپن اور احساسِ برتری اور اسی حالت و کیفیت کو تکبر کہتے ہیں۔ اور یہ ساری چیزیں قلب اور باطن کے اندر پیدا ہوتی ہیں البتہ ان کا اثر ظاہر میں ہوتا ہے اب یہ اثر خواہ ہیئت بدن میں ہو یا قول یا فعل میں ہو (سب ہی) تکبر کہلاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ خود بین انسان خود خواہ ہو جاتا ہے اور جب خود خواہی میں اضافہ ہو جاتا ہے تو خود پسند ہو جاتا ہے اور جب خود پسندی سے لبریز ہو جاتا ہے تو خود فروشی کرنے لگتا ہے۔

یہ بات واضح کر دوں کہ صفات نفسانیہ خواہ نقص و رذائل کی طرف ہوں یا کمال و فضائل کی طرف یہ بہت باریک اور آپس میں مخلوط ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے ایک دوسرے میں فرق کرنا بہت ہی مشکل چیز ہے۔ اور زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ ان صفات کی حدبندی میں علمائے اعلام کے درمیان شدید اختلاف واقع ہو یا پھر صفت وجدانی کی کوئی ایسی تعریف ممکن نہ ہو جس میں خدشہ نہ ہو۔ اس لئے سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ان چیزوں کو وجدان کے حوالہ کر دیا جائے اور اپنے کو مفہوم تراشی کی قید سے آزاد کر لیا جائے اور اصل مقصد و مقصود کے بارے میں گفتگو کی جائے۔

اسلئے یہ معلوم ہوجانا چاہیئے کہ عُجب کیطرح تکبر کے بھی درجات ہیں اور عُجب کے بعض وہ درجات جنکی نظیر بھی ہے لیکن وہاں انکی زیادہ اہمیت نہیں تھی "اس لئے ذکر نہیں کئے گئے تھے" مگر یہاں ان کی اہمیت ہے اس لئے یہاں پر ذکر کئے جائیں گے۔ لیکن وہ چیزیں جن کی شبیہ عُجب میں گزر گئی ان کے چھ[۶] درجے ہیں۔

۱ ——— ایمان و عقائد حقہ کی بنا پر تکبر اور اس کا مقابل کفر اور عقائد باطلہ پر تکبر ہے۔

۲ ——— ملکات فاضلہ اور صفات حمیدہ کی بنا پر تکبر، اس کا مقابل بداخلاقی اور ملکاتِ خبیثہ پر تکبر ہے۔

۳ ——— مناسک و عبادات اور اعمال صالحہ کی بنا پر تکبر، اس کے مدِ مقابل گناہوں اور بُرے افعال پر تکبر کرنا ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے لئے جہاں یہ امکان ہے کہ اسی درجہ کے عجب کی پیداوار ہے وہاں اس کا بھی امکان ہے کہ ان کے پیدائش کے اسباب دوسرے ہوں۔ جن کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔[۲]

مگر یہاں پر جس تکبر سے بالخصوص بحث کی جائے گی وہ ایسا تکبر ہے جو اسورِ خارجیہ کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً حسب ونسب، مال ومنال، (حُسن وجمال، فضل وکمال) سیادت وریاست وغیرہ اور ہم انشاءاللہ چند فصلوں کے اندر بعض مفاسدِ رذیلہ اور ان کے معالجہ کی طرف حتیٰ القدور اشارہ کریں گے۔ اور خداوندِ عالم سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے اندر اور دوسروں کے اندر بھی اس کے اثر کی توفیق مرحمت فرمائے۔

پہلی فصل

تکبر کے درجات کا بیان

یہ جان لو کہ دوسرے اعتبار سے تکبر کے کئی درجے ہیں۔

۱۔۔۔۔ خدا سے اکڑنا۔

۲۔۔۔۔ انبیا، رسولوں، اولیا صلوات اللہ علیہم سے تکبر کرنا اور اکڑنا۔

۳۔۔۔۔ احکام الہٰی سے تکبر کرنا اس کا انجام بھی خدا سے تکبر کرنا ہے۔

۴۔۔۔۔ بندگانِ خدا سے تکبر کرنا اس کی بھی بازگشت اہلِ معرفت کے نزدیک خدا سے تکبر کی طرف ہے۔

سب سے بڑا اور بُرا و مہلک تکبر خدا سے تکبر کرنا ہے۔ یہ تکبر کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ اہلِ کفر وجحود اور الوہیت کے دعویداروں میں یہ تکبر پیدا ہوتا ہے اور کبھی تو یہ تکبر بعض اہلِ دیانت کے اندر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا ذکر مناسب نہیں ہے اور یہ نہایت جہالت و نادانی اور ممکن کا اپنی حد اور واجب الوجود کے مقام کو نہ جاننے سے ہوتا ہے۔

انبیا اور اولیا سے تکبر کرنا۔ اس تکبر کا اتفاق انبیا کے زمانہ میں بہت ہوتا تھا۔ خود خداوندِ عالم نے اس زمانہ کے لوگوں کی حالت کو بتایا ہے۔ (مثلاً) ارشاد ہوتا ہے۔

«أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا.» ۳

(بنی اسرائیل کے سرکش لوگ آپس میں کہنے لگے) کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں (موسیٰ وہارون) پر ایمان لائیں؟ (اور کفار قریش کے سرکش لوگ اپنی قوم سے کہنے لگے):

«لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ.» ۴

(یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا) اور صدر اسلام میں اولیائے خدا کے ساتھ بہت زیادہ تکبر کیا گیا۔ خود اس زمانہ میں بھی بعض نام نہاد مسلمانوں کے اندر یہ تکبر پایا جاتا ہے۔

احکامِ الٰہی کے سلسلہ میں تکبر کبھی تو بعض اہلِ معصیت کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً لباسِ احرام وغیرہ کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھتے ہوئے حج کو چھوڑ دینا، سجدہ کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوئے نماز ترک کر دینا یہ تکبر نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اور کبھی یہ تکبر بعض اہلِ مناسک وعبادت اور اہلِ علم و دیانت کے اندر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً ازروئے تکبر اذان کو ترک کر دینا یا اپنے جیسے اور اپنے سے کمتر والے سے حق بات کو سُن کر قبول نہ کرنا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک مطلب کو اپنے دوست یا اپنے جیسے آدمی سے سنتا ہے تو بڑی شدت کے ساتھ اس کی تردید کرتا ہے اور کہنے والے پر طعن وطنز کرتا ہے لیکن اسی مطلب کو اگر کسی دینی بزرگ یا دنیاوی بزرگ سے سنتا ہے تو فوراً قبول کر لیتا ہے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ شروع میں بڑی سختی سے تردید کر دے لیکن بعد میں پھر اسی سختی کے ساتھ قبول بھی کر لے۔ ایسا شخص حق کا طلب کرنے والا نہیں ہے۔ اس کے تکبر نے حق کے اوپر پردہ ڈال رکھا ہے اور بڑوں سے چاپلوسی نے اس کو گونگا و بہرا بنا دیا ہے یاد رکھئے یہ بڑوں سے چاپلوسی ممدوح کی تواضع والی صفت نہیں ہے۔

تکبر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ایسے علوم یا کتاب کو نہ پڑھائے جو اس کی شان کے مناسب نہ ہو۔ یا جو لوگ کوئی عنوان ظاہری نہیں رکھتے ان کو نہ پڑھائے۔ یا تھوڑی سے جماعت کو نہ پڑھائے (اسی طرح) چھوٹی سی مسجد میں جماعت نہ پڑھانا اور تھوڑی تعداد پر یہ جانتے ہوئے بھی کہ رضائے الٰہی اسی میں ہے قناعت نہ کرنا (بھی تکبر ہے)

البتہ کبھی یہ مطلب اتنا دقیق ہوتا ہے کہ خود متکبر اس بات کو نہیں سمجھ پاتا کہ اس کی یہ صفت بر بنائے تکبر ہے۔ ہاں اگر وہ اصلاحِ نفس پر اتر آئے اور نفس کی مکاریوں کو سمجھنے میں

بہت دقتِ نظر سے کام لے (تو شاید سمجھ لے)

بندگانِ الٰہی سے تکبر میں سب سے زیادہ بُرا تکبر وہ ہے جو علمائے باللہ اور دانشمندوں سے برتا جائے کیونکہ اس کے مفاسد سب سے زیادہ اور اس کا ضرر سب سے بڑا ہے، فقیروں کے ساتھ نہ اُٹھنا بیٹھنا، مجلسوں، محفلوں، راستوں، برتاؤ میں سب پر تقدم کرنا بھی تکبر ہے اور یہ تکبر اشراف و اعیان کے تمام طبقوں سے لے کر علما اور محدثین تک میں پایا جاتا ہے۔ (اسی طرح) مالداروں سے لے کر فقیروں تک میں پایا جاتا ہے۔ ہاں خدا کسی کی حفاظت کرے تو اور بات ہے۔ تواضع، چاپلوسی، تکبر، انکارِ نفس میں فرق و تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ انسان کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے تاکہ وہ ہدایت کرے۔ اور اگر انسان (واقعی) اپنی اصلاح کرنے پر اُتر آئے اور مطلوب کی جانب رواں دواں ہو جائے تو خداوندِ عالم اپنی رحمت واسعہ کے ذریعہ اس کی رہنمائی کرتا ہے اور سفر کو آسان کر دیتا ہے۔

دوسری فصل

تکبر کا اصل سبب

یوں تو تکبر کے بہت سے اسباب ہیں مگر سب کی بازگشت اس بات کی طرف ہے کہ انسان کو یہ وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر ایک کمال ہے اور اس توہمِ کمال کی وجہ سے اس کے اندر عُجب پیدا ہو جاتا ہے جو حُبِ نفس سے مل کر دوسروں کے کمال (کے سمجھنے) کا حجاب بن جاتا ہے اور وہ شخص دوسروں کو اپنے سے ناقص سمجھنے لگتا ہے اور یہی چیز ترفع قلبی یا ظاہری کا سبب بن جاتی ہے۔ مثلاً علمائے عرفان کے اندر کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کو اہلِ معارف و شہود سمجھنے لگتا ہے اور اصحابِ قلوب میں سے اپنے کو شمار کرنے لگتا ہے اور دوسروں پر اپنا بڑکپن ظاہر کرتا ہے، حکماء و فلاسفہ کو قشری، فقہاء و محدثین کو ظاہر بین اور باقی تمام لوگوں کو جانور سمجھتا ہے۔ اور تمام بندگانِ خدا کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور خود فناء فی اللہ و بقاء باللہ کی ڈینگ مارنے لگتا ہے اور اپنے لئے اس کے تحقق و ثبوت کا ڈنکا بجانے لگتا ہے۔ حالانکہ معارفِ الٰہیہ کا تقاضا ہے کہ موجودات کے بارے میں خوش بین ہو (اگر یہ خود صاحبِ معرفت ہوتا تو موجودات

کے لئے خوش بین ہوتا) اگر معرفت الٰہی اس کے شامہ میں پہونچ چکی ہوتی تو جلال و جمالِ حق کے مظاہر کے ساتھ تکبر نہ کرتا۔ چنانچہ مقام بیان و علم میں وہ خود اپنی اس حالت کے خلاف تصریح کرتا ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کے دل میں معارف کا وجود ہی نہیں ہے اور نہ بے چارہ مقامِ ایمان تک پہونچ سکا ہے۔ مگر عرفان کا دم بھرتا ہے اور عرفان کا کوئی حصہ اس کے پاس نہیں ہے مگر ثبوت و تحقق کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

حکماء میں بھی ایسے اشخاص ہوتے ہیں جو اپنے کو عالم بہ حقائق (اشیاء) اور صاحبِ برہان جانتے ہیں اور اپنے کو خدا، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں پر یقین رکھنے والا شمار کرتے ہیں، مخلوقاتِ الٰہی کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں، کسی بھی علم کو علم نہیں سمجھتے، تمام بندگانِ خدا کو علم و ایمان میں ناقص جانتے ہیں اور اپنے دل ہی دل میں ان پر تکبر کرتے ہیں، بلکہ ظاہر میں بھی لوگوں کے ساتھ نخوت و تکبر کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حالانکہ مقامِ ربوبیت کا علم اور ممکن کا احتیاج اس کے برخلاف کا متقاضی ہے۔ اور حکیم (دراصل) وہی ہوتا ہے جو مبدء و معاد کا علم رکھنے کی وجہ سے ملکۂ تواضع رکھتا ہو۔ بہ نصِ قرآن پروردگارِ عالم نے جناب لقمان کو حکمت عطا فرمائی[۵] تو انھوں نے اپنے بیٹے کو جو دستور و حکم دیئے ہیں قرآن ان کی حکایت کرتے ہوئے کہتا ہے:

«وَلاَ تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلاَ تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ.»[۶]

"لوگوں کے سامنے (غرور سے) اپنا منھ نہ پھلانا، اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا، کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔"

دعویدارانِ ارشاد و تصوف (اور مدعیان) تہذیب باطن کے اندر بھی ایسے اشخاص پیدا ہو جاتے ہیں جو لوگوں کے ساتھ متکبرانہ برتاؤ کرتے ہیں، اور علما و فقہا اور ان کے ماننے والوں کے بارے میں بدبین ہوتے ہیں، حکماء و علما پر طعن و طنز کرتے ہیں، اپنے اور اپنے ماننے والوں کے علاوہ سب ہی کو اہلِ ہلاکت سمجھتے ہیں، چونکہ ان کا دامن علم سے خالی ہے اس لئے علوم کو راستہ کا کانٹا خیال کرتے ہیں۔ اور اہلِ علم کو سالکین کے راستہ کا شیطان جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے لئے جس مقام کے مدعی ہیں اس کا تقاضا اس کے برخلاف کا ہے۔ (اس لئے کہ) مخلوق کے ہادی اور گمراہوں کے مُرشد کو مہلکات و موبقات سے مبرّا ہونا چاہیئے۔ اور دنیا کو ہیچ سمجھ کر جمالِ حق میں

محو ہو کر بندگانِ خدا سے تکبر نہ کرنا چاہیئے۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں بدبین ہونا چاہیئے۔

فقہاءٔ علمائے فقہ و حدیث اور ان کے طلاب میں بھی کبھی ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں اور اپنے کو تمام اکرام و احترام کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اور اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ہر شخص ان کی اطاعت کرے۔ وہ جو کہدیں بے چوں و چرا اس کو قبول کر لیا جائے وہ اپنے کو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتے بلکہ ساری دنیا کو اپنے سامنے جواب دہ سمجھتے ہیں۔[7] اپنے اور اپنے جیسے چند لوگوں کے علاوہ کسی کو اہلِ بہشت سے نہیں سمجھتے، جس علم کے جس طبقہ کا بھی ذکر آجائے اس پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اپنے علم کے علاوہ، حالانکہ ان کے پاس علم نہیں ہوتا، تمام علوم کو بے سمجھے بوجھے رد کر دیتے ہیں اور سببِ ہلاکت خیال کرتے ہیں، علما اور تمام علوم کو نادانی کی بنا پر رد کر دیتے ہیں۔ اور ایسا ظاہر کرتے ہیں گویا ان کی دیانت داری ان کو ان سب کی تردید پر مجبور کر رہی ہے اور ان کی توہین و تذلیل پر آمادہ کر رہی ہے۔ حالانکہ علم و دیانت اس قسم کے اخلاق و اطوار سے مُبرا ہے۔ بغیر جانے بوجھے جو بات کہی جائے شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ مسلمان کے احترام کو واجب قرار دیا ہے۔[8] مگر اس قسم کے اشخاص علم و دین سے بے خبر، خدا اور رسولؐ کے قول کے برخلاف اپنی باتوں کو دین قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ سلف و خلف کے بزرگ علما کی سیرت اس کے ہمیشہ خلاف رہی ہے۔

یہ حال تو علوم شرعیہ کا ہے جس کا ہر علم اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ علما کے اندر تواضع ہونی چاہیئے اور دلوں سے تکبر کی جڑ کو اکھاڑ کر پھینک دینا چاہیئے۔ (ویسے دنیا کا) کوئی علم نہ تکبر سکھاتا ہے نہ فروتنی کا مخالف ہے اور چونکہ مذکورہ بالا اشخاص کا علم ان کے عمل کے مطابق نہیں ہے (اسی لئے تکبر پیدا ہوتا ہے) اور ہم اسی کو بیان[9] کرنا چاہتے ہیں تمام علوم کے علما، مثلاً علم طب، ریاضی، طبیعی" اور باریک صنعتوں کے ماہرین جیسے بجلی کے مکینک وغیرہ میں بھی تکبر زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے علم کے علاوہ دوسرے علوم کو چاہے وہ جو ہو کچھ بھی نہیں سمجھتے (بلکہ) دوسرے علوم کے ماہرین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ہر فن کا ماہر یہی سمجھتا ہے کہ اصلی علم وہی ہے جو اس کے پاس ہے۔ اور یہ حضرات ظاہر بظاہر اور دل میں بھی لوگوں کے ساتھ تکبر کا برتاؤ کرتے ہیں حالانکہ وہ علم اس کا مقتضی نہیں ہے۔

اب رہے غیر اہلِ علم جیسے بعض اہلِ مناسک و عبادات وہ بھی لوگوں کے ساتھ

تکبر کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور حقیر خیال کرتے ہیں تمام لوگوں کا تو ذکر کیا ہے علما کو بھی اہلِ نجات نہیں جانتے۔ جب کبھی علم کی بات آتی ہے وہ کہتے ہیں۔ عمل کے بغیر علم کا کیا فائدہ؟ اصل چیز تو عمل ہے (یعنی) وہ عمل جو وہ کرتے ہیں اور اسی عمل کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر طبقہ کے لوگوں کو تکبر و عُجب کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ لوگ واقعی اہلِ عبادت و اخلاص ہوتے تو ان کا عمل خود ان کی اصلاح کرتا۔ نماز فحشاء و منکر سے روکتی ہے اور مومن کی معراج ہے مگر یہ پچاس سال سے نماز پڑھنے والا' واجب و مستحب اعمال کا پابند صفتِ کبر میں گرفتار۔ جو الحاد ہے۔ اور عُجب کا اسیر۔ جو دیگر منکرات سے شدید تر ہے۔ شیطان اور اس کی عادتوں سے نزدیک ہے۔ (آخر یہ کیسے ہوا؟) جو نماز فحشاء سے نہ روک سکے' قلب کی حفاظت نہ کر سکے۔ بلکہ کثرتِ نماز سے دل برباد ہو جائے وہ نماز' نماز نہیں ہے۔ جو نماز سختی سے پابندی کرنے کے بعد بھی شیطان اور اس کے خاص صفت تکبر سے نزدیک کر دے وہ نماز' نماز نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ نماز کی خاصیت ہو بلکہ یہ علم و عمل سے حاصل شدہ تکبر کی وجہ سے ہے۔

ان کے علاوہ اور جن چیزوں سے تکبر پیدا ہوتا ہے ان کی بھی بازگشت اپنے اندر ایک تو ہمی کمال کی پیدائش اور دوسرے کے یہاں اس کے فقدان کی طرف منجر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے عالی نسب اور بلند حسب کی بنا پر اس شخص پر تکبر کرے جس میں یہ نہ ہو۔ یا صاحب حُسن و جمال فاقدِ حُسن و زیبائی پر تکبر کرے یا طالبِ حُسن و زیبائی پر تکبر کرے۔ یا ایسا شخص جس کے پیرو بہت ہوں' مددگار بے انتہا ہوں' صاحبِ قبیلہ ہو۔ یہ کثرت شاگرد رکھتا ہو وہ ایسے پر فخر کرے جو ان تمام چیزوں سے محروم ہو۔ پس کم از کم سبب تکبر کمال متوہم ہے اور اس توہمی کمال پر خوش ہونا اور عُجب کا تکبر کا باعث ہونا اور دوسرے کا اس سے خالی ہونا بھی سببِ تکبر ہے۔ حد یہ ہے کہ فاسد اخلاق اور بُرے اعمال و کردار والے بھی کبھی دوسروں کے مقابلہ میں تکبر کرتے ہیں۔ کیوں کہ اپنے اندر کی صفات کو (خواہ وہ بُری ہوں) وہ ایک قسم کا کمال تصور کرتے ہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ خود متکبر آدمی بعض اسباب کی بنا پر اظہارِ تکبر سے پرہیز کرتا ہے۔ اور اس پر کوئی ترتیب اثر نہیں دیتا۔ مگر اس خبیث درخت کی جڑیں اس کے دل میں موجود رہتی ہیں۔ اس لئے اس کے آثار کبھی کبھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب

وہ اپنی طبعی حالت سے خارج ہوجاتا ہے۔ مثلاً جب وہ غصہ میں بے قابو ہوجائے۔ اس وقت اپنی عظمت و کبریائی کا بیان شروع کر دیتا ہے اور اپنی پونجی۔ خواہ وہ علم ہو یا عمل ہو یا کچھ اور۔ کو دوسرے کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے اور اس پر فخر کرنے لگتا ہے۔

اور کبھی اسبابِ خارجی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے تکبر کا اظہار کر بیٹھتا ہے۔ اور اور شدتِ تکبر کی وجہ سے اس کے ہاتھوں سے لگام چھوٹ جاتی ہے۔ پس کبھی تو اس کے اعمال و حرکات و سکنات میں تکبر کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ مثلاً مجالس میں جاتے وقت سب پر مُقدم ہونا چاہے اور جاتے و نکلتے وقت دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے فقیروں کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دے، ان کی نشستوں اور مجلسوں میں شرکت نہ کرے۔ اپنے ارد گرد احترام کا ایک ہالا بنالے۔ راستہ چلنے میں، لوگوں کے سوال کا جواب دینے میں، اور دوسرے کاموں میں تکبر کرنے لگے، اور بعض محققین۔ جن کے بہت سے اصول مطالب کو ہم نے اس حدیث میں ان سے لے کر ترجمہ کیا ہے۔ نے فرمایا ہے کہ اس عالم میں تکبر کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے مُنہ پھیر لے، گویا ان سے اعراض کرنا چاہتا ہے۔

اور عابد میں سب سے کم درجہ تکبر کا یہ ہے کہ لوگوں کو دیکھ کر صورت بگاڑلے اور چین بہ جبین ہوجائے۔ گویا یا تو لوگوں سے پرہیز کرنا چاہتا ہے یا لوگوں پر غضب ناک ہے۔ حالانکہ بے چارے کو یہ بھی نہیں معلوم کہ تقویٰ پیشانی میں نہیں ہوا کرتا، اور نہ صورت بگاڑنے میں ہوتا ہے۔ اور نہ لوگوں سے اعراض کرنے اور چہرے کو پلٹا لینے میں ہوتا ہے۔ اور نہ گردن کو ٹیڑھی کرنے اور سر کو جھکانے میں ہوتا ہے نہ دامن سمیٹ کر چلنے میں ہوتا ہے تقویٰ تو صرف دِل میں ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات نے فرمایا:

"تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینہ" کی طرف اشارہ فرمایا:

کبھی تکبر اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور دوسروں سے فخر و مباہات کرنے سے ظاہر ہوتا ہے اور اپنے نفس کی پاکیزگی بیان کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسے کوئی عبادت گزار مقامِ تفاخر میں کہے: میں نے تو فلاں عمل کیا ہے۔ اور اس سے اپنے عمل کو بڑا شمار کرنا اور دوسروں کے اعمال کی تنقیص کرنا مُراد ہو۔ کبھی متکبر تصریح نہیں کرتا مگر ایسی بات کرتا ہے جس کا لازمہ اپنے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ (یا جیسے) ایک عالم دوسرے سے کہے: تم کو کیا معلوم؟ میں نے فلاں کتاب اتنی مرتبہ پڑھی ہے۔ کتنے ہی سال مجامع علمی میں رہا ہوں، اساتید و اساطین فن کو دیکھا

ہے۔ بڑی زحمتیں اُٹھائی ہیں، کتابوں کی کتابیں لکھ ڈالی ہیں، تصنیف و تالیف اتنی کی ہے جو بیشمار ہے اور اسی طرح کی باتیں۔ پس ہر حالت میں نفس اور اس کی مکاریوں سے برابر خدا کی پناہ حاصل کرنی چاہیئے۔

تیسری فصل

تکبر سے پیدا ہونے والی برائیاں

یہ جان لو کہ تکبر وہ بُرائی ہے جو نہ صرف اپنے اندر بہت سی برائیاں رکھتی ہے بلکہ اس سے دوسری بے شمار برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہ صفت جہاں انسان کے ظاہری و باطنی کمالات میں رُکاوٹ بنتی ہے اور دینوی و اُخروی مسرتوں کے حصول سے مانع ہوتی ہے۔ وہیں بغض اور دشمنی کا بھی وسیلہ بنتی ہے اور انسان کو خلقِ خدا کی نظروں سے گرا دیتی ہے۔ اور انسان دوسروں کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور پھر دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کرنے لگتے ہیں اور اس کو ذلیل و رسوا کرنے لگتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کی ایک حدیث کافی میں ہے اس میں حضرت فرماتے ہیں: "ہر بندے کے مُنہ میں ایک لگام ہے اور ایک فرشتہ اس کی نگرانی پر معین ہے۔ جب بندہ تکبر کرتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے: تواضع کر خدا تجھے ذلیل کرے۔ پس وہ شخص ہمیشہ اپنی نظر میں سب سے بڑا ہے اور لوگوں کی نظروں میں سب سے چھوٹا ہے۔ اور جب بندہ تواضع کرتا ہے تو اس لگام کو جو اس کے مُنہ میں ہے بلند کرتا ہے اور کہتا ہے تو بلند ہو جا! خدا نے تجھ کو اعلیٰ و بلند کیا۔ ایسا آدمی اپنی نظر میں سب سے چھوٹا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔"

اے عزیز جو دماغ تیرے پاس ہے وہی دوسروں کے پاس بھی ہے۔ اگر تم فروتنی کرو گے تو فطری طور سے لوگ تمہارا احترام کریں گے اور تم کو بڑا مانیں گے۔ اور اگر تکبر کرو گے تو تمہاری ترقی کا راستہ مسدود ہو جائے گا۔ اور لوگوں کو قدرت حاصل ہو گئی تو تم کو ذلیل و رسوا کریں گے اور تمہاری کوئی پرواہ بھی نہ کریں گے۔ اور اگر قدرت نہ حاصل ہو سکی تو دل ہی دل

میں تم کو رسوا کریں گے اور ان کی نظروں میں تم ذلیل ہو گے تمہارا کوئی احترام نہ ہو گا۔ تم تواضع اور انکساری سے لوگوں کے دل جیت لو۔ جب دل تمہارے پاس ہو گا تو اس کے آثار خود بخود ظاہر ہوں گے۔ اور اگر تمہاری طرف سے دل پلٹ گئے تو اس کے آثار تمہارے مقصد کے خلاف ہونگے۔

فرض کرو تم احترام طلب ہو اور بزرگی چاہتے ہو تو تم وہی راستہ اختیار کرو جو ادھر لے جاتا ہو یعنی لوگوں سے تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ غرور اور تکبر کا نتیجہ تمہارے مطلب کے خلاف ہی نکلے گا۔ دنیا جو ایک آسان چیز ہے وہ تمہارے ہاتھ آئے گی نہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف نتیجہ نکلے گا۔ اس کے علاوہ تمہارے برے اخلاق کے نتیجہ میں آخرت میں بھی تمہاری ذلت وخواری کے اسباب فراہم ہوں گے۔

جس طرح اس دنیا میں تم نے لوگوں کو حقیر شمار کیا اور بندگانِ خدا پر اپنی برتری جتائی اور ان کے سامنے اپنی عزت، عظمت، جلال اور حشمت کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح آخرت میں یہ بڑائی ذلت ورسوائی کا سبب ہوگی۔

چنانچہ کافی کی حدیث شریف میں آیا ہے:

«بِإِسْنَادِهِ عَنْ دَاوُدِ بْنِ فَرْقَدٍ عَنْ أَخِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ: إِنَّ الْمُتَكَبِّرِينَ يُجْعَلُونَ فِي صُوَرِ الذَّرِّ يَتَوَطَّاهُمُ النَّاسُ حَتّٰى يَفْرُغَ اللّٰهُ مِنَ الْحِسَابِ.»[۲]

"داؤد بن فرقد کے بھائی کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: تکبر کرنے والوں کو کمزور چونٹیوں کی طرح قرار دے دیا جائے گا۔ جب تک خدا بندوں کے حساب سے فارغ نہ ہو جائے اس وقت تک لوگ ان کو روندتے رہیں گے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو وصیت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

«قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالْعَظَمَةَ وَالْكِبْرَ فَإِنَّ الْكِبْرَ رِدَاءُ اللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ؛ فَمَنْ نَازَعَ اللّٰهِ رِدَاءَهُ، قَصَمَهُ اللّٰهُ وَأَذَلَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.»[۱۳]

"خبردار تکبر اور بڑائی نہ کرنا۔ اس لئے کہ تکبر ذاتِ خدا کے لئے مخصوص ہے۔ اور جو شخص

خدا اس میں جھگڑا کرے گا۔ خدا اس کو برباد کردے گا اور قیامت میں ذلیل کرے گا۔" اور جب خدا کسی کو ذلیل کرے تو معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرے اور وہ شخص کس حال میں مبتلا ہو؟ کیونکہ آخرت کے امور دنیاوی امور سے فرق کرتے ہیں۔ آخرت کی ذلت دنیا کی ذلت سے مغایرت رکھتی ہے جیسے وہاں کی نعمتوں اور عذاب اور دنیا کی نعمتوں اور عذاب میں فرق ہے وہاں کی نعمت ہمارے تصورات سے بالا ہے وہاں کا عذاب ہمارے حوصلہ سے خارج ہے۔ وہاں کی کرامت ہمارے خیال سے مافوق ہے۔ وہاں کی ذلت و خواری کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اور تکبر کا آخری انجام جہنّم ہے۔

ایک حدیث میں ہے: «اَلْكِبْرُ مَطَايَا النَّارِ» [14] "جو شخص تکبر کی سواری پر سوار ہے وہ سواری اس کو جہنّم میں لے جائے گی۔" اور جب تک اس شخص میں اس صفت کا اثر باقی ہے۔ وہ جنّت کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔

چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

«لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ.» [15]

"جس شخص کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہو وہ ہرگز جنّت میں نہیں جا سکتا۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادقؑ نے بھی تقریباً یہی فرمایا ہے۔ [16]

اور کافی کی حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

«اَلْعِزُّ رِدَاءُ اللّٰهِ وَالْكِبْرُ إِزَارُهُ؛ فَمَنْ تَنَاوَلَ شَيْئاً مِنْهُ أَكَبَّهُ اللّٰهُ فِي جَهَنَّمَ.» [17]

"اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ عزّت و کبریائی صرف خدا کے لئے ہے۔ جو کوئی اس میں حصہ بنائے گا خدا اس کو مُنہ کے بل جہنّم میں پھینک دے گا۔" اور جو جہنّم متکبرین کے لئے ہے وہ علاوہ اس جہنّم کے ہے جو عام لوگوں کے لئے ہے۔

اب میں اس کمر شکن حدیث کو یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں جس حدیث کی یہی جگہ ہے۔ حالانکہ اس کا ترجمہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

«مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوب، عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيم، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ، عَنِ ابْنِ بُكَيْرٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ فِي جَهَنَّمَ لَوَادِياً لِلْمُتَكَبِّرِينَ يُقَالُ لَهُ «سَقَرُ» شَكَىٰ إِلَى اللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ، شِدَّةَ حَرِّهِ وَسَأَلَهُ أَنْ يَأْذَنَ لَهُ أَنْ يَتَنَفَّسَ؛ فَتَنَفَّسَ فَأَحْرَقَ جَهَنَّمَ.» [18]

یہ حدیث بہت معتبر ہے بلکہ مثل صحیح ہے۔ ابن بکیر نے امام صادقؑ سے نقل کیا کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا: "جہنم میں متکبرین کے لئے ایک (مخصوص) وادی ہے جس کو سقر کہتے ہیں۔ اس وادی نے خدا سے اپنی شدتِ حرارت کی شکایت کی اور خدا سے اجازت مانگی کہ اس کو ایک مرتبہ سانس لینے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ (اجازت ملنے کے بعد) اس نے ایک مرتبہ جب سانس لی تو پورا جہنم جل گیا۔"

میں خدا کی پناہ اس جگہ سے چاہتا ہوں کہ جو خود دار عذاب ہے مگر اپنے حرارت کی شکایت کرتی ہے۔ اور اپنے ایک تنفس سے جہنم کو جلادیتی ہے۔ آتشِ آخرت کی شدتِ حرارت و سختی کا ہم اس عالم میں ادراک نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ عذاب کے شدت و ضعف کے اختلاف کا سبب ایک تو خود ادراک کی قوت و ضعف ہوا کرتی ہے کہ مدرک جتنا قوی اور ادراک جتنا کامل اور خالص ہوگا اتنا ہی درد والم کا ادراک زیادہ ہوگا۔

دوسرے اختلاف کا سبب مادے پر ہوتا ہے کہ وہ حرارت جہنم کا اثر کس حد تک قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ حرارت کے قبول کرنے میں مادوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً جستہ اور سیسہ کے مقابلہ میں سونا اور لوہا حرارت کو زیادہ قبول کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں لکڑی اور کوئلے کے مقابلہ میں حرارت کو زیادہ جذب کرتے ہیں اور یہ سب چیزیں گوشت و پوست کے مقابلہ میں حرارت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

تیسرا فرق: حس کرنے کی صلاحیت کا باہمی تفاوت بھی ہوا کرتا ہے۔ مثلاً انسانی دماغ جو ہڈیوں وغیرہ کے مقابلہ میں حرارت کو کم قبول کرتا ہے مگر اس پر حرارت کا اثر اس لئے کہیں زیادہ ہوتا ہے کہ اس کی قوتِ حس بہت تیز ہوتی ہے۔

چوتھا سبب اختلاف خود حرارت کی کمی اور زیادتی ہوتی ہے مثلاً اگر آگ ۱۰۰ درجہ سینٹی گریڈ پہ ہوگی تو زیادہ شدید اور جلانے والی ہوگی بہ نسبت اس آگ کے جو ۵۰ درجہ سینٹی گریڈ پہ ہو۔

پانچواں سبب اختلاف یہ بھی ہوتا ہے کہ حرارت پیدا کرنے والے مادے اور اس کو قبول کرنے والے مادے کے درمیان کتنا ربط اور کتنا فاصلہ ہے مثلاً آگ ہاتھ کے قریب رکھی جائے یا ہاتھ پر رکھی جائے تو دونوں کے جلانے میں فرق ہوگا۔

یہ پانچواں اسباب جن کا اوپر ذکر کیا گیا اس دنیائے فانی میں بہت ہی زیادہ ناقص ہیں۔

اور عالمِ آخرت میں اپنی پوری قوت اور پورے کمال پر ہوں گے۔ (یہی نہیں) اس دنیا میں ہمارے تمام ادراکات اور احساسات ناقص وضعیف اور بے شمار پردوں میں چھپے ہیں۔ جن کا ذکر موجب تطویل ہونے کے ساتھ اس مقام کے مناسب نہیں ہے۔

آج ہماری آنکھیں ملائکہ، بہشت، جہنّم کو نہیں دیکھ سکتیں، ہمارے کان برزخ و اہلِ برزخ وقیامت واہلِ قیامت کی عجیب و غریب آوازوں کو نہیں سُن سکتے، ہم وہاں کی حرارت کا احساس نہیں کر سکتے، یہ خود ان چیزوں کا نقص ہے۔ آیات واخبارِ اہلِ بیت صلوات اللہ علیہم ان مطالب سے صراحتاً وکنایتاً بھرے پڑے ہیں۔

لیکن انسان کا بدن اس دنیا میں حرارت کو برداشت کرنے والا نہیں ہے۔ اگر اس دنیا کی آگ میں جو (آخرت کی آگ کے مقابلہ میں بہت ہی) سرد ہے۔ ایک گھنٹہ بھی رہ جائے تو جل کر خاکستر ہو جائے گا۔ لیکن خدائے قادر اسی بدن کو قیامت میں اس طرح خلق کرے گا کہ آتشِ جہنّم میں بقول حضرت جبرئیلؑ اہلِ جہنّم کی ستّر ہاتھ زنجیر میں سے صرف ایک کڑی اس دنیا میں لائی جائے تو اس کی شدتِ حرارت سے دنیا کے تمام پہاڑ پگھل جائیں۔[19] ہمیشہ باقی رہے گا اور کبھی نہ پگھلے گا نہ ختم ہو گا۔ قیامت میں انسانی بدن کی صلاحیت بھی اس دنیا سے قابلِ قیاس نہیں ہے۔

(اسی طرح) اس دنیا میں جسم و روح کا جو رابطہ ہے وہ بہت ہی ضعیف و ناقص ہے۔ اس عالم میں اس کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ روح اس میں اپنی قوتوں کا اظہار کر سکے۔ البتہ عالمِ آخرت روح کے ظہور کی مملکت ہے۔ وہاں روح کا جسم کے ساتھ فاعلیت اور خلاقیت کا رشتہ ہے اور یہ رشتہ اپنی جگہ پر ثابت و قائم رہے گا۔[20] اس لئے یہ ارتباط کی انتہائی شکل اور مکمل ترین درجہ ہے۔

اور اس دنیا کی آگ وہ تو ایک افسردہ اور ٹھنڈی قسم کی آگ ہے۔ اور ایک عارضی چیز ہے جس میں خارجی چیزیں اور غیر خالص چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ لیکن جہنّم کی آگ (معاذ اللہ) خالص ہے۔ اس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہیں ہے۔ وہ جوہر قائم بالذات ہے۔ حیّ اور مرید ہے۔ وہ باشعور ہے۔ اہلِ جہنّم کو جلائے گی اور جتنا اس کو حکم دیا گیا اس کی اعتبار سے جہنمیوں کو فشار دیگی جبرئیل امین جو صادق و مصدق ہیں ان کا قول آپ نے جہنّم کے بارے میں پڑھ ہی لیا۔ قرآن اور روایاتِ انبیا جہنّم کی صفات سے پُر ہیں۔

البتہ آتشِ جہنّم کے انسانی جسم پر اثر انداز ہونے کی اس دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے۔ اس دُنیا کی تمام آگ اگر کسی انسان کو گھیر لے تب بھی وہ صرف ظاہری سطح ہی کا تو لحاظ کر سکتی ہے۔ لیکن آتشِ جہنّم کا حصار اتنا وسیع ہے کہ وہ اپنے تمام متعلقات کے ساتھ انسان کے ظاہر و باطن اور اس کے تمام حواس کے وسائل کا احاطہ کرے گی۔ یہ وہ آگ ہے جو دل و روح اور قویٰ کو بھی جلادے گی۔ اور پھر ان میں ایک ایسا اتحاد پیدا ہو جائے گا جس کی اس دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس دنیا میں موجبات عذاب کسی بھی طرح فراہم نہیں ہیں۔ نہ یہاں کا مادہ وہ صلاحیت رکھتا ہے کہ حرارت کا پورا اثر قبول کر سکے۔ نہ یہاں کی حرارت پوری طرح کسی پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے، اور نہ ہی مکمل ادراک ہو سکتا ہے۔ وہ آتش جس کے سانس لینے سے پورا جہنّم جل جائے۔ ہم نہ اس کا ادراک کر سکتے ہیں نہ تصور کر سکتے ہیں۔ مگر یہ کہ خدانا خواستہ ہمارا شمار متکبروں میں ہونے لگے۔ اور اس ناہنجار صفت کا علاج کئے بغیر ہم اس دنیا سے کوچ کر جائیں۔ اور دوسری دُنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

"فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ" [۲۱]

"پس تکبر کرنے والوں کا کتنا برا ٹھکانا ہے"۔

چوتھی فصل

تکبر کے اسباب

ان امور کے علاوہ جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ تکبر کے دیگر اور بھی اسباب ہیں۔

۱ــــــ چھوٹے دماغ کا ہونا۔

۲ــــــ قابلیت و صلاحیت (کا فقدان) یا کمی۔

۳ــــــ پستی فطرت۔

۴ــــــ کم حوصلگی یہ اسباب بھی تکبر کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جب آدمی کم ظرف ہوتا ہے تو اپنے اندر ایک کمال دیکھنے کے ساتھ ہی

یا ایک امتیاز کا مشاہدہ کرتے ہی اس کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ اب وہ بھی ایک مقام و مرتبہ کا مالک ہو گیا۔ حالانکہ اگر وہ بہ نظر انصاف یا بہ نظر اعتبار دیکھتا کہ جو امتیاز اسے حاصل ہوا ہے یا جس کمال سے وہ متصف ہوا ہے تو وہ خود ہی سمجھ لیتا کہ جس کو اس نے کمال سمجھا ہے اور جس پر تکبر و افتخار کر رہا ہے وہ در حقیقت کمال ہی نہیں ہے یا اگر ہے بھی تو دوسروں کے کمالات کے مقابلہ میں قابلِ اعتناء نہیں ہے۔ (اور وہ یہ سمجھ جاتا) کہ یہ مُنہ تو طمانچے مار مار کر سُرخ کیا گیا ہے۔

یعنی "اِسْتِسْمَنْتَ ذَا وَرَمٍ۔"[۲۲]

مثلاً ایک عارف جو اپنے عرفان کی وجہ سے دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور تکبر کرتا ہے اور دوسروں کو قشری و ظاہری کہتا ہے اس کے پاس بھی ایک ان مفہومات کے "مجموعے جو حقائق کے لئے سدِّ راہ اور حجاب بنے ہوئے ہیں" کے علاوہ معارفِ الٰہیہ میں سے کیا ہے؟ اور زرق و برق دلفریب اصطلاحات کا بھلا معارفِ الٰہیہ سے کیا ربط ہے؟ یہ چیزیں خدا شناسی، اسماء و صفات کے علم سے کوسوں دور ہیں۔ معرفت قلبی صفت ہے۔ میرے نظریہ کے مطابق یہ تمام کے تمام علوم عملی ہیں۔ محض مفاہیم کا سمجھ لینا اور اصطلاحات کا وضع کر لینا علم نہیں ہے۔ میں نے اپنی اس کم عمری و کم علمی کے باوجود ان اصطلاحی عرفا اور دیگر علوم کے علما کے درمیان، اسی علم و عرفان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسے اشخاص بھی دیکھے ہیں کہ ان اصطلاحات نے ان کے دلوں پر کوئی بھی اثر نہیں کیا۔ بلکہ اُلٹا اثر کیا ہے۔

اے عزیز! بقول تمہارے عرفان باللہ قلب کو اسماء و صفات کی تجلیات کا محل اور جلوۂ ذات کا مرکز بناتا ہے۔ اور سلطانِ حقیقی کے نزول اجلال کے قابل ہونے کی فضیلت عطا کرتا ہے۔ کثافت و گندگیوں کے رنگ برنگ مختلف آثار کو مٹا دیتا ہے۔ تعینات کے زنگ کو دور کر دیتا ہے۔

﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً.﴾[۲۳]

"بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اُجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔"

اور (جب قلب پر سلطانِ حقیقی کا قبضہ ہو جاتا ہے تو) وہ قلب کو احدی اور احمدی بنا دیتا ہے۔ پس تم نے آخر کیوں اپنے قلب کو اپنے ہی جمال میں محو (نظارہ) بنا دیا ہے۔ اور تمام رنگینیوں کو سمیٹ کر تعینات و اضافات کا میلہ لگا رکھا ہے؟ تم نے اپنے دل کو کیوں حق اور اس

کے اسماء کے تجلیات سے غافل بنا رکھا ہے۔؟ آخر تم نے اپنے قلب کو کیوں شیطان کی منزل بنا کر بندگانِ الٰہی اور خاصانِ درگاہِ حق اور جمالِ محبوب کے جلوؤں کو حقارت و پستی کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا ہے؟ اے (نام نہاد) عارف تیری حالت پر افسوس ہے تیری حالت تو سب سے بدتر ہے اور حجت تیرے اوپر تمام ہے (تعجب ہے) تو حق کے ساتھ تکبر کرتا ہے۔ تو اسماء و صفات و تجلیات ذات کے سامنے بھی فرعونیت کا مظاہر کرتا ہے؟

اے مفاہیم کے رٹو طوطے، اے حقیقتوں سے گمراہ! ذرا غور تو کر تیرے پاس معارف کا کیا علم ہے؟ ذات و صفاتِ حق کا اثر تو اپنے میں کتنا پاتا ہے؟ علم موسیقی، آوازوں کی ہم آہنگی، شاید تیرے علم سے زیادہ دقیق ہو، علم ہیئت، ٹیکنالوجی، تمام علوم طبیعی، سائنس اور ریاضی اصطلاحات اپنی پیچیدگی و نزاکت کے اعتبار سے شاید تیرے علم کے مساوی ہوں۔ جس طرح یہ علوم عرفان خدا سے تعلق نہیں رکھتے اسی طرح تیرا علم بھی اعتبارات و مفاہیم و اصطلاحات کے پردوں میں چھپا ہوا ہے نہ اس سے کوئی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے نہ حال ۲۴ بلکہ شریعت علم کے اعتبار سے طبیعی، ریاضی علوم تیرے علم سے بہتر ہیں۔ کیونکہ ان سے کچھ نہ کچھ حاصل تو ہوتا ہے مگر تیرا علم نہ صرف یہ کہ لاحاصل ہے بلکہ کبھی اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔

جیومیٹری کا ماہر اپنے علم سے انجینئرنگ میں فائدہ اٹھاتا ہے، سنار اپنی صنعت کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن تو اپنے علم سے دنیاوی فائدہ تو درکنار معرفت بھی نہیں حاصل کر سکتا تیری آنکھوں پر پڑا ہوا پردہ اتنا دبیز ہے کہ تجھے مقامِ احدیت کی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی۔ تو ایسی گھنگھور گھٹاؤں میں گھرا ہوا ہے کہ اسماء و صفات کا ایک کرشمہ بھی نظر نہیں آتا اور غیر متناہی کثرت (کے شور و غل) میں ایک گفتگو بھی نہیں سن سکتا" اور انھیں اصطلاحات کی بھول بھلیوں میں تجھے حقائق و معارف کا راستہ بھی نہیں دکھائی دیتا۔ اس کے باوجود تو اسی سرمائے پر علمائے حق کے سامنے افتخار و تکبر کرتا ہے، جو معرفت دل کی کدورت بڑھا دے وہ معرفت نہیں ہے، ان معارف پر وائے ہو جو اپنے مالک کے انجام کو شیطان کا وارث بنا دیں۔

تکبر شیطان کا خاصہ ہے اس نے تیرے باپ آدم علیہ السلام سے تکبر کیا تھا جس کی بنا پر درگاہِ الٰہی سے نکالا گیا۔ اور تو تو آدمیوں، آدم زادوں سے تکبر کرتا ہے۔ لہٰذا تو بھی راندۂ دربار کیا جائے گا۔

اسی سے تمام علوم کی حقیقت کو سمجھ لو کہ حکیم اگر (واقعی) حکیم ہے اور حق تعالےٰ کے

مقام کو اپنی نسبت، اپنے مقام اور دوسروں کی نسبت سے سمجھتا ہے تو اس کے دل سے غرور چلا جائے گا۔ اور وہ اس برائی سے آزاد ہو جائے گا۔ لیکن یہ بے چارہ انھیں مفاہیم و اصطلاحات کے پیچھے دوڑنے والا اسی دھوکہ میں رہتا ہے کہ (اصل) حکمت یہی ہے۔ اور صرف وہی اُن کا ماہر، حکیم و عالم ہے (اسی لئے) کبھی وہ اپنے کو صفات واجب سے متصف سمجھنے لگتا ہے اور کہتا ہے حکیم (ہونا) خدا کی صفت ہے۔

«اَلْحِكْمَةُ هِيَ التَّشَبُّهُ بِالْإِلٰهِ.» [۲۵]

"اور کبھی اپنے کو انبیاء و مرسلین کے زمرے میں شمار کرنے لگتا ہے اور:

«وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ» [۲۶]

کا راگ الاپنے لگتا ہے اور کبھی اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ [۲۷] وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا [۲۸] کی تلاوت کرنے لگتا ہے۔ (حالانکہ) اس کا دل حکمت سے بے خبر خیرات سے ہزاروں میل دور، اور حکمت سے بے بہرہ ہے۔

حکیم الٰہی، اسلام کے بہت بڑے فلسفی جناب محقق داماد [۲۹] رضوان اللہ علیہ فرماتے ہیں: حکیم وہ ہے جس کا بدن (درحقیقت) اس کے لئے لباس ہو۔ جب چاہے اس کو پہن لے جب چاہے اتار دے۔ (سوچئے) وہ کیا فرماتے تھے اور ہم کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے حکمت سے کیا سمجھا تھا اور ہم نے کیا سمجھا ہے؟ بس تو چند (رٹی ہوئی) اصطلاحوں اور مفاہیم پر ناز کرتا ہے اور لوگوں سے غرور سے پیش آتا ہے یہ تیری کم ظرفی و کم حوصلگی ہے اور کم علمی ہے۔

وہ جو شخص اپنے کو لوگوں کا مرشد اور ہادی سمجھتا ہے اور مسندِ ارشاد و تصوف پر براجمان ہے اس کا حال ان دو گروہوں سے بدتر مگر ناز و نخرہ پیش تر ہے۔ اس نے اصطلاحات کا ذخیرہ ان دونوں گروہوں سے چرا کر اپنی متاع کو ان سے سجا لیا ہے تاکہ بازار میں اس کے اونچے دام لگیں، ان کے وسیلہ سے اس نے بندگانِ خدا کے دلوں کو حق سے منحرف کر کے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور ان سادہ لوح اور پاک دل حضرات کو علما اور دیگر لوگوں کا مخالف بنا دیا ہے، اپنے بازار کو چمکانے کے لئے جان بوجھ کر یا بلا سوچے سمجھے چند جاذب نظر اصطلاحات سے بیچارے عوام کو پھنسا لیا ہے۔ اس کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ "مجذوب علی شاہ" یا "محبوب علی شاہ" (نام رکھ لینے) سے حال و جذب کی کیفیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

اے طالبِ دنیا، اے مفاہیم کے چور تیری یہ کارکردگی جو توہم پر مبنی ہے۔ اس قدر

غرور و تکبر کی چیز تو نہیں ہے۔ (تو) بے چارہ تو اپنے چھوٹے دماغ اور پست حوصلہ ہونے کی وجہ سے دھوکہ میں رہا، اپنے آپ کو صاحب مقام سمجھتا رہا۔ تو نے حُبِّ نفس و دنیا کو چرائے ہوئے مفاہیم، اضافات و اعتبارات سے ملا کر ایک ناہنجار چیز کو جنم دیا اور ان سب کو ملا کر ایک عجیب معجون تیار کیا اور نرالا ملغوبہ بنایا۔ اور پھر (ستم بالائے ستم) ان تمام عیوب کے ساتھ اپنے کو مرشد خلائق اور نجات اُمت کا (ضامن و) ہادی اور سر شریعت کا مالک سمجھتا رہا۔ بے شرمی کی انتہا یہ ہو گئی کہ اپنی حدوں سے بڑھ کر اپنے کو ولایت مطلقہ کا حامل سمجھنے لگا۔ اور یہ بھی استعداد و قابلیت کی کمی، سینہ کی تنگی اور دل کی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔

تو فقہ و حدیث و دیگر علوم شریعہ کا طالب علم ہو کر بھی چند اُن اصطلاحوں کے علاوہ جو اصول و حدیث میں رائج ہیں کچھ بھی تو نہیں جانتا۔ اگر اس علم نے جو تمام کا تمام عمل ہے، تمہارے اندر کوئی اضافہ نہیں کیا، تمہاری کوئی اصلاح نہیں کی بلکہ (اس کے بجائے) عملی و اخلاقی مفاسد بڑھا دیئے تو تمہارا کام دیگر تمام علوم کے علما سے پست و ناچیز ہے۔ بلکہ تمام عوام کے کاموں سے بھی بدتر ہے۔ یہ عرضی مفاہیم، اور حرفی معانی اور بے فائدہ بحثیں۔ جن میں سے اکثر کا دینِ خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ علوم میں ان کا شمار ہے۔ جن کا تم نے ثمرہ علمیہ نام دے رکھا ہے۔ ایسی نہیں ہیں کہ تم ان پر اتراؤ اور غرور کرو، خدا شاہد ہے:

وَ کَفٰی بِہٖ شَہِیداً:

"اور یہ بہت بڑی گواہی ہے۔" کہ اگر علم کا یہی نتیجہ ہے اور وہ تم کو ہدایت نہیں کر سکتا، اخلاقی و عملی مفاسد کو تم سے دور نہیں کر سکتا تو سب سے پست درجہ کا مشغلہ بھی اس سے بہتر ہے۔ کیوں کہ ان کا فائدہ تو فوری ہوتا ہے اور ان میں دنیاوی و اخروی مفاسد بھی کم ہیں۔ اور تم کو نتیجہ میں وبال (و جنجال) کے علاوہ کچھ نہ ملے اور اخلاقی مفاسد و بُرے اعمال کے علاوہ کوئی ثمرہ نہ ہو۔ (تو اس علم کا کیا فائدہ؟) پس علمی اعتبار سے بھی تو تمہارا علم باعث تکبر نہیں ہے۔ بس چونکہ تمہارے علم کا افق بہت ہی زیادہ کوتاہ ہے اس لئے دو چار علمی اصطلاحوں کو اِدھر اُدھر (استعمال) کر کے تم اپنے کو بہت بڑا عالم اور تمام لوگوں کو جاہل سمجھنے لگتے ہو اور ملائکہ مقربین کے پروں کو روندنے لگتے ہو۔ ۲۱ مجالس میں دوسروں کے لئے جگہوں کو اور گلیوں، کوچوں میں راستوں کو لوگوں کے لئے تنگ کرنے لگتے ہو۔

اور ان سب میں ذلیل و حقیر وہ شخص ہے جو ظاہری امور جیسے مال و منال، حشم و خدم

پر تکبر کرے یہ بے چارہ تو آدمیت کے تمام اخلاق اور انسانی آداب سے بھی دور ہے، اس کا ہاتھ تمام علوم و معارف سے خالی ہے، لیکن چونکہ اس نے بھیڑ کی اون کا لباس پہن رکھا ہے اور اس کا باپ فلاں بن فلاں ہے لہٰذا وہ لوگوں پر غرور کرتا ہے۔ کتنی کوتاہ ذہنیت اور تاریک قلب والا آدمی ہے کہ تمام کمالات سے منہ موڑ کر بہترین لباس اور زیب و زینب کو چھوڑ کر ٹوپی اور قبا کی خوبصورتی پر قانع ہے۔ یہ بے چارہ تمام انسانی بلندیوں سے مبرا اور حقیقتوں سے ناواقف ہونے کے باوجود اپنے آپ کو صاحبِ مقام و رتبہ سمجھتا ہے۔ یہ تو اتنا نالائق ہے کہ اگر کوئی دنیاوی اعتبار سے اس سے ذرا اونچا ہو تو اس سے ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے غلام اپنے آقا سے کرتا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جس کی نظر میں صرف دنیا ہی دنیا ہو وہ دنیا اور اہل دنیا کا غلام ہی ہوتا ہے۔ اور اس کا معبود وہی ہے جس کے پاس دنیا ہو۔

بہر حال غرور کے قوی ترین عوامل میں سے ایک کوتاہی فکر اور صلاحیت کی کمی ہے۔ اسی لئے جو چیز کمال نہیں ہے یا کمال سمجھے جانے کے لائق نہیں ہے اس میں شدت کے ساتھ اثر پیدا کرتی ہے اور اس میں عُجب و غرور پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے اندر حُبّ نفس اور حُبّ دُنیا جتنا زیادہ ہو گی یہ چیزیں اس میں زیادہ اثر انداز ہوں گی۔

پانچویں فصل

تکبر کا علاج

اب جبکہ غرور کے مفاسد تم کو معلوم ہو چکے تو اب نفس کے علاج کی فکر کرو، اور دل کو کدورت سے پاک کرنے کی ہمت کر لو اور آئینۂ دل کو اس غبار غلیظ سے صاف کر ڈالو اور اگر تم (واقعی) قوت ارادی اور کشادگیٔ قلب کے مالک ہو اور (ابھی) حُبِ دنیا تمھارے دِل میں مضبوط نہیں ہوئی اور زیبائش دنیا تمھارے قلب میں جلوہ فگن نہیں ہوئی اور چشم انصاف کھلی ہے تو گزشتہ فصل ہی اس کے علمی علاج کے لئے کافی ہے۔

اور اگر ابھی تم اس مرحلے میں نہیں پہونچے ہو تو اپنے حالات میں تھوڑا غور و فکر کرو، ہو سکتا ہے تمھارا دل بے دار ہو جائے۔ اے انسان تو ابتدا میں کچھ نہ تھا، تو لا متناہی زمانوں تک

پر وہ عدم میں تھا، عدم سے بدتر تھا اور صفحۂ وجود سے مٹانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ پھر جب تیری پیدائش سے ارادۂ حق کا تعلق ہوا تو چونکہ ناقص القابلیہ تھا اور پست وناچیز تھا اور فیض کے قبول کی تیرے اندر صلاحیت نہ تھی اس لئے تجھ کو اس عالم مادی۔ جو محض بالقوۃ تھا اور خالص صفت (وناتوانی) کے کچھ نہ تھا۔ سے عنصری اور جسمانی۔ جو ذلیل ترین موجودات اور پست ترین کائنات ہے۔ صورت میں لایا، اور پھر وہاں سے نطفہ۔ یہ وہ چیز ہے کہ اگر تمہارے ہاتھ میں لگ جائے تو تم اس کو بہت ہی گندہ سمجھو گے اور بڑی زحمت سے پاک کرو گے۔ کی صورت میں لایا۔ اور اس نطفہ کو نہایت ہی گندی اور پلید چیز یعنی خصیتین کے اندر جگہ دی اور پھر اس کو پیشاب کی نالیوں کے ذریعے نہایت ہی بُری اور زشت حالت میں یعنی رحم مادر میں پہونچا۔ اور تجھ کو ایسی جگہ رکھا جس کے ذکر سے بھی تمہیں (کراہت) ونفرت ہوگی۔ وہاں پر تجھے علقہ اور مضغہ کی صورت عطا کی۔ اور ایسی چیز تیری غذا قرار دی گئی (خون حیض اسی لئے عموماً حمل کے زمانہ میں عورتوں کو حیض نہیں آیا کرتا الا ماشذ ونذر) جس کے سُننے سے بھی تجھ کو وحشت ہوگی۔ اور شرم آئے گی لیکن چونکہ سب ہی اس مصیبت میں مبتلا ہیں اس لئے شرم نہیں آتی۔

«وَالْبَلِيَّةُ إِذَا عَمَّتْ طَابَتْ.»[۴۲] "مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو خوشگوار بن جاتی ہے" بلکہ فارسی زبان میں اس سے ملتی جلتی چیز کو اس طرح بھی کہا گیا ہے۔ "مرگ انبوہ جشنے دارد" ان تمام تبدیلیوں کے دوران تو ایک حقیر ترین اور پست ترین موجودات میں سے تھا۔ تمام ظاہری وباطنی ادراکات سے خالی اور تمام کمالات سے تہی دست تھا۔ پھر جب خدا نے اپنی وسیع رحمت سے تجھ کو زندگی بخشی اس وقت بھی تیرے اندر زندگی اتنی ناقص تھی کہ تو ایک کیڑے سے بھی بدتر تھا اور یہ سب تیری قابلیت کی نقص کی وجہ سے تھا۔ پھر بتدریج خداوند عالم نے زندگی اور آثار زندگی تیرے اندر زیادہ فرمایا۔ یہاں تک کہ تم دنیا میں پست ترین راستہ سے اور پست ترین حالات میں اس (کشادہ) فضا میں آنے کے لائق ہوئے، اور اس وقت بھی تم اپنی صلاحیتوں کو کام میں لانے کے اعتبار سے تمام حیوانات کے بچوں سے زیادہ کمزور وپست تھے۔ پھر خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے تم کو ظاہری اور باطنی قوتوں سے نوازا، لیکن پھر بھی تو اتنا ضعیف وناتوان تھا کہ اپنی کسی قوت کو نہ استعمال کر سکتا تھا نہ اپنی صحت کی حفاظت کر سکتا تھا۔ نہ اپنی زندگی وطاقت کی حفاظت کر سکتا تھا۔ اور بڑا ہونے کے بعد بھی ان چیزوں پر قادر نہیں ہے بلکہ خوبصورتی وجوانی کو بھی محفوظ رکھنے پر قدرت نہیں رکھتا، اگر کوئی مصیبت یا بیماری تجھ پر ٹوٹ پڑے تو اُس

کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ اب بھی تمہارے بس میں کچھ نہیں ہے۔ اگر ایک دن بھی بھوکا رہنا پڑ جائے تو تم کوئی بھی مُردار اور گندی چیز کھانے پر تیار ہو جاؤ گے۔ اگر پیاس کا غلبہ ہو جائے تو کوئی بھی گندا اور ناپاک پانی پینے پر تیار ہو جاؤ گے۔ اسی طرح ہر معاملہ میں تم ایک ایسے بندۂ ذلیل ہو جو کسی چیز پر قادر نہیں ہے۔ اور اگر تم اپنا قیاس دنیا کی دوسری موجودات اور ان کے کمالات سے کرو تو دیکھو گے کہ صرف تم ہی نہیں بلکہ پورا کرۂ ارض بلکہ یہ پورا تمہارا نظامِ شمسی اس عالمِ طبیعی کے مقابلہ میں پست ترین نظام ہے۔ اور کائنات میں سب سے چھوٹا کُرہ ہے۔ اس کی تو کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے۔

میرے عزیز تم نے ابھی اپنے سوا دیکھا ہی کیا ہے؟ اور اگر دیکھا بھی ہے تو جانچا اور پرکھا نہیں ہے۔ تم (پہلے) اپنے آپ اور اپنے تمام سرمایہ حیات کا اپنے شہر سے مقابلہ کرو، پھر اپنے شہر کا اپنی مملکت و حکومت سے مقابلہ کرو، اور پھر اپنی حکومت کا مقابلہ دوسرے تمام ممالک سے کرو جن میں سے ایک فیصد کو بھی تم نے نہ دیکھا ہو گا نہ سنا ہو گا۔ اور پھر ان تمام کا مقابلہ پوری دنیا کی زمین سے کرو۔ اور پوری زمین کا مقابلہ نظامِ شمسی سے اور اس کے دیگر ان وسیع و عریض سیاروں سے کرو جو سورج کی شعاعوں سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ پھر اس نظامِ شمسی کا جو ہمارے اور تمہارے افکار کی حدوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ ان دوسرے نظام ہائے شمسی سے مقابلہ کرو جن کے سامنے ہمارا سورج اپنے تمام سیاروں سمیت ایک چھوٹا سا ذرہ ہے۔ کیوں کہ ان میں سے ہر ایک سورج ہمارے سورج اور اس کے سیاروں کے مجموعہ سے کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے اور ان میں سے اب تک جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ جو دریافت ہو چکا ہے وہ کئی ملین کہکشاؤں پر مشتمل ہے۔ اور نزدیک ترین اور سب سے چھوٹی کہکشاں میں کئی ملین نظامِ شمسی موجود ہیں۔ جن میں سب سے چھوٹا نظامِ شمسی ہمارے سورج سے کروڑوں گنا بڑا ہے اور نورانی تر ہے۔ اور یہ سب عالمِ مادی ہے کہ جس کی مقدار ان کے خالق کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اربابِ انکشافات اب تک اس کی ایک تھوڑی سی مقدار کو کشف کر سکے ہیں۔ اور یہ تمام عالمِ اجسام، عالمِ ماوراء الطبیعہ کے مقابلہ میں قابلِ حس بھی نہیں ہیں۔ اور اس عالم میں ایسی بھی دنیائیں ہیں جو انسانی فکروں میں سما نہیں سکتیں۔ اس عالمِ وجود میں ہمارے اور تمہارے اسبابِ زندگی یہی ہیں (اس سے زیادہ اس میں ہمارا تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔)

پھر جب خدا تم کو اس دنیا سے اٹھانا چاہتا ہے تو تمہاری تمام قوتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کمزور ہو جائیں، تمہارے سارے ادراکات کو حکم دیتا ہے کہ اپنی کارکردگی روک دیں، تمہارے کارخانۂ وجود کو مختل کر دیتا ہے، سماعت، بصارت، طاقت، قدرت کو تم سے (واپس) لے لیتا ہے، اور پھر تم ایک جامد (لاش) ہو جاتے ہو، اور چند روز کے بعد تمہاری گندگی اور عفونت سے لوگوں کے مشام کو اذیت ہونے لگتی ہے (بدبو ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے) لوگ تمہاری شکل وصورت سے بھاگنے لگتے ہیں، اور ایک مدت کے تمام اعضاء ایک ایک کر کے گلنے سڑنے لگتے ہیں اور پھر بکھر جاتے ہیں یہ تو تمہارا جسم کا حال ہے۔ مال ومنال وحشمت کی بے اعتباری تو اور زیادہ واضح ہے۔

(لیکن برزخ کا حال تو خدا ہی جانتا ہے) اگر تم نے خدا نا خواستہ اس کی اصلاح نہ کی تو خدا جانتا ہے کہ تمہاری کیا صورت ہوگی اور کیسی حالت ہوگی۔ کیونکہ اس دنیا والوں کے حواس ان کے دیکھنے، سُننے، اور سونگھنے سے قاصر ہیں۔ تم نے فشارِ قبر، وحشت، تاریکی (وغیرہ) کے بارے میں جو کچھ بھی سُن رکھا ہے اس دُنیا کی وحشت وتاریکی کا اس پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا اور اگر کیا جائے تو وہ قیاس باطل ہے۔ پروردگارِ ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے جو کچھ کر رکھا ہے اس پر ہماری فریاد کو سُن کر فریاد رسی کر۔

عذابِ قبر جو عذابِ آخرت کا نمونہ ہوگا۔ جس سے بچنے کے لئے بعض روایات کی بنا پر ہمیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی نصیب [۲۴] نہ ہوگی۔ خدا جانے وہ کیسا عذاب ہوگا؟ آخرت کا حال تو تمام سابقہ حالتوں سے بدتر اور وحشت ناک ہوگا۔ آخرت کا دن! حقائق کے ظاہر ہونے کا، سرائر کے منکشف ہونے کا، اخلاق واعمال کے مجسم ہونے کا، حساب (وکتاب) کا دن ہوگا، وہ ذلت ورسوائی کا دن ہوگا۔ موقف میں کھڑا ہونے کا دن ہوگا۔ یہ ہے قیامت!

اب قیامت کے بعد جہنم ہے اس کا بھی حال معلوم ہے۔ جہنم کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو؟ (تو سُنو) عذابِ جہنم صرف آتش ہی نہیں ہے۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے اس کا ایک ہولناک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اگر وہ ہولناک دروازہ اس دنیا میں کھول دیا جائے تو تمام دنیا والے ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح ایک دروازہ تمہارے کان کے لئے اور ایک تمہاری ناک کی طرف کھولا جائے گا۔ جن میں سے ایک بھی اگر اس مادی دُنیا کے رہنے والوں کے کھولا جائے تو سب کے سب اس کی شدتِ عذاب سے ہلاک ہو جائیں گے۔

آخرت کی حقیقت سے آگاہ ایک عالم کا کہنا ہے جس طرح جہنم کی گرمی کمال شدت پر ہے۔ اسی طرح اس کی سردی بھی اپنی شدت کے کمال پر پہونچی ہوئی ہے۔ اور خدا شدید گرمی اور شدید سردی کو یکجا کرنے پر قادر ہے۔ ۳۴ یہ ہمارا انجام ہے۔ پس جس کی ابتدا عدم ہو اور غیر متناہی ہو اور جب سے وہ اس دُنیا میں قدم رکھے اس کے تمام تغیرات بُرے ہوں اور جن حالات میں وہ زندگی بسر کرے وہ ایک سے بڑھ کر ایک شرم آور ہوں، اس کی دُنیا، اس کا برزخ، اس کی آخرت ہر ایک دوسرے سے بدتر ہے اور رسوا کن ہو وہ بھلا کس چیز پر تکبر و غرور کر سکتا ہے؟ یا کس جمال و کمال پر فخر کر سکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ غرور صرف جہالت و نادانی کی بنا پر ہوا کرتا ہے۔ جس کی جہالت زیادہ ہوگی، عقل کم ہوگی اس کا غرور زیادہ ہوگا۔ اور جس کا علم زیادہ ہوگا روح بزرگ ہوگی، سینہ کشادہ ہوگا وہ متواضع اور فروتنی کرنے والا ہوگا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا علم چونکہ وحی الٰہی سے ماخوذ تھا اور ان کی روح اتنی بزرگ تھی کہ تن تنہا ملیون ملیون آدمیوں کے روح پر بھاری تھی۔ اس لئے آپ نے جاہلی عادتوں اور ادیانِ باطلہ کو پیروں سے کچل دیا تھا اور تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا تھا اور اسی لئے آپ کی ذاتِ گرامی پر دائرۂ نبوت کا خاتمہ ہو گیا، بحکم خدا حضور پر نورِ سلطان دنیا و آخرت ہونے کے ساتھ جمیع عوالم پر تصرف فرما بھی تھے۔ بندگانِ الٰہی کے ساتھ آپ کا تواضع سب سے زیادہ تھا۔ آپ کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ آپ کے اصحاب آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے سب سے آخر میں بیٹھتے تھے۔ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور زمین ہی پر نشست و برخواست رکھتے تھے فرمایا کرتے تھے: میں خدا کا بندہ ہوں لہٰذا غلاموں کی طرح کھاتا ہوں، اور غلاموں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔ ۳۵

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے: آنحضرتؐ بے پالان کے گدھے پر بیٹھنے کو دوست رکھتے تھے اور بندگانِ الٰہی کے ساتھ پست (و معمولی) جگہوں پر کھانا تناول فرمانے کو دوست رکھتے تھے، اور فقراء کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دینے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ جب بھی گدھے پر سوار ہوتے تھے اپنے پیچھے اپنے غلام یا کسی اور کو بٹھا لیتے تھے۔ ۳۶ اور آنحضرتؐ کی سیرت میں یہ بھی ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے، گوسفندوں کو اپنے ہاتھ سے دوہتے تھے، اپنے کپڑوں اور جوتیوں کو خود ہی ٹانک لیتے تھے، فقراء و مساکین کے ساتھ اُٹھتے اور بیٹھتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ ۳۷ اپنے خادم کے ساتھ چکی پیستے تھے، آٹا خمیر کرتے

تھے۔ اپنا سامان خود اُٹھاتے تھے۔ ان جیسی اور ان سے بالاتر چیزوں کے بارے میں آنحضرتؐ کی یہی سیرت تھی۔ تواضع آپ کی مخصوص صفت تھی حالانکہ آنحضرتؐ مقاماتِ معنوی کے دارا ہونے کے ساتھ ساتھ سلطنتِ ظاہری پر بھی فائز تھے۔ اسی طرح حضرت علیؑ بھی رسولِ خداؐ کی پیروی میں ان تمام امور کو انجام دیا کرتے تھے اور آپؑ کی سیرت بالکل رسولِ خداؐ کی سیرت تھی۔[۳۸]

لہٰذا میرے عزیز! اگر تجھے غرور کمالِ معنوی پر ہے تو رسولِ خداؐ اور ائمہؑ کے مراتب کا تصور کر جو سب ہی سے بلند مرتبہ تھے اور اگر ریاست و سلطنت پر تکبر ہے تو وہ حضرات سلطنتِ حقیقی کے مالک تھے۔ لیکن سب سے زیادہ متواضع تھے۔ پس اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ تواضع اور انکسار علم و معرفت کی پیداوار ہے اور غرور و سرکشی جہالت و نادانی کی پیداوار ہے۔ اس ننگ جہل و پستی کو اپنے سے دور کر کے انبیا کے صفات اپنے اندر پیدا کرو، شیطانی صفات سے چھٹکارا حاصل کر، خدا کی کبریائی میں اس سے جھگڑا نہ کر، اس لئے کہ حق سے جھگڑا کرنے والا اس کے قہر و غضب کا نشانہ بنتا ہے اور منہ کے بل آتشِ جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اگر تم اپنے نفس کے اصلاح میں کامیاب ہو جاؤ تو تھوڑی سی احتیاط و پابندی کے بعد اس راستہ پر چلنا تمہارے لئے آسان ہو جائے گا۔ ہمتِ مردانہ، آزادیٔ فکر، بلندیٔ نظر سے کام لو تو اچانک پیش آ جانے والے خطرات سے بھی محفوظ رہو گے، نفسِ امارہ اور شیطان پر غلبہ حاصل کرنے اور راہِ نجات حاصل کرنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ نفسِ امارہ و شیطان کی خواہشات کے برخلاف ہمیشہ عمل کرتے رہو۔

نفس کی سرکوبی کے لئے اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہے کہ متواضعین کی صفت کو اپنا لو، اور ان کے کردار و سیرت کے سانچے میں اپنے کو ڈھال لو۔ تمہارا غرور چاہے جس درجہ کا ہو اور علم و عمل کے جس کسی مخصوص شاخ میں تمہاری چاہے جتنی مہارت ہو کچھ دنوں تک اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف عمل کرتے رہو، اور ساتھ میں غرور کے نظری و عملی خطرات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے دنیاوی اور اخروی نتائج پر غور بھی کرو تو امید ہے کہ تمہاری راہ آسان ہو جائے اور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ (مثلاً) اگر نفس کی خواہش ہے کہ صدرِ مجلس کو اپنی طرف متوجہ کر کے اپنے ہم چشموں پر فوقیت حاصل کرو تو تم اس کے برخلاف عمل کرو، اگر فقیروں اور مسکینوں کے ساتھ نشست و برخاست کو دل نہیں چاہتا تو دل کی ناک رگڑ دو اور فقیروں کے ساتھ اٹھو بیٹھو کھاؤ (پیو) سفر کرو، مذاق کرو۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ نفس تم سے بحث کرے اور کہے، تم ایک

باعزت آدمی ہو تو ترویج شریعت کے لئے اپنی عزت و وقار کو باقی رکھو، فقیروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے لوگوں کے دلوں میں تمھاری وقعت کم ہو جائے گی، اپنے ماتحتوں سے ہنسی مذاق کرنے سے تمھارے وقار کو دھچکہ لگے گا۔ محفلوں میں پیچھے بیٹھنے سے تمھاری عزت و احترام میں بٹہ لگ جائے گا۔ اور پھر تم باقاعدہ اپنے شرعی وظیفہ پر عمل نہیں کر پاؤ گے۔ (اگر نفس ایسا کہے) تو سمجھ لو کہ یہ سب شیطان اور نفس کی مکاریوں اور چالبازیاں ہیں۔ (کیوں کہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام و وقار ریاست و حکومت کے اعتبار سے تم سے کہیں زیادہ تھا مگر ان کی سیرت وہ تھی جو تم نے چند سطروں پہلے پڑھی۔

میں نے اپنے زمانہ میں خود اپنے علما کے اندر ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جو شیعوں کی ایک حکومت بلکہ ایک اقلیم پر کامل طور سے ریاست رکھتے تھے لیکن ان کی سیرت رسول اکرمؐ کی سیرت جیسی تھی۔ جناب اُستاد معظم و فقیہ مکرم حاج شیخ عبد الکریم یزدی حائری ۲۹ جون ۱۳۴۰ ہجری سے ۱۳۵۵ ہجری تک اقلیم شیعہ پر ریاست تامہ اور مرجعیت کاملہ رکھتے تھے ہم سبھوں نے دیکھا ہے کہ ان کی سیرت کیسی تھی وہ اپنے نوکروں چاکروں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے، زمین پر بیٹھتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے طلاب سے عجیب و غریب مذاق فرمایا کرتے تھے۔ آخری عمر میں جب ان کی صحت گر چکی تھی تو مغرب کے بعد بغیر عبا اپنے سر کے گرد ایک مختصر سا کپڑا لپیٹ کر پیروں میں چپل پہن کر گلی میں ٹہلنے نکلا کرتے تھے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کا وقار (کم نہیں ہوا بلکہ) بڑھ گیا اور ان کی عزت و احترام میں کوئی کمی نہیں آئی۔

ان مرحوم کے علاوہ بھی قم کے علما میں کئی ایسے محترم اشخاص تھے جن کے اندر اس قسم کے تکلفات نہیں تھے جن میں شیطان نے ہم کو مبتلا کر رکھا ہے وہ حضرات اپنی ضرورت کی چیزوں کو بازار سے خود ہی خریدتے تھے اپنے گھروں کے لئے خزانۂ آب سے خود ہی پانی لاتے تھے۔ اپنے گھریلو کاموں میں حصہ بٹاتے تھے مقدم و موخر کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ صدر نشینی و خاک نشینی دونوں ان کی نظروں میں یکساں تھیں۔ ان کی تواضع و انکساری پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ ان کی عظمت لوگوں کی نظروں میں بہت تھی، دلوں میں ان کا احترام بہت زیادہ تھا۔

بہر حال (یہ بات طے شدہ ہے کہ) رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ کی سیرت پر عمل کرنا انسان کو چھوٹا نہیں بناتا۔ لیکن انسان کو نفس کی مکاریوں سے ہوشیار رہنا چاہیے کہ کہیں اپنے جال میں پھنسا کر کسی اور راستے سے تم کو شکست نہ دے۔ مثلاً تم بعض لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ مجلس میں بالکل آخر میں

اس طرح بیٹھیں گے کہ حاضرین کو سمجھائیں : میرا مقام تو بہت اونچا ہے۔ لیکن انکساری کی وجہ سے میں یہاں بیٹھا ہوں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جس کو اپنے بلند مرتبہ ہونے کا خیال ہوتا ہے ایسے شخص کو اپنے آپ سے آگے بٹھا دیتا ہے جس کی حیثیت سب ہی کی نظروں میں اس سے کم ہوتی ہے اور اس آگے بڑھانے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس کا یہ عمل محض انکساری و فروتنی کی وجہ سے ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں نفس کے مکائد ہیں جن میں غرور کے علاوہ ریاکاری اور دھوکہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔

نفس کی اصلاح اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جبکہ خالص ارادے سے مجاہدہ کیا جائے اسی طرح نفس کی اصلاح اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب تمام صفاتِ نفسانیہ اصلاح کے قابل ہوں۔ مگر شروع میں زحمت ضرور ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی نفس کی اصلاح کرنے کو طے ہی کرے تو پھر اس میدان میں اترنے کے بعد مسئلہ سہل و آسان ہو جاتا ہے۔ اصل چیز اصلاح اور بہتری کا سچا اور پکا ارادہ کرنا ہے اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوتا ہے۔

انسانیت کی پہلی منزل بیداری ہے

انسانیت کی سب سے پہلی منزل خوابِ غفلت سے بیداری اور سکرِ طبیعت سے ہوشیاری ہے اور یہ سمجھنا ہے کہ انسان ایک مُسافر ہے اور ہر مُسافر کے لئے زاد و راحلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور انسان کا زاد و راحلہ اس کی اچھی خصلتیں ہیں۔ اس سفرِ پُر خطر، راہ تاریک و باریک (صراط) تلوار سے تیز تر، بال [۴۰] سے باریک تر کی سواری ہمتِ مردانہ ہے۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے کا نور ایمان اور اچھی عادتیں ہیں۔ اگر کسی نے سُستی برتی تو اس صراط سے گزر نہیں سکے گا۔ مُنہ کے بل جہنّم میں گرے گا۔ خاک ذلت و رسوائی کے برابر ہو جائے گا۔ ہلاکت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔ اور جو اس صراط سے نہیں گزر سکے گا وہ صراطِ آخرت سے بھی نہیں گزر سکے گا۔

اے عزیز! ذرا ہمت کر اور جہالت و نادانی کے پردے کو تار تار کر کے اس بھیانک اندھیرے سے نجات حاصل کر۔ حضرت مولائے متقیان، راہنمائے حقیقی مسجد میں اس طرح نالہ و فریاد کرتے تھے کہ مسجد کے پڑوس میں رہنے والے بھی سُنتے تھے:

«تَجَهَّزُوا رَحِمَكُمُ اللّٰهُ؛ فَقَدْ نُودِيَ فِيكُمْ بِالرَّحِيلِ[۴۱]» خدا تم پر رحم کرے

سامانِ سفر درست کرو اس لئے کہ کوچ کا نقارہ بج چکا ہے۔ نفسانی کمالات، تقوائے قلب، اعمالِ صالحہ، صفائے باطن، ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہونے کے علاوہ اس راہ میں کوئی توشہ کام نہ آئے گا۔

بالفرض اگر تم ایمان کی ظاہری صورت رکھنے والے ناقص (گروہ سے) ہو تو اپنے کو اس کھوٹ سے خالص کر لو تاکہ نیکوکاروں اور صالحین کے گروہ میں سے ہو جاؤ۔ (اس کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ) نفس کو عتاب و ملامت کی بھٹی میں رکھو، آتشِ پشیمانی میں اس کو پگھلا کر توبہ و ندامت کی آگ کے ذریعہ جلا دو۔ اسی طرح خدا کی طرف واپسی کا ایک طریقہ ہے۔ اسی دنیا میں تم خود ہی اپنا علاج کر لو۔ ورنہ عذابِ الٰہی کی بھٹی «نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ»[۴۲] میں تم کو پگھلایا جائے گا۔ اور خدا ہی جانے آخرت کی کتنی صدیاں اس کی اصلاح کے لئے درکار ہوں گی۔ اس دنیا میں پاک ہونا سہل و آسان ہے یہاں پر تبدیلیاں اور تغیرات بہت تیزی سے واقع ہوتے ہیں۔ لیکن آخرت میں تغیرات دوسرے ڈھنگ سے ہوتے ہیں۔ اور نفسانی ملکات میں سے کسی ایک ملکہ کے زوال کے لئے صدیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

لہٰذا میرے بھائی جب تک عمر و جوانی، طاقت و اختیار باقی ہے نفس کی اصلاح کر لے۔ یہاں کے جاہ و شرف کی فکر نہ کرو، ان وقتی چیزوں کو روند ڈالو۔ تم آدمؑ کی اولاد ہو اس لئے شیطان کی صفت کو اپنے سے دور کر دو، ممکن ہے شیطان غرور کو دیگر رذیل صفتوں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دے۔ کیونکہ یہ خود اس کی وہ صفت ہے جس کی وجہ سے درگاہِ خدا سے اس کو نکالا گیا تھا۔ اسی لئے وہ چاہتا ہے ہر عارف، عامی، عالم، جاہل کو اپنا ہم مسلک بنا لے۔ (اور پھر) جب اس بُری صفت میں مبتلا ہو کے عالمِ آخرت میں اس سے ملاقات کرو گے تو تم کو اس کی ملامت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا اور وہ تم سے کہے گا: اے آدم زادے کیا انبیا نے تجھے نہیں بتایا تھا کہ تیرے باپ سے تکبری کی وجہ میں بارگاہِ ایزدی سے نکالا گیا۔ اپنی تعظیم اور آدمؑ کی تحقیر کی وجہ سے ملعون قرار دیا گیا پھر تم نے اپنے کو اس بلا میں کیوں گرفتار کر لیا؟

اس وقت تم کو عذابوں، گرفتاریوں، حسرتوں، ندامتوں میں مبتلا ہونے کے علاوہ جن میں سننے کی بھی تاب لانا مشکل ہے" دنیا کی ذلیل ترین مخلوق اور پست ترین موجود کی لعنت و ملامت بھی سننی پڑے گی۔ (دیکھو) شیطان نے خدا کے ساتھ تکبر نہیں کیا تھا اس نے تو جناب آدمؑ کے ساتھ جو بہر حال ایک مخلوقِ خدا تھے۔ یہ کہہ کر تکبر کیا تھا: «خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ.»[۴۳] مجھے

آگ (جیسی بلند چیز) سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی (جیسی پست چیز) سے شیطان نے اسی بنا پر اپنے کو برتر اور آدمؑ کو پست تر سمجھا تھا۔ (مگر) تم نے تو شیطان کے فریب میں آکر خود آدمؑ کے بیٹوں کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔ تم بھی تو احکامِ الٰہی سے سرپیچی کرتے ہو۔ خدا نے فرمایا: انکساری کرو، تواضع کرو، مگر تم بندگانِ الٰہی کے ساتھ تکبر کرتے ہو، اتراتے ہو (جب ایسا ہے تو) صرف شیطان ہی پر کیوں لعنت کرتے ہو؟ اپنے خبیث نفس کو بھی لعنت میں شریک کرو کیونکہ اس صفت میں تیرا نفس بھی تو شیطان کا شریک ہے۔ تم خود شیطان کے مظہر ہو (بلکہ) شیطان مجسم ہو۔ ہو سکتا ہے تمھاری قیامتی اور برزخی صورت بھی شیطان ہو، اس لئے کہ آخرت میں صورتوں کا معیار ملکاتِ نفس ہیں لہٰذا تم شیطان بھی ہو سکتے ہو چیونٹی بھی ہو سکتے ہو۔ عالمِ آخرت کا معیار یہاں سے مختلف ہے۔

چھٹی فصل

حسد بھی کبھی غرور کا مبداء ہوتا ہے

یہ بات سمجھ لو کہ کبھی محرومِ کمال صاحبِ کمال سے تکبر کرنے لگتا ہے جیسے فقیر امیر سے جاہل عالم سے تکبر کرے اسی طرح یہ بھی سمجھ لو کہ جس طرح کبھی عُجب (خود پسندی) تکبر کا سرچشمہ بنتا ہے اسی طرح حسد بھی غرور و تکبر کا کبھی مبداء بن جاتا ہے۔ اور ممکن ہے جب انسان اپنے میں وہ کمال نہ پائے جو دوسرے کے اندر ہے تو وہ دوسرے سے حسد کرنے لگے اور پھر یہ حسد دوسرے سے غرور و تکبر کا سبب بن جائے۔ اور پھر وہ اس صاحبِ کمال کی جس طرح چاہے تذلیل و توہین کرے۔

کافی شریف میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث مروی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: ہر نسل کے شریر اشخاص میں تکبر کا پایا جانا ممکن ہے۔ اس کے بعد کچھ گفتگو کرنے کے بعد فرمایا: رسولِ خدا مدینہ کی بعض گلیوں سے گزر رہے تھے کہ ایک سیاہ فام عورت اُپلے چُن رہی تھی اس سے کہا گیا کہ رسولِ خدا کے راستہ سے ہٹ جا۔ اس نے جواب دیا کہ راستہ کشادہ ہے۔ بعض اصحاب نے اس کو ہٹانا چاہا مگر رسولِ خدا نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کہ یہ متکبر ہے۔[۴۴]

کبھی بعض اہلِ علم کے اندر بھی یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ مالداروں کے ساتھ تواضع اچھی بات نہیں ہے اور نفسِ امارہ ان سے کہتا ہے مالداروں کے ساتھ

انکساری برتنا ایمان کو ناقص کر دیتا ہے۔ (دراصل) اس غریب کو باریک فرق کا پتہ ہی نہیں ہے کہ مالداروں سے تواضع ان کی مالداری کی بنا پر کرنا اور ہے اور کسی اور بات (مثلاً علم) کی وجہ سے انکساری کرنا اور ہے۔ اگر حبِ دنیا اور جذبۂ طلبِ شرف وجاہ انسان کو تواضع پر آمادہ کرتا ہے تو یہ عادت تواضع نہیں ہے۔ یہ تو تملق وچاپلوسی ہے اور نفسانی رذائل میں سے ہے ایسے اخلاق والا شخص کبھی بھی فقیروں کی تواضع نہیں کرتا۔ ہاں اگر فقیروں سے کوئی طمع وابستہ ہے یا کسی لقمۂ تر کا سراغ ملتا ہے تب وہ فقیروں کی بھی تواضع کرتا ہے۔

اور کبھی فطری تواضع انسان کو دوسرے کے احترام اور اس کے ساتھ انکساری سے پیش آنے پر مجبور کرتی ہے۔ چاہے وہ دوسرا شخص فقیر ہو یا مالدار، یا اس سے کوئی غرض وابستہ ہو یا نہ ہو۔ یعنی اس کی تواضع بے لوث ہوتی ہے اس کی روح پاک وپاکیزہ ہوتی ہے۔ جاہ وشرف (کی طمع) نے اس کو اپنا اسیر نہیں کیا ہے تو یہ تواضع فقیروں اور امیروں (دونوں) کے لئے خوب ہے۔ یعنی ہر شخص کا احترام کیا جانا چاہئے۔ لیکن اہل جاہ وشرف کے ساتھ تمہارا تکبر کرنا اور ان کی تحقیر کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ تم تملق وچاپلوسی نہیں کرتے بلکہ یہ صرف حسد کی وجہ سے ہے اور تم اپنے کو دھوکہ دے رہے ہو۔ اسی لئے اگر تم کسی کو غیر متوقع طور سے اپنا احترام کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آؤ۔

بہر حال نفس کی مکاریوں سے بچو۔ کیونکہ وہ اپنا جال اس ہوشیاری سے بچھاتا ہے کہ انسان کو خدا کی پناہ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ والحمد للہ اولاً وآخراً۔

چوتھی حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی، جلد ۲، ص ۳۰۹، کتاب ایمان وکفر، باب کبر حدیث ۱۔

۲۔ ص ۱۱۳

۳۔ سورۂ مومنون آیت ۴۷۔

۴۔ سورۂ زخرف، آیت ۳۱۔

۵۔ «وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ.» ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تاکہ اپنے اللہ کا شکر ادا کریں۔ سورۂ لقمان آیت ۱۲۔

۶۔ سورۂ لقمان، آیت ۱۸۔

۷۔ سورۂ انبیاء آیت ۲۳۔

۸۔ یہ حکم، بنی اسرائیل/۳۶ اور سورۂ نور/۱۵" میں ہے اسی طرح اصولِ کافی (کتاب فضل العلم)، باب النہی عن القول بغیر علم" میں بھی ہے اور اس سلسلہ میں ۹ حدیثیں آئی ہیں اور مسلمانوں کے مال، خون، عزت کے احترام میں بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے «حُرْمَةُ النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ مِنْ حُرْمَةِ الْبَيْتِ.» رسولؐ و مومن کا احترام خانہ کعبہ کے احترام سے زیادہ ہے۔ وسائل جلد ۱۰، ص ۲۲۴، اصولِ کافی کتاب ایمان وکفر میں مومن کے سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً "حق المؤمن علی اخیہ واداء حقہ" وباب (من اذی المسلمین واحتقرہم) وباب (من طالب عثرات المؤمنین)

۹۔ اسی حدیث میں

۱۰۔ بحارالانوار جلد ۷، ص ۱۹۸-۱۹۹ "کتاب ایمان وکفر" (باب کبر)۔ مراۃ العقول جلد ۱۰، ص ۱۹۰ "کتاب ایمان وکفر" (باب کبر) «عَنْ انس «قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص) يَقُولُ: اَلْاِسْلَامُ عَلَانِيَةٌ وَالْاِيمَانُ فِي الْقَلْبِ، قَالَ

ثُمَّ يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ ثُمَّ يَقُولُ: اَلتَّقْوَى هٰهُنَا: اَلتَّقْوَى هٰهُنَا۔» انس کہتے ہیں: رسولِ خدا نے فرمایا: اسلام ظاہر ہے اور ایمان قلب میں ہے۔ انس کہتے ہیں: پھر رسولؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرمایا اور کہا: تقویٰ یہاں ہے التقویٰ یہاں ہے۔ مسند ابن حنبل جلد ۲، ص ۱۳۴۔

۱۱۔ «عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ إِلَّا وَفِي رَأْسِهِ حَكَمَةٌ وَمَلَكٌ يُمْسِكُهَا، فَإِذَا تَكَبَّرَ قَالَ لَهُ: اتَّضِعْ وَضَعَكَ اللّٰهُ فَلَا يَزَالُ أَعْظَمَ النَّاسِ فِي نَفْسِهِ وَأَصْغَرَ النَّاسِ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ وَإِذَا تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ قَالَ لَهُ، إِنْتَعِشْ نَعَشَكَ اللّٰهُ فَلَا يَزَالُ أَصْغَرَ النَّاسِ فِي نَفْسِهِ وَأَرْفَعَ النَّاسِ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ۔» اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۲ ،"کتاب ایمان وکفر" باب کبر حدیث ۱۶ (ترجمہ گزر چکا ہے)۔

۱۲۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۱ "کتاب ایمان وکفر" باب کبر حدیث ۱۱۔

۱۳۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۳۰۰، ابواب جہاد النفس، باب ۵۸، حدیث ۹۔

۱۴۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۳۰۱، ابواب جہاد النفس، باب ۵۸، حدیث ۱۴۔

۱۵۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۳۰۷، ابواب جہاد النفس، باب ۶۰، حدیث ۶۔

۱۶۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۰، کتاب ایمان وکفر (باب کبر) حدیث ۶۔ معانی الاخبار شیخ صدوق ص ۲۴۱۔ باب معنی کبر، حدیث ۲، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۲۶۴، عقاب المتکبرین حدیث ۴۔

۱۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۹، کتاب ایمان وکفر، باب کبر، حدیث ۳، ثوابِ اعمال وعقاب اعمال، ص ۲۶۴، عقابِ متکبرین حدیث ۱۔

۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۰، کتاب ایمان وکفر، باب کبر، حدیث ۱۰ ثوابِ اعمال وعقاب اعمال ص ۲۶۵، عقابِ متکبرین حدیث ۷۔

۱۹۔ «... وَلَوْ أَنَّ ذِرَاعاً مِنَ السِّلْسِلَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا اللّٰهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ وُضِعَ عَلَى جَمِيعِ جِبَالِ الدُّنْيَا لَذَابَتْ عَنْ حَرِّهَا» بحار جلد ۸، ص ۳۰۵ "کتاب العدل والمعاد" باب النار، حدیث ۶۴، تفسیر برہان جلد ۴، ص ۳۷۹، تفسیر آیہ ۳۲ ، الحاقہ (ترجمہ گزر چکا ہے)

۲۰۔ اسفار اربعہ جلد ۸، ص ۷، ۱۳۔ ۱۴۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ السفر الرابع یا سوم، فصل ۱۱ - ۱۵

۲۱۔ سورۂ نحل آیت، ۲۹۔

۲۲۔ تاج العروس، جلد ۹، ص ۲۴۹۔ میں مادہ سَن کے ضمن میں اِسْتَسَنَّتْ ذَا وَرَمٍ کے ضمن میں آیا ہے۔

۲۳۔ سورۂ نمل آیت ۳۴۔

۲۴۔ پورا شعر اس طرح ہے ؎ علم رسمی سر بسر قیل است وقال ۔ نہ از آن کیفیتی حاصل نہ حال۔ کشکول بہائی جلد ۱ ص ۲۰۹۔

۲۵۔ حکمت کے معنیٰ خدا کے مانند ہونے کے ہیں۔ اسفار اربعہ جلد ۱، ص ۲۲۔

۲۶۔ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹۔

۲۷۔ حکمت گمشدہ مومن ہے، نہج البلاغہ فیض الاسلام ص ۱۱۱۲، حکمت ۷۷۔

۲۸۔ جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دیدیا گیا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۶۹)

۲۹۔ میر محمد باقر بن شمس الدین محمد معروف بہ میر داماد (م ۱۰۴۱ھ ق) اصفہان میں پیدا ہوئے نجف اشرف میں دفن ہوئے۔ مذہب امامیہ کے کم نظیر دانشمند بہت بڑے فلسفی، جامع معقولات و منقولات تھے۔ بعض فقہی و حدیثی مشکلات کے حل کرنے میں بے مثال تھے۔ فلسفہ بو علی کا رواج گیارہویں صدی ہجری میں اشراق کی اہمیت، ملّا صدرا کی حکمت متعالیہ کے زمین کے ہموار کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ کی تالیفات میں قبسات، تقدیسات، سدرۃ المنتہیٰ من لا یحضرہ الفقیہ پر حاشیہ ہے۔ شاعری میں اپنا تخلص اشراق کرتے تھے۔

۳۰۔ خدا کی گواہی کافی ہے۔ (سورۂ نساء، آیت ۱۶۶)

۳۱۔ یہ طلاب علوم دینی کی فضیلت پر دلالت کرنے والی حدیثوں کی طرف اشارہ ہے ملاحظہ ہو حدیث ۳۶ اسی کتاب کی۔

۳۲۔ مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو خوشگوار بن جاتی ہے۔

۳۳۔ «قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع): إِنِّي سَمِعْتُكَ وَأَنْتَ تَقُولُ كُلُّ شِيعَتِنَا فِي الْجَنَّةِ عَلَى مَا كَانَ فِيهِمْ. قَالَ صَدَقْتُكَ كُلُّهُمْ وَاللّٰهِ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، إِنَّ الذُّنُوبَ كَثِيرَةٌ كِبَارٌ. فَقَالَ: أَمَّا فِي الْقِيَامَةِ فَكُلُّكُمْ فِي الْجَنَّةِ بِشَفَاعَةِ النَّبِيِّ الْمُطَاعِ، أَوْ وَصِيِّ النَّبِيِّ، وَلٰكِنِّي وَاللّٰهِ أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ فِي الْبَرْزَخِ، قُلْتُ: وَمَا الْبَرْزَخُ؟ قَالَ: اَلْقَبْرُ مُنْذُ حِينَ مَوْتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.» راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: ہمارے شیعہ اپنی برائیوں کے باوجود بھی جنت میں جائیں گے؟ فرمایا، میں نے تم سے سچ کہا ہے خدا کی قسم سارے شیعہ جنت میں جائیں گے۔" میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، گناہ بہت ہیں اور بڑے گناہ بھی ہیں۔ حضرت نے فرمایا، جہاں تک قیامت کا مسئلہ ہے تو نبیؐ کریم یا ان کے وصی کی شفاعت کی بنا پر تم سب جنت میں جاؤ گے۔ لیکن بخدا میں تمہارے لئے برزخ سے ڈرتا ہوں!" میں نے عرض کیا: برزخ کیا ہے؟ فرمایا "قبر موت سے لے کر قیامت تک! فروع کافی جلد ۳ ص ۲۴۲ (کتاب جنائز) باب ما ینطق بہ موضع القبر، حدیث ۳۔

۳۴۔ فتوحات مکیہ جلد ۱، فصل ۱، باب ۶۱۔

۳۵۔ متعدد روایات میں رسول خداؐ کی رفتار و کردار کے بارے میں ذکر آیا ہے۔ ان میں سے کچھ اس کتاب میں بھی ہے۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ(ص) وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا إِلَيْهِ لِمَا يَعْرِفُونَ مِنْ كِرَاهِيَتِهِ. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص) يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوكِ...» وَيَقُولُ(ص): أَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ» کتاب مکارم الاخلاق ص ۱۲، فصل دوم۔

۳۶، ۳۷۔ «وَكَانَ يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَنَامُ عَلَيْهَا وَيَأْكُلُ عَلَيْهَا وَكَانَ يَخْصِفُ النَّعْلَ وَيَرْقَعُ الثَّوْبَ وَيَفْتَحُ الْبَابَ وَيَحْلِبُ الشَّاةَ وَيَعْقِلُ الْبَعِيرَ فَيَحْلِبُهَا، وَيَطْحَنُ مَعَ الْخَادِمِ إِذَا أَعْيَى... وَيَخْدِمُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ وَيَقْطَعُ اللَّحْمَ، وَإِذَا جَلَسَ عَلَى الطَّعَامِ جَلَسَ مُحَقِّراً... يَرْكَبُ مَا أَمْكَنَهُ مِنْ فَرَسٍ أَوْ بَغْلَةٍ أَوْ حِمَارٍ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ بِلَا سَرْجٍ وَعَلَيْهِ الْعِذَارُ يُجَالِسُ الْفُقَرَاءَ وَيُؤَاكِلُ الْمَسَاكِينَ وَيُنَاوِ

لُهُمْ بِيَدِهِ.» بحار الانوار جلد ۱۶، ص ۲۲۶ "تاریخ نبیناؐ" باب مکارم اخلاقہ "حدیث ۲۲۔

۳۸۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃؑ جلد ۱، ص ۱۶۲-۱۶۲ (فی وصف زھدہ فی الدنیا)

۳۹۔ آیت اللہ العظمیٰ الحاج شیخ عبد الکریم حائری یزدی (۱۲۷۶-۱۳۵۵ھ ق) چودھویں صدی ہجری میں شیعوں کے مرجع تقلید تھے۔ مقدمات تک پڑھنے کے بعد نجف اشرف و سامراء کا سفر کیا۔ وہاں مرزائے بزرگ شیرازی، مرزا محمد تقی شیرازی، آخوند خراسانی، سید کاظم یزدی، سید محمد اصفہانی فشارکی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ سن ۱۳۳۲ھ ق میں اراک واپس آئے اور ۱۳۴۰ھ ق میں قم تشریف لائے، وہاں کے بزرگوں کے اصرار اور استخارہ پر بنا کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اور حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ڈالی۔ آپ کے درس میں بڑے بڑے علما تشریف لاتے تھے۔ خود امام خمینیؒ بھی ان میں سر فہرست تھے۔ آپ کی تالیفات میں درر الفوائد (در اصول) الصلوۃ (در فقہ) النکاح، الرضاع، المواریث وغیرہ ہیں۔

۴۰۔ چنانچہ حدیث نبویؐ میں ہے «اَلصِّراطُ أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ وَ أَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ وَ أَظْلَمُ مِنَ اللَّيْلِ.» علم الیقین جلد ۲، ص ۹۶۹، (المقصد الرابع فی معنی الصراط) یہی مطلب امام جعفر صادقؑ کی روایت میں بھی ہے۔ امالی صدوق ص ۱۷۷، مجلس ۳۳ "حدیث ۳، بحار الانوار جلد ۸، ص ۶۵، (کتاب العدل والمعاد) باب ۲۲" حدیث ۲۔

۴۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۵۔

۴۲۔ حدیث دوم حاشیہ ۵۔

۴۳۔ سورۂ اعراف آیت ۱۲، سورہ ص ۷۶۔

۴۴۔ متن حدیث (اصل کتاب سے کچھ اضافہ کے ساتھ) یہ ہے۔

«عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلامِ، قالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: اَلْكِبْرُ قَدْ يَكُونُ فِي شِرارِ النّاسِ مِنْ كُلِّ جِنْسٍ، وَالْكِبْرُ رِداءُ اللّٰهِ، فَمَنْ نازَعَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ رِداءَهُ لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ إِلاّ سَفالاً، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ مَرَّ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَسَوْداءُ تَلْقُطُ السِّرْقِينَ. فَقِيلَ لَها: تَنَحَّى عَنْ طَرِيقِ رَسُولِ اللّٰهِ فَقالَتْ: إِنَّ الطَّرِيقَ لَمُعْرَضٌ، فَهَمَّ بِها بَعْضُ الْقَوْمِ أَنْ يَتَناوَلَها؛ فَقالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: دَعُوها فَإِنَّها جَبّارَةٌ.» اصول کافی جلد ۲ ص ۳۰۹۔ کتاب ایمان وکفر، باب کبر، حدیث ۲۔

پانچویں حدیث

«بالسّند الْمُتَّصل إلى مُحَمَّدِبْنَ يعقوبَ عَنْ عليِّ بْنِ إبْراهيم، عَنْ مُحَمَّد بْنِ عيسىٰ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ داوُدَ الرَّقّي، عَنْ أبي عَبْدِاللّهِ، عَلَيْهِ السَّلام، قالَ قالَ رَسُولُ اللّهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: قالَ اللّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمُوسىٰ بْنِ عِمْرانَ: يا ابْنَ عِمْرانَ لا تَحْسُدَنَّ النّاسَ عَلى ما آتَيْتُهُمْ مِنْ فَضْلِي، وَلاَ تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إلى ذٰلِكَ، وَلاَ تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ؛ فَإنَّ الْحاسِدَ ساخِطٌ لِنِعَمِي صادٌّ لِقَسْمِي الَّذي قَسَمْتُ بَيْنَ عِبادِي وَمَنْ يَكُ كَذٰلِكَ فَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ مِنّي.»[1]

ترجمہ: داؤد نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: کہ خداوندِ عالم نے جناب موسیٰ بن عمران سے کہا: اے موسیٰ میں نے لوگوں پر جو اپنا فضل کیا ہے اس پر کسی سے حسد نہ کرنا۔ اور نہ اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو خیرہ کرنا۔ اور نہ اپنی ذات کو اس کے پیچھے لگا دینا۔ کیونکہ حسد کرنے والا میری نعمتوں پر غضب ناک ہے اور جو کچھ میں نے اپنے بندوں کو تقسیم کیا ہے اس سے روگردانی کرنے والا ہے۔ اور جو ایسا ہے میں اس سے نہیں ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہے۔

شرح : حسد اس نفسانی حالت کو کہتے ہیں جس کی بنا پر وہ (حاسد) دوسروں کے کمال کے چھن جانے اور متوہم نعمت کے سلب ہو جانے کی تمنا کرتا ہے۔ خواہ خود اس کے اندر وہ نعمت ہو یا نہ ہو۔ اور (زوال کے بعد) چاہے وہ نعمت اس کو ملے یا نہ ملے۔ (صاحب نعمت سے زائل ہو جائے) حسد غبطہ کے علاوہ دوسری چیز ہے۔

غبطہ : کا مطلب یہ ہے وہ متوہم نعمت جو دوسرے کے یہاں ہے اس کو حاصل ہو جائے چاہے صاحب نعمت کے پاس رہے یا نہ رہے۔ میں نے کمال اور متوہم نعمت کی قید اس لئے لگائی ہے کہ حاسد جس چیز کے زوال کی تمنا کرتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ واقعی کمال یا نعمت ہو۔ کیونکہ بسا اوقات بہت سی چیزیں بالذات نقائص اور رذائل میں سے ہوتی ہیں لیکن حاسد ان کے زوال کی تمنا اس لئے کرتا ہے کہ اس کی نظر میں وہ کمال ہے۔ یا کوئی چیز انسانی نقائص اور حیوانی کمالات سے ہوتی ہے اور حاسد چونکہ درحیوانیت میں ہے اس لئے اس کو کمال سمجھتا ہے اور اس کے زوال کی تمنا کرتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ قتل و خونریزی کو ہنر سمجھتے ہیں اور جب کسی کو اس میں ماہر دیکھتے ہیں تو اس سے حسد کرنے لگتے ہیں جیسے بعض لوگ بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی کو کمال سمجھتے ہیں اور جس میں یہ ہنر دیکھتے ہیں اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ پس معیار توہم کمال اور توہم نعمت ہے۔ خود کمال و نعمت معیار نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کے اندر کسی نعمت کو دیکھ کر تمنائے زوال کرے وہ حاسد ہے چاہے واقعی وہ شئی نعمت ہو یا نعمت نہ ہو۔

اقسامِ حسد

ا— حاسد کے اعتبار سے ۲— محسود کے اعتبار سے ۳— خود حسد کے اعتبار سے حسد کی چند قسمیں ہیں اور چند درجے ہیں۔

ا— محسود کے اعتبار سے کبھی تو کمالات عقلیہ پر کبھی اس کے خصال حمیدہ پر، کبھی اس کے مناسک و اعمالِ صالحہ کی بنا پر حسد کیا جاتا ہے اور کبھی امورِ خارجیہ مثلاً مال و منال، عظمت و حشمت وغیرہ کی بنا پر محسود سے حسد کیا جاتا ہے۔ یا مذکورہ چیزوں کے مقابل جو چیزیں ہیں ان کی بنا پر حسد کیا جاتا ہے۔ جبکہ کمال کا توہم ہی توہم ہوتا ہے۔

۲— حاسد کے اعتبار سے (حسد کی صورت یہ ہے کہ) کبھی تو حاسد عداوت کی بنا پر،

کبھی تکبر کی بنا پر، کبھی خوف کی بنا پر کبھی ان دیگر اسباب کی بنا پر حسد کرتا ہے جن کا ذکر بعد میں کیا جائیگا۔

۳۔ البتہ خود حسد کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حسد کے حقیقی درجات (اور حسد کی حقیقی) قسمیں یہ ہیں وہ پہلی والی دونوں قسمیں نہیں ہیں۔

پس شدّت و ضعف کے اعتبار سے حسد کے بہت سے مرتبے ہیں جو اسباب اور آثار کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ اپنی طاقت بھر چند فصلوں میں حسد کے مفاسد اور اس کے علاج کے بارے میں بیان کریں گے۔ و منہ التوفیق۔

پہلی فصل

حسد کے بعض اسباب کا ذکر

(یوں تو) حسد کے بہت سے اسباب ہیں۔ لیکن سب سے اہم سبب اپنے نفس کی ذلت و گراوٹ کا احساس کرنا ہے۔ جیسے تکبر نوعاً اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ اگر انسان نے اپنے اندر ایک کمال کا احساس کیا اور دوسرے کو اس سے محروم سمجھا تو خود بخود اس کے نفس میں ایک قسم کی برتری و سرکشی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ انسان تکبر کرنے لگتا ہے۔ (لیکن اس کے برخلاف) اگر دوسرے کے اندر کمال کا احساس کیا (اور اپنے کو محروم سمجھا) تو اس کے اندر ایک شکستگی و ذلت و انکساری کی حالت پیدا ہو جاتی ہے جس میں اگر خارجی عوامل اور نفسانی مصلحتوں کا دخل نہ ہو تو اس کے اندر حسد پیدا ہو جاتا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کے مقابلہ میں کسی کو اپنی کمتری کا احساس ہوتا ہے ایسی صورت میں صاحبِ نعمت و کمال اپنے ایسے کسی دوسرے فرد یا ہم عصر سے حسد کرنے لگتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے: نفس کی کمتری اور تنگ دلی کا (دوسرا) نام حسد ہے۔ جس کی بنا پر انسان دوسرے کی کسی بھی خوبی یا کمال کے زوال کی تمنا کرتا ہے۔

چنانچہ علامہ مجلسیؒ قدس سرہ نقل فرماتے ہیں کہ: (علما نے) حسد کے اسباب کو سات چیزوں میں منحصر قرار دیا ہے۔

اوّل۔ عداوت۔

دوم۔ تعزز: اس کا مطلب یہ ہے کہ (حاسد یہ خیال کرتا ہے کہ) محسود کے اندر جو کمال ہے یا اس کو جو نعمت حاصل ہے اس نعمت کی وجہ سے مجھ (حاسد) پر تکبر کر رہا ہے اور (چونکہ) حاسد میں محسود کے تکبر کے جواب کی طاقت نہیں ہے اس لئے وہ محسود سے زوالِ نعمت کی تمنا کرتا ہے۔

سوم۔ کبر: اس کی صورت یہ ہے کہ حاسد صاحبِ نعمت پر تکبر کرنا چاہتا ہے مگر جب تک محسود سے زوالِ نعمت نہ ہو جائے یہ بات ممکن نہیں ہے لہٰذا حاسد محسود سے زوالِ نعمت کی تمنا کرتا ہے۔

چہارم۔ تعجب: محسود کی عظیم نعمت پر حاسد کو تعجب ہوتا ہے (اس لئے وہ زوالِ نعمت کی تمنا کرتا ہے) جیسے کہ سابق اُمتوں کی خبر دیتے ہوئے خداوند کا ارشاد ہے «مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا»[۲] اسی طرح ان اُمتوں نے کہا «أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا»[۳] یعنی ان کو تعجب ہوا کہ جو شخص ہمارے ہی جیسا ہے وہ مرتبۂ وحی و رسالت پر کیسے فائز ہو گیا؟ اس لئے حسد کرنے لگے۔

پنجم۔ خوف: حاسد اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں صاحبِ نعمت اپنی نعمت کی بنا پر اس کے محبوب مقاصد کے راستہ میں حائل نہ ہو جائے اس (خوف کی) وجہ سے حسد کرنے لگتا ہے۔

ششم۔ حُبِّ ریاست: یہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی کی ریاست اس بات پر موقوف ہو جائے کہ کوئی بھی دوسرا شخص اس کے برابر نہ ہو (ورنہ وہ ریاست نہ کر سکے گا ایسی صورت میں وہ حسد کرنے لگتا ہے)

ہفتم: خبثِ طینت، یعنی کوئی ایسا بد باطن ہو کہ کسی کی نعمت کو دیکھ ہی نہ سکتا ہو۔ "انتھیٰ کلام المجلسیؒ[۵]"

اور صاحبِ کتاب کے نزدیک ان میں سے اکثر کی بلکہ سب ہی کی بازگشت احساس ذلتِ نفس و احساسِ کمتری کی طرف ہے جیسا کہ اشارہ بھی کیا جا چکا ہے اور مشہور علماء نے حسد کی جو تعریف کی ہے اس حسد کی ڈائریکٹ علت (بھی) یہی ہے۔ لیکن ہم نے حسد کے بارے میں جو یہ بات کہی ہے کہ خود یہ حالت حسد ہے یہ بات بھی مذکورہ بالا چیزوں کے مخالف نہیں ہے۔ بہر حال ان معانی کے اطراف و جوانب سے بحث کرنا خود ہمارے اور مقصودِ کتاب کے بھی خلاف ہے۔

دوسری فصل

حسد کے کچھ مفاسد

یہ جان لو کہ:

حسد خود دل کے مہلک امراض میں سے ہے۔ اور اسی حسد سے بہت سے ایسی قلبی امراض پیدا ہوتے ہیں جو اپنی جگہ پر خود مستقل مہلک مرض ہیں جیسے تکبر وغیرہ۔ ان میں سے ہم صرف انھیں کا ذکر کریں گے جو بہت ہی واضح ہیں۔ اور یقیناً اس کے اور بہت بُرے نتائج بھی ہیں جو مجھ جیسے لکھنے والے سے پوشیدہ ہیں۔

حسد کے مفاسد کے لیے وہی بہت کچھ ہے جس کی صادقِ مُصدق نے خبر دی ہے چنانچہ معاویہ بن وہب کی صحیحہ میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:- " آفَةُ الدِّينِ الْحَسَدُ وَالْعُجْبُ وَالْفَخْرُ "[٦] "حسد، عُجب (خود پسندی) تکبر (یہ چیزیں) دین کے لئے آفت ہیں" اور محمد بن مسلم کی صحیحہ میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے: (إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأتِي بِأَيِّ بَادِرَةٍ فَيُكَفَّرُ وَإِنَّ الْحَسَدَ لَيَأْكُلُ الْإِيمَانَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ"[٧] اگر کسی نے غصہ میں کوئی لغزش۔ زبانی یا عملی۔ ہو جائے تو وہ بخش دی جاتی ہے اور حسد ایمان کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھالیتی ہے"۔ امام خمینیؒ نے یکفر کوف کی تشدید سے پڑھا ہے اور یہی صحیح بھی ہے کیونکہ اگر بغیر تشدید کے پڑھا جائے تو مطلب ہوگا کہ اس لغزش کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور یہ بعید احتمال ہے۔)

یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ ایمان وہ نورِ خداوندی ہے جس کے فیض سے انسانی دل موردِ تجلیاتِ خدا بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے «لَا يَسَعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي بَلْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ»[٨] (میری زمین و آسمان میں میری سمائی نہیں ہے، ہاں میرے بندۂ مومن کے دل میں میری سمائی ہے) یہ نور معنوی، یہ بارقہ الہیہ جو قلب کو تمام موجودات سے وسیع تر قرار دیتا ہے اس قلب کی تنگی و تاریکی کے منافی ہے جو دل میں اس خبیث صفت کی کدورتوں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حالات نور ایمان کو باطل کر دیتے ہیں، دل کو مُردہ کر دیتے

ہیں اور ان حالات میں جتنی قوت پیدا ہوتی ہے اتنا ہی نورِ ایمان ضعیف ہو جاتا ہے۔

مومن کے معنوی و صوری اوصاف، ظاہر و باطن میں حسد سے پیدا ہو جانے والے آثار سے منافات رکھتے ہیں۔ مومن خدا کے بارے میں خوش بین ہوتا ہے، خدا کی اس تقسیم پر جو اس نے اپنے بندوں کے درمیان فرمائی ہے راضی رہتا ہے۔ (مگر) حاسد خدا پر غضب ناک ہوتا ہے۔ تقدیراتِ الٰہی سے روگرداں ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود حدیث شریف میں آیا ہے۔ مومن کسی بھی مومن کی برائی نہیں چاہتا، مومنین کو عزیز رکھتا ہے۔ (لیکن) حاسد اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ مومن پر کبھی حبِّ دنیا کا غلبہ نہیں ہوتا۔ لیکن حاسد حبِّ دُنیا کی شدت کی وجہ سے اس رذیلت میں گرفتار ہوتا ہے۔ مومن کو خدا کے علاوہ کسی سے خوف نہیں ہوتا۔ مگر حاسد کا حزن و خوف محسود ہی کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے۔ مومن کشادہ جبین ہوتا ہے اس کی صورت سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن حاسد ہمیشہ چین بہ جبین رہتا ہے۔ مومن متواضع ہوتا ہے۔ حاسد زیادہ تر تکبر کرتا ہے۔ پس حسد ایمان کے لئے آفت و مصیبت ہے وہ ایمان کو اسی طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے۔

حسد کی برائی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ایمان جو نجاتِ آخرت کا سرمایہ اور دلوں کی زندگی ہے اسی کو انسان سے چھین لیتا ہے اور انسان کو بے چارہ و مفلس بنا دیتا ہے۔ (اسی طرح) حسد کے ان بڑے لوازم میں سے جو حسد سے کبھی جدا ہی نہیں ہوتے وہ ولی نعمت و خالقِ کائنات پر غضب ناک ہونا اور اس کی تقدیرات سے روگرانی کرتا ہے۔ مادی دُنیا کے حجاب اندر حجاب تاریکیوں اور اس کے مفادات کے حصول میں ہمارے انہماک نے ہمارے تمام حواس پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ ہماری آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا بنا دیا ہے۔ نہ ہم یہ سمجھ پاتے ہیں کہ مالک الملوک پر غضب ناک ہیں اور اس کی تقدیر سے ناخوش ہیں اور نہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ اس غصے اور بدگمانی کی سزا کے طور پر ملکوت اور دائمی مسکن میں (مسخ ہو کر) ہماری اصلی صورت کیا ہوگی؟ بس امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ آواز ہمارے کانوں تک پہونچتی ہے کہ «وَ مَنْ يَكُ كَذٰلِكَ فَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ مِنِّي.» "جو ایسا ہے نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہے" یعنی جو مجھ سے روگراں اور ناراض ہے نہ میں اس سے ہوں نہ وہ مجھ سے ہے۔

ہم کو نہیں معلوم پروردگار کی ہم سے برائت اور اس کی بیزاری کیسی مصیبت ہے اور اس کے اندر کیا کیا بلائیں ہیں؟ جو شخص بھی ولایت حق سے خارج ہو گیا اور اس کو ارحم الراحمین کے پرچم رحمت کے نیچے سے الگ کر دیا گیا پھر اس کے لئے نجات کی کوئی بھی امید باقی نہیں ہے۔

شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اس کو نصیب نہیں ہوگی۔ «مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ» 9 بھلا جو شخص خدا پر غضب ناک ہے اور اس کی حفاظت ولایت سے خارج ہے، اسکے اور اسکے مالک کے درمیان رشتۂ محبت منقطع ہے اس کی کون شفاعت کر سکتا ہے؟ ہم خود اپنے اوپر جو مصیبت لائے ہیں اور انبیا و اولیا کے فریاد کرنے اور خواب غفلت سے بیدار کرنے کے باوجود ہماری غفلت جو روز بروز بڑھتی گئی اور ہماری بدبختی زیادہ ہوتی گئی اس پر حسرت و افسوس ہے۔

علمائے آخرت کی فرمائش کے مطابق حسد کے مفاسد میں سے فشارِ قبر اور تاریکیٔ قبر بھی ہے۔ کیونکہ وہ حضرات فرماتے ہیں: اس فاسد اور ردی اخلاق کی برزخی اور قبری صورت، روحانی فشار اور قلبی کدورت کا سبب بنتی ہے جس کا نتیجہ فشار اور تاریکی قبر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قبر کی وسعت اور تنگی سینہ کی کشادگی اور تنگی پر موقوف ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ "رسولِ خدا سعد کے تشیع جنازہ میں شریک ہوئے جبکہ ۷۰ ہزار فرشتے سعد کے جنازہ کی مشایعت کر رہے تھے۔ رسولِ خدا نے اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کیا اس کے بعد فرمایا: کیا سعد جیسا آدمی بھی فشارِ قبر کا شکار ہو سکتا ہے؟ راوی نے امام علیہ السّلام سے کہا: قربان جاؤں ہم کو بتایا گیا ہے کہ سعد پیشاب کرتے وقت طہارت کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ امامؑ نے فرمایا: معاذ اللہ! سعد کے اندر ایک برائی تھی کہ اپنے اہلِ خانہ سے درشتی سے پیش آیا کرتے تھے۔" انتہیٰ ۱۰۔

حسد کی وجہ سے دل کے اندر جو تنگی، تاریکی، کدورت، فشار ہوا کرتا ہے وہ دیگر اخلاقی برائیوں میں کم ہوتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حاسد دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا رہتا ہے قبر میں فشار و تاریکی میں گھرا رہتا ہے، اور آخرت میں بھی گرفتار و بے چارہ ہوتا ہے۔ اگر حسد سے دوسرے فاسد اخلاق یا باطل اعمال پیدا نہ بھی ہوں تب بھی مذکورہ بالا مفاسد ہی کیا کم ہیں؟ ویسے بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ حسد سے دوسرے مفاسد نہ پیدا ہوں۔ بلکہ حسد سے اخلاقی اور اعمالی برائیاں (بہت زیادہ) پیدا ہوتی ہیں جیسے بعض مواقع پر تکبر (جیسا کہ گزر گیا) غیبت، چغلخوری، فحش، ایذاء وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک ہلاک کرنے والی ہے۔

اس لئے ہر عقلمند پر لازم ہے کہ کمر ہمت باندھ کر اپنے کو اس ننگ و عار سے اور اپنے ایمان کو اس بھڑکتی آگ اور سخت مصیبت سے نجات دے اور اپنے کو اس فکری فشار، تنگیٔ قلب، سے اسی دنیا میں جو زندگی بھر ایک مستقل اور دائمی عذاب ہے۔ نجات دے اور تاریکی

قبر و عالمِ برزخ و غضبِ خداوندِ عالم سے رہائی حاصل کرے اتنا تو سوچے کہ جس چیز کے اندر اتنے مفاسد ہوں وہ بہر حال لازم العلاج ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے حسد سے محسود کو تو کوئی نقصان نہیں پہونچے گا نہ اس کی نعمت زائل ہو گی۔ اس کے برخلاف محسود کے لئے دینوی اور اخروی منفعت ہے تم خود دیکھتے ہو وہ نعمتوں سے مالا مال ہے اور تم اس کی نعمتوں سے مبتلائے عذاب ہو۔ تمہارا عذاب میں ہونا یہ خود اس کے لئے نعمت ہے۔ اگر تم کو اس دوسری نعمت کا احساس ہوا اور تم اس پر متنبہ ہو تو یہ تمہارے لئے ایک اور عذاب اور فشار کا باعث ہو گا۔ اور محسود کے لئے یہ تمہارا عذاب و فشار باعثِ نعمت ہو گا۔ اس طرح یہ سلسلہ بڑھتا جائے گا اور تم ہمیشہ رنج و غم و فشار میں رہو گے اور وہ (ہمیشہ) نعمت و خوشی و مسرت میں رہے گا، پھر آخرت میں بھی تمہارا حسد اس کے لئے نفع بخش ہو گا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ حسد کے ساتھ تم نے اس پر تہمت لگائی ہو، غیبت کی ہو یا دیگر ایذاء پہونچانے والے اقدامات کئے ہوں تو تمہاری نیکیاں اس کو دیدی جائیں گی اور تم تہی دست و مفلس و بے چارہ ہو کے رہ جاؤ گے اور وہ نعمتوں اور عظمتوں کا مالک ہو جائے گا۔ البتہ اگر ان امور میں تھوڑا سا غور و فکر کرو تو اپنے کو اس رذیل صفت سے پاک کر لو گے اور نفس کو بھی اس مہلکہ سے نجات دلا سکو گے۔

(البتہ یہ کبھی) گمان نہ کرنا کہ نفسیاتی، روحانی، اخلاقی رذائل کا دور کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ (کیونکہ) یہ سب وہ خام خیالی ہے کہ شیطان اور نفس امارہ نے تمہارے کان میں پھونک دیا ہے اور اس سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم کو نجاتِ آخرت اور اصلاحِ نفس کے راستہ پر چلنے سے روک دے۔ انسان جب تک اس تغیر پذیر اور لمحہ بہ لمحہ بدلتی دنیا میں رہتا ہے اس کے لئے (یہ بھی) ممکن ہے کہ تمام اوصاف و اخلاق کو بدل دے۔ اور ملکات چاہے جتنے محکم ہوں جب تک اس دُنیا میں ہیں قابلِ تغیر و تبدل ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شدت و ضعف کے اعتبار سے ان کے تصفیہ کرنے میں مدت درکار ہو گی اور اس میں تفاوت ہو گا۔

ہاں اگر نفس میں شروع میں کوئی صفت پیدا ہو جائے تو تھوڑی سی زحمت و ریاضت سے اس کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ جیسے اس نئے پودے کو آسانی سے اکھاڑا جا سکتا ہے جس کی جڑیں زیادہ نہ پھیلی ہوں اور زمین میں گہرائی تک نہ گئی ہوں۔ لیکن اگر وہ صفت نفس میں جڑ پکڑ چکی ہے۔ نفس کا ملکۂ مستقرہ بن چکی ہے تب اس کا زوال مشکل ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔ ہاں اس کے زائل کرنے میں کافی زیادہ زحمت کرنی ہو گی۔ (جیسے) جو درخت بہت پرانا ہو چکا ہو اور اس

کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہوں تو اس کا اکھاڑنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے تم قلب و روح کے مفاسد کی جڑوں کے اکھاڑنے میں جتنی دیر کرو گے۔ اتنی ہی زیادہ زحمت و ریاضت کرنی پڑے گی۔ (لہٰذا) اے عزیز! پہلے تو اپنی مملکت ظاہر و باطن میں عملی یا اخلاقی مفاسد کو آنے ہی نہ دو۔ کیونکہ ایسا کرنا اور اس کو آنے نہ دینا بہت آسان ہے۔ لیکن آنے کے بعد اور پھلنے پھولنے کے بعد نکالنا مشکل ہوگا۔ اور نکالنے میں بھی جتنی دیری کرو گے اتنی ہی زحمت زیادہ ہوگی (کیونکہ) انسان کی داخلی "صلاحیتیں" اور قوتیں (روز بروز) کم ہوتی جاتی ہیں۔

ہمارے شیخ جلیل اور عارف بزرگوار آقای شاہ آبادی "روحی فداہ" نے فرمایا: جب تک جوانی کی طاقتیں اور ان کا نشاط باقی ہے مفاسدِ اخلاقی کے خلاف تم بہتر طریقہ سے جہاد کر سکتے ہو اور انسانی وظائف کو بڑی عمدگی سے ادا کر سکتے ہو۔ اُن طاقتوں کو ضائع نہ ہونے دو کہ بڑھاپا آجائے (کیونکہ) بڑھاپے میں دور کرنے کی توفیق کا ہونا مشکل ہے۔ اور اگر موفق ہو بھی گئے تو اصلاح کرنے میں بڑی زحمت ہوگی۔

لہٰذا عقلمند اگر کسی چیز کے فساد کے بارے میں سوچ بچار کرے تو اگر اس کے مفاسد میں ابھی داخل نہیں ہوا ہے تو پھر اس کے کنارے بھی نہیں پھٹکے گا اور نہ اپنے کو اس میں آلودہ کریگا۔ اور اگر خدانخواستہ اس میں پھنس ہی گیا تو جلد از جلد اس کی اصلاح کرے گا اس برائی کو جڑ پکڑنے سے پہلے ختم کر دے گا۔ اور اگر خدانخواستہ اس نے جڑ پکڑ لیا ہے تو ہزاروں زحمتوں اور مشقتوں سے اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔ کہ کہیں وہ اپنے ثمرہ برزخی و آخرتی کو نہ پہونچ جائے اور باقاعدہ پھل پھول جائے۔ کیونکہ اگر وہ اسی اخلاقی برائی کے ساتھ اس دنیا سے جو مادی تغیرات اور ہیولائی تبدلات کی دُنیا ہے۔ منتقل ہو گیا تو پھر وہاں اس برائی کا قلع قمع کرنا اس کے بس سے باہر کی بات ہوگی۔ اور پھر کہیں برزخ یا آخرت میں یہ اس کی خلق نفسانی سے نہ بدل جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر افسوس صد افسوس!

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا "اہلِ جنت جنت میں اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں اپنی نیتوں کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے"[1] اور فاسد نیت (جو بُرے اخلاق سے پیدا ہوتی ہے) کا اس وقت تک زائل ہونا ناممکن ہے جب تک اس کا منشاء نہ زائل ہو جائے۔

عالم (آخرت) میں ملکات کا ظہور اتنی شدت و قوت سے ہوتا ہے کہ اگر وہ جہنم میں ہے۔ اس کا زوال یا تو محال ہو جاتا ہے۔ اور اگر سختیوں، آتشوں، فشار کی وجہ سے زائل بھی ہو جائے تو شاید زوال کے لئے ربوبی (خدائی) صدیوں کی ضرورت ہوگی۔

لہٰذا اے عاقل جس چیز کی اصلاح۔ ایک ماہ یا ایک سال کی۔ تھوڑی سی محنت سے ہو سکتی ہے، اور وہ تمہارے اختیار میں بھی ہے" اور اس کی وجہ سے دنیا و آخرت کی گرفتاریوں سے نجات بھی پا سکتے ہو تو اس کو اس کی حالت پر نہ چھوڑ۔ (بلکہ اس کی اصلاح کرے) ورنہ وہ تجھے ہلاک کر دے گی۔

تیسری فصل

مفاسد اخلاقی کی جڑ

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا[۱۲] ہے کہ ایمان جو قلب کی لذت ہے وہ علم کے علاوہ ہے کیونکہ علم عقل کی لذت ہے۔ تمام اعمالی و اخلاقی مفاسد کا سبب یہ ہے کہ قلب ایمان سے بے خبر ہے اور عقل نے برہانِ عقلی یا اخبارِ انبیاؑ کے واسطہ سے جن چیزوں کا ادراک کیا تھا ان کو قلب تک نہیں پہونچایا اور دل ان چیزوں سے غافل رہا۔

معارف میں سے ایک وہ چیز جس کی حکیم، متکلم، عوام، اہلِ شرائع (سب ہی) تصدیق کرتے ہیں اور واقعی اس میں کسی کے لئے کوئی شبہ بھی نہیں ہے وہ یہ ہے کہ: حکیم علی الاطلاق۔ جلت قدرتہ کے جنبشِ قلم سے جو بھی چیز ظاہر ہوئی ہے۔ مثلاً وجود اور اس کے کمالات، بسطِ نعمت، رزق و روزی کی تقسیم (وغیرہ) وہ سب بہترین نقشہ اور خوبصورت ترین نظام ہے اور جس نظامِ کلی و مکمل ترین اور مصالح سے بھرپور نظام کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مطابق ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ہر گروہ اپنی مخصوص زبان اور اپنے فن کے مخصوص اصطلاح میں اس کی حکمتِ کاملہ اور لطیفۂ الہیۃ کا بیان کرتا ہے۔

۱ —— عارف کہتا ہے: یہ دنیا جمیل علی الاطلاق کی علی الاطلاق خوبصورت ترین پرچھائیں ہے۔

۲ —— حکیم کہتا ہے: یہ نظام سائنٹفک نظام کے عین مطابق ہے جو ہر قسم کے نقص و عیب و شر سے خالی ہے۔ اور جزئی قسم کے شر کا جو توہم ہوتا ہے۔

وہ موجودات کو ان کے کمالاتِ لائقہ تک پہونچانے کے لئے ہے۔ ۱۴

۳ ـــــــ متکلم و عالمِ شریعت کہتا ہے: حکیم کے تمام افعال حکمت و صلاح پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور انسانی جزئی و محدود عقول مصالحِ تامہ کے ادراک سے 'جو تقدیراتِ الٰہی میں جاری ہیں' عاجز ہیں۔ ۱۵

یہ بات سب ہی کی زبان پر جاری ہے۔ اور ہر شخص نے اپنے علم و عقل کی وسعت کے مطابق اس پر دلیلیں قائم کی ہیں۔ مگر چونکہ صرف قیل و قال کی حد تک محدود ہے اور حال و قلب کے مرتبہ تک نہیں پہونچا لہٰذا اعتراض کی زبانیں کھلی ہیں اور جس شخص کے پاس کبھی لذتِ ایمان نہیں ہے وہ خود ہی اپنے قول و برہان کی تکذیب کر دیتا ہے۔ تمام اخلاقی مفاسد کی جڑ یہی فکر و نظر کی کوتاہی ہے۔ جو شخص حسد کرتا ہے اور دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا کرتا ہے اور صاحبِ نعمت کی طرف سے اپنے دل میں کینہ رکھتا ہے۔ اس کو خود ہی معلوم ہے کہ وہ (واقعی) اس بات پر ایمان نہیں رکھتا کہ خداوندِ عالم نے مکمل صلاح کے اعتبار ہی سے یہ نعمت اس غیر کو بخشی ہے۔ مگر ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور وہ (یہ بھی) جانتا ہے کہ اس کو عدلِ الٰہی اور عادلانہ تقسیمِ الٰہی پر ایمان نہیں ہے۔

اے (حاسد) تو اصول میں تو کہتا ہے: خدا عادل ہے (مگر) یہ صرف زبانی دعویٰ ہے۔ عدلِ الٰہی پر ایمان رکھنے والا کبھی حسد کر ہی نہیں سکتا کیونکہ دونوں میں تضاد ہے۔ تو اگر اس کو عادل مانتا ہے تو اس کی تقسیم کو بھی عادلانہ تسلیم کر۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: میں نے اپنے بندوں میں جو تقسیم کی ہے حاسد اس سے منحرف ہے۔ میری نعمتوں (کی تقسیم) پر غضب ناک ہے۔ دل فطری طور سے عادلانہ تقسیم کے سامنے سر جھکانے پر تیار رہتا ہے اور ظلم و جور سے گریزاں رہتا ہے اور متنفر رہتا ہے۔ فطرتِ الٰہی جو ذاتِ بشر کے اندر پوشیدہ اور اس کی خمیر میں شامل ہے وہ عدل سے محبت کرتی ہے اور عدل کے سامنے سرنگوں ہے۔ اور بغض و ظلم اور اس کے سامنے سر نہ جھکانے والی ہے۔ اگر فطرت نے خلافِ عدل دیکھا تو سمجھ جاتی ہے اس کے مقدمات میں نقص ہے اور اگر نعمت پر غضب ناک اور تقسیم سے منحرف ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ حاسد تقسیم کو غیر عادلانہ سمجھتا ہے بلکہ نعوذ باللہ۔ جابرانہ سمجھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ حاسد تقسیمِ خداوندی کو عادلانہ سمجھتے ہوئے اس سے اعتراض کرتا ہے اور نقشہ (کائنات) کو نظامِ اتم اور مصالحِ تامہ کے مطابق مانتے ہوئے اس پر

غضب ناک ہے۔ (نہیں نہیں) افسوس ہمارا ایمان ہی ناقص ہے (بلکہ) عقلی و برہانی مطالب اعقل وادراک کی حدوں سے گزر کر حدودِ قلب میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ ایمان کہنے سُننے، پڑھنے بحث کرنے اور قیل وقال کا نام نہیں ہے۔ ایمان خلوصِ نیت کو چاہتا ہے۔ خدا جُو (ہی) خدا تک پہونچتا ہے۔ جس کو معارف کی طلب ہوتی ہے وہ معارف کی جستجو کرتا ہے۔ «مَنْ كَانَ فِي هٰذِهِ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى وَأَضَلُّ سَبِيلًا.»[14] اور جو شخص اس (دُنیا) میں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا اور گم گشتہ راہ ہوگا۔ "وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ"[4] "اور جسے خود خدا نے (ہدایت کی) روشنی نہ دی ہو تو اس کے لئے کہیں کوئی روشنی نہیں ہے۔"

چوتھی فصل

حسد کا عملی علاج

حسد کا تھوڑا سا علمی علاج تو گزر چکا۔ لیکن اس رسوا کُن رذیلت کا تھوڑا سا عملی علاج یہاں پر ذکر کیا جا رہا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ: تم پہلے محسود کے ساتھ محبّت کا اظہار کرو چاہے وہ تکلفاً ہی ہو۔ اور (صرف محبت ہی نہیں بلکہ) ترتیب آثار بھی کرو۔ اور اس سے تمہارا مقصد مرض باطنی کا علاج کرنا ہو۔ تمہارا دل کہے گا اس کو تکلیف پہونچاؤ، اس کی توہین کرو، اس سے دشمنی کرو، اس کی برائیوں اور مفاسد کو اُچھالو۔ (مگر) تم اپنے دل کے خلاف عمل کرو، اس پر رحم کرو، اسکا احترام کرو، توقیر کرو، زبان کو اس کے ذکر خیر پر آمادہ کرو۔ اس کی اچھائیوں کو اپنے سامنے رکھو، دوسروں کے سامنے بیان کرو اس کے اچھے صفات کو اپنے ذہن نشین کرلو۔ اگرچہ شروع شروع میں یہ سب کرتے ہوئے تم کو تکلف کا احساس ہوگا اور یہ سب دکھاوٹ و غیر واقعی معلوم ہوگا۔ لیکن چونکہ تمہارا مقصد نفس کی اصلاح اور حسد کی بُرائی کو دور کرنا ہے اس لئے (رفتہ رفتہ) حقیقت سے نزدیک ہوتے جاؤ گے اور تھوڑا تھوڑا کر کے تکلف بھی کم ہو جائے گا اور نفس (ان باتوں کا) عادی ہو جائے گا اور اس میں حقیقت کی جھلک پیدا ہو جائے گی۔

کم سے کم نفس کے سامنے یہ پیش کرو اور اس کو سمجھاؤ کہ یہ (بھی) تو خدا کا بندہ ہے۔ ہو سکتا ہے خدا نے اس پر (محسود پر) اپنا نظر کرم کیا ہو۔ اور اپنی مخصوص نعمتوں سے اس کو نوازا ہو۔

خصوصاً اگر محسود اہلِ علم و دیانت ہو اور حسد بھی علم و دیانت کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں حسد اور ہی قبیح ہے اور ایسے افراد سے دشمنی رکھنے کا انجام بہت ہی بُرا ہے۔ اپنے نفس کو یہ سمجھانا چاہیئے کہ یہ حضرات خدا کے مخصوص بندے ہیں۔ توفیق الٰہی ان کے شامل حال ہے اس لئے اس عظیم نعمت سے ان لوگوں کو سرفراز فرمایا ہے۔ یہ نعمت تو لوگوں کے دلوں میں اس نعمت کے رکھنے والے کے لئے محبت پیدا کرتی ہے۔ لوگوں کو ایسے شخص (یا اشخاص) کا احترام کرنا چاہیئے اور ان کی عزت کرنی چاہیئے۔

لیکن اگر یہ دیکھے کہ جو چیزیں نفس کے لئے باعثِ محبت و خضوع ہونا چاہئیں۔ اس کے اندر اس کے بر خلاف چیزیں پیدا ہو رہی ہیں تو اس کو جان لینا چاہیئے کہ اس پر شقاوت کا غلبہ ہو چکا ہے۔ اور اس کے باطن میں تاریکی غالب آچکی ہے اور پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ علمی و عملی طریقہ سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ اور یہ یقین کرے کہ ایجادِ محبت کی کوشش کرے گا۔ تو جلد کامیاب ہو گا۔ کیونکہ محبت کا نور ظلمت و کدورت پر غالب ہے۔ اور خداوندِ عالم نے وعدہ فرمایا ہے کہ جہاد کرنے والوں کو ہدایت عطا کرے گا اور اپنے لطفِ خفی سے ان کی مدد کرے گا اور توفیق دے گا۔

«إِنَّهُ وَلِيُّ التَّوْفِيقِ وَالْهِدَايَةِ.»

پانچویں فصل

حدیثِ رفع کا ذکر

یہ سمجھ لو کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: میری اُمت سے نو چیزوں کو اٹھا لیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک حسد ہے بشرطیکہ اس کا اظہار ہاتھ یا زبان سے نہ ہو۔ ۱۸

لیکن اس قسم کی حدیثیں نفس سے حسد کے شجرۂ خبیثہ کو قلع قمع کر دینے سے مانع نہیں ہیں اور نہ ہی اس آتشِ ایمان سوز و آفتِ دین والی برائی سے روح کو پاک کرنے سے روکتی ہیں۔ کیونکہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ یہ مادۂ فساد نفس میں داخل ہو اور مختلف قسم کے فساد نہ پیدا کرے۔ اور اس کا کوئی بھی اثر ظاہر نہ ہو اور انسان کا ایمان محفوظ رہ جائے۔

اس کے علاوہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حسد ایمان کو کھا لیتا ہے اور ایمان کے لئے آفت ہے۔ ۱۹ اور خداوندِ عالم نے حاسد سے برائت کی ہے اور اپنی اس سے اور اس کی اپنے سے نفی

فرمادی ہے۔

لہٰذا ایسے امرِ عظیم اور فسادِ مبہم سے کہ جس سے انسان کی ہر چیز کو خطرہ ہے کبھی بھی غفلت نہیں برتنی چاہیئے اور حدیث رفع کی بنا پر دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ اس لئے (اے فاسد) تو واقعی طور سے کوشش کر اور شجرۂ حسد کی شاخوں کو کاٹ دے۔ اپنی اصلاح کی فکر کر، خارج میں اس کے اثرات کو ظاہر نہ ہونے دے۔ تاکہ اس کی جڑ کمزور ہو جائے اور نمود ترقی نہ کر سکے۔ اور اگر ریاضت و اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے تم کو موت آ جائے تو (انشاء اللہ) رحمتِ الٰہی تمہارے شاملِ حال ہوگی، اور رسولِ اکرم کی پُر برکت روحانیت اور وسیع رحمت کے طفیل میں معاف کر دیئے جاؤ گے اور اگر کچھ تھوڑا اسا رہ بھی گیا ہے تو بارقۂ رحمانیت اس کو جلا کر نفس کو پاک و پاکیزہ بنا دے گی۔

البتہ حمزہ بن حمرانؒ کی جو روایت ہے: «عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلام، قَالَ ثَلاثَةٌ لَمْ يَنْجُ مِنْهَا نَبي. فَمَنْ دُونَهُ؛ اَلتَّفَكُّرُ فِي الْوَسْوَسَةِ فِي الْخَلْقِ وَالطِّيَرَةُ وَ الْحَسَدُ إِلّا اَنَّ الْمُؤمِنَ لاَ يَسْتَعْمِلُ حَسَدَهُ.» [۴۰] (امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: تین چیزیں ایسی ہیں جن سے نبیؐ اور ان سے کمتر درجہ کے لوگ بھی محفوظ نہیں ہیں (اور وہ یہ ہیں) لوگوں کے لئے دل میں (بُرے خیالات اور) وسوسے، فالِ بد، حسد۔ لیکن مومن کبھی حسد سے کام نہیں لیتا۔) پس یہ روایت یا تو بطور مبالغہ وارد ہوئی ہے اور امامؑ کا مقصد ہے کہ زیادہ تر لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ یا یہ کہ محض کثرتِ ابتلا کی طرف کنایہ ہے اور خود مضمونِ جملہ مقصود بالذات نہیں ہے اور یا یہاں حسد سے عام معنیٰ مُراد ہیں جو حسد اور غبطہ دونوں کو شامل ہے اور یہ بطور مجاز ہے۔ اور یا اس سے مُراد کفار کی ان نعمتوں کے زوال کی طرف اشارہ ہے جس کو وہ اپنے باطل مذہب کی ترویج کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اسی کو حسد کہا گیا ہے۔ ورنہ حسد کے حقیقی معنیٰ سے انبیا و اولیا پاک ہوتے ہیں (کیونکہ) جو قلب بُرے اخلاق اور گندگیوں کا مرکز ہو وہ وحی و الہام کا مورد نہیں بن سکتا۔ اور نہ خدا کے تجلیاتِ ذاتی و صفاتی کا مورد بن سکتا ہے۔ لہٰذا روایت کی وہی توجیہ ہونی چاہیئے جو میں نے کی ہے۔ یا کوئی اور توجیہ کرنی چاہیئے۔ اور یا پھر اس کے علم کو اس کے قائل۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ کی طرف پلٹا دینا چاہیئے کہ حضرتؑ کا مقصد کیا ہے؟ وہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

والحمد للہ اولاً و آخراً۔

پانچویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۷، کتاب ایمان وکفر، درباب حسد حدیث ۶۔

۲۔ حدیث اوّل توضیح ۱۴۔

۳۔ سورۂ یٰسین آیت ۱۵۔ ترجمہ: آپ ہم جیسے انسان ہی ہیں۔

۴۔ مومنون آیت ۴۷۔

۵۔ بحار الانوار جلد ۷۰، ص ۲۴۰، کتاب ایمان وکفر، باب حسد مراۃ العقول جلد ۱۰، ص ۱۵۹، کتاب ایمان وکفر، باب حسد۔

۶۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۷، کتاب ایمان وکفر باب حسد حدیث ۵۔

۷۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۶، کتاب ایمان وکفر باب حسد حدیث ۱۔

۸۔ احیاء العلوم الدین جلد ۳، ص ۱۲، عوالی اللئالی جلد ۴، ص ۷۔ اور حدیث دوم کے توضیحات ۱۵ میں بھی یہ حدیث ذکر کی جاچکی ہے۔

۹۔ سورۂ بقرہ ۲۵۵۔ ترجمہ "بھلا کون ایسا ہے جو خدا کی اجازت کے بغیر خدا سے (کسی کی) شفاعت کرے؟"

۱۰۔ «وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، خَرَجَ فِي جِنَازَةِ سَعْدٍ وَقَدْ شَيَّعَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ: مِثْلُ سَعْدٍ يُضَمُّ؟ قَالَ: قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، إِنَّا نُحَدَّثُ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَخِفُّ بِالْبَوْلِ. فَقَالَ: مَعَاذَ اللهِ إِنَّمَا كَانَ مِنْ زَعَارَةٍ فِي خُلُقِهِ عَلَى أَهْلِهِ.» فروعِ کافی جلد ۲، ص ۲۳۶، کتاب الجنائز، باب المسائلۃ فی

القمر، حدیث ۶۔

۱۱۔ ملاحظہ ہو حدیث اوّل توضیح ۵۱۔

۱۲۔ امام جعفر صادقؑ اپنے آباؤ اجداد سے روایت فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، ذَاتَ يَوْمٍ جَالِساً فِي مَسْجِدِهِ إِذْ دَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ قَالَ الْيَهُودِيُّ: فَإِنْ كَانَ رَبُّكَ لَا يَظْلِمُ فَكَيْفَ يُخَلِّدُ فِي النَّارِ أَبَدَ الْآبِدِينَ مَنْ لَمْ يَعْصِهِ إِلَّا أَيَّاماً مَعْدُودَةً؟ قَالَ: يُخَلِّدُهُ عَلَى نِيَّتِهِ. فَمَنْ عَلِمَ اللّٰهُ نِيَّتَهُ أَنَّهُ لَوْ بَقِيَ فِي الدُّنْيَا إِلَى انْقِضَائِهَا كَانَ يَعْصِي اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، خَلَّدَهُ فِي نَارِهِ عَلَى نِيَّتِهِ؛ وَنِيَّتُهُ فِي ذٰلِكَ شَرٌّ مِنْ عَمَلِهِ. وَكَذٰلِكَ يُخَلَّدُ مَنْ يُخَلَّدُ فِي الْجَنَّةِ بِأَنَّهُ يَنْوِي أَنَّهُ لَوْ بَقِيَ فِي الدُّنْيَا أَيَّامَهَا لَأَطَاعَ اللّٰهَ أَبَداً؛ وَنِيَّتُهُ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ. فَبِالنِّيَّاتِ يُخَلَّدُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ وَأَهْلُ النَّارِ فِي النَّارِ»

ایک دن رسولِ خدا اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک یہودی آپؐ کے پاس آیا اور اس نے بہت سے سوالات کئے ایک یہ بھی تھا کہ (بولا): اگر آپ کا خدا ظالم نہیں ہے تو جس شخص نے صرف چند روز گناہ کئے ہیں اس کو کیوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کو اس کی نیّت کی بنا پر ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیتا ہے۔ جس کو خدا جانتا ہے کہ اگر یہ دنیا کی آخری عمر تک بھی زندہ رہتا تو نافرمانی ہی کرتا اس کو اس کی اس نیّت کی بنا پر ہمیشہ کے لئے جہنم میں رکھتا ہے۔ اور اس شخص کی یہ نیّت اس کے عمل سے بدتر ہے۔ اسی طرح جس کو بہشت میں ہمیشہ کے لئے رکھتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس شخص کی نیّت یہ ہوتی ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے اگر اس میں زندہ رہتا تو اس کی اطاعت کرتا اور اس کی یہ نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ پس اہلِ جنّت اپنی نیّت کی بنا پر ہمیشہ جنّت میں اور اہلِ جہنّم ہمیشہ اپنی نیّت کی بنا پر جہنّم میں رہیں گے۔ التوحید ص ۳۹۸، ۳۹۹، باب الاطفال حدیث ۱۴۔

۱۳۔ اصل کتاب کے ص ۵۰ پر ذکر ہو چکا ہے۔

۱۴۔ ملاحظہ ہو اسفار اربعہ جلد ۷، ص ۵۵ - ۱۰۵ سفر سوم، موقف ہشتم فصل ۱ تا ۹۔

۱۵۔ کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد، ص ۲۲۴ مقصد سوم فصل دوم۔

۱۶۔ سورۂ اسراء آیت ۷۲۔

۱۷۔ سورۂ نور آیت ۴۰۔

۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۶۳، کتاب ایمان و کفر، باب رفع عن الامۃ حدیث ۲۔

۱۹۔ ملاحظہ ہو حدیث پنجم توضیح ۶ - ۷، اور حدیث اوّل توضیحات ۵۵۔

۲۰۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۲۹۳، کتاب جہاد باب ۵۵ حدیث ۸، روضہ کافی جلد ۸ ص ۱۰۸، حدیث ۸۶۔

چھٹی حدیث

«بالسَّندِ الْمُتَّصلِ إلى مُحمّدِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ مُحمّدِ بْنِ يَحْيى، عَنْ أحمدَ بْنِ مُحمدٍ، عَنْ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ عَبدِاللهِ بْنِ سِنانٍ وَعبدِالعَزيزِ العَبْدي، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ أبي يَعْفُورٍ، عَنْ أبي عَبْدِالله، عَلَيْهِ السَّلام، قالَ: مَنْ أصْبَحَ وَأمْسىٰ وَالدُّنْيا أكْبَرُ هَمِّهِ، جَعَلَ اللّهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ أمْرَهُ، وَلَمْ يَنَلْ إلاّ ما قُسِمَ لَهُ. وَمَنْ أصْبَحَ وَأمْسىٰ وَالآخِرَةُ أكْبَرُ هَمِّهِ، جَعَلَ اللّهُ الْغِنىٰ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ أمْرَهُ.»[1]

ترجمہ: ابن ابی یعفور کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص صبح و شام اس حالت میں کرے کہ اس کا سب سے اہم مقصد دنیا ہو۔ تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان فقر و ناداری لکھ دیتا ہے۔

اور اس کے سارے کام بگاڑ دیتا ہے۔ اور اپنے مقسوم کے علاوہ اس کو دنیا سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ اور جو شخص صبح و شام اس حالت میں کرے کہ اس کا سب سے اہم مقصد آخرت ہو تو خدا اس کے دل میں مالداری و بے نیازی عطا کر دیتا ہے۔ اور اس کے تمام کاموں کو پورا کر دیتا ہے۔"

شرح:

اربابِ علوم کے نظریات کے مطابق اور ان کے علوم و معارف کے اعتبار سے دنیا و آخرت کا اطلاق کئی معانی اور مفاہیم پر ہوتا ہے۔ علمی اصطلاحوں کے اعتبار سے ان کی حقیقت سے بحث کرنا ہمارے لئے (زیادہ) اہم نہیں ہے (اسی طرح) اصطلاحات کا سمجھنا۔ رد و قبول کرنا اُن میں جرح و تعدیل کرنا بھی ہمارے مقصد سے دور ہے کیونکہ یہ چیزیں راہرو کو اصل راستہ پر گامزن ہونے سے روکتی ہیں۔[۲]

اس سلسلہ میں جو بات اہم ہے وہ مذمت شدہ دُنیا کا سمجھنا ہے تاکہ جو شخص آخرت کا طالب ہے وہ اس دُنیا سے اجتناب کرے، اور جو چیزیں انسان کو راہِ نجات تک پہونچانے میں مددگار ثابت ہوں وہ بھی ہمارے لئے اہم ہیں اور ہم انشاءاللہ ان چیزوں کو چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔ اور خداوندِ عالم سے اس راستہ پر چلنے کی توفیق چاہتے ہیں۔

پہلی فصل

مذموم دُنیا کے سلسلہ میں علامہ مجلسیؒ کا بیان

محقق خبیر، محدث بے نظیر، علامہ مجلسیؒ[۳] فرماتے ہیں:

آیات و احادیث کے مجموعہ سے جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس دُنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ ایسے اُمور سے مُرکب ہے جو انسان کو خدا کی دوستی اور اس کی اطاعت اور حصول آخرت سے روکتے ہوں۔ پس دُنیا و آخرت ایک دوسرے کے (متد) مقابل ہیں جو بھی چیز خدا کی خوشنودی اور اسکے تقرب کا سبب ہو وہ آخرت ہے چاہے بحسب ظاہر وہ دُنیا سے ہو۔ جیسے تمام وہ تجارت و زراعت و صنعت کہ جن کا مقصد اطاعتِ خدا کے لئے (اہل و) عیال کی معیشت کا انتظام کرنا، نیک کاموں میں خرچ کرنا، غریب و محتاج کی مدد کرنا، صدقہ دینا، لوگوں کی ضرورتوں کو پوری کرنا وغیرہ ہو تو یہ سب آخرت ہے چاہے لوگ اس کو دنیا (داری) سمجھتے ہوں۔ اور بدعتی ریاضتیں، ریاکاری کے اعمال چاہے اس میں ظاہری زہد و انواع مشقت ہوں پھر بھی یہ دُنیا ہے۔ (اگرچہ بظاہر امورِ آخرت میں سے ہے) کیونکہ یہ خدا سے دوری کا سبب ہیں ان سے خدا کی قربت حاصل نہیں ہوتی

جیسے کفار و مخالفین کے اعمال انتہیٰ۔ ۴

(علامہ مجلسیؒ) ایک محقق کا قول نقل کرتے ہیں کہ: تمہاری دُنیا و آخرت تمہارے دل کی دو حالتوں سے عبارت ہے۔

۱ ـــــ جو تم سے نزدیک ہے اور مرنے سے پہلے ہے اس کا نام دُنیا ہے۔

۲ ـــــ اور جو اس کے بعد آئے گا اور مرنے کے بعد ملے گا اس کا نام آخرت ہے۔ پس مرنے سے پہلے جن چیزوں میں تم کو لذت و شہوت اور نصیب ملے تمہارے حق میں وہی دنیا ہے۔ ۵

فقیر (امام خمینی طاب ثراہ) عرض کرتا ہے۔ دُنیا کا اطلاق کبھی وجود کے درجۂ تنزل پر کیا گیا ہے جو دارِ فنا اور عالم تغیر و مجاز ہے۔ اور آخرت (کا اطلاق) اس دُنیا سے اپنے باطن اور ملکوت کی طرف واپسی پر کیا جاتا ہے اور یہ (آخرت) دارِ ثبوت و ہمیشگی اور دارِ قرار ہے۔ اور یہ دونوں حالتیں ہر نفس اور ہر شخص کے لئے ثابت و محقق ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر موجود کے لئے (ایک) مقام ظہور و ملک و شہود ہوتا ہے اور یہ دنیا کا مرتبۂ نازلہ و پست ہے اور (ایک) مقام بطون و ملکوت و غیب ہے اور یہ آخرت کا مرتبۂ اعلیٰ ہے۔ اور دُنیا کا یہ پست و مرتبۂ نازلہ اگرچہ بذات خود ناقص اور وجود کا آخری مرتبہ ہے۔ لیکن چونکہ نفوس قدسیہ کا گہوارۂ تربیت اور مقامات عالیہ کے تحصیل کی جگہ اور آخرت کی کھیتی ہے اس لئے اولیائے کرام اور آخرت کے اہلِ سلوک کی نظر میں مشاہد وجودیہ میں سب سے احسن اور عزیز ترین نشأۃ اور غنیمت ترین عوالم میں سے ہے اور اگر یہ مادّی دُنیا اپنے تغیرات اور طبعی حرکات جوہری وارادی کے ساتھ موجود نہ ہوتی اور خداوند عالم اس میں قانون تبدل و تغیر کو مُسلّط نہ کرتا تو اس کائناتِ رنگ و بُو کے اندر کسی بھی نفس ناطقہ کو اپنے کمال تک پہونچنا نصیب نہ ہوتا اور نہ کوئی اپنے دارِ ثبات و قرار میں اپنی جگہ تک پہونچتا (بلکہ) دُنیائے مادہ و روح میں نقص کلی پیدا ہو جاتا۔

اور قرآن و حدیث میں جو اس دُنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ حقیقت میں اس دُنیا کی مذمت نہیں ہے بلکہ اس دُنیا سے محبت کرنے اور اس سے قلبی لگاؤ رکھنے کی مذمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے دو دُنیا ہے ایک ممدوح ہے اور ایک مذموم ہے۔ اس میں جو چیز ممدوح ہے وہ یہ ہے کہ یہ دُنیا تیاری کی جگہ ہے، دارالتربیت اور دارالتحصیل ہے، اچھائیوں کے حاصل کرنے کی جگہ، اعلیٰ مقامات اور اکتساب کمالات اور ابدی سعادت حاصل کرنے کی جگہ ہے اور تجارت

کی جگہ ہے (یہاں مال دیکر وہاں نفع لو) اور جب تک انسان اس دُنیا میں نہ آئے ان چیزوں کا حصول ناممکن ہے۔ چنانچہ مولی الموحدین حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں۔ ایک شخص دنیا کی مذمت کر رہا تھا اس کو سُنکر آپؑ نے فرمایا۔

«إِنَّ الدُّنْيا دارُ صِدْقٍ لِمَنْ صَدَقَها، وَدارُ عافِيَةٍ لِمَنْ فَهِمَ عَنْها؛ وَدارُ غِنىً لِمَنْ تَزَوَّدَمِنْها؛ وَدارُ مَوْعِظَةٍ لِمَنِ اتَّعَظَ بِها؛ مَسْجِدُ أَحِبّاءِ اللّٰهِ وَمُصَلّى مَلائِكَةِ اللّٰهِ وَمَهْبِطُ وَحْيِ اللّٰهِ وَمَتْجَرُ أَوْلِياءِ اللّٰهِ. اِكْتَسَبُوا فِيها الرَّحْمَةَ وَرَبِحُوا فِيها الْجَنَّةَ.»[6] "بیشک دُنیا ان لوگوں کے لئے جو باور کریں سچائی کا گھر ہے اور جو اس کی باتوں کو سمجھ لے اس کے لئے عافیت کی جگہ ہے اور جو اس سے زادِ راہ حاصل کر لے اس کے لئے مالداری کی منزل ہے اور جو اس سے وعظ و نصیحت حاصل کر لے اس کے لئے وعظ و نصیحت کا مکان ہے دُنیا دوستانِ خدا کے لئے عبادت کی جگہ خدا کے فرشتوں کے نماز پڑھنے کا مقام ہے۔ وحیِ الٰہی کی منزل اور اولیائے خدا کی تجارت گاہ ہے۔ اور انھیں لوگوں نے اس دنیا میں فضل و رحمت کا سودا کیا اور اسی دُنیا میں رہتے ہوئے فائدے میں جنت حاصل کی۔"

اور سورہ نحل میں جو «وَلَنِعْمَ دارُ الْمُتَّقِينَ»[7] "پرہیزگاروں کے لئے کیا ہی اچھا ٹھکانہ ہے" آیا ہے تفسیر[8] عیاشی میں حضرت امام محمد باقرؑ کی روایت ہے کہ اس دار المتقین سے مُراد دنیا[9] ہے۔ پس عالمِ مُلک جو جمال و جلال کا مظہر ہے اور قدرتِ مطلقہ کے شہادت کی منزل ہے وہ ایک اعتبار سے قابلِ مذمت نہیں ہے۔ ہاں جو چیز مذموم ہے وہ خود انسان کی دُنیا ہے۔ جس پر انسان توجہ کرتا ہے اور جس سے دلبستگی و محبت رکھتا ہے کہ وہی تمام مفاسد کی منشاء اور عملی و قلبی (نافرمانیوں و) خطاؤں کا سرچشمہ ہے۔

کافی میں امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے «قالَ، عَلَيْهِ السَّلام: رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ حُبُّ الدُّنْيا.» "ہر برائی کی جڑ دنیا ہے «وَعَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلام: ما ذِئْبانِ ضارِيانِ فِي غَنَمٍ لَيْسَ لَها راعٍ، هٰذا فِي أَوَّلِها وَهٰذا فِي آخِرِها، بِأَسْرَعَ فِيها مِنْ حُبِّ الْمالِ وَالشَّرَفِ فِي دِينِ الْمُؤْمِنِ.»

"کسی ایسے گلہ پر جس کا کوئی محافظ نہ ہو دو خونخوار بھیڑیے ایک آگے سے اور ایک پیچھے سے حملہ آور ہو کر اتنی جلدی اتنا نقصان نہیں پہونچا سکتے جتنا مال و شرف کی محبت مومن کے دین کو

نقصان پہونچا دیتی ہے۔"

پس معلوم ہوگیا کہ دُنیا سے لگاؤ اور اس سے قلبی محبت ہی مذموم دُنیا ہے۔ اس دنیا سے جتنی دلبستگی زیادہ ہوگی اتنے ہی انسان اور دارکرامت و رحمت کے درمیان پردے زیادہ ہوں گے اور قلبِ انسانی و حق کے درمیان پڑے پردے اتنے ہی دبیز ہوتے جائیں گے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ خداوندِ عالم کے نورانی و ظلمانی ستر ہزار پردے ہوں گے"! ہوسکتا ہے یہ ظلمانی حجاب وہی دُنیا سے قلبی تعلقات والے ہوں اور یہ تعلقات جتنے زیادہ ہوتے جائیں گے پردے بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے جائیں گے اور تعلق جتنا شدید تر ہوگا، حجاب غلیظ تر ہوگا اور اس کا چاک کرنا مزید مشکل تر ہوگا۔

دوسری فصل

محبتِ دُنیا کے اسباب زیادتی

یہ جان لو کہ انسان اسی دُنیا کی مخلوق ہے اور یہی دُنیا اس کی ماں ہے اور اسی آب و خاک کی اولاد ہے (اسی لئے) اس دُنیا کی محبت اس کے نشو و نما کے زمانہ ہی سے اس کے دِل میں جڑ پکڑ چکی ہے۔ انسان جتنا بڑا ہوتا جائے گا دُنیا کی محبت بھی اس کے دِل میں نمو پاتی رہے گی اور چونکہ پروردگارِ عالم نے اس کو شہوانی قوتیں، اور لذتوں کے ذرائع و وسائل بھی شخص اور نوع کی حفاظت کے لئے مرحمت فرمائے ہیں (لہٰذا) انسان کی دُنیا سے محبت روز افزوں اور دلبستگی زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ نیز انسان اس دُنیا کو اپنی لذتوں اور تعیش پسندی کی جگہ سمجھتا ہے اور موت کو ان چیزوں سے محرومی کی علت سمجھتا ہے اور حکما کے براہین اور انبیا صلوات اللہ علیہم کے اخبار سے اگر آخرت کا قائل بھی ہوجاتا ہے اور آخرت کی کیفیت اور وہاں کے حالات و کمالات و زندگی کا معتقد بھی ہوجاتا ہے جب بھی اس کا دل (تو بہر حال) بے خبر ہی رہتا ہے اور وہ قبول نہیں کرتا چہ جائیکہ مقام اطمینان تک پہونچ جائے۔ اس لئے اس دُنیا کی محبت اس کے دل میں زیادہ ہوجاتی ہے۔

(اس کے علاوہ بھی) ایک بات یہ بھی ہے کہ انسان فطری طور سے بقا کی محبت رکھتا ہے اور فنا و زوال سے گریزاں و متنفر رہتا ہے اور عقل کی تصدیق کے باوجود کہ یہ دُنیا عالم فنا ہے

اور (محض) گزرگاہ ہے اور وہ عالم (عالم آخرت) باقی و سرمدی ہے پھر بھی موت کو فنا گمان کرتا ہے اور چونکہ سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ دل قبول کرے بلکہ اس کا مرتبہ کمال یہ ہے کہ اطمینان کی منزل حاصل ہو جائے جیسے حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے مرتبۂ اطمینان کا سوال کیا تھا اور خدا نے وہ درجہ ان کو مرحمت بھی فرما دیا تھا۔[13] پس اگر یہ درجہ انسان کو حاصل ہو جائے تو پھر وہ دنیا سے ہرگز محبت نہ کرے گا۔ لیکن ہمارے دلوں کی طرح (دیگر) قلوب آخرت پر یا ایمان نہیں رکھتے۔ اگرچہ عقلی تصدیق رکھتے ہیں اور (یا) اگر ایمان رکھتے ہیں تو اطمینان نہیں رکھتے (اس لئے) اس دُنیا میں بقا کو دوست رکھتے ہیں اور موت اور اس دُنیا سے نکلنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ (لیکن) اگر دلوں کو یہ اطلاع ہو جائے کہ یہ دُنیا تمام عوالم میں سب سے پست اور دارِ فنا و زوال و تغیر ہے اور عالم نقص و ہلاکت ہے اور موت کے بعد کی دُنیا میں سب کی سب باقی و ابدی و دارِ کمال و ثبات و حیات اور منزل مسرت و خوشی ہیں تو فطری طور سے موت کے بعد والے عالم سے محبت کرنے لگیں اور اس دنیائے دوں سے نفرت کرنے لگیں گے اور اگر کوئی اس سے بھی اونچا چلا جائے اور شہود و وجدان کی منزل تک پہونچ جائے اور اس دنیائے فانی کی باطنی صورت اور اس سے علاقہ و روابط کو دیکھے (اس طرح) اُس دنیائے باقی کی باطنی صورت اور اس سے تعلقات و روابط کو دیکھے تو یہ فانی دُنیا اس کی نظروں میں بہت سخت و دشوار ہو جائے گی اور اس سے نفرت پیدا ہو جائے گی اور اس کا جی چاہنے لگے گا کہ اس ظلمانی دُنیا کے قید خانہ اور زمان (و مکان) کی زنجیروں سے اس کو چھٹکارا مل جائے۔ چنانچہ اولیا کے کلمات میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

آقاؤں کے آقا (حضرت علیؑ) فرماتے ہیں «وَاللهِ لَابْنُ أَبِي طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْيِ أُمِّهِ.»[14] "خدا کی قسم ابوطالب کا فرزند موت سے اس سے کہیں زیادہ مانوس ہے جتنا کوئی بچہ پستان مادر سے مانوس ہوتا ہے" کیونکہ مولائے کائنات نے چشم ولایت سے اس دنیا کی حقیقت کا مشاہدہ کر لیا تھا اور دونوں عالم کے عوض میں بھی رحمت باری کے پڑوس کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے اور اگر مصالح (پروردگار) کا تقاضا نہ ہوتا تو یہ نفوس طاہرہ ایک لمحہ بھی طبیعت کے تاریک قید خانہ میں توقف نہ فرماتے اور خود عالم کثرت میں آنا اور ظاہری دُنیا اور ملکی تدبیرات میں مشغول ہونا بلکہ ملکوتی تائیدات کے باوجود بھی یہ چیزیں محبّین و مجذوبین کے لئے ایسے رنج و غم کا باعث ہیں کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اولیائے الٰہی کے نالہ و فریاد زیادہ تر محبوب کی جُدائی اور درد فراق کی وجہ سے ہوا کرتے

ہیں۔ چنانچہ ان حضرات نے اپنی مناجاتوں میں اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے۔ [۱۵] حالانکہ ان کے یہاں ملکی و ملکوتی حجاب بھی نہیں تھے وہ (عالم مادی کے) جہنم سے اوپر اُٹھ چکے تھے اس جہنم کی آگ خاموش تھی روشن نہ تھی۔ [۱۶] ان کے دلوں میں مادی و دنیاوی تعلقات بھی نہیں تھے۔ ان کے دلوں میں گناہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ (اس سب کے باوجود) وہ حضرات اس دُنیا میں رہنے ہی کو ایک لذت سمجھتے تھے۔ ان کی نظروں میں فطری لذتیں بھی چاہے کتنی ہی کم ہوں خدا اور بندے کے درمیان حجاب تھیں۔

چنانچہ حضرت رسولِ خدا سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا «لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً.» [۱۷] "میرے دل پر ہلکا سا غبار چھا جاتا ہے اور میں (اس لیے) روزانہ ستّر مرتبہ اپنے خدا کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں"

ہو سکتا ہے ابوالبشر کی خطا اسی فطری چیز کا نتیجہ رہی ہو۔ دنیا کی تدبیر گندم کی احتیاج بھی تو فطری بات تھی (البتہ) یہ چیزیں اولیا اور مجذوبین (و خاصانِ خدا) کے لئے گناہ ہیں۔ (عام لوگوں کے لئے گناہ نہیں ہیں) اور اگر حضرت آدمؑ اسی جذبۂ الٰہی پر باقی رہتے اور اس مادی دُنیا میں نہ آتے تو یہ ساری بساطِ رحمت ہی نہ پھیلائی جاتی (اور نہ اس دُنیا کا وجود ہوتا)

اس بحث کو اسی جگہ پر ختم کرتا ہوں اگرچہ اتنا بھی اس کتاب کے اعتبار سے کچھ زیادہ ہی ہو گیا۔

تیسری فصل

دُنیاوی لذتوں کی دلوں میں تاثیر اور اس کے مفاسد

یہ بات جان لو کہ نفس کو اس دُنیا سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کا دل میں اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ تاثر عالمِ ملکوت و طبیعت سے ہوتا ہے اور دُنیا سے متعلق ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور پھر ان لذتوں میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے دل اس سے اتنا ہی متاثر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل اس دُنیا اور زیبائش دنیا میں ڈوب جاتا ہے اور پھر اسی سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ انسان کی ساری خطاؤں اور گناہوں اور معصیتوں میں گرفتاری کی علت

یعنی (دنیا سے) محبت و دوستی ہے۔ جیساکہ کافی شریف کی حدیث میں گزر چکا۔ [18]

اور ان بزرگ مفاسد میں جیساکہ ہمارے شیخ عارف [19] روحی فداہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی ہے کہ اگر قلبِ انسانی محبتِ دُنیا کی صورت اختیار کرے اور دُنیا سے اس کی انسیت بہت بڑھ جائے تو مرتے وقت اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا اس کو اس کے محبوب سے جدا کر رہا ہے اور اس کے اور اس کے مطلوبات کے درمیان افتراق ڈال رہا ہے اور وہ پھر اس دُنیا سے اس طرح رخصت ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کا بغض بھرا ہوتا ہے اور یہ کمرشکن الفاظ انسان کو بیدار کرنے کے لئے کافی ہیں کہ وہ اپنے دل کی طرف بہت زیادہ متوجہ رہے۔

خدا نہ کرے کوئی شخص اپنے ولی نعمت اور حقیقی مالک الملوک سے غصہ و نفرت رکھتا ہو کیونکہ اس غصہ اور دشمنی کی صورت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح ہمارے شیخ بزرگوار دام ظلہ نے اپنے والدِ ماجد سے نقل فرمایا کہ وہ اپنے ایک بیٹے سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اس لئے عمر کے آخری حصہ میں اس محبت سے بہت وحشت ناک تھے۔ پھر کچھ دنوں کی ریاضت کے بعد اس سے چھٹکارا حاصل کیا اور خوشحال ہو گئے۔ اس کے بعد اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ رضوان اللہ علیہ۔

«فِي الكافِي بِإسْنادِهِ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلام، قالَ: مَثَلُ الدُّنيا كَمَثَلِ ماءِ الْبَحْرِ كُلَّما شَرِبَ مِنْهُ الْعَطْشانُ ازْدادَ عَطَشاً حَتّى يَقْتُلَهُ.» [20]

"یعنی حضرت صادقؑ نے فرمایا: دُنیا کی مثال سمندر کے پانی کی طرح ہے پیاسا جب بھی اس سے پانی پیتا ہے اس کی پیاس بھڑک اٹھتی ہے اور وہ (پانی پیتے پیتے) ہلاک ہو جاتا ہے۔"

دنیا کی محبت انسان کو ہلاکتِ ابدی تک پہونچا دیتی ہے اور یہی محبتِ دنیا ظاہری و باطنی برائیوں کی جڑ ہے۔ حضرت رسولِ خداؐ سے مروی ہے: "تم سے پہلے والوں کو درہم و دینار نے ہلاک کیا تھا اور تم کو بھی یہی دینار و درہم ہلاک کرنے والے ہیں۔" [21]

تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ انسان کوئی بھی گناہ نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ فرض بعید ہے بلکہ محالِ عادی ہے۔ پھر بھی دُنیاوی تعلقات دُنیا سے محبت ہی اسباب گرفتاری ہے۔ بلکہ قبر اور برزخ میں طولانی مدت تک رہنے اور کم مدت تک قیام کرنے کا دار و مدار انھیں دُنیاوی

تعلقات پر ہوتا ہے کہ یہ تعلقات جتنے کم ہوں گے انسان کی قبر اور عالمِ برزخ روشن تر ہونگے اور انسان کو اس میں کم قیام کرنا پڑے گا اسی لئے بنا بر بعض روایاتِ اولیائے خدا تین دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتے اور یہ تین دن بھی اسی فطری وجبلی دنیاوی تعلق کی بنا پر ہوتا ہے

حُبِ دُنیا اور اس سے تعلقات کے مفاسد میں سے یہ بھی ہے کہ انسان موت سے ڈرتا ہے اور یہ خوف جو دنیا کی محبت اور اس سے تعلقات کی بنا پر پیدا ہوتا ہے بہت ہی مذموم ہے اور یہ خوف مرجع کے خوف کے علاوہ ہے۔ (کیونکہ) خوفِ آخرت و مرجع تو مومنین کے صفات میں سے ہے اور موت کی سب سے بڑی سختی یہی رفع تعلقات اور موت سے خوف ہے۔

اسلامی دنیا کے بزرگ ترین محقق اور بے نظیر مدقق سید عظیم الشان (میر باقر) داماد ۲۲ کرم اللہ وجہہ، اپنی بے نظیر کتاب (قبسات) میں اس کے باب میں تحریر فرماتے ہیں:

«لَاتَخافَنَّكَ الْمَوْتُ، فَإِنَّ مَرارَتَهُ فِي خَوْفِهِ.» ۲۳ «موت سے نہ ڈرو اس لئے کہ موت کی تلخی اس سے ڈرنے ہی میں ہے۔»

حُبِ دُنیا کے بزرگ ترین مفاسد میں یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو شرعی ریاضتوں، عبادتوں اور مناسک سے روک دیتی ہے اور مادیت کے پہلو کو تقویت دیتی ہے اور طبیعتِ انسانی کو روح کی اطاعت سے روک دیتی ہے اور روح کی نافرمانی پر آمادگی کے ساتھ عزمِ انسانی کو کمزور کر دیتی ہے، حالانکہ شرعی عبادتوں اور ریاضتوں میں سب سے اہم راز یہی ہے کہ بدن اور اس کی طبیعی قوتوں اور جنبۂ ملک کو روح کے تابع و مطیع کر دے اور اس طرح کہ نفس کا حکم ان میں کار فرما ہو جائے اور محض ارادہ کے ساتھ بدن کو جس کام پر آمادہ کرنا چاہے آمادہ کر دے اور جس سے چاہے روک دے۔ انسانی جسم کی دُنیا اور اس کی ظاہری قوتیں اس طرح تابع و مقہور و مسخر ہو جائیں کہ بغیر کسی مشقت و تکلف کے جس کام کو کرنا چاہے کریں۔ پُر مشقت عبادتوں کے فضائل و اسرار میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ان عبادتوں سے یہ مقصد جلد ہی حاصل ہو جاتا ہے اور انسان ان عبادتوں کی بنا پر صاحبِ عزم قوی و محکم ہو جاتا ہے۔ بدن اور اس کی ظاہری و باطنی قوتوں کی حکومت کی مثال خدا کے ملائکہ کے مثل ہو جاتی ہیں (یعنی) جس طرح ملائکہ نافرمانی نہیں کرتے اور خدا جو حکم دیدے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور جس سے روک دے رُک جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کو کوئی زحمت یا تکلف نہیں ہوتا۔ بس اسی طرح بدن کی ظاہری و باطنی قوتوں کو تابع ہونا چاہیئے۔ انسانی ملک کی قوتیں اگر روح کی مسخر ہو جائیں تو ان میں بھی تکلف و زحمت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور راحت سے

بدل جاتے ہیں اور ملک کے ساتوں اقلیم ملکوت کے تابع ہوجاتے ہیں اور ساری قوتیں خادم ہوجاتی ہیں۔

میرے عزیز اس بات کو سمجھ لو کہ دوسری دنیا کے لئے عزم محکم اور قوی ارادہ بہت ہی ضروری ولازم ہے۔ بہشت کے اونچے مراتب کا معیار جن کا شمار بہترین بہشتوں میں کیا جاتا ہے وہ انسان کا ارادہ و عزم ہی ہے کہ انسان کے اندر جب تک مضبوط ارادہ اور عزم قوی نہ پیدا ہوجائے وہ بہشت اور اس بلند مقام تک نہیں پہونچ سکتا۔

حدیث شریف میں ہے:

"جب اہلِ جنت میں ثابت و مستقر ہوجائیں گے تو پروردگارِ عالم کی طرف سے ایک تحریر آئے گی جس کا مضمون یہ ہوگا۔

"یہ تحریر ہمیشہ باقی رہنے والے خدا کی طرف سے (اپنے) زندہ جاوید بندوں کے لئے ہے۔ میں ایسا ہوں کہ جس چیز کے لئے حکم دیدوں کہ ہوجائے وہ ہوجاتی ہے۔ آج سے تم کو بھی ایسا بنادیتا ہوں کہ جس چیز کے لئے حکم کروگے کہ وہ ہوجائے تو وہ ہوجائے گی"۔[۲۴]

اب ذرا سوچو یہ کون سا مقام اور کون سی سلطنت اور کیسی قدرتِ الٰہی ہے کہ (اب انسانی ارادہ) ارادۂ الٰہی کا مظہر ہے وہ معدومات کو لباس وجود عطا کرسکتا ہے۔ تمام جسمانی جنتوں سے یہ قدرت اور نفوذِ ارادہ بہتر ہے اور بالاتر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تحریر عبث و بیکار تو نہیں ہے۔

جس کا ارادہ حیوانی شہوتوں کا تابع ہوگا، جس کا عزم مُردہ و بجھا ہوا ہوگا وہ اس مقام تک کبھی نہیں پہونچ سکے گا۔ خدا کا کام عبث نہیں ہوا کرتا۔ جب یہ دُنیا نظام و ترتیب، اسباب و مسببات کے تابع ہے تو پھر آخرت میں بھی یہی ہوگا۔ بلکہ عالمِ آخرت تو نظام (و ترتیب) اسباب و مسببات کے لئے زیادہ لائق و سزاوار ہے۔ نفوذِ ارادہ کا انتظام اسی دُنیا سے کرلینا چاہیے۔ (کیونکہ) یہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اور تمام نعمت ہائے بہشتی اور عذاب ہائے جہنمی کا سرچشمہ یہی دیتا ہے۔

بس جس طرح شرعی عبادتوں اور مناسک کی خود ایک اخروی اور ملکوتی صورت ہوا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ چیزیں بہشت جسمانی اور اس کے حور و غلمان و قصور کی تعمیر کا ذریعہ بھی ہوتی ہیں اور یہ بات برہان و حدیث کے مطابق بھی ہے[۲۵] اسی طرح ہر عبادت کا اثر نفس میں ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ کرکے وہ نفس (روح) کے ارادے کو تقویت دیتی ہے یہاں تک کہ اس کی قدرت مکمل ہوجاتی ہے۔ اسی لئے عبادت میں چاہے جتنی مشقت ہو وہ مرغوب ہے۔ افضل الاعمال احمزہا[۲۶] (سخت ترین

اعمال ہی افضل ترین اعمال ہیں) مثلاً کڑکڑاتے جاڑے میں رات کو خواب ناز سے اُٹھ کر خدا کی عبادت کرنا روح کو قوائے بدنی پر تسلط عطا کرتا ہے اور ارادہ کو تقویت بخشتا ہے اور شروع میں جو زحمت و ناگواری کا احساس ہوتا ہے اور مشکل معلوم ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ کر کے کم ہو جاتی ہے اور زحمت کا بھی احساس ختم ہو جاتا ہے اور بدن پر روح کی قدرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح کی عبادت کرتے ہیں وہ بغیر کسی زحمت و تکلیف کے اس عمل کو انجام دیتے ہیں لیکن چونکہ ہم کاہلی برتتے ہیں اور عمل نہیں کرتے اس لئے ہمارے لئے مشکل اور شاق ہوتا ہے۔ اگر ہم بھی چند مرتبہ زحمت کریں تو یہی زحمت راحت سے بدل جائے گی۔ بلکہ ہم لوگ شہوات دنیوی سے جتنی لذت اٹھاتے ہیں خدا کے عبادت گزار بندے عبادت سے اس سے کہیں زیادہ لذت محسوس کرتے ہیں (خلاصہ یہ ہے کہ) عبادت کرنے سے نفس عادی ہو جاتا ہے۔ وَالْخَیْرُ عَادَةٌ۔

اس عبادت کے کئی فائدے ہیں:

۱۔۔۔۔۔ ان عبادتوں کی صورت آخرت میں اتنی حسین و جمیل ہوتی ہے جس کی نظیر اس دُنیا میں نہیں ہے اور نہ اس کا (یہاں پر) تصوّر کیا جا سکتا ہے۔

۲۔۔۔۔۔ روح صاحبِ عزم و اقتدار ہو جاتی ہے اور روح کا صاحبِ اقتدار ہو جانا بھی بکثرت نتائج کا حامل ہے ایک کا تو آپ نے ذکر سُن ہی لیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان رفتہ رفتہ کر کے ذکر و فکر و عبادت سے مانوس ہو جاتا ہے اور شاید یہی مجاز انسان کو حقیقت سے نزدیک کر دیتا ہے اور مالک الملوک کی طرف قلبی توجہ ہو جاتی ہے اور محبوبِ حقیقی کے جمال سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور قلبی محبت و تعلقات دنیا و آخرت دونوں سے کم ہو جاتے ہیں۔

اور اگر (کہیں) جذبۂ ربوبی پیدا ہو جائے اور (بے خودی کی) حالت پیدا ہو جائے اور عبادت کا نکتۂ حقیقی اور تذکر و تفکر کا سرّ واقعی حاصل ہو جائے اور دونوں عالم اس کی نظروں سے گر جائیں اور جلوۂ دوست دوئیت کے غبار کو دل سے دور کر دے تو پھر خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ ایسا بندہ کس کرامت کا مالک ہے؟

اور جس طرح شرعی عبادات و ریاضات و مناسک و ترک شہوات سے عزم و ارادہ پیدا ہوتا ہے اور انسان صاحبِ عزم و ارادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گناہ بھی طبیعت پر غلبہ حاصل کر کے انسان کے عزم و ارادہ کو ناقص کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔

چوتھی فصل

کسی بھی صاحبِ وجدان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان اپنی اصلی فطرت اور ذاتی جبلّت کی بناپر کمال تام مطلق کا عاشق ہوتا ہے اور اس کے دل کا ایک حصّہ جمیل علی الاطلاق اور کامل من جمیع الوجوہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ وہی فطرتِ الٰہی ہے جس پر خداوند عالم نے بنی نوع انسان کو خلق فرمایا ہے اور اسی حُبّ کمال کے (دلِ بوتے) پر انسان کو ملک و ملکوت کے ارادہ کی قوت مرحمت ہوتی ہے اور عشاق کو کمالِ مطلق تک پہونچنے کے اسباب نصیب ہوتے ہیں۔ لیکن ہر شخص اپنے حال و مقام کے اعتبار سے کسی بھی چیز میں اپنے لئے تشخیص کمال کرتا ہے اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (مثلاً) اہلِ آخرت، آخرت کے درجات و مقامات میں (ترقی کو) کمال سمجھتے ہیں اس لئے ان کے دل اسی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور اہلِ اللہ جمالِ حق میں کمال اور کمالِ حق میں جلال دیکھ کر کہہ اُٹھتے ہیں:

«وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ.»[۲۷]

"میں نے اپنے چہرہ کو خالقِ زمین و آسمان کی طرف متوجہ کیا" اور کبھی لِی مَعَ اللّٰہِ حال[۲۸] ہمارے اللہ کے ساتھ کچھ "اور ہی" حالات ہیں اور ان کے دل میں وصال کی محبت اور جمال کا عشق ہوتا ہے۔

(لیکن) چونکہ اہلِ دنیا کمال کو دنیاوی لذتوں میں سمجھتے ہیں اور دنیا کی خوبصورتی ان کی نظروں میں بھاگئی ہے (اس لئے) فطری طور سے اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ فطری توجہ اور ذاتی عشق کمال مطلق ہی سے متعلق ہوتا ہے اور دیگر تعلقات عرضی اور خطا در تطبیق قسم کے ہوتے ہیں (لہذا) انسان کے پاس چاہے ملک و حکومت آجائے اور نفسانی کمالات یا دنیاوی خزانے یا ریاست و سلطنت مل جائے (پھر بھی) اس کا شوق روز افزوں بڑھتا ہی رہتا ہے آتشِ عشق بھڑکتی ہی رہتی ہے۔ مثلاً شہوت پرست کی چاہے جتنی خواہشیں پوری ہوجائیں، لذائذ حاصل ہوجائیں پھر بھی اس کی خواہش یہی ہوتی ہے اور دل یہی چاہتا ہے کہ جو خواہشات ہماری دسترس سے باہر ہیں وہ بھی حاصل ہوجائیں۔

اسی طرح ریاست طلب آدمی اگر زمین کا کچھ حصّہ اس کے قبضہ میں آجائے تو وہ دوسرے

حصہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اگر پورا کرۂ ارض اس کے قبضہ میں آجائے تو دیگر کُروں کی طرف پرواز کرنا چاہتا ہے اور ان کو بھی اپنے زیرِ نگیں لانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے مگر اس بے چارے کو یہ پتہ نہیں ہے کہ فطرت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ عشقِ فطری تو محبوبِ مطلق سے متعلق ہے۔ تمام جوہری، مادی، ارادی حرکتوں اور تمام قلبی توجہات اور نفسانی میلانات کا محور تو جمیل علی الاطلاق ہی ہے۔ مگر خود وہ لوگ اس کو نہیں سمجھ پاتے۔ یہ محبت و عشق یہ شوق و اشتیاق سب کے سب براقِ معراج اور رفرفِ وصول ہیں۔ مگر لوگ ان کو غلط جگہ استعمال کرتے ہیں اور بے جا قید و بند میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہم خود ہی اپنے اصلی مقصد سے دور ہو گئے ہیں، مقصد یہ ہے کہ چونکہ انسان قلباً کمالِ مطلق کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ جتنی دنیاوی دولت اور زیبائشِ دنیا جمع کرتا ہے اس کا دل اتنا ہی اس میں متوجہ ہو جاتا ہے اور چونکہ اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہی دنیا اور زیبائشِ دنیا کمال ہے اس لئے اس طرف اس کی طمع بڑھتی ہے اور اس کا عشق زیادہ ہوتا ہے اور دُنیا کی احتیاج فزوں تر ہوتی ہے اور فقر و نیاز مندی اس کا نصب العین ہو جاتا ہے۔ برخلاف اہلِ آخرت کے کہ ان کی توجہ دنیا کی طرف ہوتی ہی نہیں وہ لوگ آخرت کی طرف جتنا متوجہ ہوتے ہیں اتنا ہی اس دنیا سے ان کی توجہ کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ پوری دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں استغنا پیدا ہو جاتا ہے اور دنیا و زیبائشِ دنیا کو وہ حضرات ناچیز خیال کرنے لگتے ہیں۔ جیسے اہل اللہ دونوں دنیا سے مستغنی ہوتے ہیں اور دونوں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں وہ صرف غنی علی الاطلاق کی طرف احتیاج رکھتے ہیں اور جلوۂ غنی بالذات ان کے دل کے آئینہ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

هَنيئاً لهم ۲۹ ان کو یہ چیز گوارا ہو۔

پس (ابتدا میں ذکر کی گئی) حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جس کی اب تک شرح کی گئی کہ معصوم فرماتے ہیں: جو شخص صبح و شام اس حالت میں کرے کہ اس کا سب سے بڑا مقصد دنیا ہو تو خدا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان فقر لکھ دیتا ہے اور جو اس حالت میں صبح و شام کرے کہ سب سے اہم ترین مقصد اس کا آخرت ہو تو خدا اس کے دل میں استغنا پیدا کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے جس شخص کی پوری قلبی توجہ آخرت پر ہو گی۔ اس کی نظروں میں امورِ دنیا اور اس کی تمام دشواریاں حقیر و آسان معلوم ہوں گی وہ شخص اس دنیا کو ختم ہونے والی، تغیر پذیر اور اپنی گزرگاہ

اور تربیت گاہ سمجھے گا۔ دنیا کی کسی سختی یا خوشی پر توجہ نہیں دے گا۔ اس کی ضروریات کم ہو جائیں گی۔ دنیا اور دنیا والوں کی طرف اس کی احتیاج کم (سے کم) ہو جائے گی بلکہ وہ اس منزل پر پہونچ جائےگا جہاں احتیاج ہی نہ ہوگی اور (پھر) اس کے امور منظم ہو جائیں گے اس کے کاموں میں نظم و ترتیب پیدا ہو جائے گی۔ قلبی و ذاتی غنا حاصل ہو جائے گا۔

اور اگر تم نے اس دنیا کی طرف عظمت و محبت کی نگاہ ڈالی اور تمھارا دل اس سے عقیدتمند ہو گیا تو محبت ہی کے اعتبار سے تمھارے احتیاجات زیادہ ہو جائیں گے اور تمھارے ظاہر و باطن میں فقر و احتیاج نمایاں ہو جائے گا۔ تمھارے امور پراگندہ و درہم و برہم ہو جائیں گے، تمھارا دل متزلزل و غمناک و خوفزدہ ہو جائے گا اور تمھارے امور تمھارے حسب دلخواہ نہیں ہوں گے، تمھاری آرزو و حرص روز افزوں فزوں تر ہوتی جائے گی۔ غم و حسرت کا تمھارے اوپر غلبہ ہو جائے گا، یاس و حیرت تمھارے دل میں جڑ پکڑ لے گی۔ چنانچہ حدیث میں بعض انھیں معانی کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۔«روى في الكافي بإسناده عن حفص بن قرط، عن أبي عبدالله، عليه السلام، قال: من كثر اشتباكه بالدنيا، كان أشد لحسرته عند فراقها.»۳۰

'جو کوئی اپنے آپ کو اس دُنیا سے بہت زیادہ ملوث کرے گا اس کو دنیا سے جُدا ہوتے وقت اتنا ہی زیادہ افسوس ہوگا۔'

۲۔«وعن ابن أبي يعفور قال: سمعت أبا عبدالله، عليه السلام، يقول: من تعلق قلبه بالدنيا، تعلق قلبه بثلاث خصال: هم لا يفنى، وأمل لا يدرك، ورجاء لا ينال.»۳۱

'یعنی جس کا دل دُنیا سے وابستہ ہوگا۔ اس کے دل میں تین صفتیں ہوں گی۔ ۱: زائل نہ ہونے والا غم ۲: نہ پوری ہو سکنے والی خواہش ۳: نہ ملنے والی اُمید۔'

لیکن اہلِ آخرت جیسے جیسے دار کرامتِ حق سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں ان کا دل اتنا ہی مسرور و مطمئن ہوتا جاتا ہے، دُنیا و مافیہا سے گریزاں و متنفر ہوتا جاتا ہے۔ اگر خداوند عالم نے ان کے لئے اس دُنیا میں رہنے کی مدت معین نہ کر دی ہوتی تو وہ ایک سکنڈ بھی اس دُنیا میں نہ رہتے۔ چنانچہ مولائے کائنات ۳۲ فرماتے ہیں: بس وہ لوگ اس عالم میں اہلِ دُنیا کی طرح رنج و غم نہیں اٹھاتے اور آخرت میں بحارِ رحمتِ الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں «جعلنا الله وإياكم منهم إن شاء الله» ۳۳ خدا ہم کو اور تم کو بھی انھیں لوگوں میں قرار دے۔ انشاء اللہ۔

پس اے عزیز! اس وقت تم نے برائیوں کے اس نطفہ سے پیدا ہونے والے مفاسد کا ذکر سنا اور یہ سمجھ لیا کہ انسان کو یہ محبت ہلاکت سے دوچار کر دیتی ہے اور اس کے ایمان کو اس سے لے لیتی ہے اور اس کی دنیا و آخرت کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ (لہٰذا) تم دامنِ ہمت کو کمر سے باندھ لو اور جتنا ممکن ہو اس دُنیا سے دل بستگی کو ختم کرو اور ریشۂ محبت کو جڑ سے اکھاڑ دو، اور اس چند روزہ زندگی کو ناچیز سمجھ لو اور عذاب سے بھری ہوئی نعمتوں اور رنج و غم کو حقیر سمجھو اور خدا سے دُعا کرو کہ تم کو توفیق عطا کرے اور تمھاری مدد کرے اور اس رنج و زحمت سے تم کو چھٹکارا دلائے اور تمھارے دل کو اپنے دارِ کرامت سے مانوس کر دے «وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَأَبْقٰى.» [۲۴] "خدا کے پاس جو ہے وہ خیر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔"

چھٹی حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۹ "کتاب ایمان وکفر" باب حبّ الدنیا حدیث ۱۵۔

۲۔ خواب نوشین بامداد رحیل　　　باز دارد پیادہ راز سبیل

۳۔ حدیث ۱، توضیح ۱۴۔

۴۔ بحارالانوار جلد ۷۰ ص ۶۳ "کتاب ایمان وکفر" باب حبّ دُنیا و ذمہا" مراۃ العقول جلد ۸ ص ۲۶۳ "کتاب ایمان وکفر" باب ذمِ دنیا وزہد فیہا۔

۵۔ مراۃ العقول جلد ۱۰ ص ۲۶۴ "کتاب ایمان وکفر" باب حبّ دُنیا۔

۶۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام، ص ۱۱۲۸ "حکمت" ۱۲۶

۷۔ (سورۂ نحل، آیت/۳۰)

۸۔ ابونصر محمد بن مسعود بن محمد بن عیاشی تمیمی، بزرگ ترین شیعہ علما میں سے تھے۔ تیسری صدی ہجری کے حدیث وتفسیر روائی کے ایک ستون تھے۔ بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔ مثلاً شیخ کشی صاحب رجال، شیخ جعفر بن محمد عیاشی (ان ہی کے صاحبزادے) آپ کی تالیف بہت ہیں۔ شیخ طوسیؒ نے دو سو سے زیادہ کا شمار کیا ہے۔ آپ کی مشہور تالیفات میں کتاب التفسیر، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الطب، کتاب معرفۃ الناقلین، کتاب الغیبہ ہے۔

۹۔ عن ابن مسکان عن ابی جعفر علیہ السلام فی قولہ "ولنعم دار المتقین" قال: الدنیا تفسیر عیاشی جلد ۲، ص ۲۵۸۔

۱۰۔ دُنیا کی دوستی ہر گناہ کی جڑ ہے، اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۱۵ کتاب ایمان وکفر "باب حب الدنیا والحرص علیہا" حدیث ۱۔

۱۱۔ حدیث ۱۔ توضیح ۵۶۔

۱۲۔ «عَنِ النَّبي (ص) إنَّ لِلّٰهِ تَبارَكَ وَتَعالَى سَبْعِينَ أَلْفَ حِجابٍ مِنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ.» بحارالانوار جلد ۵۵ ص ۴۵ کتاب السماء والعالم باب ۵، ذیل حدیث ۱۳۔

۱۳۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ «وَإِذْ قالَ إِبْراهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتى قالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قالَ بَلى وَلكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي» ترجمہ: جب ابراہیمؑ نے کہا پالنے والے مجھے دکھادے کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ خدا نے کہا کیا تم ایمان نہیں لائے؟ ابراہیمؑ نے کہا: ایمان تو لایا ہوں مگر یہ اطمینانِ قلب کے لئے ہے۔

۱۴۔ نہج البلاغہ خطبہ ۵ ص ۴۸۔

۱۵۔ حضرت علیؑ نے دُعائے کمیل میں فرمایا «إلٰهي وَرَبّي هَبْني صَبَرْتُ عَلى عَذابِكَ فَكَيْفَ أَصْبِرُ عَلى فِراقِكَ.» خداوندا۔ اگر میں نے تیرے عذاب پر صبر بھی کر لیا تو تیرے فراق کو کیونکر برداشت کروں گا؟ مصباح المتہجد وسلاح المتعبد، ص ۵۸۷، شب نیمہ شعبان کے اعمال کے ضمن میں۔

۱۶۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے «وَلِهٰذا لَمّا سُئِلَ بَعْضُ أَئِمَّتِنا عَنْ عُمُومِ الْآيَةِ الْمَذْكُورَةِ» (مریم/۷۱) «جُزْناها وَهِيَ خامِدَةٌ» اسی لئے جب بعض امام علیہ السلام سے آیت کے عموم کے بارے میں پوچھا گیا تو معصوم نے فرمایا: ہم اس سے گزر چکے وہ تو خاموش تھی۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۹۷۱۔

۱۷۔ مستدرک الوسائل جلد ۵، ص ۳۲۰، کتاب الصلاۃ، ابواب الذکر، باب ۲۲، حدیث ۲۴۔

۱۸۔ ص ۱۶۸۔

۱۹۔ اس سے مُراد مرحوم آیۃ اللہ شاہ آبادی ہیں۔ حدیث ۱، توضیح ۵۱۔

۲۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۱۳۶، کتاب ایمان وکفر، باب ذم الدنیا والزھد فیھا، حدیث ۲۴۔

۲۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ «إنَّ الدّينارَ وَالدِّرْهَمَ أَهْلَكا مَنْ كانَ قَبْلَكُمْ وَهُما مُهْلِكاكُمْ.» اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۶، کتاب ایمان وکفر، باب حب الدنیا والحرص علیھا، حدیث ۶۔

۲۲۔ حدیث ۴۔ توضیح ۲۹۔

۲۳۔ قبسات، ص ۴۷۹۔

۲۴۔ حدیث ۲، توضیح ۱۹۔

۲۵۔ حدیث ۲۲، توضیح ۱۸۔

۲۶۔ بحارالانوار جلد ۶۷، ص ۱۹۱، کتاب ایمان وکفر، باب ۵۳، ذیل حدیث ۲۔

۲۷۔ سورۂ انعام آیت ۷۹۔

۲۸۔ اربعین مجلسی ص ۱۷۷ شرح حدیث ۱۵۔

۲۹۔ ترجمہ گزر چکا ہے۔

۳۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۲۰، کتاب ایمان و کفر، باب حُبّ الدنیا، حدیث ۱۶۔

۳۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۲۰، کتاب ایمان و کفر، باب حُبّ الدنیا، حدیث ۱۷۔

۳۲۔ حضرت علی خطبہ ہمام میں فرماتے ہیں «وَلَوْ لاَ الأَجَلُ الَّذِي كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ لَمْ تَسْتَقِرَّ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ طَرْفَةَ عَيْنٍ شَوْقاً إِلَى الثَّوَابِ وَخَوْفاً مِنَ الْعِقَابِ.» اگر خداوندِ عالم نے ان کے لئے مہلت نہ معین کی ہوتی تو ثواب کے شوق اور عقاب کے خوف سے ان کی روحیں ان کے جسموں میں نہ ٹھہرتیں۔

۳۳۔ ترجمہ گزر چکا ہے۔

۳۴۔ (قصص ر ۶۰، شوریٰ ر ۳۶)

ساتویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى، عَنْ يُونُسَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ فَرْقَدٍ قَالَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّه، عَلَيْهِ السَّلَام: اَلْغَضَبُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ.»[1]

ترجمہ: داؤد بن فرقد کہتے ہیں: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "تمام برائیوں کی کنجی غصہ ہے"۔

شرح: محقق کبیر احمد بن محمد معروف بہ ابن مسکویہ[2] اپنی کتاب طہارۃ الاعراق یہ کتاب بہت عمدہ اور حسن ترتیب و حسن بیان میں بے مثال ہے، میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ تقریباً یہ ہے: ابن مسکویہ نے غضب کی تعریف اس طرح کی ہے۔ غضب در حقیقت اس نفسانی حرکت کا نام ہے جس کی بنا پر خواہشِ انتقام کے لئے خونِ دل میں ایک جوشش و ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب یہ حرکت سخت ہو جاتی ہے تو غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور خونِ قلب کا جوشش پورے دل پر غالب آجاتا ہے اور دماغ کی تمام شریانوں (رگوں) میں ایک تاریک و مضطرب دھواں بھر جاتا ہے جس کی وجہ سے عقل کی حالت تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اس کا عمل کمزور ہو جاتا ہے۔

بقولِ حکما غصہ کی حالت میں انسان کی مثال اس غار کی سی ہو جاتی ہے جس میں آگ جلانے کے بعد وہ شعلوں سے بھر جائے اور دھواں اس میں پھنس کر آگ کے شعلوں کے ساتھ اسی میں محدود ہو کر رہ جائے (باہر نہ نکل سکے) اور سیٹی کی سی آواز نکلنے لگے اور شدت اشتعال کی وجہ سے اس میں آواز سی گونجنے لگے اس وقت اس کا علاج مشکل اور خاموش کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے اور اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ بجھانے کے لئے جو چیز اس میں ڈالی جائے وہ بھی اسی کا جزء بن جاتی ہے اور مادے میں مزید شدت پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لئے انسان (غصہ کے وقت) رشد وہدایت سے اندھا ہو جاتا ہے، وعظ وپند (سننے سے) بہرا ہو جاتا ہے۔ بلکہ موعظہ غصہ میں اضافہ کا سبب بن جاتا ہے (جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے) اور غصہ کی حالت میں انسان کا کوئی علاج نہیں رہ جاتا۔" اس کے بعد (ابن مسکویہ) فرماتے ہیں: بقراط[۳] کہتا ہے: جو کشتی طوفانِ باد (وباراں) میں گھر جائے اور دریا کی موجیں اس کو لے بھنور میں ڈال دیں جہاں دریائی پہاڑ ہوں اس کے بعد بھی اس کشتی کے بچاؤ کے لئے مجھ کو کہیں زیادہ اُمید ہے بہ نسبت اس غصہ کے بچاؤ سے جب انسان کی آتش غیظ وغضب بھڑک اُٹھے کیونکہ ایسی صورت میں اس سے بچاؤ کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ کیونکہ جو بھی صورت اختیار کی جائے گی۔ مثلاً وعظ ونصیحت کرو یا فروتنی کرو، گریہ وزاری کرو۔ اس کا شعلہ اور بھی بھڑکے گا اور مادے میں اضافہ ہوگا۔ انتہیٰ[۴]

پہلی فصل

قوتِ غضبیہ کے فوائد

قوتِ غضبیہ خدا کی ایک عظیم نعمت ہے۔ جس کی وجہ سے دُنیا وآخرت کی تعمیر کی جاسکتی ہے اور اس کی وجہ سے خاندانی نظام، نوع اور شخص کے بقاء کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ ایک بہترین معاشرہ اور مثالی سوسائٹی کی تشکیل میں اس کو بہت زیادہ مدخلیت ہے۔ اگر حیوان کے اندر یہ قوت نہ ہوتی تو وہ قدرتی خطرات سے اپنی حفاظت نہ کر پاتا اور زوال واضمحلال کی نذر ہو جاتا اور اگر انسان کے اندر یہ قوت نہ ہوتی تو انسان کمالات اور ترقیوں سے محروم ہو جانے کے علاوہ افراط وتفریط کی بنا پر ایسی اخلاقی برائیوں اور نقائص کا شکار ہو جاتا جن پر بہت سے مفاسد اور عیوب مُرتب ہوتے ہیں مثلاً ڈر، کمزوری، سُستی، کاہلی، طمع، بے صبری، بے استقلالی اور یہ صفات وہاں ہوتے کہ جہاں نہ ہونا ضروری ہے۔

(اسی طرح) آرام طلبی، بجھے بجھے سے رہنے اور لوگوں کے دباؤ کو قبول کر لینے کی عادت، ظلم کے سامنے سر جھکانے کی خصلت، اپنے یا خاندان والوں کو پیش آنے والے رذائل و فضائح کو (خاموشی سے) برداشت کر لینے کی صفت، بے غیرتی، کم ہمتی یہ سب چیزیں انسان میں (اگر قوت غضبیہ نہ ہوتی تو) پیدا ہو جاتیں۔ بلکہ قرآن نے تو خود مومنین میں اس صفت کے ہونے پر مدح فرمائی ہے:

«أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ.» ۵

امر بمعروف و نہی از منکر کو بروئے کار لانا، حدود و تعزیرات کا جاری کرنا، دوسری دینی و عقلی سیاستوں پر عمل کرنا اس قوتِ غضبیہ کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ قوۂ غضبیہ کو ختم کر دینا یا اس کو خاموش کر دینا نفس کا کمال اور اس کے لئے معراج ہے وہ غلطی پر ہیں اور بہت بڑی خطا (وگناہ عظیم) کے مرتکب ہیں اور حدِ کمال اور مقام اعتدال (کے درمیان حد فاصل) سے غافل ہیں۔

ان بے چاروں کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ خداوندِ عالم نے تمام انواعِ حیوانات میں اس شریف قوت کو بیکار نہیں خلق فرمایا ہے۔ خدا نے تو تمام اولادِ آدم میں اس قوت کو ملکی و ملکوتی زندگی کا سرمایہ اور خیرات و برکات کی کنجی قرار دیا ہے۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی تو انسان دشمنانِ دین کے ساتھ نہ جہاد کر سکتا نہ خانوادۂ نظامِ بشری کی حفاظت کر سکتا نہ جان و مال و ناموس اور دیگر نوامیس الہیّہ کی (حمایت و) سیانت کر سکتا۔ (بلکہ) انسان کا سب سے بڑا دشمن خود اس کا نفس ہے اس سے بھی جہاد نہ کر سکتا۔ ۶ اور نہ ہی ظلم و تعدی سے اپنے کو بچا سکتا اور نہ ہی حدود و سرحدوں (کا دفاع کر پاتا نہ) موذی و ضرر رساں چیزوں سے اپنی حفاظت کر سکتا نہ معاشرے کی۔

اسی لئے حکما نے اس قوت کی کمی اور سستی کو دور کرنے کے لئے علاج تجویز کئے ہیں۔ اس کو بیدار کرنے اور حرکت میں لانے کے لئے علمی و عملی معالجے معین کئے ہیں (مثلاً) اہم اور خطرناک امور کے لئے اقدام کرنا، میدانِ جنگ میں جانا اور دشمنانِ خدا سے جہاد کے لئے اپنے کو پیش کرنا۔ وغیرہ (بلکہ) بعض فلسفیوں سے منقول ہے کہ وہ لوگ خطرناک جگہوں پر جا کر ٹھہرتے تھے اور اس طرح اپنے نفوس کو عظیم خطرات میں ڈال دیتے تھے، دریا میں شدید طوفان کے وقت کشتی میں سوار ہو کر ادھر ادھر چکر لگاتے تھے تاکہ ان کے نفوس کو خطرات و خوف سے نجات حاصل ہو جائے اور کسالت و سستی سے رہائی حاصل کر سکے۔ ۷

بہر صورت انسان و حیوان کے باطن میں قوتِ غضبیہ موجود ہے اور خدا نے اس میں اس

کو ودیعت کیا ہے بس اتنی بات ضرور ہے کہ بعض اشخاص میں یہ قوت خاموش وافسردہ ہے جیسے خاکستر کے اندر چنگاری! اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ اگر اپنے اندر خاموشی، سستی، بے غیرتی کو محسوس کرے تو (فوراً) اس کے مخالف چیزوں سے علاج کر کے اپنے نفس کو اس حال سے باہر لاکر اس کو معتدل بنائے تاکہ شجاعت کا مستحق بنے اور شجاعت ملکات فاضلہ اور صفات حسنہ میں سے ہے۔ اس کے بعد (انشاء اللہ) اس سے بھی بحث کی جائے گی۔

دوسری فصل

غصہ میں افراط کی مذمت

جس طرح غصہ کا حدِ اعتدال سے کم ہونا صفات رذیلہ میں سے ہے اور بہت سے مفاسد کا سبب ہے "جیساکہ آپ نے پڑھا" اسی طرح حدِ اعتدال سے تجاوز کرنا بھی اخلاقی برائیوں اور فساد کا سبب ہوا کرتا ہے۔ کافی کی ایک حدیث اس کے فساد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے:

عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلام، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْإِيمانَ كَما يُفْسِدُ الخَلُّ الْعَسَلَ.» ۸ "امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: رسولِ خدا نے فرمایا: غصہ ایمان کو اسی طرح فاسد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان غصہ کی شدت میں دینِ خدا سے پلٹ جایا کرتا ہے اور نورِ ایمان کو بجھا دیتا ہے، غصہ کی آگ اور اس کی تاریکی عقائدِ حقہ کو جلا دیتی ہے۔ بلکہ کفر تک پہونچا کر اس کی ہلاکتِ ابدی کا سبب بن جاتی ہے اور پھر انسان اس وقت متوجہ ہوتا ہے جب ندامت و پشیمانی کا بھی کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی آتش غضب جو دل میں لگتی ہے وہ شیطان کی چنگاری ہو جیسا کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: إِنَّ هٰذَا الْغَضَبَ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطانِ تُوقَدُ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ.» ۹ "یعنی یہ آتشِ غضب شیطان کی وہ چنگاری ہے جس کو اس نے اولادِ آدم کے دل میں بھڑکائی ہے۔" (اور) اس عالم میں یہ غصہ آتشِ غضبِ الٰہی کی صورت میں نمودار ہو گا جیسا کہ امام محمد باقرؑ

نے کافی کی ایک حدیث میں فرمایا ہے: مَکْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ فِيمَا نَاجَى اللّٰهُ، عَزَّ وَجَلَّ، بِهِ مُوسٰى: يَا مُوسٰى، أَمْسِكْ غَضَبَكَ عَمَّنْ مَلَّكْتُكَ عَلَيْهِ أَكُفَّ عَنْكَ غَضَبِي۔"[10] خداوندِ عالم نے جناب موسیٰؑ کو جو اسرار بتائے اس کے ضمن میں توریت کے اندر لکھا ہے کہ خدا نے موسیٰؑ سے کہا: اے موسیٰؑ جن لوگوں پر میں نے تم کو مسلط کیا ہے ان پر اپنے غصّہ کو روکو (غصّہ نہ کرو) تاکہ میں اپنے غصّہ کو تم سے روکوں (اور تم پر غصّہ نہ کروں) یاد رکھو آتشِ غضبِ الٰہی سے زیادہ دردناک کوئی آتش نہیں ہے جیساکہ حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے ان کو حواریوں نے پوچھا: تمام چیزوں سے سخت تر کون سی چیز ہے؟ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: غضبِ خدا۔ انھوں نے پھر پوچھا اے ابنِ مریم ہم کس طرح غضبِ خدا سے اپنے کو بچا سکتے ہیں؟ فرمایا: غصّہ نہ کرے۔[11]

اس سے معلوم ہوا کہ غضبِ خدا ہر چیز سے زیادہ سخت ہے اور شدید ہے اور اس کے غصّہ کی آگ سب سے زیادہ جلانے والی ہے اور غصّہ کی صورت اس عالم میں وہی ہے جو اس عالم میں غضبِ خدا کی صورت ہوگی اور جس طرح غصّہ دل سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے آتشِ غضبِ الٰہی جس کا مبداء غصّہ اور دیگر قلبی برائیاں ہیں۔ (کبھی) باطن قلب سے ظاہر ہوکر تمام ظاہر کو گھیرلے اور انسان کے حواسِ خمسۂ ظاہری (آنکھ، کان، زبان وغیرہ) سے دردناک شعلے ظاہر ہوں۔ بلکہ یہ حواسِ خمسہ وہ دروازے ہوں جو جہنّم میں کھلتے ہوں۔ انسانی اعمال کے جہنّم اور جسمانی دوزخ کی آگ انسان کے ظاہری بدن کو اپنی لپیٹ میں لے کر پھر اس کے باطن کا رُخ کرتی ہے۔ پس انسان ان دونوں جہنّموں کے درمیان فشار و عذاب میں مبتلا ہے۔ ایک جہنّم تو وہ ہے جو قلب کے اندر سے ظاہر ہوکر ام الدماغ کے راستہ سے اس کی آگ اور شعلے پورے بدن کو اپنے لپیٹ میں لے لیگا اور دوسرا جہنّم وہ ہے جو اعمالِ قبیح اور افعال کی ظاہری شکل (وصورت) کا نتیجہ ہوگا۔ یہ ظاہر باطن کی طرف صعود کرے گا۔ (اور انسان انھیں دونوں جہنّموں میں گرفتارِ عذاب و فشار ہوگا۔)

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جلنے اور جل کر پگھلنے کے علاوہ اور کیسے کیسے فشاروں اور کیسی کیسی زحمتوں کا سامنا ہوگا۔ تم خیال کرتے ہوگے کہ جہنّم (کے شعلوں) کا احاطہ اتنا ہی ہے کہ جتنا تم (عموماً) تصوّر کرتے ہو؟ (نہیں ایسا نہیں ہے) یہاں (کے شعلے) صرف ظاہر اور سطح کا احاطہ کرتے ہیں۔ لیکن وہاں (کے شعلے) اندر، باہر، سطح اور عمق کا احاطہ کرلیتے ہیں اور اگر خدانخواستہ غصّہ کسی انسان کا ایسا ملکہ راسخہ بن جائے کہ جس کی آخری فصل غصّہ کی صورت ہوجائے تب تو مصیبت اور بڑھ جائے گی (کیونکہ

برزخ و قیامت میں اس کی صورت ایسے درندہ کی ہوگی جس کی اس دُنیا میں کوئی مثال نہیں ہے۔ اس لئے کہ (اس عالم میں) انسان کی جو درندہ والی شکل ہوگی اس کا قیاس دنیا کے کسی حیوان پر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جس طرح اپنے منفرد کمال کی بنا پر کوئی (جاندار) بھی اس عجوبۂ دہر (انسان) کی برابری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح نقص و کمزوری کی انتہا میں اور صفات رذیلہ و ملکاتِ خبیثہ کے اعتبار سے بھی کوئی موجود اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی انسان کے لئے «أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ»[۱۲] "وہ لوگ تو جانور بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ و بدتر ہیں" آیا ہے اور انسان ہی کی سنگدلی کے بارے میں «فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً»[۱۳] (یہ مثلِ پتھر کے سخت ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہیں) آیا ہے۔

آپ نے جو کچھ بھی پڑھا یہ اس شعلۂ سوزناک سے پیدا ہونے والے فساد کا ایک شمہ ہے اور بھی اس صورت میں کہ جب اس سے دوسرے گناہ اور فساد نہ پیدا ہوں۔ (کیونکہ) یہ اندھیرا پھیلانے والی آتش ہے جو انسان کے دنیائے باطن میں بھر جاتی ہے اور محبوس اور دم گھٹنے والی فضا بن کر نورِ ایمان کو بجھا دیتی ہے۔ جس طرح باہم پیچیدہ اور گلا گھونٹنے والا شعلہ کالے دھوؤں میں لپٹ کر نور کو خاموش اور بجھا دیتا ہے اور یہ بات بعید ہی نہیں بلکہ (عادۃً) ناممکنات میں سے ہے کہ غصہ کی شدت اور شعلۂ غضب کے بھڑکتے ہوئے (عالم میں) انسان گناہوں بلکہ ہلاک کرنے والی چیزوں سے نجات حاصل کر سکے۔ (بلکہ) اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ ایک منٹ کے غصہ اور ملعون شیطانی چنگاری کے شدتِ اشتعال کے وقت انسان نیستی اور ہلاکت کی چٹان پر گر پڑتا ہے اور نعوذ باللہ انبیا و مقدسات کو گالی دینے لگتا ہے نفس مظلوم کو قتل کر دیتا ہے، حرمات کی ہتک کا گنہگار ہوتا ہے اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر لیتا ہے۔ جیسا کہ کافی کی ایک حدیث شریف میں ہے:

«عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامِ، فِي حَدِيثٍ كَانَ أَبِي يَقُولُ: أَيُّ شَيْءٍ أَشَدُّ مِنَ الْغَضَبِ؟ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضِبُ فَيَقْتُلُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ وَيَقْذِفُ الْمُحْصَنَةَ.»[۱۴]

"یعنی امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: میرے والدِ ماجد فرمایا کرتے تھے: غصہ سے زیادہ کون سی شئی شدید ہے؟ انسان غصہ میں نفس محترمہ کو قتل کر دیتا ہے اور شوہر دار عورت پر افترا بازی کرتا ہے۔"

زیادہ تر بڑے بڑے فتنے اور برے امور اسی غصہ کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں۔ ہر

انسان کو اپنی سلامتی کی حالت میں غصہ کی حالت سے خوف زدہ رہنا چاہیئے اور جو اس آتش سوزاں کا شکار ہو اس کو سکون کی حالت میں اس کے علاج کی فکر کرنی چاہیئے اور اس کے ابتدائی اسباب و شدت غصہ میں اس کے مفاسد و اثرات اور آخر میں اس کے مفاسد کے بارے میں (ٹھنڈے دِل سے) نجات حاصل کرنے کے لئے غور و فکر کرنی چاہیئے۔ اس کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جس قوّت کو خداوندِ عالم نے نظامِ عالم کی حفاظت، نوع و شخص کی بقا کے لئے، نظامِ خانوادگی کو مرتب کرنے کے لئے، بنی نوعِ انسان کی (ترقی) کے لئے حدود و حقوق کی حفاظت کے لئے مرحمت فرمایا ہے اور جس کے زیرِ سایہ ظاہر و باطن کے نظام، عالمِ غیب و شہادت کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ اگر انسان اس قوّت کو اس کے برخلاف اور مرضیٔ الٰہی کے مخالف اور مقاصدِ پروردگار کے برعکس صرف کرے تو اس نے کتنی بڑی خیانت کی ہے اور کن ملامتوں کا مستحق ہے اور کن سزاؤں کا سزاوار ہے، کتنا ظالم[۱۵] و جاہل ہے کہ اس نے خدا کی دی ہوئی امانت خدا کو واپس نہ کی (اور یہ سب ایسے گناہانِ کبیرہ ہیں جن کی سزاؤں کا تصور بھی محال ہے۔)

یہ تو بہت آسان ہے کہ انسان اس قوّت کو دشمنی اور غضبِ الٰہی مول لینے میں خرچ کر دے۔ مگر (یہ بھی سوچ لے) کہ ایسے شخص کو غضبِ الٰہی سے امان نہیں ملے گی۔ اس لئے غصہ سے پیدا ہونے والے بُرے اخلاق و اعمال کے بارے میں غور و فکر کرے اور یہ ایسی بُری عادت ہے کہ جس میں ہر انسان ہمیشہ مبتلا ہو سکتا ہے اور پھر دُنیا میں تو زحمت و مصیبت میں مبتلا رہے اور آخرت میں عذاب و عقاب میں گرفتار رہے۔

اس کے اخلاقی مفاسد میں سے ایک بات یہ ہے کہ بندگانِ خدا سے کینہ پیدا ہو جاتا ہے بلکہ کبھی تو انبیا و اولیا سے کینہ کا سبب بن جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کبھی ذاتِ مقدس واجب الوجود جو ولی النعم ہے اس سے بھی کینہ پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کی قباحت و فساد کس درجہ عظیم ہے؟ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں نفسِ سرکش کے اس سرکشی سے کہ ایک لمحہ اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو انسان کو خاکِ مذلت میں گرا دیتا ہے اور ہلاکتِ ابدی تک پہونچا دیتا ہے۔

اسی طرح غصہ کی ایک برائی حسد ہے کہ جس کی تھوڑی سی برائیاں حدیث پنجم میں بھی بیان کی جا چکی ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ دیگر (بے حساب) اخلاقی برائیاں غصہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور غصہ کے اعمالی مفاسد کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کفر بکنے لگے یا نعوذ باللہ انبیا و اولیا کو دشنام دینے لگے، حرماتِ الٰہی کی بے حرمتی کر دے، نوامیس محترمہ کی بے عزتی کر دے،

پاکیزہ نفوس کو قتل کردے، مظلوم گھرانہ کو خاک مذلت میں پہونچادے، خاندانی نظام کو برباد کردے، رازوں کو فاش کردے، پردوں کو درمیان سے اٹھادے، اس کے علاوہ دیگر برائیاں بھی ہیں جس کا انسان غصہ میں ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اسی لئے اس عادت کو "نفسانی امراض کی ماں" کہا جاسکتا ہے اور ہر برائی کی کنجی قرار دیا جاسکتا ہے اور غصہ کے مقابلہ میں (اچھی بات یہ ہے کہ) غصہ کو پی لینا ہے، آتشِ غضب کو بجھا دینا ہے اور یہی جوامع الکلم ہے اور تمام محاسن کا نقطۂ ارتکاز ہے اور مجموعۂ کرامات ہے۔ چنانچہ کافی میں ہے:

«عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ أَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ، بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: أَتَى رَسُولَ اللهِ رَجُلٌ بَدَوِيٌّ، فَقَالَ: إِنِّي أَسْكُنُ الْبَادِيَةَ، فَعَلِّمْنِي جَوَامِعَ الْكَلَامِ. فَقَالَ: آمُرُكَ أَنْ لَا تَغْضَبَ، فَأَعَادَ عَلَيْهِ الْأَعْرَابِيُّ الْمَسْأَلَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، حَتَّى رَجَعَ الرَّجُلُ إِلَى نَفْسِهِ، فَقَالَ: لَا أَسْأَلُ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَذَا؛ مَا أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِالْخَيْرِ قَالَ وَكَانَ أَبِي يَقُولُ: أَيُّ شَيْءٍ أَشَدُّ مِنَ الْغَضَبِ؟ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضِبُ فَيَقْتُلُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ وَيَقْذِفُ الْمُحْصَنَةَ.»[۴]

"امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ایک بادیہ نشین عرب رسولِ خدا کے پاس آکر بولا: میں بادیہ نشین ہوں مجھے جوامع الکلم کی تعلیم فرمائیے (یعنی ایسی چیز جس کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں) رسولِ خدا نے فرمایا: میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ غصہ نہ کرنا۔ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا اور آخر میں اپنے آپ سے کہنے لگا میں اب اس کے بعد کوئی سوال نہیں کروں گا کیونکہ رسولِ خدا نے مجھے خیر ہی کا حکم دیا ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: میرے باپ فرماتے تھے: غصہ سے زیادہ کون سی چیز سخت ہے؟ انسان کو جب غصہ آجاتا ہے تو نفسِ محترمہ کو قتل کر دیتا ہے اور شوہر دار عورت پر (زنا کا) الزام لگاتا ہے۔"

پس ہر عقلمند انسان کا فریضہ ہے کہ سکونِ نفس اور عدمِ غصہ کی حالت میں غصہ کے مفاسد اور غصہ پی لینے کے فوائد میں غور و فکر کر کے اپنے لئے لازم قرار دے لے کہ ہر قیمت اور ہر رنج و زحمت کے باوجود اس آتشِ غضب اور شعلۂ فروزاں کو اپنے دل سے بجھا کر اپنے دل کو اس کی کدورت و ظلمت سے پاک کرے گا اور یہ کام خواہشِ نفس کے خلاف اقدام کرتے و عمل کرنے

اور غصّہ کے نتائج میں غور و فکر کرنے اور نفس کو نصیحت کرنے سے ممکن ہو سکتا ہے اور اس طرح وہ فاسد اخلاق، بُرے ملکات کو اپنے نفس سے دور کر سکتا ہے اور تمام محاسن و ملکاتِ حسنہ کو اپنے دل میں جگہ دے کر اپنی روح کو اس سے مزین کر سکتا ہے۔

تیسری فصل

غصّہ بھڑکنے کی صورت میں اس کا علاج

آتشِ غضب کے بھڑکنے کی صورت میں بھی اس کے لئے دو علاج "علمی و عملی" ہیں۔

۱۔ علمی طریقہ:۔ ذکر شدہ امور میں غور و فکر کرنا بھی ایک علمی و نظری علاج ہے۔

۲۔ عملی طریقہ:۔ سب سے عمدہ طریقہ انصرافِ نفس اپنی خواہش نفس کو نظر انداز کرنا ہے اور یہ غصّہ کے ابتدائی مرحلہ میں ممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ غصّہ آگ کی طرح تھوڑا تھوڑا کرکے بھڑکتا اور شدید ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کا تنور گرم ہو جاتا ہے اور اس کے شعلے لپکنے لگتے ہیں تب انسان اپنے آپ سے بے قابو ہو جاتا ہے اور عقل و ایمان کا نور بجھ جاتا ہے۔ چراغِ ہدایت خاموش ہو جاتا ہے اور پھر انسان بے چارہ و ذلیل ہو جاتا ہے (اس لئے) انسان کو چاہیئے کہ غصّہ بھڑکنے سے پہلے اور آتشِ غضب کے شعلہ آور ہونے سے قبل اپنے کو دوسرے کاموں میں لگا دے (مثلاً) جس جگہ غصّہ کے اسباب فراہم ہوئے ہیں وہاں سے چلدینا، یا اپنی حالت میں تغیر پیدا کرے (مثلاً) بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے، کھڑا ہے تو بیٹھ جائے یا ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ بلکہ بعض حضرات ایسی صورت میں ذکرِ خدا کو واجب جانتے ہیں۔ "یا کسی اور کام میں مشغول ہو جائے۔ بہر حال ابتدا میں اس پر قابو پا لینا بہت آسان ہے اور اس کے دو فائدے ہیں۔

۱۔ ایسی صورت میں اپنے نفس کو سکون میں لائے اور شعلۂ غضب کو دھیما کر دے۔

۲۔ نفس کے بنیادی علاج کی طرف توجہ کرے۔ اگر کچھ دن انسان اپنی حالت کو قابو میں رکھے اور نفس سے اسی طرح کے معاملات کرے تو اس میں بالکل تغیر پیدا ہو جائے گا اور وہ اعتدال پسند ہو جائے گا۔

بعض احادیث میں اس مطلب کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی میں ہے:

«بِإِسْنادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَلامُ إِنَّ هٰذَا الْغَضَبَ جَمْرَةٌ مِنَ الشَّيْطانِ تُوقَدُ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ. وَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذا غَضِبَ إِحْمَرَّتْ عَيْناهُ وَ انْتَفَخَتْ أَوْداجُهُ وَدَخَلَ الشَّيْطانُ فِيهِ، فَإِذا خافَ أَحَدُكُمْ ذٰلِكَ مِنْ نَفْسِهِ، فَلْيَلْزَمِ الْأَرْضَ؛ فَإِنَّ رِجْزَ الشَّيْطانِ لَيَذْهَبُ عَنْهُ عِنْدَ ذٰلِكَ.» [18]

"حضرت باقر العلوم علیہ السّلام نے فرمایا: بیشک غصہ ابنِ آدمؑ کے دل میں چمکتی ہوئی چنگاری ہے۔ تم میں سے جب کوئی غصہ میں آتا ہے تو اس کی آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں اور گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں اور شیطان اس میں داخل ہوجاتا ہے۔ (یعنی اس پر شیطان کا پورا عمل دخل ہوجاتا ہے) اس لئے جب تم میں سے کسی کو ایسا خطرہ محسوس ہو تو (اگر کھڑے ہو تو زمین پر) بیٹھ جاؤ کیونکہ اس طرح شیطانی پلیدی دور ہوجائے گی۔"

«وَبِإِسْنادِهِ عَنْ مُيَسِّرٍ قالَ: ذُكِرَ الْغَضَبُ عِنْدَ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامِ، فَقالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ فَما يَرْضىٰ أَبَداً حَتّٰى يَدْخُلَ النّارَ فَأَيُّما رَجُلٍ غَضِبَ عَلىٰ قَوْمٍ وَهُوَ قائِمٌ فَلْيَجْلِسْ مِنْ فَوْرِهِ ذٰلِكَ، فَإِنَّهُ سَيَذْهَبُ عَنْهُ رِجْزُ الشَّيْطانِ، وَأَيُّما رَجُلٍ غَضِبَ عَلىٰ ذِي رَحِمٍ فَلْيَدْنُ مِنْهُ فَلْيَمَسَّهُ، فَإِنَّ الرَّحِمَ إِذا مُسَّتْ سَكَنَتْ.» [19]

"راوی کہتا ہے: حضرت امام محمد باقرؑ کی مجلس میں غصہ کا ذکر آگیا تو حضرتؑ نے فرمایا: جب انسان کو غصہ آجاتا ہے تو وہ غصہ انسان کو جہنم پہونچائے بغیر راضی نہیں ہوتا۔ پس تم میں سے اگر کسی کو کسی قوم پر غصہ آجائے اور وہ کھڑا ہو تو فوراً بیٹھ جائے تاکہ وسوسۂ شیطان دور ہوجائے اور جس کو کسی رشتہ دار پر غصہ آجائے تو وہ اس کے قریب جاکر اپنے کو اس سے مَس کرے اس لئے کہ رَحِم کو جب مَس کیا جاتا ہے تو وہ غصہ ختم ہوجاتا ہے۔"

اس حدیث سے غصہ کا دو عملی علاج حاصل ہوا۔

۱۔ ایک تو عمومی علاج ہے یعنی (کھڑے سے) بیٹھ جانا اور اپنی حالت میں تغیر پیدا کرنا۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ اگر بیٹھے ہوئے غصہ آجائے تو کھڑا ہوجائے [20] اور عامہ کے یہاں روایت ہے کہ رسولِ خداؐ کو جب غصہ آتا تھا اور آپؐ کھڑے ہوتے تھے تو بیٹھ جاتے تھے اور بیٹھے

ہوتے تھے تو لیٹ جاتے تھے اس طرح آپ کا غصہ ختم ہوجاتا تھا۔[۲۱]

۲۔ دوسرا علاج خصوصی ہے جو صرف قرابت داروں سے متعلق ہے کہ اگر ایک قرابت دار کو دوسرے قرابت دار پر غصہ آجائے تو فوراً اُس کو جا کر مَس کرے غصہ ختم ہوجائے گا یہ سب تو طریقۂ علاج اس شخص کا ہے جس کو غصہ آجائے اور وہ خود اپنا علاج کرنا چاہے۔

اور اگر دوسرے لوگ اس غصہ میں آئے ہوئے شخص کا علاج کرنا چاہیں تو اگر غصہ ابھی ابتدائی منزل میں ہے تو کسی اس علمی یا عملی طریقہ سے علاج کریں جس کا ذکر ہوچکا ہے۔ لیکن اگر غصہ میں شدت ہو تو نصیحت نہ کریں۔ کیونکہ نصیحت سے برعکس نتیجہ نکلے گا اور اس کا علاج اس طرح مزید دشوار ہوجائے گا۔ البتہ اس کو کسی ایسے شخص سے ڈرایا جائے جس کا اس پر رعب و دبدبہ ہو۔ اس لئے کہ انسان کو صرف انھیں لوگوں پر غصہ آتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے آپ کو طاقتور سمجھتا ہے یا کم از کم اپنے برابر کا سمجھتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اپنے اوپر غالب سمجھتا ہے ان پر غصہ نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے دل میں خون جوش مارتا ہے اور باطنی اشتعال کا سبب بنتا ہے اور انسان اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے اور اس کے دل میں ایک حزن و ملال پیدا ہوجاتا ہے۔ اس لیے غصہ کی شدت و اشتعال کا علاج بہت ہی مشکل و دشوار ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ

چوتھی فصل

غصہ کا علاج اس کے اسباب کی بیخ کنی کر کے

غصہ کے بنیادی علاجوں میں ایک تو غصہ میں لانے والے اسباب کے مادے کا قلع قمع کر دینا ہے۔ ویسے غصہ میں لانے والے اسباب تو بہت ہیں مگر میں یہاں صرف ان کا ذکر کروں گا جو اس کتاب کے مناسب ہوں گے۔

ایک سبب حُبِّ نفس ہے اور اسی حُبِّ نفس سے حُبِّ مال، حُبِّ جاہ، حُبِّ شرف، حُبِّ نفوذ ارادہ، حسب بسط قدرت بھی پیدا ہوتی ہے اور یہ سب نوعاً آتش غضب کو ہیجان میں لانے والے اسباب ہیں۔ کیونکہ جس شخص کو ان چیزوں سے محبت ہوتی ہے وہ ان چیزوں کو بھی بہت اہمیت دیتا ہے اور ان چیزوں کے لئے اس کے دل میں زیادہ وقعت پیدا ہوتی ہے۔ ان میں سے

کسی کی راہ میں اگر اس کے لئے رکاوٹ پیدا ہو جائے یا مزاحمت کا احتمال بھی پیدا ہو جائے تو وہ بے موقع غصہ میں آجاتا ہے اور جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے اور پھر اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پاتا اور حرص و طمع اور دیگر وہ برائیاں جو حُبِ نفس و جاہ کی بنا پر دل میں پیدا ہوتی ہیں اس کے ہاتھ سے لگام چھین لیتی ہیں اور نفس کے تمام کاموں کو عقل و شرع کے راستہ سے منحرف کر دیتی ہیں۔

البتہ اگر ان چیزوں سے اس کی محبت شدید نہ ہو تو پھر وہ ان امور کو اہمیت نہیں دیتا اور ترکِ حُبِ جاہ و شرف اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے دور رہنے پر حاصل ہونے والے دلی سکون اور اس سے پیدا شدہ اطمینان کو فوقیت دیتا ہے اور پھر وہ عدالت کے خلاف قدم نہیں اٹھاتا اور بغیر کسی تکلف و زحمت کے سختی و ناملائمات کو بربادی سے برداشت کرتا ہے اور صبر کی لگام بھی اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتی اور نہ وہ بے موقع و بے اندازہ غصہ کرتا ہے اور اگر حُبِ دنیا اس کے دل سے نکل جائے اور یہ فاسد مادہ بالکلیہ ختم ہو جائے تو دل کی تمام برائیاں رخصت ہو جائیں گی اور ان کی جگہ مملکت روح میں اخلاقی خوبیاں لے لیں گی۔

دوسرا سبب غصہ کے بھڑکنے کا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے غصہ اور اس سے حاصل ہونے والی برائیوں کو کمال سمجھتا ہے اور ان کا شمار محاسن میں کرتا ہے جبکہ یہ چیزیں عظیم ترین نقائص اور بدترین رذائل ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض جوانمرد انھیں برائیوں کو شجاعت و شہامت و بزرگی خیال کرتے ہیں اور اس کی تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ میں نے ایسا کر دیا ویسا کر دیا۔ ایسے جوان شجاعت کو، جو مومنین کی عظیم ترین صفات میں سے ہے اور صفات حسنہ میں سے ہے بدترین صفت اور ہلاک کرنے والی صفتِ غضب میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے اشتباہ کرتے ہیں۔

اس لئے پہلے آپ یہ سمجھ لیں شجاعت غضب کے علاوہ دوسری چیز ہے۔ شجاعت کے اسباب و مبادی آثار و خواص غصہ کے اسباب و مبادی، آثار و خواص سے بالکل الگ ہوتے ہیں۔ (مثلاً) شجاعت کا مبداء قوتِ نفس اور اس کا اطمینان، اعتدال، ایمان اور زیبائشِ دُنیا و اس کی پستی و بلندی کی طرف سے لاپرواہی ہوا کرتی ہے۔

لیکن غصہ نفس کی کمزوری اور اس کے تزلزل، ایمان کی سُستی، مزاج روح کے عدمِ اعتدال، محبتِ دُنیا اور دُنیا کو اہمیت دینے، لذائذِ نفسانیہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے غصہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو تندرست لوگوں کے مقابلہ میں بیماروں کو

بڑوں کے مقابلہ میں بچوں میں اور جوانوں کے مقابلہ میں بوڑھوں میں زیادہ ہوتا ہے اور شجاعت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جن لوگوں میں اخلاقی کمزوریاں زیادہ ہوتی ہیں ان کو بہ نسبت ان لوگوں کے جن میں اخلاقی خوبیاں ہوتی ہیں زیادہ غصہ آتا ہے۔ چنانچہ آپ خود دیکھئے اگر کوئی بخیل کے مال و منال سے متعرض ہو تو دوسروں کے بہ نسبت اس کو غصہ بہت زیادہ آتا ہے۔ یہ چیزیں تو شجاعت وغضب کے اسباب ومبادی کے لحاظ سے تھیں۔ مگر یہ دونوں (شجاعت وغضب) آثار کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔

(مثلاً) غصہ ور آدمی شدتِ غیظ وغضب کی حالت میں دیوانوں کی طرح بے عقل وبے لگام ہو جاتا ہے۔ پھاڑ کھانے والے حیوانوں کی طرح انجام کو سوچے بغیر، غور وفکر کئے بغیر، حکمِ عقل کے خلاف اقدام کرتا ہے۔ زشت وقبیح افعال وکردار اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس کو اپنی زبان ہاتھ پیر اور دیگر اعضا پر قابو نہیں رہ جاتا۔ لب ودہن، چشم (وپلک) کو اس بُری طرح استعمال کرتا ہے کہ اگر اسی غصہ کی حالت میں اس کے ہاتھ میں آئینہ دیدیں تو وہ خود اپنی بدصورتی پر نادم وشرمندہ ہو جائے گا۔ بعض غصہ ور لوگ تو بے شعور حیوانوں بلکہ جمادات پر بھی غصہ کرتے ہیں، ہوا، زمین ابر، باد وباراں، (بلکہ) سارے حادثات کو "اگر ان کے مرضی کے مطابق نہ ہوں تو" گالی دینے لگتے ہیں، کبھی قلم وکتاب، کاسہ وکوزہ پر اپنا غصہ اُتارنے لگتے ہیں (مثلاً) ان کو توڑنے لگتے ہیں، پھاڑنے لگتے ہیں۔

لیکن بہادر آدمی ان تمام اُمور میں اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ اس کے تمام افعال غور و فکر کے ساتھ، میزانِ عقل کے مطابق اور اطمینانِ نفس کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔ غصہ کی جگہ پر غصہ کرتا ہے۔ بردباری کی جگہ بردباری کرتا ہے، ہر چیز اس کو غصہ میں مبتلا نہیں کر سکتی۔ غصہ کے موقع پر بھی بقدرِ ضرورت غصہ کرتا ہے اور بڑی سمجھ بوجھ اور عقل سے انتقام لیتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کس سے انتقام لے، کتنا انتقام لے اور کس طرح انتقام لے۔ کس کو معاف کر دے۔ کس سے غض بصر کرلے غصہ کے وقت بھی عقل کی لگام اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ غصہ میں بھی بُری بات نہ مُنہ سے نکالتا ہے نہ اعضاء وجوارح سے بُرے افعال کی طرف جلدی کرتا ہے۔ اس کے تمام کام عقل و شرع کے مطابق اور عدل وانصاف پر مبنی ہوتے ہیں وہ اگر اقدام بھی کرتا ہے تو اس طرح کہ آخر میں پشیمان نہ ہو۔

لہٰذا سمجھدار انسان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ شجاعت جو انبیا، اولیا اور مومنین کے صفات

میں سے ہے اور نفس کے فضائل وکمالات میں سے ہے اور غصّہ جو شیطانی صفت ہے خنّاس کا وسوسہ ہے رذائلِ نفسانی میں سے ہے قلبی نقائص میں سے ہے، کے درمیان کوئی فرق ہی نہ کرے اور اشتباہ میں مبتلا رہے۔ مگر (حقیقت یہ ہے کہ) جہل و نادانی کا حجاب، حُبِّ نفس و دنیا کا حجاب انسان کے چشم و گوش بند کر دیتا ہے اور اس کو بے چارہ بنا دیتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے۔

(علمائے کرام نے) غصّہ کے دیگر اسباب بھی ذکر کئے ہیں مثلاً عُجب، افتخار، تکبر، ریاکاری، چھچھورپن، مذاق وغیرہ لیکن ہر ایک کی تفصیل موجبِ طول مقام و مقال و ملالتِ حال ہوگی اور شاید باواسطہ یا بلاواسطہ یہ تمام کے تمام یا زیادہ تر کی بازگشت انھیں دو مبداء کی طرف ہو۔ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ (اس لئے ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے) والحمدللہ۔

ساتویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۲، کتاب ایمان وکفر، باب الغضب، حدیث ۳۔

۲۔ احمد بن محمد بن یعقوب مسکویہ (۳۳۰-۴۲۱ ھ ق) مشہور اسلامی طبیب وفلسفی تھے۔ طب علمی وعملی، لغت، ادب، فنون شعر وکتابت، منطق وریاضیات خصوصاً علم اخلاق میں بہت مشہور تھے آپ کے آثار میں: ترتیب السعادة، تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق، جاویدان خرد، آداب الفرس والھند، تجارب الامم وتعاقب الھمم ہیں۔

۳۔ بقراط (۴۶۰ - ۳۷۷ ق۔م) میں یونان کے جزیرہ کوس میں پیدا ہوا یہ شخص مشہور ترین طبیب" اور قدیم فلاسفہ میں بہت مشہور ہے یہ شخص امراض کے لئے صرف دو منشاء "غذا وہوا" کا قائل تھا۔

۴۔ تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق (مطبوعہ مصر) ص ۱۶۲۔

۵۔ (مومنین) کافروں پر سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔ (فتح/۲۹)

۶۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے «أعدىٰ عدوِّكَ نفسُكَ الّتي بينَ جنبَيكَ» تمہارا سب سے بڑا دشمن تو تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ عوالی اللئالی جلد ۴ ص ۱۱۸، بحار الانوار جلد ۶۷، کتاب ایمان وکفر، باب ۴۵، حدیث ۱۔

۷۔ تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق (مطبوعہ مصر) ص ۱۶۲۔

۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۲، کتاب ایمان وکفر، باب غضب، حدیث ۱۔

۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۴ - ۳۰۵، کتاب ایمان وکفر، باب غضب، حدیث ۱۲۔

۱۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۳، کتاب ایمان وکفر، باب غضب، حدیث ۷۔

۱۱۔ «عَنْ أبي عَبْدِاللهِ (ع) قالَ: قالَ الْحَوارِيُّونَ لِعيسىٰ (ع) «أيُّ الأشياءِ أشدُّ؟ قالَ أشدُّ الأشياءِ غَضَبُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، قالُوا: بِما نَتَّقي غَضَبَ اللهِ؟ قالَ بِأنْ لاتَغْضَبُوا.» وسائل الشیعہ جلد ۱۱

ص ۲۸۹، ابواب جہادِ نفس، باب ۵۳، حدیث ۱۵۔

۱۲۔ اعراف/۱۷۹۔

۱۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۷۴۔

۱۴۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۳، کتاب ایمان وکفر، (باب غضب) حدیث ۴۔

۱۵۔ یہ سورۂ احزاب کی ۷۲،ویں آیت کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے ۔

«إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا.» بے شک ہم نے (روزِ ازل) اپنی امانت کو سارے آسمان اور زمین اپہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اس کو اٹھالیا۔ یقیناً انسان (اپنے حق میں) بڑا ظالم اور نادان ہے۔

۱۶۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۳، کتاب ایمان وکفر، باب غضب، حدیث ۴۔

۱۷۔ شیخ حرّ عاملی نے اپنی کتاب وسائل الشیعہ میں غصّہ کی حالت میں ذکرِ خدا کو واجب جانا ہے۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱، ص ۲۹۱، کتاب الجہاد، ابواب جہادِ نفس، باب ۸۴۔

۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۴-۳۰۵، کتاب ایمان وکفر، باب غضب، حدیث ۱۲۔

۱۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۲، کتاب ایمان وکفر، باب غضب، حدیث ۲۔

۲۰۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ أَبِيهِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهُ الْغَضَبُ، فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ حَتَّى مَا يَرْضَى أَبَداً وَيَدْخُلُ بِذٰلِكَ النَّارَ وَأَيُّمَا رَجُلٍ غَضِبَ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ، فَإِنَّهُ سَيَذْهَبُ عَنْهُ رِجْزُ الشَّيْطَانِ؛ وَإِنْ كَانَ جَالِساً فَلْيَقُمْ» امام جعفر صادقؑ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ ان کے سامنے غصّہ کا ذکر آگیا تو حضرت باقرؑ نے فرمایا: بہت سے لوگ اس طرح غصّہ میں آجاتے ہیں کہ کسی طرح راضی ہی نہیں ہوتے اور اس کے سبب سے جہنّم میں جاتے ہیں اگر کوئی حالتِ قیام میں غصّہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کو بیٹھ جانا چاہیے اور اگر بیٹھا ہوا ہے اور غصّہ آجائے تو کھڑا ہو جانا چاہیے کہ اس طرح شیطان کی پلیدی اس سے دور ہو جائے گی۔ مراۃ العقول جلد ۱۰، ص ۱۴۶، کتاب ایمان وکفر، باب غضب، شرح حدیث ۲۔

۲۱۔ «عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ (ص) إِذَا غَضِبَ وَهُوَ قَائِمٌ جَلَسَ وَإِذَا غَضِبَ وَهُوَ جَالِسٌ اِضْطَجَعَ فَيَذْهَبُ غَيْظُهُ.» مراۃ العقول جلد ۱۰، ص ۱۴۶، باب الغضب، مسند احمد بن حنبل جلد ۵، ص ۱۵۲، ابوذر سے نقل کرتے ہیں: رسولِ خدا نے غصّہ کی صورت میں ہم کو یہ دستور دیا ہے۔

آٹھویں حدیث

«بِسَنَدي الْمتَّصِلِ إلى مُحَمَّد بنِ يَعْقوبَ عَنْ عليِّ بْنِ إبراهيم، عَنْ أبِيهِ، عَنِ النوفَلي، عَنِ السَّكوني، عَنْ أبي عَبْدِالله، عَلَيْهِ السَّلام، قالَ: قالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَنْ كانَ في قَلْبِهِ حَبَّةٌ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ عَصَبِيَّةٍ، بَعَثَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ مَعَ أعْرابِ الْجاهِلِيَّةِ.»

ترجمہ: سکونی امام جعفر صادقؑ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: رسولِ خدا کا ارشاد ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر عصبیت ہوگی۔ خدا اس کو روزِ قیامت جاہلی عربوں کے ساتھ اٹھائے گا۔

شرح: قدیم فارسی میں "خردل" کو "اسپندان" کہتے تھے لیکن آجکل خردل (رائی) کہتے ہیں۔ خردل ایک مشہور دوا ہے جس کے بہت سے خواص ہیں۔ اس سے مشمع ۲ بنایا جاتا ہے۔ (اور جو شخص عصبیت رکھے اس کو عصبی کہا جاتا ہے)۔

عصبی: اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے رشتہ داروں کے ظلم کی حمایت کرے اور "عصبۃ" پدری رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رشتہ دار باپ کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور باپ ان کی وجہ سے شدید ہو جاتا ہے۔ "عصبیت" اور "تعصب" کے معنیٰ "حمایت کرنے" کے ہیں اور

دفاع کرنے کے ہیں۔ یہ تو اہلِ لغت کے کلمات تھے جن کا ذکر کیا گیا۔

فقیر (امام خمینی قدہ) عرض کرتا ہے۔ عصبیت ایک نفسانی و باطنی صفت ہے جس کے آثار میں سے اپنے رشتہ داروں (بلکہ مطلق متعلقین کی حمایت و دفاع کرنا ہے۔ متعلقین میں چاہے وہ لوگ ہوں جو دینی، مذہبی یا مسلکی تعلق رکھتے ہوں یا وطنی و آبی و خاکی تعلق رکھتے ہوں یا کسی اور قسم کا تعلق رکھتے ہوں سب ہی مراد ہیں مثلاً ہم پیشہ ہوں، اُستادی شاگردی کا تعلق ہو یا اور کوئی۔

عصبیت اخلاقِ فاسدہ اور ملکاتِ رذیلہ میں سے ہے اور اس سے بہت سے اخلاق و اعمال مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ عصبیت بذات خود مذموم ہے چاہے وہ حق کے لئے ہو یا کسی دینی امر کے لئے ہو بشرطیکہ اس کا مقصد اظہارِ حق نہ ہو۔ بلکہ اس کا مقصد اپنا یا اپنے ہم مسلک یا اپنے وابستہ کسی شخص کا غلبہ ہو۔

لیکن اظہارِ حق کرنا، حقیقت کی ترویج کرنا، مطالبِ حقہ کا اثبات کرنا اور اس کی حمایت کرنا یہ سب چیزیں یا تو عصبیت نہیں ہیں اور اگر عصبیت ہیں تو قابلِ مذمت نہیں ہیں۔ اس کا معیار اغراض و مقاصد کے فرق پر ہے۔ اگر نفس و شیطان کی مدخلیت ہے تو مذموم ہے اور اگر حق و رحمان کی مدخلیت ہے تو مذموم نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے: انسان اپنے سے وابستہ لوگوں اور تعلق رکھنے والوں کی جو حمایت کرتا ہے اور ان کا جو دفاع کرتا ہے اگر اس کا مقصد صرف اظہارِ حق اور باطل کو فنا کرنا ہے تو یہ عصبیت ممدوح ہے اور حق و حقیقت کی حمایت ہے اور بہترین صفاتِ کمالِ انسانی ہے اور سیرتِ انبیا و اولیا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ جدھر حق ہو اس کی حمایت کرتا ہو چاہے حق والا آدمی اس سے وابستہ بھی نہ ہو۔ بلکہ چاہے اس کا دشمن ہو۔ ایسا شخص حقیقت کی حمایت کرنے والا ہے اور فضیلت کے طرفداروں میں سے ہے، مدینۂ فاضلہ کے حمایت کرنے والوں میں ہے، معاشرہ کا ایک اچھا ممبر ہے اور معاشرے کی برائیوں کا اصلاح کرنے والا ہے۔ لیکن اگر اس کی نفسانیت اور اس کی قومیت اس کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ اگر اپنے رشتہ داروں یا وابستگان میں سے ہے تب تو چاہے وہ لوگ باطل پر ہوں پھر بھی ان کا ساتھ دیتا ہے اور ان کی حمایت کرتا ہے تو اس شخص کے اندر ملکۂ خبیثہ ہے، جاہلی عصبیت ہے۔ فاسد معاشرے کا ممبر ہے اخلاطِ صالحہ کو فاسد کرنے والا ہے اور اس کا شمار جاہلیت والے عربوں میں ہے۔ جاہلی عرب سے مراد وہ بادیہ نشین عرب ہیں جو اسلام سے پہلے تھے جب تاریکی و جہالت و نادانی کا دور دورہ تھا ان لوگوں میں عصبیت

بہت زیادہ تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مطلق عرب میں دوسرے لوگوں کے بہ نسبت تعصب کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے پس اس خبیث صفت سے وہ لوگ مستثنیٰ تھے جنھوں نے نورِ ہدایت سے ہدایت حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضرت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے کہ خداوندِ عالم چھ گروہوں کو چھ چیزوں پر عذاب کرے گا۔

۱۔ عربوں کو عصبیت پر ۲۔ زمینداروں کو تکبر پر ۳۔ امیروں کو ظلم وستم پر
۴۔ فقہا کو حسد پر ۵۔ تاجروں کو خیانت پر ۶۔ دیہاتیوں کو نادانی پر۔ ۳

پہلی فصل

عصبیت کے مفاسد

اہلِ بیتؑ کی حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ عصبیت ایک مہلک وسبب سوءِ عاقبت وخروج از ایمان ہے اور شیطان کے بُرے اخلاق میں سے ہے۔ کافی میں صحیح سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

: مَنْ تَعَصَّبَ أَوْ تُعُصِّبَ لَهُ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَ الْإِيمَانِ مِنْ عُنُقِهِ.» ۴

"جو شخص تعصب کرتا ہے یا اس کے لئے تعصب کیا جاتا ہے اس کے گلے سے ایمان کی رسی کھول دی جاتی ہے۔" یعنی وہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے اور جس کے لئے تعصب کیا جاتا ہے وہ بھی تعصب کرنے والے کے عمل پر چونکہ راضی رہتا ہے لہٰذا اس کی جزا میں بھی شریک ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "جو شخص کسی قوم کے فعل پر راضی رہتا ہے وہ بھی اسی قوم میں شمار کیا جاتا ہے۔" ۵ لیکن اگر راضی نہ ہو بلکہ اس سے متنفر ہو تو پھر اس قوم کے ساتھ شریک ہونے میں حدیث کا مفہوم شامل نہیں ہے۔

«وَ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلام، قَالَ: مَنْ تَعَصَّبَ، عَصَبَهُ اللّٰهُ بِعِصَابَةٍ مِنَ النَّارِ» ۶ "جو تعصب برتے گا۔ خدا اس کے سر پر آگ لپیٹ دے گا۔"

«وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلام، قَالَ: لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ حَمِيَّةٌ غَيْرُ حَمِيَّةِ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ؛ وَذٰلِكَ حِينَ أَسْلَمَ غَضَباً لِلنَّبِيِّ.» ۷

"جناب امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: بہشت میں جناب حمزہ بن عبد المطلب کے علاوہ کوئی عصبیت داخل نہیں ہوئی کہ جب آپ نے رسولؐ خدا کے لئے عصبیت برتی تھی۔" جناب حمزہ کے اسلام لانے کا واقعہ کئی طریقوں سے منقول ہے جو ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ ۹

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان " جو نورِ الٰہی ہے اور خداوندِ عالم کی وہ غیبی خلعت ہے جو اس نے اپنے خاص بندوں، مخلصین بارگاہ، مخصوصانِ محفلِ انس کو مرحمت فرمایا ہے" ایسی خصلت کے منافی ہے جو حق و حقیقت کو پامال کرتی ہو، راستی و درستی کو زیرِ پائے جہل و نادانی رگڑتی ہو۔

(یاد رکھئے!) اگر دل کے آئینہ میں خود خواہی، اقرباپرستی، جاہلیت کی بے موقع عصبیت کا زنگ لگ جائے تو اس میں نورِ ایمان کا جلوہ نہیں دکھائی دے گا اور وہ دِل پروردگار کی خلوت گاہ خاص نہیں ہو سکتا صرف اسی شخص کا دل جلوہ گاہِ ایمان و معرفت ہو سکتا ہے اور اسی شخص کی گردن میں حبلِ متین اور ایمان کی مضبوط رسی ہو سکتی ہے اور وہی شخص حقائق و معارف کا گرو ہو سکتا ہے جو قواعد دینی کا پابند، قوانین عقلی کا اسیر، عقل و شرع کے ساتھ حرکت کرنے والا ہو، عادتوں اور خلق (بے جا) مانوساتِ وجود اس کو ڈرا نہ سکیں اور صراطِ مستقیم سے بھٹکا نہ سکیں۔ اسی شخص کو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرنا زیب دیتا ہے جو حقیقتوں کو تسلیم کرتا ہو، حقیقتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہو، اپنے مقاصد کو چاہے وہ کتنے ہی بلند و برتر ہوں اپنے ولی نعمت کے مقاصد میں فنا کر دیتا ہو، اپنے اور اپنے ارادہ کو مولائے حقیقی کے ارادے پر فدا کر دیتا ہو۔ ایسا شخص جاہلی عصبیت سے بھی بری ہو سکتا ہے اور قلبی طور سے حقائق کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ جہالت و عصبیت کے دبیز پردے اس کی آنکھوں کے حجاب نہیں بن سکتے۔ وہ اظہارِ حقیقت اور اعلائے کلمۂ حق کے لئے اپنے تمام تعلقات و روابط کو زیرِ پا رکھ سکتا ہو اور اپنے ولی نعمت کی بارگاہ میں تمام عادتوں اور قرابتوں کو قربان کر سکتا ہو اور اگر اسلامی و جاہلی عصبیت میں ٹکراؤ ہو جائے تو اسلامی عصبیت و حق خواہی کو مقدم کرنے کی جرأت رکھتا ہو۔

حقائق کی معرفت رکھنے والا انسان اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ تمام تعصبات وارتباط و تعلقات ایک عرضی اور زائل ہونے والی چیز ہے۔ صرف خالق و مخلوق کے درمیان کا رابطہ اور اس سلسلہ میں تعصب ایک ذاتی اور غیر قابلِ زوال ہے اور یہی عبد و معبود کا تعلق تمام ارتباطات سے محکم اور تمام حسب و نسب سے بالاتر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا: میرے حسب و نسب کے علاوہ قیامت میں

سارے حسب و نسب منقطع ہو جائیں گے۔ متنِ حدیث اس طرح ہے۔

«كُلُّ حَسَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلاَّ حَسَبِي وَنَسَبِي.» ۹

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کا حسب و نسب روحانی ہے اور باقی ہے اور تمام جاہلی عصبیتوں سے دور ہے۔ حضورؐ کے روحانی حسب و نسب کا ظہور اُس عالم میں بیشتر اور اس کا کمال بہت زیادہ واضح ہوگا۔ مگر یہ جسمانی ملکی ارتباطات جو بشری عادتوں کی بنا پر ہوتے ہیں وہ ذرا سی چیز پر منقطع ہو جایا کرتے ہیں۔ دوسری دُنیا میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی ارتباط نظامِ ملکوتی الٰہی کے تحت ہو اور میزان قواعدِ شرعی و عقلی کے زیر سایہ ہو تو پھر اس کے لئے بھی انقطاع و انفصام کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

دوسری فصل

عصبیت کی ملکوتی صورت

بعض گزشتہ حدیثوں کی شرح کرتے ہوئے یہ بات گزر چکی کہ برزخی و قیامتی و ملکوتی صورتوں کا معیار ان کے ملکات اور ان کی قوت (وضعف) کے مطابق ہوگا اور وہی عالم (قیامت) حکومتِ نفس کے ظہور کی جگہ ہوگی اور مُلکِ بدن (وہاں پر) نفس کی نافرمانی نہیں کر سکے گا اور یہ بھی بیان کیا جا چکا کہ) ہو سکتا ہے اُس عالم میں انسان کسی حیوان یا شیطان کی صورت میں محشور ہو اور یہ حدیث جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی عصبیت ہوگی خدا اس کو اعراب جاہلیت کی صورت میں اُٹھائے گا۔ بھی اس ذکر شدہ مطلب کی طرف اشارہ ہو سکتی ہے۔

جو شخص اس خبیث صفت (تعصب) کے ساتھ دُنیا سے جائے گا۔ شاید وہ اپنے کو ایسے اعراب جاہلیت کی صورت میں دیکھے کہ جس کا نہ وحدانیتِ خدا پر عقیدہ ہو نہ رسالت و نبوت کا معتقد ہو۔ (بلکہ) ان لوگوں کی جو بھی صورت ہو اپنے کو اسی صورت پر محشور پائے گا اور اس کو یہ بھی احساس نہ ہو گا کہ دُنیا میں وہ عقائدِ حقہ کا اظہار کرتا تھا اور اُمت محمدؐ میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: "اہلِ جہنم رسولِ خداؐ کا نام بھی بھول جائیں گے اور اپنا تعارف بھی نہ کرا سکیں گے۔ ہاں جب ارادۂ الٰہی ان کی نجات سے متعلق ہوگا" ۱۰ تب ان کو نام آنحضرتؐ یاد آئے گا۔

اور چونکہ یہ خُلق (عصبیت) بعض احادیث کی بنا پر شیطان کے خواص میں سے ہے شاید اسی لئے اعراب جاہلیت اور عصبیتِ جاہلیت رکھنے والا انسان (دونوں) شیطان کی صورت پر محشور ہوں گے۔ کافی کی صحیح حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔

قَالَ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانُوا يَحْسَبُونَ أَنَّ إِبْلِيسَ مِنْهُمْ، وَكَانَ فِي عِلْمِ اللّٰهِ أَنَّهُ لَيْسَ مِنْهُمْ؛ فَاسْتَخْرَجَ مَا فِي نَفْسِهِ بِالْحَمِيَّةِ وَالْغَضَبِ، فَقَالَ: «خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ.»"

یعنی "ملائکہ کو گمان تھا کہ شیطان انھیں میں سے ہے اور خدا جانتا تھا کہ شیطان ملائکہ میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا شیطان کے دِل میں جو بات تھی اس کو اس کے تعصب و عصبیت کے ذریعہ اگلوالی اور شیطان نے (اظہار کرتے ہوئے) کہہ ہی دیا: مجھ کو تو نے آتش سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے!"

پس میرے عزیز یہ بات سمجھ لو کہ تعصب شیطان کی صفت ہے اور اس کا مغالطہ اور باطل قیاس اسی حجاب (تعصب) کی بنا پر تھا۔ یہ تعصب ایسا حجاب ہے جو تمام حقائق کو ختم کردیتا ہے بلکہ تمام رذائل کو محاسن کی صورت میں پیش کرتا ہے اور دوسروں کے تمام محاسن کو عیب بناکر ظاہر کرتا ہے اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ انسان جب تمام چیزوں کو غیر واقعی صورت میں پیش کرے تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ یہ عصبیت خود تو ایک ایسی خبیث صفت ہے جو انسان کو ہلاک کردیتی ہے لیکن خود اس کی وجہ سے اتنے نفسانی رذائل اور اعمالی و اخلاقی مفاسد پیدا ہوتے ہیں کہ ان کا ذکر بھی موجب ملال ہے۔

اس لئے جو عقلمند انسان اس خبیث صفت کے مفاسد کو سمجھ لے اور صادق و مصدق رسولِ اکرمؐ وان کے اہلِ بیتؑ گرامی کی بات مانتا ہو کہ یہ صفت انسان کو ہلاک کردیتی اور جہنم رسید کردیتی ہے۔ اس کو اس کا علاج کرنا چاہیئے اور اگر خدانخواستہ اس کے دِل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تعصب ہے تو اپنے کو اس سے پاک کرلینا چاہیئے تاکہ اس دُنیا سے عالمِ آخرت کی طرف جاتے ہوئے پاک و پاکیزہ ہو اور صاف و شفاف نفس کے ساتھ جائے۔ مگر یہ بھی سمجھ لے کہ وقت بہت کم ہے کیونکہ معلوم نہیں موت کب آجائے!

اے لکھنے والے کے نفسِ خبیث ہوسکتا ہے لکھتے ہی وقت موت آجائے اور تجھ کو ان تمام اخلاقی رذائل کے ساتھ اسی وقت اُس عالم کی طرف منتقل کردے جہاں سے واپسی ممکن

نہیں ہوا کرتی۔ پس اے عزیز! اے اس مؤلف کی کتاب کے مطالعہ کرنے والے عبرت حاصل کر اس مؤلف کی حالت سے جو اس وقت منوں مٹی کے نیچے دبا ہوا دوسرے عالم میں اپنے بُرے اعمال اور بُرے اخلاق (کی پاداش) میں گرفتار ہے۔ جب فرصت کا زمانہ تھا تو اس نے ہوا و ہوس اور بطالت میں اس سرمایۂ الٰہی کو ضائع و برباد کر دیا۔ تم بھی متوجہ رہو ایک دن ہماری طرح تم کو بھی برباد ہونا ہے مگر تم خود نہیں جانتے وہ کون سا دن ہے۔ ہو سکتا ہے وہ یہی دن ہو جب تم اس کتاب کے پڑھنے میں مشغول ہو۔ اگر تم نے لیت و لعل سے کام لیا تو فرصت گنوا دو گے۔

اے برادران امور میں دیری نہ کرو یہ امور دیر کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ نہ معلوم کتنے صحیح و سالم آدمی ناگہانی موتوں کی وجہ سے اس دُنیا سے چل بسے اور نہ جانے ان کا انجام کیا ہوا؟ اس لئے فرصت کو ہاتھ سے جانے نہ دو اور ایک (ایک) سانس کو غنیمت سمجھو کیونکہ کام بہت اہم ہے اور سفر بہت خطرناک ہے اگر تمہارا ہاتھ اس عالم سے "جو مزرعۂ آخرت ہے" کوتاہ ہو گیا تو پھر سمجھ لو کام ہاتھ سے نکل گیا اور پھر تم نہ اپنے نفس کی اصلاح کر سکو گے اور نہ ذلت و عسرت و حیرت و عذاب کے علاوہ کچھ نتیجہ تم کو ملے گا۔

اولیائے خدا کو ایک منٹ بھی سکون نہیں تھا اس پُر خطر سفر کے بارے میں ہمیشہ فکر کرتے رہتے تھے۔ امام زین العابدینؑ جو معصوم تھے ان کے حالات حیرت انگیز ہیں۔ حضرت علیؑ کے نالہائے شب کتنے متحیر کن تھے حالانکہ آپؑ ولیٔ مطلق تھے۔ نہ معلوم ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اس سے غافل ہیں؟ آخر شیطان کے علاوہ کون ہے جس نے ہم کو اطمینان دلا رکھا ہے جس کی وجہ سے ہم آج کا کام کل پر ٹال دیتے ہیں اور شیطان کی تو (دلی) خواہش ہے کہ اپنے اصحاب و انصار کی تعداد میں اضافہ کرے اور ہم کو اپنے اخلاق میں ڈھال کے اپنے اور اپنے ماننے والوں کے گروہ میں محشور کرے۔ شیطان ملعون ہمیشہ امورِ آخرت کو ہماری نظروں میں سہل و آسان کر کے پیش کرتا ہے اور ہم کو "رحمتِ خدا" اور "شفاعت شافعین" کے وعدہ کا سہارا دے کر خدا کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل کر دیتا ہے۔

لیکن افسوس یہ جھوٹی اشتہا ہے اور اس ملعون کا دامِ مکر و حیلہ ہے۔ ابھی تو رحمتِ خدا نے تیرا احاطہ کر رکھا ہے۔ ابھی تو تم رحمت و صحت و سلامتی، زندگی و امن و ہدایت و عقل و فرصت اور اصلاحِ نفس کی راہ نمائی میں ہزاروں مختلف رحمتوں کے خدائی سمندر میں غوطہ زن ہو۔ مگر پھر بھی ان چیزوں سے استفادہ کرکے خدا کی اطاعت کے بجائے شیطان کی اطاعت کرتے ہو۔ اگر تم نے اس

دنیا میں ان رحمتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا تو آخرت میں بھی خدا کی بے پناہ رحمتوں سے بے بہرہ ہی رہو گے اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے محروم رہو گے۔ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کا جلوہ اس دنیا میں ان کی ہدایت ہے اور اس عالمِ باطن میں شفاعت کی ہدایت ہے۔ اگر تم نے ہدایت سے فائدہ نہ اٹھایا تو شفاعت سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔ جتنی ہدایت حاصل کرو گے اتنی ہی شفاعت نصیب ہو گی۔ رسولِ خدا کی شفاعت رحمتِ حق مطلق کی طرح ہے۔ جس میں قبولیت کی صلاحیت ہو گی وہی فائدہ اٹھا سکے گا۔

اور اگر خدانخواستہ شیطان نے اپنے حیلوں بہانوں سے تمہارے ہاتھ سے ایمان اُچک لیا تو پھر تم میں نہ قابلیتِ رحمت رہے گی اور نہ ہی شفاعت نصیب ہو سکے گی۔ جی ہاں رحمتِ حق تو دونوں عالم میں بھری ہے اگر تم واقعی طالب رحمت ہو تو اس دُنیا کی پے در پے رحمتوں سے' جو دوسری دنیاؤں کے لئے رحمت کی بیج بھی ہے۔" کیوں استفادہ نہیں کرتے ہو۔ تمام اولیا و انبیائے خدا نے تجھ کو خوانِ نعمت کی طرف بلایا سبھوں نے مہمانخانۂ الٰہی کی طرف دعوت دی مگر تم نے اس کو قبول نہ کیا ایک وسوسہ خناسی اور ایک شبہۂ شیطانی کی بنا پر تم نے سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ تم نے تو کتابِ خدا کے محکمات اولیا و انبیا کے احادیث متواترات، عقولِ عقلا اور حکما کے براہین قطعیہ کو شیطانی خطرات، نفسانی خواہشات پر قربان کر دیا۔ اس غفلت اور اندھے پن و بہرے پن و جہالت پر میرے اور تمہارے اوپر وائے ہو۔

تیسری فصل

اہلِ علم کا تعصب

جاہلی عصبیت میں سے ایک عصبیت ایسے مطالب علمیہ پر ضد کرنا اپنی یا اپنے اُستاد یا اپنے شیخ کی بات پر اڑے رہنا بھی ہے جو کسی احقاقِ حق یا ابطال کے لئے بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے اس قسم کی عصبیت بعض اعتبار سے بری اور بعض دیگر اعتبار سے بمقابلہ دیگر عصبیات زیادہ ہی ناروا ہے (اسباب، جہات تعصب یہ ہو سکتے ہیں)۔

۱۔ متعصب کے اعتبار سے بُری بات ہے مثلاً اہلِ علم جو بنی نوع بشر کے مربّی اور شجرۂ

نبوت و ولایت کی شاخ ہیں۔ امور کی برائیوں پر مطلع ہیں، اخلاقِ فاسدہ کے انجام سے باخبر ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان میں سے کوئی عصبیتِ جاہلیت رکھتا ہو اور شیطانی صفاتِ رذیلہ سے متصف ہو تو اس پر سب سے زیادہ حجت تمام ہوگی اور سب سے زیادہ اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔

(ذرا سوچیے) کیا جو شخص اپنے کو لوگوں کے لئے چراغِ ہدایت، محفلِ انس کی شمع، راہِ سعادت کا راہنما، صراطِ آخرت کا رہبر کہلاتا ہو۔ اگر وہ خدانخواستہ اپنے قول پر عامل نہ ہو، اس کا ظاہر اس کے باطن کے مخالف ہو، اہلِ ریا و نفاق ہو، علمائے سوء اور عالم بلاعمل میں اس کا شمار ہو تو کیا اس کی سزا بہت بڑی اور اس کا عذاب سب سے زیادہ نہ ہوگا؟ قرآنِ مجید نے ایسے لوگوں کی مثال بیان کی ہے:

«بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ.» [۲]

"جن لوگوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا ان کی بہت بری مثال ہے اور خدا ظالم لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہونچاتا۔"

اس لئے اہلِ علم کے لئے بہت ضروری ہے کہ ان مقامات کا احترام کریں اور اپنے کو ان مفاسد سے بالکل پاک کریں تاکہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ معاشرے کی بھی اصلاح کر سکیں اور ان کا وعظ اثر انداز ہو ان کی نصیحت دلوں میں بیٹھ جائے۔ (یاد رکھو) عالم اگر فاسد ہو جائے تو پوری اُمت فاسد ہو جاتی ہے اور جو فساد دوسرے فسادات کا مادہ بنے اور جو غلطی دوسری غلطیوں کو جنم دے وہ ولیٔ نعمت کی بارگاہ میں غیر متعدی و جزئی فساد سے کہیں زیادہ بزرگ و بالاتر ہے۔

۲۔ اہلِ علم کے اندر اس تعصب کی ایک قباحت خود علم کی وجہ سے بھی ہے کیونکہ یہ تعصب علم کے ساتھ خیانت کرنا اور علم کی حق ناشناسی ہے جو شخص اس عظیم امانت کے بوجھ کو اٹھائے اور اس خلعت کو پہنے اس کو تو اس کی حرمت کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے اور صحیح و سلامت اس کے مالک کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اور اگر کہیں تعصبِ جاہلی کر بیٹھے تب تو اس نے خیانت کے ساتھ ظلم و تعدی کا بھی ارتکاب کیا اور یہ خود ایک بہت بڑی غلطی ہے۔

۳۔ اس تعصب کی ایک قباحت مدِ مقابل کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ علمی مباحث میں مدِ مقابل بھی اہلِ علم ہی ہوا کرتا ہے اور وہ بھی ایک الٰہی امانت ہے اس کا احترام واجب ہے اس کی بے احترامی حرماتِ الٰہی کی بے احترامی ہے اور بہت بڑی ہلاکت ہے اور یہی بے موقع عصبیت کبھی انسان کو اہلِ علم کی بے حرمتی پر آمادہ کر دیتی ہے۔ (اور علمی مباحثہ میں دونوں

طرف یہ خطرہ موجود رہتا ہے۔) میں اس عظیم گناہ سے خداوندِ عالم کی پناہ چاہتا ہوں۔

۴۔ عصبیت کی ایک قباحت و برائی متعصب لہ کی طرف سے بھی ہوا کرتی ہے جو انسان کا اُستاد اور شیخ ہوا کرتا ہے اور (ظاہر ہے کہ) اُستاد کی بے حُرمتی موجب عقوق ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ مشائخ عظام اور اساطینِ کرام خدا ان کے چہروں کو ترو تازہ رکھے۔ ۱۲ حق کی طرفداری اور باطل سے گریز کی طرف مائل رہتے ہیں اور اس شخص پر بہت غصہ کرتے ہیں جو جاہلی عصبیت کی بنا پر حق کشی کرے یا باطل کی ترویج کرے۔ (یہ بات اپنے ذہنوں میں رکھئے کہ) عقوق روحانی، عقوقِ جسمانی سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔ جس طرح روحانی ولادت کا حق، جسمانی ولادت کے حق سے کہیں زیادہ عظیم و بالاتر ہوتا ہے۔

لہٰذا تمام اہلِ علم۔ خدا ان کی عظمت و شرف میں اضافہ کرے، پر واجب و لازم ہے کہ اپنے کو اخلاقی و اعمالی مفاسد سے بالکل مبرّا رکھیں اور اعمالِ حسنہ و اخلاقِ کریمانہ کے لباس سے ہمیشہ اپنے کو مزین رکھیں۔ اپنے کو اس عظیم منصب سے ہرگز جُدا نہ کریں جو خداوندِ عالم نے ان کو مرحمت فرمایا ہے: کیونکہ ایسا کرنے پر جو گھاٹا ہوگا۔ اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔

والسلام

آٹھویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۸، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ، حدیث ۲۔

۲۔ مشتمع: شمع یا موم ملی ہوئی چیز، روئی کا باریک کپڑا جس پر چیپ لگا کر ایک دوا مل دیتے ہیں تھوڑی سی گرمی پاتے ہی یہ جسم سے چپک جاتی ہے اسی کو شتا بھی کہتے ہیں فرہنگِ معین جلد ۲، ص ۴۱۵۲۔

۳۔ «عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْلَمَ الْجَبَلِيِّ بِإِسْنَادِهِ يَرْفَعُهُ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعَذِّبُ سِتَّةً بِسِتَّةٍ: اَلْعَرَبَ بِالْعَصَبِيَّةِ، وَالدَّهَاقِنَةَ بِالْكِبْرِ وَالْأُمَرَاءَ بِالْجَوْرِ وَالْفُقَهَاءَ بِالْحَسَدِ وَالتُّجَّارَ بِالْخِيَانَةِ، وَأَهْلَ الرُّسْتَاقِ بِالْجَهْلِ.» خصال جلد ۱، ص ۳۲۵، باب الستہ، حدیث ۱۴۔

۴۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۷، "کتاب ایمان و کفر" باب العصبیہ، حدیث ۱۔

۵۔ «وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلرَّاضِي بِفِعْلِ قَوْمٍ كَالدَّاخِلِ فِيهِ مَعَهُمْ. وَعَلَى كُلِّ دَاخِلٍ فِي بَاطِلٍ إِثْمَانِ: إِثْمُ الْعَمَلِ بِهِ؛ وَإِثْمُ الرِّضَا بِهِ.»

کسی قوم کے فعل پر راضی رہنے والا اس شخص کے مثل ہے جو ان کے ساتھ کام میں شریک ہو اور جو شخص ناجائز کام میں کسی کا ساتھ دے تو اس پر دو گناہ ہیں، گناہ کرنے کا اور اس پر رضامندی کا، نہج البلاغہ، فیض الاسلام "حکمت" ۱۴۶، ص ۱۱۵۳۔

۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۸ "کتاب ایمان و کفر" باب العصبیہ، حدیث ۴۔

۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۸ "کتاب ایمان و کفر" باب العصبیہ، حدیث ۵۔

۸۔ جناب حمزہ کے اسلام لانے کا قصہ ان کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے: اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۸۔ کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ حدیث ۵۔ بحار الانوار جلد ۷، ص ۲۸۵، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ حدیث ۴۔

الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم جلد ۲، ص ۷۵، سیرۃ النبی جلد ۱، ص ۳۱۲، اُسُدُ الغابۃ، جلد ۲، ص ۱۴۶، الاستیعاب جلد ۱، ص ۱۰۱-۲۷۔

۹۔ بحار الانوار، جلد ۲۵، (کتاب الامامۃ) (باب ان الائمۃ من ذریۃ الحسین علیہ السلام) ص ۲۴۹، وسائل جلد ۱۴، ص ۲۱، "کتاب النکاح" (ابواب مقدمات نکاح) باب ۸، حدیث ۵، دوسری عبارتوں کے ساتھ بھی یہ حدیث آئی ہے۔

۱۰۔ علم الیقین، جلد ۲، ص ۱۰۴۲-۱۰۴۳، میں فیض کاشانی نے اسی مفہوم کی روایت نقل فرمائی ہے۔

۱۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۸، کتاب ایمان و کفر، باب العصبیہ حدیث ۶۔

۱۲-۱۳۔ کا ترجمہ اصل حدیث میں گزر چکا ہے۔

نویں حدیث

«بالسّندِ المتّصلِ إلى ثِقةِ الإسلامِ محمّدِبْنِ يعقوبَ الكُلَيْنِي، عَنْ مُحمّدِ بْنِ يحيى، عَنْ أحمدِ بْنِ مُحمّدِ بْنِ عيسى، عَنْ مُحمّدِ بْنِ سنانٍ، عَنْ عونِ القلانسي، عَنِ ابْنِ أبِي يعفورٍ، عَنْ أبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلام، قالَ: مَنْ لَقِيَ الْمُسْلِمِيْنَ بِوَجْهَيْنِ وَلِسانَيْنِ، جاءَ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَلَهُ لِسانانِ مِنْ نارٍ.»[1]

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: جو مسلمان سے دو منہ و دو زبان کے ساتھ ملاقات کرے وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ (اس کے مُنہ میں) آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

شرح: مسلمانوں سے "دوروئی" کے ساتھ ملاقات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ظاہری حالت و ظاہری صورت کو اپنی باطنی قلبی حالت کے برخلاف پیش کرے مثلاً ظاہر میں یہ اظہار کرے کہ میں تمہارا دوست اور مُحب ہوں تم سے خلوص رکھتا ہوں۔ لیکن دل میں اور باطن میں اس کے بالکل برخلاف ہو۔ جن لوگوں کے سامنے اظہارِ دوستی و محبت کرے۔ انھیں لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی بُرائی کرے۔

اسی طرح "دوزبانی" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس سے بھی ملاقات کرے اس کی مدح و تعریف کرے یا دوستی و چاپلوسی کا اظہار کرے۔ لیکن اس کے پسِ پشت اس کی تکذیب کرے اور اس کو جھٹلائے۔ اس کی غیبت کرے۔ اس تفسیر کے اعتبار سے پہلی صفت (دوروئی) عملی نفاق ہے اور دوسری صفت (دوزبانی) قولی نفاق ہے۔ ہو سکتا ہے حدیث کا مطلب نفاق کے بڑی صفت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو اور چونکہ یہ دونوں صفتیں منافقین کی بہت ہی واضح اور مخصوص صفات میں سے ہیں اس لئے صرف انھیں دونوں (دوروئی و دوزبانی) کا ذکر کیا گیا ہے اور نفاق جو نفسانی رذیلہ اور خبیث ملکہ ہے اس کے آثار میں سے ذو وجہین و ذو لسانین ہونا ہے اور اس کے مراتب و درجات ہیں جن کو ہم انشاء اللہ چند فصلوں کے ضمن میں مراتب کے ذکر کے ساتھ ان کے مفاسد اور طریقۂ علاج کا بھی ذکر اپنے مقدور بھر کرنے کی کوشش کریں گے۔

پہلی فصل

نفاق کے مراتب

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ دیگر اوصاف اور ملکاتِ شریفہ و خبیثہ کی طرح نفاق کے بھی شدت وضعف کے اعتبار سے درجات و مراتب ہیں اور جس سے بُری صفت کا انسان علاج نہ کرے (بلکہ اس کی پیروی کرے تو اس بُری صفت میں شدت پیدا ہوتی جائے گی۔ (اسی طرح یہ نفاق بھی ہے۔) اور برائیوں کی شدت کے مراتب اسی طرح غیر متناہی ہیں جس طرح خوبیوں کی شدت کے مراتب غیر متناہی ہیں۔

انسان اگر نفسِ امارہ کو اس کی حالت پر چھوڑ دے اور اس کے فساد کی طرف ذاتی میلان اور نفسانی نامناسب چیزیں اور شیطان کی مدد و خناس کے وسوسہ کے ساتھ خود بھی فساد کی طرف مائل ہو جائے تو پھر دونوں کی برائیاں روز بروز شدید اور زیادہ ہوتی جائیں گی اور پھر نوبت یہاں تک پہونچ جائے گی کہ وہ رذیل صفت جس کی اس نے پیروی کی تھی نفس کی صورت جوہری اور فصل اخیر بن جاتی ہے اور پھر اس کے ظاہر و باطن کی تمام مملکت اس کے زیر فرمان ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اگر وہ رذیل صفت نفاق کی طرح شیطانی صفت ہوتی ہے یعنی اس ملعون

کی مخصوص صفت ہوتی ہے جیسا کہ قرآن نے خبر دی ہے:

«وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ.» ۲ "شیطان نے آدم و حوا کے لئے قسم کھائی کہ میں آپ دونوں کو نصیحت کرنے والوں میں ہوں۔" (حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا) تو پھر نفس کی پوری مملکت شیطان کے تابع ہو جاتی ہے اور نفس کی آخری صورت اور ذات کا باطن اور اس کا جوہر (سب ہی) شیطان کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس دُنیا میں انسانی صورت میں زندگی بسر کرنے کے باوجود بھی اس دنیا میں اس کی ظاہری صورت شیطان کی سی ہو جائے گی۔

اس لئے اگر انسان نے اس صفت کی روک تھام نہ کی اور نفس کو آزاد چھوڑ دیا تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ لگام تڑا کے اپنی پوری ہمت اور تمام ارادے کو اسی بُری صفت کے لئے مخصوص کر دے گا اور پھر جس سے ملے گا نفاق سے ملے گا، جس سے ربط ضبط رکھے گا نفاق کے ساتھ رکھے گا۔ اس کی نظر میں شخصی منفعت، خود خواہی اور خود پرستی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا، وہ صداقت، خلوص، ہمت، مردانگی ساری ہی چیزوں کو اپنے پیروں کے نیچے روند دے گا۔ اس کی حرکات و سکنات و تمام امور میں دورنگی کا اثر ہوگا اور کسی بھی فساد، قباحت و وقاحت (بے شرمی) سے پرہیز نہ کرے گا اور ایسا شخص بشریت و انسانیت سے دور، شیطانوں کے ساتھ محشور ہوتا ہے۔

ابھی تک جو کچھ عرض کیا گیا یہ خود جوہر نفاق میں شدت و ضعف کے اعتبار سے تھا۔ اب یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ (نفاق جن چیزوں سے تعلق رکھتا ہے اس کے اعتبار سے بھی اس کے درجات میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی تو نفاق دینِ خدا کے بارے میں ہوتا ہے، کبھی نیک ملکات میں پایا جاتا ہے اور اخلاق فضائل میں بھی پایا جاتا ہے، کبھی اعمالِ صالحہ میں نفاق پایا جاتا ہے اور مناسکِ الٰہیہ میں بھی نفاق پایا جاتا ہے۔ کبھی عادی امور میں، کبھی عرفی متعارفات میں نفاق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی انسان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ کے ساتھ نفاق برتتا ہے، کبھی اولیا، علما، مومنین کے ساتھ نفاق برتتا ہے، کبھی مسلمانوں کے ساتھ، کبھی غیر مسلموں یعنی بندگانِ الٰہی کے ساتھ نفاق برتا جاتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ یہ سب برائی، بے حیائی، قباحت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اگرچہ اصل خباثت و برائی میں سب ہی شریک ہیں اور سب ہی ایک خبیث درخت کے پھول، پتے ہیں۔

دوسری فصل

نفاق ایک ایسی بری صفت ہے کہ کوئی بھی شریف آدمی اپنے کو اس سے متصف ہونا پسند نہیں کرتا ہے۔ منافق معاشرۂ انسانیت سے خارج ہوتا ہے بلکہ کسی بھی حیوان کے مشابہ نہیں ہوتا۔ یہ اپنے ہم چشموں اور امثال و اقران میں رسوا و ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا ہے۔ جیساکہ خود حدیث شریف میں آیا ہے کہ عالم آخرت میں منافق کی حالت یہ ہوگی کہ دو آتشین زبانوں کے ساتھ محشور ہوگا۔ مخلوقِ خدا کے سامنے ذلیل ورسوا ہوگا، انبیا و مرسلین، ملائکۂ مقربین کی موجودگی میں سرافگندہ و ذلیل ہوگا اور اسی روایت سے شدتِ عذاب کا بھی استفادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر جوہر بدن جوہرِ آتش ہوگیا تو الم و تکلیف کا احساس شدید تر ہوجائے گا۔ میں خدا کی اس کی شدت سے پناہ مانگتا ہوں۔

دوسری حدیث میں حضرت رسولِ خدا سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "منافق قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے پیچھے ایک زبان آتش کی اور ایک زبان آتش کی اس کے آگے ہوگی اور اس کے پورے جسم میں آگ لگی ہوگی اور پھر یہ اعلان کیا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جو منافق تھا اس کے دنیا میں دو چہرے اور دو زبانیں تھیں اور روزِ قیامت اسی ذریعہ سے مشہور ہوگا[۳] اور اس پر ذیل کی آیت شریفہ دلالت کرتی ہے:

«وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ» [۴] "اور جن چیزوں کے قائم کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اس کو توڑ ڈالتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں انھیں کے لئے لعنت ہے اور برا گھر (جہنم) ہے۔"

نفاق بہت سے ایسے مہالک و مفاسد کی جڑ ہے جو انسان کی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ جیسے فتنہ برپا کرنا، چغلخوری کرنا، غیبت کرنا، مومن کو اذیت کرنا، مومن کو گالی دینا، ہتکِ حرمت کرنا، مومن کے راز کو فاش کرنا وغیرہ کہ انھیں سے ہر ایک انسان کی ہلاکت کے لئے ایک مستقل سبب ہے (یہ سب بری چیزیں نفاق سے پیدا ہوتی ہیں) فتنہ کے سلسلہ میں قرآن کا ارشاد ہے: "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" [۵] فتنہ قتلِ نفس سے زیادہ شدید ہے۔" چغلخوری کے لئے امام محمد باقرؑ نے فرمایا «مُحَرَّمَةٌ اَلْجَنَّةُ عَلَى الْقَتَّاتِيْنَ الْمَشَّائِيْنَ بِالنَّمِيْمَةِ.» [۶] یعنی

چغلخوروں کے لئے بہشت حرام ہے جن کا مقصد چغلخوری کے لئے آنا جانا ہے۔" غیبت کے لئے رسولِ خدا کا ارشاد ہے: "غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔" (اسی طرح دوسری چیزوں کے لئے آیات واحادیث وارد ہوئی ہیں)

یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ نفاق کے ذیل میں یہ چیزیں بھی آتی ہیں۔ کنایات، اشارات، زبان سے لوگوں کی بُرائی بیان کرنا، آنکھوں، اشاروں سے برائی بیان کرنا یعنی آنکھ مارنا، کسی کو بدنام کرنا وغیرہ۔ یہ سب چیزیں لوگوں سے متعلق ہوتی ہیں۔ باین معنیٰ کہ ان کے سامنے اظہارِ دوستی کرنا (اور پس پشت برائی کرنا)۔

انسان کو اپنے حال، اعمال، طور طریقوں سے بہت ہی چوکنا رہنا چاہیئے کیونکہ نفس کی مکاریاں اور شیطان کے مکر و فریب ہی دقیق ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ اس سے بچ پاتے ہیں۔ ممکن ہے انسان ایک بے موقع اشارہ یا ایک بے جا کنایہ سے اہلِ نفاق میں شمار ہونے لگے اور پھر شاید آخری عمر تک اس خبیث رذیلت میں گرفتار رہے اور اس کے باوجود اپنے کو صحیح و سالم، پاک و پاکیزہ سمجھتا رہے۔ لہٰذا انسان کو ایک دلسوز حکیم حاذق کی طرح اور شفیق اور اپنے اعمال واطوار اور نفس کے حالات پر مطلع تیماردار کی طرح اپنی دیکھ بھال رکھنی چاہیئے اور کسی وقت بھولے سے بھی اس نگرانی میں کوتاہی نہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ قلبی امراض سے زیادہ کوئی بھی مرض مخفی و مستور نہیں ہوتا اور نہ اس سے زیادہ ہلاک کرنے والا ہوتا ہے اور خود انسان سے زیادہ شفیق و دل سوز اپنے بارے میں کوئی بھی تیماردار نہیں ہوا کرتا۔

تیسری فصل

نفاق کا علاج

اس بُری بیماری کا علاج دو طرح کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ نظری: یعنی نفاق سے جو فسادات مرتب ہوتے ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کی جائے کیونکہ اس دنیا میں اگر کوئی منافق مشہور ہو گیا تو وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے عوام و خواص میں رسوا ہو جاتا ہے تمام اقران و امثال میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کو اپنی مجلس سے

بھگا دیتے ہیں اور اپنی محفلوں سے باہر کر دیتے ہیں۔ ایسا شخص کسب کمالات اور مقاماتِ عالیہ تک نہیں پہونچ پاتا۔

انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس ننگ شرف سوز سے اپنے کو پاک رکھے تاکہ اس قسم کی ذلتوں اور رسوائیوں میں گرفتار نہ ہوسکے۔ اسی طرح دوسرے عالم میں بھی کرے۔ جو کشف اسرار کا عالم ہے۔ (جہاں ذلت و رسوائی اس کی مقدر ہے) اس دنیا میں لوگوں سے جن چیزوں کو چھپا رکھا ہے آخرت میں ان کے چھپانے پر قادر نہیں ہے۔ وہاں پر بڑی بدصورتی اور آتشی دوزبانوں کے ساتھ محشور ہوگا اور منافقوں و شیطانوں کے ساتھ معذب ہوگا۔

۲۔ عملی: عقلمند انسان ان مفاسد کو دیکھ کر اور اس نفاق کے لئے بُرائی و پلیدی کے علاوہ کوئی اور نتیجہ حاصل نہ کر کے اپنے لئے ضروری قرار دے لیتا ہے کہ اس نفاق کو کسی طرح اپنے سے دور کرے اور مرحلہ عملی میں داخل ہو جائے جو علاجِ نفس کا دوسرا طریقہ ہے اور وہ اس طرح کہ ایک مدت تک انسان بڑی دقتِ نظر کے ساتھ اپنے تمام حرکات و سکنات کو دیکھتا رہے اور اپنے اعمال میں بہت باریک بینی سے کام لے۔ نفس کی تمام آرزوؤں اور خواہشات کے خلاف عمل کرے اور نفس سے جہاد کرے اور اپنے تمام اقوال و افعال کو ظاہر و باطن میں بہت اچھا کرے۔ ظاہر داری اور دھوکہ بازی کو عملاً بالائے طاق رکھ دے اور ان حالتوں کے درمیان اپنے خدا سے توفیق طلب کرتا رہے کہ مجھے نفسِ امارہ اور اس کی خواہشات پر غلبہ عطا فرما اور میرے اس اقدام و علاج میں میری مدد فرما۔ (کیونکہ) خداوندِ عالم کا فضل و کرم اپنے بندوں پر بے انتہا ہے۔ جو شخص بھی خدا کی طرف یا اپنی اصلاح کی طرف قدم اٹھاتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ اب اگر وہ کچھ دنوں تک اسی حال پر رہا تو اُمید ہے کہ نفس میں پاکیزگی پیدا ہو جائے اور نفاق و دوروئی کی کدورت اس سے زائل ہو جائے اور اس کے دل کا آئینہ اور باطن اس خبیث صفت سے پاک ہو جائے اور حقیقی و ئی نعمت کی رحمت و لطف کا مستحق ہو جائے۔ کیونکہ دلیلوں سے بھی ثابت ہے اور تجربہ میں بھی آیا ہے کہ نفس جب تک اس عالم میں ہے اپنے کئے ہوئے افعال و اعمال سے متاثر ہوتا ہے چاہے اچھے اعمال ہوں یا بُرے۔ ہر عمل کا ایک (مخصوص) اثر نفس پر مرتب ہوتا ہے۔ اگر عمل نیک و صالح ہے تو اس کا اثر نورانی و کمالی ہوگا اور اگر اس کے برخلاف ہے تو ظلمانی اور ناقص ہوگا یہاں تک کہ قلب یا تو بالکلیہ نورانی ہو جائے گا یا بالکلیہ ظلمانی ہو جائے گا اور انسان یا تو اشقیا کے زمرے میں شمار ہونے لگے گا یا سعید حضرات کی فہرست میں گنا جانے لگے گا۔ اس لئے جب تک

اس منزلِ عمل اور دارِ زراعت میں ہے اپنے اختیار سے اپنے قلب کو سعادت یا شقاوت کی طرف لے جا سکتا ہے اور ہم اپنے اعمال و افعال کے گروی ہیں۔

«فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَرَهُ وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَراً یَرَهُ.» ۸

چوتھی فصل

نفاق کی بعض قسموں کا بیان

اے عزیز جان لو:

نفاق و دوروئی و دوزبانی کا ایک درجہ تو خود خداوندِ عالم کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی) انسان اپنے حقیقی ولیٔ نعمت اور مالک الملوک کے ساتھ نفاق برتتے اور ہم لوگ اس دُنیا میں اس مرض کے اندر مبتلا ہیں اور اس سے غافل ہیں اور جہالت و نادانی کے دبیز پردے، نفس پرستی، محبتِ دنیا و خود خواہی و تاریکی کے موٹے حجاب اس طرح ہم کو چھپائے ہوئے ہیں کہ کشفِ سرائر اور رفعِ حجاب اور عالمِ طبیعت سے کوچ کرتے اور دارِ غرور سے رختِ سفر باندھنے اور غفلت انگیز نشہ کے اُترنے سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہونا بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے۔

ابھی تو ہم خوابِ غفلت میں پڑے ہیں، طبیعت کا نشہ، ہوا و ہوس کی مستی نے ہم کو اسیر کر رکھا ہے تمام برائیاں، بُرے اخلاق و اعمال فاسد طور طریقے ہماری نظر میں خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب ہم خواب سے بیدار ہوں گے اور اس مستی و سرگرمی سے ہوش میں آئیں گے تو موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوگا، منافقوں اور دو چہرے و دو زبانوں والوں کے گروہ میں شمار ہو کر دو آتشیں زبانوں اور دو بُری صورتوں کے ساتھ محشور ہوں گے اور چاہے جتنا فریاد کریں رَبِّ ارْجِعُونِ ۹ کہیں۔ جواب کَلَّا (ہرگز نہیں) آئے گا۔

یہ دوروئی ایسی ہی ہے جیسی ہم اور آپ تمام عمر کلمۂ توحید کا اظہار کرتے ہیں، اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بلکہ (اپنی اپنی خواہش کے مطابق خدا کی) محبت و محبوبیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (مثلاً)

۱۔ اگر عوام الناس میں سے ہیں تو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں یا پھر زہد و خلوص کا

یقین دلاتے ہیں۔

۲۔ اور اگر اہلِ علم و فقہا میں سے ہیں تو اپنے کمالِ اخلاص کا دعویٰ کرتے ہیں اور خلافت و ولایتِ رسولؐ کا ادعا کرتے ہیں اور رسولِ خدا کے اس قول «أَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي» ۱۰ "پروردگار میرے خلفا پر رحم فرما" اور صاحب الامر روحی لہ الفدا کے اس قول "إِنَّهُمْ حُجَّتِي" (یہ علما تمھارے اوپر میری طرف سے حجت ہیں) اور ائمہ ہدیٰ کے دیگر ان اقوال سے جو علما و فقہا کی شان میں کہے گئے ہیں تمسک کرتے ہیں۔

۲۔ اور اگر علوم عقلیہ کے جاننے والوں میں ہیں تو اپنے ایمان کے حقیقی و برہانی ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کا مالک سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو ناقص العلم و ناقص الایمان شمار کرتے ہیں اور آیاتِ قرآنی و احادیثِ شریفہ کو اپنی شان میں نازل شدہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ اور اگر اہلِ عرفان و تصوف سے ہیں تو معارف و جذبہ، محبت، فناء فی اللہ، بقاء باللہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور ولایتِ امر کے مدعی ہوتے ہیں اور اسی قسم کے جتنے بھی جالبِ نظر الفاظ ہیں سب کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔

اسی طرح ہم میں سے ہر شخص و ہر گروہ زبانِ قال اور ظہورِ حال سے اپنے لئے کسی نہ کسی درجہ کا دعویٰ کرتا ہے اور رائج الوقت حقیقت کی نمائش کرتا ہے۔ اب اگر یہ ظاہر باطن کے موافق ہوا اور یہ علن، سر کے مطابق ہوا اور وہ اپنے دعویٰ میں سچا ثابت ہوا تو اس کو اور تمام اربابِ نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔ ۱۱ ورنہ اگر وہ رانڈ (مترجم) کی طرح روسیاہ، بدصورت ہوا تو اس کو جان لینا چاہیئے کہ وہ منافقوں کے زمرے میں اور دو چہروں اور دو زبانوں والوں کے گروہ میں ہے۔ اس کو اپنا علاج کرنا چاہیئے اور جب تک وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے اپنی بدبختی اور اپنی ذلت و رسوائی کے دن کے بارے میں غور کرنا چاہیئے۔

اے میرے عزیز اور اسلام کے دعویدار دوست! کافی میں حضرت رسولِ خدا سے مروی ہے:

«أَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ يَدِهِ وَلِسَانِهِ.» ۱۲

"وہ شخص مسلمان ہے جس کے ہاتھ و زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔" (اب سوچئے) ہم کو اور آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنی طاقت بھر اور جتنا ہم سے ہو سکتا ہے اپنے زیرِ دستوں

پر ظلم کرنا جائز سمجھتے ہیں اور ان کو ایذا دینے اور ان پر ظلم کرنے سے کوئی دریغ نہیں کرتے۔ اگر اپنے ہاتھوں سے اذیت نہیں پہونچا سکتے تو ان کی موجودگی میں ورنہ ان کی عدم موجودگی میں تیغ زبان سے ان کے رازوں کو فاش اور ان کے پردے پڑے ہوئے عیوب کو چاک کرتے ہیں۔ ان پر تہمت لگاتے ہیں، ان کی غیبت کرتے ہیں۔ پس جب ہمارے ہاتھوں اور زبانوں سے مسلمان محفوظ نہیں ہیں تو ہمارا اسلام کا دعویٰ حقیقت کے مخالف ہے اور ہمارا قلب ہمارے ظاہر کے مخالف ہے۔ اس لئے ہم منافقوں کے زمروں میں ہیں۔

اے ایمان وخضوعِ قلب کے مدعی! اگر تم بارگاہِ ذوالجلال میں کلمۂ توحید پر ایمان رکھتے ہو اور تمہارا دل یکتا پرست اور ایک ہی کا طالب ہے اور خدائے تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے الوہیت کا قائل نہیں ہے۔ اگر تمہارا ظاہر باطن کے اور باطن ظاہر کے موافق ہے تو پھر اہلِ دنیا کے لئے تمہارے دل میں اتنا خضوع (وخشوع) کیوں ہے؟ تم اہلِ دنیا کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ تم ان کو اس عالم میں موثر سمجھتے ہو اور ان کے ارادہ کو نافذ جانتے ہو، زر وزور کو موثر خیال کرتے ہو؟ اس کائنات میں جس چیز کو تم موثر وکارکن نہیں سمجھتے وہ صرف ارادۂ باری تعالیٰ ہے۔ تم تمام اسبابِ ظاہری کے سامنے سرنگوں ہو مگر موثر حقیقی اور تمام اسباب کے مسبب سے غافل ہو۔ ان تمام باتوں کے باوجود کلمۂ توحید کے ساتھ ایمان کا دعویٰ کرتے ہو۔ یقیناً تم بھی مومنین کی فہرست سے خارج اور منافقین کے گروہ میں شامل ہو کر منافقین کے ساتھ محشور ہوگے۔

اے زہد واخلاص کے مدعی! اگر تم واقعی مخلص ہو اور خدا اور اس کے دارِ کرامت کے لئے لذائذِ دنیا سے برتتے ہو تو پھر تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جب لوگ تمہاری مدح وثنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں: فلاں اہلِ صلاح وسداد ہے۔ تو تم خوش ہوتے ہو، اپنے دل میں ناز ونخرے کرتے ہو، اہلِ دنیا کی ہم نشینی اور اس کی زیبائش پر جان دیتے ہو، فقرا ومساکین سے فرار کرتے ہو؟ ایسی صورت میں تم سمجھ لو کہ تمہارا زہد واخلاص حقیقی نہیں ہے۔ دنیا سے زہد صرف دنیا کے لئے کرتے ہو، تمہارا دل حق کے لئے خالص نہیں ہے، تم اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہو اور تم منافق ہو۔

اے ولی اللہ کی طرف سے ولایت اور رسول اللہ کی طرف سے خلافت کے مدعی! اگر تم (کتاب احتجاج میں نقل شدہ حدیث کے) مطابق ہو کہ:

«صَائِناً لِنَفْسِهِ، حَافِظاً لِدِينِهِ، مُخَالِفاً عَلَى هَوَاهُ، مُطِيعاً لِأَمْرِ مَوْلَاهُ.» [۱۲]

"معصوم نے فقہا کی صفت بیان فرمائی ہے کہ فقیہ اپنے نفس کی صیانت کرنے والا، اپنے دین کی حفاظت کرنے والا، خواہشاتِ نفس کا مخالف، اپنے مولیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہونا چاہیئے" اور اگر تم اپنے کو شجرِ ولایت و رسالت کا پتہ سمجھتے ہو اور دنیا کی طرف مائل نہیں ہو اور بادشاہوں امیروں سے تقرب کے خواہاں نہیں ہو، فقرا کی ہم نشینی کو عیب نہیں سمجھتے ہو، تب تو تم اسم بامسمیٰ ہو اور لوگوں کے درمیان خدا کی حجت ہو۔ ورنہ تم علمائے سوء میں سے ہو، گروہ منافقین میں سے ہو اور دیگر وہ گروہ جن کا ذکر ہو چکا ان سے بھی بدتر ہو اور تمھارا عمل خراب تر اور تمھاری دنیا تباہ تر ہے۔ اس لئے کہ علما پر خدا کی حجت زیادہ مکمل ہوتی ہے۔

اے حکمتِ الٰہی، حقیقتوں اور مبداء و معاد کا علم رکھنے کے مدعی! اگر تم حقائق کا علم رکھتے ہو، اسباب و مسببات کے ارتباط کا علم رکھتے ہو، اگر واقعی برزخی صورتوں، بہشت و دوزخ کے حالات سے باخبر ہو، تو تم کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی آرام نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمہ وقت عالم باقی کے تعمیر میں مشغول رہنا چاہیئے اور اس دنیا اور اس کے لذائذ سے فرار کرنا چاہیئے۔ تم تو جانتے ہو کہ کتنی مصیبتیں درپیش ہیں، کتنی تاریکیاں اور طاقت فرسا عذاب سامنے ہیں۔ پھر تم الفاظ و مفاہیم کے حجاب سے باہر قدم کیوں نہیں نکالتے ہو اور دلائل و براہینِ حکمیہ نے تمھارے دل میں مکھی کے پر کے برابر بھی اثر کیوں نہیں کیا؟ ایسی صورت میں جان لو کہ تم مومنین کے زمرہ سے خارج اور حکما کی فہرست سے باہر ہو اور منافقین کی صفوں میں محشور ہو۔ جس شخص نے اپنی پوری عمر اور ساری ہمت علوم مابعد الطبیعات کے حصول میں صرف کر دی ہو مگر اپنے آپ کو طبیعی زندگی کے نشہ سے باہر نہ لا سکا ہو اس پر وائے ہو، کم از کم ایک حقیقت ہی اس کے دل میں بیٹھ جاتی۔

اے محبت و فنا، جذب و سلوک اور معرفت کے مدعی! اگر تو واقعی اللہ والوں اور اصحاب قلوب اور نیک کام کرنے والوں میں سے ہے تو ھنیئاً لکَ۔ مگر تیری بے ہوشی کے عالم میں کی ہوئی ۱۵ باتیں، تیری رنگ آمیزیاں ۱۶، تیرے بڑے بانگ دعوے یہ سب چیزیں حُبِّ نفس اور وسوسۂ شیطان کی نشانیاں ہیں اور خدا سے محبت و جذبۂ عشق کے دعوے کی مخالف ہیں۔

«اِنَّ اَوْلِیَائِي تَحْتَ قِبَابِي لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِي.» ۱۷ "تم اگر (واقعی) اولیائے حق اور محبین و مجذوبین میں سے ہو تو خدا اس کو جانتا ہے"۔ لوگوں سے اس قدر اظہارِ مقام و مرتبہ نہ کر۔ بندگانِ خدا کے کمزور دلوں کو ان کے خالق کی طرف سے ہٹا کر اس کی مخلوق کی طرف متوجہ نہ کر۔ بندگانِ الٰہی کے قلوب خدا کا گھر ہیں ان کو ان سے غصب کرنے کی کوشش نہ کر۔ یہ جان لے کہ یہ (کمزور) بندے

خدا کو عزیز ہیں، ان کے دلوں کی بڑی قیمت ہے۔ ان کو محبتِ خدا میں صَرف ہونا چاہیئے۔ خانۂ خدا کو ایک کھیل نہ بنا، اس کے ناموس پر دست درازی نہ کر «فَإِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا.» [18] (بیشک گھر کا ایک مالک ہے) اگر تو اپنے دعوے میں سچا نہیں ہے تو تیرا شمار منافقین میں ہے۔ خیر چھوڑیئے۔ اس سے زیادہ طول کلام مجھ جیسے سیاہ رو کے لئے مناسب نہیں ہے۔

اے راقم الحروف کے نفس لئیم! تو کہتا ہے کہ روزِ سیاہ کے لئے کوئی فکر کرنی چاہیئے اور اس بدبختی سے اپنے کو نجات دلانا چاہیئے۔ اگر تو سچ کہتا ہے اور تیرا دل تیری زبان کے ساتھ ہے اور تیرا ظاہر و باطن ایک ہے تو پھر تو اتنا کیوں غافل ہے؟! اور تیرا دل اتنا سیاہ کیوں ہے؟ نفسانی شہوات تیرے اوپر غالب کیوں ہیں؟ موت کے سفرِ پُر خطر سے تو کیوں بالکل بے فکر ہے۔ تیری عمر گزر گئی مگر ہوا و ہوس سے تو دست بردار ہونے پر تیار نہیں ہے۔ پوری عمر شہوت و غفلت و بدبختی میں گزار دی۔ عنقریب موت آجائے گی اور تجھ کو تیرے بُرے اعمال و اخلاق میں گرفتار کرے گی۔ تُو تو ایک واعظ غیر متعظ ہے اور منافقین کے زمرے میں شامل ہے۔ خطرہ تو اس بات کا ہے کہ اگر تو اسی حال میں مَر جائے تو آتش کی دو زبانوں اور آتش کی دو صورتوں کے ساتھ محشور ہوگا۔

پروردگارا! ہم کو اس طویل خواب سے بیدار کردے۔ مستی اور بے خودی سے ہوشیار کردے۔ میرے دل کو نورِ ایمان سے جِلا دے، میری حالت پر رحم فرما، ہم اس میدان کے مرد نہیں ہیں، تو خود ہی ہماری دستگیری فرما، شیطان کے چنگل اور ہوائے نفس کے پنجہ سے نجات دے بحق اولیائک محمد و آلہ الطاہرین۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

نویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۴۳، کتاب ایمان وکفر، باب ذی اللسانین، حدیث ۱۔

۲۔ (اعراف/۲۱)

۳۔عَنْ زید بنِ علي، عَنْ آبائه عَنْ علي، عَلَيهم السلام، قَالَ قالَ رسُولُ اللّه، صَلَّى اللّهُ عَلَيهِ وَ آلِهِ وَ سلّم: يَجيءُ يَومَ الْقِيامَةِ ذُو الْوَجهَينِ، دالِعاً لِسانُهُ فِي قَفاهُ وَآخَرُ مِنْ قُدّامِهِ، يَلْتَهِبانِ ناراً حَتّى يُلْهِبا جَسَدَهُ. ثُمّ يُقالُ لَهُ: هٰذا الّذِي كانَ فِي الدُّنيا ذا وَجْهَينِ وَلِسانَيْنِ. يُعْرَفُ بِذٰلِكَ يَوْمَ الْقِيامَةِ. ، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۳۱۶، عقاب من کان ذا وجهين وذالسانين۔

۴۔ سورۂ رعد آیت ۲۵۔

۵۔ بقرہ/۱۹۱۔

۶۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۶۹، کتاب ایمان وکفر، باب النمیمۃ، حدیث ۲۔

۷۔«يا أبا ذرّ، إيّاكَ وَالْغِيبَةَ فَإنَّ الْغِيبَةَ أشَدُّ مِنَ الزِّنا. قُلْتُ: يا رَسُولَ اللّهِ وَلِمَ ذاكَ بِأبِي أنْتَ وَأُمّي؟ قالَ: لِأنَّ الرَّجُلَ يَزْني فَيَتُوبُ إلَى اللّهِ فَيَتُوبُ اللّهُ عَلَيْهِ، وَالْغِيبَةُ لا تُغْفَرُ حَتّى يَغْفِرَها صاحِبُها.» «اے ابوذر، غیبت نہ کرنا، اس لئے کہ غیبت کا (گناہ) زنا سے زیادہ شدید ہے۔ میں (ابوذر) نے کہا: اے رسولِ خدا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آخر ایسا کیوں ہے؟ رسولؐ نے فرمایا: اس لئے کہ انسان زنا کر کے اکثر اوقات توبہ کر لیتا ہے اور خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن غیبت کو اس وقت تک بخشا نہیں جاتا جب تک وہ شخص نہ بخش دے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ بحار جلد ۷۷، ص ۸۹، کتاب الروضۃ، باب مواعظ النبیؐ۔

۸۔ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔ (زلزال/۷،۸)

۹۔ خداوند مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے (مومنون ر ۹۹)

۱۰۔ رسولِ خدا کی دعا میں ہے: خداوندا میرے جانشینوں پر رحمت نازل کر، وسائل الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۱۰۰، کتاب القضاء، باب ۱۱۔

۱۱۔ حضرت صاحب الامرؑ کی توقیع مبارک میں ہے:

«وَأَمَّا الْحَوادِثُ الْواقِعَةُ، فَارْجِعُوا فِيهٰا إِلىٰ رُواةِ حَدِيثِنا؛ فَإِنَّهُمْ حُجَّتِي عَلَيْكُمْ، وَأَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ.»

لیکن پیش آنے واقعات میں تم لوگ ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرنا۔ اس لئے کہ وہ لوگ ہماری طرف سے تمہارے اوپر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان کے اوپر حجت ہوں۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۸، ص ۱۰۱، کتاب القضاء، ابواب صفاتِ قاضی، باب ۱۱، حدیث ۹۔

۱۲۔ تمام اربابِ نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

۱۳۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۲۳۵، کتاب ایمان وکفر، باب المؤمن و علاماتہ وصفاتہ، حدیث ۱۹۔

۱۴۔ احتجاج، جلد ۲، ص ۴۵۸، باب احتجاجات امام حسن عسکریؑ۔

۱۵۔ صاحب تاج العروس تحریر کرتے ہیں: لفظ «شطحات» صوفیوں کے یہاں مشہور ہے۔ ان کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے: حالتِ بے خودی اور غلبہ شہودِ حق کے وقت ان کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں کہ اس وقت یہ لوگ حق کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے۔ تاج العروس (مطبوعہ مصر) جلد ۲، ص ۱۷۲، اور صاحب دستور العلما فرماتے ہیں: «شطح» اس بات کو کہتے ہیں جو مستی اور سلطانِ حقیقت کے غلبہ کے وقت کہی جاتی ہے اور یہ وہ کلمات ہوتے ہیں جن سے ہیجان اور بے ہودہ گوئی کی بو آتی ہے اور اس کا ظاہر علم کا مخالف اور حد معروف سے خارج ہوتا ہے۔ دستور العلما، جلد ۲، ص ۲۱۴۔

حضرت امام خمینی قدس سرہ نے کتاب مصباح الھدایہ میں منشاء شطح کے بارے میں ایک باریک بینی کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

«وَالشَّطَحِيّاتُ كُلُّهٰا مِنْ نُقْصانِ السّالِكِ وَالسُّلُوكِ.»

(یعنی شطحیات سب کی سب سالک وسلوک کی کوتاہی ہے) مصباح الھدایۃ، ص ۲۰۷۔

۱۶۔ تلوین: یعنی بندے کا اپنے حالات میں بدلنا۔ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹ جانا۔ ابوالقاسم قشیری کہتے ہیں: تلوین۔ اربابِ احوال کی صفت ہے اور تمکین اہلِ حقائق کی صفت ہے۔ انسان جب تک «طریق» میں رہتا ہے صاحب تلوین ہوتا ہے۔ فرہنگِ اصطلاحات وتعبیرات عرفانی، ص ۲۵۰، عبدالرزاق کاشانی اصطلاحات میں کہتے ہیں: تلوین دگرگونی احوالِ عبد کا نام ہے۔ بہت سے افراد کی نظر میں یہ «مقام ناقص» ہے۔ لیکن ہماری نظر میں کامل ترین مقام ہے۔ اس منزل پر بندہ کی حالت خداوند کے کلام کی شان کے مثل ہو جاتی ہے۔ کل یوم ہو فی شان۔ شیخ محی الدین نے بھی اصطلاحات صوفیہ میں یہی بات کہی ہے۔ لیکن امام خمینی قدس سرہ نے تلوین کو نقص شمار کیا ہے کمال نہیں شمار کیا ہے۔

۱۷۔ میرے اولیا میرے قبوں کے نیچے ہیں۔ میرے علاوہ ان کو کوئی نہیں پہچانتا۔ اسرار الشریعۃ واطوار الطریقۃ وانوار الحقیقۃ، ص ۱۰۷، ۱۹۷، مصباح الھدایۃ ومفتاح الکفایۃ ص ۳۸۷، مرصاد العباد، ص ۱۲۷۔

۱۸۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ ابرھہ جب خانۂ کعبہ کو برباد کرنے کے لئے آیا تھا اور جناب عبدالمطلبؑ نے اس سے جاکر اپنے اور دوسروں کے ان اونٹوں کی واپس کا مطالبہ کیا تھا جن کو ابرھہ کے لشکر نے پکڑ لیا تھا تو ابرھہ نے کہا: مجھے تعجب ہے تم سید القریش ہو کر اونٹوں کے مطالبہ کے لئے آ گئے مگر خانۂ کعبہ کے نہ گرانے کی مجھ سے خواہش نہ کی۔

توجناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا: میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس لئے اس کا مطالبہ کرتا ہوں۔ رہا کعبہ کا مسئلہ تو: ان للبیت رباً خانۂ کعبہ کا بھی ایک مالک ہے جو اس کی حفاظت کرے گا۔

بحارالانوار، جلد ۱۵، ص ۱۳۱۔۱۳۶، "تاریخ نبینا" باب ا۔ حدیث ۷۔۱۷، سیرت ابن ہشام جلد ا، ص ۶۵۔

دسویں حدیث

«بِالْأَسْنادِ الْمُتَّصِلَةِ إِلى رَئِيسِ الْمُحَدِّثِين، مُحَمَّد بْنِ يَعْقُوب، رِضْوانُ اللّهِ عَلَيْهِ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّد، عَنْ مُعَلَّى بْنِ مُحَمَّد، عَنِ الوشّا عَنْ عاصم بْنِ حُمَيد، عَنْ أَبِي حَمْزَة، عَنْ يَحْيى بْنِ عقيل قالَ: قالَ أَميرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلام: إِنَّما (إِنّي ن خ) أخافُ عَلَيْكُمْ إِثْنَتَيْنِ: إِتِّباعُ الْهَوىٰ، وَطُولَ الْأَمَلِ. أَمّا إِتِّباعُ الْهَوىٰ فَإِنَّهُ يَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمّا طُولُ الْأَمَلِ، فَيُنْسِي (فَإِنَّهُ يُنْسِي ن خ) الآخِرة.»[1]

ترجمہ: یحییٰ بن عقیل کہتے ہیں: حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تم سے دو باتوں کے لئے ڈرتا ہوں۔ ۱: خواہشات کی پیروی ۲: لمبی اُمیدیں۔ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور اُمید کی درازی آخرت کو بھلا دیتی ہے۔

شرح "ھویٰ"، کے معنیٰ لغت میں "دوست رکھنے" اور خواہش کے ہیں۔ البتہ متعلق کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ خواہ اچھی و ممدوح چیز ہو یا بُری اور مذموم چیز ہو۔ (خواہش کا تعلق دونوں سے ہو سکتا ہے) لیکن زیادہ تر اس کا استعمال مذموم چیزوں کی خواہش میں ہوتا ہے

اور اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نفس غالباً ہوس رانی اور مذموم شہوتوں کی طرف مائل ہوا کرتا ہے اور یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عقل و شرع مہار نہ ہو تو فطرتاً نفس باطل شہوتوں اور نفسانی خواہشوں کی طرف مائل ہوا کرتا ہے۔ البتہ بعض محققین[2] نے جو اس میں حقیقت شرعیہ[3] کا احتمال دیا ہے وہ بعید ہے۔

اور "صد" کے معنیٰ روکنا، اعراض کرنا، موڑنا کے ہیں اور سب ہی مناسب ہیں۔ لیکن یہاں پر روکنے اور منع کرنے کے معنیٰ میں ہے۔ کیونکہ صد جو اعراض کے معنیٰ میں ہوتا ہے وہ لازم ہے۔ (جو یہاں نامناسب ہے) ہم انشاءاللہ دو مقام کے ضمن میں ان دونوں خصلتوں کے فساد اور پیروی خواہشات کس طرح حق سے روکتی ہے اور درازی امید کس طرح آخرت کو بھلا دیتی ہے کا ذکر کریں گے اور خداوندِ عالم سے توفیق کے طلب گار ہیں۔

پہلا مقام

خواہشِ نفس کی پیروی کی مذمت

اس میں چند فصلیں ہیں:

پہلی فصل

انسان ابتدائے اَمر میں حیوان بالفعل ہے اس کا بیان

یہ جان لو کہ نفسِ انسانی ایک اعتبار سے جس کا ذکر ابھی ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ توحید بلکہ تمام عقائدِ حقہ پر پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ ابتدائے ولادت سے اسی دنیا میں اور اسی عالم میں قدم رکھتے ہی نفسانی میلانات اور حیوانی خواہشات کے درمیان نشو و نما پاتا ہے اس لئے ہم نوعِ انسان کے حالات سے بحث کریں گے۔ "جو لوگ موید من اللہ ہوتے ہیں اور حافظ قدسی کی حمایت میں ہوتے ہیں چونکہ وہ لوگ نوادر وجود میں سے ہیں اس لئے وہ ہمارے حساب میں نہیں ہیں اور نہ ہم ان کا ذکر یہاں کریں گے۔"

یہ بات اپنی جگہ پر دلیلوں سے ثابت ہے کہ اوّلِ پیدائش میں انسان علمی مراحل کے بعد ایک کمزور حیوان ہے جس میں قابلیتِ انسانیت کے علاوہ دیگر حیوانات سے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوتا اور وہ صلاحیت و قابلیت بھی بالفعل معیارِ انسانیت نہیں ہے۔

پس انسان اس دنیا میں وارد ہونے کے ابتدائی مرحلوں میں کسی بھی معیار سے ایک حیوان بالفعل ہے اور شریعتِ حیوانات جو غضب و شہوات کا ایک ادارہ ہے، کے علاوہ کسی بھی میزان کے ماتحت نہیں ہے اور چونکہ اس عجوبۂ دہر کی ذات تمام چیزوں کی جامع یا قابل ہے اس لئے ان دونوں قوتوں کی، جو شیطانی صفات ہیں۔ تشفی کے لئے دیگر شیطانی صفات، مثلاً جھوٹ، دھوکہ بازی، چغلخوری وغیرہ کو کام میں لاتا ہے اور انھیں تینوں قوتوں کے ذریعہ اور یہ تینوں مفسدات و مہلکات کی جڑ ہیں۔ ترقی کرتا ہے اور یہ قوتیں بھی انسان کے اندر روز بروز ترقی کرتی ہیں۔ اب اگر اس انسان کی ایک مربی و معلم کے زیرِ اثر تربیت نہ کی جائے تو وہ بلوغ و رشد کی حد پر پہونچنے کے بعد ایک عجیب و غریب حیوان بن جاتا ہے جو مذکورہ بالا صفات میں تمام حیوانوں اور شیطانوں پر گوئے سبقت لے جاتا ہے اور حیوانیت و شیطانیت میں سب سے قوی اور سب سے کامل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اسی حالت میں ایک زمانہ گزر جائے اور وہ ان تینوں چیزوں میں خواہش نفس کی پیروی کے علاوہ اور کچھ نہ کرے تو پھر معارفِ الہیہ، اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ میں سے کسی ایک کا بھی اس میں ظہور نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے تمام فطری انوار بھی خاموش ہو جاتے ہیں۔

پس تمام حق کے مراتب ان تین مقامات سے یعنی معارف الہیہ و اخلاق و ملکات فاضلہ و اعمالِ صالحہ کہ جن کا ذکر ہو چکا ہے خارج نہیں ہیں۔ (یہ سب) خواہشاتِ نفسانی کے پیروں تلے روند دیئے جاتے ہیں اور نفسانی میلانات و حیوانی خواہشات اس کو اس قابل نہیں رہنے دیتے کہ اس میں حق کا کوئی بھی مرتبہ جلوہ گر ہو سکے۔ خواہشاتِ نفس کی گندگی و تاریکی عقل و ایمان کے انوار کو خاموش کر دیتی ہے اور دوسری ولادت جو انسانی ولادت ہے اس کو حاصل نہیں ہو پاتی۔ وہ اسی حال میں رہ جاتی ہے اور حق و حقیقت سے ممنوع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس دنیا سے اسی حال میں کوچ کر جائے اور اس دوسری دنیا میں کشفِ حقیقت ہو جائے۔ (اس وقت تک) وہ اپنے کو حیوان یا شیطان کے علاوہ کچھ نہیں پاتا۔ اور انسان و انسانیت کو (بھولے سے بھی) نہیں یاد کرتا اور اس حال میں بے انتہا تاریکیوں، عذابوں میں مبتلا رہتا ہے۔ جب تک خدا چاہے۔

پس خواہشاتِ نفس کی مکمل پیروی کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ پیروی حق سے مکمل طور سے روک

دیتی ہے اور یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حق سے رک جانا خواہشِ نفس کے متابعت کا نتیجہ ہے اور آدمی جتنی پیروی کرے گا اسی قدر حق سے دور رہے گا۔ مثلاً ایسا انسان اگر انبیا کی تعلیم علما و مربیان کی تربیت کے واسطے سے اوّل ولادت میں اس کی مملکتِ انسانیت ان تین قوتوں سے ہم آغوش ہوگئی اور ان کی ترقی و تکامل کے ساتھ اس کی بھی ترقی ہوگئی اور تحتِ تربیت واقع ہوگئی اور رفتہ رفتہ کرکے انبیا و اولیا کی قوتِ مربیّہ کے تابع ہوگئی تو ممکن ہے اس پر سوائے اس کے کچھ نہ گزرے کہ انسان کی قوتِ کاملہ جو اس میں بطور استعداد و قابلیت ودیعت کی گئی ہے وہ منزلِ فعلیت میں آجائے اور ظاہر ہوجائے اور مملکت کی تمام قوتیں شانِ انسانیت کی طرف پلٹ آئیں اور شیطان اس کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ جیسا کہ حضورِ اکرمؐ کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا: "إِنَّ شَيْطَانِي آمَنَ بِيَدِي"[۴] میرا شیطان میرے ہاتھ پر ایمان لایا اور اسکی حیوانیت اس کی انسانیت کے اس طرح تابع ہوجائے کہ مرکبِ مرتاض راہوار عالمِ کمال و ترقی ہو اور براقِ آسمان راہِ آخرت کی طرف روانہ ہو اور کبھی سرکشی نہ کرے۔

اور جب شہوت و غضب کی جگہ عدالت و شرع لے لیتی ہیں تو مملکت کے اندر عدالت کا ظہور ہوتا ہے اور حکومت عادلہ حقہ کی تشکیل ہوتی ہے جس میں قوانینِ حقہ کی حکومت ہوتی ہے اور اس کا کارکن بھی حق ہوتا ہے۔ اس حکومت میں حق کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جاتا اور وہ باطل وجود سے بالکل خالی ہوتی ہے۔

پس جس طرح حق کے روکنے کا معیار خواہشات کی پیروی ہے اسی طرح جلبِ حق کا معیار عقل و شرع کی متابعت و پیروی ہے اور ان دونوں منزلوں، خواہشاتِ نفس کی مکمل پیروی اور عقل و شرع کی مکمل پیروی کے درمیان غیر متناہی منازل ہیں بایں عنوان کہ خواہشِ نفس کی پیروی میں جو قدم اور جتنے قدم بھی اُٹھائے جائیں گے اسی اندازہ سے حق سے دوری اور حقیقت سے دوری، انوارِ کمالِ انسانیت اور اسرار وجودِ انسانیت محجوب ہوتے جائیں گے اور اس کے برعکس جو قدم خواہشِ نفس کے خلاف اُٹھے گا اسی قدر حجاب دور ہوگا اور نورِ حق ظاہر ہوگا۔

دوسری فصل

خواہشِ نفس کی پیروی کی مذمت

خداوند عالم خواہشاتِ نفس کی مذمت میں فرماتا ہے:

«وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ.» ۵ اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ پیروی تمھیں خدا کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

«وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللّٰهِ.» ۶ "اور جو شخص خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرے اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا؟"

کافی شریف میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے: آپؑ نے فرمایا۔

«قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَعَظَمَتِي وَكِبْرِيَائِي وَنُورِي وَعُلُوِّي وَارْتِفَاعِ مَكَانِي لَا يُؤْثِرُ عَبْدٌ هَوَاهُ عَلَى هَوَايَ إِلَّا شَتَّتُّ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَلَبَّسْتُ عَلَيْهِ دُنْيَاهُ وَشَغَلْتُ قَلْبَهُ بِهَا، وَلَمْ أُوتِهِ مِنْهَا إِلَّا مَا قَدَّرْتُ لَهُ. وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَعَظَمَتِي وَنُورِي وَعُلُوِّي وَارْتِفَاعِ مَكَانِي لَا يُؤْثِرُ عَبْدٌ هَوَايَ عَلَى هَوَاهُ إِلَّا اسْتَحْفَظَتْهُ مَلَائِكَتِي وَكَفَّلْتُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِينَ رِزْقَهُ، وَكُنْتُ لَهُ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَةِ كُلِّ تَاجِرٍ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ.» ۷

رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: "خداوند عالم فرماتا ہے: اپنے عزت و جلال، عظمت و کبریا، نور و بلندی، ارتفاعِ منزلت کی قسم کھاتا ہوں جو بندہ اپنی خواہش کو میری خواہش پر مقدم کرے گا میں اس کے امور کو پراگندہ کروں گا اور اس کی دنیا کو درہم برہم کر دوں گا۔ اس کے دل کو دُنیا میں مشغول بنا دوں گا اور اس کو صرف اتنی ہی دُنیا دوں گا جو اس کے لئے مقدر کر چکا ہوں اور (اپنی) عزت و جلال، عظمت و نور، بزرگی و رفعتِ مکان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو بندہ میری خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم کرے گا میرے ملائکہ اس کی حفاظت کریں گے، آسمان و زمین اس کی روزی کے متکفل ہوں گے اور میں اس کے لئے ہر تاجر کی تجارت کے پیچھے ہوں گا۔"

یعنی میں اس کے لئے تجارت کروں گا اور اس کو روزی پہونچاؤں گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل و مطیع ہو کر آئے گی۔ یعنی باوجودیکہ اس شخص کا دل دُنیا کی طرف مائل نہ ہوگا پھر بھی دنیا اس کے پاس آئے گی اس طرح وہ ذلیل و خوار ہوگی۔

یہ حدیث شریف محکمات میں سے ہے اور اس کا مضمون خود شاہد ہے کہ یہ علم پروردگار

عالم کے شیریں چشمے سے ہے اگرچہ سند کے اعتبار سے کمزور ہے ویسے میں فعلاً اس کی شرح کرنے کے درپے نہیں ہوں۔

اس حدیث کے علاوہ جس کی ہم شرح کر چکے مولا المومنین حضرت علیؑ سے منقول ہے۔

«أنَّ أخْوَفَ ما أخافُ عَلَيْكُمْ اِثْنَتانِ: اِتّباعُ الْهَوى...» [8] "سب سے زیادہ وہ چیز جس کے بارے میں میں تم لوگوں سے خوف رکھتا ہوں وہ دو ہیں ۱۔ خواہشات کی پیروی ۲ .... بقیہ فرمائش ابنِ عقیل کی حدیث کے مطابق ہے۔

کافی شریف میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:

«اِحْذَرُوا أهْوائَكُمْ كَما تَحْذَرُونَ أعْداءَكُمْ؛ فَلَيْسَ شَيْءٌ أعْدىٰ لِلرِّجالِ مِنْ اتّباعِ أهْوائِهِمْ وَحَصائِدِ ألْسِنَتِهِمْ.» [9]

"اپنی خواہشات سے اسی طرح ڈرو جس طرح اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہو۔ لوگوں کے لئے خواہشِ نفس کی پیروی سے زیادہ کوئی چیز دشمن تر نہیں ہے اور ان کی زبانوں سے نکلے ہوئے جملوں سے زیادہ کوئی دشمن تر نہیں ہے۔"

میرے عزیز! یہ جان لو کہ خواہشِ نفس اور تمنائے نفس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ اگر کسی نے اس کے لئے ایک قدم اٹھایا تو وہ چند مزید قدم اٹھانے پر مجبور ہے۔ اگر ایک خواہشِ نفس کی پیروی کر لی تو چند اور کی پیروی کرنے پر مجبور ہوگا۔ اگر خواہشِ نفس کے سامنے ایک دروازہ کھول دیا تو پھر بہت سے دروازے اس کے سامنے کھولنے پڑیں گے اور کبھی ایک نفس کی پیروی کی وجہ سے چند مفسدوں اور اس سے ہزاروں مہلکوں میں مبتلا ہو سکتے ہو۔ یہاں تک کہ خدانخواستہ آخر وقت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق کے تمام راستے تمہارے لئے بند ہو جائیں۔ جیسا کہ خداوندِ عالم نے قرآنِ مجید میں اس کی خبر دی ہے۔ [10]

البتہ خود امیر المومنین، ولی امر، مولا مشکل کشا، مرشدِ کامل، متکفلِ ہدایت، راہنمائے انسانیت نے اس سے اظہارِ خوف فرمایا ہے۔ بلکہ روح مکرم رسولِ اکرمؐ وائمہ ہدیٰؑ نے بھی اضطراب و وحشت کا اظہار فرمایا کہ کہیں درختِ نبوت وولایت کے پتے خزاں رسیدہ ہو کر گرنے نہ لگیں۔ حضرت رسولؐ فرماتے ہیں «تَناكَحُوا تَناسَلُوا، فَإنّي أُباهي بِكُمُ الْأُمَمَ وَلَوْ بِالسِّقْطِ.» "آپس میں نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہاری وجہ سے سابق امتوں پر فخر کروں گا

حتیٰ ساقط شدہ بچوں کے ذریعہ۔"

اور یہ معلوم ہے کہ اگر انسان کسی ایسے خوفناک راستہ میں پڑ جائے جہاں یہ خطرہ ہو کہ انسان ہلاک ہو جائے گا اور اس کے والدِ حقیقی (یعنی رسولِ خدا) سے عاق ہونے کے اسباب پیدا ہو جائیں گے اور رحمۃ للعالمین اس سے ناراض ہو جائیں گے تو (سوچو) وہ کتنا بدبخت شخص ہے اور پس پردہ کتنی مصیبتیں اور گرفتاریاں ہیں۔ پس اگر رسول اللہ سے اشتیاق رکھتے ہو اور مولا علیؑ سے محبت رکھتے ہو اور ان کی اولادِ طاہرینؑ کو دوست رکھتے ہو تو ان کے مبارک قلوب کو خوف و اضطراب سے باہر لاؤ۔

قرآن مجید کے سورۂ ہود میں ہے «فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ.»[۱۲]

"پس (اے رسولؐ) جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اور آپؐ کے ساتھ وہ لوگ بھی جنھوں نے (کفر سے) توبہ کی ہے ثابت قدم رہیے۔"

حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا «شَيَّبَتْنِي سُورَةُ هُودٍ لِمَكَانِ هٰذِهِ الْآيَةِ»[۱۳] "مجھے سورۂ ہود کی اس آیت نے بوڑھا کر دیا۔" شیخ عارف کامل شاہ آبادی[۱۴] روحی الفداہ نے فرمایا کہ: یہ آیۂ مبارکہ سورۂ شوریٰ[۱۵] میں بھی آیا ہے لیکن وہاں پر وَمَنْ تَابَ مَعَكَ نہیں آیا ہے اسی لئے حضرت رسولؐ نے سورۂ ہود کے ذکر کو مخصوص فرمایا کیونکہ سورۂ ہود میں خدا نے استقامتِ اُمّت کا بھی حکم دیا ہے اور آنحضرتؐ کو یہ خوف تھا کہ ہو سکتا ہے یہ کام نہ ہو سکے ورنہ خود آنحضرتؐ استقامت رکھتے تھے بلکہ حضور اسم حکیم (عدل) کے مظہر تھے۔

لہٰذا اے میرے بھائی! اگر آپ اپنے کو آنحضرتؐ کے پیروکاروں میں سمجھتے ہیں اور اس ذاتِ مقدس کا اپنے کو موردِ ماموریت مانتے ہیں تو اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے ان کو شرمندہ و شرمسار نہ کیجئے۔ آپ خود دیکھئے اگر آپ کی اولاد یا دیگر آپ سے وابستہ لوگ بُرے و نامناسب اور ایسے کام کریں جو آپ کی شان کے خلاف ہوں۔ تو آپ لوگوں کے سامنے کتنا شرمندہ ہوں گے۔ یہ جان لیں کہ رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ اس اُمّت کے حقیقی باپ ہیں۔ اس کے لئے خود آنحضرتؐ نے فرمایا «أَنَا وَعَلِيٌّ أَبَوَا هٰذِهِ الْأُمَّةِ.»[۱۶] "میں اور علیؑ اس اُمّت کے باپ ہیں۔ اس لئے جب ہم کو محضرِ ربوبیت میں پیش کیا جائے گا اور ان حضرات کی موجودگی میں ہمارا حساب لیا جائے گا اور ہمارے نامۂ عمل میں بدی و بُرائی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا تو ان حضرات کو کتنا گراں گزرے گا اور خدا و ملائکہ وانبیا کے سامنے یہ حضرات کس قدر شرمندہ ہونگے! ہم نے ان حضرات پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے اور کس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور خدا معلوم ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟

پس اے ظالم و جاہل انسان! تو خود اپنے اوپر تو ظلم کرتا ہی ہے اور تیرے اولیائے نعمت جنھوں نے تیری ہدایت کے لئے اپنی جان و مال و راحت کو قربان کر دیا اور بڑی مصیبتوں کو برداشت کیا اور بڑی بیداری سے جن کو قتل کیا گیا، جن کے زن و فرزند کو اسیر کیا گیا ان کی زحمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے ان پر اس طرح کا ظلم کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ تو نے صرف اپنے اوپر ظلم کیا۔ ذرا خواب غفلت سے بیدار ہو اور اپنی جگہ شرم کر اور ان بزرگوں کو چھوڑ دے ان کے لئے وہی مظالم بہت کافی ہیں جو دشمنانِ دین کے ہاتھوں ان کو پہونچ چکے ہیں (اب تو تو ظلم نہ کر) تم تو دوستی کا دعویٰ کرتے ہو۔ تم ان پر ظلم نہ کرو کیوں کہ دوست اور مدعی دوستی کی طرف سے ظلم ناگوار تر اور بہت ہی بُرا ہے۔

تیسری فصل

خواہشاتِ نفسانیہ کی تعداد

یہ جان لینا چاہیئے کہ مراتب و متعلقات کے اعتبار سے نفسانی خواہشات مختلف و گوناگوں ہیں اور کبھی تو اتنی دقیق ہوتی ہیں کہ خود انسان اس بات سے غافل ہوتا ہے کہ یہ کید شیطانی اور خواہش نفسانی ہے ہاں اگر اس کو متوجہ کر دیا جائے اور اس غفلت سے ہوشیار کر دیا جائے تو متوجہ ہو جاتا ہے۔ مگر ان تمام اختلافات کے باوجود راہِ حق کے روکنے اور خدا کے راستے سے منع کرنے میں سب شریک ہیں۔ البتہ ان کے مرتبوں میں تفاوت ہے: چنانچہ باطل خواہشات والے، سونے وغیرہ سے خدا بنانے والے، جیساکہ خدا نے فرمایا ہے: «أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ.» [۱۴] "بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے نفسانی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے۔"

اس کے علاوہ دیگر آیات میں بھی ارشاد ہے۔ دوسری طرح سے خدا سے باز رہتے ہیں اور اباطیلِ شیطانی و خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنے والے اپنے باطل عقائد میں یا فاسد اخلاق میں دوسری طرح حق سے محجوب رہتے ہیں۔ گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کرنے والے مہلکات و موبقات بجالانے والے اپنے درجات کے اعتبار سے دوسری طرح حق سے باز رہتے ہیں، مباح چیزوں میں خواہشات کی پیروی کرنے والے اور اس میں زیادہ مشغول رہنے والے وہ دوسری طرح راہِ حق و حقیقت سے محجوب ہوتے ہیں اور اہلِ عبادت و ظاہری اطاعت کرنے والے (جو کچھ بھی) عالمِ آخرت کی آبادی اور مشتہیاتِ نفسانیہ کی ادارت کرنے اور درجاتِ (عالیہ) تک پہونچنے کے لئے یا عذاب و درکات (جہنم)

سے بچنے کے لئے کرتے ہیں وہ حق وراہِ حق سے دوسری طرح سے ممنوع ہوتے ہیں۔ ظہورِ قدرتِ نفس اور جنتِ صفات تک پہونچنے کے لئے جولوگ ریاضت اور تہذیبِ نفس کرتے ہیں وہ کسی اور طرح سے حق اور اس کے لقا سے محروم ہوجاتے ہیں۔

اہلِ معارف وسلوک وجذبات اور مقاماتِ عارفین کہ جن کا مقصد لقائے حق اور وصول بمقامِ قرب کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ بھی کسی دوسرے طریقہ سے حق و تجلیاتِ خاص سے محروم رہتے ہیں۔ کیونکہ خود ان کے اندر بھی تلوین (تکون) اور خودی کے آثار باقی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مراتب بھی ہیں جس کا ذکر یہاں پر مناسب نہیں ہے۔

لہٰذا مراتب مذکورہ کے جو اہل ہیں ان میں سے ہر ایک کو اپنی حالت کی تفتیش کرنی چاہیئے۔ اور اپنے کو خواہشاتِ نفسانی سے پاک و پاکیزہ رکھے تاکہ راہِ حق سے باز نہ رہ سکے اور راہِ سلوکِ حقیقت سے گمراہ نہ ہوسکے اور رحمت و مہربانی کے دروازے جہاں بھی ہوں اس کے لئے کھل سکیں۔

والله وَلِیُّ الهدایةِ والتّوفیق۔

دوسرا مقام

لمبی اُمیدوں کا بیان

اس میں دو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

لمبی اُمیدیں آخرت بھول جانے کا سبب ہیں

انسانیت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل بیداری ہے۔ چنانچہ اہلِ سلوک بزرگوں نے سالکوں کی منزلوں کے (سلسلہ) میں بیان کیا ہے [۱۸] اور اس منزل کے لئے شیخ عظیم الشان شاہ آبادی نے فرمایا ہے کہ وہ دس بیت ہیں کہ سردست ہم کو شمار نہیں کرنا چاہتے۔

لیکن جس چیز کا بیان ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انسان جب تک اس بات پر متنبہ نہ ہوگا کہ وہ (ایک) مسافر ہے اور مسافر کے لئے سفر اور مقصد کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ (یہ بھی سمجھے کہ) اس مقصد کی طرف وہ حرکت کرنے پر مجبور ہے اور حصولِ مقصد ممکن ہے (اس وقت تک) اس کے اندر عزم پیدا نہ ہوگا اور نہ وہ صاحبِ ارادہ ہوگا۔ ان تمام امور کے لئے بیان و شرح کی ضرورت ہے اگر ہم اس کا ذکر کریں تو کلام طویل ہو جائے گا۔

یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ اس بیداری کا سب سے بڑا مانع جو مقصد کے بھولنے کا سبب اور لزومِ سفر کے بھولنے (کی عظیم علت) ہے اور جو انسان کے عزم و ارادہ کو مار ڈالتی ہے وہ انسان کا یہ گمان ہے کہ (ابھی) سفر کے لئے وقت وسیع ہے۔ اگر آج مقصد کی طرف حرکت نہ کر سکا تو کل حرکت کرے گا اور اگر اس ماہ سفر نہ کر سکا تو آئندہ ماہ کرے گا یہ لمبی اُمید، درازیٔ توقع، ظنِ بقاء، اُمیدِ حیات اور وسعتِ وقت کی اُمید انسان کو اصل مقصد یعنی آخرت اور آخرت کی طرف لزومِ سفر، اور زادِ راہ اکٹھا کرنے سے روک دیتی ہے اور انسان بالکلیہ آخرت کو فراموش کر دیتا ہے اور مقصد انسان کی یاد سے نکل جاتا ہے۔

اور خدا نہ کرے کہ کسی کو دور دراز کا پُر خطر سفر درپیش ہو اور وقت تنگ ہو اور ساز و سامان و ہمراہی ضروری ہوں مگر اس کے پاس کچھ نہ ہو اور ان تمام چیزوں کے باوجود اصل مقصد سے باہر چلا جائے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ بھول جائے تو نہ زاد و راحلہ یاد آئے گا نہ اس کی فکر ہوگی نہ اس کا کوئی انتظام کرے گا اور مجبوراً جب سفر درپیش ہوگا تو یہ بیچارہ ہو جائے گا اور اس سفر میں گر جائے گا اور ہلاک ہو جائے۔

دوسری فصل

پس اے عزیز! یہ جان لو کہ ایک پُر خطر لازمی سفر درپیش ہے جس کا ساز و سامان و افراد و جماعت اور جس کا زاد و راحلہ علم اور نفع بخش عمل ہے مگر وقتِ سفر معلوم نہیں ہے کہ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے بہت تنگ ہو اور فرصت کا وقت نکل چکا ہو!

انسان کو معلوم نہیں کہ کس وقت کوچ کا نقارہ بج جائے گا اور مجبوراً سفر کرنا پڑے گا یہ لمبی (لمبی) اُمیدیں جو ہم اور آپ رکھتے ہیں یہ حُبِ نفس اور شیطانی جال اس ملعون کا شاہکار ہے

کہ جس نے ہم کو عالمِ آخرت سے اس طرح روگ رکھا ہے کہ ہم کو اس کی کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ اگر ہم کو سفر کے خطرات کا اور سوانح کا احساس ہو جائے تو توبہ و انابت کے ذریعہ اس کی اصلاح کر کے حق کی طرف رجوع نہ کر سکیں اور کسی بھی قسم کے زاد و راحلہ کے اکٹھا کرنے کی فکر نہ کریں اور ناگاہ موت آجائے اور ہم کو بغیر زاد و راحلہ کے اور بغیر تیاری کے سفر پر مجبور کر دے۔

ہم نہ عمل صالح رکھتے ہیں اور نہ علم نافع حالانکہ عالمِ آخرت کی گاڑی کا دارمدار انہیں دونوں پہیوں پر ہے اور ہم نے کسی ایک کا انتظام نہیں کیا اور اگر عمل بھی کیا ہے تو خالص و بے ملاوٹ نہیں ہے بلکہ ہزاروں موانع کے ساتھ اس کو بجالائے ہیں اور اگر علم حاصل کیا ہے تو لاحاصل و بے فائدہ کہ خود یا تو لغو و باطل ہے یا پھر راہِ آخرت کے لیے بہت بڑا روڑا ہے۔

اگر ہمارا یہ علم و عمل سودمند ہوتا تو سالہا سال سے جس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اس کا ہمارے اندر کچھ واضح اثر تو ہوتا۔ ہمارے اطوار و اخلاق میں کچھ تفاوت تو (پیدا ہوا) ہوتا۔ آخر کیا بات ہے کہ ہمارے چالیس پچاس سالہ علم و عمل نے ہمارے دلوں میں اس کے برخلاف اثر کیا اور ہمارے دلوں کو سنگ خارا سے زیادہ سخت تر کر دیا؟ نماز جو مومن کی معراج ہے ہم کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ وہ خوف و خشیت جو علم کے لئے لازمی ہے وہ کہاں ہے؟ اگر ہم خدانخواستہ اسی حال میں مر گئے تو بہت بڑا خسارہ اور بہت بڑی حسرت ہمارے سامنے ہو گی جو زائل ہونے والی نہیں ہو گی۔

پس نسیانِ آخرت ان چیزوں میں سے ہے کہ اگر حضرت ولی اللہ اعظم امیرالمومنینؑ اس سے اور اس کے موجب "لمبی لمبی امیدوں" سے ہمارے بارے میں ڈرتے تھے تو حق بجانب تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا یہ سفر کتنا پر خطر ہے اور انسان کو چاہیئے کہ ایک لمحہ سکون نہ حاصل کرے ہر وقت زاد و راحلہ کے جمع کرنے میں لگا رہے ایک سیکنڈ بھی نہ بیٹھے۔ کیونکہ اگر اس عالم کو بھول گیا اور سو گیا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ ایسا بھی ایک عالم ہے اور ایسا بھی ایک سفر درپیش ہے تو اس پر کیا گزرے گی اور کن بدبختیوں میں گرفتار ہو گا۔ (سوچا بھی نہیں جا سکتا)۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر تھوڑے سے حضرت علیؑ اور حضرت رسولؐ افضل مخلوقات و معصوم از خطا و نسیان و لغزش و طغیان کا ذکر کر کے غور و فکر کریں کہ ہم کس حال میں ہیں اور وہ حضرات کس حالت میں تھے۔ سفر کی خطرناکی نے ان حضرات سے راحت و آرام چھین لیا تھا اور ہماری جہالت نے ہمارے اندر نسیان پیدا کر دیا ہے۔ حضرت ختمی مرتبت نے اتنی ریاضت کی تھی

اور عبادتوں میں راتوں کو اتنے کھڑے رہا کرتے تھے کہ پاہائے مبارک ورم کر گئے اور قرآن نے فرمایا:
«طٰهٰ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى.» ۱۹-۲۰ "اے طٰہٰ (اے رسولؐ) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا کہ تم اس قدر مشقت اٹھاؤ۔"

رہا حضرت علیؑ کا خوف خدا اور ان کی عبادت تو سب ہی کو معلوم ہے۔ لہٰذا یہ جان لو کہ سفر بہت ہی پُر خطر ہے اور ہمارے اندر جو نسیان و فراموشی ہے وہ شیطان و نفس کے مکائد ہے اور یہ آرزوئیں اور لمبی اُمیدیں ابلیس کے بزرگ جال ہیں اور نفس کا بہت بڑا جال ہے۔ لہٰذا اس خواب سے بیدار ہو جاؤ اور ہوشیار ہو جاؤ۔

یہ جان لو کہ تم مسافر ہو اور تمھارا ایک مقصد ہے اور تمھارا مقصد دوسرا عالم ہے۔ تم چاہو یا نہ چاہو تو تم کو بہر حال اس عالم سے لے جائیں گے۔ اگر زاد و راحلہ کا انتظام کر لیا ہے تو اس سفر میں درماندہ نہ ہوگے اور اس سفر میں بے چارہ نہ ہوگے۔ ورنہ فقیر و بیچارہ و بینوا ہوگے اور ایسی شقاوت میں مبتلا ہوگے جس میں سعادت نہ ہوگی، ایسی ذلت میں گرفتار ہوگے جس میں عزت نہ ہوگی۔ ایسی فقیری کی طرف جاؤ گے جس کے بعد کوئی مالداری نہیں ہوگی۔ ایسے عذاب میں پھنسو گے جس میں کبھی راحت نہ ہوگی۔ ایسی آگ (میں جلو گے) جو خاموش نہ ہوگی، ایسا فشار ہوگا جو کبھی دور نہ ہوگا۔ ایسا حزن و اندوہ ہوگا جس کے پیچھے کبھی خوشحالی نہ ہوگی۔ ایسی حسرت و ندامت ہوگی جس کی انتہا نہ ہوگی۔

اے میرے عزیز! ذرا دیکھو تو خدا سے مناجات کرتے ہوئے دعائے (کمیل) میں مولاؑ کیا عرض کرتے ہیں: «أَنْتَ تَعْلَمُ ضَعْفِي عَنْ قَلِيلٍ مِنْ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَعُقُوبَاتِهَا.» معبود تو جانتا ہے کہ میں دنیا کے تھوڑے سے عقوبات اور بلاؤں (کے اٹھانے) سے عاجز ہوں۔ پھر آگے چل کر مولا فرماتے ہیں:

«وَهٰذَا مَا لَا تَقُومُ لَهُ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ.» ۲۱ "اور یہ تو وہ چیز ہے کہ اس کا اٹھانا آسمانوں اور زمین کے بس کا (بھی) نہیں ہے۔" (سوچو) یہ کون سا عذاب ہے کہ آسمان و زمین اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے (مگر) وہ تیرے لئے مہیا کیا گیا ہے۔ لیکن تو پھر نہیں جاگتا بلکہ روز بروز نسیان و خوابِ غفلت میں پڑا رہتا ہے بلکہ یہ خواب زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

ہاں اے دلِ غافل! خوابِ غفلت سے اٹھ سفرِ آخرت کے لئے آمادہ ہو جا۔ «فَقَدْ نُودِيَ فِيكُمْ بِالرَّحِيلِ.» ۲۲ "صدائے الرحیل گونج اٹھی ہے۔" کوچ کرنے کی آواز بلند ہو چکی

ہے۔ حضرت ملک الموت کے کارندے اپنے کاموں میں مشغول ہو چکے ہیں اور تجھ کو ہر سکنڈ عالمِ آخرت کی طرف ہنکار رہے ہیں۔ اس کے باوجود تم غافل و ناداں ہو۔

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ التَّجَافِيَ عَنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالْإِنَابَةَ إِلَىٰ دَارِ السُّرُورِ وَالْإِسْتِعْدَادَ لِلْمَوْتِ قَبْلَ حُلُولِ الْفَوْتِ.» ۲۳

"پالنے والے میں تجھ سے دھوکہ والے گھر (دنیا) سے دوری کا سوال کرتا ہوں اور دارِ سرور (جنت) میں آنے کی اور موت کے آنے سے پہلے اس کی استعداد کی دُعا کرتا ہوں۔

دسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۳۵۔ ۳۳۶ "کتاب ایمان وکفر" باب اتباع الھویٰ، حدیث ۲
۲۔ "حقیقت شرعیہ" ایک عنوان لفظی ہے کہ شارع نے اس کو معنای لغوی کے علاوہ کسی نئے معنیٰ میں بغیر قرینہ استعمال کیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس کو اصلی اور پہلے معنیٰ سے الگ کر دیا ہو۔
۳۔ مراۃ العقول جلد ۱۰ ص ۳۱۲، کتاب ایمان وکفر، باب اتباع الھویٰ حدیث ۱
۴۔ اس حدیث کا مضمون عوالی اللئالی جلد ۴ ص ۹۷، اور علم الیقین، جلد ۱ ص ۲۸۲ میں آیا ہے۔
۵۔ ص/ ۳۹۔
۶۔ سورۂ قصص/ ۵۰۔
۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۳۵ "کتاب ایمان وکفر" باب اتباع الھویٰ۔ حدیث ۲۔
۸۔ نہج البلاغہ فیض خطبہ ۲۸ ص ۸۹۔
۹۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۳۵ "کتاب ایمان وکفر" باب اتباع الھویٰ حدیث ۱۔
۱۰۔ سورۂ جاثیہ کی آیت ۲۳، سورۂ قصص کی آیت ۵۰، سورۂ روم آیت ۱۰ کی طرف رجوع فرمایئے۔
۱۱۔ بحار جلد ۱۰۳، ص ۲۲۰، باب اوّل از ابواب النکاح، حدیث ۲۴ میں اس طرح ہے: "تناکحوا تکثروا، فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط، اور مستدرک الوسائل میں ہے: تناکحوا تناسلوا باھی بکم الامم یوم القیامۃ: جلد ۱۴، ص ۱۵۳، ابواب مقدمات نکاح باب ۱ حدیث ۱۷۔
۱۲۔ سورۂ ھود/ ۱۱۲
۱۳۔ علم الیقین جلد ۲، ص ۹۷۱، اور مجمع البیان میں اوپر والی آیت کے ذیل میں اور (کشاف جلد ۲ ص ۴۳۳) پر بھی

اس کے مشابہ آیا ہے۔

۱۴۔ حدیث ۱۔ توضیح ۵۱۔

۱۵۔ (سورۂ شوریٰ/۱۵)

۱۶۔ بحار جلد ۳۶، ص ۱۱، تاریخ امیرالمومنین باب ۳۶، باب ۲۶، حدیث ۱۲۔

۱۷۔ سورۂ جاثیہ/۲۳۔ ترجمہ گزر چکا ہے۔

۱۸۔ منازل السائرین ص ۸، قسم البدایات (باب یقظۃ)۔

۱۹۔ صادقینؑ سے مروی ہے: کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ (ص) اِذَا صَلّٰی، قَامَ عَلٰی اَصَابِعِ رِجْلَیْہِ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ، فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تبارک وتعالیٰ (طٰہٰ) "تفسیر قمی جلد ۲ ص ۵۸۔

۲۰۔ سورۂ طٰہٰ/۱-۲۔

۲۱۔ دُعائے کمیل، مصباح المتہجد ص ۵۸۷۔

۲۲۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۵۔

۲۳۔ اعمال ماہ رمضان کے سلسلہ میں شب ۲۷ رویں کی یہی دُعا تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ امام سجادؑ سے وارد ہوئی ہے۔ اقبال ص ۲۲۸، المراقبات فی اعمال السنۃ ص ۱۵۵، مفاتیح الجنان اعمال شب ۲۷ ماہ رمضان۔

گیارہویں حدیث

«بالسَّندِ الْمُتَّصِلِ إلی مُحَمَّد بن یعقُوبَ، عَنْ مُحَمَّد بن یَحْیٰی، عَنْ أحمدَ بْنِ مُحَمَّد، عَنْ ابْنِ محبوبٍ، عَنْ عليِّ بن رِئَابٍ، عَنْ زُرارَةَ، قالَ سَألتُ أبا عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلاٰمُ، عَنْ قولِ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ: «فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا.» قالَ فَطَرَهُم جَمِيعاً عَلَی التَّوْحِيدِ»¹

ترجمہ: زرارہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے خدا کے اس قول: "فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا" کے بارے میں سوال کیا تو حضرتؑ نے فرمایا: "یعنی سب کو توحید پر خلق فرمایا۔"

شرح: اہلِ لغت و تفسیر کہتے ہیں "فطرت" کے معنیٰ "خلقت" کے ہیں (چنانچہ) صحاح میں ہے: "الفطرہ، بالکسر، الخلقۃ" فطرۃ "ف" کے زیر کے ساتھ اس کے معنیٰ ہیں خلقت۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "فطرت" (فَطَرَ) سے ماخوذ ہو جس کے معنیٰ شق کرنے اور پارہ کرنے کے ہیں کیونکہ (خلقت) پردۂ عدم اور حجابِ غیب کو پارہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اسی معنیٰ کے اعتبار سے روزہ دار کے کھانے کو "افطار" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی امساک کے ہیئت اتصالیہ کو پارہ کرتا ہے۔

بہر حال لغوی معنیٰ سے بحث ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ خلاصۂ (کلام) یہ ہے کہ حدیث شریف سورہ روم کی آیۂ شریفہ کی طرف اشارہ ہے۔ (اور وہ آیۂ مبارکہ یہ ہے)۔

«فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَ تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ.»[۲]

"ہم انشاء اللہ چند فصلوں اور مقامات کے ضمن میں اس فطرت اور اس کی کیفیت اور لوگوں کا کس طرح فطرتِ توحید پر (مخلوق ہونا ہے ان) سب کی طرف ایک اجمالی اشارہ کریں گے۔

پہلی فصل

فطرت کے معنیٰ

اس فطرت سے مُراد جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے وہ حالت و ہیئت ہے کہ جس پر خدا نے مخلوق کو قرار دیا ہے اور یہ ان چیزوں کے وجود کا لازمہ ہے اور ان چیزوں میں سے ہے کہ جس سے اصل خلقت کا خمیر تیار کیا گیا ہے اور بعد میں معلوم ہوگا کہ فطرت ہائے الٰہی ان الطاف میں سے ہے جن کو خدا نے صرف بنی نوع انسان کے لئے مخصوص کیا ہے۔ دیگر موجودات میں یا تو اس قسم کی فطرتیں موجود ہی نہیں ہیں یا اگر ہیں تو ناقص ہیں ان موجودات کا ان میں حصہ بہت ہی کم ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگرچہ اس حدیث میں اور دوسری ۳ حدیثوں میں بھی فطرت کی تفسیر توحید سے کی گئی ہے مگر یہ (در حقیقت) از قبیل بیان مصداق ہے یا پھر کسی چیز کی تفسیر اس کے اشرف ترین جزو سے کی گئی ہے اور عموماً اہلِ بیت سلام اللہ علیہم کی تفسیریں اسی قبیل کی ہیں اور اگر کسی جگہ پر مقامی مصداقی مناسبت کی وجہ سے مثلاً ذکر ہوا ہے تو جاہل لوگ خیال کرتے ہیں امامؑ کے کلام میں (معاذ اللہ) تعارض ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہاں پر بھی ایسا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آیۂ شریفہ میں (دین) کو فطرت اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور دین توحید[۴] کے علاوہ دیگر معارف کو بھی شامل ہے۔ عبد اللہ بن سنان[۲] کی صحیحہ میں "اسلام" سے تفسیر کی گئی ہے حسنہ زرارہ[۵] میں اس کی تفسیر معرفت" سے کی گئی ہے اور مشہور حدیث کل مَوْلُودٍ یُولَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ میں یہودیت، نصرانیت، مجوسیت کے مقابلہ

میں (فطرت کا) ذکر کیا گیا ہے۔[6] نیز اسی حسنۂ زرارہ میں حضرت ابو جعفرؑ نے فطرت کی تفسیر "معرفت" سے فرمائی ہے۔

پس ان سب سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فطرت (کی لفظ) صرف توحید سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ان تمام معارفِ حقّہ سے ہے۔ جن پر خداوندِ عالم نے اپنے بندوں کو خلق فرمایا ہے۔

دوسری فصل

احکام فطرت کی تشخیص

یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ جو چیزیں احکام فطرت میں سے ہیں چونکہ وہ لوازم وجود اور اصل طینت و خلقت کے خمیر میں سے ہیں اس لئے اس میں کسی کو اختلاف نہ ہونا چاہیئے (بلکہ عالم و جاہل، جنگلی و متمدن، شہری و بدّو، سب ہی کو اس میں متفق ہونا چاہیئے۔ کوئی عادت یا مذہب یا طریقہ کسی بھی قسم کا ہو نہ اس میں کوئی خلل اندازی کر سکتا ہے نہ رخنہ پیدا کر سکتا ہے نہ (اپنے لئے کوئی) راستہ بنا سکتا ہے۔ شہروں، خواہشوں، مانوس چیزوں، آراء، عادتوں کے اختلاف سے احکام عقلیہ تک میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے مگر یہ چیزیں فطریات میں اثر انداز نہیں ہو پاتیں۔ سمجھ میں اختلاف، قوتِ ادراک کی کمی و زیادتی فطریات کو متاثر نہیں کر پاتی اور اگر کوئی چیز ایسی نہیں ہے تو وہ فطری نہیں ہے اس کو فطریات سے خارج جاننا چاہیئے۔ اسی لئے آیت میں ہے: «فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا» یعنی وہ کسی گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ نیز ارشادِ ربّ العزت ہے: لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، کوئی بھی چیز اس کو متغیر و تبدیل نہیں کر سکتی۔ دوسری چیزیں عادتوں وغیرہ سے بدل جاتی ہیں۔ (مگر فطرتِ الٰہی نہیں بدلتی)

لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آخرِ دُنیا تک باوجود یہ کہ فطریات میں اختلاف نہیں ہے لیکن عموماً لوگ اس بات سے غافل ہیں کہ باہم متفق ہیں بلکہ گمان کرتے ہیں کہ اختلاف رکھتے ہیں۔ ہاں اگر متنبہ کر دیا جائے تب سمجھتے ہیں کہ ہم تو مخالفت کی صورت میں بھی موافق تھے۔ چنانچہ بعد میں انشاء اللہ اس کی وضاحت ہو گی اور آیت کے ذیل میں «وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ.» سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ہم نے اوپر جو ذکر کیا اس سے واضح ہو گیا کہ احکامِ فطرت تمام بدیہی احکام سے زیادہ بدیہی تر ہیں۔ کیونکہ تمام احکامِ عقلیہ میں ہمارے پاس کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ جس میں کوئی اختلاف نہ کرے (یا) اختلاف نہ کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو چیز ایسی ہو وہ اوضح ضروریات اور ابدہ بدیہیات ہوگی اور جو چیز اس کا لازمہ ہوگی وہ بھی ایسی ہی ہوگی۔ لہٰذا اگر توحید یا دیگر معارف احکامِ فطرت یا اس کے لوازم میں سے ہوں تو ان کو سب سے زیادہ بدیہی ہونا چاہیئے اور سب سے واضح و ضروری ہونا چاہیئے: «وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ.»

تیسری فصل

احکامِ فطریات کی طرف اجمالی اشارہ

یہ جان لو کہ شیعہ، سُنّی تمام مفسرین نے اپنے اپنے طریقہ سے دین یا توحید کے فطری ہونے کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ ہم یہاں پر ان کی رائے کے مطابق گفتگو نہیں کریں گے بلکہ شیخ عارف کامل شاہ آبادی، دام ظلہ جو اس میدان میں منفرد ہیں، کے محضرِ مبارک سے جو کچھ استفادہ کیا ہے اس کو بیان کریں گے۔ اگرچہ ان میں کی بعض چیزیں بطور اشارہ بعض محققین اہلِ معارف کی کتابوں میں موجود ہیں اور بعض تو خود قاصر کی نظر سے گزری ہیں۔

پس یہ جان لینا چاہیئے کہ الہٰی فطرتوں میں ایک فطرت خود اصل وجود باری تعالیٰ ہے۔ ایک فطرتِ توحید ہے۔ ایک فطرت یہ ہے کہ خداوندِ عالم مستجمع جمیع کمالات ہے۔ ایک فطرت یومِ معاد ہے۔ ایک نبوت ہے۔ ایک وجود ملائکہ و روحانیین و انزال کتب اور طرق ہدایت کا اعلام کرنا ہے۔ البتہ ان مذکورشدہ چیزوں میں بعض تو احکامِ فطرت سے ہیں مگر بعض لوازمِ فطرت سے ہیں۔ خدا، ملائکہ (آسمانی) کتابوں، رسولوں، قیامت، دینِ قیم و مستقیم پر ایمان لانا سلسلۂ بشر کے پوری زندگی میں حق ہے۔

ان میں سے بعض وہ چیزیں جو حدیث شریف سے مناسبت رکھتی ہیں ہم ان کا ذکر کریں گے اور (اس سلسلہ میں) خدا سے توفیق کے خواہاں ہیں۔

پہلا مقام

وجودِ خدا فطری ہے

ہمارا مقصد ایک مقدمہ کی وضاحت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔

مقدّمہ

ایک وہ فطری بات جو تمام بنی نوع انسان کے خمیر میں شامل ہے اور دُنیا کا کوئی بھی فردِ بشر اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اور نہ عادتوں، مذہبوں، مسلکوں، اخلاق وغیرہ کے اختلاف سے اس میں کوئی تغیر پیدا ہو سکتا ہے اور نہ خلل پیدا ہو سکتا ہے اور وہ ہے فطرتاً "کمال سے عشق"۔

آپ بشر کی جس زندگی میں قدم رکھیں، جس گروہ و ملّت سے سوال کریں کمال سے عشق و محبت اس کی خمیر میں پائیں گے اور دیکھیں گے کہ اس کا دل کمال کی طرف متوجہ ہے۔ بلکہ نوع انسان کی ہر فرد چاہے وہ جس چیز میں بھی مشغول ہو اس کے تمام حرکات، سکنات، زحمتیں، انتھک کوششیں اس چیز کے لئے صرف اس وجہ سے تھیں اور ہیں کہ اس کو اس چیز کے کمال سے عشق تھا۔

ہاں تشخیص کمال اور یہ کہ کس چیز میں کمال ہے اور محبوب و معشوق کہاں ہے؟ اس میں البتہ لوگوں میں اختلاف ہے۔ ہر شخص نے اپنے معشوق کو ایک الگ چیز میں پایا ہے اسی کو اُمیدوں کا مرکز بنایا ہے اور دل وجان سے اس کو چاہا ہے (مثلاً) اہلِ دُنیا' دُنیا اور زیبائشِ دُنیا کو کمال سمجھتے ہیں اور اپنے معشوق کو دُنیا میں پاتے ہیں لہٰذا اس کے حاصل کرنے کے لئے جان و دل سے عاشقانہ خدمت کرتے ہیں اور جو شخص بھی جس رشتہ میں ہے چونکہ اسی کو کمال سمجھتا ہے لہٰذا اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح صنعت والے اور اہلِ علوم اپنے دماغ کی وسعت کے اعتبار سے جس چیز کو کمال سمجھتے ہیں اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی کو اپنا معشوق سمجھتے ہیں۔ اہلِ آخرت و ذکر و فکر دوسری چیز کو معشوق سمجھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سب کمال کی طرف متوجہ ہیں اور جب اس کمال کو کسی موجود یا

موہوم میں مشخص کر لیتے ہیں تو اسی سے عشق کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ ان تمام چیزوں کے باوجود ان میں سے کسی سے محبت و عشق جن کے بارے میں گمان ہے، "کہ ان سے محبت کرتا ہے" (حقیقی) نہیں ہے اور جس کے بارے میں (محبت کا) خیال ہے وہ معشوق اور کعبۂ اُمید نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنی فطرت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کا دل گواہی دیگا کہ وہ شخص جس کی بھی طرف متوجہ ہے اگر اس کو اس سے بالاتر مل گیا تو اس کا دل بالاتر کی طرف پلٹ جائے گا اور دوسرے کامل تر کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور جب اس کامل تر تک رسائی ہوگی اور اس کے بعد اس سے بھی اکمل مل جائے گا تو وہ کامل تر کو چھوڑ کر اکمل کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ بلکہ آتشِ عشق و سوز و اشتیاق روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔

مثلاً آپ ایک جمال دل فریب و رخسار زیبا کی طرف مائل تھے اور آپ نے اس کو کسی معشوق میں دیکھا لہٰذا دل کو اس کے کوچہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اب اگر اس سے جمیل تر چہرہ آپ کی نظروں میں آگیا تو قہراً اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے یا کم از کم دونوں کو چاہیں گے مگر اس سے بھی آتشِ شوق خاموش نہیں ہوگی بلکہ زبان حال اور لسانِ فطرت سے آپ یہی کہیں گے: "چیزیم نیست ورنہ خریدار ہر شش ۹ "یعنی میں کچھ نہیں ہوں ورنہ ان چھ جہت سے آنے والیوں کا خریدار ہوتا۔ بلکہ آپ ہر جمیل کے خریدار ہوں گے۔ بلکہ صرف احتمال کی بنا پر شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر آپ یہ احتمال دیں کہ آپ کے پاس جو خوبصورت و دلفریب محبوبائیں ہیں یا جن کو آپ نے دیکھا ہے ان سے بھی زیادہ خوبصورت ایک دوسری جگہ ہے تو آپ کا دل وہاں کے سفر کے لئے آمادہ ہو جائیگا۔ "من درمیان جمع و دلم جائے دیگر است" (میں تو مجمع میں ہوں مگر میرا دل دوسری جگہ ہے) بلکہ صرف اُمید پُر اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ بہشت کے اوصاف اگر آپ سُنیں اور (حوروں کے) دلکش رخسار کا ذکر سُنیں تو چاہے خدانخواستہ اس کا عقیدہ نہ بھی رکھتے ہوں پھر بھی آپ کی فطرت کہے گی کاش ایسی بہشت اور ایسا محبوب ہمارے نصیب میں ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ سلطنت اور نفوذِ قدرت و وسعتِ ملک کو کمال سمجھتے ہیں اور اس کے شائق ہوتے ہیں۔ جب ایک سلطنت ان کے قبضہ میں آجاتی ہے تو دوسری سلطنت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اب اگر وہ بھی ان کے قبضہ میں آجائے تو اس سے بلند و بالا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (بلکہ) اگر ایک قطر پر قبضہ کرلیں تو دوسرے اقطار کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ بلکہ آتشِ شوق روز افزوں بڑھتی ہی رہتی ہے اور اگر اتفاق سے تمام روئے زمین پر سلطنت و حکومت حاصل کرلیں تو دوسرے کُروں پر (اگر) احتمال دیں کہ وہاں بھی بساطِ سلطنت ہے تو ان کا دل

اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اے کاش ان عوالم کی طرف بھی پرواز ممکن ہوتی اور ہم ان کو بھی اپنے زیر نگیں لے آتے۔ یہی صورت تمام اہلِ صناعات و علوم کی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ تمام سلسلۂ بشر چاہے جس رشتہ و طریقہ کا ہو وہ جس درجہ تک پہونچے گا اس کا شوق اس سے کامل تر کی طرف متعلق ہوگا مگر آتشِ شوق کسی منزل پر ٹھہرے گی نہیں بلکہ ہر خوب سے خوب تر کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔ پس اسی نورِ فطرت نے ہم کو بتایا تمام سلسلۂ بشر کے قلوب انتہائے بلاد افریقہ کے بسنے والوں سے لے کر دنیا کے متمدن ترین ممالک تک اور طبیعی و مادّی لوگوں سے لے کر اہلِ ملل و نحل تک سب ہی فطرةً ایک ایسے کمال کے متمنی ہیں جس میں کوئی نقص نہ ہو اور ایسے جمال کے عاشق ہیں۔ جس میں کوئی عیب نہ ہو اور ایسے علم کے خواہش مند ہیں جس میں جہل نہ ہو، ایسی قدرت و سلطنت کے طالب ہیں جس کے ہمراہ عاجزی نہ ہو، ایسی زندگی کے دلدادہ ہیں جس کے لئے موت نہ ہو، یعنی ہر ایک کا معشوق "کمالِ مطلق" ہے۔ تمام موجودات اور بشری خانوادہ ایک دل و ایک زبان ہو کر (چیخ چیخ کر) کہہ رہے ہیں کہ ہم "کمالِ مطلق" کے عاشق ہیں۔ ہم "جلال و جمالِ مطلق" سے محبت رکھتے ہیں۔ ہم "قدرتِ مطلقہ" اور "علمِ مطلق" کے طالب ہیں۔ (اب آپ ہی بتائیے) کیا ذاتِ مقدس مبدأ عالم جَلّتْ عَظَمَتہ کے علاوہ عالمِ تصور و خیال میں بھی اس پورے سلسلۂ کائنات اور تجویزات عقلیہ و اعتباریہ میں کوئی ایسا موجود ہے جو کمالِ مطلق اور جمالِ مطلق رکھتا ہے؟ اور کیا بے نقص جمیل علی الاطلاق اس محبوبِ مطلق کے علاوہ کوئی اور ہے؟

اے وادیٔ حیرت کے سرگشتہ لوگو! اے گمراہی کے جنگلوں کے گمراہ لوگو! نہیں (نہیں) بلکہ اے شمعِ جمال جمیلِ مطلق کے پروانو! بے عیب و بے زوال محبوب کے عاشقو! ذرا تھوڑا سا کتابِ فطرت کی طرف رجوع کرو، اپنی کتابِ ذات کی ورق گردانی کرو تو دیکھو گے) کہ قدرتِ فطرتِ الٰہی کے قلم سے اس میں لکھا ہوا ہے: «وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ.» "کیا یہ «فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا» فطرت توجہ بہ محبوبِ مطلق ہے؟ کیا یہ نہ بدلنے والی فطرت «لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ» فطرتِ معرفت ہے؟ اس فطری عشقِ خداداد اور اس امانتِ الٰہی کو کب تک باطل خیالات میں ادھر اُدھر صرف کرتے رہوگے؟ اگر تمہارا محبوب یہی ناقص جمال اور محدود کمال ہوتا تو پھر اس کے حصول کے بعد تمہاری آتش شوق بجھی کیوں نہیں؟ اور شعلۂ شوق زیادہ کیوں ہوا؟

ہاں (ذرا) خوابِ غفلت سے اٹھو، خوشخبری دو، خوشی مناؤ کہ تمہارا محبوب ایسا ہے جس کو زوال نہیں! ایسا معشوق ہے جس میں نقص نہیں، ایسا مطلوب ہے جس میں عیب نہیں ایسا منظور ہے جس کا نورِ طلعت «اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ»[12] ہے، ایسا محبوب ہے کہ جس کے احاطہ کی وسعت: «لَوْ دُلِّيتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الْأَرَضِينَ السُّفْلَى لَهَبَطْتُمْ عَلَى اللّٰهِ.»[13] ہے۔

پس تمہارا یہ فعلی عشق معشوق فعلی کو چاہتا ہے۔ یہ خیالی اور وہمی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ ہر موہوم ناقص ہوتا ہے اور فطرتِ کامل کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ لہٰذا عاشقِ فعلی اور اور عشقِ فعلی بغیر معشوق کے نہیں ہوسکتا اور ذاتِ کامل کے علاوہ کوئی ایسا معشوق نہیں ہے جو فطرت کا متوجہٌ الیہ ہو۔ اس لئے کاملِ مطلق کے عشق کا لازمہ کاملِ مطلق کا وجود ہے اور یہ بات پہلے واضح کی جاچکی کہ فطرت اور اس کے لوازم کے احکام سب کے سب تمام بدیہیات سے واضح روشن تر ہیں۔ «أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ»[14]

دوسرا مقام

توحید اور خدا کے دوسرے صفات فطری ہیں

پروردگارِ عالم کی توحید اور اس کی ذات کا تمام صفاتِ کمال کا مستجمع ہونا بھی فطریات سے ہے۔ مقامِ اوّل میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوجائے گی۔ لیکن ہم یہاں پر ایک دوسری دلیل سے اسی مطلب کو ثابت کریں گے۔

یہ جان لو کہ ان فطرتوں میں کہ جن پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ایک فطرت نقص سے نفرت بھی ہے۔ انسان جب کسی میں عیب یا نقص پاتا ہے تو اس سے متنفر ہوتا ہے۔ پس عیب و نقص فطرت کے لئے اسی طرح باعثِ نفرت ہے۔ جس طرح کمالِ مطلق باعثِ تعلق ہے۔ اس لئے فطرت ہمیشہ "واحد" اور "احد" کی طرف متوجہ ہوگی کیوں کہ کثرت و مرکب ناقص ہوا کرتا ہے اور کثرت غیر محدود نہیں ہوتی ہے۔ (پس جب یہ معلوم ہوا کہ کثرت و مرکب ناقص ہے،) تو یہ فطرت کے لئے قابلِ نفرت ہوگی نہ کہ قابلِ توجہ! پس ان دونوں فطرتوں، تعلقِ فطرت بہ کمال اور نفرتِ فطرت از نقص سے توحید بھی ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ بھی ثابت

ہوجاتا ہے کہ خدا جمیع کمالات کا مستجمع اور تمام نقائص سے مبرا و منزہ ہے اور سورۂ توحید جو خدا کی نسبت کو بیان کرتا ہے وہ (ہمارے شیخ "بزرگوار[۵]" کے حسب فرمائش) ہویتِ مطلقہ ہے جس کی طرف فطرت متوجہ ہوا کرتی ہے اور سورۂ توحید کے شروع میں کلمہ "ہو" کہ جو صفت پر دلیل کی طرف اشارہ ہے جو "ہو" کے بعد مذکور ہے۔ چونکہ ذاتِ پروردگار ہویت مطلقہ ہے اور ہویتِ مطلقہ کو کامل مطلق ہونا چاہیئے ورنہ پھر ہویت محدود ہو جائیں گی اور "جب کامل مطلق ہے تو" مستجمع جمیع کمالات (بھی) ہے۔ پس (لفظِ ہو) کے بعد لفظ "اللہ" ہے اور خدا جامع جمیع کمالات ہونے کے ساتھ بسط (بھی) ہے ورنہ ھویت مطلقہ نہ ہوگی۔ اس کے بعد "احد" ہے اور احدیت کا لازمہ واحدیت ہے اور چونکہ ہویت مطلقہ جامع جمیع کمالات ہے (اس لئے) تمام نقائص سے مبرا ہوگی کیونکہ تمام نقائص کی بازگشت ماہیت کی طرف ہوا کرتی ہے۔

اس کے بعد ذات خدا "صمد" ہے۔ درمیان خالی نہیں ہے اور چونکہ ہویت مطلقہ ہے اس لئے کوئی نہ اس سے پیدا و منفصل ہو سکتا ہے اور نہ وہ کسی سے متولد و منفصل ہو سکتا ہے بلکہ وہ تمام چیزوں کا مبداء اور تمام اشیاء موجودات کا مرجع ہے۔ مگر (یہاں) انفصال نام کی کوئی چیز نہیں ہے جو مستلزم نقص ہو۔ نیز ہویت مطلقہ کا کوئی کفو بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کمالِ صرف میں تکرار کا تصور نہیں ہو سکتا۔ پس سورۂ مبارکہ توحیدِ فطرت کے احکام سے ہے اور اس میں خدا کی نسبت ہے۔

تیسرا مقام

معاد فطریات سے ہے

معاد کا وجود بھی ان فطریات میں ہے جو انسانی خمیر میں شامل ہے اور یہ بھی پہلے دو مقامات کی طرح مختلف طریقوں اور متعدد فطرتوں سے ثابت ہے مگر ہم یہاں پر صرف بعض کی طرف اشارہ کریں گے۔

الہٰی فطرتوں میں سے تمام افرادِ بشر کو جن پر پیدا کیا گیا ہے ان میں سے ایک راحت و آرام سے عشق کی فطرت ہے۔ کہ اگر آپ تمام متمدن و توحش، تدین و بیدینی کے ادوار کا

مطالعہ کریں گے اور تمام افرادِ عالم کی طرف مراجعہ کریں گے خواہ وہ عالم ہوں یا جاہل، شریف ہوں یا کمینے، جنگلی ہوں یا شہری اور سوال کریں گے کہ یہ مختلف تعلقات کیسے ہیں، یہ مختلف خواہشیں کیسی ہیں، زندگی کے اندر یہ زحمتیں یہ مشقتیں کیوں لوگ برداشت کرتے ہیں تو سب ہی متفق ہو کر بیک زبانِ فطری صریحی طور سے جواب دیں گے کہ ہم لوگ یہ سب اپنی راحت کے لئے کرتے ہیں؛ ہمارا آخری مقصد، انتہائی آرزو مطلق راحت و استراحت، بے شائبہ زحمت و مشقت ہے اور چونکہ ہر شخص چاہتا ہے ایسی راحت ملے جو مخلوط بہ زحمت نہ ہو اور ایسی استراحت سے جو مخلوق بہ رنج وعذاب نہ ہو۔ اسی گمشدہ معشوق کو ہر شخص کسی چیز میں گمان کرتا ہے اسی لئے جس کے بارے میں گمان کرتا ہے وہی اس کا محبوب ہے اور اسی سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ تمام عالم مُلک اور پوری دنیا میں ایسی راحتِ مطلقہ نہیں پائی جاتی اور نہ ہی ایسی غیر مخلوط استراحت ممکن ہے۔ اس دنیا کی تمام نعمتیں زحمتوں سے بھرپور اور روح فرسا رنج سے معمور ہیں۔ دنیا کی تمام لذتیں کمر شکن آلام (و مصائب) سے گھری ہیں، درد و رنج (و غم) تعب و حزن و اندوہ (و ہم) اس پورے عالم کو اپنے لپیٹ میں لئے ہیں۔ انسانی زندگی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا رنج اس کی راحت کے برابر ہو۔ اس کی نعمت و تعب و نقمت کے مساوی ہو، چہ جائیکہ خالص راحت اور مطلق استراحت!

پس ثابت ہوا کہ بنی نوع انسان کا معشوق اس دُنیا میں موجود نہیں ہے۔ (اسی طرح) عشقِ فطری جبلّی فعلی بھی تمام سلسلۂ بشر میں بغیر معشوقِ فعلی موجود ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا (اس) دارِ تحقق اور عالمِ وجود میں ایک ایسا عالم ہونا چاہیئے جس کی راحت میں رنج و تعب شامل نہ ہو، اس میں استراحتِ مطلق بغیر کسی درد و زحمت کے ہو۔ اس کی خوشی خالص ہو، حزن و اندوہ کا شائبہ بھی اس میں نہ ہو اور وہ دارِ نعیمِ حق و عالمِ کرامتِ ذاتِ مقدس ہے۔

اس عالم کو آزادِ فطرت اور نفوذِ ارادہ سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی ہر فطرتِ بشر میں پائی جاتی ہیں۔ چونکہ اس عالم کے مواد، اس دُنیا کے اوضاع اور اس کی زحمتیں اور اس کی تنگی انسانی حریت اور اس کے نفوذِ ارادہ کو برداشت نہیں کر سکتیں اس لئے دارِ وجود میں ایک ایسے عالم کا وجود ضروری ہے جہاں (حریت ہو) ارادہ کا نفوذ ہو اور اس عالم کے مواد نفوذِ ارادہ سے سرکشی نہ کر سکتے ہوں اور انسان اس عالم میں فعالِ مایشاء اور حاکمِ مایرید ہو اور حسبِ اقتضائے فطرت ہو۔

پس عشق براحت اور عشق بہ حریت یہ دو ایسے بازو ہیں جو نہ بدلنے والی فطرۃ اللہ کے مطابق انسان کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان ملکوتِ اعلیٰ اور عالمِ قربِ الہٰی تک کی پرواز کرتا ہے۔

یہاں پر کچھ دیگر مطالب بھی ہیں (مگر وہ) اس کتاب سے مناسبت نہیں رکھتے اور نبوتوں کے اثبات، بعثتِ رسل، ارسال کتب قسم کے معارفِ حقّہ کے اثبات کے لئے دوسری فطرتیں بھی ہیں۔ بلکہ ان تمام فطرتوں سے جن کا ذکر گزر چکا تمام معارف کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اتنے ہی پر اکتفاء کرتے ہیں تاکہ اس سے زیادہ ذکر کرنے پر اپنے مقصود سے خارج نہ ہوجائیں۔ اور حدیث شریف کی نامناسب شرح نہ ہوجائے۔

یہاں تک (کی تحریر) سے معلوم ہوگیا کہ علم مبداء و کمالات، اس کی وحدانیت، یومِ معاد کا علم اور عالمِ آخرت کا علم (یہ سب) فطریات سے ہے۔ والحمد للہ

گیارہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۱۲ "کتاب ایمان و کفر" باب فطرت خلق بر توحید، حدیث ۲۔

۲۔ پس تم باطل سے کترا کر اپنا رُخ دین (اسلام) کی طرف کئے رہو۔ یہی خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی آفرینش میں کوئی تبدیلی نہیں ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ سورۂ روم/۳۰۔

۳۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۱۲-۱۳ "کتاب ایمان و کفر" باب فطرۃ الخلق علی التوحید، حدیث ۱-۵، التوحید ص ۳۲۸-۳۳۱، باب ۵۳، احادیث ۱-۲-۴-۸ تفسیر برہان جلد ۳ ص ۲۶۱-۲۶۳، ذیل آیہ ۳۰ سورۂ روم۔

۴۔ «عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ (ع) قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: «فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا» مَا تِلْكَ الْفِطْرَةُ؟ قَالَ هِيَ الْإِسْلَامُ. فَطَرَهُمُ اللهُ حِينَ أَخَذَ مِيثَاقَهُمْ عَلَى التَّوْحِيدِ قَالَ «أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ» وَفِيهِ الْمُؤْمِنُ وَالْكَافِرُ» عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے فطرت اللہ التی الخ کے بارے میں پوچھا اس سے کون سی فطرت مُراد ہے؟ امامؑ نے فرمایا: اس سے اسلام مُراد ہے خداوندِ عالم نے جب توحید پر ان سے عہد و پیمان لیا اور کہا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ حالانکہ اس میں مومن و کافر سب ہی موجود تھے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۲ "کتاب ایمان و کفر" باب فطرت خلق بر توحید حدیث ۲۔

۵ «عَنْ زُرَارَةَ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (ع) قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: «حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ.» قَالَ الْحَنِيفِيَّةُ مِنَ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللهُ النَّاسَ عَلَيْهَا؛ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ قَالَ فَطَرَهُمْ عَلَى الْمَعْرِفَةِ بِهِ،... وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ (ص) كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ. يَعْنِي الْمَعْرِفَةَ بِأَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ خَالِقُهُ. كَذٰلِكَ قَوْلُهُ: «وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللهُ.» زرارہ نے امام محمد باقرؑ سے

روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے امام باقرؑ سے حنفاء للہ غیر مشرکین بہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اسلام اسی فطرت پر ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس کی آفرینش میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ (معصومؑ) نے فرمایا معرفتِ خدا پر لوگوں کو پیدا کیا... اور فرمایا: رسولِ خدا کا ارشاد ہے: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی اس معرفت پر کہ اس کا خالق خدا ہے۔ اسی طرح خدا کا قول ہے: اگر تم ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ (فوراً) کہہ دیں گے خدا نے پیدا کیا ہے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۲-۱۳ (کتاب ایمان وکفر) (باب فطرت خلق بر توحید) حدیث ۴۔

۶۔ «وقالَ (ص): كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلى فِطْرَةٍ حَتّى يَكُونَ أَبَواهُ يُهَوِّدانِهِ وَ يُنَصِّرانِهِ وَيُمَجِّسانِهِ» ہر بچہ فطرتِ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ عوالی اللئالی جلد ۱ ص ۳۵، فصل چہارم، حدیث ۱۸۔

۷۔ حدیث ۱۔ توضیح ۵۱۔

۸۔ رشحات البحار، ص ۲۸-۳۱۔ «کتاب انسان وفطرت»

۹۔ یہ حافظ کا شعر ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے:

شہریست پر کرشمہ و حوراں زشش جہت   چیزیم نیست ورنہ خریدار ہر ششم

۱۰۔ یہ سعدی کا شعر ہے۔ پورا اس طرح ہے۔

ہرگز وجود حاضر وغائب شنیدہ ای   من درمیان جمع ودلم جائے دیگراست

۱۱۔ میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف کر لیا ہے۔ جس نے بہت سے آسمان اور زمین پیدا کی ہے۔ سورۂ انعام/۸۰۔

۱۲۔ خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ سورۂ نور، ۳۵۔

۱۳۔ اگر تم کو رسی میں باندھ کر زمین کی گہرائی میں پہونچا دیا جائے تو تم خدا ہی تک پہونچو گے۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۵۴، مقصدِ اول، باب ۲، فصل ۵۔

۱۴۔ کیا زمین و آسمانوں کے پیدا کرنے والے خدا کے بارے میں شک ہے؟ (سورۂ ابراہیمؑ/۱۰)

۱۵۔ اس سے مراد مرحوم شاہ آبادی ہیں۔ حدیث ۱۔ توضیح ۵۱۔

بارہویں حدیث

«بِسَنَدِي الْمُتَّصِلِ إِلى مُحَمَّد بن يعقوب، رِضْوانُ اللهِ عَلَيْهِ، عَنْ عَليِّ بن إبراهيم، عَنْ أَبيهِ، عَنِ النَّوْفَلِي، عَنِ السَّكُوني، عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ كانَ أَمِيرُ الْمُؤمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلامُ يَقُولُ: نَبِّهْ بِالتَفَكُّرِ قَلْبَكَ؛ وَجافِ عَنِ اللَّيْلِ جَنْبَكَ؛ وَاتَّقِ اللهَ رَبَّكَ.»[1]

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے: اپنے دل کو تفکر کے ذریعہ آگاہ کرو، اپنے پہلو کو رات سے، یعنی رات کو بستر سے دور کرو، اپنے خدا سے ڈرو!

شرح: (کان یقول) کا مفہوم (قال) اور (یقول) کے علاوہ ہے۔ کان یقول سے استمرار و دوام سمجھ میں آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے حضرت علیؑ مکرر یہ فرمایا کرتے تھے۔

(تنبیہ) کا مطلب غفلت سے آگاہ کرنا اور خواب سے بیدار کرنا ہے۔ اس حدیث میں دونوں معنی مناسب ہیں۔ اس لئے کہ دل تفکر سے پہلے غفلت سے بھرے اور خواب میں ہوتے ہیں لیکن تفکر کے ذریعے غفلت سے ہوشیار اور خواب سے بیدار ہو جاتے ہیں اور خواب و بیداری (اسی طرح) غفلت و ہوشیاری، ملک بدن اور ملکوت نفس (بھی) باہم مختلف ہوتے ہیں۔ بلسا

اوقات چشمِ ظاہر بیدار اور جنبۂ ملک ہوشیار ہوتا ہے اور چشمِ بصیرت وباطن، خوابِ گران میں اور جنبۂ ملکوت نفس غفلت و بے ہوشی میں ہوتا ہے۔

تفکر: کے معنیٰ فکر کو کام میں لانا ہے۔ یعنی امورِ معلومہ کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ امر مجہول معلوم ہو جائے اور یہ تفکر عام ہے مقامات سالکین کو بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ خواجۂ انصاری [۲] نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

«إِعْلَمْ أَنَّ التَّفَكُّرَ تَلَمُّسُ الْبَصِيرَةِ لِاِسْتِدْرَاكِ الْبُغْيَةِ.»[۳]

"بصیرتِ قلب اور چشمِ ملکوت کا اپنے مطلوب کے ادراک کے لئے جستجو کرنا" اور (سب ہی کو) معلوم ہے کہ مطلوباتِ قلوب معارف ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے اس حدیث میں بھی "تفکر" سے مراد ایک خاص معنیٰ ہیں جو دلوں اور ان کی زندگی کی طرف راجع ہیں۔

(قلب) اس کے اطلاقات اور اصطلاحات بیشمار ہیں (مثلاً) اطباء اور عام لوگوں کے نزدیک اس کا اطلاق گوشت کے اس ٹکڑے پر ہوتا ہے جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے اور جس کے قبض و بسط سے شریانوں (رگوں) میں خون دوڑتا ہے اور اس کے اندر روحِ حیوانی ایک بخارِ لطیف پیدا کرتا ہے۔ حکما کے نزدیک نفس کے بعض مقامات پر بولا جاتا ہے۔ اصحابِ عرفان اس کے لئے مراتب و مقامات کے قائل ہیں۔ ان کی اصطلاحات میں غور کرنا (ہمارے) وظیفہ سے خارج ہے۔ قرآن واحادیث میں مختلف مقامات پر ان متداول معانی میں استعمال ہوا ہے جو عوام وخواص کے درمیان رائج ہیں۔ چنانچہ: «إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ»[۴] "میں اطباء والے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ « لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا.» [۵] "میں حکما کے یہاں جو معنیٰ مشہور ہیں اس میں استعمال ہوا ہے۔ " إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ[۶] میں اصطلاح عرفا کے لحاظ سے استعمال ہوا ہے اور حدیث میں (تفکر) کی مناسبت سے وہ معنیٰ مقصود ہے جو حکما کے درمیان متداول ہے۔ لیکن (قلب) عرفاء کی اصطلاح کے اعتبار سے (تفکر) کے معنیٰ سے مناسبت نہیں رکھتا۔ خصوصاً بعض مراتب کے اعتبار سے تو بالکل ہی نامناسب ہے جیسا کہ اہلِ اصطلاح جانتے ہیں۔

قولِ معصوم: «قَوْلُهُ: جَافِ عَنِ اللَّيْلِ جَنْبَكَ.» (جَفَا) کے معنیٰ بُعد کے ہیں اور «وَجَافَاهُ عَنْهُ، فَتَجَافَا جَنْبُهُ عَنِ الْفِرَاشِ» کے معنیٰ اُچٹ جانے کے ہیں۔ جیسا کہ صحاح (جوہری) میں ہے اور "مجافاۃ" کے معنیٰ رات کی طرف نسبت دینے کے ہیں اور اس حدیث میں

مجاز در اسناد ہے اور یا پھر رات کو ادعائاً بستر قرار دیا ہے اور یا پھر حقیقت در کلمہ اور اسناد ہے اور فرق صرف ارادۂ جدّی و استعمالی میں ہے جیسا کہ (خود) مطلق مجازات میں (علما نے) احتمال دیا ہے۔ شیخ فقیہ و اصولی، ادیب متبحر، آقا شیخ محمد رضا اصفہانی نے (حلیۃ الحال) میں اس میں کافی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔[۸]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ رات کو عبادت کے لئے بستر سے اٹھنے کے لئے کنایہ ہے۔

اس کے بعد انشاء اللہ تقویٰ اور اس کے مراتب کا بیان ہوگا اور ہم انشاء اللہ چند فصلوں کے ضمن میں اس حدیث شریف کے مناسبات کا ذکر کریں گے۔

پہلی فصل

فضیلتِ تفکر کا بیان

(یہ) جان لو کہ تفکر کی بہت فضیلت ہے۔ تفکر ابواب معارف کی کنجی ہے۔ کمالات و علوم کے خزانوں کی کلید ہے۔ سلوک انسانیت کا حتمی و لازمی مقدمہ ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں اس کی تعظیم بلیغ اور تمجید کامل کی گئی ہے۔ غور و فکر نہ کرنے والوں کی تکذیب اور ان پر طعنہ زنی کی گئی ہے۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ کا قول منقول ہے:

«أَفْضَلُ الْعِبادَةِ إِدْمانُ التَّفَكُّرِ فِي اللّٰهِ وَفِي قُدْرَتِهِ.»[۹]

اس کے بعد اس حدیث کا ذکر آیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ایک ساعت کے تفکر کو ایک شب کی عبادت سے بہتر کہا گیا ہے۔[۱۰] حدیث نبویؐ میں ہے ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔[۱۱] اور ایک دوسری حدیث میں ساٹھ سال سے بہتر بتایا گیا ہے۔[۱۲] ایک اور میں ۷۰ سال کی عبادت سے بہتر کہا گیا ہے۔[۱۳] بعض علمائے فقہ و حدیث نے ہزار سال کی حدیث بھی نقل کی ہے۔ بہر صورت تفکر کے مراتب و درجات ہیں اور ہر مرتبہ کے لئے نتیجہ یا نتائج ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

۱۔ اول خدا، اس کے اسماء و صفات و کمالات کے بارے میں غور و فکر!

اس سے وجودِ حق و انواع تجلیات اور اعیان و مظاہر کا علم ہوتا ہے۔ فکر کا

سب سے افضل اور علوم کا سب سے اعلیٰ مرتبہ اور برہان کا سب سے مضبوط درجہ ہے۔ کیونکہ ذاتِ علت میں غور کرنے اور اس کے مطلق علم و مسببات و معلولات کے سبب میں تفکر کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ قلوبِ صدیقین کا نقشۂ تجلیات ہے اسی لئے اس کو " برہانِ صدیقین " کہا جاتا ہے۔ کیونکہ صدیقین مشاہدہ ذات سے اسماء و صفات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسماء کے آئینہ میں اعیان و مظاہر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور برہان کی اس قسم کو " برہانِ صدیقین " کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی صدیق اپنے مشاہدات کو بصورت برہان لانا چاہیئے اور اپنے ذوق و شہود میں جو پایا ہے اس کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا چاہے تو اسی طرح ہوگا یہ مطلب (ہرگز) نہیں ہے کہ جو بھی اس برہان سے ذات اور اس کی تجلیات کا علم حاصل کرلے وہ صدیقین میں سے ہے۔ یا یہ کہ صدیقین کے معارف از قسم براہین ہیں۔ (ہاں اگر براہین کو فرض بھی کیا جائے تو وہ) مخصوص قسم کے براہین ہیں۔ افسوس ان کے علوم از قسم تفکر نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کے مشاہدات کو برہان و مقدمات برہان سے کوئی مشابہت ہے۔ جب تک قلب برہان کے حجاب میں رہتا ہے اور اس کا قدم قدم تفکر ہوتا ہے۔ (اس وقت تک تو وہ) صدیقین کے اول درجہ تک نہیں پہونچا ہوتا۔ مگر جب وہ علم و برہان کے گاڑھے و گہرے حجاب سے نکل آتا ہے اور تفکر سے کوئی سروکار نہیں رہتا اور کسی برہان کے واسطے کے بغیر بلکہ کسی موجود کے واسطے کے بغیر انجام کار اور انتہائے سلوک میں جمیلِ مطلق کے جمال کا مشاہدہ کرنے لگے اور دائمی و سرمدی لذت تک پہونچ جائے اور دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرلے، اور قبۂ کبریائی کے نیچے فنائے کلی کے ساتھ باقی رہ جائے اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ جائے، وہ مجہولِ مطلق ہو جائے یہ مگر یہ کہ حق کا لطف و کرم اس کے شاملِ حال ہو جائے اور (خدا) اس کو اس کے مملکت اور ممالک وجود میں وجودِ ذات کی وسعت کی مقدار کے اعتبار سے ثابت کردے اور اس رجوع میں جلال و جمال کے سبحات اس کے لئے ظاہر ہو جائیں اور وہ آئینہ ذات میں اسماء و صفات کا مشاہدہ کرنے لگے اور مظاہر کی کیفیت سلوک اور رجوع بہ ظاہر کا اس کے دل پر کشف ہونے لگے " تب وہ لباس نبوت سے نوازا جاتا ہے اور اسی جگہ انبیا و رسولوں کے درجات کا تفاوت ظاہر ہو جاتا ہے اور دائرۂ رسالت کی وسعت و تنگی اور مبعوث منہ اور مبعوث الیہ کی حقیقت ان کے لئے اس مقام منکشف ہو جاتی ہے۔

اس مقام پر مزید تفصیل اس کتاب کے مناسب نہیں ہے اس لئے اس کے بعد

برہانِ صدیقین سے بھی صرفِ نظر کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کے مقدمات ہیں جن کی شرح کرنے سے کتاب کو طول ہو جائے گا۔

تتمیم

خدا کے بارے میں جائز و ناجائز تفکر

یہ (بات) سمجھ لیجئے کہ ہم نے جو کہا ہے: ذات و اسماء و صفات کے بارے میں تفکر ممکن ہے۔ (حالانکہ) جاہل گمان کرتا ہے کہ حسبِ روایات ذات میں (تو) تفکر ممنوع ہے۔ (پھر کیسے کہہ دیا کہ ممکن ہے؟) "دراصل" وہ یہ نہیں جانتا کہ جو تفکر ممنوع ہے وہ کنہ ذات اور اس کی کیفیت کے بارے میں ہے جیسا کہ روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور کبھی تو (ائمہ نے) نااہل کو بھی بعض معارف میں غور و فکر سے روک دیا ہے کیونکہ اس کے مقدمات بہت دقیق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حکما بھی ان دونوں مقامات پر موافق ہیں۔ کنہ ذات کے بارے میں استحالہ (تو) اُن کی کتابوں میں (دلائل و) براہین سے ثابت ہے۔[۱۴] اور اس میں غور و فکر سب ہی کے نزدیک مسلم ہے۔ لیکن ان علوم میں دخول کے شرائط اور نااہل کو تعلیم سے ممانعت یہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے اور اس کی وصیت ان کی کتابوں کے اوائل یا اواخر میں تحریر ہے۔ جیسا کہ اسلام کے دو بزرگ فلسفی اور دو امامِ فن جناب شیخ ابو علی سینا[۱۵] اور صدر المتألہین[۱۶] نے اشارات[۱۷] کے آخر اور اسفار[۱۸] کے شروع میں اس سلسلہ میں وصیت بلیغ فرمائی ہے۔ وہاں پر مراجعہ فرمائیے۔

لیکن اثبات وجود باری و (اثبات) توحید و تقدیس و تنزیہ باری تعالیٰ کے لئے ذاتِ الٰہی میں غور و فکر کرنا (یہ تو) ارسال انبیا کا مقصد اور عرفا کی اُمیدوں کا مرکز تھا۔ قرآن مجید اور احادیث بھری پڑی ہیں کہ ذات و کمالات و اسماء و صفاتِ ذاتِ مقدس کا علم حاصل کیا جائے اور ملحدین اسماء کی تو خدا بھی مذمت کرتا ہے۔ حکما کی کتابیں ہوں یا متکلمین کی کسی نے بھی اثبات ذات و اسماء و صفات کے بارے میں غور کرنے کے لئے اس قدر نہیں کہا جتنا قرآنِ مجید اور حدیثوں کی معتبر کتابوں، مثلاً اصولِ کافی، توحید شیخ صدوقؒ (وغیرہ) نے کہا ہے۔ انبیاء کے منقولات اور حکما کی کتابوں میں صرف اصطلاحات اور اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ جیسے کہ فقہ اور ان احادیث کے

اندر جو مسائل فقہ کو بیان کرتی ہیں صرف اصطلاحات اور اجمال و تفصیل کا فرق ہے اصل معنیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لیکن مصیبت یہ ہے کہ آخری دور میں کچھ جاہل پیدا ہوگئے ہیں جو نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں، کتاب و سنت سے جاہل ہیں، صرف اپنی بازار کو چمکانے کے لئے اپنی جہالت کی بنا پر مبدا و معاد کے علم کو باطل قرار دیتے ہیں، معارف (الٰہی) میں غور و فکر جو انبیا و اولیا کا انتہائی مقصد ہے اور کتاب و سنت اس سے بھری پڑی ہے اس کو حرام سمجھتے ہیں اور اہلِ معرفت پر ہر قسم کی تہمت اور ان کو نامزا کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتے، بندگانِ الٰہی کے دلوں کو مبداء و معاد سے موڑ کر مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کر دیا اور اگر ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ یہ سب لوگوں کو کافر قرار دینے اور فاسق قرار دینے سے کیا فائدہ! تو وہ لوگ «لاَ تَتَفَكَّرُوا فِي ذَاتِ اللّٰهِ.»[19] والی حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ بے چارے دو جہت سے اشتباہ و جہالت میں مبتلا ہیں۔

۱- ایک یہ ہے کہ ان کو گمان ہے کہ حکما کنہ ذات میں غور و فکر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ کنہ ذات میں تفکر کو محال (و ناجائز) جانتے ہیں اور یہ چیز حکما کے یہاں دلیل و برہان سے ثابت ہے۔

۲- دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب نہ سمجھ کر یہ گمان کر لیا کہ ذاتِ مقدس کے بارے میں مطلقاً کوئی گفتگو و غور و فکر نہ کی جائے۔

میں اب چند روایتوں کو ذکر کر کے، نظر قاصر کے مطابق اس میں جمع کروں گا اور حکم کو انصاف بناؤں گا اگرچہ یہ بات شرح حدیث اور ہماری قرار داد سے قدرے خارج ہے لیکن ابطال باطل اور رفعِ شبہہ کے لئے یہ ضروری ہے:

«كَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ، قَالَ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ: تَكَلَّمُوا فِي خَلْقِ اللّٰهِ وَلاَ تَتَكَلَّمُوا فِي اللّٰهِ، فَإِنَّ الْكَلاَمَ فِي اللّٰهِ لاَ يَزْدَادُ صَاحِبَهُ إِلاَّ تَحَيُّراً.»[20]

(کافی میں ابو بصیر کے اسناد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: امام محمد باقرؑ نے فرمایا: مخلوقات خدا کے بارے میں کلام کرو۔ لیکن خدا کے بارے میں کلام نہ کرو کیونکہ خدا کے بارے میں کلام کرنے والے کو اور متحیر کر دیتا ہے۔")

اس حدیث کی دلالت خود ہی اس بات پر ہوتی ہے کہ تکلم سے مُراد کنہ ذات

اور اس کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کرنا ہے۔ کیونکہ جو علت بیان کی گئی ہے اسی سے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ اثبات ذات و کمالات، توحید و تنزیہ سے بحث کرنا تحیر کا سبب نہیں ہوا کرتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے ہو جن کے لئے ان مقامات میں بحث کرنا سبب تحیر ہوتا ہو۔ مرحوم علامہ مجلسیؒ [21] نے بھی ان دونوں احتمالوں کا ذکر کیا ہے مگر جو تقریب استدلال ہم نے ذکر کی ہے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ [22]

«وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرىٰ عَنْ حَرِيزٍ: تَكَلَّمُوا فِي كُلِّ شَيْءٍ، وَلَا تَتَكَلَّمُوا فِي ذَاتِ اللّٰهِ» [23] دوسری روایت جو حریز سے مروی ہے اس میں ہے: "ہر چیز کے بارے میں کلام کرنا (مگر) ذاتِ خدا کے بارے میں کلام نہ کرنا" اسی مضمون کی اور اس سے ملتی جلتی دیگر روایات بھی آئی ہیں، لیکن سب کا ذکر کرنا ضروری تو نہیں ہے۔

کافی میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے:

«وَفِي الْكَافِي عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ إِيَّاكُمْ وَالتَّفَكُّرَ فِي اللّٰهِ؛ وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَى عَظَمَتِهِ، فَانْظُرُوا إِلَى عَظِيمِ خَلْقِهِ.» [24]

"خبردار خدا کے بارے میں غور و فکر نہ کرنا۔ لیکن اگر تم اس کی عظیم عظمت کو دیکھنا چاہو تو اس کی عظیم مخلوق کے بارے میں نظر (و فکر) کرو" اس حدیث کا بھی ظاہر یہی ہے کہ کنہ ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ کیونکہ حدیث کے ذیل میں ہے اگر تم عظمتِ حق میں (نظر و فکر) کرنا چاہو تو عظمت مخلوق سے عظمت خالق پر استدلال کرو اور یہ بطورِ مثال ہے اور نوع مردم کے لئے ہے جن کی معرفت کا طریقہ یہی ہے کہ مخلوق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری حدیثیں جو اسی مطلب کے قریب ہیں اور تکلم و تفکر کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں ان کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ بالذات ہمارے مطلوب پر دلالت نہیں کرتیں۔ کافی کی ایک حدیث جو باب تفکر کے سلسلہ میں آئی ہے وہ ہمارے مقصد کو اچھی طرح واضح کرتی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ إِدْمَانُ التَّفَكُّرِ فِي اللّٰهِ وَفِي قُدْرَتِهِ.» [25]

"سب سے افضل عبادت خدا اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرتے رہنا ہے۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفکر در حق اور اثباتِ ذات اور قدرت و سایر اسماء و صفات میں تفکر نہ صرف یہ کہ منع نہیں ہے بلکہ تمام عبادتوں میں افضل ہے۔

نہیں رکھتے اور اس قسم کے مباحث میں داخل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کو روکا گیا ہے اور خود روایات میں اس جمع پر دلالت موجود ہے۔ لیکن جو لوگ اہل ہیں ان کے لئے راجح بلکہ ان مباحث میں داخل ہونا افضل ترین عبادت ہے۔

بہر حال ہم اپنے مقصد سے خارج ہو گئے۔ لیکن اس فاسد مطلب اور ناحق وغیر پسندیدہ تہمت کا ذکر کئے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ کیوں کہ یہ چیزیں آخری زمانہ میں زبانوں پر آنے لگی ہیں اور (میرے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ) شاید کسی کا دل اس سے متاثر ہو جائے۔ اگر ایک شخص بھی اس کو قبول کرلے تو میرے لئے کافی ہے۔

«وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَإِلَيْهِ الْمُشْتَكىٰ.»[30]

دوسری فصل

مصنوعات میں تفکر

تفکر کے درجات میں سے ایک خدا کی لطیف صفتوں کے بارے میں اس مضبوطی کے بارے میں، مخلوقات کے دقائق کے بارے میں اتنا غور و فکر کرنا جس قدر بشری طاقت کے بس میں ہے۔ اس کا نتیجہ صانع حکیم اور مبداء کامل کے علم (کی صورت میں ظاہر) ہوتا ہے۔ یہ طریقہ صدیقین کے برہان کے برعکس ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں پر مبداء برہان حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس کے علم سے تجلیات و مظاہر و آیات کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہاں پر مبداء برہان مخلوقات ہوتی ہیں۔ ان کے واسطہ سے مبداء و صانع کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ برہان عوام کے لئے ہے۔ ان کو برہان صدیقین سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے بہت سے لوگ اس کا انکار کردیں کہ خدا کے سلسلہ میں براہِ راست خدا کا علم ہو سکتا ہے اور علم بہ خدا سبب ہوتا ہے کہ اس سے مخلوقات کا علم حاصل ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی دقیق و لطیف صفتوں کے بارے میں تفکر اور نظام تخلیق کی مضبوطی (کے بارے میں سوچنا) نفع بخش علوم اور اعمال قلبی کے فضائل (میں ہونے کے ساتھ) تمام عبادتوں سے افضل ہے کیونکہ اس کا نتیجہ اشرف نتائج ہے۔ اگرچہ تمام عبادتوں کا اصلی راز

کافی میں وارد ہوا ہے کہ حضرت امام زین العابدین ؑ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرتؑ نے فرمایا:

«سُئِلَ عليُّ بن الحسين، عَلَيهما السّلام، عَنِ التّوحيد، فَقالَ إنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلِمَ أنَّهُ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمانِ أقْوامٌ مُتَعَمِّقُونَ، فَأنْزَلَ اللّٰهُ تَعالى»

"خداوند عالم جانتا تھا کہ آخری زمانے میں ایک عمیق نظر رکھنے والے لوگ ہوں گے" اس لئے اس نے «قُلْ هُوَ اللّٰهُ أحَدٌ» اور سورۂ الحدید کی آیات «وَهوَ عَلِيمٌ بِذاتِ الصُّدُورِ» «فَمَنْ رامَ وَراءَ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ.» [۲۶] نازل کیں۔ اب جو اس کے ماوراء کا خواہش مند ہے وہ ہلاک ہوا"۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ یہ آیاتِ شریفہ جو توحید و تنزیہ حق و لبعث و رجوع موجودات الی اللہ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں وہ گہری نظر رکھنے والوں اور دقیق فکر والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے بارے میں غور و فکر حرام ہے؟ کیا کوئی عارف یا حکیم ان معارف سے زیادہ جو سورۂ حدید کے اول میں بیان کئے گئے ہیں لا سکا ہے؟ ان کے معرفت کی انتہا یہ ہے کہ: «سَبَّحَ لِلّٰهِ ما فِي السَّمٰواتِ وَالأرْضِ» [۲۷] تک پہونچا سکیں۔ کیا «هُوَ الأوَّلُ وَالآخِرُ وَالظّاهِرُ وَالْباطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيمٌ.» [۲۸] سے بہتر خدا کی صفت اور اس کی ذات کے جلوؤں کو بیان کیا جا سکتا ہے؟

دوست کے مقدس جان کی قسم! اگر اس آیت کے علاوہ حقیقتِ قرآن پر کوئی اور آیت نہ بھی ہوتی جب بھی اہلِ دل کے لئے یہی کافی تھی۔ آپ ذرا قرآن مجید، رسولِ اکرم اور ان کے معصوم سلام اللہ علیہم خلفا کے خطبوں، آثار و اخبار کو ملاحظہ فرمائیے۔ معارف کے جس قسم کا تصور ہو سکتا ہے۔ ہر موضوع پر ان کے ایسے بیانات موجود ہیں کہ کوئی حکیم و عارف اس سے بہتر بیان نہیں کر سکتا۔ ان حضرات کے کلماتِ توصیفِ حق اور ذات و صفاتِ خدا پر استدلالات سے بھرے ہیں اور اتنا کہ ہر گروہ اپنے فہم کے اعتبار سے ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔

پس ان روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ ذاتِ باری کے سلسلہ میں صرف ایک تفکر ممنوع ہے یعنی کنہ ذات اور اس کی کیفیت میں تفکر کرنا جیسا کہ کافی کی حدیث میں ہے: «مَنْ نَظَرَ فِي اللّٰهِ كَيْفَ هُوَ هَلَكَ» [۲۹] یا پھر دونوں قسموں، جو حدیثیں غور و فکر سے روکتی ہیں اور اجازت دیتی ہیں۔ میں اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کے دل برہان سننے کی طاقت

اور اصلی نتیجہ معارف کا حصول ہے لیکن رازوں کا کشف کرنا اور اس کا نتیجہ ہم کو حاصل نہیں ہو سکتا (بلکہ) اس کے کچھ اہل ہیں کہ ہر عبادت ان کے لئے مشاہدہ یا مشاہدات کی بیج بن جاتی ہے بہرحال لطیف صنعت اور اسرار خلقت در حقیقت ابھی تک کسی کے لئے میسر نہیں ہوا۔ اس کی بنیاد اتنی مضبوط اور محکم ہے اور اس کا نظام اتنا خوبصورت اور از روئے اسلوب اتنا مکمل ہے کہ ہر موجود کے اندر چاہے وہ کتنا ہی حقیر معلوم ہوتا ہو۔ اگر بشر اپنے ان (تمام) علمی کمالات کے ساتھ جو اس نے صدیوں میں حاصل کئے ہیں (بڑی) دقّت (نظر سے دیکھے) تب بھی اس کے ہزار حصوں میں سے ایک حصّہ پر اطلاع نہیں حاصل کر سکتا۔ چہ جائیکہ اس پورے خوبصورت نظامِ کلّی کو اپنے زیرِ فکر و نظر کرے اور اپنے ناقص و جزئی افکار سے ان (حقائق) کے لطائف و دقائق کو سمجھ لے۔

میں اس وقت آپ حضرات کی توجہ تخلیق کے بعض اُن دقائق کی طرف موڑنا چاہتا ہوں۔ جو نسبتاً عقلوں سے نزدیک اور محسوسات میں شمار ہوتی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل آپ خود حاصل کرلیں۔

میرے عزیز آفتاب اور زمین کے درمیان جو معیّن مسافت ہے اور زمین کی جو مخصوص حرکت اپنے گرد اور سورج کے گرد ہے اس نسبت کو دیکھو اور اس میں غور کرو کہ مدارِ معیّن پر زمین کی گردش سے جو شب و روز اور فصلیں حاصل ہوتی ہیں وہ کتنی مضبوط صنعت اور کتنی مکمل حکمت پر (مشتمل) ہے۔ اگر یہ اس ترتیب سے نہ ہوتی یعنی سورج نزدیک ہوتا یا دور ہوتا تو پہلی صورت میں (شدّتِ) حرارت سے اور دوسری صورت میں (شدّت) برودت سے زمین کے اندر نہ معدنیات پیدا ہوتے اور نہ زمین پر نبات و حیوان کی زندگی ممکن ہوتی اور اگر اسی نسبت سے زمین ساکن ہوتی تو نہ فصول ہوتے نہ دن رات اور زمین کا تمام حصّہ یا زیادہ حصّہ قابلِ تکوین نہ ہوتا۔

اور اسی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ اوج (زمین کی سورج سے سب سے زیادہ دوری) شمال کی طرف واقع ہے تاکہ حرارت زیادہ نہ ہو جائے اور مخلوقات کو نقصان نہ پہونچے اور حضیض (زمین کی سورج سے سب سے زیادہ نزدیکی) جنوب کی طرف واقع ہے تاکہ شدت سرما سے زمین پر بسنے والوں کو ضرر نہ پہونچ جائے۔

پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کی گئی (بلکہ) چاند کو جو زمینی موجودات کی تربیت میں بہت اثر رکھتا ہے۔ حرکت میں زمین کے مخالف رکھا گیا اس طرح کہ سورج جب زمین کے شمالی حصّہ میں ہے

تو چاند جنوبی حصہ میں ہوگا اسی طرح اس کے برعکس ساکنین زمین کے لئے اس سے اور اس طرح سے فائدہ کا ہونا ایک محسوس امر ہے اور بدیہی ہے لیکن ان کے لطائف و دقائق کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ خدا ہی کا علم سب پر محیط ہے۔

اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی اپنی (ہی) تخلیق میں اپنے علم و طاقت بھر فکر کرے۔ (پہلے تو خود اپنے ظاہری مدرکات کے بارے میں غور کرے جن کو محسوسات و مدرکات کے مطابق بنایا گیا ہے) تو معلوم ہوگا کہ اس کائنات کے اندر ہر قسم کے مدرکات کے لئے ایک ان کو درک کرنے والی قوت بھی بنائی گئی ہے۔ مگر اس کی وضع و ترتیب اتنی عقل کو حیرت میں ڈالنے والی ہے اور ایسے معنوی امور پر مشتمل ہے کہ ظاہری حواس سے اس کا ادراک کرنا ممکن نہیں ہے۔ (بلکہ) ان کے ادراک کے لئے باطنی حواس قرار دیئے گئے ہیں۔

علم روح اور نفس کی روحانی قوتوں کو چھوڑیئے ان پر انسان کو اطلاع ہی نہیں ہو سکتی۔ آپ علم بدن و تشریح اور فطری جسم اور ہر ظاہری و باطنی عضو کے خواص کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فکر کیجئے۔ دیکھئے کتنا منظم نظام اور عجیب و غریب ترتیب ہے۔ حالانکہ سینکڑوں صدیوں سے علمِ انسانی ہزار حصوں میں سے ایک حصہ تک بھی رسائی حاصل نہ کر سکا اور تمام علما نے بزبانِ فصیح اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا۔ حالانکہ یہ انسانی بدن دیگر زمینی موجودات کے مقابلہ میں ایک ذرہ بے مقدار ہے اور زمین اپنے تمام موجودات سمیت نظامِ شمسی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے اور ہمارا پورا نظامِ شمسی دیگر شمسی نظاموں کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر محسوس نہیں ہے اور تمام یہ کلی و جزئی نظامات اتنے مرتب و منظم بنائے گئے ہیں کہ کوئی ذرہ برابر ان پر اعتراض نہیں کر سکتا اور تمام انسانی عقول اس کی (عمیق) و دقیق بناوٹ میں سے کسی معمولی سی بناوٹ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

(اب آپ سوچئے) کیا اس غور و فکر کے بعد آپ کی عقل اس بات پر یقین کرنے کے لئے کہ "اس کائنات کے اندر) ایک قادر، حکیم، عالم ایسا موجود ہے جس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے اور اسی نے اس حکمت و نظام و ترتیبِ محکم کے ساتھ موجودات کو پیدا کیا؟ کسی اور چیز کی بھی محتاج ہے؟ (کیا یہ چیزیں کافی نہیں ہیں؟) «أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ.» ۳۱

کیا یہ تمام منظم صنعت جس کے سمجھنے سے انسانی عقلیں عاجز ہیں بے ربط اور خود بخود

پیدا ہوگئیں ہیں؟

اندھی ہو جائیں وہ دل کی آنکھیں جو حق کو نہ دیکھ سکیں اور جمیل کے جمال کو ان موجودات میں مشاہدہ نہ کر سکیں، فنا ہو جائے وہ شخص جو ان آثار و نشانیوں کو دیکھ کر (بھی) شک و تردید میں مبتلا رہے۔ لیکن وہ انسان بے چارہ کیا کرے جو اوہام میں گرفتار ہے؟ اگر آپ اپنی تسبیح لوگوں کو دکھا کر کہیں کہ یہ خود بخود (لڑی میں) پروئی گئی ہے تو لوگ آپ کی عقل پر خندہ زن ہوں گے۔ اس طرح جیبی گھڑی کو نکال کر یہی دعویٰ اس کے بارے میں کیجئے (تو سچ بتائیے) کیا لوگ آپ کو عاقلوں کی فہرست سے خارج کریں گے کہ نہیں؟ اور آپ کو پاگل کہیں گے کہ نہیں؟ کیا اس سادہ جزئی نظام کو کسی نے علل و اسباب کے رشتہ سے خارج جانا ہے؟ (اگر جانا ہے تو) لوگوں نے مجنوں مانا ہے اور حقوق عقلا سے محروم جانا ہے۔

پس اس شخص کے ساتھ کیا (برتاؤ) کرنا چاہیئے جو اس نظام کائنات کو نہیں بلکہ اس انسان اور اس کے روح و بدن کے نظام کے بارے میں مدعی ہے کہ (یہ تو) خود بخود پیدا ہو گیا؟ کیا اس کے بعد بھی اس کو فہرست عقلا میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ کون بے وقوف اس سے زیادہ احمق ہے؟ «قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ.» ۳۲ وہ انسان مردہ باد ہو جو علم سے زندہ نہ ہو اور اپنے بحر ضلالت میں غوطہ زن رہے۔

تیسری فصل

احوالِ نفس میں تفکر

تفکر کا ایک درجہ احوالِ نفس میں غور و فکر کرنا ہے کیونکہ اس سے بے شمار نتیجے اور بہت سے معارف حاصل ہوتے ہیں۔ اس وقت ہماری نظر دو نتیجوں کی طرف ہے۔

۱۔ یوم معاد کا علم۔

۲۔ بعثتِ رسل و انزال کتب یعنی نبوت عامہ اور شرائع حقہ۔

نفس کی ایک حالت "تجرد" ہے۔ بڑے بڑے حکما نے جتنی توجہ نفس کے مجرد ہونے پر کی ہے۔ بہت کم کسی حکمت کے مسئلہ پر اتنی اہمیت دی ہے اور نہ اس طرح کسی مسئلہ کو براہین

سے واضح کیا ہے۔ میں اس وقت اس کو تفصیلی طور پر ثابت کرنے کے درپے نہیں ہوں۔ (صرف) بعض ان دلیلوں پر اکتفا کروں گا جن کے مبادی بہت زیادہ مشکل نہ ہوں اور اس کے بعد مقصد کا ذکر کروں گا۔ پس (اب ادلّہ کا) ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ اطباء اور علم اعضاء کی معرفت رکھنے والے علما کا اتفاق ہے اور تجربہ (بھی شاہد) ہے کہ تمام اجزاے بدن ام الدماغ، ادراک کا مرکز اور نفس کی قوتوں کے ظہور کی جگہ سے لے کر بدن کے آخری اجزاء تک (یعنی صلب کی ہڈی تک) ۲۵ یا ۳۰ سال کے بعد سے کمزور ہونے لگتے ہیں اور کمزوری وضعف کے افق سے نزدیک ہونے لگتے ہیں۔ خود ہمارا تجربہ ہے کہ پورے بدن میں ضعف وسستی کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ لیکن اسی وقت سے یعنی ۳۰، ۴۰ سال کے بعد سے روحانی قوتیں اور عقلی ادراک کامل وروبہ ترقی ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ عقل کے قوائے ادراکیہ جسمانی نہیں ہیں (بلکہ مجرد ہیں) اس لئے کہ اگر یہ قوا جسمانی ہوتے تو دیگر جسمانی اعضا کی طرح کمزور ہونے لگتے۔

"دفع توہم" یہ وہم نہ کرنا چاہیئے کہ بکثرت فکری قوتوں کے استعمال کرنے اور عقلی قوتوں کے تجربات کی وجہ سے عقلی قوتیں قوی ہوگئی ہیں۔ (مجرد ہونے کی وجہ سے قوی نہیں ہوئی ہیں) (تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے) کیونکہ تمام جسمانی قوتیں کثرت استعمال وکثرت کار کی وجہ سے کمزور وضعیف ہوجاتی ہیں۔ نہ کہ قوی وطاقتور ہوجائیں اور یہ خود دلیل ہے کہ عقلی قوتیں نہ جسم ہیں نہ جسمانی ہیں۔

اور یہ اعتراض کرنا کہ بڑھاپے میں فکری قوتیں بھی ناقص ہوجاتی ہیں غلط ہے۔ اس لئے کہ پہلی بات تو یہی ہے کہ کوئی بھی جسمانی قوت بڑھاپے تک روبہ ترقی نہیں ہوتی کہ ہم یہ کہہ سکیں جسم کا فلاں حصہ ادراکات عقلیہ کا محل ہے اور بڑھاپے تک روبہ ترقی ہے لیکن اب چونکہ وہ حصہ کمزور ہوگیا اس لئے قوتِ فکر بھی کمزور ہوگئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ (اگر ایسا ہے تو) بڑھاپے میں فکر بھی کمزور ہوجائے گی کیونکہ وہ بھی جسم میں حلول کئے ہے۔ یا جسمانی قوتوں کی محتاج ہے۔ لیکن خالص ادراکات اور ملکاتِ فاضلہ یا خبیثہ بھی اس وقت پہلے سے قوی ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ ان کا اظہار یا ظہور کم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ۴۰۔ ۵۰ سال کی وہی قوتِ ادراک ہی کافی ہے۔

۲۔ اس نقضی اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نفس جب ملک بدن سے اپنا (بوریا) بستر

باندھنے لگتا ہے اور اس کی قوتیں اس کے باطن ذات کی طرف رجوع کرتی ہیں تو تمام وہ قوتیں جو عالم جسم و جسمانی سے نزدیک و قریب ہیں وہ تھکن اور سستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور جو دور ہیں وہ دیر میں کمزور ہوتی ہیں بر خلاف عالم ملکوت و تجرد کی قوتیں وہ قوی تر ہو جاتی ہیں۔ یہ (دوسری) دلیل ہے کہ نفس نہ جسم ہے نہ جسمانی ہے۔

۳۔ نفس کے افعال، آثار، خواص مطلق اجسام کے افعال و آثار و خواص کے بر خلاف ہوتے ہیں اور یہ (تیسری) دلیل ہے کہ نفس جسم نہیں ہے۔ مثلاً ہم کو بداہتاً معلوم ہے کہ ایک جسم ایک صورت سے زیادہ قبول نہیں کرتا۔ اگر دوسری صورت قبول کرنا چاہے تو پہلی صورت کے ختم ہونے کے بعد ہی ممکن ہے مثلاً اگر ایک کاغذ کے اوپر ایک تصویر بنی ہے تو جس جگہ تصویر بنی ہے بالکل اسی جگہ دوسری تصویر نہیں بن سکتی جب تک پہلی تصویر مٹا نہ دی جائے اور یہ حکم تمام اجسام میں عقلی طور سے جاری ہے۔ لیکن نفس کے اندر ایک وقت میں متعدد و متضاد صورتیں منتقش ہو سکتی ہیں بغیر پہلی صورت کے زائل ہوئے۔

۴۔ ہر جسم میں متناہی و محدود صورتوں کو نقش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نفس کے اندر غیر متناہی و غیر محدود صورتیں نقش ہو سکتی ہیں اس اعتبار سے نفس غیر متناہی امور پر حکم کر سکتا ہے۔

۵۔ جسم کی صورت زائل ہونے کے بعد جب تک اس صورت کے لئے از سر نو سبب پیدا نہ ہو دوبارہ وہ صورت پیدا نہیں ہوگی۔ لیکن نفس سے جو صورتیں غائب ہو جاتی ہیں وہ کسی خارجی سبب کے بغیر پلٹ آتی ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ نفس اپنے خواص و آثار و افعال میں تمام اجسام کے بر خلاف ہے لہذا (نفس) مجرد ہے اور جسم و جسمانیات کے قسم سے نہیں ہے۔

۶۔ مجردات میں فساد نہیں پیدا ہوتا (یعنی وہ فاسد نہیں ہوتے) جیسا کہ اپنی جگہ پر براہین سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک مادہ قابلہ نہ ہو اس میں فساد نہیں ہوتا اور مجرد میں مادہ قابلہ ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ مادہ قابلہ جسم کے لوازم سے ہے۔ پس مادہ فاسد نہیں ہو سکتا۔

بس اسی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بدن کے خراب ہو جانے کے بعد اور نفس کے بدن سے جُدا ہو جانے کے بعد (بھی) نفس خراب نہیں ہوتا بلکہ دوسرے عالم میں باقی رہتا ہے اس کے لئے فنا نہیں ہے۔ نفوس و ارواح کے لئے قیامت سے پہلے یہ معادِ روحانی ہے جو ان کے لئے اس وقت حاصل رہتا ہے جب تک ارادۂ الٰہی پھر بدنوں سے متعلق ہو جانے کا نہ ہو۔ ہم اس وقت ان لوگوں کی

رد کر رہے ہیں جو مطلق معاد کے منکر ہیں اسی لئے ہم نے مطلق معاد کو ثابت کیا ہے اور سابقہ بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی۔

یہ جان لینا چاہیئے کہ نفوس کے لئے (بھی) صحت و بیماری، اصلاح و فساد، سعادت و شقاوت ہے لیکن ان کے راستوں کا جان لینا اوران کے مفاسد و مصالح کی باریکیوں کو سمجھ لینا خدا کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے مکمل ترین نظام میں جو نظامِ احسن ہے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

اوراس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس نظام کا تنظیم کرنے والا حکیم علی الاطلاق اور تمام چیزوں کا واقف ہے (اس لئے) سعادت و شقاوت، ہدایت (و ضلالت) راہ صلاح و فساد، نفوس کے علاج کے طریقوں کا تعلیم نہ دینا محال ہے یا مہمل چھوڑ دینا بھی محال ہے کیونکہ مہمل چھوڑ دینے اور تعلیم نہ دینے کی صورت میں یا تو علم میں یا پھر قدرت میں نقص لازم آئے گا اور یا بخل بلاوجہ کا ظلم لازم آئے گا اور یہ معلوم ہے کہ خدا ان تمام برائیوں سے مبرا ہے اور وہ کامل علی الاطلاق اور مفیض (فیض پہونچانے والا) علی الاطلاق ہے۔ (اگر یہ مان لیا جائے کہ اس نے) سعادت و شقاوت کے راستوں کو بتانے میں اہمال کیا ہے تو حکمت میں خلل عظیم اور نظام و مملکت میں فساد و اختلال بزرگ لازم آئے گا اس لئے کامل نظام کے اندر ضروری ہے کہ سعادت و شقاوت کے راستوں (اور ہدایت و گمراہی کے طریقوں) کو بتایا جائے۔

اس بیان سے دو واضح نتیجے نکلتے ہیں۔

۱۔ شریعت: یعنی نفسانی امراض کے علاج کا نسخہ خدا کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔

۲۔ خداوند عالم اس نسخے کے اعلام (و تعلیم) پر مجبور ہے اور (اس کے تعلیم کی صورت صرف وحی والہام ہے) چونکہ اتنے بڑے مقصد اور دقیق علم کامل کہ جس کے ادراک سے عقل عقلاء عاجز ہے اور ملک و ملکوت کا رابطہ اور باطنِ نفس کے اندر صور ملکیہ کی تاثیر کو کوئی نہیں جانتا اس لئے وحی والہام کے ذریعہ اس کا ہونا ضروری ہے یعنی اس کی تعلیم خدا کی طرف سے ہونی چاہیئے اور یہ (بھی) واضح ہے کہ تمام افرادِ بشر اس خلعت کے قابل نہیں ہیں اور نہ اس مقام کی استعداد رکھتے ہیں اور نہ اس فریضہ کو انجام دے سکتے ہیں۔ ہر چند صدیوں میں کہیں ایک ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جو اتنے عظیم عہدہ کا لائق و سزاوار ہوتا ہے اور ایسے عظیم مقصد کو پورا کر سکتا ہے۔ (ایسے شخص کو) خدا بشر کو سعادت و شقاوت کے راستے سمجھانے کے لئے بھیجتا ہے (تاکہ) لوگوں کو ان کی صلاح

سے آگاہ کرے۔ اسی کو "نبوت عامہ" کہا جاتا ہے۔

جب گفتگو یہاں تک پہونچی ہے تو ضمناً میں ایک ایسا مطلب بیان کرنا چاہتا ہوں جو میری نظر میں بدیہیات میں شمار کئے جانے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے۔

ہم کو بدیہی طور سے معلوم ہے کہ انسانوں کے درمیان خدا کی طرف سے ایک شریعت ہونی چاہیئے اور جب ہم ان شریعتوں کی طرف نظر کرتے ہیں جو نوعِ بشر کے درمیان رائج ہیں تو ان میں تین شریعتیں دیگر شریعتوں سے عمدہ و بہتر نظر آتی ہیں۔

۱ــــ شریعت یہود ۲ــــ شریعتِ نصاریٰ ۳ــــ شریعت اسلام

(مگر) تین مقامات پر شریعتِ اسلام بدیہی طور دوسری شریعتوں سے کامل تر ہے اور انہیں مقامات پر شریعتوں کی بنیاد اور تشریع کا مدار ہے۔ (اور وہ تینوں چیزیں یہ ہیں۔)

۱ــــ عقائدِ حقہ و معارف الٰہیہ، توصیف و تنزیہ خدا، معاد و اس کی کیفیت، ملائکہ کا علم، توصیف و تنزیہ انبیاء علیہم السّلام اور یہی عمدہ و اصل شرائع ہیں۔

۲ــــ خصالِ حمیدہ و اصلاحِ نفس و اخلاقِ فاضلہ۔

۳ــــ فردی و اجتماعی اعمال، عائلیہ اعمالِ سیاسیہ، اعمالِ مدنیۃ وغیرہ۔

بلکہ انصاف پسند اگر بے غرض ہو کر دیکھے تو پتہ چلے گا کہ یہود و نصاریٰ کی شریعتوں کی اسلام سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ انسان کی پوری زندگی میں اتنا مضبوط قانون اور (اتنی جامع) شریعت کا وجود نہیں ہے اور یہ خود ہی اسلام کے حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نبوت عامہ اور یہ کہ خدا نے انسان کے لئے ایک شریعت معین فرمائی اور لوگوں کو ہدایت کے راستے سمجھائے اور ان سب کو ایک منظم نظام کے تحت قرار دیا۔ ان تمام باتوں کو ثابت کرنے کے بعد دین اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کسی مقدمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بس صرف اسلام کو دیکھ کر اسلام اور دیگر ادیان و شرائع میں جن مرحلوں میں بنی نوع انسان کے احتیاج کا تصور ہو ان تمام مراحل میں معارف حقہ اور ملکاتِ نفسانیہ کے سلسلہ میں مقابلہ کرکے دیکھ لیا جائے تاکہ نوعی و شخصی وظائف اور اجتماعی و فردی تکلیفوں کا اندازہ ہو سکے۔ «اَلْاِسْلَامُ یَعْلُو وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ» کا ایک مطلب یہ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی عقل چاہے جتنی ترقی کرے اور عقلوں کے ادراکات چاہے جتنے زیادہ ہو جائیں جب وہ اسلام کے دلائل و براہین پر نظر کریں گے تو (اسلام کے) نورِ ہدایت کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور دنیا کی کوئی

دلیل اسلام پر غالب نہیں آسکے گی۔

اثبات برہان خاتم المرسلین کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تخلیقِ کائنات کی مضبوطی اور اس کی حسن ترتیب و بہترین نظم ہم کو یہ بتاتا ہے کہ ایک ایسا موجود ہے جو اس کی تنظیم کرتا ہے۔ جس کا علم اس کی باریکیوں، لطائف و جلائل پر محیط ہے۔ اسی طرح ایک شریعت کے احکام کا اتقان، حسن نظام، ترتیب کامل، تمام مادی و معنوی، دینوی و اخروی، اجتماعی و فردی کا مکمل طور سے متکفل ہونا بھی ہم کو یہ بتاتا ہے کہ اس کا منظم کرنے والا اور اس کے چلانے والے کا علم بھی محیط ہوگا اور وہ بھی افراد بشر کی ضرورتوں سے واقف ہوگا اور چونکہ یہ بات بدیہی ہے کہ یہ سارا کام ایک ایسے انسان کے عقلی قوتوں کا ہرگز مرہون نہیں ہوسکتا۔ جس نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہ کیا ہو، جس کی تاریخ زندگی ہر قوم و ملت کے مورخین نے لکھی ہو، جو ایک ایسے ماحول میں تربیت پایا ہوا ہو جو کمالات و معارف سے عاری ہو' ایسا شخص اتنا کامل نظام نہیں بنا سکتا۔ اس لئے یقیناً غیب اور ماوراء الطبیعۃ سے اس شریعت کی تشریع ہوئی ہے اور وحی و الہام کے ذریعہ اس (نبی) اُمّی کو پہونچایا گیا ہے۔ «وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی وُضُوحِ الْحُجَّةِ.»

میرا ارادہ تھا کہ تفکر کے دوسرے مقام کا ذکر کروں یعنی عالم ملک کی فکر کے بارے میں بحث کروں جس کا نتیجہ "زہد" ہے۔ لیکن چونکہ سابق مقامات میں عنان قلم کو چھوٹ دے دی تھی اور مطالب طولانی (بلکہ) خارج از موضوع ہوگیا تھا۔ لہٰذا اس سے صرفِ نظر کیا۔

چوتھی فصل

شب بیداری

اب حدیث شریف کے دو فقروں کا بیان ہمارے ذمہ رہ گیا جس میں فرمایا ہے:
«جَافِ عَنِ اللَّيْلِ جَنْبَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ رَبَّكَ.» مولا امیر المومنین حضرت علی سلام اللہ علیہ نے قلبی اعمال اور تنبیہ کرنے والے تفکرات اور تقوائے الٰہی کے پہلو بہ پہلو شب بیداری کو اور بستر سے عبادت کے لئے دوری کو قرار دیا ہے۔ اور یہ (نمازِ شب) کی فضیلت واہمیت پر دلیل ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس عمل کی بہت تمجید و بزرگی بیان کی گئی ہے اور ائمہ و مشائخِ عظام و علمائے کرام کی

یہ سیرت رہی ہے کہ ہمیشہ اس کے (نمازِ شب کے) پابند رہے ہیں، رات کے آخری حصّے میں بیداری کو عبادت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ کتاب وسائل الشیعہ جو مذہبِ امامیہ کی عظیم ترین کتاب ہے اور جس پر مذہب کا دار مدار ہے اور جو فقہا و علما کی مرجع ہے۔ میں نمازِ شب کی فضیلت میں اہم حدیثیں اور اس کے ترک کے مکروہ ہونے پر چند حدیثوں کو ذکر کیا ہے اور پھر سابق و لاحق (مستحب و مکروہ) کے لئے حوالے بھی نقل کئے ہیں[۳۴] اور دعاؤں وغیرہ کی کتابوں میں بے حد و بے حساب حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ لیکن ہم حصولِ برکت کے لئے چند حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

«عَنِ الكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بن عَمَّارٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ كَانَ فِي وَصِيَّةِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لِعَلِيٍّ قَالَ يَا عَلِيُّ أُوصِيكَ فِي نَفْسِكَ بِخِصَالٍ فَاحْفَظْهَا. ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ أَعِنْهُ... إِلَى أَنْ قَالَ وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ وَعَلَيْكَ بِصَلَاةِ اللَّيْلِ»[۳۵]

کافی میں باسنادِ خود معاویہ بن عمار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: "میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو جو وصیت فرمائی تھی اس میں فرمایا تھا: اے علیؑ میں تم کو تمہاری ذات کے بارے میں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کو محفوظ کر لو۔ اس کے بعد فرمایا: پروردگارا علیؑ کی مدد کر..... یہاں تک کہ فرمایا: نمازِ شب کی پابندی کرو، نمازِ شب کی پابندی کرو، نمازِ شب کی پابندی کرو۔" حدیث کی ابتدا و انتہا سے کمالِ اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

«وَعَنِ الْخِصَالِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لِجَبْرَئِيلَ: عِظْنِي. فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ؛ وَأَحْبِبْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ؛ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُلَاقِيهِ؛ وَاعْلَمْ، أَنَّ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ قِيَامُهُ بِاللَّيْلِ، وَعِزَّهُ كَفُّهُ عَنْ أَعْرَاضِ النَّاسِ.»[۳۶]

بسندِ خود بحوالہ خصال حضرت امام جعفر صادقؑ سے (مروی) ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسولِ خداؐ نے جبرئیلؑ سے کہا: مجھے وعظ و نصیحت کرو! جبرئیلؑ نے کہا: اے محمدؐ جتنا جی چاہے

زندہ رہو مگر مرنا ہے۔ جس سے جی چاہے محبت کرو مگر اس سے جُدا ہوتا ہے، جو عمل چاہے کرو اسی سے پالا پڑتا ہے۔ یہ جان لیجئے کہ مومن کا شرف شب بیداری (نمازِ شب) میں ہے اور اس کی عزت لوگوں کے آبرو کی حفاظت میں ہے۔"

«وَفِي الْمَجَالِسِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي حَدِيثٍ: فَمَنْ رُزِقَ صَلاَةَ اللَّيْلِ مِنْ عَبْدٍ، أَوْ أَمَةٍ، قَامَ لِلّٰهِ مُخْلِصاً، فَتَوَضَّأَ وُضُوءاً سَابِغاً، وَصَلَّى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بِنِيَّةٍ صَادِقَةٍ وَقَلْبٍ سَلِيمٍ وَ بَدَنٍ خَاشِعٍ وَعَيْنٍ دَامِعَةٍ، جَعَلَ اللّٰهُ تَعَالَى خَلْفَهُ سَبْعَةَ صُفُوفٍ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ، فِي كُلِّ صَفٍّ مَا لاَ يُحْصِي عَدَدَهُمْ إِلاَّ اللّٰهُ، أَحَدُ طَرَفَيْ كُلِّ صَفٍّ بِالْمَشْرِقِ وَالآخَرُ بِالْمَغْرِبِ؛ فَإِذَا فَرَغَ، كَتَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ بِعَدَدِهِمْ دَرَجَاتٍ.»[۳۷]

مجالس میں بسند خود ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں:
" رسولِ خدا نے ایک حدیث میں فرمایا: جس بندے یا کنیز کو نمازِ شب کی توفیق ہو اور وہ خلوص کے ساتھ (بستر سے) اُٹھے۔ کامل وضو کرے اور قلب سلیم و سچی نیت (اور خشوعِ بدن) گریہ کناں آنکھوں سے خدا کے لئے "نمازِ شب" پڑھے۔ تو خدا اس کے پیچھے ملائکہ کی سات صفوں کو قرار دیتا ہے اور ہر صف میں اتنے ملک ہوتے ہیں جن کی تعداد خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ہر صف کا ایک سرا مشرق میں اور ایک مغرب میں ہوتا ہے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو خدا ان ملائکہ کی تعداد کے مطابق اس شخص کے لئے درجات لکھ دیتا ہے۔"

«وَعَنِ الْعِلَلِ بِإِسْنَادِهِ إِلَى أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُولُ: الرَّكْعَتَانِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.»[۳۸]

علل میں باسناد خود انس سے (روایت کی) ہے وہ کہتے ہیں: "میں نے رسولِ خدا کو فرماتے ہوئے سنا کہ: آدھی رات کو دو رکعت نماز مجھے دُنیا و مافیہا سے محبوب ہے۔"

بہت سی احادیث میں ہے کہ نمازِ شب مومن کا شرف ہے اور جس طرح مال و اولاد دنیا کی زینت ہیں۔ نمازِ شب آخرت کی زینت ہے۔[۳۹]

«وَعَنِ الْعِلَلِ بِإِسْنَادِهِ إِلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُولُ: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً إِلَّا لِإِطْعَامِ الطَّعَامِ وَالصَّلَاةِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ.» [۴۰]

علل میں باسناد خود جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: "میں نے رسولِ خداؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ آپؐ فرمارہے تھے: خداوندِ عالم نے جناب ابراہیمؑ کو کھانا کھلانے اور جب لوگ سوتے تھے اس وقت نمازِ شب پڑھنے کی وجہ سے خلیل بنایا۔"

اگر نمازِ شب کے لئے صرف یہی ایک حدیث ہوتی جب بھی اس کے اہل کے لئے کافی تھی۔ لیکن ہم جیسے نااہلوں کے لئے نہیں۔ ہم لوگوں کو نہیں معلوم کہ "خلت" کون سی خلعت ہے؟ اور خدا کسی بندے کو دوست بنائے تو اس کا کیا مرتبہ ہے۔ عقولِ انسانی اس کے تصور سے بھی عاجز ہیں۔ اگر خلیلِ خدا کو تمام بہشت دے دیئے جائیں تو وہ ان کی طرف نظر بھی نہ کریں گے۔ تم بھی اگر کوئی عزیز محبوب رکھتے ہو یا محبوب دوست رکھتے ہو اور وہ تمھارے پاس آجائے تو تم بھی کسی ناز و نعمت سے غفلت نہ برتو گے اور جمالِ محبوب اور لقائے دوست کی وجہ سے تمام چیزوں سے بے پرواہ ہو جاؤ گے۔ حالانکہ یہ مثال نامناسب ہے اور دونوں میں بعد المشرقین کا فرق ہے۔

«وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ. فِي تَفْسِيرِهِ. بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ مَا مِنْ عَمَلٍ حَسَنٍ يَعْمَلُهُ الْعَبْدُ إِلَّا وَلَهُ ثَوَابٌ فِي الْقُرْآنِ إِلَّا صَلَاةَ اللَّيْلِ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُبَيِّنْ ثَوَابَهَا لِعَظِيمِ خَطَرِهِ عِنْدَهُ، فَقَالَ»

علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں باسناد خود امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: "بندہ جو کچھ بھی نیک عمل کرتا ہے قرآن میں اس کا ثواب ہے سوائے اس نمازِ شب کے، اس کی عظمت کی بنا پر خدا نے اس کا ثواب نہیں بیان کیا۔" چنانچہ ارشاد ہے:

«تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ» [۴۱]

"رات کے وقت" ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور (عذاب کے) خوف اور

(رحمت کی) اُمید پر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ عطا کیا ان میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی کارگزاریوں کے بدلے میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے ڈھکی چھپی رکھی ہے۔ اس کو تو کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔

اب خداوندِ عالم نے جو قرۃ العین "آنکھوں کی ٹھنڈک" ذخیرہ فرمایا ہے اور چھپا رکھا ہے۔ جس پر کوئی شخص مطلع نہیں ہے آخر وہ کیا ہے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر وہ از قسم انہار جاریہ بلند قصور (خوبصورت حور) بہشت کی دیگر نعمتیں مراد ہوتیں تو دیگر اعمال کی طرح ان کو بھی بیان کر دیتا اور ملائکہ اس پر مطلع ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ اور ہے اس کی عظمت اس سے زیادہ ہے کہ کسی کے گوش زد کی جائے۔ خصوصاً اس دُنیا کے رہنے والوں کے لئے۔ اس عالم کے نعمتوں کا قیاس اس دنیا کی نعمتوں پر نہ کرو۔ یہ سوچو بھی نہیں کہ وہاں کی بہشت وباغات یہاں کی بہشت وباغات ہی کی طرح ہیں بس ذرا وہ زیادہ وسیع وعریض ہیں۔ وہاں دارِ کرامت حق اور مہمانخانہ الٰہی ہے۔ یہاں کی پوری دُنیا وہاں کے بہشتی حور العین کے ایک بال کے بھی برابر نہیں ہے۔ خداوندِ عالم نے نمازِ شب پڑھنے والے کی جزا میں ان چیزوں کی تفصیل نہیں قرار دی۔ مقامِ تعظیم میں ان کا ذکر کیا ہے۔

لیکن افسوس ہمارا ایمان کمزور ہے ہم اہلِ یقین نہیں ہیں ورنہ ناممکن تھا کہ ہم اس طرح غافل نہ رہتے اور صبح تک خوابِ خرگوش میں پڑے نہ رہتے اور اگر شب بیداری انسان کو حقیقت وسترِ نماز سے آگاہ کر دے اور انسان حق کے ذکر و فکر سے مانوس ہو جائے اور راتوں کو نماز اس کی عادت بن جائے یعنی راتیں اس کے معراج کی سواری بن کر قربِ خدا کا ذریعہ بن جائیں[42] تو خدا کے جمالِ جمیل کے علاوہ اس کی کوئی دوسری جزا ممکن نہیں ہو سکتی۔

ہم اہلِ غفلت کی حالت پر وائے ہو کہ آخر عمر تک خوابِ (غفلت) سے بیدار نہیں ہوتے اور طبیعت کی مستی پر باقی رہتے ہیں بلکہ ہر (آنے والا) دن ہماری مستی و غفلت کو بڑھاتا ہی رہتا ہے۔ ہم حیوانی چیزوں، کھانے، پینے، جماع کے علاوہ کچھ سمجھتے ہی نہیں اور جو بھی کرتے ہیں، چاہے وہ عبادت ہی ہو وہ شکم وقوتِ شہویہ کے لئے کرتے ہیں۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ خلیل الرحمٰن کی نماز ہماری نماز کی طرح تھی؟ خلیل نے اپنی حاجت جبرئیلؑ سے نہ طلب کی[43] اور ہم اپنی حاجتوں کو اگر گمان کر لیں کہ حاجت روا ہے۔ شیطان سے طلب کرتے ہیں۔

(ان سب باتوں کے باوجود) مایوس نہیں ہونا چاہیئے ہو سکتا ہے ایک مدت تک شب بیداری کرنے اور اس سے مانوس ہونے اور اس کے عادی ہونے کے بعد رفتہ رفتہ کرکے

خدا ہماری دستگیری کرے اور ایک لطفِ خفی کے ساتھ خلعتِ رحمت سے نواز دے۔ لیکن اجمالاً یہ ہے کہ ستر عبادت سے غافل نہ ہو اور سب کو صرف تجوید اور ظاہری تصحیح سے پڑھنے پر صرف مت کرو۔ (بلکہ مخلص بنو) اور اگر مخلص نہیں بن سکتے تو کم از کم اس قرۃ العین کی تلاش کرو جس کو خدا نے چھپا رکھا ہے اور فقیرِ عاصی، حیوان سیرت جو تمام درجات کو چھوڑ کر حیوانیت پر قناعت کر بیٹھا ہے اگر ممکن ہو تو اس کے لیے دعا کرو اور پوری توجہ و خلوصِ نیت سے کہو:

«أَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي التجافِيَ عَنْ دارِ الْغُرُورِ وَالْإِنابَةِ إِلى دارِ الْخُلُودِ وَالْإِسْتِعْدادَ لِلمَوْتِ قَبْلَ حُلُولِ الْفَوْتِ.» ۴۴

"پالنے والے ہم کو دارِ غرور سے دور رکھ اور دارِ خلود کی توفیق عطا کر اور فوت سے پہلے موت کی استعداد عطا کر۔

پانچویں فصل

در تقویٰ

"تقویٰ" وقایۃ سے اشتق ہے جس کے معنیٰ حفاظت و نگہداری کے ہیں اور عرف اور روایات کی زبان میں "خدا کے اوامر و نواہی کی مخالفت سے اپنے نفس کو بچانا اور رضائے الٰہی کی پیروی کرنا" کے ہیں۔ ویسے زیادہ تر اس لفظ کا استعمال محرمات میں پڑ جانے کے ڈر سے مشتبہ چیزوں سے بھی نفس کو مکمل طریقہ سے محفوظ رکھنا کے ہوتے ہیں۔ «وَمَنْ أَخَذَ بِالشُّبُهاتِ، وَقَعَ فِي الْمُحَرَّماتِ وَهَلَكَ مِنْ حَيْثُ لاَ يَعْلَمُ. ۴۵ اور جو شخص شبہات میں پڑ جاتا ہے وہ محرمات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نہ معلوم جگہ سے ہلاک ہوتا ہے۔ وَمَنْ رَتَعَ حَوْلَ الْحِمىٰ يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ.» ۴۶ اور جو شخص حمیٰ کے ارد گرد چراتا ہے اس کے حمیٰ میں چرانے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تقویٰ اگرچہ مدارجِ کمال میں سے نہیں ہے۔ لیکن تقویٰ کے بغیر کسی منزل تک پہونچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب تک نفس محرمات کی گندگی سے آلودہ رہتا ہے نہ بابِ انسانیت میں داخل ہوتا ہے اور نہ اس راہ کا سالک ہوتا ہے اور جب تک لذتوں

کا عادی اور نفسانی خواہشات اور لذتوں کی مٹھاس اس کے کام (ودہن) میں ہے۔ وہ انسانی کمالات کا پہلا مقام حاصل نہیں کر سکتا (چہ جائیکہ اس سے بلند و بالا) اور جب تک محبتِ دنیا اور دُنیا کے روابط اس کے دل میں باقی ہیں وہ متوسطین و زاہدین کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا اور جب تک حُبِّ نفس اس کی ذات میں پوشیدہ ہے مخلصین و محبین کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا اور جب تک مُلک و ملکوت کی کثرت اس کے قلب میں ظاہر ہے۔ مجذوبین کے درجات تک نہیں پہونچ سکتا اور جب تک کثراتِ اسماء اس کے باطن ذات میں متجلی ہے فنائے کلی نہیں پا سکتا اور جب تک قلب مقامات کی طرف التفات رکھتا ہے مقام فنا تک نہیں پہونچ سکتا اور جب تک تلوین درکار ہے مقامِ تمکین تک نہیں پہونچ سکتا اور ذاتِ اسمِ ذاتی کے مقام تک اس کے اسرار کے سلسلہ میں ازلی و ابدی تجلی نہیں کرتی۔ پس تقوائے عامہ محرمات سے بچنا ہے اور تقوائے خاصہ شتھیات سے بچنا اور علائق دنیا سے (قطع تعلق) زہد اور محبتِ نفس سے پرہیز مخلصوں کا کام ہے، کثراتِ ظہور افعالی سے اجتناب مجذوبوں کا کام ہے اور کثراتِ اسماء سے قطع تعلق کر کے فنا حاصل ہوتا ہے اور توجہ بہ فنا سے ہٹ کر وصال ہوتا ہے اور تلوینات سے بچ کر تمکن حاصل ہوتا ہے۔

«فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ.» ۴۷

انھیں سے ہر مرتبہ کے لئے ایک شرح ہے اور ان سب کا ذکر اصطلاحات در حیرت اور مفاہیم کے حجاب میں ہم جیسے لوگوں کے لئے پوشیدہ ہو جانے کے علاوہ اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ ہر میدان کے لئے کچھ اہل ہوتے ہیں۔ اب ہم آپ کی توجہ تھوڑے سے تقوے کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں جو نوع کے لئے اہم ہے۔

چھٹی فصل

عام تقویٰ کا بیان

اے عزیز، اے جان لو کہ جس طرح اس بدن کے لئے صحت و مرض، علاج و معالجہ (ضروری) ہے، اسی طرح نفسِ انسانی اور روحِ آدمی کے لئے بھی صحت، مرض، بیماری، سلامتی، علاج و معالجہ بھی ضروری ہے۔ صحتِ نفس کا مطلب یہ ہے کہ طریق انسانیت میں اعتدال اور مرض کا مطلب

جادہ انسانیت سے انحراف ہے۔ نفسانی امراض کی اہمیت جسمانی امراض کے مقابلہ میں ہزاروں درجہ زیادہ ہے۔ اس لئے کہ جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہوا کرتا ہے موت کے آتے ہی نفس کی توجہ جسم سے ختم ہو جاتی ہے۔ تمام جسمانی امراض اور مادی خرابیاں اس سے دور ہو جاتی ہیں اور کوئی بدنی مرض اور نفسانی بیماری باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر خدانخواستہ روحانی امراض اور نفسانی بیماری ہو تو نفس کی توجہ پہلے بدن سے ہٹ کر اپنے ملکوت کی طرف ہوگی اور یہی امراض واسقام کے پیدائش کی پہلی منزل ہے۔ دُنیا کی طرف توجہ اور اس سے تعلق کی مثال ان نشہ آور چیزوں کی طرح ہے جو انسان کو بے خود بنا دیتی ہیں اور علاقۂ روح کا دنیائے بدن سے سلب ہونا ہوش میں آنے کا باعث ہوتا ہے اور ہوش میں آتے ہی باطن ذات میں موجود تمام امراض اور آلام واسقام (دفعتاً) اس پر ہجوم کر بیٹھتے ہیں اور تمام وہ امراض جواب تک چھپے ہوئے تھے خاکستر میں چھپی ہوئی آگ کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ امراض وآلام یا تو زائل ہی نہیں ہوتے اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اگر زائل بھی ہوتے ہیں تو ہزاروں سال فشار وزحمت وآتش اور داغوں کے بعد زائل ہوتے ہیں۔

«آخِرُ الدَّواءِ الْكَيُّ.» ۴۸ (آخری علاج داغ دینا ہے) ارشادِ خدا ہے:

قَالَ تَعَالَىٰ «يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ.» ۴۹ "جس دن وہ (سونا چاندی) آگ میں گرم کیا جائیگا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اوران کے پشت داغے جائیں گے"

انبیاء کرام بمنزلۂ شفیق طبیب کے ہیں جو مریضوں کے حالات کے مطابق بڑی شفقت و مہربانی اور علاقہ مندی سے ان کی صحت کے لئے مختلف قسم کے نسخے لاتے ہیں اور ہدایت کے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

ہم لوگ طبیب ہیں اور حق کے شاگرد ۵۰ روحی و قلبی اور بدنی و ظاہری اعمال کی حیثیت امراض کے دواؤں کی حیثیت ہے۔ چنانچہ تقوا کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بیماری میں ضرر رساں چیزوں سے پرہیز کی حیثیت ہوتی ہے۔ جب تک مریض پرہیز نہیں کرے گا نہ اچھا ہوگا نہ حکیم کے نسخہ کا کوئی اثر ہوگا۔ اسی طرح تقویٰ ہے اگر تقویٰ نہیں ہے تو روحانی امراض دور نہیں ہوں گے۔ جسمانی امراض میں تو کبھی یہ (بھی) ممکن ہو جاتا ہے کہ معمولی سی بدپرہیزی کیجئے اور دوا کھاتے رہیئے تو طبیعت اور دوا کا غلبہ ہو سکتا ہے اور صحت حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ طبیعت خود بھی تو صحت کی حافظ ہے اور دوا اس کی مددگار ہے۔

لیکن روحانی مرضوں کا مسئلہ بہت مشکل ہے وہاں تو طبیعت شروع ہی سے نفس پر غالب رہتی ہے اور نفس کا معاملہ منکوس وروبہ فساد رہتا ہے۔ «إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ»[51]

اس لئے تھوڑی سی بد پرہیزی سے بھی مرض غالب آجاتا ہے اور چاروں طرف سے خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ صحت بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔

پس جو شخص صحتِ نفس کی طرف مائل ہو اور اپنے حال پر مہربان ہو، اپنی صحت سے دلچسپی رکھتا ہو اس کو یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ عذاب الیم سے چھٹکارے کا انحصار انبیا کے دستور پر عمل کرنے پر ہے اور انبیا کے تمام دستور و احکام کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔

۱۔ نفس کی اصلاح کرنے والی اور اس کو صحیح و سلامت رکھنے والی چیزوں کا استعمال کرنا۔

۲۔ ضرر پہونچانے والی اور تکلیف پہونچانے والی چیزوں سے پرہیز کرنا، نیز یہ تو معلوم ہی ہے کہ نفسانی مفسدات میں حرام چیزوں کا ضرر سب سے زیادہ ہے اسی لئے ان کو حرام کیا گیا ہے اور اصلاح کرنے والی چیزوں میں واجبات کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اسی لئے انھیں واجب کیا گیا ہے اور یہی دونوں مرحلے ہر چیز سے افضل اور ہر مقصد سے مقدم، ترقی و پیشرفت کے مقدمے، مدارج و مقاماتِ انسانی کے ترقی کے منحصر راستے ہیں۔ (تو ایسے شخص کو انھیں کی پابندی کرنی چاہیئے۔) پس اگر کسی نے ان چیزوں کی مواظبت کی تو وہی اہلِ سعادت و نجات ہے اور ان دونوں میں بھی اہم تقویٰ ہے۔

اہل سلوک بھی اسی مقام کو مقامِ اول پر مقدم شمار کرتے ہیں، روایات و آثار و نہج البلاغہ کے خطبوں کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرات معصومین بھی اسی مرحلہ کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ لہٰذا میرے عزیز اس سے پہلے مرحلہ کو بہت اہم سمجھو اور بڑی پابندی کرو کیونکہ اگر پہلا قدم تم نے صحیح اٹھایا اور اس بنیاد کو محکم کر لیا تو دیگر مقامات تک پہونچنے کی امید ہے۔ ورنہ دوسرے مقامات تک پہونچنا محال ہے اور نجات بہت ہی مشکل و دشوار ہے۔

جناب عارف بزرگوار ہمارے شیخ عالی قدر[52] فرمایا کرتے تھے: سورہ حشر کی آخری آیتوں کو «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ»[53] سے لے کر آخر سورہ تک نمازوں کے بعد تعقیبات میں معنی میں غور و فکر کرتے ہوئے پڑھنا خصوصاً رات کے آخری حصہ میں جب انسان فارغ البال ہوتا ہے اصلاحِ نفس کے لئے بہت ہی مؤثر ہے اور شیطان اور نفس کے شر سے بچانے کے لئے بہت مفید ہے۔ موصوف ہمیشہ باوضو رہنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے

وضو بمنزلہ فوجی لباس ہے۔ ہر حال میں خدائے ذوالجلال سے تضرع وزاری کے ساتھ دعا کرو کہ تم کو اس مرحلہ میں توفیق عطا کرے اور ملکۂ تقویٰ کے حصول میں تمہاری مدد کرے۔

شروع میں یہ بات ذرا مشکل معلوم ہوگی۔ لیکن کچھ دنوں کی پابندی کے بعد زحمت رحمت سے بدل جائے گی اور مشقت استراحت سے بدل جائے گی بلکہ ایک خالص روحانی لذت سے بدل جائے گی اور ایسی لذت کہ اس کے اہل تمام لذتوں کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیں گے۔

اور (پھر یہ بھی) ممکن ہے کہ تم انشاءاللہ شدید تقویٰ اور کامل پابندی کے بعد تم اس مقام سے ترقی کر کے تقوائے خاص کے مقام تک ترقی کر لو۔ جو تقویٰ نفسانی لذات میں سے ہوگا اس لئے کہ جب روحانی لذت (کا مزہ) چکھ لوگے تو رفتہ رفتہ کر کے جسمانی لذتوں سے منصرف ہو جاؤ گے اور ان سے پرہیز کرنے لگوگے اس وقت راہ سہل و آسان ہو جائے گی اور پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ فانی اور نفسانی لذتوں کو ہیچ سمجھنے لگوگے۔

بلکہ ان سے متنفر ہو جاؤ گے اور دُنیا کی زیب و زینت تمہاری نظروں میں ہیچ نظر آنے لگے گی اور تم محسوس کرنے لگوگے کہ اس دُنیا کی ہر لذت نفس پر اثر انداز ہوتی ہے اور دل پر ایک سیاہ دھبہ ڈال دیتی ہے جو اس دُنیا سے شدید انس و محبت کا سبب بن جاتا ہے اور یہ خود زمین میں ہمیشگی کا سبب بنتا ہے اور موت کے وقت ذلت و سختی و زحمت و فشار سے بدل جاتا ہے۔

کیونکہ سکرات موت اور نزع روح کی سختی انھیں دنیاوی لذتوں اور دنیاوی علاقوں کی بنا پر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور جب انسان اس مطلب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس دُنیا کی لذتیں اس کی نظروں سے بالکل ختم ہو جاتی ہیں اور وہ پوری دُنیا و زیبائش دُنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور بھاگنے لگتا ہے اور یہ خود مقام دوم سے ترقی کر کے مقام سوم یعنی تقویٰ کی طرف جاتا ہے۔

اس کے بعد سلوک الی اللہ کا راستہ سہل و ہموار ہو جاتا ہے اور انسانیت کا راستہ اس کے لئے وسیع اور روشن ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کا قدم حق کا قدم اور اس کی ریاضت ہو جاتی ہے اور نفس اور اس کے اطوار و آثار سے بھاگنے لگتا ہے اور خود عشق کے اندر حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور بہشت و حور و قصور کے وعدوں پر قناعت نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اس کا منظور و مطلوب کوئی دوسرا ہوتا ہے۔ خود بینی و خود خواہی سے نفرت کرتا ہے۔ محبت نفس سے

تقویٰ کرتا ہے اور اپنی طرف توجہ کرنے سے بچتا ہے۔ خود خواہی کے قریب نہیں پھٹکتا اور یہ بہت عالی و بلند مرتبہ ہے اور خوشبوئے ولایت کے حصول کا پہلا درجہ ہے۔ خداوند عالم اپنے پہلوئے لطف میں اس کو جگہ دیتا ہے اور اس کی دستگیری کرتا ہے اور اس پر خصوصی لطف وکرم نازل کرتا ہے اور اس کے بعد سالک کے لئے جو چیزیں پیش آتی ہیں وہ تو حوصلہ تحریر سے بھی باہر ہیں۔

«وَالْحَمْدُلِلّٰهِ أوّلاً وَآخِراً وَظاهِراً وَباطِناً، وَالصَّلاةُ عَلٰى مُحَمَّدٍوَآلِهِ الطّاهِرينَ.»

بارہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۴ "کتاب ایمان وکفر" باب تفکر، حدیث ۱۔

۲۔ خواجہ عبداللہ بن محمد انصاری ہروی (۳۹۶ - ۴۸۱) از محدثین وعرفائے بزرگ است کہ بہ شیخ ابوالحسن خرقانی ارادت داشتہ وپس از وی جانشین او گردید۔ از آثار اواست۔ منازل السائرین، زاد العارفین، رسالۂ دل وجان۔

۳۔ منازل السائرین، ص ۱۲، "قسم البدایات"، باب تفکر۔

۴۔ "وانذرہم یوم الآزفة اذ القلوب لدی الحناجر کاظمین" "و انذار از روزِ قیامت بیم دہ" زمانیکہ جانہا بہ گلو رسد، جب لوگوں کے کلیجے منہ کو آجائیں گے (سورۂ مومن آیت ۱۸)

۵۔ ان کے دل تو ہیں مگر (کچھ) سمجھتے نہیں ہیں۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۷۹)

۶۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص (آگاہ) دل رکھتا ہے یا کان لگا کر حضورِ قلب سے سنتا ہے اس کے لئے اس میں کافی نصیحت ہے (سورۂ ق/۳۷)

۷۔ حدیث ۱، توضیح ۲۔

۸۔ مزید اطلاع کے لئے تہذیب الاصول (تقریرات اصول امام خمینیؒ) جلد ۱ ص ۳۰، بحث حقیقت و مجاز کی طرف رجوع کیجئے۔

۹۔ خداوندِ عالم اور اس کی قدرت کے بارے میں برابر سوچتے رہنا بہترین عبادت ہے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۵، کتاب ایمان وکفر، باب تفکر، حدیث ۳۔

۱۰۔ «عَنِ الْحَسَنِ الصَّیْقَلِ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ (ع): تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ؟ قَالَ نَعَمْ. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ.» حسن صیقل کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: کیا ایک ساعت غور و فکر ایک رات کی عبادت سے بہتر ہے؟ فرمایا: ہاں!

رسولِ خدا کا ارشاد ہے: ایک ساعت فکر کرنا ایک رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ بحار ۶۸ ص ۳۲۵ 'کتاب ایمان وکفر' باب تفکر حدیث ۱۶۔ اور اصولِ کافی کی جلد ۲ ص ۵۴ کتاب ایمان وکفر حدیث ۲ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔

۱۱۔ «قَالَ النَّبِيُّ (ص): فِكْرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ.» عوالی اللئالی جلد ۲ ص ۵۷، "المسلک الرابع" حدیث ۱۵۲ اور شرح مصباح الشریعۃ ومفتاح الحقیقۃ، ص ۱۷۱، باب ۲۶ 'در بیان تفکر' میں بھی یہی مطلب بیان ہوا ہے۔

۱۲۔ طریحی نے مجمع البحرین کے مادہ "فکر" میں تحریر کیا ہے: حدیث میں ہے ایک ساعت تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

۱۳۔ رسولِ خدا نے فرمایا: ایک ساعت کا تفکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اسرار الشریعۃ واطوار الطریقۃ وانوار الحقیقۃ ص ۲۰۷۔

۱۴۔ شرح اصولِ کافی صدر المتالہین جلد ۱ ص ۲۵۱ 'کتاب التوحید' باب النھی عن الکلام فی الکیفیۃ" و نقد النصوص فی شرح نقش النصوص" جامی ص ۲۷ ۔ ۲۸۔

۱۵۔ حدیث ۱، توضیح ۴۶۔

۱۶۔ محمد بن ابراہیم شیرازی (۹۷۹ ۔ ۱۰۵۰) ملقب بہ صدر الدین و صدر المتالہین، معروف بہ صدرا و ملاصدرا کا شمار بزرگ حکمائے اسلامی میں ہوتا ہے۔ آپ حکمتِ متعالیہ کے بانی ہیں۔ فلسفہ میں بدیع و بے مثال آراء کے مالک ہیں۔ آپ کا مکتبِ فلسفی آپ کے بعد دوسروں کے مکاتبِ فلسفہ پر غالب آگیا۔ آپ کے بعد کے اکثر حکمائے اسلام آپ ہی کے مکتب کے پیرو شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کی سب سے اہم تصنیف اسفارِ اربعہ ہے۔ جس میں وسیع پیمانے پر آپ کے نظریات موجود ہیں۔ دیگر تصانیف میں: تفسیرِ قرآن، شرح اصولِ کافی، مبداء و معاد، مفاتیح الغیب، شواہد الربوبیہ، اسرار الآیات، حاشیہ بر شفا وغیرہ ہیں۔ آپ کے اساتید میں محقق میر باقر داماد، میر فندرسکی، شیخ بہائی ہیں اور آپ کے شاگردوں میں ملا محسن فیض، عبد الرزاق لاہیجی (فیاض) وغیرہ ہیں۔

۱۷۔ اشارات، جلد ۳، ص ۴۱۹، (خاتمہ ووصیۃ)

۱۸۔ اسفار جلد ۱، مقدمہ، ص ۱۔

۱۹۔ تفسیر القرآن الکریم، جلد ۴ ص ۴۲۱، اسی طرح یہ مفہوم مختلف عبارتوں کے ساتھ نقل ہوا ہے۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۹۲، 'کتاب التوحید' باب النھی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ۱، توحید صدوق ص ۴۵۴ ۔ ۴۵۷، باب ۶۷، احادیث ۱، ۲، ۹۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۹۵، المحجۃ البیضاء جلد ۸ ص ۱۹۳ ۔ ۲۱۰۔

۲۰۔ کافی میں بسند خود ابو بصیر سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بصیر نے کہا: امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: مخلوقاتِ خدا کے بارے میں گفتگو کرو خود (ذاتِ) خدا کے بارے میں بات چیت نہ کرو، کیونکہ ذاتِ الٰہی کے بارے میں گفتگو متکلم کے حیرانی و پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۹۲، کتاب توحید، باب نہی از کلام فی الکیفیۃ۔ حدیث ۱۔

۲۱۔ حدیث ۱، توضیح ۱۴۔

۲۲۔ مراۃ العقول جلد ا ص ۳۲۲ کتاب توحید باب النھی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ا۔

۲۳۔ ہر چیز کے بارے میں گفتگو کرو لیکن ذاتِ خدا کے بارے میں گفتگو نہ کرو۔ اصولِ کافی جلد ا ص ۹۲، کتاب توحید باب النھی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ایک کا آخری حصہ۔

۲۴۔ اصولِ کافی جلد ا ص ۹۳، کتاب توحید باب النھی عن الکلام فی الکیفیۃ حدیث ۷۔

۲۵۔ توضیح ۹۔

۲۶۔ حضرت سجادؑ سے لوگوں نے توحید کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: خدا کو معلوم تھا کہ آخری زمانہ میں کچھ گہری فکر والے آئیں گے لہٰذا اس لئے قل ھواللہ اور سورۂ حدید کی چند آیتوں کو علیم بذات الصدور تک نازل فرمایا۔ لہٰذا جو اس سے زیادہ کا ارادہ کرے وہ ہلاک ہوگا۔ اصولِ کافی جلد ا ص ۹۱، کتاب توحید، باب النسبۃ، حدیث ۳۔

۲۷۔ جو چیز بھی سارے آسمان و زمین میں ہے وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ سورۂ الحدید/ ا۔

۲۸۔ وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے (اور اپنی قدرتوں سے) سب پر ظاہر اور (نگاہوں سے) پوشیدہ ہے اور سب چیزوں کو جانتا ہے۔ (سورۂ حدید/ ۳)

۲۹۔ جو کوئی خدا کے چگونگی کے بارے میں سوچے گا ہلاک ہوگا۔ اصولِ کافی جلد ا ص ۹۲، کتاب توحید باب النھی عن الکلام فی الکیفیۃ، حدیث ۵۔

۳۰۔ ساری تعریف خدا کے لئے مخصوص ہے اور اسی سے شکایت ہے۔

۳۱۔ (سورۂ ابراہیم/ ۱۲) حدیث ۱۱، توضیح ۱۴۔

۳۲۔ انسان قتل کردیا جائے وہ کتنا ہی ناشکر ہے۔ (سورۂ عبس/ ۱۷)

۳۳۔ اسلام سب سے برتر ہے اس سے برتر تلاش نہ کیجئے وسائل الشیعہ جلد ۱۷ ص ۳۷۶، کتاب الفرائض والمواریث، ابواب موانع الارث، باب ا، حدیث ۱۱۔

۳۴۔ وسائل الشیعہ جلد ۵، ص ۲۶۸ - ۲۸۱ - "کتاب الصلوٰۃ" ابواب بقیۃ الصلوٰۃ المندوبۃ، باب ۳۹، ۴۰۔

۳۵۔ روضۂ کافی، جلد ۸ ص ۷۹، حدیث ۳۳۔

۳۶۔ رسولِ خدا نے جبرئیلؑ سے کہا: مجھے کچھ نصیحت کرو، جبرئیلؑ نے کہا: اے محمدؐ چاہے جتنا زندہ رہو آخر کار مرنا ہے اور جس کو چاہے دوست رکھو مگر انجام کار اس سے جدا ہونا ہے اور جو چاہے کرو آخرالامر خدا کے یہاں اس کو دیکھو گے۔ یاد رکھو مومن کا شرف راتوں کو قیام کرنے میں ہے اور مومن کی عزت ان چیزوں سے دوری اختیار کرنے میں ہے جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ خصال باب ا، حدیث ۱۹، وسائل الشیعہ جلد ۵ ص ۲۶۹، کتاب الصلوٰۃ "و ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ" باب ۳۹ - حدیث ۳۔

۳۷۔ وسائل الشیعہ جلد ۵ ص ۲۷۵ "کتاب الصلوٰۃ" ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ" باب ۳۹، حدیث ۲۹۔

۳۸۔ علل الشرائع باب ۳۲، حدیث ۴، وسائل الشیعہ جلد ۵ ص ۲۷۵، کتاب الصلوٰۃ "ابواب بقیۃ

الصلوات المندوبۃ" باب ۲۹" حدیث ۳۰۔

۳۹۔ وسائل الشیعہ "کتاب الصلوٰۃ" ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ، باب ۲۹ ۔ احادیث ۲۔ ۲۸ ۔ ۳۴ ۔

۴۰ علل الشرائع باب ۲۲، حدیث ۴، وسائل الشیعہ جلد ۵ ص ۵، ۲۷، ۶ کتاب الصلوٰۃ، ۳۹۔ ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ، باب ۲۹، حدیث ۳۰۔

۴۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۵، ص ۲۸۰، کتاب الصلوٰۃ" ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ" باب ۴۰، حدیث ۱۳۔

۴۲۔ خداوند عالم نمازِ شب اور شب بیداری کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

(اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيلاً۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحاً طَوِيلاً۔) سورۂ مزمل ۶، ۷۔

"یقیناً راتوں کو اٹھنا نفس کو شدید روندتا ہے اور ذکر کے لئے مناسب ہے۔ یقیناً آپ کے لئے دن میں بڑی تلاش و کوشش ہے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں:

(اَلْوُصُولُ اِلَى اللّٰهِ سَفَرٌ لاَ يُدْرَكُ اِلاَّ بِامْتِطَاءِ اللَّيْلِ.)

"خدا تک رسائی ایک سفر ہے جو مرکب شب پر سوار ہوئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ مقدمۂ سر الصلوٰۃ، ص ۱۳۰۔

۴۳۔ طبرسیؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے: جب جناب ابراہیمؑ کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکنا چاہا تو جبرئیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور بولے: کیا کوئی حاجت ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا: ہے تو مگر تم سے نہیں۔ مجمع البیان ضمن تفسیر آیت ۲۹ ویں از سورۂ انبیاء۔

۴۴۔ حدیث ۱۰، توضیح ۲۴۔

۴۵۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۶۶ ۔ ۶۸ "کتاب فضل العلم" "باب اختلاف الحدیث" حدیث ۱۰، اور کافی میں وتعفی کی جگہ ارتکب المحرمات آیا ہے۔

۴۶۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۸، ص ۱۲۲ "کتاب القضاء" ابواب صفات قاضی باب ۱۲، حدیث ۳۹، وسائل میں یوشک کی جگہ او شک آیا ہے۔

۴۷۔ اے رسولؐ آپ کو جیسا کہ حکم دیا گیا ہے ثابت قدم رہیئے۔ (سورۂ ہود آیت ۱۱۲)

۴۸۔ آخری علاج داغ دینا اور جلانا ہے۔ یہ ایک مشہور مثل ہے۔ نہج البلاغہ میں بھی (خطبہ ۱۶۸) کے اندر استعمال ہوئی ہے اور کَیّ کے معنی گرم لوہے سے داغ دینا ہے جو بعض زحمتوں کے لئے آخری علاج ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جب آسان طریقے ناکام ہو جائیں تو سخت طریقہ کو استعمال کرنا چاہیئے۔ امثال و حکم۔

۴۹۔ جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور ان کے پشت داغے جائیں گے۔ (سورۂ توبۂ آیت ۳۵)

۵۰۔ ما طبیبانیم شاگردان حق۔ بحر قلزم دید مارا فانفلق، مثنوی دفتر سوم بیت ۲۷۴۲۔

۵۱۔ یقیناً نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔ (سورۂ یوسف، آیت ۵۳)۔

۵۲۔ مرحوم شاہ آبادی، حدیث ۱، توضیح ۵۱۔

۵۳۔ اے ایمان لانے والو! تقویٰ اختیار کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے۔ (سورۂ حشر، آیت ۱۸)

تیرہویں حدیث

«بالسَّنَد الْمُتَّصِل إلى الشَّيْخ الجَلِيل، ثقةِ الإسلام، مُحَمَّد بْنِ يَعْقوب، عَنْ عدَّةٍ مِنْ أَصْحابِنا، عَنْ أَحْمَدَبْن مُحَمَّد بن خالدٍ،عَنْ غَير واحدٍ، عَنْ عَلِيّ بْن أَسْباطٍ، عَنْ أَحمدِبْنِ عُمَرَ الْحَلالِ، عَنْ عَلِيّ بْن سُوَيدٍ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الأَوَّل، عَلَيْهِ السَّلام، قالَ سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: «وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ.» «فَقالَ اَلتَوَكُّلُ عَلى اللهِ دَرَجاتٌ. مِنْها أَنْ تَتَوَكَّلَ عَلَى اللهِ فِي أُمُورِكَ كُلِّها، فَما فَعَلَ بِكَ كُنْتَ عَنْهُ راضِياً، تَعْلَمُ أَنَّهُ لا يَأْلُوكَ خَيْراً وَفَضْلاً، وَتَعْلَمُ أَنَّ الْحُكْمَ فِي ذٰلِكَ لَهُ؛ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ بِتَفْويضِ ذٰلِكَ إِلَيهِ وَثِقْ بِهِ فِيها وَفِي غَيْرِها.»[۲]

ترجمہ: علی بن سوید کہتے ہیں: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا: «وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ.» کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: "خدا پر بھروسہ کرنے کے درجات ہیں:— ایک تو یہ ہے کہ اپنے تمام کاموں میں خدا پر بھروسہ کرو؛ اس نے تمہارے ساتھ

جو کچھ بھی کیا اس پر خوش رہو اور یہ جان لو کہ تم سے وہ اپنے فضل و نیکی کو نہیں روکے گا اور یہ جان لو کہ اسی کا فرمان ہے (تمام امور کو) اس کے سپرد کر کے اس پر بھروسہ کرو۔ ان امور اور دیگر امور میں خدا پر اعتماد رکھو۔

شرح: حلال تشدیدِ "لام" کے ساتھ (حل) روغن تل بیچنے والے کو کہتے ہیں: ابوالحسن اول امام موسیٰ کاظمؑ اور مطلق ابوالحسن سے بھی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ مراد ہوتے ہیں۔ ابوالحسن ثانی سے امام رضاؑ مراد ہوتے ہیں اور ابوالحسن ثالث سے امام علی نقیؑ مراد لئے جاتے ہیں۔

توکل کے معنیٰ از روئے لغت اظہار عاجزی و اعتماد بر غیر کے ہیں۔ واتکلتُ علیٰ فلان فی امری کا مطلب اعتمدتہ ہے یعنی میں نے اس پر اعتماد کیا اس کی اصل اوتکلتُ تھی۔

حَسْبُہٗ کا مطلب محسبہ و کافیہ ہے۔ "یألوک" الایألو، الوٌ بمعنی تقصیر کے ہیں البتہ بعض علما نے کہا ہے: جب متعدی بدو مفعول ہوتا ہے تو منع کے معنیٰ کو متضمن ہوتا ہے۔ یہ مطلب بھی اچھا ہے اس سے معنیٰ سلیس ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ لازمی نہیں ہے بلکہ تقصیر کے معنیٰ بھی درست ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صحاح سے بھی اس کے خلاف کا استفادہ ہوتا ہے۔ صاحبِ صحاح کہتے ہیں: «ألاَ يَألُو، أيْ قصرَ وَفُلاَنٌ لاَ يَألُوكَ نُصْحاً.» [5] اس سے پتہ چلتا ہے کہ متعدی بدو مفعول بھی اس معنیٰ میں آتا ہے۔ توکل کا مطلب تفویض کے علاوہ ہے اور توکل و تفویض دونوں رضا اور وثوق کے مخالف ہیں۔ ہم بعد میں انشاء اللہ اس کو بیان کریں گے۔ حدیث کی ضروری چیزوں کو ہم چند فصلوں میں بیان کریں گے۔

پہلی فصل

توکل اور اس کے درجات کا بیان

مختلف مسلکوں کے اعتبار سے توکل کی مختلف تعبیریں کی گئی ہیں جو معانی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ چنانچہ صاحبِ منازل السائرین فرماتے ہیں:

«اَلتَّوَكُّل كِلَةُ الأَمْرِ كُلِّهِ إِلَى مَالِكِهِ وَالتَّعوِيلُ عَلَى وِكَالَتِهِ» [6] یعنی توکل کا مطلب تمام امور کو ان کے مالک کے حوالہ کر دینا اور اس کی وکالت پر بھروسہ کرنا ہے۔"

بعض عرفا نے کہا ہے: «اَلتَّوَکُّلُ طَرْحُ الْبَدَنِ فِي الْعُبُودِيَّةِ وَتَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِالرُّبُوبِيَّةِ.» "یعنی توکل کا مطلب بدن کو بندگی میں ڈال دینا اور قلب کا ربوبیت سے تعلق پیدا کر لینا ہے۔"

بعض لوگوں نے کہا ہے: «اَلتَّوَکُّلُ عَلَى اللّٰهِ إِنْقِطَاعُ الْعَبْدِ فِي جَمِيعِ مَا يَأْمُلُهُ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ» "یعنی توکل بر خدا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام اُمیدوں کو مخلوقِ خدا سے قطع کر لے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ تمام معانی آپس میں ایک دوسرے سے قریب ہیں اور کسی مفہوم کے بارے میں بحث کرنا ضروری نہیں اور جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بندوں کے اختلاف مقام کی وجہ سے ان کے درجہ بھی مختلف ہوں گے اور چونکہ توکل کے درجات کا علم بندوں کی معرفت عبودیت کے درجاتِ علم پر موقوف ہے اس لئے ہم اس کے ذکر کرنے پر مجبور ہیں لہٰذا آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اصولِ معارف میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ربوبیت اور مالکیت کا علم حق ہے اور کیفیتِ تصرف تمام امور کے اندر یہ بھی ذاتِ مقدس کا حق ہے اس بات کو تسلیم کئے بغیر سالکین کے مقامات حاصل نہیں ہو سکتے اور ہم اس بحث میں علمی انداز سے داخل نہیں ہوں گے کیونکہ علمی انداز سے اس بحث کا چھیڑنا جبر و تفویض کی تحقیق پر موقوف ہے اور یہ بات اس کتاب کے مناسب نہیں ہے لہٰذا صرف لوگوں کے درجاتِ معرفت کیا ہیں اس کو بیان کریں گے۔

لوگوں کی معرفت ذاتِ مقدس پروردگارِ عالم کے بارے میں بہت ہی مختلف متفاوت ہے۔ عام موحد خدا کو مبادی امور اور کلیاتِ جواہر و عناصر اشیاء کا خالق جانتے ہیں اور اس کے تصرف کو محدود سمجھتے ہیں احاطۂ ربوبیت کے قائل نہیں ہیں یہ لوگ زبان سے کبھی تو کہتے ہیں: مقدرِ امور حق ہے اور ہر چیز اس کے تحتِ تصرف ہے کوئی بھی موجود اس کے ارادے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا لیکن وہ لوگ اس مقام کے اہل نہیں ہیں نہ از روئے علم نہ ایمان نہ شہود نہ وجدان اس قسم کے لوگ جس میں ہم بھی داخل ہیں حق تعالیٰ کی ربوبیت کا علم نہیں رکھتے ان کی توحید ناقص ہے اور ظاہری اسباب و علل کی بنا پر ربوبیت اور سلطنت حق سے محجوب ہیں اور مقامِ توکل پر فائز نہیں ہیں صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اسی لئے دنیاوی امور میں کسی بھی اعتبار سے حق پر بھروسہ نہیں کرتے اور سوائے اسبابِ ظاہری اور موثرات دنیاوی کے علاوہ کسی چیز سے ارتباط پیدا نہیں کرتے اور اگر کسی طرح ضمناً خدا کی طرف توجہ کر بھی لیتے ہیں اور اس سے کوئی مقصد طلب کرتے

ہیں تو یہ یا تو از روئے تقلید ہوتی ہے یا از روئے احتیاط کیونکہ اس میں ان کو کوئی ضرر نہیں دکھائی دیتا اور نفع کا احتمال رہتا ہے ایسی صورت میں توکل کی بو ان میں ہوتی ہے لیکن اگر اسباب ظاہرہ کو اپنے موافق دیکھیں تو پھر خدا اور اس کے تصرف سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ توکل کسب و عمل کے منافی نہیں ہے تو یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے بلکہ دلیل کے مطابق اور نقل کے موافق ہے۔ لیکن ربوبیت اور اس کے تصرف اور اس کو مستقل شمار کرنے کے منافی ہے۔

اس قسم کے لوگ جو اپنے دنیاوی کاموں میں کوئی توکل اور بھروسہ نہیں رکھتے آخرت کے معاملے میں توکل کے بارے میں بڑی ڈینگ مارتے ہیں ہر علم و معرفت یا تہذیب نفس اور عبادت و اطاعت کے بارے میں اگر سستی کرتے ہیں تو فوراً خدا کے فضل و کرم پر اعتماد اور توکل کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر کسی زحمت و عمل کے صرف "خدا بہت بڑا ہے اور ہم خدا کے فضل پر بھروسہ کرتے ہیں" کہہ دینے سے آخرت کے درجات حاصل کرلیں دنیاوی امور کے بارے میں کہتے ہیں سعی و عمل کرنا توکل اور خدا پر اعتماد کرنے کے منافی نہیں ہے اور آخرت کے امور کے بارے میں کہتے ہیں کہ سعی کرنا و عمل کرنا، اعتماد اور فضل و توکل بر خدا کے منافی ہے یہ سب نفس و شیطان کی مکاری ہے کیونکہ یہ سب نہ دنیاوی اور نہ اخروی امور میں توکل کرتے ہیں اور نہ کسی پر اعتماد کرتے ہیں بس چونکہ دنیاوی امور کو اہمیت دیتے ہیں اس لئے اسباب کا سہارا لیتے ہیں اور حق اور اس کے تصرف پر اعتماد نہیں کرتے اس کے برعکس آخرت کے کاموں کو چونکہ اہمیت نہیں دیتے اور یوم معاد اور اس کی تفصیل پر حقیقی ایمان نہیں رکھتے اس لئے عذر تراشی کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں خدا بڑا ہے کبھی خدا پر بھروسہ کرتے ہیں کبھی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ یہ تمام چیزیں سوائے لقلقۂ زبان اور صورتِ بے معانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو دلیل یا نقل کے ذریعہ سے عقیدہ رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ خدا مقدرِ امور ہے اور مسبب اسباب ہے اور دارِ وجود میں مؤثر ہے اور اس کی قدرت اور اس کا تصرف غیر محدود ہے یہ لوگ عقلی اعتبار سے خدا پر توکل رکھتے ہیں۔ یعنی عقلاً و نقلاً توکل کے ارکان ان کے یہاں مکمل ہیں اسی لئے یہ لوگ اپنے کو متوکل سمجھتے ہیں اور توکل کے لازم ہونے پر دلیل بھی قائم کرتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے توکل کے ارکان کو ثابت کیا ہے ارکان توکل یہ ہیں:

۱۔ خداوند تعالیٰ بندوں کی ضرورتوں کا عالم ہے۔

۲۔ خدا ان کے احتیاج کو دور کرنے پر قادر ہے۔

۳۔ اس کی ذاتِ مقدس میں بخل نہیں ہے۔

۴۔ اپنے بندوں پر رحمت و شفقت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کا لازمہ ہے کہ ایسے خدا پر جو عالم و قادر ہے غیر بخیل ہے بندوں پر رحیم ہے اس پر بھروسہ کیا جائے کیوں کہ وہ ان کے مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور کسی مصلحت کو فوت نہیں ہونے دیتا اگرچہ خود بندے مصلحت اور مفسدہ میں تمیز نہیں کر سکتے! یہ گروہ اگرچہ از روئے علم متوکل ہے لیکن ایمان کے مرتبہ پر یہ بھی نہیں پہنچا اور اسی لحاظ سے امور میں متزلزل ہے اور اس کی عقل اور دل میں کش مکش ہے اور عقل مغلوب ہے۔ کیونکہ اس گروہ کے دل تو اسباب سے متعلق ہوتے ہیں اور تصرفِ حق سے محجوب ہوتے ہیں۔

تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو تصرفِ حق کو موجودات کے اندر دلوں تک پہنچاتے ہیں اور ان کے دل اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ مُقدّرِ امور حق تعالےٰ ہے اور وہی مالک اشیاء اور بادشاہ ہے اور قلم عقل سے دلوں کی تختیوں پر ارکانِ توکل کو لکھ لیا ہے یہ گروہ مقام توکل کا مالک ہے لیکن مراتبِ ایمان اور درجاتِ ایمان کے سلسلے میں اس گروہ کے اندر بھی بہت اختلاف ہے یہاں تک کہ یہ اطمینان و کمال کے درجہ تک پہونچ جائے اور جب ایسا ہو جائے تبھی دلوں میں توکل کا کامل درجہ ظاہر ہوتا ہے اور اسباب کے ساتھ تعلق و دل بستگی نہیں پیدا ہوتی ہے اور ان لوگوں کا دل مقامِ ربوبیت تک دست انداز ہو جاتا ہے اور اس پر اطمینان و اعتماد پیدا کر لیتا ہے جیسا کہ اس عارف نے توکل کی تعریف میں کہا ہے:

بدن کو راہ عبودیت میں ڈال دینا اور قلب کا ربوبیت سے متعلق کر دینا توکل ہے یہ تمام چیزیں جو ذکر کی گئیں یہ اس صورت میں ہیں کہ قلب کثرتِ افعال کے مقام میں واقع ہو ورنہ وہ مقام توکل سے گزر جائے گا اور مقصود سے خارج ہو جائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ توکل کے درجات ہیں اور شاید حدیث میں جس درجہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مُراد دوسرے گروہ کا توکل ہے کیونکہ اسی کے مبادی کو علم قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے درجات کی طرف اشارہ ہو جو دوسرے اعتبار سے ہے کیونکہ توکل کے دوسرے درجات بھی دوسری تقسیم کی بناء پر ہیں اور وہ اسی طرح ہیں کہ جس طرح اصحاب عرفان و ریاضت کے درجات ہوتے ہیں کہ کثرت سے وحدت کی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے پہونچتے ہیں فنائے افعال دفعتاً نہیں ہوا کرتی بلکہ تدریجاً ہوا کرتی ہے پہلے تو اپنے مقام پر ہوتی ہے اس کے بعد دیگر موجودات میں مشاہدہ کی جاتی ہے۔ اصول توکل رضا و تسلیم اور دیگر مقامات بھی بتدریج ہی ہوتے ہیں (مثلاً

ممکن ہے پہلے تو تھوڑے سے امور میں اور غائب و مخفی اسباب میں توکل کرے اس کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے مقام مطلق تک پہونچ جائے چاہے اسباب ظاہر و جلی ہوں یا باطن و خفی ہوں اور چاہے اپنے کاموں میں ہو یا متعلقین کے یا وابستہ لوگوں کے کاموں میں، ہو اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ تم اپنے تمام امور میں توکل کرو۔

دوسری فصل

توکل اور رضا کا فرق

یہ جان لو کہ مقامِ رضا مقامِ توکل کے علاوہ ہے بلکہ رضا کا مرتبہ عالی تر و بلند تر ہے۔ کیونکہ متوکل صرف اپنی صلاح خیر کا طالب ہوتا ہے اور خداوند عالم کو فاعل خیر سمجھتے ہوئے اپنے خیر و صلاح کے حاصل کرنے کے لئے وکیل بناتا ہے لیکن جو شخص مقامِ رضا پر فائز ہوتا ہے وہ اپنے ارادہ کو ارادہ حق میں فنا کر دیتا ہے اپنے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا جیسا کہ بعض اہلِ سلوک سے لوگوں نے پوچھا کہ: «ما تُرِيدُ قالَ اُرِيدُ أنْ لاَ اُرِيدُ» [۸] اس کا مطلب مقامِ رضا تھا۔

اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے: «فَما فَعَلَ بِکَ کُنْتُ عَنْهُ راضِياً» (جو کچھ تمھارے ساتھ خدا کرے تم اس پر راضی رہو) اس کا مقصد مقامِ رضا نہیں ہے اسی لئے کہ آخر میں فرمایا ہے: یہ جان لو کہ خدا جو کچھ بھی کرتا ہے اسی میں تمھارے لئے خیر و فضل ہے گویا کہ معصوم کا مطلب یہ ہے کہ سائل کے ذہن میں مقامِ توکل کو ایجاد فرمائیں اسی لئے آپ نے اس کے لئے چند مقدمات ترتیب دیئے ہیں: «تَعلَمُ اَنَّهُ لاَ يَألُوکَ خَيراً وَ فَضلاً.» [۲] فرمایا تم جانتے ہو کہ خدا تمھارے بارے میں کسی خیر و فضل کے سلسلے میں کمی نہیں کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا:

«وَ تَعلَمُ أنَّ الْحُکْمَ فِي ذٰلِکَ لَهُ.» اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہے اسی کا حکم ہے البتہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ خداوند عالم ہر چیز پر قادر ہے اور اس سے کسی خیر و فضل کو کم نہیں کرے گا اس کے لئے مقامِ توکل حاصل ہے کیونکہ توکل کے دو بڑے رکن وہی ہیں جن کو معصوم نے ذکر فرما دیا اب رہی دو باتیں دوسرے ارکان تو ان کے واضح ہونے کی بناء پر ان کا ذکر نہیں کیا۔ پس ان مقدماتِ مذکورہ اور غیر مذکورہ معلومہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا جو

جو کچھ بھی کرتا ہے وہ موجب خوشنودی و رضا ہے اس لئے کہ خیر و صلاح اسی میں ہے۔ پس اس طرح مقامِ توکل حاصل ہوتا ہے اور اسی لئے معصومؑ نے اس پر یہ تفریع فرمائی ہے۔

«فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ.»

تیسری فصل

تفویض و توکل و ثقہ کا فرق

تمھیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ تفویض بھی توکل کے علاوہ چیز ہے جیسے کہ ثقہ کے علاوہ تفویض و توکل ہے۔ اسی لئے سالکین کے مقامات میں ان کو جداگانہ شمار کیا جاتا ہے خواجہ فرماتے ہیں: «اَلتَّفْوِيضُ أَلْطَفُ إِشَارَةً وَأَوْسَعُ مَعْنًى مِنَ التَّوَكُّلِ. ثُمَّ قَالَ التَّوَكُّلُ شُعْبَةٌ مِنْهُ.» ۹ یعنی تفویض توکل سے زیادہ لطیف و دقیق ہے اور توکل اس کا ایک شعبہ ہے کیونکہ تفویض کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے اندر کسی حول و قوت کو نہ دیکھے بلکہ تمام امور میں اپنے کو بے تصرف اور حق کو متصرف سمجھے لیکن توکل ایسا نہیں ہے کیونکہ متوکل تصرف اور جلب خیر و صلاح میں حق کو اپنا قائم مقام کرتا ہے۔

اور تفویض زیادہ وسیع ہے اور توکل اسی کا ایک شعبہ ہے کیونکہ توکل کا تعلق صرف مصالح میں ہوتا ہے اور تفویض کا تعلق مطلق امور میں ہوتا ہے نیز توکل موجب توکل سبب کے واقع ہونے کے بعد ہوا کرتا ہے۔ یعنی وہ امر کہ جس میں بندہ خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ مثلاً پیغمبرؐ اور اصحاب پیغمبرؐ کا خدا پر بھروسہ کرنا مشرکین سے حفاظت کے وقت اس وقت کہ جب ان سے یہ بات کہی گئی کہ:

«إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.» ۱۰ لیکن تفویض وقوعِ سبب سے پہلے ہوا کرتی ہے جیسا کہ رسولِ خداؐ سے مروی دعا کے اندر ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ.» ۱۱ البتہ کبھی وقوعِ سبب کے بعد بھی تفویض ہوتی ہے جیسے مومن آلِ فرعون کی تفویض اس میں نے جو کچھ بھی ذکر کیا یہ مشہور عارف عبدالرزاق کاشانی ۱۲ کی شرح کا ماحصل ہے جو جناب عارف کامل خواجہ عبداللہ ۱۳ کے کلام سے تھوڑا سا تفاوت رکھتا ہے اور ان کے کلام کا اختصار ۱۴ ہے۔ ویسے خواجہ کا کلام بھی

اس پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن توکل کے شعبہ تفویض ہونے میں تامل ہے اور تفویض کو توکل سے عام شمار کرنا واضح قسم کا مسامحہ ہے نیز اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ توکل صرف وقوع سبب کے بعد ہوا کرتا ہے بلکہ دونوں جگہوں پر توکل ہوتا ہے اور حدیث میں جو یہ آیا ہے: «فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ بِتَفْوِيضِ ذٰلِكَ إِلَيْهِ.» تو ہوسکتا ہے کہ چونکہ توکل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو چیز اپنے سے متعلق ہو اس میں دوسرے کو وکیل بنا دینا اور اس کے سپرد کر دینا۔ پس حضرت یہ چاہتے ہیں کہ اس کو مقامِ توکل سے ترقی دے کر مقامِ تفویض تک پہونچا دیں اور اس کو یہ سمجھا دیں کہ خدا تصرف میں تیرا قائم مقام نہیں ہے بلکہ وہ خود اپنی ملک پر متصرف اور اپنی مملکت کا مالک ہے۔ خود خواجہ نے بھی منازل السائرین میں توکل کے تیسرے درجہ میں اس مطلب کی طرف متوجہ کیا ہے۔[15]

اور "ثقہ" توکل و تفویض دونوں کے علاوہ ہے جیسا کہ خواجہ نے فرمایا ہے!

«اَلثِّقَةُ سَوادُ عَيْنِ التَّوَكُّلِ وَنُقْطَةُ دائِرَةِ التَّفْوِيضِ وَسُوَيْداءُ قَلْبِ التَّسْلِيمِ.»[16]

ثقہ چشمِ توکل کی سیاہی دائرۂ تفویض کا نقطہ اور قلب تسلیم کا سویدا ہے۔ یعنی اس کے بغیر مقاماتِ ثلاثہ حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان مقامات کی روح ثقہ باللہ ہے اور جب تک بندہ خدا پر وثوق نہ رکھے گا اس کا دارا نہیں ہو سکتا۔ اب پتہ چلا کہ حضرت نے توکل و تفویض کے بعد کیوں فرمایا:

«ثِقْ بِهِ فِيها وَفِي غَيْرِها.»

تیرہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ سورۂ طلاق آیت ۳۔

۲۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۵ (کتاب ایمان وکفر) باب التفویض الی اللہ والتوکل علیہ، حدیث ۵۔

۳۔ اِتَّکَلْتُ عَلٰی فلان فی امری یعنی اپنے کام میں اس پر بھروسہ کیا۔ اس کی اصل او تکلت ہے۔ حَسْبُہٗ یعنی اس کے لئے کافی ہے۔

۴۔ مرآۃ العقول جلد ۸، ص ۲۳ "کتاب ایمان وکفر" باب التفویض حدیث ۵۔

۵۔ الایألو، کوتاہی کیا۔ اور لایالو خیرا کے بعد مطلب ہوگا خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

۶۔ منازل السائرین ص ۳۳ "قسم معاملات" باب ۲۷۔

۷۔ یہ کلام ابو تراب نخشبی سے نقل ہوا ہے۔ رسالہ قشیریہ جلد ۱ ص ۴۶۸۔

۸۔ یہ کلام بایزید سے منقول ہے۔ شرح منازل السائرین، ص ۸۹، قسم چہارم در اخلاق، باب "رضا"

۹۔ منازل السائرین، ص ۲۴، قسم البدایات "باب تفویض"

۱۰۔ لوگوں نے تمھارے (مقابلہ کے) واسطے (بڑا لشکر) جمع کیا ہے۔ پس ان سے ڈرتے رہو (تو بجائے خوف کے) ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے (ہوگا بھی) خدا ہمارے واسطے کافی ہے اور کیا اچھا کارساز ہے۔ (سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۷۳)

۱۱۔ خدایا میں نے اپنی ذات کو تیرے حوالے کیا اور تیرے اوپر بھروسہ کیا اور اپنے امور کو تیرے حوالہ کیا۔

۱۲۔ مُلّا عبدالرزاق بن جمال (جلال) الدین اسحاق کاشانی سمرقندی ملقب بہ ابوالغنائم وملقب بہ کمال الدین آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عارفوں میں سے ہیں اور فصوص کے بڑے شارحین میں سے ہیں (۷۳۰ یا ۷۳۵) میں انتقال ہوا ان کے آثار میں اصطلاحات الصوفیۃ، تاویل الآیات یا تاویلات القرآن، شرح فصوص الحکم، شرح منازل السائرین ہے۔

۱۳۔ حدیث ۱۲، توضیح ۲۔

۱۴۔ شرح منازل السائرین ص ۸۷، باب معاملات، باب "تفویض"

۱۵۔ منازل السائرین ص ۲۴، قسم سوم درباب معاملات، باب "توکل"

۱۶۔ "ثقہ" آنکھ کی پتلی "توکل" ومرکز دائرہ "تفویض" وکانون دل "تسلیم" ہے۔ منازل السائرین، ص ۲۵ "قسم البدایات" باب ثقہ۔

چودہویں حدیث

«بِسَنَدِيَ الْمُتَّصِلِ إِلى مُحَمَّد بن يَعْقُوبَ، ثِقَةُ الإِسْلامِ وَعِمادِ الْمُسْلِمِينَ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحابِنا، عَنْ أَحْمَدَبْنِ مُحَمَّد، عَنْ عَلِيِّ بْن حَدِيدٍ، عَنْ مَنْصُورِبْنِ يُونُسَ، عَنِ الْحارِثِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، أو أَبِيهِ، عَنْ أَبِي عَبدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قُلْتُ لَهُ: ما «كانَ» فِي وَصِيَّةِ لُقْمانَ؟ قالَ كانَ فِيها الأَعاجِيبُ؛ وَكانَ أَعْجَبَ ما كانَ فِيها أَنْ قالَ لِابْنِهِ: خَفِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ خِيفَةً لَوْ جِئْتَهُ بِبِرِّ الثَّقَلَيْنِ لَعَذَّبَكَ؛ وَارْجُ اللهَ رَجاءً لَوْ جِئْتَهُ بِذُنُوبِ الثَّقَلَيْنِ لَرَحِمَكَ. ثُمَّ قالَ أَبُو عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ؛ كانَ أَبِي يَقُولُ: إِنَّهُ لَيْسَ مِن عَبْدٍ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَفِي قَلْبِهِ نُورانِ: نُورُ خِيفَةٍ، وَنُورُ رَجاءٍ، لَوْ وُزِنَ هٰذا لَمْ يَزِدْ عَلى هٰذا؛ وَلَوْ وُزِنَ هٰذا لَمْ يَزِدْ عَلى هٰذا.»[1]

ترجمہ: راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ لقمان کی وصیت کیا تھی؟

حضرتؑ نے فرمایا!

اس میں دلچسپ باتیں تھیں اور اس میں سب سے عجیب بات یہ تھی کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: خدا سے اس طرح ڈرو کہ اگر تم میں جن و انس کے برابر اطاعت کر کے آؤ جب بھی تم پر عذاب کرے گا اور خدا سے ایسی اُمید رکھو کہ اگر جن و انس کے برابر گناہ کر کے آؤ جب بھی تم کو بخش دے گا۔ اس کے بعد حضرت صادقؑ نے فرمایا میرے والد ماجد کہا کرتے تھے ہر بندۂ مومن کے دل میں دو نور ہوتے ہیں خوف کا نور اور اُمید کا نور اگر اس کو اس کے مقابل میں تولا جائے تو اس کا وزن اس سے زیادہ نہیں ہوگا اور اگر اس کو اس کے مقابل میں تولا جائے تو اس کا وزن اس سے زیادہ نہیں ہوگا۔

شرح: جوہری[۲] نے اپنی صحاح کے اندر کہا ہے کہ گویا اعاجیب اعجوبہ کی جمع ہے جیسے احادیث "احدوثہ" کی جمع ہے اور بعض کہتے ہیں اعجوبہ ہر اس اچھی یا بڑی چیز کو کہتے ہیں جو تعجب آور ہو اس حدیث میں اچھی چیز مُراد ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ ایسی چیز سے مخصوص ہے جس کا حُسن تعجب آور ہو۔ اگرچہ استعمال میں طفیلی طور پر عام مستعمل ہے۔

اور بر عقوق کے برخلاف ہے۔ فلان یَبَرُّ خَالِقَہٗ کا مطلب "وہ اس کی اطاعت کرتا ہے" کے ہیں جیسا کہ جوہری نے تصریح کر دی ہے۔ ثقلان سے مُراد جن و انس ہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خوف و رجاء دونوں کو درجۂ کمال پر ہونا چاہیئے اور رحمتِ الہٰی سے مایوسی اور مکر سے اطمینان یہ دونوں بطور کلی ممنوع ہیں۔ چنانچہ بہت سی حدیثوں کی اس مطلب پر دلالت بھی ہے۔[۳] اور قرآنِ مجید نے نص کر دیا ہے۔[۴] دوسری چیز یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو دوسرے پر رجحان نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو چند فصلوں کے ضمن میں ہم اس کو اور حدیث کے دیگر مناسبات کو ذکر کریں گے۔

پہلی فصل

انسانِ عارف کی دو نظر ہے

حقائق کے جاننے والے اور ممکن و واجب کے درمیان نسبت سے مطلع انسان کی دو نظریں ہوا کرتی ہیں۔[۲]

پہلی نظر: اپنا اور تمام ممکنات کا ذاتی نقص و کائنات کی سیاہ روئی جو اس کو علماً یا عیناً حاصل ہو جاتی ہے کہ ممکن سر سے پیر تک نقص کی ذلت اور ازل سے ابد تک فقر و احتیاج و امکان کے تاریک سمندر میں ڈوبا ہوا ہے اور خود کسی چیز کا مالک نہیں ہے، ناچیز محض ہے، بے آبروئے محض ہے۔ ناقص علی الاطلاق ہے بلکہ یہ تعبیر بھی اس کے لئے درست نہیں ہے۔ یہ تو تنگی تعبیر و ضیق و مجال سخن کی وجہ سے ہے۔ ورنہ نقص و فقر و احتیاج تو شئی کی فرع ہے (اور انسان تو در حقیقت لاشئی ہے) اس لئے کہ تمام ممکنات و مخلوقات کے پاس اپنی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نظریہ سے اگر تمام عبادات و اطاعات، عوارف و معارف کو خداوندِ قدوس کے سامنے پیش کیا جائے تو سر جھکائے و شرمندگی "ذلت و خوف کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کیسی اطاعت و کیسی عبادت؟ کس کی اور کس کے لئے؟ تمام محامد تو خدا کی طرف راجع ہیں۔ ممکن کا اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ بلکہ ممکن کی دخالت و اس کا تصرف اظہارِ محامد میں اور ثنائے حق میں نقص عارض کرنے والا ہے۔ اب میں عنانِ قلم کو یہاں سے موڑتا ہوں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

«ما أصابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ ما أصابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ.»[۵]

چنانچہ مقامِ اوّل میں فرماتا ہے: «قُلْ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ»[۶] اور قائل یہاں پر کہتا ہے:

پیرِ ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت   آفرین بر نظرِ پاک خطا پوشش باد

پیر کا قول تو مقامِ دوم کی طرف راجع ہے مگر خود قائل کا قول مقامِ اوّل کی طرف راجع ہے۔ پس اس نظر میں انسان کو خوف، حزن، خجالت، سرافگندگی گھیر لیتی ہے۔

دوسری نظر: کمالِ واجب اور بساطِ رحمت اور اس کے لطف و بے انتہا عنایت کی وسعت پر نظر کرنا کہ یہ گوناگوں رحمتوں اور نعمتوں کی بساط جس کا احاطہ ناممکن و محال ہے۔ یہ سب اس نے کسی استعداد و قابلیت کا لحاظ کئے بغیر عطا کئے ہیں۔ بندوں کو ان کے کسی استحقاق کے بغیر ان پر اپنے لطف و کرم کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس کی نعمتیں ابتداء اور بغیر کسی سوال کے ہیں چنانچہ حضرت سید الساجدینؑ زین العابدینؑ نے صحیفۂ کاملہ اور دیگر دعاؤں میں بار بار اس مطلب کی طرف[۸] اشارہ فرمایا ہے۔ پس اس کی اُمید قوی ہو جاتی ہے اور اُمیدوار رحمتِ حق تک پہونچ جائیگا۔ (وہ تو ایسا) کریم ہے جس کا کرم عنایت و رحمت ہے۔ ایسا مالک الملوک ہے کہ ہمارے سوال کے بغیر اور ہماری استعداد کے بغیر ہم پر اتنی عنایتیں کی ہیں کہ تمام عقول اس کے تھوڑے سے حصہ

کا علم نہیں حاصل کر سکتے۔ اس کے علم سے عاجز و قاصر ہیں۔ اہلِ معصیت کا عصیان اس کی وسیع مملکت میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا اور اہلِ طاعت کی طاعت اس میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس ذاتِ مقدس کا ہدایت کے راستوں کا بتانا اور عصیان سے روکنا یہ اس کی کرم نوازی اور رحمت و نعمت کی بخشش ہے اور مقامات کمال و مدارج کمالیہ و تنزیہ تک پہونچنے کا اور برائی و نقص سے بچنے کا وسیلہ ہے۔

لہٰذا اگر ہم اس کی درگاہ عزت و جلال اور بارگاہ رحمت و کمال میں جاکر عرض کریں:

بارالہا: تو نے ہم کو لباسِ ہستی پہنایا اور ہمارے لئے تصور کرنے والوں کے تصور سے زیادہ حیات و راحت کے اسباب و وسائل پیدا کئے، تمام ہدایت کے راستے ہمیں دکھائے اور یہ تمام عنایتیں ہماری ہی صلاح کے لئے تھیں اور نعمت و رحمت کے نشر کے لئے تھیں۔ اب ہم تیرے دارِ کرامت میں، تیری بارگاہ عظمت و سلطنت میں دونوں جہاں کے گناہ لئے ہوئے آئے ہیں اور (ہم جانتے ہیں) گناہ گاروں کے گناہ نہ تیری دستگاہ کو نقصان پہونچا سکتے ہیں اور نہ تیری حکومت میں خلل پیدا کر سکتے ہیں یہ ایک مشتِ خاک جو تیری عظمت و جلالت کے مقابلہ میں کسی شمار و قطار کے قابل نہیں ہے اس کے ساتھ تو رحمت و عنایت کے سوا کیا کرے گا؟ کیا تیری بارگاہ سے رحمت کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع کی جاسکتی ہے؟

پس انسان کو ہمیشہ ان دونوں نظروں میں مردد رہنا چاہیئے نہ اپنے نقص اور تقصیر و قصور بندگی کی طرف سے چشم پوشی کرنی چاہیئے اور نہ وسعت رحمت اور لطفِ الٰہی و نعمت و عنایت الٰہی کے شمول ہونے سے مایوس ہونا چاہیئے۔

دوسری فصل

عبادت خدا سے ممکن کی عاجزی

اے عزیز یہ جان لو کہ "خوف" و "رجا" کے مراتب و درجات ہیں اور یہ مراتب بندوں کی معرفت و حالات کے مراتب کے اعتبار سے ہیں۔ چنانچہ عوام کا خوف عذاب سے ہے اور خواص کا خوف عتاب سے ہے اور اخص خواص کا خوف احتجاب سے ہوتا ہے۔ اس

وقت تو میں اس کی شرح کے چکر میں نہیں ہوں۔ سابق مطلب کے سلسلہ میں جو کچھ بھی ہے اس کو دوسرے بیان کے ساتھ ذکر کروں گا۔

پس جان لو کہ دنیا کی کوئی مخلوقِ خدا کی عبادت جیسی کی جانی چاہیئے ویسی نہیں کر سکتی اس لئے کہ عبادت کا مطلب اس ذاتِ مقدس کے مقام کی ثنا ہے اور ہر شخص کی ثنا اس کی معرفت کے اعتبار ہی سے ہوتی ہے اور چونکہ بندوں کے دستِ آرزو اس کی معرفتِ ذات کی عزت جلال سے در حقیقت کوتاہ ہیں۔

لہٰذا اس کے جمال وجلال کی ثنا بھی نہیں کر سکتے اور جب اشرف مخلوقات واعرفِ موجودات مقامِ ربوبیت کے سلسلہ میں اعتراف عجز وقصور کرتے ہوئے فرمائے:

«ما عَبَدْناکَ حَقَّ عِبادَتِکَ وَما عَرَفْناکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ.» [9] (تو دوسروں کی کیا حقیقت ہے؟) اس حدیث میں دوسرا جملہ پہلے جملہ کی علت ہے۔ نیز فرمایا:

«وَقالَ أَنْتَ کَما أَثْنَيْتَ عَلی نَفْسِکَ.» [10] پس یہ قصورِ ذاتی حق ممکن ہے اور علو ذاتی مخصوص ہے۔ ذاتِ کبریا جل جلالہ کے لئے۔

اور چونکہ بندے ذاتِ مقدس کی عبادت وثنا سے عاجز ہیں اور معرفت وبندگیٔ حق کے بغیر کوئی بھی بندہ مقاماتِ عالیہ اور مدارج اخرویہ تک نہیں پہونچ سکتا اور یہ بات اپنی جگہ پر علمائے آخرت کے نزدیک دلیلوں سے ثابت ہے (البتہ) عوام اس سے غافل ہیں اور اخروی مدارج کو گپ یا گپ کے مشابہ سمجھتے ہیں "تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا" اس لئے خداوندِ عالم نے اپنے لطفِ عمومی اور رحمتِ واسعہ کی بنا پر ان کے سامنے اپنی رحمت کا ایک دروازہ کھول دیا اور غیبی تعلیمات اور ملائکہ وانبیاءؑ کے واسطہ سے وحی والہام کر کے یہی حضرات (یعنی ملائکہ، انبیاءؑ ائمہؑ) عبادت ومعرفت کے دروازے ہیں۔ اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا طریقہ سکھایا اور معرفت کا راستہ دکھایا تاکہ لوگ حتی الامکان اپنا نقصان دور کر سکیں اور تحصیلِ کمال کر سکیں اور نورِ بندگی کے پرتو سے عالمِ کرامتِ حق اور روح وریحان وجنتِ نعیم کی دنیا تک ہدایت حاصل کر سکیں بلکہ رضائے الٰہی تک پہونچ سکیں۔

پس عبادت وعبودیت کے دروازے کو کھولنا بہت بڑی نعمت ہے کہ تمام موجودات جس کے مرہونِ منت ہیں اور اس نعمت کا شکریہ نہیں ادا کر سکتے۔ بلکہ ہر شکر ایک ایسے بابِ کرامت کا کھولنا ہے جس کے شکر سے انسان عاجز ہے۔ اب اگر انسان کو اس روش کا علم ہو گیا اور اس

کا دل اس پر مطلع ہو گیا تو وہ خود ہی اپنی اپنی تقصیر کا اعتراف کرے گا اور اگر جن وانس و ملائکہ مقربین کی (عبادت کے برابر) عبادت (بھی) بارگاہِ خداوندی میں لے جائے جب بھی خائف رہے گا اور مقصر رہے گا، نیز حق کے عارف بندے اور اس کے اولیائے خاص کہ جن کے سامنے (قضاو) قدر کا ایک راز بھی منکشف ہو گیا اور ان کا دل نورِ معرفت سے روشن ہو گیا (تو) ان کا دل خوف سے اس طرح لرزتا ہے اور ان کا قلب اس طرح متزلزل رہتا ہے کہ اگر تمام کمالات ان کے پاس جمع ہو جائیں اور تمام معارف کی کلید ان کے ہاتھوں میں دیدی جائے اور ان کے دل تجلیات سے مالامال ہو جائیں پھر بھی نہ ذرہ برابر ان کا خوف کم ہو گا اور نہ تزلزل میں کمی آئے گی۔ چنانچہ انھیں عرفا میں سے ایک کہتا ہے: سب انجام سے ڈرتے ہیں اور میں اول ہی سے ڈرتا ہوں۔" «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.» خدا کی پناہ مانگتا ہوں، خدا جانتا ہے کہ اس کلام سے انسان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس کا دل پگھل جائے اور وہ جنگل میں چلا جائے (تو تعجب نہیں ہے) افسوس" انسان کتنا غافل ہے۔

دوسرے یہ کہ میں نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے۔ کسی ایک حدیث ۱۲ کی شرح کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ ہماری ساری عبادتیں و اطاعتیں صرف اپنی غرض کے حصول کے لئے ہوتی ہیں اور ہمارا محرک 'حُبِّ نفس' ہوتا ہے اور درحقیقت دنیا کا زہد آخرت کے لئے ہوتا ہے اور یہ آزاد لوگوں کے نزدیک ایسا ہی ہے کہ جیسے دُنیا کا زہد صرف دُنیا کے لئے کیا جائے۔ پس اگر عبادتِ ثقلین کو بھی خداوندِ قدوس کے سامنے لے جائیں تو اس سے پروردگارِ عالم سے دوری کے علاوہ کسی اور چیز کا استحقاق ہم کو حاصل نہ ہو گا۔ خداوندِ عالم نے «خَلَقْتُكَ لِأَجْلِي» ۱۳ کہہ کر ہم کو اپنے بارگاہ انس کے قریب بلایا ہے اور ہماری غرضِ تخلیق کو اپنی معرفت قرار دی ہے۔ معارف کے راستے اور ہمیں عبودیت کی راہوں کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم شکم و فرج کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں سوچتے ہی نہیں ہیں۔ خود خواہی و خود پسندی کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔

لہٰذا اے بے چارے انسان تیری عبادات و مناسک تجھ کو ساحتِ قدس سے دور کر کے مستحقِ عتاب و عقاب بنا دیتی ہیں (آخر) تو کس پر اعتماد کرتا ہے؟ شدتِ خوفِ خدا نے تجھ کو بے آرام کیوں نہیں کیا، تیرا دل خون کیوں نہیں ہو گیا، کیا کوئی بھروسہ کی چیز رکھتا ہے؟ کیا اپنے اعمال پر وثوق و اطمینان رکھتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تیری حالت پر وائے ہو اور تیری اپنی معرفت اور مالک الملوک

کی معرفت کی حالت پر ولئے ہو، (ہاں) اگر فضل حق اور اس کی رحمت شاملہ اور ذات مقدس پر بھروسہ رکھتا ہے تب تو بہت ہی مضبوط جگہ اور محکم پناہ گاہ پر بھروسہ کیا اور صحیح بھروسہ کیا ہے۔

پروردگار، اے بار الہا! ہمارے ہاتھ ہر چیز سے کوتاہ ہیں۔ ہم خود جانتے ہیں کہ ہم ناقص وناچیز اور تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہیں اور نہ تیری بارگاہ قدس کے لائق کچھ رکھتے ہیں۔ سر سے پیر تک نقص سے پُر ہیں، ہمارا ظاہر و باطن معاصی و مہلکات و موبقات (ہلاک کرنے والی چیزوں) سے بھرا ہے۔ ہم کیا ہیں جو تیرے لئے اظہار ثنا کریں۔ جہاں پر تیرے اولیا کہتے ہوں:

«أَفَبِلِسانِي هٰذَا الْكالِّ أَشْكُرُكَ» [۱۴]

"کیا اس زبانِ قاصر سے تیرا شکریہ ادا کروں" اور جہاں پر تیرے اولیا اپنے ضعف و قصور کا اعتراف کریں وہاں ہم گنہگاروں اور ساحت کبریائے محبوب کیا کہہ سکتے ہیں۔ صرف لقلقۂ زبان سے یہی تو عرض کر سکتے ہیں۔ ہم تیرے رحم و کرم کے اُمید وار ہیں۔ ہماری اُمید اور ہمارا بھروسہ تیرے فضل و کرم اور تیری عفوو بخشش و جود و کرم پر ہے جیساکہ تیرے اولیا کے زبانوں پر جاری ہے۔

«كافِي بِإِسْنادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: قالَ اللّٰهُ تَبارَكَ وَتَعالَى: «لَا يَتَّكِلُ الْعامِلُونَ لِي عَلَى أَعْمالِهِمُ الَّتِي يَعْمَلُونَها لِثَوابِي، فَإِنَّهُمْ لَوِ اجْتَهَدُوا وَأَتْعَبُوا أَنْفُسَهُمْ أَعْمارَهُمْ فِي عِبادَتِي كانُوا مُقَصِّرِينَ غَيْرَ بالِغِينَ فِي عِبادَتِهِمْ كُنْهَ عِبادَتِي فِيما يَطْلُبُونَ عِنْدِي مِنْ كَرامَتِي وَالنَّعِيمَ فِي جَنّاتِي وَرَفِيعَ الدَّرَجاتِ الْعُلَى فِي جِوارِي؛ وَلٰكِنْ بِرَحْمَتِي فَلْيَثِقُوا وَبِفَضْلِي فَلْيَرْجُوا وَإِلَى حُسْنِ الظَّنِّ بِي فَلْيَطْمَئِنُّوا؛ فَإِنَّ رَحْمَتِي عِنْدَ ذٰلِكَ تُدْرِكُهُمْ وَمَنِّي يُبَلِّغُهُمْ رِضْوانِي وَمَغْفِرَتِي تُلْبِسُهُمْ عَفْوِي؛ فَإِنِّي أَنَا اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ وَبِذٰلِكَ تَسَمَّيْتُ.» [۱۵]

کافی میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ: رسولِ خدا نے فرمایا: خداوند عالم نے فرمایا ہے: میرے لئے عمل کرنے والے جو عمل مجھ سے ثواب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں اس (عمل) پر بھروسہ نہ کریں۔ اس لئے کہ اگر وہ ساری عمر میری عبادت کریں اور اپنے نفسوں کو تعب میں ڈالیں اور (بھرپور) کوشش کریں جب بھی وہ (میری عبادت میں) مقصر رہیں گے۔ اپنی عبادت میں میری کنہ عبادت تک نہیں پہونچ سکیں گے (اور نہ ہی) اپنے مطلوب کو (یعنی) میری کرامتوں میری

جنت کے درجات (میرے جوار میں بلند درجے) پاسکیں گے۔ اس لئے (ان کو چاہیئے (میری رحمت پر بھروسہ کریں (میرے فضل کی اُمید کریں اور مجھ سے حُسنِ ظن رکھ کر مطمئن ہوں۔ کیونکہ اس طرح میری رحمت ان کو پالے گی اور میرا احسان ان کو میری رضا تک پہونچادے گا اور میری مغفرت ان کو میرا (لباس) عفو پہنادے گی۔ میں ہی وہ اللہ ہوں جو رحمان و رحیم ہے اور اسی سے میرا نام لیا جاتا ہے۔"

اسی طرح اسبابِ خوف میں سے حساب و میزان کی باریکیوں، برزخ و قیامت کی سختیوں، زندگی اور موت کے وقت پیش آنے والے خطروں، راہِ آخرت پر سلوک کی دقت اور حق کی شدت میں غور کرنا ہے۔ (لیکن) اگر ان آیات و احادیث کو دیکھا جائے جو خدا کے وعدوں پر مشتمل ہیں تو پھر پوری اُمید ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن خدا اپنی بساطِ رحمت کو اس طرح پھیلائے گا کہ شیطان کو بھی مغفرت کی طمع ہونے لگے گی۔[16]

بحسب روایاتِ خداوند عالم نے اس عالم کو جب سے خلق فرمایا۔[17] اس کی طرف نظرِ لطف نہیں ڈالا اور نہ اس میں رحمت نازل کی بس دوسرے عوالم کے مقابلہ میں ایک ذرہ کے برابر نظر فرمائی ہے اور یہ تمام نعمت و رحمتِ الٰہی، لطف و بخشش حضرت باری سر سے پیر تک سب کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام وہ چیزیں جو پیدا ہیں یا ناپید ہیں سب عطا و نعمتِ الٰہی کا ایسا دسترخوان ہے کہ اگر تمام دُنیا والے اس کی نعمت و رحمت کے ایک ذرّے کا احاطہ کرنا چاہیں تو ناممکن ہے۔ تو پھر اس عالم کا کیا حال ہو گا جو عالمِ کرامت ہے اور الٰہی مہمانخانہ ہے اور جائے رحمت و بسط رحیمیت و رحمانیت ہے۔ یہاں اگر شیطان رحمت کی طمع کرے اور اُمید عطا کرے تو اس کو حق ہے۔

لہٰذا تم بھی اپنے حُسنِ ظن کو خدا کے سلسلہ میں کامل کرو اور اس کے فضل پر بھروسہ کرو۔ «إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً»[18] خدا تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور سب کو اپنے بحرِ عطا و رحمت میں غرق کر دیتا ہے۔ خدا کے وعدے میں تخلف محال ہے۔ ہاں وعید میں تخلف ممکن ہے بلکہ بہت واقع ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی رحمتِ کاملہ پر اطمینان کر کے دل کو خوش کرو۔ اگر خدا کی رحمت تمھارے شاملِ حال نہ ہوتی تو تم پیدا نہ ہوتے ہر مخلوق پر خدا کا رحم (و کرم) ہے۔

«وَسِعَتْ رَحْمَتُهُ كُلَّ شَيْءٍ»[19]

تیسری فصل

رجا و غرور کا فرق

لیکن میرے عزیز رجا اور غرور کے فرق کی طرف متوجہ رہو۔ ممکن ہے تم اہلِ غرور ہو اور گمان کرتے ہو کہ اہلِ رجا سے ہو۔ اس کی تمیز اس کے مبادی کے اعتبار سے آسان ہے: تم (پہلے) یہ دیکھو کہ جو حالت تمہارے یہاں پیدا ہوئی ہے اور جس کی وجہ سے تم اپنے کو راجی سمجھتے ہو یہ حالت اوامر حق میں سستی کرنے کی وجہ سے اور حق و اوامر حق کو کوچک (و حقیر) سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے یا ذاتِ پروردگارِ عالم کی وسیع رحمت و عظمت پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے؟ اب اگر اس کی بھی تمیز مشکل ہے تو آثار کے ذریعہ تمیز دینا ممکن ہے۔

اگر خدا کی عظمت دل میں ہو اور مومن کا دل پروردگار کی عطا اور رحمت کے احاطہ (کی کوشش) کرے تو اطاعت و عبودیت کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ منعم و عظیم کی عبادت و تعظیم فطری چیز ہے اور اس میں تخلف ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر تم بندگی کے وظائف، طاعت و عبادات میں جد وجہد باقاعدہ کرو، اپنے اعمال پر بالکل بھروسہ نہ کرو اور اعمال کو ہیچ سمجھتے ہوئے رحمتِ حق اور فضل و عطائے پروردگار پر (بھرپور) بھروسہ رکھو، اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کو ہر ملامت و مذمت کا مستحق سمجھو، غضب و ناراضگی خدا کا مستحق مانو، جواد علی الاطلاق کے رحمت و جود پر تکیہ کرو تب مقام "رجا" کے دارا ہو گے پھر خدا کا شکر کرو اور اس کی ذاتِ مقدس سے دعا کرو کہ اس کو تمہارے دل میں محکم و مضبوط کر دے اور اس سے بلند مقام تم کو عنایت کرے۔

اور اگر تم نے خدا نخواستہ اوامرِ الٰہی کے بارے میں سستی برتی اور اس کو ناچیز و بے اہمیت سمجھا تو یہی "غرور" ہے جو تمہارے دل میں پیدا ہوا ہے اور تیرے نفسِ امارہ اور شیطان کی مکاریوں میں سے ہے۔ اگر تیرا ایمان وسعتِ رحمت و عظمتِ خدا پر ہوتا تو تیرے اندر اس کا کچھ تو اثر نمایاں ہوتا۔ جس شخص کا عمل اس کے دعویٰ کے خلاف ہے وہ خود ہی اپنے کو جھٹلانے والا ہے۔

احادیثِ معتبرہ میں اس کلام کے شواہد بہت ہیں:

«كافي بإسنادِهِ عَنْ إبنِ أبي نَجْرانَ، عَمَّنْ ذَكَرَهُ، عَنْ أبي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قُلْتُ لَهُ: قَومٌ يَعْمَلُونَ بِالْمَعاصِي وَيَقُولُونَ نَرْجُو فَلاَ يَزالُونَ كَذلِكَ حَتّٰى يأتِيَهُمُ الْمَوْتُ. فَقالَ هٰؤُلاءِ قَوْمٌ يَتَرَجَّحُونَ فِي الأمانِيِّ. كَذَبُوا، لَيْسُو بِراجِينَ. إنَّ مَنْ رَجا شَيْئاً طَلَبَهُ؛ وَمَنْ خافَ مِنْ شَيْءٍ هَرَبَ مِنْهُ.»[20]

راوی کہتا ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے کہا: کچھ لوگ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم اُمیدوار (رحمتِ حق) ہیں اور مرتے وقت تک ایسا ہی کرتے و کہتے رہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جو اعتدال سے بیجا آرزو کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ یہ جھوٹے ہیں راجی نہیں ہیں۔ اگر کوئی کسی چیز کی اُمید رکھتا ہے تو اس کو طلب (بھی) کرتا ہے اور جو کسی سے ڈرتا ہے اس سے بھاگتا ہے۔" اسی روایت کے قریب المضمون کافی شریف کی ایک دوسری روایت بھی ہے۔

«و بإسنادِهِ عَنِ الْحُسينِ بن أبي سارَةَ قالَ سَمِعْتُ أبا عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ: لاَ يَكُونُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِناً حَتّٰى يَكُونَ خائِفاً راجِياً. وَلاَ يَكُونَ خائِفاً راجِياً حَتّٰى يَكُونَ عامِلاً لِما يَخافُ وَيَرْجُوْ.»[21]

راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کو فرماتے ہوئے سنا: "مومن اس وقت مومن نہیں ہو سکتا جب تک خوفزدہ و اُمیدوار نہ ہو اور خوفزدہ و امیدوار اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس چیز کو بجا نہ لائے جس سے خوف کھاتا ہے اور جس کی اُمید رکھتا ہے۔"

بعض نے فرمایا ہے: جو شخص عمل نہیں کرتا اور انتظار و "رجا" کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو اسباب مہیا کئے بغیر مسبب کے انتظار میں بیٹھا ہو۔[22] جیسے وہ کسان جو بیج بوئے بغیر یا زمین کی نگرانی کئے بغیر و آبپاشی کئے بغیر اور رفع موانع کئے بغیر زراعت کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اس کو یہ نہیں کہا جاتا کہ "اُمید رکھتا ہے" بلکہ اس کو کہا جاتا ہے احمق ہے بیوقوف ہے۔ اسی طرح جو شخص اخلاق کو درست نہ کرے یا گناہوں سے نہ بچے اور عمل کرے اس کی

مثال اس شخص کی ہے جو شورہ زار میں زراعت کرے۔ ظاہر ہے ایسی زراعت مطلوبہ نتیجہ نہیں دے گی۔

پس محبوب و مستحسن رجا یہ ہے کہ انسان اپنے تمام ان اسباب کو جو اس کے قبضہ میں ہیں اور خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کو عنایت فرمایا ہے اور اصلاح و فساد کے تمام طریقوں کی جو اس کو ہدایت فرمائی ہے اور ان کے مہیا کرنے کا حکم دیا ہے ان سب کو استعمال کرے اس کے بعد یہ اس و اُمید لگائے کہ جو اسباب اس کی طاقت سے باہر ہیں خدا اپنی سابقہ عنایتوں کی طرح ان کو فراہم کرے گا اور تمام موانع و مفسدات کو دور کرے گا۔

بس (اسی طرح) اگر بندہ اپنے دل کو بُرے اخلاق کے کانٹوں اور گناہوں کے سنگ و شورہ سے پاک کر کے اعمال کے بیج بوئے گا اور علم نافع وایمان خالص کے صاف پانی سے آبپاشی کرے گا اور عُجب وریا وغیرہ جو گھاس کے مانند ہیں اور جو زراعت کو سبز ہونے سے روکتے ہیں ان جیسے مفسدات و موانع سے عمل کو خالص رکھے گا اور اس کے بعد فضلِ خدا کے انتظار میں بیٹھے گا تب خدا اس کو ثابت (ومحفوظ) رکھے گا اور اس کا خاتمہ بالخیر کرے گا اور یہ رجا مستحسن ہے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے:

«إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ»[۲۳]

"جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہی رحمتِ الٰہی کی رجا کرنے (کا حق) رکھتے ہیں۔

چوتھی فصل

خوف ورجا کے موازنہ کی علیت

اس حدیث کے ذیل میں مذکور ہے۔ خوف ورجا کو ایک دوسرے پر راجح نہیں کرنا چاہیئے۔ جیساکہ یہی مضمون ابن ابی عمیر کے اس مرسلہ میں جو امام صادقؑ ہی سے مروی ہے۔[۲۴]

انسان جب اپنے کمالِ نقص اور فرائضِ عبودیت کی کوتاہی کو دیکھتا ہے اور راہِ آخرت کی تنگی میں غور کرتا ہے تو اس کے اندر اعلیٰ درجہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور جب اپنے گناہوں کو دیکھتا ہے اور لوگوں کے حالات میں غور و فکر کرتا ہے کہ ان کی حالت ابتدا میں اچھی تھی۔ لیکن انجام میں بے ایمان اور بے عمل ہو کر گئے اور برائیوں اور بدیوں میں مبتلا ہو گئے تو اس کے اندر خوفِ شدید پیدا ہو جاتا ہے۔

کافی میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

«قالَ اَلْمُؤْمِنُ بَیْنَ مَخافَتَیْنِ: ذَنْبٍ قَدْ مَضیٰ لاَ یَدْرِي ما صَنَعَ اللّٰهُ فِیْهِ؛ وَعُمْرٍ قَدْ بَقِيَ لاَ یَدْرِي ما یَکْتَسِبُ فِیْهِ مِنَ الْمَهالِكِ. فَهُوَ لاَ یُصْبِحُ إِلاَّ خائِفاً وَلاَ یُصْلِحُهُ إِلاَّ الْخَوفُ.»[25]

"مومن دو خوف کے درمیان ہے۔ (ایک تو) ان گناہوں کا خوف جو ماضی میں کئے تھے جن کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ خدا نے اس کے بارے میں کیا کیا (دوسرے) اس عمر کے بارے میں جو باقی ہے اور معلوم نہیں اس میں کتنی ہلاکت خیز چیزوں کا ارتکاب کرے گا۔ پس اس کی ہر صبح خوف کے ساتھ ہوتی ہے اور خوف کے علاوہ کوئی دوسری چیز اس کی اصلاح نہیں کر سکتی۔"

کافی میں حضرت رسولِ خدا کا جو خطبہ حضرت صادقؑ سے منقول ہے وہ بھی اسی مضمون کا ہے۔[26] مختصر یہ کہ انسان انتہائے نقص و تقصیر کے درجہ پر ہے اور خدا انتہائے کمال و عظمت و جلالت و وسعتِ رحمت و عطا کے درجہ پر ہے اور بندہ ان دونوں نظروں کے درمیان خوف و رجا کے حدِ اعتدال پر ہے اور چونکہ اسمائے جلالیہ و جمالیہ یکساں قلبِ سالک پر جلوہ فگن ہوتے ہیں اس لئے خوف و رجا ایک دوسرے پر رجحان پیدا نہیں کر پاتے۔

بعض نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات انسان کے لئے خوف نفع بخش ہے جیسے صحت و سلامتی کی حالت تاکہ انسان کسبِ کمال اور عملِ صالح کی کوشش کرے۔ مگر بعض حالات میں رجا بہتر ہے جیسے موت کی علامتیں ظاہر ہونے کے بعد تاکہ انسان خدا سے ایسی حالت میں ملاقات کرے جو خدا کے نزدیک محبوب تر ہے۔[27] مگر یہ قول سابق گفتگو اور حدیثوں کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ رجا محبوب بھی عمل و کسبِ آخرت پر ابھارنے والا ہے اور خوف از حق

ہمیشہ محبوب اور رجا واثق کے منافی نہیں ہوا کرتا۔

بعض حضرات نے کہا ہے: خوف صرف دارِ عمل یعنی دارِ دُنیا کے لئے ہے بایں معنیٰ کہ عبادات بجالانے کے لئے اور معاصی کو ترک کرنے کے لئے مفید ہے مگر دُنیا سے نکلنے کے بعد اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ یہ آخرت کے فضائلِ نفسانیہ اور کمالاتِ عقلیہ میں سے ہے۔

لیکن رجا کبھی منقطع ہونے والی چیز نہیں ہے یہ آخرت میں بھی باقی ہے کیونکہ بندۂ رحمتِ حق سے جتنا زیادہ مستفید ہوگا فضلِ حق کے لئے اس کی طمع بڑھتی ہی رہے گی کیونکہ رحمتِ الہیٰ کا خزانہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ پس (نتیجہ یہ نکلا کہ) خوف ختم ہونے والی چیز ہے اور رجا باقی رہنے والی چیز ہے۔ ۲۸

محدث محقق مجلسیؒ ۲۹ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ بندہ جب تک دنیا میں رہتا ہے اس کے لئے خوف و رجا ضروری ہے لیکن امورِ آخرت کے مشاہدہ کے بعد کسی ایک کا دوسرے پر رجحان بہرحال پیدا ہوجاتا ہے۔ ۳۰

مولفِ کتاب فرماتے ہیں: عالمِ آخرت میں خوف و رجا کے غلبہ کے بارے میں علمانے جو کچھ فرمایا وہ رجا کے ذکر کردہ معنیٰ کے مطابق نہیں ہے اور اگر بالفرض صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق متوسطین سے ہے جن کا خوف و رجا ثواب و عقاب کی بنا پر ہوتا ہے۔ لیکن خواص اور اولیا کا حال اس کے ماسوا ہے۔ جس کا علمانے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ عظمت و جلال اور تجلیٔ اسما لطف و جمال کے مشاہدہ سے قلب میں جو خوف و رجا پیدا ہوتا ہے وہ امورِ آخرت کو دیکھنے کے بعد بھی زائل نہیں ہوتا اور نہ ایک دوسرے پر رجحان پیدا کرتا ہے۔

بلکہ آثارِ جلال و عظمت و تجلیاتِ جمال و لطف عالمِ آخرت میں زیادہ ہوتا ہے اور عظمتِ حق سے جو خوف لاحق ہوتا ہے وہ ایک روحانی لذت ہے جو آیۃ الکریمہ:

«أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ» ۳۱

" آگاہ ہوجاؤ اولیائے خدا کو حزن و خوف نہیں ہوتا" کے منافی نہیں ہے۔ اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوجائے گا۔

اور قائل سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ خوف فضائلِ نفسانیہ میں سے نہیں ہے

(تو یہ اشتباہ ہے) کیونکہ جو خوفِ جلال و عظمتِ الہٰی سے نہ ہو وہ فضائل نفسانیہ میں سے نہیں ہے اور یہ خوف تو کمال ہے ہاں جلال و عظمتِ الہٰی سے خوف کم لوگوں میں ہوتا ہے اور دوسرا زیادہ پایا جاتا ہے۔

«وَالْحَمْدُلِلّٰه عَلٰى جَمَالِهٖ وَجَلَالِهٖ وَالصَّلَاةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ.»

چودہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد ۲، ص ۶۷، "کتاب ایمان وکفر" باب خوف ورجا، حدیث ۱۔

۲۔ اسماعیل بن حماد جوہری (۳۳۲ ۔ ۳۹۳ یا ۳۹۸) اہل لغت ادیبوں کا پیشوا ہے۔ کلام واصول میں بھی متبحر تھا۔ ابو علی فارسی وابو سعید سیرافی سے شاگردی حاصل کی تھی۔ الصحاح اس کی مشہور ترین کتاب لغت میں ہے۔

۳۔ بحار جلد ۶، "کتاب ایمان وکفر" باب ۵۹، احادیث ۲۸، ۳۹، ۴۶، ۴۷، ۷۲۔

۴۔ سورۂ اعراف/ ۹۹ ۔ یوسف/ ۸۷۔ سورۂ زمر/ ۵۳۔ سورۂ حجر/ ۵۶۔

۵۔ جو خیر تم کو پہنچتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو بدی پہونچتی ہے وہ تمہاری طرف سے ہوتی ہے۔ نساء/ ۷۹۔

۶۔ (اے رسول) کہہ دیجئے سب خدا کی طرف سے ہے۔ (سورۂ نساء/ ۷۸)

۷۔ یہ بیت حافظ کا ہے۔

۸۔ صحیفۂ سجادیہ کے بارہویں دعا میں ہے: اس لئے کہ تیرے تمام احسان تیری طرف سے تفضل ہیں کیونکہ تیری تمام نعمتیں بغیر کسی استحقاق کے ہیں اور صحیفۂ سجادیہ کے ۳۲ ویں دعا میں ہے: پس حمد تیرے لئے ہی ہے اس لئے کہ بڑی نعمتوں کا آغاز تو نے فرمایا، امام سجاد کی دعائے ابو حمزہ اور دوسری دعاؤں مثلاً دعائے افتتاح وغیرہ میں اس مضمون کو نظیر موجود ہے۔

۹۔ مرآۃ العقول جلد ۸، ص ۱۴۶، "کتاب ایمان وکفر" باب شکر۔

۱۰۔ تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے اپنی تعریف کی ہے۔ رسول خدا کی وہ دعا جو سجدہ میں پڑھا کرتے تھے: فروع کافی جلد ۳ ص ۳۲۴، کتاب الصلوٰۃ، باب السجود، حدیث ۱۲۔ مصباح الشریعۃ، باب ۵، مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۴۶ "کتاب ایمان وکفر" باب شکر۔

۱۱۔ یہ کلام خواجہ عبد اللہ انصاری کی مناجات میں سے ہے کہ فرمایا: سب خاتمہ (و انجام) سے ڈرتے ہیں اور عبد اللہ فاتحہ و ابتدا سے۔

۱۲۔ ص ۱۰۰ - ۱۰۶ -

۱۳۔ حدیثِ قدسی میں ہے: فرزند آدم میں نے تمام چیزوں کو تیرے لئے پیدا کیا ہے مگر تجھ کو اپنے لئے، علم الیقین جلد ا ص ۳۸۱ باب ۵ فصل ۲۔

۱۴۔ کیا اس قاصر زبان سے تیری تعریف کر سکتا ہوں! دُعائے ابو حمزہ ثمالی، مصباح کفعمی، فصل ۴۵ ص ۵۹۶ مصباح المتہجد ص ۵۳۴۔

۱۵۔ اصولِ کافی، کتاب ایمان وکفر" جلد ۲ ص ۷۱، باب حسن الظن باللہ، حدیث ا۔

۱۶۔ امام صادق نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا خدا اپنی رحمت کو نشر کرے گا انتہا یہ ہے کہ ابلیس بھی اس کی رحمت کی طمع کرے گا۔ بحار جلد ۷، ص ۲۸۷، کتاب عدل و معاد، باب ۱۲، حدیث ا۔

۱۷۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ: «فَمَا لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَدْرٌ وَلَا وَزْنٌ، وَلَا خَلَقَ فِيمَا بَلَغَنَا خَلْقًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنْهَا، وَلَا نَظَرَ إِلَيْهَا مُذْ خَلَقَهَا.» خداوندِ عالم کے نزدیک دنیا کی نہ کوئی قدر ہے اور نہ اس کا کوئی وزن ہے۔ پروردگار عالم نے جن مخلوقات کو پیدا کیا ہے ان میں سے جیسا کہ ہم کو اطلاع ملی ہے دُنیا سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی شئی مبغوض نہیں ہے اور خدا نے جب سے دُنیا کو پیدا کیا ہے اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں کی۔ بحار الانوار جلد ۷۰، ص ۱۱۰، کتاب ایمان وکفر، باب ۱۲۲۔ حدیث ۱۰۹۔

۱۸۔ سورۂ زمر آیت ۵۳۔

۱۹۔ یہ آیۂ شریفہ: «وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ.» ہمارے لئے اس دُنیا میں حسنہ مقدر فرما دے اور آخرت میں (بھی) ہم نے تیری طرف ہدایت حاصل کی ہے فرمایا میرا عذاب جس کو میں چاہوں گا اسی کو پہونچے گا (مگر) ہماری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔ یہ اقتباس ہے (سورۂ اعراف آیت ۱۵۶)

۲۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۸، کتاب ایمان وکفر، باب خوف ورجا حدیث ۵۔

۲۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۷۱، "کتاب ایمان وکفر" باب خوف ورجا حدیث ۱۱۔

۲۲۔ احیاء علوم الدین جلد ۴ ص ۱۲۹، کتاب خوف ورجا، بحث حقیقت رجا۔

۲۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۱۸۔

۲۴۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۷۱، کتاب ایمان وکفر، باب خوف ورجا حدیث ۱۳۔

۲۵۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۷۱، کتاب ایمان وکفر، باب خوف ورجا حدیث ۱۲۔

۲۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۷۰، کتاب ایمان وکفر باب خوف ورجا حدیث ۹

۲۷۔ احیاء علوم الدین جلد ۴ ص ۱۶۲، کتاب خوف ورجا، اسرار الصلوٰۃ (ملکی تبریزی) ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

۲۸ مراۃ العقول جلد ۸ ص ۳۲، کتاب ایمان وکفر" باب خوف ورجا، حدیث ا، مجلسیؒ نے اس کلام کو بعض سے نقل کیا ہے۔

۲۹۔ حدیث ا۔ توضیح ۱۴۔

۳۰۔ مراۃ العقول جلد ۸ ص ۳۲، کتاب ایمان وکفر، باب خوف ورجا، حدیث ا۔

۳۱۔ یہ جان لو کہ دوستانِ خدا کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ غم ہے۔ سورۂ یونس آیت ۶۲۔

پندرہویں حدیث

«بِسَنَدِنا الْمُتَّصِل إِلى سُلْطانِ الْمُحَدِّثينَ، مُحَمَّد بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ عَلِيِّ بن إبراهيم، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ سَماعَةَ، عَنْ أَبي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ إِنَّ فِي كِتابِ عليٍّ، عَلَيْهِ السَّلامُ: أَنَّ أَشَدَّ النّاسِ بَلاءً النَّبِيُّونَ، ثُمَّ الْوَصِيُّونَ، ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ. وَإِنَّما يُبْتَلَى الْمُؤْمِنُ عَلى قَدْرِ أَعْمالِهِ الْحَسَنَةِ؛ فَمَنْ صَحَّ دِينُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ، إِشْتَدَّ بَلاؤُهُ. وَذلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَعالَى لَمْ يَجْعَلِ الدُّنيا ثَواباً لِمُؤْمِنٍ وَلاَ عُقُوبَةً لِكافِرٍ. وَمَنْ سَخُفَ دِينُهُ وَضَعُفَ عَقْلُهُ قَلَّ بَلاؤُهُ. وَإِنَّ الْبَلاءَ أَسْرَعُ إِلى الْمُؤْمِنِ التَّقِيِّ مِنَ الْمَطَرِ إِلى قَرارِ الأَرْضِ.»[۱]

ترجمہ: سماعہ نے حضرت صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا: کتاب حضرت علیؑ میں ہے: لوگوں میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیا کا لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اوصیا کا۔ اس کے بعد جو نیک لوگ ہوں پھر جو اُن کے بعد نیک ہوں۔ مومن اپنے اچھے

اعمال کے مطابق مبتلائے امتحان ہوتا ہے۔ پس جس کا دین صحیح ہو اور عمل اچھا ہو اس پر سخت بلا نازل ہو گی یعنی امتحان سخت ہو گا۔ کیونکہ خدا نے مومن کے لئے دنیا کو ثواب اور کافر کے لئے عقوبت نہیں قرار دیا ہے اور جس کا دین اچھا نہ ہو گا اور اس کی عقل کم ہو گی اس پر بلا بھی کم نازل ہو گی۔ سو مومن متقی پر بلا اتنی تیزی سے آتی ہے جتنی تیزی سے بارش (کا پانی) نشیبی زمین تک نہیں پہونچتا۔

شرح: بعض نے فرمایا ہے کہ اس جیسی حدیث میں (ناس) سے مُراد کامل حضرات ہیں جیسے انبیا، اوصیا، اولیا، درحقیقت یہی حضرات ناس ہیں اور ان کے علاوہ تمام لوگ (نسناس) ہیں جیساکہ حدیثوں میں ہے۔[۲] مگر یہ بات غیر معقول ہے۔ بلکہ یہاں پر مناسب یہی ہے کہ تمام لوگوں کو مُراد لیا جائے اور اس کی وجہ بھی واضح ہے۔ کافی میں اس باب کے اندر جو حدیثیں ہیں ان سے بھی یہی استفادہ ہوتا ہے اور اگر کسی حدیث میں آیا ہو کہ ناس سے کاملین مُراد ہیں تو یہ صرف اسی جگہ کے لئے ہے نہ یہ کہ جہاں بھی یہ لفظ آئے وہاں کاملین مُراد ہوں۔

(بلا) کے معنیٰ امتحان و اختبار کے ہیں اور یہ نیک و بد دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیساکہ اہلِ لغت نے تصریح کی ہے۔ چنانچہ جوہری[۳] نے صحاح میں کہا ہے:

«وَالْبَلَاءُ الْإِخْتِبَارُ يَكُونُ بِالْخَيْرِ وَالشَّرِّ. يُقَالُ: أَبْلَاهُ اللّٰهُ بَلَاءً حَسَناً وَابْتَلَيْهُ مَعْرُوفاً.» بلا کے معنیٰ اختبار کے ہیں جو خیر و شر دونوں کے ساتھ ہوتا ہے پھر مثال بیان کی ہے۔

خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: بلاءً حسنا[۴] مختصر یہ ہے کہ جس چیز (مصیبت ہو یا کچھ اور) سے خدا اپنے بندے کا امتحان لے اس کو بلا اور ابتلا کہتے ہیں چاہے وہ از قبیل بیماری ہو یا فقر و فاقہ ہو یا ذلت و رسوائی ہو، دنیا کا منہ موڑ لینا ہو۔ یا ان کے مقابل کی چیزیں ہوں۔ اس لئے کہ بسا اوقات انسان کا امتحان کثرتِ جاہ و اقتدار، کثرتِ مال و منال، ریاست و عزت و عظمت سے بھی ہوتا ہے۔ لیکن جب بھی بلا یا بلیہ یا ابتلا یا اس قسم کے الفاظ کا مطلق ذکر ہو تو اس سے قسم اول مُراد ہوا کرتی ہے۔

"اَمْثَل" کے معنیٰ اشرف و افضل کے ہیں۔ کہا جاتا ہے:

«يُقَالُ: هٰذَا أَمْثَلُ مِنْ هٰذَا. أَيْ، أَفْضَلُ وَأَدْنىٰ إِلَى الْخَيْرِ وَأَمَاثِلُ النَّاسِ، خِيَارُهُم.[۵]» "یہ اس سے افضل ہے اور خیر سے قریب ہے۔" اماثل النّاس کا مطلب ہر وہ شخص جو اوصیا کے بعد افضل و نیک ہے اس کی بلا بھی دوسروں سے زیادہ سخت ہے اور جو شخص ان کے بعد افضل ہے اس کی بلا دوسروں سے زیادہ سخت ہے اور کثرتِ ابتلا کے درجات فضل کے درجات

کے حساب سے ہیں اور اس قسم کی تعبیر فارسی میں نہیں ہے۔

اور "سُخف" رقت و خفت عقل کے معنیٰ میں ہے جیساکہ صحاح وغیرہ میں ہے۔

"قَرار" کے معنی مستقر و جگہ کے ہیں جیساکہ لغت سے پتہ چلتا ہے۔ (چنانچہ) قاموس میں ہے: «اَلْقَرارُ وَالْقَرارَةُ ما قُرَّ فيهِ، وَالْمُطْمَئِنُّ مِنَ الْأَرْضِ.»[٦] اس میں وجہ مناسبت تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بارش کے لئے زمین مستقر اور قرارگاہ ہے کہ بارش اس پر برستی ہے اور اسی پر ٹھہرتی ہے اسی طرح مومن مصیبتوں کی قرارگاہ ہے کہ اس پر مصائب پڑتے ہیں اور ٹھہر جاتے ہیں اس سے جُدا نہیں ہوتے۔

انشاءاللہ اس حدیث شریف میں جن چیزوں کا ذکر ضروری ہے۔ اس کو چند فصلوں میں بیان کروں گا۔

پہلی فصل

امتحان اور اس کے نتیجہ کا بیان
اور خدا کی طرف امتحان کی نسبت کیونکر ہے؟

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ انسانی نفوس کے تمام ادراکات و فعلیات شروع میں اور جب اس کا تعلق بدنوں سے ہوتا ہے اور عالمِ مُلک کی طرف ہبوط کرتے ہیں تو تمام علوم و معارف میں اور اچھے بُرے ملکہ میں بالقوۃ ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ پروردگارِ عالم کی عنایت سے فعلیت کی طرف آنے لگتے ہیں اور شروع میں اس کے اندر بہت ہی کمزور و جزئی ادراکات پیدا ہوتے ہیں جیسے احساس لمس اور دوسرے ظاہری حواس لیکن پہلے پست پھر اس سے بھی پست قسم کے حواس سے ابتدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد باطنی ادراکات بھی ترتیب وار اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب ملکات بالقوۃ ہی ہوتے ہیں اور اگر یہ کسی (معقول چیز) کے زیرِ اثر نہ ہوئے تو اپنی نوع کے اعتبار سے ملکاتِ خبیثہ اس کے اندر غالب ہوجاتے ہیں اور یہ برائی کی طرف مائل ہوجاتے ہیں کیونکہ داخلی اسباب، مثلاً شہوت، غضب وغیرہ فطری طور سے اس کو ظلم و تعدی اور فسق و فجور کی دعوت دیتے ہیں اور پھر انسان تھوڑے ہی دنوں ان خواہشات کی پیروی کرنے کے بعد عجیب قسم کا حیوان

اور غریب قسم کا شیطان بن جاتا ہے۔

مگر چونکہ عنایت و رحمت خداوندِ عالم بنی آدم کے لئے روزِ ازل سے ہی تھی اس لئے اس نے دو قسم کے مربّی اور تہذیب سکھانے والے انسان کے لئے عطا فرمائے اور یہ دونوں چیزیں انسان کے لئے تقدیرِ کامل کے ساتھ بمنزلۂ دو بال و پر کے ہیں کہ اگر انسان چاہے تو ان کے ذریعے جہالت و نقص و برائی و شقاوت کی پستی سے نکل کر علم و معرفت و کمال و جمال و سعادت کی بلندی تک پہونچ جائے اور اپنے کو فطرت کی تنگنائے ضیق سے نکال کر ملکوت کے اعلیٰ اور وسیع فضا تک پہونچا دے اور ان دونوں مربیوں میں سے ایک مربّی باطنی ہے جس کو قوتِ عقل و تمیز کہا جاتا ہے اور دوسرا مربّی خارجی ہے جس کو نبی و رسولؐ کہا جاتا ہے۔ جو سعادت و شقاوت کے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے بجائے اس مقصد کو انجام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ انسانی عقل خود سعادت و شقاوت کے راستوں کو تلاش نہیں کر سکتی اور عالم غیب و آخرت کا راستہ نہیں پیدا کر سکتی (اسی طرح) قوتِ تمیز اور عقلی ادراک کے بغیر انبیا کی ہدایت مؤثر نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا خداوندِ عالم نے دونوں قسم کے (خارجی و داخلی) مربّی مرحمت فرما کر نفوس کے اندر چھپی ہوئی مخزون قوتوں اور استعداد کو فعلیت بخشی اور ان عظیم نعمتوں کو حق تعالےٰ نے انسان کے امتحان و اختبار کے لئے عطا فرمایا۔ اس لئے کہ نوع بشر کے افراد انھیں دونوں قوتوں سے ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں اور شقی و سعید، مطیع و عاصی، کامل و ناقص ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں جیسا کہ مولائے کائنات فرماتے ہیں:

«وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً وَلَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً.» [7]

کافی شریف میں باب تمحیص و امتحان کے اندر ابن ابی یعفور کی حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے: «لاَ بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَنْ يُمَحَّصُوا وَيُمَيَّزُوا وَيُغَرْبَلُوا وَيُسْتَخْرَجُ فِي الْغِرْبَالِ خَلْقٌ كَثِيرٌ.» [8] حضرت نے فرمایا: "لوگوں کا خالص ہونا اور ان کا امتحان لیا جانا اور بہت سے لوگوں کا چھلنی سے چھان کر صاف کیا جانا اور تمیز دیا جانا ضروری ہے۔

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ مَنْصُورٍ، قَالَ قَالَ لِي أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ: يَا مَنْصُورُ إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لاَ يَأْتِيكُمْ إِلاَّ بَعْدَ إِيَاسٍ، وَلاَ وَاللّٰهِ حَتّٰى تُمَيَّزُوا وَلاَ وَاللّٰهِ حَتّٰى تُمَحَّصُوا، وَلاَ وَاللّٰهِ حَتّٰى يَشْقٰى مَنْ يَشْقٰى وَيَسْعَدَ مَنْ يَسْعَدُ» [9]

اور باسناد خود منصور سے منقول ہے کہ منصور نے کہا: مجھ سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اے منصور یہ امر بہت مایوسی کے بعد آئے گا۔ نہیں خدا کی قسم یہاں تک کہ تم لوگوں کو ایک دوسرے سے تمیز دیدی جائے، نہیں خدا کی قسم یہاں تک کہ تم لوگ خالص ہو جاؤ، نہ خدا کی قسم یہاں تک کہ شقی ہونے والا شقی اور سعید ہونے والا سعید ہو جائے۔"

ایک دوسری حدیث میں حضرت امام ابوالحسنؑ سے منقول ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: "یُخَلَّصُونَ کَمَا یُخَلَّصُ الذَّھَبُ"[۱۰] "یہاں تک کہ تم لوگ اسی طرح خالص ہو جاؤ جیسے سونا خالص ہو جاتا ہے۔"

کافی شریف کے اندر "باب ابتلا و اختبار" کے اندر حضرت امام صادقؑ تک سند روایت پہونچی ہے اس میں ہے:

«مَا مِنْ قَبْضٍ وَلاَ بَسْطٍ إِلاَّ وَلِلّٰهِ فِیْهِ مَشِیْئَةٌ وَقَضَاءٌ وَ اِبْتِلاَءٌ.»[۱۱]

"کوئی بھی قبض و بسط (وجود میں) نہیں آتا جب تک اس کے بارے میں قضا و ابتلا و مشیتِ الٰہی (متعلق) نہ ہو جائے۔"

حضرت سے ایک دوسری حدیث میں منقول ہے:

«إِنَّهُ لَیْسَ شَيْءٌ فِیْهِ قَبْضٌ أَوْ بَسْطٌ مِمَّا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَوْ نَهٰى عَنْهُ إِلاَّ وَفِیْهِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِبْتِلاَءٌ وَقَضَاءٌ.»[۱۲]

"اوامر و نواہی پروردگار میں قبض و بسط اسی وقت ہوتا ہے جب اس سے قضاء و ابتلائے الٰہی (متعلق) ہو جائے۔

قبض کے معنیٰ لغت میں روکنا، منع کرنا اور لینے کے ہیں اور بسط کے معنیٰ نشر و عطا کے ہیں۔ ابتلا کے معنیٰ امتحان کے ہیں یعنی ہر عطا، وسعت، ممانعت جو امر و نہی میں ہوتی ہے اور ہر تکلیف یہ سب امتحان کے لئے ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعثت انبیا اور آسمانی کتابوں کا بھیجنا (ایک تو) انسان کو اختیار عطا کرنے کے لئے ہے اور (دوسرے) شقی و سعید، نافرمان و فرمان بردار کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لئے ہے اور خدا کے اختبار و امتحان لینے کا مطلب یہی ہے کہ انسان میں ایک دوسرے کے اندر تمیز پیدا ہو جائے۔ نہ یہ کہ خدا کو امتیاز کا علم حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ خدا

کا علم تو محیط بر تمام اشیائے ہے اور ازلی ہے اور چیزوں کے ایجاد سے پہلے سے ہے۔ البتہ حکمانے ابتلا و امتحان کے سلسلہ میں کافی بسط و تفصیل سے بحث کی ہے جس کا ذکر میزان (اعتدال) سے خارج ہے۔

بس مطلقاً امتحان کے یہی دو بڑے نتیجے ہیں (یعنی) شقی و سعید میں امتیاز۔ اس امتحان و اختبار سے بھی خدا کی حجت تمام مخلوق پر تمام ہو جاتی ہے اور ہر شخص کی ہلاکت و شقاوت، سعادت و حیات حجت و دلیل کے ماتحت ہوتی ہے اور پھر اعتراض کا راستہ ختم ہو جاتا ہے۔

(اب) جو شخص سعادت و حیاتِ جاویدان حاصل کرلے وہ ہدایت پر ہے اور توفیقِ الٰہی اس کے شاملِ حال ہے کیونکہ تمام اسباب تحصیل (سعادت) اس کو مرحمت فرمادیئے گئے اور جو شخص تمام ہدایت کے راستوں کے فراہم اور اسباب سعادت کے اکٹھا ہونے کے بعد شقاوت و (اسباب) ہلاکت حاصل کرے اور نفس و شیطان کی پیروی کرے۔ وہ خود سے ہلاک ہوا اور شقاوت و بدبختی میں ڈوب گیا۔ خدا کی حجت بالغہ اس پر تمام ہے۔

"لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" ۱۳

دوسری فصل

انبیا، اوصیا، مومنین کے شدید ابتلا کی وجہ

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ۱۴ کہ انسان جو کام کرتا ہے بلکہ مُلکِ بدن میں جو بھی ہوتا ہے اور وہ نفس کے ادراک سے متعلق ہو خواہ وہ اچھا کام ہو یا بُرا اس کا نفس پر ایک اثر مرتب ہوتا ہے جس کی تعبیر روایات میں "سفید نکتہ" اور "سیاہ نکتہ" سے کی گئی ہے ۱۵ (اثر بہر حال مرتب ہوتا ہے) چاہے وہ چیز لذت والی ہو یا الم والی ہو مثلاً کھانے، پینے، نکاح وغیرہ سے انسان کو جو لذّت حاصل ہوتی ہے اس سے نفس کے اندر ایک اثر پیدا ہوتا ہے اور باطنِ روح میں اس چیز کے لئے ایک علاقہ و محبت پیدا ہو جاتی ہے اور نفس کی توجہ اس کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔ اب انسان لذتوں اور خواہشوں میں جتنا غوطہ زن ہوگا نفس کی محبت اس دنیا سے زیادہ ہوگی اور اعتماد و بھروسہ بڑھے گا اور نفس کی تربیت علاقہ دنیا سے

بہت زیادہ ہو جائے گی اور (گویا وہ) اس میں ریاض کرنے لگے گا اور دنیا پر اس کا اطمینان و بھروسہ اور بڑھ جائے گا۔ اب جتنی زیادہ اس کے ذائقہ کی لذت ہوگی اتنی ہی محبت کی جڑیں اور مضبوط ہوں گی۔ اسباب عیش و عشرت (آرام) و راحت جتنے زیادہ فراہم ہوں گے علاقۂ دنیا، دنیا کا درخت اتنا ہی تنومند ہوگا اور نفس کی توجہ جتنی دنیا کی طرف ہوگی اسی مقدار سے وہ حق اور عالمِ آخرت سے غافل ہوگا چنانچہ اگر نفس کی پوری توجہ دنیا کی طرف ہوگی اور اس کا مقصد مادی و دنیاوی ہو جائے گا تو وہ حق تعالٰے اور دارِ کرامت سے بالکل اپنی توجہ سلب کرے گا:

« أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ » [۱۶] " خلود فی الارض اور خواہشِ نفس کا پیرو ہو جائے گا۔"

لہٰذا لذتوں اور خواہشوں کے سمندر میں ڈوبنا قہری طور سے محبتِ دنیا پیدا کرتا ہے اور دنیا کی محبت دوسری چیزوں سے نفرت کا باعث بن جاتی ہے اور ملک کی طرف توجہ ملکوت سے غفلت پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس کے برعکس کسی چیز سے برائی دیکھتا ہے اور ناپسندیدگی کا احساس کرتا ہے تو اس ادراک کی صورت نفس کے اندر ایک نفرت پیدا کر دیتی ہے اب وہ صورت جتنی قوی ہوگی باطنی نفرت بھی اس قدر شدید ہوگی مثلاً اگر کوئی ایسے شہر میں چلا جائے جہاں مرض والم کی اس پر بھر مار ہو، خارجی اور داخلی ناپسندیدہ چیز سے بکثرت اس کا سابقہ رہا ہو تو وہ فطری طور سے اس جگہ سے نفرت کرے گا اور وہاں نہ جائے گا۔ اب مصائب جتنے زیادہ پڑے ہوں گے نفرت و انصراف اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اب اگر اس کو کسی اچھے شہر کا پتہ ہوگا تو وہاں کوچ کر جائے گا اور اگر وہاں نہ جا سکتا ہوگا تو (کم سے کم) اس جگہ سے دل لگاؤ ضرور ہوگا اور اس کا دل وہیں لگا رہے گا۔

اس طرح اگر انسان نے اس دنیا میں مصیبت و تکلیف، بیماری و گرفتاری برداشت کی ہے، فتنوں، مشقتوں سے برابر پالا پڑتا رہا تو فطرتاً اس سے متنفر ہو جائے گا اور اس سے دلبستگی بھی کم ہو جائے گی اس پر بھروسہ کم رکھے گا۔ (اسی کے ساتھ) اگر دوسرے عالم کا عقیدہ رکھتا ہوگا اور ایسی وسیع فضا کا سراغ رکھتا ہوگا جو ہر تکلیف والم سے خالی ہو تو قہری طور سے وہاں کا سفر کرے گا اور اگر جسمانی سفر نہ کر سکا تو روحانی سفر کرے گا اور وہاں سے دل لگا بیٹھے گا اور یہ بات بہت ہی واضح ہے (اور سب ہی کو معلوم ہے) کہ تمام اعمالی، اخلاقی، روحانی خرابیاں دنیا کی محبت اور آخرت و خدا سے غفلت کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ دنیا کی

محبت بر خطا کی بنیاد ہے۔[17] (اس لئے) تمام روحانی، اخلاقی اعمالی اصلاح خدا اور دارِ کرامت کی طرف توجہ اور دُنیا سے بے علاقہ اور اس کی زیبائش پر بھروسہ نہ کرنے پر (موقوف) ہے۔

اس مقدمہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ خدا کا لطف اور اس کی عنایت جس پر زیادہ ہوتی ہے اس ذاتِ مقدس کا رحم جس کے شاملِ حال ہوتا ہے وہی اس دنیا اور اس کی زیبائش سے پرہیز کرتا ہے اور فتنے و بلائیں بھی اسی شخص پر زیادہ نازل ہوتی ہیں تاکہ اس کی روح اس دنیا اور اس کی زیبائش سے نفرت کرنے لگے اور اپنے ایمان کے مطابق آخرت کی طرف متوجہ ہو اور اس کا دل بھی ادھر ہی متوجہ ہو جائے۔ شدتِ ابتلا کے لئے اگر اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہ ہوتی جب بھی یہ کافی تھی۔ حدیثوں میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

چنانچہ کافی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ:

«مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوب بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ إِنَّ اللهَ تَعالى لَيَتَعاهَدُ الْمُؤْمِنَ بِالْبَلاءِ كَمَا يَتَعاهَدُ الرَّجُلُ أَهْلَهُ بِالْهَدِيَّةِ مِنَ الْغَيْبَةِ، وَيَحْمِيهِ الدُّنيا كَمَا يَحْمِي الطَّبِيبُ الْمَرِيضَ.»[18]

"خدا اپنے بندۂ مومن کو بلاؤں کا تحفہ اس طرح پیش کرتا ہے جس طرح اپنے سفر سے پلٹ کر آنے والا اپنے (اہل) و عیال کے لئے ہدیہ پیش کرتا ہے اور دنیا سے اس کو اس طرح پرہیز کرتا ہے جس طرح طبیب اپنے مریض کو پرہیز کراتا ہے۔"

دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔[19] کسی کو یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ خدا کی اپنے بعض بندوں سے محبت نعوذ باللہ جزاف اور بلاوجہ ہوا کرتی ہے۔ بلکہ مومن و بندۂ خدا جو قدم بھی خدا کے لئے اُٹھاتا ہے خدا کی عنایت اس کی طرف ہوتی ہے اور خدا اس سے ایک ذراع قریب ہو جاتا ہے۔[20]

ایمان کے مراتب اور اسباب توفیق کے مہیا ہونے کی مثال اس انسان کی طرح ہے جو تاریک راستے میں چراغ لے کر چلتا ہو۔ وہ جو قدم بھی اٹھائے گا اس کا اگلا حصّہ روشن ہو جائے گا اور وہ دوسرے قدم کے لئے رہنما ہو گا۔ (اسی طرح) انسان آخرت کے لئے جو قدم اُٹھائے گا اس کا راستہ روشن ہو جائے گا پروردگار کی عنایت اس کے لئے زیادہ ہو گی عالمِ قرب کے اسباب اور عالمِ بُعد سے نفرت پیدا ہوتی جائے گی۔ چونکہ زمانِ تکلیف انبیا و اولیا کی اطاعت

کا علم خدا کو ازل سے ہی تھا اس لئے ان حضرات کے ساتھ خدا کی ازل سے عنایتیں بھی تھیں جیسے اگر آپ کے دو بچے ہوں اور آپ کو ان کے بچپنے ہی میں معلوم ہو جائے کہ ایک ہمیشہ ایسا کام کرے گا جو آپ کی خوشنودگی کا سبب ہوگا اور دوسرا ہمیشہ ایسے امور انجام دے گا جو آپ کی ناراضگی کا سبب ہوں گے تو قہری طور سے آپ کی عنایت (و توجہ) مطیع لڑکے کی طرف زیادہ رہے گی۔

خدا کے خاص بندوں کا مبتلائے مصیبت ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب یہ حضرات پریشانیوں اور گرفتاریوں میں ہوتے ہیں تو بارگاہِ اقدس الٰہی میں تضرع وزاری اور مناجات کرتے ہیں اس طرح ذکر و فکر سے مانوس ہو جاتے ہیں اور انسانی فطرت کے اندر یہ بات ہے کہ مصیبتوں کے وقت ہر اس چیز سے وابستگی کی کوشش کرتا ہے جس سے نجات کا احتمال ہو۔ (حالانکہ) سلامتی اور راحت کے وقت اس سے غافل رہتا ہے اور چونکہ خاصانِ خدا پروردگار کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتے لہٰذا اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دنیا سے قطع تعلق کر کے صرف اسی سے وابستگی پیدا کرتے ہیں اور خدا بھی ان لوگوں پر عنایت کرتا ہے اور انقطاع عن الخلق کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اگرچہ یہ وجہ اور اس سے پہلے والی وجہ (دونوں) انبیا اور کامل اولیا کے سلسلہ میں درست نہیں ہے کیونکہ ان حضرات کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے اور ان کے قلوب ایسے نہیں ہیں کہ ان امور کے ذریعہ دُنیا سے علاقہ و تعلق پیدا کریں یا ان امور کی وجہ سے ان کی توجہ یا انقطاع میں کوئی فرق پڑ سکتا ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ انبیا اور کامل اولیا اپنے باطنی نور اور روحانی مکاشفات کی بنا پر کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا دُنیا و زیبائشِ دُنیا کی طرف نظرِ لطف نہیں رکھتا اور دنیا و مافیہا خدا کی نظر میں پست و ذلیل ہے اس بنا پر ان حضرات نے فقر کو غنا پر اور ابتلا کو راحت پر اور بلیات کو دوسری چیزوں پر مقدم کیا ہے اور احادیثِ شریفہ میں اس کا شاہد بھی ہے۔[۲۱]

چنانچہ حدیث میں ہے۔ جبرئیلؑ زمین کے خزانوں کی کنجیاں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے: اگر آپ ان کو قبول کر لیں تو آپ کے اخروی درجات میں کوئی کمی نہیں ہوگی مگر رسولِ اکرمؐ نے تواضعِ خدا کے لئے قبول نہ فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا۔[۲۲]

کافی میں حدیث کی سند امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہونچائی کہ جس میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

«قَالَ إِنَّ الْكَافِرَ لَيَهُونُ عَلَى اللهِ حَتّٰى لَوْ سَأَلَهُ الدُّنْيَا بِمَا فِيهَا أَعْطَاهُ ذٰلِكَ.»[۲۳]

"کافر خدا کی نظر میں ناچیز ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ دُنیا و مافیھا کا سوال کرے تو خدا اس کو دیدے گا۔" اور یہ صرف خدا کی نظر میں دنیا کی بے وقعتی کی وجہ سے ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

"خدا نے جب سے عالم اجسام کو پیدا کیا ہے اس کی طرف کبھی نظرِ لطف نہیں فرمایا۔"[۲۴]

مومنین کے شدتِ ابتلا کی وجہ وہ بھی ہے جس کا ذکر روایات میں ہے کہ: مومنین کے لئے درجات ہیں اور جب تک وہ بلاؤں اور آلام و امراض میں مبتلا نہ ہوں گے ان درجات کو حاصل نہ کرسکیں گے۔[۲۵]

اب ہوسکتا ہے کہ یہ درجات دنیا سے اعراض کی صورت میں اور خدا کی طرف توجہ کی صورت میں حاصل ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان بلاؤں کی ایک ملکوتی صورت ہو کہ جب تک عالمِ ملک میں اس کا ظہور نہ ہو اور مومن اس میں مبتلا نہ ہو اس کو حاصل نہ کرسکتا ہو۔ جیسا کہ کافی میں حدیث کی سند حضرت صادقؑ تک پہونچاتی کہ جس میں امام صادقؑ سے منقول ہے:

«قَالَ إِنَّهُ لَيَكُونُ لِلْعَبْدِ مَنْزِلَةٌ عِنْدَاللّٰهِ؛ فَمَا يَنَالُهَا إِلَّا بِإِحْدَى الْخَصْلَتَيْنِ: إِمَّا بِذَهَابِ مَالِهِ، أَوْ بِبَلِيَّةٍ فِي جَسَدِهِ.»[۲۶]

"خدا کے پاس بندے کی منزلت ہوتی ہے جس کو وہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے حاصل کرسکتا ہے۔ ۱: اس کا مال چلا جائے۔ ۲: اس کے جسم پر کوئی مصیبت نازل ہوجائے۔"

امام حسینؑ کی خبرِ شہادت کے سلسلہ میں آیا ہے کہ آپ نے رسولِ خدا کو خواب میں دیکھا کہ رسولِ خدا نے مظلوم امام سے فرمایا: "تمھارے لئے بہشت میں ایک درجہ ہے جس تک رسائی صرف شہادت ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔"[۲۷]

البتہ راہِ خدا میں شہادت کی ملکوتی صورت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک وہ مُلک میں واقع نہ ہوجائے۔ جیسا کہ علوم عالیہ میں مبرہن ہے اور احادیث متواترہ میں ہے کہ ہر عمل کی دوسرے عالم میں ایک صورت ہے۔[۲۸]

کافی میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے: «قَالَ إِنَّ عَظِيمَ الْأَجْرِ لَمَعَ عَظِيمِ الْبَلَاءِ؛ وَمَا أَحَبَّ اللّٰهُ قَوْماً إِلَّا ابْتَلَاهُمْ.»[۲۹] "عظیم اجر عظیم بلا سے وابستہ ہے۔ خدا کسی

قوم کواس وقت تک دوست نہیں رکھتا جب تک اس کو مبتلا نہ کر دے۔" اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں۔

تیسری فصل

علامہ مجلسیؒ ۳۰ فرماتے ہیں: ان حدیثوں میں یعنی سُنّی و شیعہ طریقے سے وارد ہوئی وہ حدیثیں جن میں انبیا کے ابتلا کا ذکر ہے جو بات بیان کی گئی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حسّی امراض اور جسمانی بیماریوں میں انبیا و اوصیا بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہیں بلکہ یہ حضرات اجرِ عظیم و تفاوت درجات کی وجہ سے دوسروں پر اولویت رکھتے ہیں مگر ان کی بیماریوں یا بلاؤں میں مبتلا ہونا ان کے عظمتِ مقام کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کے تثبیتِ امر کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ ان سے صادر ہونے والے معجزات اور خارقِ عادت امور کے ظہور کی وجہ سے اگر ان کو بلاؤں میں مبتلا نہ کیا جائے تو لوگ ان کے بارے میں وہی سب کچھ کہنے لگیں جو عیسائی اپنے پیغمبرؑ کے بارے میں کہتے ہیں اور یہ علت خود روایات میں آئی ہے انتہیٰ۔ ۳۱

اور محقق مدقق طوسی، حکیم عظیم قدوسی ۳۲ عطر اللہ مرقدہ انبیا کو کن چیزوں سے مُبرا ہونا چاہیے اس کے ضمن میں اپنی کتاب تجرید کے اندر فرماتے ہیں: جن چیزوں سے لوگوں کو نفرت ہو (انبیا کو اس سے بری ہونا چاہیے) علمائے اسلام کے علامہ ۳۳ (جن کو علامہ حلی کہا جاتا ہے) اس کی شرح میں فرماتے ہیں: (انبیا کو) نفرت آور امراض مثلاً سلسل (البول والغائط) جذام، برص سے اس لئے منزہ ہونا چاہیے کہ ان امراض سے لوگوں کو نفرت پیدا ہوتی ہے جو غرض بعثت کے مخالف ہے۔ ۳۴

مؤلف کہتا ہے: اگرچہ مقام نبوت روحانی مدارج اور نفسانی کمالات کے تابع ہوتا ہے جسم و جسمانیت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہوتا اور جسمانی امراض اور جسمانی نقص سے روحانی کمالات میں کوئی کمی نہیں پیدا ہوتی اور نفرت آور بیماریاں انبیا کے مرتبہ و عظمت کو گھٹا نہیں سکتیں۔ اگر اُن کو اُن کے مؤید درجات نہ بھی مانا جائے اور مؤکدِ کمالات نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی ان بیماریوں سے ان کے مرتبے میں کوئی کمی نہیں ہوتی جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا گیا۔ (اس لئے نفرت آور امراض سے بری ہونا ضروری نہیں ہے) مگر دونوں محقق نے جو بات کہی ہے وہ بھی

خالی از وجہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ عوام الناس مقامات کے درمیان تمیز نہیں دے پاتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جسمانی نقص روحانی نقص کی وجہ سے ہوتا ہے یا (کم از کم) جسمانی نقص روحانی نقص کے ساتھ بہر حال ہوتا ہے بلکہ بعض نقائص کو علوِ مرتبہ اور رفعتِ شان کے منافی سمجھتے ہیں۔ اس لئے عنایت پروردگارِ عالم کا تقاضا ہے کہ جو انبیا صاحب شریعت ہوں اور مبعوث برسالت ہوں ان کو ایسے امراض سے پاک رکھے جو باعثِ وحشت و نفرت ہوتے ہیں۔ لہٰذا انبیا کا ایسے امراض میں مبتلا نہ ہونا اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس سے مقامِ نبوت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے بلکہ یہ فائدہ تبلیغ کو مکمل کرنے کے لئے ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بعض ایسے انبیا جو صاحبِ شریعت نہ ہوں وہ ان امراض میں مبتلا ہو جائیں اور بڑے بڑے اولیا و مومنین بھی اس قسم کے بلاؤں میں گرفتار ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ایوب، جناب حبیب نجار (وغیرہ) میں مبتلا ہوئے۔ حضرت ایوب کے سلسلہ میں تو بہت سی روایات بھی ہیں کہ وہ مبتلا ہوئے تھے۔

مثلاً تفسیر علی بن ابراہیم میں ابوبصیر کے حوالہ سے امام جعفر صادقؑ ایک لمبی حدیث کے سلسلہ میں فرمان ہے:

«فَمِنْ ذٰلِکَ ما رُوِيَ عَنْ تفسيرِ عَلِيِّ بن إبراهيم، عَنْ أَبِي بصير، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلامُ، فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ قالَ فَسَلَّطَهُ عَلى بَدَنِهِ ما خَلا عَقْلَهُ وَعَيْنَيْهِ؛ فَنَفَخَ فِيهِ إِبْلِيسُ فَصارَ قُرْحَةً واحِدَةً مِنْ قَرْنِهِ إِلى قَدَمِهِ، فَبَقِيَ فِي ذٰلِکَ دَهْراً طَوِيلاً يَحْمَدُاللّٰهَ وَيَشْكُرُهُ حَتّى وَقَعَ فِي بَدَنِهِ الدُّودُ كانَتْ تَخْرُجُ مِنْ بَدَنِهِ فَيَرُدُّها. وَيَقُولُ لَها: اِرْجِعِي إِلى مَوْضِعِكِ الَّذِي خَلَقَكِ اللّٰهُ مِنْهُ. وَنَتَنَ حَتّى أَخْرَجَهُ أَهْلُ الْقَرْيَةِ مِنَ الْقَرْيَةِ وَأَلْقَوْهُ فِي الْمَزْبَلَةِ خارِجَ الْقَرْيَةِ.» ۲۵

"خداوندِ عالم نے ابلیس کو جناب ایوب کے پورے جسم پر عقل و آنکھوں کو چھوڑ کر مسلط کر دیا۔ ابلیس نے ان کے جسم میں ایک پھونک ماری جس سے سر سے لے کر پیر تک پھوڑا ہو گیا اور جناب ایوب ایک طویل مدت تک اسی طرح رہے اور حمد و شکر الٰہی بجالاتے رہے یہاں تک کہ ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے۔ جب وہ کیڑے بدن سے گر پڑتے تھے تو حضرت ایوب اٹھا کر اسی جگہ جسم میں رکھ کر فرماتے تھے اسی جگہ واپس جاؤ جہاں سے خدا نے تم کو پیدا کیا ہے

(یہاں تک کہ) ان کے جسم سے (ایسی) بدبو پیدا ہوگئی کہ ان کے گاؤں والوں نے وہاں سے نکال کران کو گاؤں کے باہر مزبلہ (جہاں پر کثافتیں ڈالی جاتی ہیں) پر پھینک دیا۔

کافی ہی میں ابوبصیر کے حوالہ سے امام صادقؑ کی روایت ہے ابوبصیر کہتے ہیں:

«وَفي الْكافي بِإسْنادِهِ عَنْ أَبي بصيرٍ، عَنْ أَبي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قُلْتُ لَهُ «فَإذا قَرَأْتَ الْقُرآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطانِ الرَّجيمِ إنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطانٌ عَلَى الَّذينَ آمَنُوا وَعَلى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ.» ۳۶

"میں نے امامؑ سے کہا: (قول خدا ہے) جب قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لو (ظاہر ہے) شیطان کو مومنین اور خدا پر بھروسہ کرنے والوں پر کوئی اختیار نہیں ہے۔"

فَقالَ «يا أَبا مُحَمَّد يُسَلَّطُ وَاللهِ مِنَ الْمُؤمِنِ عَلى بَدَنِهِ وَلا يُسَلَّطُ عَلى دِينِهِ. قَدْ سُلِّطَ عَلى أَيُّوبَ فَشَوَّهَ خَلْقَهُ وَلَمْ يُسَلَّطْ عَلى دِينِهِ. وَقَدْ يُسَلَّطُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ عَلى أَبْدانِهِمْ وَلاَ يُسَلَّطُ عَلى دِينِهِمْ.» ۳۷

"امامؑ نے فرمایا: اے ابا محمدؑ خدا کی قسم شیطان مومن کے جسم پر مُسلّط ہو سکتا ہے مگر اس کے دین پر مُسلّط نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو حضرت ایوب کے جسم پر مسلط کیا گیا تھا اس نے ان کے جسم کو بدصورت بنا دیا تھا لیکن ان کے دین پر مُسلّط نہیں کیا گیا۔ (اسی طرح) کبھی مومنین کے جسموں پر مُسلّط کر دیا جاتا ہے مگر ان کے دین پر مُسلّط نہیں کیا جا سکتا۔"

ناجیہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

«وَبِإسْنادِهِ عَنْ ناجِيَةَ، قالَ قُلْتُ لِأَبي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، إنَّ الْمُغيرَةَ يَقُولُ إنَّ الْمُؤمِنَ لاَ يُبْتَلى بِالْجُذامِ وَلاَ بِالْبَرَصِ وَلاَ بِكَذا وَلاَ بِكَذا. فَقالَ إنْ كانَ لَغافِلاً عَنْ صاحِبِ ياسينَ، إنَّهُ كانَ مُكَنَّعاً. ثُمَّ رَدَّ أَصابِعَهُ فَقالَ كَأَنّي أَنْظُرُ إلى تَكْنيعِهِ. أَتاهُمْ فَأَنْذَرَهُمْ؛ ثُمَّ عادَ إلَيْهِمْ مِنَ الْغَدِ فَقَتَلُوهُ. ثُمَّ قالَ إنَّ الْمُؤمِنَ يُبْتَلى بِكُلِّ بَلِيَّةٍ وَيَمُوتُ بِكُلِّ مِيتَةٍ، إلاّ أَنَّهُ لاَ يَقْتُلُ نَفْسَهُ.» ۳۸

میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا مغیرہ کہتا ہے: مومن کبھی جذام، برص اور فلاں وفلاں بیماری میں مبتلا نہیں ہو سکتا حضرتؑ نے فرمایا: "یقیناً وہ حبیب نجار کے احوال سے

غافل ہے صاحب یاسین (حبیب نجار) کے یہاں تکنیع تھی پھر ان کی انگلیاں ٹھیک ہوئیں حضرتؑ نے کہا گویا میں ان کی انگلیوں کے تشنج کو دیکھ رہا ہوں۔ جناب حبیب نجار (اپنی قوم کے پاس) آئے اور ان کو خدا سے ڈرایا دوسرے دن پھر آکر ڈرایا تو ان لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ (سُنو) مومن ہر بلا میں مبتلا ہو سکتا ہے اور ہر قسم کی موت مر سکتا ہے۔ پس وہ خود اپنے کو قتل نہیں کر سکتا۔"

توضیح:۔ صاحب یاسین حبیب نجار ہیں اور "تکنیع" جو نون کے ساتھ اکثر نسخوں میں آیا ہے۔ اس کا مطلب بنا بر قول علامہ مجلسیؒ تشنج و مثلہ ہونے کے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: گویا جذام کی وجہ سے ان کی انگلیوں میں تشنج پیدا ہو گیا تھا [۳۹] اس فرمائش میں تامل ہے۔

ان حدیثوں اور ان کے علاوہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین وانبیاء کبھی بعض مصلحت کی بنا پر نفرت آور امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان روایات کے مقابلہ میں دوسری روایتیں بھی ہیں۔ جن میں حضرت ایوبؑ کی تشویہ خلقت کی نفی کی گئی ہے اور ان کے بدن شریف میں بدبو پیدا ہونے کی بھی نفی کی گئی ہے۔ [۴۰] ان روایات کو ذکر کر کے دونوں میں جمع کرنے کی کوشش کی جائے اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ اس قسم کے امراض نہ مومنین کے لئے مُضر ہیں اور نہ ان سے انبیا میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ بلندیٔ مقام اور علو مرتبہ کے سبب بنتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

چوتھی فصل

دُنیا دارِ ثواب و عقاب نہیں ہے

یہ بات معلوم ہونا چاہیئے کہ اس دُنیا کے اندر جو نقص و قصور ضعف (وکمی) ہے اس کی وجہ سے نہ یہ خداوندِ عالم کا دارِ کرامت وجائے ثواب بن سکتی ہے اور نہ ہی محلِ عذاب و عقاب بننے کی صلاحیت ہے کیونکہ خدا کا دارِ کرامت وہ عالم ہے جس میں صرف نعمت ہی نعمت ہو نقمت (وعذاب) کا تصور تک نہ ہو۔ جس میں صرف راحت ہی راحت ہو رنج و تعب کا شائبہ بھی نہ ہو اور اس دُنیا کے اندر ایسی نعمت کا امکان نہیں ہے کیونکہ یہ تو دارِ تزاحم ہے اس کی ہر نعمت کے ساتھ رنج و زحمت و نقمت مخلوط ہے۔ بلکہ حکما نے تو یہ کہا ہے کہ لذّت (لذت ہی نہیں ہے) صرف دفع الم ہے۔ [۴۱]

بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں کی لذتیں موجب الم و تکلیف ہیں کیونکہ یہاں کی ہر لذت میں رنج والم و تعب ہے۔ بلکہ اس دُنیا کا مادّہ ہی ایسا ہے جس میں خالص رحمت اور خالص نعمت ناممکن ہے۔ اسی طرح اس دُنیا کا عذاب، زحمت، رنج و تعب بھی خالص نہیں ہے بلکہ ہر رنج و تعب کے ساتھ نعمت و نعمتیں لپٹی ہوئی ہیں۔ کوئی بھی الم و بیماری، رنج و محنت اس دُنیا کے اندر خالص نہیں ہے۔ خود اس دُنیا کے مواد عذابِ خالص و مطلق کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دارِ عذاب و عقاب کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خالص عقاب اور صرف عذاب ہو۔ اس عالم کے اسقام و آلام کا طریقہ اس عالم جیسا نہیں ہے کہ ایک عضو سے متعلق ہو دوسرے سے نہ ہو۔ ایک عضو سالم و راحت کے ساتھ ہو اور دوسرا مریض و تعب و زحمت کے ساتھ ہو۔ جس حدیث کی میں شرح کر رہا ہوں اس میں بعض چیزوں کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

«وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلِ الدُّنْيَا ثَوَاباً لِلْمُؤْمِنِ وَلَا عُقُوبَةً لِكَافِرٍ.»

"اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے دُنیا کو نہ تو مومن کے ثواب کی جگہ اور نہ کافر کے عقاب کی جگہ قرار دی ہے۔ یہ تو دارِ تکلیف ہے آخرت کی کھیتی ہے عالم کسب ہے۔ (وہاں) آخرت دارِ جزا و سزا اور (دارِ) ثواب و عقاب ہے":

(لہٰذا) اس دنیا میں اگر کوئی معصیت و فحشاء کا ارتکاب کرے یا کسی پر ظلم و تعدی کرے تو جو لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ خدا کو چاہیئے فوراً اس کا تدارک کر دے ظالم کا ہاتھ کاٹ دے اس کا قلع قمع کر دے وہ اس بات سے غافل ہیں کہ یہ بات خلاف ترتیب ہے۔ خدا کی سنتِ جاریہ کے مخالف ہے۔ یہ تو دارِ امتحان اور شقی و سعید، مطیع و عاصی میں امتیاز کرنے کی جگہ ہے یہ فعلیات کے ظہور کا عالم ہے۔ ملکات و اعمال کے نتائج کے ظہور و بروز کی جگہ نہیں ہے اور اگر اتفاق سے خدا کسی ظالم کو گرفتارِ بلا کر دے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ ظالم کے حق میں خدا کی عنایت ہے۔ اگر خدا ظالم و گنہگاروں کو ان کی حالت پر چھوڑ دے تو یہ "استدراج" ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

«سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ. وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ.» ۴۲

"ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح پکڑ لیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو گی اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں بیشک میری تدابیر مضبوط ہیں۔" ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

«وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْماً وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ» ۴۳ "اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ہرگز یہ خیال نہ

کریں کہ جوان کو مہلت (وفارغ البالی) دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے (حالانکہ) ہم نے مہلت (وفارغ البالی) صرف اس وجہ سے دی ہے تاکہ وہ اور خوب گناہ کرلیں اور (آخر تو) ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔"

مجمع البیان میں امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

«أَنَّهُ قَالَ إِذَا أَحْدَثَ الْعَبْدُ ذَنْباً، جُدِّدَ لَهُ نِعْمَةٌ فَيَدَعُ الْاِسْتِغْفَارَ فَهُوَ الْاِسْتِدْرَاجُ»[۴۴]

"جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کو ایک نئی نعمت دے دی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ استغفار چھوڑ دیتا ہے اور یہی استدراج ہے۔"

پانچویں فصل

شدید روحانی بلا شدید ادراک کے تابع ہے

حدیث شریف کے ذیل میں جو یہ فرمایا:

«وَمَنْ سَخُفَ دِينُهُ وَضَعُفَ عَقْلُهُ قَلَّ بَلَاؤُهُ» (جس کا دین کمزور ہو، عقل ضعیف ہو اس کی بلا بھی کم ہوتی ہے۔) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلیّات میں عمومیت ہے۔ یہ جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ کمزور عقل اور کم ادراک والے اپنی عقل و ادراک کے مطابق روحانی بلاؤں اور مکروہاتِ عقلیہ سے مامون ہیں۔ لیکن جن کی عقل کامل اور جن کا ادراک شدید ہوتا ہے وہ بمقدار کمالِ عقل و شدتِ ادراک روحانی بلاؤں سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔

اب ان کا ادراک جتنا کامل اور روحانیت جتنی قوی ہوگی اتنی ہی زیادہ شدت کے ساتھ بلیّات و مکروہات کا احساس بھی شدید ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ رسولِ اکرم کے اس جملہ «مَا أُوذِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُوذِيتُ.»[۴۵] "جتنی اذیت مجھے دی گئی کسی بھی نبی کو نہیں دی گئی" کی بازگشت اسی مطلب کی طرف ہو۔

اس لئے کہ جو شخص عظمت و جلالتِ ربوبیت کو زیادہ سمجھتا ہوگا اور خداوندِ عالم کے مرتبہ کو زیادہ پہچانتا ہوگا۔ بندوں کی نافرمانی اور احترام کے قائل نہ ہونے سے وہ زیادہ متاثر د

متالم ہوگا۔ اسی طرح جس کا رحم و کرم، لطف وعنایت خدا کے بندوں پر زیادہ ہوگی اس کو بندوں کی نافرمانی، انحراف، بدبختی سے اذیت بھی بہت زیادہ ہوگی اور چونکہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مقامات میں اور دیگر مدارج میں بھی تمام انبیا و اولیا سے اور تمام بنی آدم سے زیادہ کامل واکمل تھے اس لئے آپؐ کی اذیت بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی دوسری توجیہ ہے مگر اس کا ذکر یہاں پر مناسب نہیں ہے۔

وَاللّٰہُ الْعَالِمُ وَلَہُ الْحَمْدُ۔

پندرہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد۲ص ۲۵۹ "کتاب ایمان وکفر" باب شدۃ ابتلا المومن، حدیث ۲۹۔

۲۔ مراۃ العقول جلد۹ص ۳۲۱ "کتاب ایمان وکفر" باب شدۃ ابتلاء المومن، حدیث ۱۔

۳۔ توضیح ۲ حدیث ۱۴

۴۔ (سورۃ انفال آیت ۱۷)

۵۔ کہا جاتا ہے وہ ایک دوسرے سے امثل ہے یعنی اس سے برتر اور خوبی سے نزدیک تر ہے اماثل الناس لوگوں میں برگزیدہ اور اچھے اشخاص۔

۶۔ القرار و القرارۃ جو اس میں ٹھہر جاتے یعنی زمین آرام۔

۷۔ اس خدا کی قسم جس نے رسولؐ کو حق کے ساتھ بھیجا تم لوگ یقیناً آپس میں مخلوط کئے جاؤ گے اور ایک دوسرے سے جدا کئے جاؤ گے۔ نہج البلاغہ فیض الاسلام ص ۵۷، خطبہ ۱۶۔

۸۔ اصولِ کافی جلد۱ص ۳۷۰، کتاب الحجۃ، باب التمحیص والامتحان حدیث ۲۔

۹۔ اصولِ کافی جلد۱ص ۳۷۰، کتاب الحجۃ، باب التمحیص والامتحان حدیث ۳۔

۱۰۔ اصولِ کافی جلد۱ص ۳۷۰، کتاب الحجۃ، باب التمحیص والامتحان حدیث ۴ امام ابوالحسنؑ نے فرمایا: جس طرح سونا خالص کیا جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ خالص کئے جائیں گے۔

۱۱۔ امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا: ہر تنگی و فراخی میں خدا کی مشیت و حکم اور امتحان ہوتا ہے۔ اصولِ کافی جلد ا ص ۱۵۲ "کتابِ توحید" باب الابتلا والاختبار، حدیث ا۔

۱۲۔ اصولِ کافی جلد ا ص ۱۵۲ (کتابِ توحید) باب الابتلا والاختبار، حدیث ۲۔

۱۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶

۱۴۔ ص/ ۱۶۷

۱۵۔ زرارۃ نے حضرت امام باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا:

«زُرارَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ (ع) قالَ قالَ ما مِنْ عَبْدٍ إلّا وَفِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ بَيْضاءُ فَإذا أَذْنَبَ ذَنْباً، خَرَجَ فِي النُّكْتَةِ نُكْتَةٌ سَوْداءُ فَإنْ تابَ، ذَهَبَ ذٰلِكَ السَّوادُ وَإنْ تَمادىٰ فِي الذُّنُوبِ، زادَ ذٰلِكَ السَّوادُ حَتّىٰ يُغَطِّيَ الْبَياضَ؛ فَإذا تَغَطَّى الْبَياضُ، لَمْ يَرْجِعْ صاحِبُهُ إلىٰ خَيْرٍ أَبَداً.»

ہر بندہ کے دل میں ایک سفید نقطہ ہوتا ہے جب وہ گناہ کرتا ہے تو اس نقطہ میں سیاہی پیدا ہو جاتی ہے اگر اس نے توبہ کر لی تو سیاہی ختم ہو جاتی ہے اور اگر برابر گناہ کرتا رہا تو وہ سیاہی بڑھتے بڑھتے سفیدی کو چھپا دیتی ہے اور جب سفیدی چھپ جاتی ہے تو وہ شخص نیکی اور اچھائی کی طرف نہیں پلٹ سکتا۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۷۳ "کتاب ایمان وکفر" باب الذنوب حدیث ۲۰۔

۱۶۔ پستی کی طرف مائل ہوا اور اپنے خواہشِ نفس کی پیروی کی (سورۂ اعراف آیت ۱۷۶)

۱۷۔ یہ امام سجاد کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا ہے: «حُبُّ الدُّنْيا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ.» "دُنیا کی محبت ہر غلطی کی بنیاد ہے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۳۱ "کتاب ایمان وکفر" باب ذم دنیا اور اس میں زہد، حدیث ۱۱۔

۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۵۵ "کتاب ایمان وکفر" باب شدتِ ابتلائے مومن" حدیث ۱۷۔

۱۹۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۵۹ "کتاب ایمان وکفر" باب شدتِ ابتلائے مومن" حدیث ۲۸۔

۲۰۔ حدیثِ قدسی میں ہے: «مَنْ تَقَرَّبَ إلَيَّ شِبْراً تَقَرَّبْتُ إلَيْهِ ذِراعاً.» جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اس سے میں ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ بحار جلد ۳ ص ۳۱۳۔ کتاب التوحید باب ۱۴، کنز العمال جلد ا ص ۲۲۵۔ حدیث ۱۳۵۔

۲۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۹۔ ۲۳۴ (خطبہ قاصعہ)

۲۲ «وَهَبَطَ مَعَ جِبْرَئِيلَ مَلَكٌ لَمْ يَطَإ الْأَرْضَ قَطُّ، مَعَهُ مَفاتِيحُ خَزائِنِ الْأَرْضِ. فَقالَ يا مُحَمَّدُ، إنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُكَ السَّلامَ وَيَقُولُ هٰذِهِ مَفاتِيحُ خَزائِنِ الْأَرْضِ؛ فَإنْ شِئْتَ فَكُنْ نَبِيّاً عَبْداً؛ وَإنْ شِئْتَ

فَكُنْ نَبِيّاً مَلِكاً. فَأَشارَ إِلَيْهِ جِبْرَئِيلُ (ع): أَنْ تَوَاضَعْ يَا مُحَمَّدُ فَقالَ بَلْ أَكُونُ نَبِيّاً عَبْداً. ثُمَّ صَعِدَ إِلَى السَّمَاءِ»

"جبرئیلؑ کے ساتھ ایک ایسا ملک جو کبھی زمین پر نہیں آیا تھا زمین کے خزانوں کی چابیاں لے کر رسولؐ کے پاس آکر بولا: اے محمدؐ خدا سلام کے بعد کہتا ہے، تمہارا جی چاہے تو بندہ و نبی بنو اور جی چاہے تو نبی و بادشاہ بنو۔ جبرئیلؑ نے اشارہ سے کہا آپ تواضع سے کام لیجئے تو رسولؐ نے کہا: میں بندہ ہونا اور رسولؐ ہونا پسند کرتا ہوں۔ (یہ سنکر) فرشتہ آسمان کی طرف چلا گیا۔ اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ امالی صدوق مجلس ۶۹۔ حدیث ۲۔

۲۳۔ اصولِ کافی جلد ۲، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلا المومن، حدیث ۲۸۔

۲۴۔ حدیث ۲۴۔ توضیح ۱۷۔

۲۵۔ بحار جلد ۷۸، ص ۱۷۴، کتاب الطہارۃ باب ۲۴ حدیث ۱۱ اسی طرح اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۵ کتاب ایمان وکفر باب شدت ابتلا المومن حدیث ۱۴ میں بھی ہے۔

۲۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۵۷، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلا المومن حدیث ۲۳۔

۲۷۔ بحار میں ہے کہ:

«فَجاءَهُ النَّبِيُّ وَهُوَ فِي مَنامِهِ فَأَخَذَ الْحُسَيْنَ وَضَمَّهُ إِلَى صَدْرِهِ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَيَقُولُ: بِأَبِي أَنْتَ كَأَنِّي أَرَاكَ مُرَمَّلاً بِدَمِكَ بَيْنَ عِصَابَةٍ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَرْجُونَ شَفَاعَتِي، مَا لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ خَلَاقٍ. يَا بُنَيَّ إِنَّكَ قَادِمٌ عَلَى أَبِيكَ وَأُمِّكَ وَأَخِيكَ وَهُمْ مُشْتَاقُونَ إِلَيْكَ، وَإِنَّ لَكَ فِي الْجَنَّةِ دَرَجَاتٍ لَا تَنَالُهَا إِلَّا بِالشَّهَادَةِ.»

امام حسینؑ نے سوتے میں رسولِ خداؐ کو دیکھا کہ حسینؑ کو اپنے سینہ سے لگا کر پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا: میرا باپ تجھ پر فدا ہو جائے۔ میں تم کو اپنی اُمّت کے ایک ایسے گروہ کے درمیان خون میں ڈوبا ہوا پا رہا ہوں جو میری شفاعت کے متمنی ہوں گے۔ خدا کے یہاں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میرے لعل تم (بہت جلد) اپنے باپ بھائی اور ماں کے پاس آنے والے ہو وہ لوگ تمہارے مشتاق ہیں۔ جنّت میں تمہارے لئے کچھ درجات ہیں جن کو تم شہادت کے ذریعہ حاصل کر سکو گے۔ امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلتے وقت رسولِ خداؐ کی قبر کے پاس یہ خواب دیکھا تھا۔ بحار جلد ۴۴ ص ۳۱۲، باب ۳۷، حدیث ۱۔

۲۸۔ معراج کی ایک طویل حدیث میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

«فَإِذَا أَنَا بِقَوْمٍ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مَوَائِدُ مِنْ لَحْمٍ طَيِّبٍ وَلَحْمٍ خَبِيثٍ، وَهُمْ يَأْكُلُونَ الْخَبِيثَ وَيَدَعُونَ الطَّيِّبَ. فَسَأَلْتُ جِبْرَئِيلَ مَنْ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الْحَرَامَ وَيَدَعُونَ الْحَلَالَ مِنْ أُمَّتِكَ.

قَالَ ثُمَّ مَرَرْتُ بِأَقْوَامٍ لَهُمْ مَشَافِرُ كَمَشَافِرِ الْإِبِلِ، يُقْرَضُ اللَّحْمُ مِنْ أَجْسَامِهِمْ وَيُلْقَى فِي أَفْوَاهِهِمْ. فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيلُ؟ فَقَالَ هُمُ الْهَمَّازُونَ اللَّمَّازُونَ. ثُمَّ مَرَرْتُ بِأَقْوَامٍ تُرْضَخُ وُجُوهُهُمْ وَرُؤُوسُهُمْ بِالصَّخْرِ. فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيلُ؟ فَقَالَ الَّذِينَ يَتْرُكُونَ صَلَاةَ

العشاء» "شب معراج میں نے ایک گروہ کو دیکھا جن کے سامنے پاکیزہ اور پلید گوشت کا خوان لگا ہوا تھا مگر وہ لوگ پلید گوشت کھا رہے تھے اور اچھا گوشت چھوڑ دے رہے تھے تو میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا: آپ کی اُمت کے یہ وہ لوگ ہیں جو حلال چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں رسولؐ فرماتے ہیں پھر میرا گزر ایک ایسی جماعت کے پاس سے ہوا جن کے منہ اونٹ کی طرح کے تھے ان کے جسم سے گوشت کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا۔ رسولؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ چغلخور ہیں۔ اس کے بعد میرا گزر ایک ایسی جماعت کی طرف سے ہوا جن کے چہرے اور سروں کو پتھروں سے کچلا جا رہا تھا میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو نمازِ عشا کو چھوڑ دیتے تھے۔ بحار جلد ۶ ص ۲۳۹، کتاب العدل والمعاد باب احوال البرزخ وعذاب وسوالہ اسی طرح علم الیقین جلد ۲ ص ۸۸۴ المقصد الرابع باب ۲ میں بھی ہے۔

۲۹۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۵۲، کتاب ایمان وکفر باب شدت ابتلا المومن حدیث ۲۔

۳۰۔ حدیث ۱۔ توضیح ۱۴

۳۱۔ بحار جلد ۶۴ ص ۲۵۰، کتاب ایمان وکفر، باب شدت ابتلا المومن۔

۳۲۔ محمد بن حسن طوسیؒ جو خواجہ نصیر اور محقق طوسی (۵۹۷۔۶۷۲) کے لقب سے مشہور ہیں اسلام کے معروف ترین حکما و دانش مندوں میں تھے۔ فلسفہ، کلام، ریاضیات، ہیئت میں تبحر رکھتے تھے آپ کے شاگردوں میں علامہ حلیؒ، قطب الدین شیرازی، سید عبدالکریم بن طاؤس وغیرہ تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح اشارات، تجرید، تحریر اقلیدس، تحریر مجسطی، اخلاق ناصری وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔

۳۳۔ حدیث ۱۔ توضیح ۲۴۔

۳۴۔ کشف المراد شرح تجرید الاعتقاد ص ۲۱۸۔ مقصد چہارم فی وجوب العصمۃ۔

۳۵۔ بحار جلد ۱۲ ص ۳۴۸، کتاب النبوۃ باب قصص ایوب حدیث ۳۔

۳۶۔ (سورۂ نحل آیت ۹۸۔۹۹)

۳۷۔ روضۂ کافی جلد ۸ ص ۲۸۸، حدیث ۴۳۳۔

۳۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۲۵۴، "کتاب ایمان وکفر" باب شدت ابتلا المومن، حدیث ۱۲۔

۳۹۔ مراۃ العقول جلد ۹ ص ۳۳۰، "کتاب ایمان وکفر" باب شدت ابتلا المومن، حدیث ۱۲۔

۴۰۔ حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ: «إنَّ أيُّوبَ ابْتُلِيَ سَبْعَ سِنِينَ مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ وَإنَّ الأنْبِيَاءَ لاَ يُذْنِبُونَ، لِأَنَّهُمْ مَعْصُومُونَ مُطَهَّرُونَ لاَ يُذْنِبُونَ وَلاَ يَزِيغُونَ وَلاَ يَرْتَكِبُونَ ذَنْباً صَغِيراً وَلاَ كَبِيراً. وَقَالَ ع: إنَّ أيُّوبَ مِنْ جَمِيعِ مَا ابْتُلِيَ بِهِ، لَمْ تَنْتِنْ لَهُ رَايِحَةٌ: وَلاَ قَبُحَتْ لَهُ صُورَةٌ، وَلاَ خَرَجَتْ مِنْهُ مُدَّةٌ مِنْ دَمٍ وَلاَ قَيْحٍ، وَلاَ اسْتَقْذَرَهُ أحَدٌ رَآهُ، وَلاَ اسْتَوْحَشَ مِنْهُ أحَدٌ شَاهَدَهُ، وَلاَ تَدَوَّدَ شَيْءٌ مِنْ جَسَدِهِ. وَهكَذَا يَصْنَعُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِجَمِيعِ مَنْ يَبْتَلِيهُ مِنْ أنْبِيَائِهِ وَأوْلِيَائِهِ الْمُكَرَّمِينَ عَلَيْهِ. وَإنَّمَا اجْتَنَبَهُ النَّاسُ لِفَقْرِهِ وَضَعْفِهِ فِي ظَاهِرِ أمْرِهِ لِجَهْلِهِمْ بِمَا لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ تَعَالَى ذِكْرُهُ مِنَ التَّأيِيدِ وَالْفَرَجِ...»

حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقرؑ سے روایت فرماتے ہیں کہ جناب ایوب بغیر کسی گناہ کے سات سال تک مبتلا رہے اور انبیا گناہ کرتے ہی نہیں کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں، طاہر ہوتے ہیں نہ گناہ کرتے ہیں نہ کسی آلودگی میں مبتلا ہوتے ہیں نہ گناہ صغیرہ کرتے ہیں نہ کبیرہ۔ معصوم نے فرمایا: اس تمام مدت میں نہ تو جناب ایوب کے بدن سے بدبو پیدا ہوئی نہ ان کی صورت قبیح ہوئی اور نہ پوری مدت میں (پھوڑے سے) خون یا پیپ نکلی اور نہ کوئی دیکھنے والا ان سے متنفر ہوا اور نہ مشاہدہ کرنے والا بیزار ہوا نہ ان کے جسم میں کیڑے پڑے۔ خدا اسی طرح اپنے ان انبیا اور اولیا کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے نزدیک محترم ہوتے ہیں (ہاں) جناب ایوب سے لوگ ان کے فقر و فاقہ اور بظاہر کمزوری کی وجہ سے اجتناب کرتے تھے۔ اس لیے کہ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ خدا کے نزدیک ان کی کیا قدر و منزلت ہے اور خدا کی طرف سے کتنی کشائش ہے۔ بحار جلد ۱۲ص ۳۴۸، کتاب النبوۃ باب قصص ایوب حدیث ۱۲۔

۴۱۔ مبدا و معاد (صدر المتالہین)۔

۴۲۔ (سورۂ قلم / ۴۵ - ۴۶)۔

۴۳۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۷۸۔

۴۴۔ مجمع البیان تفسیر سورۂ قلم)

۴۵۔ الجامع الصغیر جلد ۲، ص ۱۴۴ پر لفظ مثل کے بغیر ہے۔

سولہویں حدیث

«بِإِسْنادِنا الْمُتَّصِلَةِ إِلى ثِقَةِ الإِسلامِ وَالْمُسلِمينَ، فَخرِ الطّائِفَةِ الْحَقَّةِ وَمقَدَّمِهِمْ، مُحَمَّد بن يَعقُوبَ الْكُلَيْني، رَضِيَ اللّهُ عَنه، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحابِنا، عَنْ أَحْمَدَبنِ مُحَمَّد بْنِ خالدٍ، عَنْ أَبيهِ، عَنْ عَلِيِّ بن النُّعْمان، عَنْ عَبْدِاللّه بن مُسْكان، عَنْ أَبي بَصيرٍ، قالَ سَمِعْتُ أَبا عَبْدِاللّه، عَلَيْهِ السَّلامُ يَقُولُ: إِنَّ الْحُرَّ حُرٌّ على جَميعِ أَحْوالِهِ؛ إِنْ نابَتْهُ نائِبَةٌ، صَبَرَلَها؛ وَإِنْ تَداكَّتْ عَلَيْهِ الْمَصائِبُ، لَمْ تَكْسِرْهُ وَإِنْ أُسِرَوَقُهِرَوَاستَبْدَلَ بِالْيُسْرِ عُسْراً؛ كَما كانَ يُوسُفَ الصِّدِّيقُ الأَمينُ لَمْ يَضْرُرْ حُرِيَّتَهُ أَنْ استُعْبِدَوَقُهِرَوَأُسِرَ وَلَمْ تَضْرُرْهُ ظُلْمَةُ الْجُبِّ وَوَحْشَتُهُ وَما نالَهُ، أَنْ مَنَّ اللّهُ عَلَيْهِ فَجَعَلَ الْجَبّارَالعاتِيَ لَهُ عَبْداً بَعْدَ إِذْ كانَ لَهُ مالِكاً؛ فَأَرْسَلَهُ وَرَحِمَ بِهِ أُمَّةً. وَكَذلِكَ الصَّبْرُيُعَقِّبُ خَيْراً. فَاصْبِرُوا وَوَطِّنُوا أَنفُسَكُمْ عَلى الصَّبْرِتُوجَرُوا!»

ترجمہ: ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: آزاد ہر حال

میں آزاد ہے اگر اس پر مصیبت آجاتی ہے تو صبر کرتا ہے اور اگر (چاروں طرف سے) مصائب ٹوٹ پڑیں اور چاہے وہ اسیر و مقہور کر لیا جائے پھر بھی شکستہ (خاطر) نہیں ہوتا۔ وہ سختیوں کو آسانیوں سے بدل لیتا ہے جیسے کہ جناب یوسف صدیق و امین کو ان کی غلامی، اسیری، مقہوریت نے ان کی آزادی کو کوئی ضرر نہیں پہونچایا اور نہ کنویں کی تاریکی و وحشت اور بلائیں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ یہاں تک کہ خدا نے ان پر احسان فرمایا کہ ظالم و سرکش کو ان کا غلام بنا دیا جبکہ وہ (پہلے) آقا تھا۔ پس خدا نے ان کو رسول بنایا انکے ذریعہ سے ایک اُمّت پر رحم فرمایا۔ (جناب یوسف کی طرح) صبر اپنے بعد اچھائی لاتا ہے۔ لہٰذا آپ لوگ صبر کیجئے اور اپنے کو صبر پر آمادہ کیجئے تاکہ آپ کو اس کا اجر مل سکے۔

شرح: (نائبۃ) مفرد ہے اس کی جمع نوائب ہے۔ نازل ہونے والے حوادث و مہمات کو کہتے ہیں لیکن صحاح میں اس کے معنیٰ (مصیبت) لکھے ہیں۔

دَکَّ کے معنیٰ دَقّ کے ہیں یعنی کسی چیز کو کوٹنا (پیسنا، گڑنا وغیرہ) کے ہیں صحاح میں ہے: جب کسی چیز کو مار (پیٹ) کر اور توڑ (پھوڑ) کر زمین کے برابر کر دیا جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے «وَقَدْ دَكَكْتُ الشَّيْءَ أَدُكُّهُ دَكًّا إِذَا ضَرَبْتَهُ وَكَسَرْتَهُ حَتَّى سَوَّيْتَهُ بِالْأَرْضِ.»[2]
اسی طرح اجتماع اور ازدحام کے معنیٰ میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ نہایۃ میں منقول ہے کہ حضرت علیؑ نے جو فرمایا ہے:

«ثُمَّ تَدَاكَكْتُمْ عَلَيَّ تَدَاكُكَ الْإِبِلِ الْهِيمِ عَلَى حِيَاضِهَا» اس میں تداککتم کے معنیٰ اِزْدَحَمْتُمْ.[3] کے ہیں۔

نہایۃ سے یہ بھی منقول ہے کہ "دَكَّ" بمعنیٰ "كَسَرَ" ہے۔[4] البتہ اس حدیث میں تَدَاكُّهُ کے معنیٰ لم تکسرہ کی مناسبت سے معنیٰ اوّل (کوٹنا) سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ ویسے دوسرا مطلب بھی (اجتماع) مناسب ہے۔

اِنْ اُسِرَ میں لفظ "اِنْ" وصلیۃ ہے اور "قہر" و "استبدل" اسی پر عطف ہیں۔ علامہ مجلسیؒ[5] نے فرمایا ہے: بعض نسخوں میں استبدل بالعسر یسرا آیا ہے۔[6] اگر ایسا ہے تو پھر یہ لم تکسرہ پر عطف ہے اور صبر کی غایت ہے۔

اور جملہ ان استعبد مبنی للمجہول ہے اور لم یضرر کا فاعل ہے۔ مراۃ العقول کے نسخہ میں "اُسْتُعْبِدَ" (پہلے "ب" ہے پھر "عین" ہے) آیا ہے۔[7] لیکن وسائل میں "اُسْتُعْبِدَ" (عین پہلے ب بعد میں) آیا ہے۔[8] گمان یہ ہے کہ مراۃ العقول کے نسخہ میں کاتب کی غلطی ہو۔ اگرچہ معنیٰ کے اعتبار

سے وہ بھی غلط نہیں ہے۔ لیکن حدیث اور مقام کی مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ وسائل والا نسخہ صحیح ہو۔

اور " مَانَالَہٗ " ظُلْمَۃُ الْجُبِّ" پر عطف ہے۔ یعنی بھائیوں کی طرف سے جو ظلم مصائب وحزن پڑے اور کنویں کی تاریکی نے یوسف کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔

" اَنْ مَنَّ اللّٰہُ " میں اظہر یہ ہے کہ یہاں " اِلّا " مقدر ہے یعنی اِلّا اَنْ مَنَّ اللّٰہُ ہے اور لم یضرر ولم تضرر میں تنازع ہے اور یہ جار مجرور لم تضرر سے متعلق ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے اس میں بہت سے احتمالات بیان کئے ہیں ۹ مگر ان کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہے صرف تطویل ہے۔

اور جناب یوسف کا مالک ان کا غلام ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب یوسف کا تابع ہو گیا۔

پہلی فصل

شہوت تمام گرفتاریوں کی جڑ ہے

یہ جان لو کہ اگر انسان نفسانی خواہشوں اور شہوانی طاقتوں کے قبضہ میں اسیر ہو گیا تو ان چیزوں کا تسلّط جتنا زیادہ ہو گا اس کی غلامی ورقیت وعبودیت بھی اسی قدر زیادہ ہو گی اور کسی کی عبودیت و غلامی کا مقصد اس کی اطاعت اور اس کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے۔ شہوتوں کا مطیع اور نفسِ امّارہ کا مقہور بندہ ان کا فرماں بردار ہوا کرتا ہے۔ یہ چیزیں اس کو جو بھی حکم دیتی ہیں۔ بڑی خندہ پیشانی سے ان کو بجالاتا ہے اور ان کے سامنے اس کی حیثیت ایک عبدِ خاضع اور بندۂ مطیع کی ہوتی ہے اور پھر نوبت یہ آجاتی ہے کہ انسان ان چیزوں کی اطاعت کو خدا کی اطاعت پر مُقدّم کر دیتا ہے اور ان کی بندگی کو مالکِ حقیقی کی بندگی پر ترجیح دیتا ہے اور پھر اس وقت اس کی عزّت، آزادی، آزاد منشی اس کے قلب سے اپنا بوریا بستر باندھ لیتی ہے اور اس کے چہرۂ قلب پر عبودیت و فقر و ذلت کا غبار چھا جاتا ہے اور وہ اہلِ دُنیا کا تابع ہو جاتا ہے۔ اس کا دل اہلِ دنیا اور صاحبانِ حشمت کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنے ہمنوع افراد کی ذلّت و منّت برداشت کرتا ہے۔ شکم و فرج کی سیری کے لئے ذلّت و رسوائی برداشت کرتا

ہے اور جب تک شہوت و نفس کا غلام رہتا ہے کسی بھی قسم کی فتوت و شرافت و حریت کی خلاف ورزی سے ہچکچاتا نہیں ہے ہر کس و ناکس کی اطاعت کرتا ہے۔ محض حصول مطلب کے احتمال کی بنا پر چاہے وہ احتمال موہوم ہو ہر بے قیمت و پست تر شخص کا احسان اُٹھانے کے لئے تیار رہتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں باب طمع میں (وہم اعجب ہے جو لوگ بندۂ دُنیا اور خواہشوں کے غلام ہیں اور نفس کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال رکھا ہے جس کے پاس بھی دُنیا پاتے ہیں یا دنیا پانے کا احتمال دیتے ہیں اسی کی غلامی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اگر یہ لوگ بظاہر عفت نفس و (عدم) احسان کا ذکر کریں تو یہ محض فریب و دھوکہ ہے خود ان کے اعمال و اقوال ان کے کلام کی تکذیب کریں گے اور یہ بندگی و غلامی ان امور میں سے ہے جو انسان کو ہمیشہ ذلت و رنج و تعب میں مبتلا رکھتی ہے۔ عزت دار اور باشرف انسان کو جس طرح بھی ممکن ہو اپنے کو اس سے الگ کرنا چاہیئے۔ اس کثافت سے پاکیزگی اور اس ذلت و خواری سے رہائی نفس کے معالجہ پر موقوف ہے اور یہ معالجہ علم و عمل نافع ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

عمل کی صورت تو یہ ہے کہ شرعی ریاضتوں پر عمل اور نفس کی مخالفت اتنی مدت تک کرے کہ نفس دنیا کی شدید محبت اور شہوات اور خواہشات کی پیروی سے منصرف ہو جائے اور نفس خیرات و کمالات کا عادی ہو جائے۔

علم کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو سمجھائے اور اپنے دل کو باور کرائے کہ دوسری مخلوقات بھی اسی کی طرح ضعیف و محتاج، فقیر و بینوا ہیں اسی کی طرح وہ خود بھی اپنے تمام کلی و جزئی امور میں غنی مطلق و قادر و توانا کی محتاج ہیں ان کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ کسی کی حاجت روائی کر سکیں وہ ایسی نہیں ہیں کہ نفس ان کی طرف متوجہ اور دل مائل ہو سکے۔ جس قادر و توانا نے ان کو عزت و شرف، مال و منال دیا ہے وہی ہر شخص کو دینے پر قادر ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اپنی شکم سیری یا خواہشِ نفس کی تکمیل کے لئے انسان اتنی ذلت و رسوائی برداشت کرے اور ایک ایسی مخلوق کا جو فقیر و ناچیز ہے بے دست و پا ہے، بے دانش و بینش ہے احسان مند ہو تو اس کے لئے باعثِ شرم ہے۔ اگر احسان لینا ہی ہے تو غنی مطلق اور خالق ارض و سما کا احسان لے۔ کیونکہ اگر تم نے اس ذاتِ مقدس کی طرف توجہ پیدا کر لی اور تمہارا دل اس کے حضور میں خاضع ہو گیا تو دونوں عالم سے چھٹکارا پا جاؤ گے اور مخلوق کی طوق عبودیت اپنی گردن سے اتار پھینکو گے۔ «اَلْعُبُودِيَّةُ جَوْهَرَةٌ كُنْهُهَا الرُّبُوبِيَّةُ.» [۱۰] خدا کی بندگی وہ

گوہر گراں بہا ہے جس کا باطن آزادی و ربوبیت ہے۔"

خدا کی بندگی اور مرکزی نقطۂ واحدہ کی طرف توجہ اور خدا کی سلطنتِ مطلقہ میں اپنی تمام قوتوں اور سلطنتوں کے فنا کر دینے سے دل کے اندر ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام عوالم پر حکومت کرتی ہے اور روح میں بھی ایسی عظمت و بلندی پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر وہ خدا اور وہ حضرات جنکی اطاعت خدا کی اطاعت ہے انکے علاوہ کسی کی اطاعت نہیں کرتی اور اگر انقلاب زمانہ سے کسی کے قدرت و سلطنت کے ماتحت ہو بھی جائے تو اس کا دل لرزتا نہیں ہے بلکہ استقلال و حریتِ نفس باقی رہتا ہے جیسے حضرت یوسف و لقمان کی ظاہری غلامی نے ان کی قلبی آزادی و حریت کو سلب نہیں کیا۔

مگر (وائے ہوا!) بہت سے قدرت مند اور ظاہری سلطنت کے مالک لوگوں پر جو ایسے بھی ہیں جنھوں نے حریت و آزادیٔ نفس، بزرگواری، بزرگ منشی کی بُو بھی سونگھی۔ بلکہ نفس کے بندہ بے دام اور ذلیل غلام بنے رہے اسی ناچیز مخلوق کی تملق و خوشامد کرتے رہے۔

حضرت سید سجادؑ فرماتے ہیں:

«إِنِّي لَآنَفُ أَنْ أَطْلُبَ الدُّنْيَا مِنْ خَالِقِهَا، فَكَيْفَ مِنْ مَخْلُوقٍ مِثْلِي» "

"مجھے اپنے خدا سے دُنیا کا سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے چہ جائیکہ میں اپنی جیسی مخلوق سے سوال کروں۔

اے میرے عزیز اگر تم کو طلب دنیا سے شرم نہیں محسوس ہوتی تو کم از کم اپنی جیسی کمزور مخلوق سے تو سوال نہ کر۔ یہ جان لے کہ مخلوق تیری دُنیا کو آباد کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں مان لیتا ہوں کہ بہ ہزار ذلت و رسوائی تم نے کسی مخلوق کے ارادے کو جلب کر لیا۔ (مگر اس سے کیا فائدہ؟) اس کا ارادہ ملکِ خدا میں کارفرما نہیں ہے۔ کسی کا بھی تصرف مالک الملوک کی ملکیت میں نہیں ہے اس لئے چند روزہ دنیا اور محدود و موقت خواہشوں کے لئے ہر وقت ناچیز کی چاپلوسی نہ کرو۔ اپنے خدا سے غافل نہ ہو اپنی حریت و آزادی کی حفاظت کرو، غلامی کے طوق کو اپنی گردن سے اُتار دو ہر حال میں آزاد رہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

«إِنَّ الْحُرَّ حُرٌّ عَلَى جَمِيعِ أَحْوَالِه.» آزاد ہر حالت میں آزاد ہوتا ہے۔

یہ بات بھی جان لو کہ مالداری کا تعلق دل سے ہے۔ اگر دل غنی ہے تو انسان غنی ہے اور بے نیازی کا دار مدار روح کے حالات پر ہے۔ اس (غنا اور بے نیازی کا) تعلق ان خارجی امور

سے جو انسان سے غیر مربوط ہیں، نہیں ہے۔ میں نے خود اہلِ دولت و ثروت (صاحبانِ مال و منال) میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان جیسے اظہارات کوئی باعزت فقیر بھی نہیں کر سکتا۔ ان کے بیانات شرم آور تھے۔ ذلت و مسکنت کا غبار ان بیچاروں کے چہرۂ قلب پر چھایا تھا۔ یہودی باوجودیکہ پوری دُنیا میں مالدار ترین قوم ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے چہرے سے ذلت و مسکنت فقر و فاقہ ٹپکتا رہتا ہے اور پوری عمر ذلت و خواری، عاجزی و بے نوائی سے بسر کرتے ہیں یہ صرف ان کی روحانی ذلت اور قلبی فقیری کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے (اسی طرح) اہلِ زہد و درویش صفت لوگوں میں بعض ایسے اشخاص کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ ان کے دل اتنے مستغنی اور بے نیاز ہیں کہ پوری دنیا بھی ان کو دیدی جائے تو توجہ نہ کریں گے وہ خدا کے علاوہ کسی کو عرضِ حال کے لائق نہیں سمجھتے، تم خود اہلِ دنیا اور طالبانِ ریاست کو دیکھو اور گہری نظر سے مطالعہ کرو تو پتہ چل جائے گا ان کی ذلت اور چاپلوسی دوسروں سے کہیں زیادہ ہے لوگوں کے سامنے ان کا خضوع بہت ہی زیادہ ہے۔ پیر و مرشد قسم کے لوگ ذلت و رسوائی برداشت کرتے ہیں تاکہ چند روز فرج پیٹ کی پوجا کر سکیں۔ پیر کا دل اپنے مرید کے سامنے اس سے زیادہ خاشع ہوتا ہے۔ جتنا مرید کا دل پیر کے سامنے خاشع ہوا کرتا ہے حالانکہ دونوں کے اصل ارادہ میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مرید کی ارادت رحمانی والٰہی ہے چاہے وہ غلط ہو اور پیر کی ارادت دنیاوی و شیطانی ہے۔ یہ سب تو دنیاوی ذلتیں اور مفسدے ہیں اور اگر کہیں پردہ اُٹھ جائے تو پتہ چلے کہ خواہشاتِ نفسانی اور شہوتوں کی نوزنجیروں کی قید و بند کے نیچے کیا صورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زنجیر جس کا طول ستر ہاتھ کا ہے اور جس کی خدا نے خبر دی ہے اور وہ قید و زنجیر جو ہمارے لئے ہے وہ اس دُنیا میں یہی شہوت و غضب کے زیرِ فرمان ہونا ہو۔ ارشادِ پروردگار ہے: «وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا۔» [۱۲] "جو کچھ کیا تھا اس کو حاضر پایا۔" نیز ارشاد ہے: «لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔» [۱۳] اس عالم میں ہم کو جو بھی ملے گا وہ ہمارے اعمال کی صورت کا ہو گا۔

خواہشوں اور شہوتوں کے پیچ در پیچ سلسلہ کو پارہ کر دو، کمندِ دل کو توڑ کر اور قید سے باہر آ کر اس دُنیا میں آزاد زندگی بسر کرو تاکہ اُس عالم میں آزاد رہو۔ ورنہ اس قید کی صورت وہاں دیکھنا ہو گی اور یہ سمجھ لو کہ وہ بہت ہی طاقت فرسا ہے اولیائے خدا باوجودیکہ اس کی غلامی سے بالکل آزاد ہو چکے تھے اور حریت مطلقہ پر فائز تھے مگر ان کے اتنے دل لرزاں تھے اور انجام کار سے اتنا گریاں رہتے تھے اور نالہ کرتے تھے کہ عقلیں متحیر ہیں۔

دوسری فصل

اگرچہ ان اوراق میں جو مطالب بیان کئے گئے ہیں وہ شائع و مشہور و معروف ہیں اور مکررات سے شمار کرنا چاہیئے۔ لیکن اس تکرار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نفس کو یاد دہانی اور حق بات کی تکرار اچھی بات ہے۔ اسی لئے وظائف و اوراد، عبادات و مناسک میں تکرار مطلوب ہے اور اس تکرار کا اصلی مقصد نفس کو عادی بنانا اور ریاضت کا پابند بنانا ہے۔ لہٰذا میرے عزیز تکرار سے رنجیدہ نہ ہو اور یہ جان لو کہ جب تک انسان نفس اور اس کی شہوتوں کا اسیر ہے اور شہوت و غضب کا طولانی سلسلہ اس کی گردن میں ہے کسی بھی مقامِ معنوی و روحانی تک نہیں پہونچ سکتا اور نہ نفس کی باطنی سلطنت اور اس کا نافذ ارادہ ظاہر ہو سکتا ہے اور نہ عزتِ نفس و مقامِ استقلال جو کمالِ روحانی کا بزرگ ترین مقام ہے۔ انسان کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس اسیری کی وجہ سے انسان کبھی بھی اور کسی بھی حال میں نفس کی اطاعت سے سرپیچی نہیں کر سکتا۔

اور جب نفسِ امارہ اور شیطان کی حکومت باطنی طور سے قوی ہو جاتی ہے اور تمام قوتیں اس کی غلامی اور اطاعت کرنے لگتی ہیں اور اس کے سامنے جھک جاتی ہیں اور سرِ تسلیم خم کر لیتی ہیں تو پھر نفسِ امارہ و شیطان صرف گناہوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ رفتہ رفتہ گناہانِ صغیرہ سے گناہانِ کبیرہ کی طرف اور اس کے بعد کمزوریٔ عقائد اور پھر تاریکیٔ افکار اور پھر انکارِ خدا اور اس کے بعد انبیاء و اولیا کی دشمنی اور بغض پر آمادہ کر دیتے ہیں اور نفس چونکہ ان کا غلام بن چکا ہے اس لئے انکی مخالفت نہیں کر سکتا۔ پس اس اسیری کا نتیجہ بہت ہی خراب ہوتا ہے اور ممکن ہے انسان کو بہت ہی ہولناک جگہوں تک پہونچا دے۔

اس لئے عقلمند اور اپنے اوپر مہربان انسان کو چاہیئے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے کو اس اسیری سے نکالے اور جب تک فرصت ہو، قوتیں سالم ہوں زندگی کے ساتھ صحت و جوانی برقرار ہو اور جب تک طاقتیں کلی طور سے شیطان کی مسخر نہ ہوئی ہوں اس کا مقابلہ کرے۔ اور ایک مدت تک اپنے اوقات کی پابندی کرے۔ حالاتِ نفس کا مطالعہ کرے، گزشتہ لوگوں کے حالات ان کے بُرے انجام کو دقت سے سوچے اور چند گزرے ہوئے دنوں کے بارے میں اپنے باطنِ قلب کو سمجھائے دل کو بیدار کرے اور ہمارے لئے رسولِ خدا سے منقول حقیقت: اَلدُّنْیَا

مَزْرَعَةُ الآخِرَةِ "[14] " دنیا آخرت کی کھیتی ہے" کو سمجھائے کہ اگر ان چند دنوں میں زراعت نہیں کی، عمل صالح نہیں کیا تو وقت نکل جائے گا۔ دوسرا عالم قریب آجائے گا موت آدبوچے گی سارے اعمال منقطع ہوجائیں گے، تمام امیدیں خاک میں مل جائیں گی اور اگر خدانخواستہ شہوتوں کی اسی غلامی اور مختلف خواہشاتِ نفس کی گرفتاری کے زمانہ میں ملک الموت آگئے۔ تو ممکن ہے شیطان اپنے مقصد یعنی ایمان خراب کرنے "میں کامیاب ہوجائے اور ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کرے اور ہمارے دِل کو ایسا لبھائے کہ خدا وانبیا و اولیا کی دشمنی پر ہمارا خاتمہ ہو اور پھر خدا جانے اس کے بعد ہمارے ساتھ کیسی بد بختیاں، تاریکیاں اور وحشتیں ہوں۔

لہٰذا اے ذلیل نفس اے غافل دل اب تو خواب غفلت سے بیدار ہوجا اور اس دشمن کے مقابلے کے لئے تیار ہوجا جو سالہا سال سے تمہارے گلے میں رسی ڈالے ہے اور تم کو قیدی بنائے ہے جدھر چاہتا ہے تم کو لے جاتا ہے اور جس برائی اور پست عادت کی طرف چاہتا ہے تم کو گھسیٹ لے جاتا ہے۔ تجھے چاہئے قیام کر۔ اس قید کو توڑ دے۔ زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے، آزاد ہوجا، ذلت ورسوائی کو دور کردے خدا کی بندگی میں گردن جھکا دے تاکہ ہر غلامی وبندگی سے نجات مل جائے اور دونوں عالم میں سلطنتِ مطلقۂ الٰہیہ حاصل کرسکے۔

اے عزیز! اگرچہ یہ دُنیا دار جزا نہیں ہے سلطنتِ حق کے ظہور کی جگہ نہیں ہے۔ مومن کے لئے قید خانہ ہے۔[15] (پھر بھی) اگر تو نفس کی قید سے آزاد ہوجا، خدا کی بندگی میں سر اطاعت کو خم کردے، دل کو توحید پرست بنا دے، دوئی کے زنگ کو آئینۂ روح سے دھو ڈال، دل کو کمالِ مطلق کے مرکزی نقطہ کی طرف متوجہ کردے تو اسی عالم میں اس کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور تیرے دل میں ایسی وسعت پیدا ہوجائے گی جو سلطنت تامۂ الٰہیہ کے ظہور کی جگہ بن سکے اور تمام عوالم سے اس کی وسعت زیادہ ہوگی (ارشاد ہے):

«لاَ يَسَعُنِي أَرْضِي وَلاَ سَمَائِي بَلْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ.»[16] "میرے آسمان وزمین میں میری سمائی نہیں ہے لیکن میرے بندۂ مومن کے دل میری سمائی ہے۔" اور اس کے اندر ایسا غنا پیدا ہوجائے گا کہ تمام ممالک ظاہر وباطن اس کے مقابلہ میں ہیچ ہوں گے اور ارادہ اتنا قوی ہوجائے گا کہ ملک وملکوت سے بھی تعلق نہ ہوگا اور وہ دونوں عالم کو اپنے لائق نہ سمجھے گا۔

طیران مرغ دیدی توز پای بند شہوت | بدر آئی تا ببینی طیران آدمیت[17]

تو نے پابندِ شہوت سے طائر کی پرواز کو دیکھا۔ اب ذرا (تقیدات سے) باہر آؤ اور آدمیت کی پرواز دیکھو۔

تیسری فصل

صبر کا مطلب۔ اور یہ کہ صبر قیدِ نفس سے آزادی کا نتیجہ ہوتا ہے

نفس کی غلامی سے آزادی کا سب سے بڑا نتیجہ عظیم ثمرہ مصیبتوں اور بلیات میں صبر ہے اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ صبر کے معنیٰ کو اجمالاً بیان کریں اور اس کے اقسام و ثمرات اور حریت سے ارتباط کا ذکر کریں۔

صبر کی تعریف طائفہ حقہ کے محقق، فرقہ محققہ کے مدقق، علم و عمل میں کامل (خواجہ) نصیر الدین طوسی[18] قدس اللہ نفسہ القدوس نے اس طرح فرمائی ہے: مکروہ کے وقت نفس کو بیتابی سے محفوظ رکھنا ہے۔[19] اور عارف و محقق مشہور نے منازل السائرین میں اس طرح فرمایا: جزع مستور پر نفس کو شکایت سے محفوظ رکھنا ہے۔[20] انتہیٰ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صبر متوسطین کے مقامات میں شمار کیا گیا ہے اس لئے کہ نفس جب تک مصیبتوں اور بلیات کو مکروہ سمجھتا رہے گا اور ان چیزوں سے اس کو جزع باطنی حاصل ہوگا اس کی معرفت ناقص ہے جیسے رضا بہ قضا اور بلیات کی توجہ پر خوش ہونا ایک بلند مقام ضرور ہے مگر ہم اس کو بھی متوسطین کے مقامات میں سے شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح گناہوں اور اطاعتوں پر صبر اور اسرار عبادات اور معاصی و طاعات کی صورتوں کی معرفت میں نقص شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی عبادت کی حقیقت کو سمجھتا ہو اور اس کی خوبصورت برزخی شکل سے آشنا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور معصیت کی وحشت ناک برزخی صورت پر ایمان رکھتا ہو تو ان مقامات پر اس کے لئے صبر ایک بے معنیٰ شئ ہے۔ بلکہ مطلب اس کے برعکس ہے کیونکہ یہاں پر یہ ہے کہ اگر اس کو خوشی یا راحت نصیب ہو یا اس کا کام منجر بہ ترک عبادت یا فعل معصیت ہو تو یہ چیزیں اس کے لئے مکروہ ہوتی ہیں اور اس کا جزع باطنی، بلیات و مصیبت پر اہل صبر کے جزع سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

جناب عبد صالح فریضۂ عبودیت کے عارف صاحب مقامات و کرامات جناب علی

بن طاؤس[21] قدس اللہ نفسہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے اوّل تکلیف کے دن (یعنی اوّل بلوغ کے کے دن) جشن مناتے تھے۔ خوشی کرتے تھے کھانا کھلاتے تھے اور اس دن کو روزِ عید شمار کرتے تھے اس لئے کہ خدا نے ان کو اس دن یہ فخر عطا کیا کہ ان کو اطاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی[22] کیا اس روحِ لطیف کے لئے اطاعتوں کے بجالانے کو ایسے مکروہات پر صبر کرنا کہا جاسکتا ہے جو باطن میں چھپے ہوں؟ کہاں ہم اور کہاں یہ حق کے فرمانبردار بندے! ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے ہم پر بار ڈالا ہے اور تکالیف (شرعیہ) کو زحمت و پریشانی کا سبب سمجھتے ہیں۔ ہم میں سے اگر کوئی زحمت اُٹھا کر اوّل وقت نماز پڑھ لیتا ہے تو کہتا ہے انسان کو یہ کام جلد کرلینا چاہیئے تاکہ راحت و آرام نصیب ہو۔ ہماری ساری بدبختی جہالت و نادانی سے ہے اور ہمارا اساس النقصان فقدانِ ایمان کی وجہ سے ہے۔

بہرحال حقیقتِ صبر "چھپے ہوئے جزع پر شکایت کرنے سے نفس کو روکنا" ہے۔ مگر ائمہ ھدیٰ اور انبیائے کرام کے لئے جو تعریف کی جاتی ہے کہ وہ صبر کرتے تھے ہو سکتا ہے اس سے مُراد جسمانی تکلیفوں پر صبر کرنا مُراد ہو کیونکہ بشری طبیعت کا مقتضیٰ ان پر متاثر ہونا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب کے فراق پر صبر کرنا مقصود ہو کیونکہ یہ بھی محبین کے بزرگ مقامات میں سے ہے۔ اس کے بعد اس کا (بھی) ذکر کیا جائے گا۔ ورنہ اطاعتوں، مصیبتوں، معصیتوں وغیرہ پر صبر کرنا ان حضرات کے بارے میں کیا بلکہ ان کے شیعوں کے بارے میں بھی بے معنیٰ چیز ہے۔

مشہور عارف کمال الدین عبدالرزاق کاشانی[23] شرح منازل میں فرماتے ہیں: شیخ نے جو فرمایا ہے کہ صبر کے معنیٰ شکایت سے خودداری کرنا ہے تو یہاں شکایت سے مراد مخلوق سے شکایت ہے ورنہ خدا سے شکایت اس کی بارگاہ میں جزع و فزع کرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ جیسے جناب ایوبؑ نے خدا سے شکوہ کیا: «أنِي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ.» [24] (مجھ کو شیطان نے بہت اذیت و تکلیف پہونچا رکھی ہے) حالانکہ خدا نے ان کی تعریف کی ہے: «إنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ.» [25] (ہم نے ان کو صابر پایا اور وہ کیا اچھے بندے تھے۔) حضرت یعقوبؑ نے عرض کیا: «إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ» [26] (میں تو اپنی بے قراری اور رنج کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں) حالانکہ جناب یعقوب صابروں میں سے تھے۔ بلکہ خدا سے شکایت نہ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔[27]

انبیائے کرام اور ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی سیرت سے بھی یہی ظاہر ہوتا

ہے کہ ان حضرات کے مقامات اگرچہ صبر و رضا و تسلیم سے بلند تھے مگر پھر بھی بارگاہ احدیت میں عجز و تضرع، دعا و مناجات کرتے رہتے تھے اور اپنی حاجتوں کو خدا سے طلب کرتے تھے اور یہ بات روحانی مقامات کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ ذکرِ خدا اور محبوب سے انس و خلوت کامل مطلق کی بارگاہ میں اظہارِ عبودیت و ذلت عارفین کی سب سے بڑی آرزو اور سالکین کے سلوک کا نتیجہ ہے۔

چوتھی فصل

صبر کے نتائج

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صبر کے بہت سے نتائج ہیں ان میں سے ریاضت اور نفس کی تربیت (بھی) ہے اگر انسان ناخوشگوار حادثات، مشقت عبادات، زحمت مناسک اور تلخی ترکِ نفسانی لذات کو ایک مدت تک بمطابق فرمان ولی نعمت برداشت کرے اور مشقتوں کو خواہ وہ سخت و ناگوار ہوں ان پر صبر کرے تو رفتہ رفتہ اس کی عادت ہو جائے گی اور مرتاض ہو جائے گا اور (نفس کی) سرکشی سے باہر آ جائے گا۔ مشقتوں کی سختیوں کو برداشت کرنا آسان ہو جائے گا اور نفس کے اندر ایک ملکہ راسخہ نوریہ پیدا ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ مقامِ صبر سے ترقی کر کے دیگر بلند مقامات تک ترقی کر جائے گا۔ بلکہ معاصی پر صبر کرنا منشاء تقوائے نفس ہوتا ہے اور طاعتوں پر صبر کرنا منشا و انس بخدا ہوتا ہے، بلیات پر صبر کرنا منشائے رضا بقضاء الٰہی ہوتا ہے اور یہ سب اہلِ ایمان بلکہ اہلِ عرفان کے بلند مقامات میں سے ہیں۔ اہلِ بیتِ عصمت کی حدیثوں میں صبر کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں حضرت صادقؑ تک سند پہونچا کر آپؑ سے منقول ہے:

«قَالَ الصَّبْرُ مِنَ الْإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ فَإِذَا ذَهَبَ الرَّأْسُ، ذَهَبَ الْجَسَدُ وَ كَذٰلِكَ إِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْإِيمَانُ.» [۲۸]

"ایمان کے لئے صبر کی وہی حیثیت ہے جو جسم میں سر کی ہوتی ہے اگر سر نہ رہے تو جسم ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اگر صبر نہ رہے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے۔"

دوسری حدیث میں حضرت سجّادؑ تک سند پہونچا کر آپؑ سے منقول ہے:

«عَلِيّ بِنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ اَلصَّبْرُ مِنَ الْإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَلَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا صَبْرَ لَهُ.» ۲۹

"ایمان کے لئے صبر کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لئے سر کی ہوتی ہے۔ جس کے پاس صبر نہیں ہے اس کے پاس ایمان (بھی) نہیں ہے۔"

اس سلسلہ میں احادیث بہت ہیں ہم اس کے بعد مناسب مقام پر ان میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

صبر ابوابِ سعادت کی کلید، مہالک سے نجات کا ذریعہ ہے بلکہ صبر بلیات کو انسان پر آسان اور مشکلات کو سہل کر دیتا ہے عزم و ارادہ کو قوت دیتا ہے مملکتِ روح کو مستقل کرتا ہے۔ (اسکے مقابلہ میں) بے صبری باعثِ شرم ہے۔ ضعفِ نفس کی کاشف ہے۔ انسان کو بے ثبات، ارادہ کو کمزور، عقل کو سُست کر دیتی ہے۔ جناب محقق خبیر خواجہ نصیر طوسی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

«وَهُوَ (أَيِ الصَّبْرُ) يَمْنَعُ الْبَاطِنَ عَنِ الْإِضْطِرَابِ، وَاللِّسَانَ عَنِ الشِّكَايَةِ، وَالْأَعْضَاءَ عَنِ الْحَرَكَاتِ الْغَيْرِ الْمُعْتَادَةِ.» ۳۰

"صبر باطن کو اضطراب سے، زبان کو شکایت سے، اعضا کو غیر عادی حرکتوں سے روک دیتا ہے۔"

اس کے برخلاف انسان غیر صابر کا باطن و دل مضطرب و وحشت ناک، قلب لرزاں و متزلزل ہوتا ہے اور یہ خود بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑی بلا ہے جو انسان کے سر پر نازل ہوتی ہے اور انسان سے راحت کو سلب کر لیتی ہے۔ لیکن صبر مصیبت کو ہلکا کرتا ہے اور دل کو بلاؤں پر غلبہ دیتا ہے اور ارادہ کو مصیبتوں پر قاہر بناتا ہے اور بے صبر ے انسان کی زبانِ شکایت ہر کس و ناکس کے سامنے کھل جاتی ہے اور یہ چیز لوگوں کے سامنے رسوائی، کم ثباتی، سُستِ عنصری لوگوں کی نظروں سے گر جانے کے علاوہ ملائکہ اور بارگاہ قدسِ الٰہی میں بے قدری کا سبب ہے۔ جو شخص خدا اور محبوبِ مطلق کی طرف سے آئی ہوئی ایک مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتا اور جو شخص اپنے ولیٔ نعمت کی ہزاروں نعمتوں کو دیکھنے اور ہمیشہ اس میں ڈوبے رہنے کے باوجود ایک

مصیبت کو دیکھ کر مخلوقِ خدا کے سامنے زبانِ شکایت کھول دے بھلا اس کا ایمان کیا؟ اور مقامِ مقدس خدا کے سامنے کیسی تسلیم و رضا؟ لہٰذا یہ بات صحیح ہے کہ جس کے پاس صبر نہیں ہے۔ اس کے پاس ایمان نہیں ہے۔ اے خدا کے بندے اگر خدا پر تیرا ایمان ہوتا تو مجاری اُمور کو قدرتِ کاملہ کا کرشمہ سمجھتا تو کسی کو امور میں متصرف نہ سمجھتا اور زمانہ کی مصیبتوں کی شکایت غیرِ خدا سے نہ کرتا بلکہ ان کو دل و جان سے قبول کر کے خدا کا شکر ادا کرتا۔

پس یہ باطنی اضطراب، زبانی شکایتیں، اعضا (وجوارح) کا غیر عادی بُری حرکتیں سب گواہ ہیں کہ ہم اہلِ ایمان نہیں ہیں۔ جب تک نعمت مل رہی ہے صورتاً شکر کرتے ہیں مگر وہ بھی بے مغز! بلکہ (یہ شکر بھی) زیادتی کی لالچ میں کرتے ہیں۔ جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے یا ایک درد یا بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو خدا کی شکایتیں اس کی مخلوق سے کرنے لگتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے سامنے کنایتاً شکوہ کرنے لگتے ہیں اور اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ شکایتیں اور جزع و فزع خدا اور قضائے الٰہی کے بارے میں نفس کے اندر بغض کی تخم ریزی کرنے لگتی ہیں اور وہ درخت سبز ہو کر قوی ہوتا رہتا ہے پھر ملکہ بن جاتا ہے۔ بلکہ (اگر) خدا نخواستہ باطنِ ذات کی صورت، قضائے حق اور دشمنیٔ حق کی صورت بغض اختیار کرے تو پھر ہاتھوں کی لگام ٹوٹ جاتی ہے اور اختیار کی مہار ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور پھر انسان کسی بھی طرح حال و خیال کے ضبط و انضباط پر قادر نہیں ہوتا اور ظاہری و باطنی طور سے خدا کا دشمن ہو جاتا ہے اور ایک مرتبہ ہی خدا کی دشمنی لیے ہوئے اس دُنیا سے کوچ کرتا ہے اور شقاوتِ ابدی و ظلمتِ دائمی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ میں بُرے انجام اور ایمان مستودع سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ پس یہ بالکل درست ہے کہ جب صبر چلا جاتا ہے تو ایمان بھی چلا جاتا ہے۔

میرے عزیز مطلب بہت اہم اور راہ بہت خطرناک ہے۔ دل و جان سے کوشش کر کے حوادث دنیا پر صبر و بردباری کو اپنا پیشہ بنالو۔ مصیبتوں اور بلاؤں کا مردانہ وار مقابلہ کرو، نفس کو سمجھاؤ کہ جزع و فزع اپنی جگہ پر خود ہی ایک ننگ و عار ہے (دوسرے) اس سے مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ قضائے الٰہی اور ارادۂ حتمی خدائی کی کمزور و ضعیف و ناتواں مخلوق کے سامنے شکایت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے:

سماعہ کہتے ہیں:

«مُحَمَّدُ بنُ يَعْقُوبَ بإسْنادِهِ عَنْ سَماعَةَ بْنِ مِهْرانَ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قالَ لِي: ما حَبَسَكَ عَنِ الْحَجِّ؟ قالَ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِداكَ، وَقَعَ عَلَيَّ دَيْنٌ كَثِيرٌ وَذَهَبَ مالِي؛ وَدَيْنِيَ الَّذِي قَدْ لَزِمَنِي هُوَ أَعْظَمُ مِنْ ذِهابِ مالِي؛ فَلَوْلا أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَصْحابِنا أَخْرَجَنِي ما قَدَرْتُ أَنْ أَخْرُجَ. فَقالَ لِي: إِنْ تَصْبِرْ تُغْتَبَطْ؛ وَإِلاّ تَصْبِرْ يُنْفِذِ اللهُ مَقادِيرَهُ، راضِياً كُنْتَ أَمْ كارِهاً.» ۳۱

"امام ابوالحسن کاظم علیہ السّلام نے مجھ سے فرمایا: تم کو کس چیز نے حج سے روکا؟ میں عرض کیا: میری جان آپؑ پر فدا ہو جائے میں بہت مقروض ہوں اور میرا مال چلا گیا۔ مال کے چلے جانے سے زیادہ اہمیت قرض کی ہے اگر میرے ایک دوست نے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں اس بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا: اگر صبر کرو گے تو مورد غبطہ ہو گے اور اگر صبر نہ کرو گے تو چاہے خوش ہو یا ناخوش خدا اپنی تقدیرات جاری کر کے رہے گا۔"

اس سے پتہ چلا کہ جزع و فزع سے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اس سے ہولناک قسم کے ضرر وابستہ ہیں اور اس کے پیچھے ایمان سوز ہلاکتیں ہیں اور خود صبر و بردباری کے اندر ثواب جزیل و اجر جمیل اور خوبصورت مثال برزخی ہے۔ چنانچہ سماعہ والی حدیث کے ذیل میں ہے: کہ جس کی شرح ہم نے کی ہے۔

«وَكَذٰلِكَ الصَّبْرُ يُعْقِبُ خَيْراً؛ فَاصْبِرُوا وَوَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ عَلَى الصَّبْرِ تُوجَرُوا.»

(اسی طرح صبر اپنے پیچھے اچھے کام رکھتا ہے لہٰذا صبر کرو اور اپنے نفوس کو صبر پر آمادہ کرو اس کا اجر ملے گا۔) پس اس دُنیا میں بھی صبر کا انجام اچھا ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کی مثال سے معلوم ہوتا ہے اور آخرت میں بھی موجب اجر ہے۔

کافی کی حدیث شریف میں ابو حمزہ ثمالی رحمۃ اللہ تک سند پہونچاتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا:

«قالَ أَبو عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلامُ: مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِبَلاءٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِ، كانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ أَلْفِ شَهِيدٍ.» ۳۲ "جو مومن کسی بلا میں گرفتار ہو اور اس پر صبر کرے تو اس کو

ہزار شہید کا اجر ملے گا۔

اس باب میں بہت سی احادیث آئی ہیں بعض کو میں اس کے بعد والی فصل میں ذکر کروں گا اب رہی یہ بات کہ صبر کی برزخی صورت بہت ہی اچھی و خوبصورت ہے یہ بات مطابقِ برہان ہونے کے علاوہ حدیثوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔ چنانچہ کافی شریف میں سند امام صادقؑ تک پہونچائی کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

«إِذَا دَخَلَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ، كَانَتِ الصَّلَاةُ عَنْ يَمِينِهِ وَالزَّكَاةُ عَنْ يَسَارِهِ وَالْبِرُّ مُطِلٌّ عَلَيْهِ وَيَتَنَحَّى الصَّبْرُ نَاحِيَةً؛ فَإِذَا دَخَلَ عَلَيْهِ الْمَلَكَانِ اللَّذَانِ يَلِيَانِ مُسَاءَلَتَهُ، قَالَ الصَّبْرُ لِلصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالْبِرِّ: دُونَكُمْ صَاحِبَكُمْ؛ فَإِنْ عَجَزْتُمْ عَنْهُ فَأَنَا دُونَهُ.»[۲۳]

"جب مومن قبر میں داخل ہوتا ہے تو نماز داہنی طرف زکوٰۃ بائیں طرف اور نیکیاں سر پر سایہ فگن ہوتی ہیں اور صبر ایک کنارے رہتا ہے۔ جب منکر و نکیر سوال کے لئے آتے ہیں تو صبر نماز، زکوٰۃ اور نیکیوں سے کہتا ہے اپنے رفیق کا ساتھ دو۔ اگر تم اس سے عاجز آگئے تو میں اس کی مدد کروں گا۔"

پانچویں فصل

صبر کے درجات

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے چند درجات ہیں اور انھیں درجات کے اعتبار سے اس کا اجر و ثواب مختلف ہوتا ہے چنانچہ کافی میں حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

«قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، الصَّبْرُ ثَلَاثَةٌ: صَبْرٌ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ؛ وَصَبْرٌ عَلَى الطَّاعَةِ؛ وَصَبْرٌ عَنِ الْمَعْصِيَةِ. فَمَنْ صَبَرَ عَلَى الْمُصِيبَةِ حَتَّى يَرُدَّهَا

بِحُسْنِ عَزائِها، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ ثَلاثَمِاَةِ دَرَجَةٍ ما بَيْنَ الدَّرَجَةِ إِلَى الدَّرَجَةِ، كَما بَيْنَ السَّماءِ وَالْأَرْضِ. وَمَنْ صَبَرَ عَلَى الطّاعَةِ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ سِتَّمِاَةِ دَرَجَةٍ ما بَيْنَ الدَّرَجَةِ إِلَى الدَّرَجَةِ، كَما بَيْنَ تُخُومِ الْأَرْضِ إِلَى الْعَرْشِ. وَمَنْ صَبَرَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ تِسْعَمِاَةِ دَرَجَةٍ ما بَيْنَ الدَّرَجَةِ إِلَى الدَّرَجَةِ، كَما بَيْنَ تُخُومِ الْأَرْضِ إِلَى مُنْتَهَى الْعَرْشِ.»[۳۴]

"صبر کے تین درجے ہیں: ۱۔ مصیبت پر صبر ۲۔ اطاعت پر صبر ۳۔ معصیت سے صبر۔ پس جو مصیبت پر صبر کرکے اس کو اچھی طرح واپس کردے خدا اس کو تین سو درجے عطا کرتا ہے ایک درجہ کا فاصلہ دوسرے درجہ سے اتنا ہوتا ہے جتنا زمین و آسمان میں فاصلہ ہے اور جو طاعت پر صبر کرتا خدا اس کو چھ سو درجے عطا کرتا ہے ایک درجہ کا فاصلہ دوسرے درجے سے اتنا ہوتا ہے جتنا زمین کی گہرائی سے عرش کا فاصلہ ہے اور جو معصیت سے صبر کرتا ہے اس کو خدا نو سو درجے عطا کرتا ہے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک فاصلہ زمین کی جڑ سے عرش کی انتہا تک کے برابر ہوتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر از معصیت کا درجہ صبر کے باقی تمام مراتب سے افضل ہوتا ہے اس لئے کہ اس کے درجات بھی زیادہ ہیں اور درجات کے درمیان وسعت بھی زیادہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہشت کی وسعت اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہم محجوبین و مقیدین کے ذہن میں ہے اور جو بہشت کی حدبندی میں کہا گیا ہے کہ: "عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ"[۳۵] "اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے۔" یہ شاید بہشت اعمال کی حدبندی ہے اور یہ جو حدیث میں بہشت اخلاق (کا ذکر) آیا ہے اور بہشت اخلاق کی میزانِ قوت اور کمال ارادہ ہے تو اس کی کوئی حدبندی نہیں کی جاسکتی۔

بعض (علما) نے فرمایا ہے کہ یہاں بلندی مراد ہے اور آیت میں عرض مراد ہو۔[۳۶] تو کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے عرض میں (دونوں) برابر ہوں اور بلندی میں مختلف ہوں مگر (یہ (قول بعض) بعید ہے اس لئے کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے عرض سے وسعت مقصود ہے نہ وہ عرض جو طول کے مقابل بولا جاتا ہے جیسے سماوات وارض میں بھی عرض بمقابل اس طول کے نہیں ہے جو عرفاً و لغتاً مفہوم ہیں۔ اگرچہ طبیعین کی اصطلاح میں عرض بعدِ ثانی کے معنی میں آیا ہے۔ مگر قرآن اصطلاحوں کے مطابق رفتار نہیں کرتا۔

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا:

«قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، سَيَأْتِي عَلَى النّاسِ زَمانٌ لا يُنالُ فِيهِ

الْمُلْکُ إِلاَّ بِالْقَتْلِ وَالتَّجَبُّرِ وَلاَ الْغِنٰی إِلاَّ بِالْغَصْبِ وَالْبُخْلِ؛ وَلاَ الْمَحَبَّةُ إِلاَّ بِاِسْتِخْرَاجِ الدِّیْنِ وَاتِّبَاعِ الْهَوٰی. فَمَنْ أَدْرَکَ ذٰلِکَ الزَّمَانَ فَصَبَرَ عَلَی الْفَقْرِ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلَی الْغِنٰی وَصَبَرَ عَلَی الْبِغْضَةِ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلَی الْمَحَبَّةِ وَصَبَرَ عَلَی الذُّلِّ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلَی الْعِزِّ، آتَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ خَمْسِیْنَ صِدِّیْقاً مِمَّنْ صَدَّقَ بِیْ.»[۳۷]

"عنقریب میری اُمّت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں ملک قتل و جبر سے حاصل ہوگا، مالداری غضب اور بخل سے حاصل ہوگی، محبّت دین سے نکلنے اور خواہشِ نفس کی پیروی سے حاصل ہوگی جو شخص اس زمانہ کو پائے اور مالداری پر قدرت کے باوجود فقیری پر صبر کرے اور محبّت پر قدرت کے باوجود بغض پر صبر کرے، عزّت حاصل کر سکنے کے باوجود ذلت پر صبر کرے خدا اس کو ایسے پچاس صدیقوں کا ثواب عطا کرے گا جنھوں نے میری تصدیق کی ہو"

اسی مضمون کے قریب حضرت علیؑ سے بھی حدیث منقول ہے۔[۳۸] خلاصہ یہ کہ اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر ہم نے صرف انھیں چند حدیثوں پر اکتفا کیا ہے۔

چھٹی فصل

اہلِ معرفت کے درجاتِ صبر

جان لو یہاں تک جو ذکر ہوا وہ عوام و متوسطین سے متعلق تھا جیسا کہ اس حدیث کے شروع کی فصلوں میں ہم نے اشارہ کیا کہ صبر کو متوسطین کے مقامات میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن صبر کے دوسرے درجات بھی ہیں جو اہلِ سلوک اور کامل اور اولیا سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک "صبر فی اللہ" ہے یعنی میدانِ جہاد میں ثابت قدمی اور مانوس و مالوف بلکہ خود اپنے کو راہِ محبوب میں ترک کر دینا اور یہ اہلِ سلوک سے متعلق ہے۔

دوسرا مرتبہ "صبر مع اللہ" ہے۔ یہ ان اہلِ حضور مشاہدینِ جمال سے متعلق ہے جب وہ جلبابِ بشریت سے خارج ہوں افعال و صفات کے لباس سے مجرد ہوں اور ان کے قلوب اسماء و

صفات کی تجلیات سے روشن ہوں، واردات انس و ہیبت ان پر وارد ہوں، تلوّنات سے نفس محفوظ ہو، مقام انس و شہود سے غیبت ہو۔

تیسرا مرتبہ "صبر عن اللہ" ہے یہ ان عشاق و مشتاقین کا درجہ ہے جو اہلِ شہود و عیان ہوں اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ لوگ اپنے عالم کی طرف رجوع کریں اور عالمِ کثرت و ہوشیاری کی طرف پلٹ آئیں یہ سب سے دشوار تر اور مشکل تر مرتبہ ہے۔ مولائے سالکان پیشوائے کاملان حضرت امیر مومنان علیہ السلام نے دعائے کمیل میں اس جملہ سے:

«وَهَبْنِي صَبَرْتُ عَلى عَذَابِكَ، فَكَيْفَ أَصْبِرُ عَلى فِرَاقِكَ:»[39] "معبود فرض کرلے کہ میں تیرے عذاب پر صبر کرلوں مگر تیرے فراق پر کیونکر صبر کرسکتا ہوں" اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

روایت میں ہے کہ:

«وَرُوِيَ أَنَّ شَابّاً مِنَ الْمُحِبِّينَ سَأَلَ الشِّبْلِيَّ عَنِ الصَّبْرِ فَقَالَ أَيُّ الصَّبْرِ أَشَدُّ؟ فَقَالَ الصَّبْرُ لِلّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ الصَّبْرُ بِاللّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ الصَّبْرُ عَلَى اللّٰهِ. «فَقَالَ لاَ. فَقَالَ الصَّبْرُ فِي اللّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ الصَّبْرُ مَعَ اللّٰهِ. فَقَالَ لاَ. فَقَالَ وَيْحَكَ فَأَيُّ؟ فَقَالَ الصَّبْرُ عَنِ اللّٰهِ. فَشَهِقَ الشِّبْلِيُّ وَخَرَّ مَغْشِيّاً عَلَيْهِ.»[40]

"محبین میں سے ایک جوان نے شبلی سے صبر کے بارے میں پوچھا کہ کون سا صبر زیادہ شدید ہے؟ شبلی نے کہا: الصبر للہ اس نے کہا نہیں پھر شبلی نے کہا: الصبر باللہ اس نے کہا نہیں۔ پھر شبلی نے کہا: الصبر علی اللہ، جوان نے کہا نہیں شبلی نے کہا: الصبر فی اللہ جوان نے کہا نہیں! شبلی نے پھر کہا: الصبر مع اللہ۔ جوان نے کہا نہیں۔ اس پر شبلی بولے تیرے اوپر وائے ہو پھر کون سا؟ اس نے کہا: الصبر عن اللہ یہ سنکر شبلی نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔"

چوتھا درجہ "صبر باللہ" ہے اور یہ اہلِ تمکین و استقامت کے لئے ہے جو ہوشیاری اور بقا باللہ اور تخلق باخلاق اللہ کے بعد ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ اکمل ترین لوگوں کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں ہوتا اور چونکہ ان مراتب تک ہماری رسائی نہیں ہوتی اس لئے اس کتاب میں اس کے ذکر کا فائدہ نہیں ہے:

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلاً وَآخِراً وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ.»

سولہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی جلد۲ ص ۸۹ "کتاب ایمان و کفر" باب صبر حدیث ۶
۲۔ اس کی ایسی پٹائی کی اور ایسی تڑپا کی زمین کے برابر ہوگیا۔
۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۰ اور نہایہ ابنِ اثیر جلد ۲ ص ۱۲۸۔
۴۔ نہایۃ اللغۃ، باب الدال مع الکاف۔
۵۔ حدیث ا توضیح ۱۴۔
۶۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۳۰ "کتاب ایمان و کفر" باب صبر، حدیث ۶۔
۷۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۳۰۔
۸۔ وسائل الشیعہ جلد ۲ ص ۹۰۳، کتاب الطہارۃ، ابواب الدفن، باب ۷۶، حدیث ۷۔
۹۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۳۱، کتاب ایمان و کفر، باب صبر، حدیث ۶۔
۱۰۔ مصباح الشریعۃ ص ۵۳۶، باب صدم در حقیقت عبودیت۔
۱۱۔ علل الشرائع میں جلد ا باب ۱۶۵ حدیث ۳ میں امام سجادؑ کی روایت کے ضمن میں یہ مضمون تھوڑے سے اختلافِ عبارت کے ساتھ آیا ہے۔
۱۲۔ سورۂ کہف آیت ۴۹۔
۱۳ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶۔
۱۴۔ علم الیقین جلد ا ص ۳۴۷، مقصد سوم، باب اول، فصل ۸، احیاء العلوم جلد ۴ ص ۱۹، کتاب توبہ۔
۱۵۔ یہ حضرت ابی عبداللہ کی حدیث الدنیا سجن المومن (دُنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے) کی طرف اشارہ ہے

اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۵۰ "کتاب ایمان وکفر"۔

۱۶۔ حدیث ۲، توضیح ۱۵۔

۱۷۔ یہ بیت سعدی کا ہے۔

۱۸۔ حدیث ۱۵۔ توضیح ۲۲۔

۱۹۔ اوصاف الاشراف ص ۱۰۸، فصل ۵، باب ۲۔

۲۰۔ منازل السائرین ص ۳۸، باب الصبر۔

۲۱۔ رضی الدین علی بن موسیٰ بن جعفر (۵۸۹ - ۶۶۴) جو ابن طاؤوس کے نام سے مشہور تھے۔ کامل ترین علمائے شیعہ میں تھے، عالم، عابد، زاہد، صاحب مقامات وکرامات تھے۔ غیبت صغریٰ میں امام زمانہؑ سے بہت قریب تھے۔ تمام علوم میں خصوصاً اخلاق وعبادات میں آپ کی اہم کتابیں ہیں مثلاً مہج الدعوات، اقبال، جمال الاسبوع، کشف المحجۃ، الیقین، فلاح السائل وغیرہ۔

۲۲۔ کشف المحجۃ ص ۳۱، فصل ۴۸۔

۲۳۔ حدیث ۱۳، توضیح ۱۲۔

۲۴۔ سورۂ ص، آیت ۴۱۔

۲۵۔ سورۂ ص، آیت ۴۴ - ۴۵۔

۲۶۔ سورۂ یوسف آیت ۸۶۔

۲۷۔ شرحِ منازل السائرین ص ۸۵، باب صبر۔

۲۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۸۹، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۲۔

۲۹۔ اصولِ کافی، جلد ۲ ص ۸۹، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۴۔

۳۰۔ اوصاف الاشرف، ص ۱۰۷، فصل ۵، باب ۲۔

۳۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۰، کتاب ایمان وکفر، باب الصبر، حدیث ۱۔

۳۲۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۲، کتاب ایمان وکفر، باب الصبر، حدیث ۱۷۔

۳۳۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۰، کتاب ایمان وکفر، باب الصبر، حدیث ۸۔

۳۴۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۱، کتاب ایمان وکفر، باب الصبر، حدیث ۱۵۔

۳۵۔ یہ آیۂ مبارکہ «وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ» کی طرف اشارہ ہے۔ سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۳۳۔

۳۶۔ مرآۃ العقول جلد ۸ ص ۱۳۸، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۱۵۔

۳۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۱، کتاب ایمان وکفر، باب صبر، حدیث ۱۲۔

۳۸۔ بحارالانوار جلد ۶۸، ص ۷۶، کتاب ایمان وکفر، باب ۶۲، حدیث ۶۔

۳۹۔ دعائے کمیل، مصباح المتہجد وسلاح المتعبد ص ۵۸۷، ضمن اعمال شب نیمۂ شعبان۔

۴۰۔ شرحِ منازل السائرین، ص ۸۸، باب صبر۔

سترہویں حدیث

«بالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إلى الإمامِ الأقدمِ، حُجَّةِ الفِرْقَةِ وَرئيسِ الأُمّة، مُحَمَّد بن يَعقُوبَ الكُلَيْنِي، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه، عَنْ محمَّد بن يَحْيٰى، عَنْ أحمدَبنِ مُحَمَّد بن عيسٰى، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مَحبُوبٍ، عَنْ مُعاوِيَةَ بنِ وَهَبٍ، قالَ سَمِعْتُ أباعَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلامُ، يقولُ: إذا تابَ الْعَبْدُ توبَةً نَصُوحاً، أحبَّهُ اللّٰهُ، فَسَتَرَعَلَيْهِ فِي الدُّنيا وَالْآخِرَةِ. فَقُلْتُ: وَكَيْفَ يَسْتُرُعَلَيْهِ؟ قالَ يُنْسِي مَلَكَيْهِ ما كَتَبا عَلَيْهِ مِنَ الذُّنُوبِ، ثُمَّ يُوحِي إلى جَوارِحِهِ: اُكْتُمِي عَلَيْهِ ذُنُوبَهُ. وَيُوحِي إلى بِقاعِ الأرْضِ: اُكْتُمِي عَلَيْهِ ما كانَ يَعْمَلُ عَلَيْكِ مِنَ الذُّنُوبِ. فَيَلْقَى اللّٰهَ حِينَ يَلْقاهُ وَلَيْسَ شَيءٌ يَشْهَدُ عَلَيْهِ بِشَيءٍ مِنَ الذُّنُوبِ.»[1]

ترجمہ: معاویہ بن وہب کا بیان ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی بندہ توبہ خالص کرتا ہے تو خدا اس کو دوست رکھنے لگتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا: کیونکر پردہ پوشی فرماتا ہے؟ فرمایا: دونوں ملک نے جو

جو گناہ لکھے ہوتے ہیں ان کو بھلوا دیتا ہے اور پھر اس کے (اعضاء) جوارح کو حکم دیتا ہے اس کے گناہوں کو چھپا دو اور زمین کے ٹکڑوں کو حکم دیتا ہے تمھارے اوپر جو گناہ اس نے کئے ہیں ان کو چھپا دو پھر جب وہ خدا سے ملاقات کرتا ہے تو کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو اس کے خلاف اس کے گناہوں کی گواہی دے۔

حقیقتِ توبہ

شرح: یہ جان لو کہ مہم اور مشکل ترین منازل میں سے (ایک) توبہ ہے۔ توبہ کا مطلب ہے: گناہوں اور نافرمانی کی کدورت کی وجہ سے روحانیت اور فطرت کا نور جو طبیعت کی تاریکی میں چھپ چکا تھا پھر سے نفس کی روحانیت کی طرف پلٹ آئے۔

اس اجمال کی بالجملہ تفصیل یہ ہے کہ ابتدائے فطرت میں نفس ہر قسم کے کمال و جمال نور و بہجت سے خالی ہوتا ہے اور ان کے مقابل کی چیزوں سے بھی خالی ہوتا ہے۔ یعنی بالکل ایک سادہ ورق ہوتا ہے نہ اس میں روحانی کمالات ہوتے ہیں نہ اس کے مخالف صفات ہوتے ہیں۔ البتہ ہر مقام کے حصول کی لیاقت و صلاحیت اسمیں ودلیعت رہتی ہے۔ اس کی فطرت استقامت پر اور اس کا خمیر انوار ذاتیہ سے گویا خمیر کیا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں تاریکی پیدا ہونے لگتی ہے۔ گناہ جتنا زیادہ ہوگا تاریکی اتنی زیادہ ہوگی۔ یہاں تک کہ گناہ کرتے کرتے قلب بالکل تاریک و سیاہ ہو جائے گا اور نورِ فطرت بجھ جائے گا اور وہ شقی ابدی ہو جائے گا۔ لیکن اگر ان حالات کے درمیان تمام قلب کے سیاہ ہونے سے پہلے وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو گیا اور بیداری کے منزل کے بعد توبہ کی منزل پر بھی پہونچ گیا اور اس منزل کے شرائط "جن کا اجمالاً ذکر کیا جائے گا" کو بھی پورا کر لیا تو تاریکی اور فطری کدورت سے نکل کر دوبارہ فطرتِ اصلی کی نور اور اپنی ذاتی و روحانیت کی طرف پلٹ آئے گا اور لوحِ دل پھر کمالات و ان کے اضداد سے خالی ہو جائے گی جیسا کہ حدیث میں مشہور ہے:

«التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ.»[2] "گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کے مثل ہے جس نے گناہ ہی نہ کئے ہوں۔

پس معلوم ہوا کہ توبہ کی حقیقت طبیعت کے احکام و انجام سے پلٹ کر روحانیت

وفطرت کے احکام کی طرف آجانا ہے اور انابت کی حقیقت فطرت وروحانیت سے پلٹ کر خدا کی طرف آنا اور بیت نفس سے منزلِ مقصود کی طرف ہجرت کرنا ہے۔ پس توبہ کی منزل انابت کی منزل سے مقدم ہے۔ مگر اس کی تفصیل اس کتاب کے مناسب نہیں ہے۔

پہلی فصل

اہم نکتہ

نجات وہدایت کے راستہ پر چلنے والے کے لئے ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ صحیح و مکمل توبہ ذکر کئے جانے والے شرائط کے ساتھ بہت ہی مشکل چیز ہے۔ بہت کم لوگ اس مقصد پر فائز ہو پاتے ہیں۔ بلکہ گناہانِ کبیرہ اور مہلکات کے ارتکاب کے بعد زیادہ تر انسان توبہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اگر دل کی کھیتی میں گناہوں کا درخت ثمر آور وطاقت ور ہو جائے اور اس کی جڑیں مضبوط ہو جائیں تو پھر اس کے نتائج بہت ہی خراب ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان بالکلیہ توبہ سے منصرف ہو جاتا ہے اور اگر کبھی توبہ کی یاد آجاتی ہے تو وہ کا،لی اور آج وکل، اس ماہ وآئندہ ماہ کر کے ٹالتا رہتا ہے اور اپنی جگہ کہتا ہے آخری عمر اور بڑھاپے میں صحیح توبہ کرلیں گے۔ حالانکہ یہ خدا سے مکاری ہے جس سے وہ غافل ہے۔ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۳ (خدا سب سے بہتر مکاری کی توڑ کرتا ہے۔)

یہ گمان نہ کرو کہ گناہوں کی جڑوں کے مضبوط ہو جانے کے بعد انسان توبہ کر سکتا ہے یا توبہ کے شرائط پورے کر سکتا ہے۔ بہارِ توبہ تو جوانی ہی میں ہے جب گناہوں کا بار کم، دل کی کدورت قلیل، ظلمتِ باطن ناقص اور شرائطِ توبہ سہل وآسان ہوا کرتے ہیں۔ بڑھاپے میں انسان کی حرص وطمع، حُبِّ جاہ ومال اور اُمیدیں بڑی لمبی ہو جاتی ہیں اور یہ بات مجرب ہے اور حدیثِ رسول شاہد ہے۔ ۴ میں فرض کئے لیتا ہوں کہ انسان بڑھاپے میں توبہ کرے گا (مگر یہ کہاں سے معلوم ہے کہ) بڑھاپے تک پہونچ جائے گا، جوانی میں اور نافرمانی کی حالت میں اس کو موت نہیں آئے گی اس کو مہلت مل جائے گی؟ بوڑھوں کا کم پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ موت جوانوں سے زیادہ قریب ہے۔ ایک پچاس ہزار آبادی والے شہر میں پچاس اسی سالہ بوڑھے

نہیں دکھائی دیتے۔

لہٰذا (میرے) عزیز شیطان کی مکاری سے ڈرو اور ہوشیار رہو اور اپنے خدا سے حیلہ و مکاری نہ کرو کہ پچاس سال یا اس سے زیادہ شہوت پرستی کرکے مرتے دم توبہ و استغفار کرلیں گے یہ خیالِ خام ہے۔ اگر تم نے حدیث میں (خود) دیکھا ہے یا سُنا ہے کہ خداوندِ عالم نے اس اُمت پر یہ فضل وکرم کیا ہے کہ آثارِ مرگ دیکھنے سے پہلے یا مرنے سے پہلے تک لوگوں کی توبہ قبول کرے گا۔ تو یہ بالکل صحیح ہے مگر افسوس تو یہی ہے کہ کیا اس وقت وہ توبہ کرے گا۔ کیا توبہ صرف لفظ ہے؟ توبہ کا پورا کرنا بہت دشوار ہے۔ برائیوں سے رُکنا اور گناہ نہ کرنے کا عزم (بالجزم) کرنا علمی وعملی ریاضتوں کا محتاج ہے۔ ورنہ شاذونادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود بخود توبہ کی فکر کرے یا اس کو توبہ کرنے کی توفیق نصیب ہوجائے یا اگر توفیق بھی ہو تو شرائطِ صحت اور قبولیت کے ساتھ یا شرائطِ کمال کے ساتھ توفیق نصیب ہو۔ (یہ بہت مشکل ہے) کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ توبہ کی فکر کرنے سے پہلے یا توبہ کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے موت آدبوچتی ہے اور انسان اپنے سنگین گناہوں، اور بے انتہا گناہوں کے ساتھ اس دنیا سے منتقل ہوجاتا ہے۔ پھر خدا جانے وہ کن بدبختیوں سے دوچار ہو۔ بالفرض انسان اہلِ نجات سے ہے اور اس کا انجام بخیر ہے پھر بھی اس دوسری دُنیا میں گناہوں کا جبران آسان نہیں ہے۔ کتنی زحمت، کتنا فشار اور کتنا جلنا ہوگا جس کے بعد انسان شفاعت کے لائق ہوگا اور ارحم الراحمین کی رحمت کا سبب ہوگا۔ (یہ تو بس خدا ہی جانتا ہے۔)

لہٰذا (میرے) عزیز جتنی جلدی ہوسکے کمر ہمت کس لو، عزم محکم کرلو ارادہ قوی کرلو اور جب تک جوانی ہے یا دنیا میں زندگی ہے گناہوں سے توبہ کرلو، خدا کی دی ہوئی فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دو، شیطان کی گمراہی اور نفسِ امارہ کے مکاید کی پرواہ نہ کرو۔

مہم نکتہ

ایک اور نکتہ کی طرف بھی توجہ رکھنی چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ توبہ کرنے والے کے یہاں توبہ کے بعد پہلے والی روحانی وصفائے باطنی اور خالص فطری نور باقی نہیں رہتا جیسے آپ ایک سیاہ کاغذ جلانے کے بعد دوبارہ اس کو جلا کر سفید بنانا چاہیں یا ٹوٹے ہوئے برتن کی اصلاح کریں

تو وہ پہلے والی صورت ہرگز اختیار نہیں کر سکتا۔ جو انسان کی دوستی تمام عمر صفا و خلوص کی رفتار کے ساتھ ہو اس میں اور اس کی دوستی میں جو خیانت کے بعد دوبارہ عذر خواہی کے بعد ہو دونوں میں بہت فرق ہے۔ اس کے علاوہ بہت کم ایسے لوگ ملیں گے جو صحیح طور پر توبہ کے وظائف پر عمل کر سکتے ہوں۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ حتی الامکان معصیت و نافرمانی میں داخل ہی نہ ہو اس لئے کہ فاسد کر دینے کے بعد نفس کی اصلاح بہت مشکل کام ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی نافرمانی و معصیت میں مبتلا ہو جائے تو جتنی جلدی ممکن ہو علاج کرے کیونکہ کم فساد کی اصلاح جلد ہو سکتی ہے اور اصلاح بھی اچھی طرح ہو سکتی ہے۔

اے عزیز بے اعتنائی اور سرسری طور سے اس مقام سے مت گزر جاؤ۔ اپنی حالت اور اپنے انجام میں کافی غور و فکر کرو۔ کتاب خدا، احادیث خاتم انبیا و ائمہ ہدیٰ سلام اللہ علیہم اجمعین علمائے اُمّت کے کلمات اور عقل وجدانی کے حکم کی طرف رجوع کرو اور اس دروازے کو جو تمام دروازوں کے لئے مفتاح ہے۔ اپنے لئے کھول لو اور اس منزل میں جو ہمارے اعتبار سے انسانیت کی سب سے عمدہ منازل میں سے ہے۔ داخل ہو جاؤ اور اس کی اہمیت سمجھو اور اس کی پابندی کرو، خداوندِ عالم سے حصولِ مقصد کی توفیق کا سوال کرو۔ رسولِ خدا اور ائمہ ہدیٰ سلام اللہ علیہم کی روحانیت سے استمداد چاہو۔ ولی امر، ناموسِ دھر حضرت امام عصرؑ کی پناہ چاہو۔ یقیناً وہ جناب کمزوروں کی دستگیری اور تھکے ماندے لوگوں کی مدد فرماتے ہیں اور بیچاروں کی دادرسی کرتے ہیں۔

دوسری فصل

ارکانِ توبہ

یہ سمجھ لو کہ مکمل توبہ کے لئے کچھ شرائط و ارکان ہیں جب تک وہ پورے نہ ہوں گے صحیح توبہ حاصل نہ ہوگی۔ ہم عمدہ قسم کے شرائط کا ذکر کریں گے۔

۱۔ گزشتہ گناہوں اور غلطیوں پر ندامت و پشیمانی! یہی سب سے بڑا رکن ہے۔

۲۔ دوبارہ پھر کبھی گناہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرنا۔ یہ دونوں درحقیقت، حقیقت توبہ کو

ثابت کرنے والی اور توبہ کے ذاتی مقومات میں سے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے عمدہ اسی مقام کا حاصل کرنا اور اسی حقیقت کا متحقق ہونا ہے اور وہ اسی طرح ہے کہ انسان اس بات کو یاد رکھے کہ گناہوں کا اثر روح پر ہوتا ہے اور اس کا بُرا نتیجہ عالمِ برزخ اور قیامت میں (ظاہر) ہوتا ہے یہ عقلاً بھی ثابت ہے نقلاً بھی ثابت ہے اصحابِ معرفت کے یہاں اس پر برہان و دلیل قائم ہے اور اہلِ بیتِ عصمت کی روایات میں وارد ہے کہ عالمِ برزخ و قیامت میں گناہوں کی مناسبت سے ان کی صورتیں ہوں گی جو اس عالم میں زندگی وارادہ کی مالک ہوں گی اور انسان کو شعور وارادہ سے عذاب و آزار پہونچائیں گی۔ خود آتشِ جہنم انسان کو اپنے شعور وارادہ سے جلائے گی کیونکہ وہ نشأۃ انشأۃ حیات ہے۔ پس اس عالم میں ہمارے اچھے یا بُرے اعمال کے نتیجے اپنی اپنی صورتوں میں ہمارے ساتھ محشور ہوں گے۔ قرآنِ مجید اور حدیثوں میں اس بات کو صراحتاً اور اشارتاً بہت سی جگہوں پر بیان کیا گیا ہے اور یہ بات حکمائے اشراق کے مسلک اور اہلِ سلوک و عرفان کے ذوق و مشاہدات کے مطابق (بھی) ہے اسی طرح ہر گناہ کا اثر روح میں حاصل ہوتا ہے جس کو حدیثوں میں "سیاہ نقطہ"[6] سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ سیاہی قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے۔ پھر تھوڑی تھوڑی بڑھتی رہتی ہے اور انسان کو کافر و زندیق بنا کر شقاوتِ ابدی کی منزل میں پہونچا دیتی ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے بھی اس جملہ کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔[7]

پس اگر عقلمند انسان اس مطلب پر متوجہ ہو جائے اور انبیا و اولیا علیہم السلام و عرفا، حکما، علما رضوان اللہ علیہم کے قول پر ایک معالج طبیب کے قول کے برابر اعتنا کرے تو یقیناً گناہوں سے پرہیز کرنے لگے گا اور اس کے قریب بھی نہ پھٹکے گا اور اگر خدا نخواستہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو فوراً الگ ہو جائے گا اور پشیمان ہو گا اور ندامت کا اظہار اس کے دل میں ہو جائے گا اور اس ندامت و پشیمانی کا نتیجہ بہت بڑا ہے اور اس کے آثار بہت اچھے ہیں اور ندامت کی وجہ سے معصیت و مخالفت چھوڑ دینے کا عزم پختہ ہو جائے گا۔ توبہ کے ان دونوں رکنوں کے حاصل ہوتے ہی راہِ آخرت کے سالک کا کام آسان ہو جائے گا اور الٰہی توفیقات اس کے شاملِ حال ہو جائے گی اور بنصِ آیت اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ[8] (خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) و موافقِ روایت محبوبِ خدا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس کی توبہ خالص ہو۔

انسان کو چاہیے کہ علمی و عملی ریاضت اور ضروری تدبّر و مناسب تفکر کے ساتھ کوشش کرے کہ اس کی توبہ خالص ہو اور یہ جان لے کہ خدا کی محبوبیت کو کسی میزان میں تولا نہیں جا سکتا۔

خدا جانتا ہے کہ ان عوالم میں محبت حق کی صورت کتنے معنوی انوار رکھتے ہیں اور کتنے تجلیات کامل رکھتے ہیں اور خدا اپنے محبوب کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے (اس کو کون سمجھ سکتا ہے۔)

اے انسان تو کتنا ظالم و جاہل ہے تو اپنے ولی نعمت کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔ تو سالہا سال سے ایسے ولی نعمت کی مخالفت کرتا ہے جس نے تمام راحت و آسائش کے اسباب نعوذ باللہ اپنے کسی فائدے کے بغیر تیرے مہیا کئے۔ تو نے اپنی بے حیائی و سرکشی کی انتہا کردی۔ اب جبکہ تو نادم ہوگیا اور لوٹ آیا ہے اور تو نے توبہ کرلی تو اس نے پھر تجھے اپنا محبوب بنالیا۔ یہ کتنی بڑی رحمت اور کتنی عظیم نعمت ہے۔

خداوندا ہم تیری نعمتوں کے شکر سے عاجز ہیں ہماری اور ساری کائنات کی زبان تیری حمد و ثنا سے گنگ ہے۔ سوائے اس کے کہ شرم سے سر جھکادیں اور اپنی بے حیائیوں کی معذرت کریں اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے کہ تیری رحمتوں کے لائق بنیں لیکن تیری رحمت کی وسعت اور تیری عمومی نعمت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ بیان تحریر میں آسکے۔ «أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.» [9] "بیشک تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔

انسان کو اس کی بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ ندامت کی صورت دل میں قوی ہوجائے تاکہ وہ انشاء اللہ "بیت احتراق" میں وارد ہوجائے اور وہ یہ ہے کہ وحشت ناک معصیتوں کے آثار و انجام میں غور و فکر کرنے کی وجہ سے دل میں ندامت کو طاقت عطا کرے اور «نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ» [10] کے نمونہ کو خود ہی اپنے دل میں روشن کرے اور قلب کو آتش ندامت سے جلادے تاکہ اس آگ میں تمام گناہ جل جائیں اور دل کی کدورتیں و زنگ ختم ہوجائیں (اور یہ جان لے کہ اگر اس آتش کو اس دنیا میں اپنے لئے نہ روشن کرے گا اور اس جہنم کے دروازے کو جو بہشت کا باب الابواب ہے۔ اپنے لئے نہ کھولے گا اور اس دُنیا سے منتقل ہوجائے گا تو مجبوراً اُس عالم میں اس کے لئے آتش سوزاں کا انتظام کیا جائے گا اور جہنم کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جائیں گے اور رحمت و بہشت کے دروازے اس پر بند کر دیئے جائیں گے۔

پروردگارا ہم کو درد مند دل دے اور آتش ندامت سے ندامت کی چنگاری ہمارے دل میں روشن کر دے اور اس کو اس آتش دنیا سے جلا دے۔ ہمارے دل کی کدورتوں کو دور کر دے اور ہم کو اس دُنیا سے گناہوں کے تبعات کے بغیر لے جا۔ «إِنَّكَ وَلِيُّ النِّعَمِ وَعَلَى

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.»

تیسری فصل

شرائطِ توبہ

اس سے پہلے والی فصل میں جو بیان کیا گیا وہ توبہ کے ارکان تھے۔ اب توبہ کے لئے کچھ شرائطِ قبول اور (کچھ) شرائطِ کمال ہیں جن کو ہم ترتیب سے بیان کریں گے۔ (قبول کے لئے) دو شرطیں توبہ کے لئے اسی طرح بہت عمدہ ہیں جس طرح کمال کے لئے بھی دو چیزیں ضروری ہیں۔ (ویسے) ہم اس باب میں مولیٰ الموالی حضرت علیؑ کے کلام کا ذکر کریں گے کیونکہ حضرتؑ کا کلام جوامع کلم ہے اور کلامِ ملوک، ملوکِ کلام ہوا کرتا ہے۔

جناب سید جلیل القدر علامہ سید رضیؒ رضی اللہ عنہ نہج البلاغہ میں روایت فرماتے ہیں کہ:

«رُوِيَ فِي نَهْجِ الْبَلَاغَةِ أَنَّ قَائِلاً قَالَ بِحَضْرَتِهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. فَقَالَ لَهُ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَتَدْرِي مَا الْإِسْتِغْفَارُ إِنَّ الْإِسْتِغْفَارَ دَرَجَةُ الْعِلِّيِّينَ؛ وَهُوَ إِسْمٌ وَاقِعٌ عَلَى سِتَّةِ مَعَانٍ: أَوَّلُهَا النَّدَمُ عَلَى مَا مَضَى. وَالثَّانِي الْعَزْمُ عَلَى تَرْكِ الْعَوْدِ إِلَيْهِ أَبَداً. وَالثَّالِثُ أَنْ تُؤَدِّيَ إِلَى الْمَخْلُوقِينَ حُقُوقَهُمْ حَتَّى تَلْقَى اللّٰهَ سُبْحَانَهُ أَمْلَسَ لَيْسَ عَلَيْكَ تَبِعَةٌ. وَالرَّابِعُ أَنْ تَعْمِدَ إِلَى كُلِّ فَرِيضَةٍ عَلَيْكَ ضَيَّعْتَهَا فَتُؤَدِّيَ حَقَّهَا. وَالْخَامِسُ أَنْ تَعْمِدَ إِلَى اللَّحْمِ الَّذِي نَبَتَ عَلَى السُّحْتِ، فَتُذِيبَهُ بِالْأَحْزَانِ حَتَّى تُلْصِقَ الْجِلْدَ بِالْعَظْمِ وَيَنْشَأَ بَيْنَهُمَا لَحْمٌ جَدِيدٌ. وَالسَّادِسُ أَنْ تُذِيقَ الْجِسْمَ أَلَمَ الطَّاعَةِ كَمَا أَذَقْتَهُ حَلَاوَةَ الْمَعْصِيَةِ.»

ایک شخص نے حضرت علیؑ کے سامنے استغفر اللہ کہا۔ حضرتؑ نے فرمایا: تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے کیا تو جانتا ہے کہ استغفار کیا ہے؟ (سن لے) استغفار علیین کا درجہ ہے اور

یہ ایک ایسا اسم ہے جو چھ معنیٰ پر بولا جاتا ہے اول: گزشتہ افعال پر ندامت دوم ہمیشہ کے لئے اس کے نہ کرنے کا محکم ارادہ سوم مخلوق کے حقوق کو (مرتے دم تک) ادا کرنا تاکہ جب تم خدا سے ملو تو تمہارے ذمّہ کسی کا حق نہ ہو چہارم ہر اس فریضہ کی طرف متوجہ ہو جانا جس کو تم ضائع کر چکے ہو پس اس کے حق کو ادا کرو۔ پنجم اس گوشت کی طرف متوجہ ہونا جو حرام سے اُگا ہے رنج و غم سے اس کو پگھلا کر کھال کی ہڈی سے ملادو پھر (دوبارہ) کھال اور ہڈی کے درمیان گوشت پیدا ہو۔ ششم جسم کو اطاعت کی تکلیف کا مزہ اسی طرح چکھاؤ جس طرح اس کو معصیت کی حلاوت کا مزہ چکھا چکے ہو"

یہ حدیث شریف پہلے تو توبہ کے دو رکن پشیمانی اور دوبارہ نہ کرنے کے عزم پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد اس میں دو اہم شرط ہائے قبولیت کا ذکر کیا گیا ہے (یعنی) حقوق مخلوق کی واپسی اور حقوقِ خدا کی ادائیگی۔ انسان کے محض "توبہ کرتا ہوں" کہہ دینے سے توبہ قبول نہیں ہو جاتی۔ توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی کوئی چیز ناحق لی ہے تو اس کو واپس کر دے اور اگر کوئی دوسرا حق اس کے اوپر ہے اور اس کا ادا کرنا ممکن ہے یا اس کے مالک کو راضی کرنا ممکن ہے تو وہ کرے۔ جو بھی فرائضِ الٰہی ترک ہو گئے ہوں ان کی قضا کرے یا ان کو پورا کرے اگر سب نہ کر سکتا ہو تو جتنا کر سکتا ہو اتنا کرے۔ یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ سب وہ حقوق ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا مطالبہ کیا جائے گا۔ (اگر یہاں ادا نہ کئے گئے تو) آخرت میں بڑی سختی سے مطالبہ کیا جائے گا اور وہاں ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ دوسروں کے گناہوں کا بار خود اُٹھائے اور اپنے اعمالِ حسنہ دوسروں کو دیدے اور ایسا کرنے سے خود بیچارہ و بدبخت ہو جائے گا نہ خلاصی کی کوئی راہ ہوگی اور نہ استخلاص کا کوئی چارہ ہوگا۔

اے عزیز کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان و نفسِ امارہ تجھ پر قابو پالیں اور وسوسہ میں مبتلا کر کے مطلب کو بہت بڑا کر کے دکھائیں اور تم کو توبہ سے روک دیں اور تمہارے کام کو یکبارگی (خراب) کر دیں۔ ان امور میں جتنا بھی ہو سکے چاہے تھوڑا ہی ہو اقدام کرنا بہتر ہے۔ اگر قضا نماز، روزے، کفارات، (دیگر) حقوقِ خدا بہت ہیں اور اسی کے ساتھ لوگوں کے بھی حقوق ہیں۔ تب تو گناہ بے انتہا خطا ہے تب بھی لطفِ خدا سے مایوس نہ ہو، رحمتِ حق سے ناامید نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر تم نے مقدور بھر توبہ کی کوشش کی تو خدا تمہارے لئے راستہ آسان کر دے گا اور راہِ نجات کی نشاندہی کر دے گا۔ یاد رکھو رحمتِ حق سے مایوسی اتنا بڑا گناہ ہے کہ میں گمان نہیں کرتا نفس

میں اس سے بڑا اور اس سے بدتر کوئی اور گناہ اثر کرتا ہوگا۔ جو شخص رحمتِ حق سے مایوس ہوجائے اس کے دل کو تاریکی اس طرح گھیر لیتی ہے اور اس کا جُوا اس طرح ٹوٹ جاتا ہے کہ پھر کسی چیز سے اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔ (لہٰذا) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم رحمتِ حق سے غافل ہوجاؤ اور گناہ و اس کے نتائج تمہاری نظر میں بڑے معلوم ہوں (اور تم توبہ نہ کرو) رحمتِ خدا ہر چیز سے بڑی اور ہر شئی کو شامل ہے دارِ حق کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے[۱۳] تم پہلے کیا تھے؟ ظلمت عدم میں قابلیت و استعداد نہیں ہوا کرتی۔ خداوندِ عالم نے بے استحقاق و استعداد، بغیر سوال اور بغیر کسی دُعا کے تم کو نعمتِ وجود و کمالاتِ وجود سے نوازا۔ غیر محصور نعمتوں اور غیر محدود رحمتوں کی بساط بچھائی تمام موجودات کو تیرے لئے مسخر کر دیا۔ اب بھی عدمِ صرف اور نابودیٔ محض سے تو حالت بدتر نہیں ہوتی ہے۔ خدا نے رحمت و مغفرت کا وعدہ کیا ہے تم ایک قدم آگے بڑھو اور اس کے درگاہ قدس کی طرف آؤ وہ خود ہی کسی نہ کسی صورت میں تمہاری دستگیری کرے گا اگر اس کے حقوق کی ادائیگی تم سے ناممکن ہوگئی تو اپنے حقوق معاف کر دے گا اور اگر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی تم سے ناممکن ہوگئی ہے تو اس کا جبران کرے گا۔ رسولِ خدا کے زمانہ میں بناش (قبر کھود کر کفن نکال لے جانے والا) کا قصّہ تو تم نے سنا ہی ہوگا۔[۱۴]

اے عزیز حق کا راستہ سہل و آسان ہے لیکن تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے تا کہ اقدام کر سکے۔ لیت و لعل کرنے اور معاملہ میں تاخیر کرنے اور روزانہ گناہ کو زیادہ کرنے سے کام دشوار ہوجاتا ہے۔ لیکن اقدام کرنے اور اصلاح کا عزم کرنے سے راستہ نزدیک اور کام آسان ہوجاتا ہے تم تجربہ کر لو اور تھوڑا سا اقدام کرو اگر نتیجہ ملتا ہے تو بات کی صحت تم پر ثابت ہوجائے گی۔ ورنہ فساد کا راستہ کھلا ہے اور تمہارا گنہگار ہاتھ دراز ہے۔

لیکن حضرت علیؑ نے جن دو امروں کے لئے فرمایا ہے وہ کمالِ توبہ، اور توبہ کاملہ کے شرائط میں سے ہیں ایسا نہیں ہے کہ ان دونوں کے بغیر توبہ کا تحقق ہی نہیں ہوتا یا توبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ اُن کے بغیر توبہ کامل نہیں ہوتی۔

یہ بات بھی جان لو کہ ہر ایک سالک کی منزلوں میں مراتب و (درجات) ہیں جو اُن کے دلوں کے حالات کے اعتبار سے فرق کرتے ہیں۔ اگر توبہ کرنے والا اس کے درجۂ کمال تک پہونچنا چاہتا ہے تو ترک کا تدارک کرے۔ یعنی جن چیزوں کو چھوڑ دیا تھا ان کا تدارک کرے۔ (اسی طرح حظوظ کا بھی تدارک کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی مملکت میں گناہوں سے جو جسمانی و روحانی

آثار پیدا ہو چکے ہیں ان کو بالکل ختم کر دے تاکہ نفس پھر اپنی پہلی صفائی اور فطری روحانیت کیطرف پلٹ سکے اور اس کے لئے تصفیۂ کاملہ حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ تم پہلے سمجھ چکے ہو کہ ہر گناہ اور ہر لذت سے روح کے اندر ایک اثر پیدا ہو جاتا ہے اور بعض سے جسم میں بھی ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس توبہ کرنے والے کو چاہیئے کہ مردانہ وار مقابلہ کرے تاکہ اس کے آثار بالکلیہ ختم ہو جائیں اور جسمانی وروحانی ریاضت کرے تاکہ اس کے لوازم و آثار بھی بالکلیہ ختم ہو جائیں جس طرح مولائے کائنات نے فرمایا ہے۔

پس جسمانی ریاضت کرے اور مقویات و مفرحات کو ترک کرکے اور اگر اس کے ذمہ واجبی روزے ہوں تو ان کو رکھ لے ورنہ مستحبی روزے رکھ کر گناہوں سے یا گناہوں کے زمانہ میں جو گوشت پیدا ہوا ہے اس کو پگھلا دے اور روحانی ریاضتوں اور مناسک و عبادتوں کے ذریعہ حظوظ طبیعت کا تدارک کرے کیونکہ روح کے ذائقہ میں طبعی لذتوں کی صورت موجود ہے اور جب تک وہ صورتیں رہیں گی نفس ان کی طرف مائل اور دل ان کا عاشق رہے گا۔ (مگر پھر بھی) یہ خطرہ لگا رہے گا کہ خدانخواستہ نفس دوبارہ سرکشی پیدا کرے اور لگام ہاتھ سے چھوٹ جائے لہٰذا راہِ آخرت کے سالک اور گناہوں سے تائب کے لئے ضروری ہے کہ عبادت و ریاضت کی تلخی کا مزہ روح کو چکھائے اور اگر کسی رات کو معصیت و عیش و عشرت میں گزارا ہے تو اس کا تدارک یہ کرے کہ (دوسری) رات عبادتِ خدا میں بسر کرے۔ اگر کسی دن کو نفس کی طبعی لذتوں میں گزارا ہے تو پھر روزہ و مناسک سے اس کا جبران کرے تاکہ نفس بالکل اس کے آثار و لوازم سے "جو حصولِ تعلقات اور دنیا سے زبردست محبت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے"، پاک و پاکیزہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح توبہ کامل تر ہو جائے گی اور نفس کی فطری نورانیت بھی عود کر آئے گی اور پھر مسلسل ان امور میں تفکر و تدبر کرتا رہے۔ یعنی گناہوں کے نتائج، خدا کی شدتِ گرفت، میزان اعمال کی دقت، عالم برزخ و قیامت کے عذاب کی شدت (میں غور کرتا رہے) اور خود بھی سمجھے اور اپنے نفس کو بھی سمجھاتا رہے کہ یہ سب اعمال قبیحہ کی صورتیں اور ان کے نتائج ہیں اور مالک الملوک کی مخالفت ہے۔ (تب) اُمید ہے کہ اس علم و تفکر کے بعد نفس معصیتوں سے متنفر ہو جائے اور مکمل طرح سے اس سے منزجر ہو جائے اور توبہ کے سلسلہ میں اپنے مقصد تک پہونچ جائے اور اس کی توبہ کامل اور تمام ہو جائے۔

یہ دو مقامات توبہ کی منزل کے متممات و مکملات میں سے ہیں۔ ہاں جو انسان پہلے

مرحلے میں منزلِ توبہ میں داخل ہونا چاہے اس کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس سے توبہ کی آخری منزل چاہی گئی ہے اور یہ چیز اس کی نظر میں دشوار اور منزل پُر صعب نظر آئے اور وہ یکبارگی اس کو چھوڑ بیٹھے (بلکہ) راہِ آخرت کے سالک کے لئے جتنا ممکن ہو اور اس کے حالات اجازت دیں بس اسی مقدار میں توبہ مطلوب و مرغوب ہے پھر جب وہ اس راستہ پر لگ جائے گا تو خدا اس کے لئے آسانی فراہم کرے گا۔ اس لئے راہ کی سختی انسان کو اصل مقصد سے نہ روک دے کیونکہ مقصد بہت ہی اہم اور بڑا ہے۔ اگر ہم مقصد کی عظمت کو سمجھ لیں تو اس راستہ میں ہر زحمت آسان ہوجائے گی بھلا نجاتِ ابدی اور ہمیشہ راحت و سکون سے بڑھ کر کون سا مقصد ہو سکتا ہے اور شقاوتِ سرمدی اور ہلاکتِ دائمی سے بڑھ کر کون سا خطرہ عظیم ہوگا؟ توبہ نہ کرنے اور اس میں لیت و لعل کرنے اور تاخیر کرنے سے ممکن ہے انسان ابدی شقاوت اور ہمیشہ کے عذاب اور دائمی ہلاکت تک پہونچ جائے اور توبہ کرنے سے ممکن ہے انسان سعید مطلق اور محبوبِ حق ہوجائے۔ پس جب مقصد اتنا عظیم ہے تو چند دنوں کی زحمت میں کیا حرج ہے۔

یہ سمجھ لو کہ اپنے امکان بھر اقدام چاہے وہ کم ہو فائدہ مند ہے۔ تم آخرت کے امور کا قیاس دنیا کے امور پر کرو۔ عقلمند حضرات اگر اپنے مقصدِ عالی تک نہیں پہونچ پاتے تو چھوٹے مقصد سے دست بردار نہیں ہوتے اسی طرح اگر مطلوبِ کامل کو نہیں حاصل کرتے تو ناقص مطلوب سے صَرف نظر نہیں کرتے۔ تم بھی اگر اس کے کمال تک نہیں پہونچ سکتے تو اصل مقصد اور اصل حقیقت تک پہونچنے سے نہ رکو۔ جتنا بھی ممکن ہو اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرو۔

چوتھی فصل

استغفار کا نتیجہ

توبہ کرنے والے پر جو باتیں ضروری ہیں کہ ان پر عمل کرے وہ یہ ہیں کہ غفاریتِ حق تعالیٰ کی پناہ حاصل کرے اور پروردگارِ عالم سے حالتِ استغفار حاصل کرے۔ اس ذاتِ مقدس جل جلالہ کی غفاریت یہ ہے کہ زبانِ حال و قال سے تنہائیوں میں ظاہری و باطنی طور سے عاجزی و نالہ و تفریع و زاری سے دُعا کرے: (خدایا) میرے گناہوں اور ان کے لوازم کو مخفی کردے البتہ

مقام غفاریت وستاریت کا تقاضا ہے کہ عیوب و ذنوب اور ان کے تبعات کو مخفی کردے۔ کیونکہ اعمال کی ملکوتی صورتیں بمنزلہ انسان کی اولاد کے ہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں اور توبہ وصیغۂ استغفار کی حقیقت بمنزلۂ لعان ہے۔ خداوند عالم اپنی غفاریت وستاریت کی بنا پر ان اولادوں (گناہوں) کو استغفار کرنے والے کے استغفار کی وجہ سے اس سے منقطع کر دیتا ہے اور تمام ان موجودات کو خواہ ملائکہ ہوں یا نامہ عمل لکھنے والے ہوں یا زمان ومکان ہو یا خود اس گنہگار کے اعضاء وجوارح ہوں جو اس کی حالت پر مطلع ہوتے ہیں حکم دیدیتا ہے کہ اس بندہ کے گناہوں کو چھپا دو اور خود اسے بھی ان کو بھول جانے کا حکم دیدیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا دونوں ملک کو حکم دیتا ہے کہ اس کے جو کچھ گناہ تم نے لکھے ہوں ان کو بھول جاؤ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خدا اعضا و جوارح اور زمین (وزمان) کو وحی کرتا ہو کہ بھول جاؤ اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں انساء سے یہی مراد ہو۔ جیسے کہ یہ بھی امکان ہے کہ ان چیزوں کو حکم دیدے کہ گواہی نہ دینا اور ہو سکتا ہے کہ اعضا سے رفع آثار معاصی مراد ہوں کہ جس کے واسطہ سے شہادت تکوینی حاصل ہوتی ہے۔ کہ اگر وہ توبہ نہ کرتا تو ممکن تھا کہ اس کے اعضا بہ لسان قال یا حال بہر حال اس کے لئے ہوئے گناہوں پر گواہی دیتے۔ مگر خدا کی غفاریت وستاریت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس عالم میں ہمارے اعضا ہمارے اعمال کی گواہی نہ دیں اور زمان ومکان ہمارے افعال کو چھپالیں۔ یہی صورت دوسرے عوالم میں بھی کرے گا۔ بشرطیکہ ہم صحیح توبہ اور خالص استغفار کے ساتھ اس دنیا سے جائیں۔ (اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے اعمال بطورِ کلی مخفی ہو جائیں۔ مگر شاید کرامت حق تعالےٰ جل جلالہ کا تقاضا دوسرے مطلب کے لئے ہو تا کہ توبہ کرنے والا کسی کے سامنے سرنگوں نہ ہو اور شرمندہ نہ ہو۔ واللہ العالم۔

پانچویں فصل

توبۂ نصوح کی تفسیر

جان لو کہ توبۂ نصوح کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے جس کا اجمالی ذکر تو یہاں مناسب ہے۔ (مگر تفصیلی مناسب نہیں ہے) ہم یہاں پر محقق جلیل شیخ بہائی قدس اللہ نفسہ کے ترجمۂ کلام پر اکتفا کرتے ہیں۔

محدث خبیر مجلسیؒ نقل فرماتے ہیں: شیخ بہائیؒ[15] نے فرمایا ہے: مفسرین نے توبہ "نصوح" کے معنیٰ میں چند وجہوں کو ذکر کیا ہے۔

۱۔ اس سے ایسی توبہ مراد ہے جو لوگوں کو نصیحت کرے یعنی لوگوں کو دعوت دے کہ وہ بھی اسی طرح کریں جس سے اس کے صاحب میں آثارِ جمیلہ پیدا ہوں۔ یا یہ کہ وہ لوگوں کو ایسی نصیحت کرے کہ وہ گناہوں کو بالکل ختم کردیں اور پھر دوبارہ اس کا اعادہ نہ کریں۔

۲۔ اس کو توبۂ نصوح کہتے ہیں جو خالص خدا کے لئے ہو جیسے شمع سے خالص شہد کو "نصوح" کہا جاتا ہے اور (یہاں) خلوص یہ ہے کہ گناہوں کی برائی کی وجہ سے ان پر پشیمان ہو یا اس لئے پشیمان ہو کہ وہ گناہ رضائے الٰہی کے خلاف ہیں۔ یہ پشیمانی جہنم کے خوف سے نہ ہو۔

جناب محقق طوسی نے تجرید میں حکم فرمایا ہے۔

"آتشِ جہنم سے ڈر کر گناہوں سے پشیمانی توبہ نہیں ہے۔"[16]

۳۔ "نصوح" نصاحت بمعنی خیاطت کے ہیں۔ کیونکہ جس طرح خیاطت لباس کے مختلف ٹکڑوں کو جمع کردیتی ہے اسی طرح توبہ بھی گناہوں سے ٹکڑے شدہ دین کو جوڑ دیتا ہے یا پھر توبہ تائب اور اولیائے خدا اور اس کے دوستوں کو جمع کردیتا ہے۔

۴۔ نصوح خود تائب کی صفت ہے اور توبہ کی طرف نصوح کی اسناد، اسنادِ مجازی ہے یعنی توبۂ نصوح وہ توبہ ہے جو توبہ کرنے والوں کو نصیحت کرتا ہے کہ توبہ کو اچھی طرح سے بجالانا چاہیئے یعنی اس طرح بجالائے کہ گناہوں کے آثار دل سے بالکل مٹ جائیں اور وہ اس طرح کہ حسرت و افسوس کے ذریعہ نفوس کو پگھلا دیں اور برائیوں کی تاریکی کو خوبیوں کے نور سے مٹا دیں۔

تکمیل

تمام موجودات علم وحیات رکھتے ہیں

یہ جان لو کہ توبہ کے لئے (کچھ) حقائق و لطائف اور (کچھ) سرائر ہیں اور ہر سالک الی اللہ کے لئے مخصوص قسم کی توبہ ہے جو انہیں کے لئے مخصوص ہے اور چونکہ ان مقامات میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اس لئے اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا چنداں مناسب نہیں ہے۔

اس لئے بہتر ہے کہ اس مقام کو ایک ایسے نکتہ کے ذکر کرنے کے بعد ختم کریں جو حدیث سے مستفاد ہے اور جو ظاہر کتاب کریمۂ الٰہی کے مطابق ہے اور متفرق ابواب میں مذکور احادیثِ کثیرہ کے بھی مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ دُنیا کے ہر موجود میں علم، حیات اور شعور پایا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ تمام موجودات خداوندِ عالم کی معرفت بھی رکھتی ہیں۔ چنانچہ تمام اعضاو جوارح اور بقاعِ ارض کو چھپانے اور ان کو اطاعتِ خدا کرنے کی وحی ہو چکی ہے اور تمام موجودات کا بنصِ قرآن تسبیح کرنا اور حدیثیں تو اس کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ [17] خود ان چیزوں کے علم و ادراک و حیات کی دلیل ہے بلکہ خالق و مخلوق کے درمیان ایک ایسے مخصوص رابطہ کی دلیل ہے جس پر خدا اور "وَمَنِ ارْتَضٰی مِنْ عِبَادِهٖ" [18] کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہے اور یہ خود ان معارف میں سے ہے جسے قرآن کریم اور احادیثِ ائمہ معصومینؑ نے تمام لوگوں کے گوشزد کر دیا ہے اور حکمائے اشراق کے برہان و اصحابِ عرفان کے ذوق اور اربابِ سلوک و ریاضت کے مشاہدات کے (بھی) موافق ہے۔

علومِ عالیۂ ماقبل الطبیعہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ وجود عینِ کمالات و اسماو صفات ہے اور جس مرحلہ میں بھی ظاہر ہو اور جس آئینہ میں تجلی ہو تمام شئون و کمالات کے ساتھ (یعنی) علم و حیات و باقی امہات سبعہ ظاہر و متجلی ہوتا ہے اور حقیقت وجود کے تجلی کا ہر مرحلہ اور معبود کے جمالِ کامل کے تنزلات نور کا ہر مرتبہ مقامِ احدیت سے ربط خاص کا دارا اور مقامِ ربوبیت کی چھپی ہوئی معرفت کا حامل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے: «مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا.» [19] اس میں کہا جاتا ہے "هو" مقامِ غیبِ هویت کی طرف اشارہ ہے اور "آخذ ناصیہ" وہی ربطِ اصلِ غیبی سری وجودی ہے جس کی معرفت کسی موجود کے لئے ممکن نہیں ہے۔

سترہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۳۰، "کتاب ایمان وکفر" باب التوبہ حدیث ۱۔

۲۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۳۵، "کتاب ایمان وکفر" باب التوبہ حدیث ۱۰۔

۳۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۵۴۔

۴ رسولِ خدا کا ارشاد ہے: «یَهْرَمُ بْنُ آدَمَ وَیَبْقیٰ مَعَهُ اثْنَتَانِ: اَلْحِرْصُ وَالْأَمَلُ» اولادِ آدم بوڑھی ہو جائے گی مگر دو چیز اس کے ساتھ باقی رہے گی۔ حرص و آرزو۔ خصال جلد ۱ ص ۷۳، باب الاثنین، حدیث ۱۱۲، احیاء العلوم جلد ۴ ص ۴۳۸، کتاب ذکر الموت و مابعد، فضیلۃ قصر الامل۔

۵۔ حضرت امام صادقؑ پیغمبرؐ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا:

«مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ، قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ السَّنَةَ لَكَثِيرَةٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِشَهْرٍ قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّهْرَ لَكَثِيرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِجُمْعَةٍ، قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْجُمْعَةَ لَكَثِيرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِيَوْمٍ، قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ. ثُمَّ قَالَ إِنَّ يَوْماً لَكَثِيرٌ، مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ يُعَايِنَ، قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَهُ.»

امام صادقؑ نے فرمایا کہ رسولؐ کا ارشاد ہے: جو مرنے سے ایک سال پہلے توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر فرمایا سال تو زیادہ ہے جو مرنے سے ایک ماہ پہلے توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر فرمایا ایک ماہ تو بہت زیادہ ہے جو مرنے سے ایک جمعہ پہلے توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے پھر فرمایا ایک جمعہ تو بہت زیادہ ہے

جو مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کرے خدا اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے پھر فرمایا ایک دن تو بہت زیادہ ہے جو موت کے مشاہدے سے پہلے توبہ کرے خدا اس کی بھی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۴۴۰ کتاب ایمان وکفر باب فیما اعطی اللہ عزوجل آدم وقت التوبہ حدیث ۲ اور اس باب کی حدیثیں۔

۶۔ حدیث ۱۵۔ توضیح ۱۵۔

۷۔ ص / ۲۱۴

۸۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۲۔

۹۔ حدیث ۱۴، توضیح ۱۰۔

۱۰۔ سورۂ ہمزہ آیت ۷۔

۱۱۔ نہج البلاغہ ص ۱۲۷۱، حکمت ۴۰۹۔

۱۲۔ ابوالحسن محمد بن حسین ابن موسیٰ مشہور بہ شریف رضی (۴۰۶-۳۵۹) شیعوں کے بزرگوں اور دانشمندوں میں تھے شیخ مفید کے شاگرد تھے۔ شیخ طوسی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ فنونِ ادب و بلاغت میں سرآمد روزگار تھے اور دیگر علومِ اسلامی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا زہد و تقویٰ زبان زد تھا۔ اپنے والد کے بعد سادات کی نقابت آپ کے حوالہ ہوئی تھی آپ کی تالیفات میں انشراح الصدر، خصائص الائمہ، تلخیص البیان عن مجازات القرآن، مجازات الآثار النبویہ ہے اور سب سے مشہور نہج البلاغہ ہے۔

۱۳۔ چارہ آن دل عطائے مبدلیست ۔ داد او را قابلیت شرط نیست، مثنوی دفتر پنجم بیت ۱۵۳۷۔

۱۴۔ جوان بناش اور اس کے توبہ کا قصہ تفسیر وحدیث کی کتابوں میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز معاذ بن جبل نے رسولِ خدا کے پاس آکر عرض کیا: دروازے پر ایک جوان بہت بے چینی سے رو رہا ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ رسولؐ نے اجازت دی جب وہ آیا تو آنحضرتؐ نے گریہ کا سبب پوچھا: اس نے کہا: میں نے بہت بڑے بڑے گناہ کیے ہیں ان سے اور خدا کے قہر سے ڈرتا ہوں۔ رسولؐ نے اس کو رحمتِ خدا اور بخشش کی اُمید دلائی اور فرمایا خدا بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کردیتا ہے پھر اس کے گناہ کے بارے میں پوچھا۔ جوان نے کہا، سات سال پہلے میں قبروں کو کھود کر کفن نکال لیا کرتا تھا۔ ایک رات انصار کی ایک جوان لڑکی کی قبر کو کھودا اور جوان میت کے ساتھ بدفعلی کی جب وہاں سے واپس ہوا تو ایک آواز سُنی جو مجھے عذابِ خدا سے ڈرا رہی تھی۔ رسولؐ نے جوان کی حکایت سُن کر اپنے پاس سے بھگا دیا۔

جوان ایک پہاڑ پر جاکر چالیس شبانہ روز خدا سے گریہ وزاری کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آیہ «وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً...» نازل ہوئی تو رسولؐ نے اس کے پاس جاکر خوشخبری دی کہ خدا نے تیرے گناہ معاف کردیے۔ بحار جلد ۶ ص ۲۳، کتاب العدل والمعاد، باب التوبہ وانواعہا وشرائطہا، حدیث ۲۶۔ تفسیر صافی ذیل آیہ ۱۳۵، سورۂ آلِ عمران۔

۱۵۔ اربعین، شیخ بہائی ص ۲۳۲، حدیث ۳۸، مرآۃ العقول جلد ۱۱ ص ۲۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب توبہ، حدیث ۱۔

۱۶۔ کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد ص ۲۶۴، مقصد ششم فی وجوب توبہ۔

۱۷۔ «وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ» دنیا کی ہر شئ خدا کی حمد و تسبیح کرتی ہے مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے (سورۂ اسراء آیت ۴۴) تفسیر برہان میں اس آیت کے ذیل میں موجودات کی تسبیح کے لئے آٹھ روایات کا ذکر ہے۔

۱۸۔ یہ آیۂ مبارکہ: «عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ.» ”وہ عالم غیب ہے اور اپنے پسندیدہ رسولؐ کے علاوہ کسی کو بھی اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا“ کی طرف اشارہ ہے یہ آیت سورۂ جن کی ۲۷ ویں آیت ہے۔

۱۹۔ اور روئے زمین پر جتنے بھی چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ (سورۂ ھود آیت ۵۶)

اٹھارہویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إِلى فَخْرِ الطائِفَةِ وَذُخْرِها، مُحَمَّد بن يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ مُحَمَّد بن يَحْيى، عَنْ أحمَدَبْنِ مُحَمَّدِبْنِ عيسىٰ، عَنْ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰه بنِ سِنانٍ، عَنْ أبِي حَمْزَةَ الثُّمالي، عَنْ أبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلاَمْ، قالَ مَكْتُوبٌ فِي التَّوْراةِ الَّتِي لَمْ تُغَيَّرْ أنَّ مُوسىٰ عَلَيْهِ السَّلاَمْ سَألَ رَبَّهُ فَقالَ يا رَبِّ، أقَرِيبٌ أنْتَ مِنِّي فَاُناجِيكَ، أمْ بَعِيدٌ فَاُنادِيكَ؟ فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إلَيْهِ؛ يا مُوسىٰ، أنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي. فَقالَ مُوسىٰ: فَمَنْ فِي سِتْرِكَ يَوْمَ لاَ سِتْرَإلاَّ سِتْرُكَ؟ فَقالَ الَّذِينَ يَذْكُرُونَنِي فَأذْكُرُهُمْ وَيَتَحابُّونَ فِيَّ فَاُحِبُّهُمْ؛ فَاُولئِكَ الَّذِينَ إذا اَرَدْتُ أنْ اُصِيبَ أهْلَ الأرْضِ بِسُوءٍ، ذَكَرْتُهُمْ فَدَفَعْتُ عَنْهُمْ بِهِمْ.»[1]

ترجمہ: ابو حمزہ ثمالی امام محمد باقر علیہ السّلام سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت باقرؑ نے فرمایا: غیر محرف توریت میں لکھا ہے: موسیٰؑ نے اپنے خدا سے سوال کرتے ہوئے کہا: معبود تو مجھ

سے قریب ہے کہ تجھ سے مناجات (آہستہ بات) کروں یا دور ہے کہ تجھ کو پکار کر کہوں! موسیٰ کی طرف وحی ہوئی اے موسیٰ: جو میرا ذکر کرے میں اس کا ہم نشین ہوں۔ پھر موسیٰ نے پوچھا: جس دن تیرے علاوہ کسی کی پناہ نہیں ہوگی اس دن کون لوگ تیری پناہ میں ہوں گے؟ تو جواب آیا؟ جو لوگ مجھے یاد کرتے ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں اور جو لوگ صرف میری خاطر محبت کرتے ہیں اور میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں پس یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میں اہلِ زمین کے ساتھ کوئی برائی کرنا چاہتا ہوں اور ان کی یاد آجاتی ہے تو ان کی خاطر اہلِ زمین سے عذاب دور کر دیتا ہوں۔

شرح: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں میں جو توریت رائج ہے وہ تحریف شدہ ہے اور اس میں تغیرات پیدا کئے گئے ہیں اور یہ بھی کہ توریت کا صحیح علم اہلبیتؑ کے پاس ہے اور رائج توریت وانجیل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تو ایک متعارف آدمی کا بھی کلام نہیں ہے۔ بلکہ بعض اہلِ خواہش کی ہوائے نفس کے ساتھ اس کو ڈھالا گیا ہے۔

محدث محقق مرحوم مجلسیؒ فرماتے ہیں: بظاہر اس سوال سے حضرت موسیٰ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدابِ دُعا کے بارے میں سوال کرنا چاہتے ہیں ورنہ ان کو یہ علم تھا کہ خدا ہماری رگِ گردن سے زیادہ قریب ہے اور احاطہ علمی و قدرت وعلیت رکھتا ہے یعنی (جناب موسیٰ کا مقصد یہ تھا کہ) تجھے یہ بات پسند ہے کہ تجھ سے اس طرح مناجات کروں جیسے قریب والے کرتے ہیں یا تجھ کو زور سے آواز دوں جیسے دور والے پکارا کرتے ہیں۔ اس کو دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھئے کہ جب تیری طرف نظر کرتا ہوں تو تو ہر نزدیک سے نزدیک تر ہے اور جب اپنی طرف دیکھتا ہوں تو اپنے کو بہت دور پاتا ہوں۔ پس مجھے نہیں معلوم کہ دعا میں تیری حالت کا لحاظ کروں یا اپنی حالت کا لحاظ کروں اور ہو سکتا ہے رؤیت کے سوال کی طرح یہ سوال غیر کا ہو یا غیر کی طرف سے کیا گیا ہو۔ انتھیٰ کلام ۲

خدا کی قیومی کا احاطہ

احتمال یہ ہے کہ جناب موسیٰؑ نے اپنی کیفیتِ دُعا سے عاجزی کو بیان کیا ہو اور عرض کیا ہو: اے پروردگار تو قرب وبعد کے اتصاف سے بعید ہے۔ (اگر ایسا ہوتا تو) قریب والوں یا دور والوں کی طرح تجھ کو پکارتا۔ میں اس معاملہ میں متحیر ہوں کسی بھی قسم کی دُعا کو تیری پیشگاہ جلال کے

لائق نہیں سمجھتا تو خود ہی مجھے دُعا اور کیفیتِ دُعا میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرما اور جو تیرے مقامِ قدس کے مناسب ہے وہ مجھے تعلیم فرما۔ اس وقت مصدر جلال عزت سے جواب صادر ہوا: میں تمام نشآت میں حضورِ قیومی رکھتا ہوں۔ تمام عوالم میرے سامنے ہیں۔ جو مجھے یاد کرتے ہیں میں ان کا جلیس ہوں۔ جو میرا ذکر کرتے ہیں میں ان کا ہم نشین ہوں۔ البتہ وہ ذاتِ احدیت قرب و بعد سے متصف نہیں ہو سکتی وہ تمام دائرہ وجود اور سلسلۂ تحقق پر احاطۂ قیومی اور شمولِ وجودی رکھتی ہے۔

البتہ آیاتِ قرآنی میں جو خدا کی توصیف قرب سے کی گئی ہے مثلاً: «وَإِذا سَأَلَکَ عِبادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ.»[۳] (اے رسولؐ) جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں (تو کہہ دو کہ) میں ان کے پاس ہی ہوں یا جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقوله «عزَّ مَنْ قائِل: نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ»[۴] اور ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر آیات ! تو یہ سب ایک قسم کے مجاز و استعارہ پر مبنی ہیں۔ ورنہ ذاتِ خدا حسی و معنوی قرب و بعد سے مقدس و منزہ ہے۔ کیونکہ قرب و بعد ایک قسم کی تشبیہ و تحدید ہے جس سے حق تعالیٰ منزہ ہے بلکہ تمام موجودات کا حضور اس کی بارگاہ میں حضورِ تعلق ہے اور کائنات کے ذروں اور موجودات کے سلسلہ کا جو اس ذاتِ مقدس نے احاطہ کر رکھا ہے وہ احاطۂ قیومی ہے اور وہ حضورِ حسی و معنوی اور احاطۂ ظاہری و باطنی کی حقیقت کے علاوہ ہے۔

اس حدیث اور بعض دیگر احادیث سے ذکرِ قلبی و سری اور آہستہ ذکر کرنے کا رجحان ثابت ہوتا ہے جیسا کہ خود آیۂ شریفہ میں ہے:

«وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِي نَفْسِکَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً.»[۵] "اور اپنے پروردگار کو اپنے جی ہی (جی) میں گڑگڑا کے اور ڈر (ڈر) کے یاد کیا کرو۔" اور حدیث شریف میں ہے کہ اس ذکر کی عظمت کی وجہ سے خدا کے علاوہ کوئی اس کا ثواب نہیں جانتا[۶] (ہاں) بعض حالات اور (بعض) مقامات اور بعض عناوین کے پیش آجانے کی وجہ سے کبھی ذکر کے اعلان میں رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اہلِ غفلت کے سامنے ان کی یاد دہانی کے لئے علناً ذکر کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ کافی کی حدیث میں ہے: غافلوں کے درمیان ذکرِ خدا کرنے والا محاربین کے درمیان قتال کرنے والے کے مانند ہے۔[۷] علامہ ابنِ فہد[۷] کے عدة الداعی میں منقول ہے: قال «قالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ:

مَنْ ذَكَرَ اللّٰهَ فِي السُّوقِ مُخْلِصاً عِنْدَ غَفْلَةِ النَّاسِ وَشُغْلِهِمْ بِمَا فِيهِ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَلْفَ حَسَنَةٍ وَغَفَرَ اللّٰهُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْفِرَةً لَمْ تَخْطُرْ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ.»[۹]

حدیث میں ہے: رسولِ خدا نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کی غفلت اور ان کی مشغولیت کے وقت خلوص سے بازار میں ذکرِ خدا کرے خدا اس کے (نامۂ اعمال میں) ہزار حسنہ لکھ دیتا ہے اور قیامت کے دن اس طرح بخش دیتا ہے۔ ویسا کہ کسی بشر کے دل میں خیال بھی پیدا نہ ہوا ہوگا۔"

اسی طرح اذانِ اعلامی اور خطبہ وغیرہ میں ذکر کا بلند آواز سے کرنا مستحب ہے۔

پہلی فصل

اس حدیث شریف سے استفادہ ہوتا ہے کہ ذکرِ خدا اور خدا کے لئے ایک دوسرے سے دوستی کرنے کے چند خصائل ہیں:

ایک اور سب سے عظیم ہے۔ یہی ہے کہ بندے کا اپنے خدا کو یاد کرنا سبب ہوتا ہے کہ خدا اپنے اس بندے کو یاد کرے۔ دوسری حدیثیں بھی اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں اور یہ ذکر اس نسیان کے مقابلہ میں ہے جس کو خدا آیتوں کے بھولنے والوں کے سلسلہ میں ذکر فرماتا ہے: «حَيْثُ قَالَ: كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى.»[۱۰] (اسی طرح ہماری آیتیں (بھی) تو تیرے پاس آتی تھیں تو تو انھیں بھلا بیٹھا اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔)

جس طرح خدا کے مظاہر جلال وجمال سے باطنی اندھاپن اور آیات کا بھلا دینا دوسرے عالم میں اندھا ہو جانے کا سبب ہوتا ہے اسی طرح آیات واسماء وصفات کا تذکر اور خدا کے جمال وجلال کی یاد آوری بصیرت کو تقویت بخشتی ہے اور بقدر قوتِ ذکر ونورانیتِ ذکر حجابوں کو دور کرتی ہے۔ چنانچہ آیاتِ حق کا ذکر اور ان کا ملکہ بن جانا باطنی بصیرت کو اتنی تقویت پہونچاتا ہے کہ جمالِ حق کا جلوہ نشانیوں میں دکھائی دیتا ہے اور اسماء وصفات کا تذکر اس بات کا سبب بنتا ہے کہ حق اسمائی وصفاتی تجلیات میں ظاہر ہو جائے اور بے حجاب آیات واسماء وصفات کا اگر تذکرِ ذات کیا جائے تو تمام پردے اٹھ جاتے ہیں اور محبوب بے پردہ ہو کر ظاہر ہو جاتا ہے۔ فتوحاتِ ثلاثہ جو عرفا

واولیا کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یعنی) "فتح قریب"، "فتح مبین" اور "فتح مطلق"، جو فتح الفتوح بھی ہے ان کی توجیہات وتاویلات میں سے یہ ایک تاویل وتوجیہہ یہ ہے۔

جس طرح تینوں ذکر حجاب ثلاثہ کو اٹھا دیتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی راہ میں ایک دوسرے سے محبّت بھی محبتِ خدا کا سبب ہوا کرتی ہے اور اس محبّت کا بھی نتیجہ رفع حجاب ہوتا ہے جیساکہ بلندترین عرفا نے کہا (بھی) ہے۔ (البتہ) اس محبوبیت کے کئی مرتبے ہیں جیسے محبّت فی اللہ ملاوٹ وخلوص کے اعتبار سے کئی مرتبے پر مشتمل ہے۔ خلوص تام کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کثرتِ اسمائی وصفاتی کا بھی شائبہ نہ ہو اور یہی چیز محبتِ تام کی موجب ہے اور شریعتِ عشق میں محبوبِ مطلق وصال سے محجوب نہیں ہوا کرتا اور نہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان کوئی حجاب ہوتا ہے۔ اسی بیان سے جناب موسیٰؑ کے دونوں سوالوں میں ربط پیدا کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ جب جناب موسیٰؑ نے سُنا کہ خدا فرماتا ہے: جو میرا ذکر کرے میں اس کا جلیس ہوں (یعنی) جب اپنے محبوب سے اپنے دل کی بات۔ یعنی وعدہ وصال و وصول بہ جمال۔ سنی تو ارباب وصال کا استقصا کرنا چاہا تاکہ تمام صورتوں کو پوری کر دیں اس لئے عرض کیا: «فَمَنْ فِي سِتْرِكَ يَوْمَ لَا سِتْرَ إِلَّا سِتْرُكَ؟» وہ کون لوگ ہیں جو بے حجاب ہیں اور انھیں تیرے جمال جمیل کا وصال ہوگا؟ آواز قدرت آئی: صرف دو گروہ! ایک تو جو ابتداً میرا ذکر کرتے ہیں دوسرے وہ جو میری راہ میں ایک دوسرے سے محبّت کرتے ہیں کہ وہ بھی میرا ذکر ہے۔ لیکن مظہرِ جمال تام کی صورت میں۔ یعنی یہی (دونوں) میری پناہ میں ہوں گے اور میرے جلیس ہوں گے اور میں ان کا جلیس ہوں گا۔

پس معلوم ہوا کہ ان دونوں گروہوں کے لئے ایک بہت بڑی خصلت ہے اور اس بزرگ خصلت کا ایک دوسرا بزرگ نتیجہ ہے کیونکہ خدا ان کو یاد کرتا ہے اور وہ خدا کے محبوب ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس دن کسی کی پناہ نہ ہوگی وہ خدا کی پناہ میں ہوں گے اور خلوت گاہِ مطلق میں خدا ان کا جلیس ہوگا۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کے احترام میں خدا اپنے بندوں سے عذاب اٹھا لے گا۔ یعنی جب تک وہ لوگ (دُنیا میں) بندوں کے ساتھ ہیں۔ اپنے بندوں پر عذاب وبلیات نہ اُتارے گا۔

دوسری فصل

تفکر و تذکر کی منزل کا فرق

چونکہ تذکر تفکر کے نتائج میں سے ہے اس لئے علما نے منزلِ تفکر کو منزلِ تذکر سے مقدم جانا ہے جناب خواجہ عبداللہ فرماتے ہیں: «اَلتَّذَکُّرُ فَوقَ التَّفَکُّرِ فَاِنَّ التَّفَکُّرَ طَلَبٌ، وَالتَّذَکُّرُ وُجُودٌ.» " (یعنی تذکر تفکر سے مافوق ہے اس لئے کہ تذکر طلب محبوب کا نام ہے اور تفکر حصول مطلوب کا نام ہے)۔

انسان جب تک راہِ طلب و جستجو کے پیچھے ہے مطلوب اس سے چھپا ہوا ہے اور جب محبوب حاصل ہوجاتا ہے تو تلاش و جستجو کی تعب و زحمت سے فارغ ہوجاتا ہے اور قوت و کمال تذکر کا دار و مدار قوت و کمال تفکر پر ہے اور جس تفکر کا نتیجہ معبود کا تذکر نام ہوتا ہے وہ تفکر اعمال کے کسی ترازو میں نہیں تولا جاسکتا۔ اس تفکر کی فضیلت کا قیاس اعمال سے کیا ہی نہیں جاسکتا جیسے کہ روایات میں ہے: ایک سال اور ساٹھ سال اور ستّر سال کی عبادت سے ایک ساعت کا تفکر بہتر ہے[12] اور اس کی وجہ (بھی) معلوم ہے اس لئے کہ عبادات کا اہم ترین ثمرہ حصولِ معارف و تذکرِ معبود ہے اور یہ خاصیت (صرف) صحیح تفکر ہی سے بہتر طریقہ پر حاصل ہوسکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ساعت کا تفکر انسان کے لئے ایسے معارف کے دروازے کھول دے جو ستّر سال کی عبادت سے بھی نہ کھلتے ہوں۔ یا انسان کو محبوب کا ایسا تذکر کرا دے جو سالوں کی زحمتوں اور مشقتوں سے بھی اس مطلوب کو حاصل نہ کر سکتا ہو۔

میرے عزیز اس باب کو سمجھ لو کہ ذکرِ محبوب اور معبود کی یاد میں مشغول رہنے کے عام طبقات کے لئے بہت (اچھے) نتائج ہیں اور رہے اولیاء و عرفاء و کاملین تو ان کی آرزوؤں کی آخری انتہا ہی یہ ہے اسی کے زیرِ سایہ وہ اپنے محبوب کے وصالِ جمال تک پہونچتے ہیں ان کے لئے تو یہی بہترین چیز ہے۔ البتہ عوام و متوسط حضرات کے لئے یہ بہترین ظاہری و باطنی، اخلاقی و اعمالی اصلاح کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔ اگر انسان اپنے تمام حالات اور پیش آنے والے واقعات میں یادِ خدا میں مشغول رہے اور اپنے کو ذاتِ اقدسِ الٰہی کے سامنے حاضر سمجھے تو یقیناً بہت سے ایسے

امور جو مرضئ الٰہی کے خلاف ہیں ان سے اپنے کو بچا سکتا ہے اور نفس کو اس کی سرکشی سے روک سکتا ہے یہ ساری مصیبتیں اور گرفتاریاں نفسِ امارہ و شیطانِ رجیم کے ہاتھوں اس لئے نصیب ہوتی ہیں کہ ہم یادِ حق اور اس کے عذاب و عقاب سے غافل ہوتے ہیں، حق سے غفلت دل کی کدورتوں کو زیادہ کرتی ہے نفس اور شیطان کو انسان پر غالب بنا دیتی ہے۔ مفاسد میں روز افزوں اضافہ کرتی ہے۔ (اس کے برخلاف) خدا کی یاد دل کو جلا دیتی ہے قلب کو صیقل کرتی ہے اور اس کو جلوہ گاہِ محبوب بنا دیتی ہے روح کی تصفیہ کرتی ہے اس کو خالص کر دیتی ہے۔ نفس کے قید سے انسان کو آزاد کرا دیتی ہے۔ حُبّ دنیا کو جو تمام غلطیوں کا منشا اور برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ دل سے باہر نکال دیتی ہے۔ غم کو ایک بنا دیتی ہے اور دل کو صاحبِ منزل کے داخل ہونے کے لئے پاک و پاکیزہ بنا دیتی ہے۔

اس لئے اے عزیز! یادِ محبوب اور اس کے ذکر کے سلسلہ میں جا ہے جتنی مشقتیں برداشت کرو وہ سب کم ہیں۔ دل میں یادِ محبوب کی عادت ڈالو۔ بلکہ خدا چاہے تو قلب کی صورت ذکرِ حق کی صورت ہو جائے اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ آخری صورت اور نفس کا انتہائے کمال ہو جائے کیونکہ سلوک الی اللہ کے لئے اس سے بہتر زاد اور نفس کی برائیوں کے لئے اس سے نیکوتر مصلح اور معارفِ الٰہیہ کے لئے اس سے اچھا رہبر نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس لئے اگر تم صوری و معنوی کمالات کے طالب ہو، آخرت کے راستہ کے سالک اور مہاجر و مسافر الی اللہ ہو تو اپنے قلب کو ذکرِ محبوب کا عادی بناؤ دل کو یادِ حق تعالےٰ (کے پانی) سے گوندھو۔

تیسری فصل

ذکرِ تام کا حکم تمام مملکت میں سرایت کرتا ہے

اگرچہ ذکرِ حق و تذکرِ ذاتِ باری قلب کے صفات میں سے ہے اور اگر قلب مشغولِ ذکر ہو تو ذکر کے جتنے بھی فوائد ہیں وہ سب اس پر مرتب بھی ہوں گے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے ذکرِ لسانی کرے اس کے بعد ذکرِ قلبی میں مشغول ہو۔ ذکر کے تمام مراتب میں سب سے افضل و اکمل وہ ذکر ہے جو انسانی مراتب کے تمام نشآت میں پایا جائے اور اس کا حکم ظاہر و باطن میں سرّاً و جہراً جاری ہو اور سرّ و جودِ حق میں

میں مشہود ہو اور قلب و روح کی باطنی صورت تذکرِ محبوب کی صورت ہو اور قلبی و قالبی تمام اعمال تذکری ہو جائیں۔ ساتوں اقلیم ظاہری اور ممالک باطنی ذکرِ حق سے مفتوح اور جمیل مطلق کے ذکر سے مسخر ہو جائیں۔ بلکہ اگر ذکر کی حقیقت قلب کی باطنی صورت ہو جائے اور اس کے ہاتھوں مملکتِ قلب فتح ہو جائے تو اس کا حکم باقی ممالک اور تمام اقالیم میں نافذ ہوتا ہے، حرکات، سکنات، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور تمام اعضا اور قوتوں کے اعمال ذکرِ حق کے ساتھ ہی انجام پاتے ہیں۔ اپنے وظیفہ کے خلاف کسی امر کو انجام نہیں دیتے۔ پس ان کے حرکات و سکنات ذکرِ حق سے شروع اور اسی پر ختم ہوتے ہیں۔ بسم اللّٰہِ مجریٰھا و مرسٰھا [۱۳] تمام ممالک میں نفوذ کر جاتے ہیں اور نتیجہ میں حقیقتِ اسماء و صفات کی صورت میں متحقق ہوتے ہیں بلکہ اسمِ اللہ اعظم کی صورت اور اس کا مظہر ہو جاتے ہیں اور یہ کمالِ انسانی کی انتہا اور اہل اللہ کی اُمیدوں کا منتہیٰ ہے۔ اس مقام میں جتنا نقص ہوگا اور نفوذِ ذکر کم ہوگا۔ کمالِ انسانی میں اتنا ہی نقص پیدا ہو جائے گا اور ہر ایک ظاہر و باطن کا نقصان دوسرے میں سرایت کرے گا کیونکہ وجودِ انسانی کے نشئات باہم مرتبط اور ایک دوسرے سے متأثر ہیں۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ زبانی و نطقی ذکر جو تمام مراتب میں سب پست ہے وہ بھی مفید اور فائدہ مند ہے۔ اس لئے کہ پہلی بات تو یہی ہے کہ زبان نے یہ ذکر کر کے اپنے فریضہ کو پورا کیا ہے اگرچہ قالب بے روح کی صورت میں ہے دوسرے ممکن ہے کہ یہی تذکر مداومت اور شرائط کے ساتھ زبانِ قلب کے کھلنے کا سبب بن جائے۔ ہمارے شیخ عارف کامل جناب شاہ آبادی روحی فداہ فرمایا کرتے تھے۔ ذاکر کو ذکر میں اس شخص کی طرح ہونا چاہیئے جو اس چھوٹے بچہ کو کلمات یاد کرانا چاہتا ہو جس کی ابھی زبان پھوٹی نہ ہو کہ ایسا شخص بار بار کلمہ کی تکرار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بچہ ادا کرنے لگے۔ پھر جب بچہ کلمہ کو ادا کرنے لگتا ہے تو معلم بچہ کی پیروی کرتا ہے (کہ اس سے بار بار کہلاتا ہے اور خود بھی دُہراتا ہے۔) اس طرح اس کی ساری تھکن دور ہو جاتی ہے اور گویا بچہ سے اس کو مدد ملتی ہے۔ اسی طرح جو شخص ذکر کرتا ہے اس کو چاہیئے اپنے قلب کو جس نے زبانِ ذکر نہیں کھولی ہے ذکر کی تعلیم دے اور اذکار کے تکرار کرنے کا نکتہ یہ ہے کہ زبانِ قلب کھل جائے اور زبانِ قلب کے کھلنے کی پہچان یہ ہے کہ زبان دل کی پیروی کرنے لگے اور تکرار کی زحمت و تعب ختم ہو جائے۔ پہلے تو (صرف) زبان ذاکر تھی اب قلب (بھی) اس کی تعلیم و مدد سے ذاکر ہو گیا اور زبانِ قلب کے کھل جانے کے بعد زبان اس کی پیروی کر کے اس کی مدد یا غیبی مدد سے ذکر کرنے لگتی ہے۔

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ ظاہری صوری اعمال ملکوت میں مقامِ غیب و حشر کے اس وقت

تک لائق نہیں ہوتے جب تک باطن روحانیت اور لبابِ قلب سے ان کی مدد نہ ہو اور ان کو حیاتِ ملکوتی نہ بخش دیں اور وہ نفخۂ روحی جس کی صورت خلوصِ نیت اور نیت خالص ہے۔ بمنزلۂ روح و باطن ہے جس کے ضمن میں جسد بھی ملکوت میں محشور اور لائقِ قبول درگاہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے روایات میں آیا ہے کہ اعمال کی قبولیت بمقدار اقبال قلب ہوا کرتی ہے [14] اور تمام اوصاف کے ساتھ ذکر لسانی بھی مطلوب و محبوب ہوتا ہے اور انجام کار انسان کو حقیقت تک پہونچا دیتا ہے۔ اسی لئے اخبار و آثار میں ذکر لسانی کی عظیم مدح آئی ہے اور بابِ ذکر کی طرح کثیر الحدیث باب بہت ہی کم ہیں۔ [15] قرآن مجید کی آیتوں میں بھی اس کی بہت مدح کی گئی ہے۔ [16] اگرچہ ان میں سے اکثر کو ذکرِ قلبی یا ذکر باروح پر حمل کیا گیا ہے مگر ذکرِ حق بہر حال اور ہر مرتبہ میں محبوب ہے۔ ہم تیمناً و تبرکاً چند حدیثوں کو یہاں ذکر کر کے اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں۔

چوتھی فصل

ذکرِ خدا کی فضیلت میں چند حدیثوں کا ذکر

«کافِي بِسَنَدٍ صَحِيحٍ عَنِ الْفُضَيْلِ بنِ يَسارٍ قالَ قالَ أبُو عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: ما مِنْ مَجْلِسٍ يَجْتَمِعُ فِيهِ أبْرارٌ وَفُجّارٌ فَيَقُومُونَ عَلى غَيْرِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ إلّا كانَ حَسْرَةً عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيامَةِ.» [17]

"جس نشست میں بھی اچھے برے لوگ جمع ہوں اور بغیر ذکرِ خدا وہاں سے اٹھ جائیں تو وہ اٹھنا ان کے لئے روزِ قیامت حسرت کا سبب ہوگا۔"

ظاہر سی بات ہے کہ جب قیامت میں انسان پر ذکرِ خدا کے بڑے (بڑے) نتائج ظاہر ہوں گے اور وہ اپنے کو ان نعمتوں سے محروم دیکھے گا اور سمجھے گا کہ کتنی عظیم نعمتیں اور سرور اس کے ہاتھ سے نکل گئے اور اب (کسی بھی طرح) ان کا جبران ممکن نہیں ہے تو حسرت و ندامت اس پر چھا جائے گی۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے جتنی بھی فرصت ملے اس کو غنیمت سمجھے اور اپنی محافل و مجالس کو ذکرِ خدا سے خالی نہ چھوڑے۔

«كافِي بِسنَدٍ مُوَثَّقٍ عَنْ أبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ: مَنْ أرادَ أنْ يَكْتالَ بِالْمِكْيالِ الْأوْفى فَلْيَقُلْ، إذا أرادَ أنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ:

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "جو شخص پوری تول چاہتا ہے (یعنی خدا سے ایسا کامل ثواب چاہتا ہے جس میں کوئی نقص نہ ہو) تو جب کسی مجلس سے اُٹھے تو ان آیتوں کی تلاوت کرے۔"

«سُبْحانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمّا يَصِفُونَ. وَسَلامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ. وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعالَمِينَ.»[18]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: "جو شخص روزِ قیامت پورا ثواب لینا چاہتا ہے وہ ہر نماز کے بعد انھیں آیات کی تلاوت کرے۔"[19]

امام جعفر صادقؑ سے مرسلاً منقول ہے کہ مجلس سے اُٹھتے وقت ان آیات کی تلاوت گناہوں کا کفارہ ہے۔[20]

«كافِي بِإسْنادِهِ عَنْ ابْنِ فَضّالٍ رَفَعَهُ قالَ قالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِعِيسىٰ، عَلَيْهِ السَّلامُ: يا عِيسىٰ، اُذْكُرْنِي فِي نَفْسِكَ، أذْكُرْكَ فِي نَفْسِي، وَاذْكُرْنِي فِي مَلَأكَ أذْكُرْكَ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَأِ الْآدَمِيِّينَ، يا عِيسىٰ، ألِنْ لِي قَلْبَكَ وَأكْثِرْ ذِكْرِي فِي الْخَلَواتِ، وَاعْلَمْ أنَّ سُرُورِي أنْ تُبَصْبِصَ إلَيَّ؛ وَكُنْ فِي ذٰلِكَ حَيّاً وَلا تَكُنْ مَيِّتاً.»[21]

"خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا: اے عیسیٰؑ! تم مجھے اپنے پاس یاد کرو، میں تم کو اپنے یہاں یاد کروں گا۔ تم مجھ کو اپنے مجمع میں یاد کرو، میں تم کو آدمیوں سے بہتر مجمع میں یاد کروں گا۔ اے عیسیٰؑ میرے لئے اپنے دل کو نرم کرو اور تنہائیوں میں بکثرت میرا ذکر کرو اور یہ جان لو کہ میری خوشی اسی میں ہے کہ تم میرے لئے دُم ہلاتے رہو اور حضورِ قلب کے ساتھ زندہ رہو۔ مُردہ دِل نہ بنو۔"

(تبصبص کے معنیٰ خوف یا طمع سے کتے کا دُم ہلانا ہے اور یہ شدتِ التماس و مسکنت کی طرف اشارہ ہے) اور ذکر میں زندگی سے مقصد توجہ اور حضورِ قلب ہے۔

«كافِي بِإسْنادِهِ عَنْ أبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ إنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: مَنْ

شُغِلَ بِذِكْرِي عَنْ مَسْأَلَتِي، أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي مَنْ سَأَلَنِي.» ۲۳

امام صادقؑ نے فرمایا: خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: "اگر کوئی میرے ذکر کی وجہ سے مجھ سے سوال کرنے سے رہ جائے تو میں اس کو جو سوال کرنے والے کو دیتا ہوں۔ اس سے افضل چیز عطا کروں گا۔"

«عَنْ أَحْمَدَ بْنِ فَهْدٍ فِي عِدَّةِ الدَّاعِي، عَنْ رَسُولِ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قَالَ... وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَزْكَاهَا وَأَرْفَعَهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرَ مَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ذِكْرُ اللهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى؛ فَإِنَّهُ أَخْبَرَ عَنْ نَفْسِهِ فَقَالَ أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي.» ۲۴

رسولِ خداؐ نے فرمایا: "(تمھارے خدا کے نزدیک) سب سے اچھا اور پاک اور تمھارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا اور جن چیزوں پر سورج چمکتا ہے ان میں سب سے بہتر ذکرِ خدا ہے اس لئے کہ اس نے اپنے بارے میں خود بتایا ہے: جو میرا ذکر کرے میں اس کا جلیس ہوں۔"

ذکر کی فضیلت کی روایات اور اس کی کیفیت و آداب و شرائط اتنے زیادہ ہیں کہ اس کتاب کے حوصلۂ احصا سے باہر ہیں۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلاً وَآخِراً وَظَاهِراً وَبَاطِناً.»

اٹھارہویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۴۹۶ "کتاب الدعاء باب مایجب من ذکر اللہ فی کل مجلس" حدیث ۴۔

۲۔ مرآۃ العقول جلد ۱۲ ص ۱۲۲۔

۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶۔

۴۔ سورۂ ق آیت ۱۶۔

۵۔ سورۂ اعراف آیت ۲۰۵۔

۶۔ «لاَ یَکْتُبُ الْمَلَکُ إِلاَّ مَا سَمِعَ وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: «وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِي نَفْسِکَ تَضَرُّعاً وَ خِیفَةً» فَلاَ یَعْلَمُ ثَوَابَ ذٰلِکَ الذِّکْرِ فِي نَفْسِ الرَّجُلِ غَیْرُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لِعَظَمَتِهِ.» علی ابن ابراہیم نے اپنے باپ سے دو اماموں میں سے ایک سے نقل کیا ہے کہ امام نے فرمایا: فرشتہ جو کچھ سنتا ہے وہی لکھتا ہے اور خدا نے فرمایا ہے: اپنے خدا کو تضرع اور پوشیدگی میں یاد کیا کرو۔ خدا کے نزدیک اس ذکرِ خفی کا جو ثواب ہے اس کو کوئی نہیں جانتا۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۰۲ "کتاب الدعا" باب ذکر اللہ عزّ وجل فی السرّ، حدیث ۴۔

۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۰۲ "کتاب الدعاء باب ذکر اللہ عزوجل فی الغافلین، حدیث ۱۔

۷/ا۔ احمد بن محمد بن فہد اسدی حلی (۸۴۱-۷۵۶) فقیہ، محدث، عابد، عارف، کامل در قرن نہم ہجری۔ آپ کے شاگردوں میں محقق کرکی، ابنِ ابی جمہور احسائی، شیخ علی بن طالبی، آپ کی تالیفات میں عدۃ الداعی، آداب الداعی، اسرار الصلوٰۃ، التحریر، المقتصر فی شرح الارشاد، شرح الفیہ شہید، المہذب البارع فی شرح المختصر النافع۔

۸۔ عدۃ الداعی ص ۱۸۹۔

۹۔ وسائل الشیعہ (جلد ۴ ص ۱۱۸۵ کتاب الصلوٰۃ باب ۷) اس مضمون کی چار حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

۱۰۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۶۔

۱۱۔ منازل السائرین ص ۱۵۔ قسم بدایات، باب تذکر۔

۱۲۔ حدیث ۱۲۔ توضیح ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔

۱۳۔ اور نوحؑ نے کہا اس کشتی میں بسم اللہ مجریھا و مرساھا کہہ کر سوار ہو جاؤ (یعنی خدا ہی کے نام سے اس کا بہاؤ اور ٹھہراؤ ہے) سورۂ ہود آیت ۴۱۔

۱۴۔ رسولِ خدا نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ صُوَرِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ، وَإِنَّمَا يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ» "خدا تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ بحار جلد ۶، ص ۲۴۸ "کتاب ایمان و کفر" باب ۵۴ حدیث ۲۱۔

۱۵۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۹۶۔ ۵۰۶ "کتاب الدعا" باب من یجب من ذکر اللہ کل مجلس، باب ذکر اللہ عزوجل کثیراً، وسائل الشیعہ جلد ۴، ص ۱۱۷۷۔ ۱۲۴۰ "کتاب الصلوٰۃ" "ابواب الذکر" المحجۃ البیضا جلد ۲ ص ۲۶۵۔ ۲۷۰ "کتاب الاذکار والدعوات ص ۳۴۳۔ ۳۵۷ "کتاب ترتیب الاوراد و تفصیل احیاء اللیل"

۱۶۔ سورۂ رعد آیت ۲۸، سورۂ عنکبوت آیت ۴۵۔ سورۂ حدید آیت ۱۶، سورۂ احزاب آیت ۴۱ اور.....

۱۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۴۹۶ "کتاب الدعا" باب ما یجب من ذکر اللہ فی کل مجلس" حدیث ۱۔

۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۴۹۶ "کتاب الدعا" باب ما یجب من ذکر اللہ فی کل مجلس" حدیث ۲ (آیت کا ترجمہ) یہ لوگ جو باتیں خدا کے بارے میں بنایا کرتے ہیں ان سے تمہارا پروردگار عزت کا مالک پاک صاف ہے اور رسولوں پر (درود) سلام ہو اور کل تعریفیں خدا ہی کے لئے سزاوار ہیں جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ سورۂ صافات آیت ۱۸۰ ۱۸۲۔

۱۹۔ حضرت علیؑ نے فرمایا:

«قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ (ع) مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْأَوْفَىٰ، فَلْيَكُنْ آخِرُ قَوْلِهِ «سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.» «فَإِنَّ لَهُ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ حَسَنَةً.»

جو پورے پیمانے کی تول چاہتا ہو اس کا آخری قول سبحان ربک رب العزۃ ہونا چاہیے اس لئے کہ اس کا ہر مسلمان کے لئے ہر حسنہ ہے۔ من لایحضرہ الفقیہ جلد ۱ ص ۳۱۳، باب ۴۶ حدیث ۷۔

۲۰۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۵۔ ص ۵۸۵ "کتاب الایلاء والکفارات" "ابواب الکفارات" باب ۳۷، حدیث ۱۔

۲۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۰۲ "کتاب الدعا" "باب ذکر اللہ فی السر" حدیث ۲۔

۲۲۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۵۰۱ "کتاب الدعا" باب الاشتغال بذکر اللہ" حدیث ۱۔

۲۳۔ عدۃ الداعی ص ۱۸۷۔

انیسویں حدیث

«بسندي الْمُتَّصِلِ إلى ثِقَةِ الْإِسلامِ وَالْمُسْلِمِينَ، مُحَمَّد بن يَعْقُوبَ الْكُلَيْني، رِضْوانُ اللّٰهِ تَعالىٰ عَلَيْهِ، عَنْ عَلِيّ بن إبراهيم، عَنْ أبِيْهِ، عَنِ النَّوفَليّ، عَنِ السَّكُونِيِّ، عَنْ أبي عَبْدِاللّٰه، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلْغِيبَةُ أسْرَعُ في دِيْنِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْأكْلَةِ في جَوْفِهِ.»

«قالَ وَقالَ رَسُولُ اللّٰه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلْجُلُوسُ فِي الْمَسْجِدِ إنْتِظارَ الصَّلاةِ عِبادَةٌ ما لَمْ يُحْدِثْ. قِيلَ: يا رَسُولَ اللّٰه وَما يُحْدِثُ. قالَ الْإغْتِيابَ.»

ترجمہ: سکونی کا بیان ہے: حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: «مسلمان کے دین میں غیبت مرضِ اکلہ» سے زیادہ سریع ہے اور یہ بھی فرمایا کہ: رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے: نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا عبادت ہے جب تک اِحداث نہ کرے۔ پوچھا گیا: اے رسولِ خداؐ کس چیز کا اِحداث نہ کرے؟ فرمایا غیبت کا۔

شرح: غیبت «غَابَ» کا مصدر اور «اغتیاب» کا (اسم) مصدر ہے جیسا کہ لغت میں ہے قال الجوہری:

«إِغْتابَهُ إِغْتِياباً، إِذا وَقَعَ فِيهِ، وَالْإِسْمُ الْغِيبَةِ. وَهُوَ أَنْ يَتَكَلَّمَ خَلْفَ إِنْسانٍ مَسْتُورٍ بِما يَغُمُّهُ لَوْ سَمِعَهُ. فَإِنْ كانَ صِدْقاً سُمِّيَ غِيبَةً؛ وَإِنْ كانَ كِذْباً سُمِّيَ بُهْتاناً.» انتهى [۲]

جوہری نے کہا جب کوئی کسی کی بُرائی کرے تو اغتابہ اغتیابا بولا جاتا ہے اور اس کا اسم مصدر الغیبۃ آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کرنا کہ اگر وہ سُن لے تو اس کو غم ہو۔ اگر وہ کہی گئی بات سچ ہو تو اس کو غیبت اور جھوٹ ہو تو بھتان کہا جاتا ہے۔

محقق محدث مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ یہ لغوی معنیٰ ہیں انتھی [۳] مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوہری نے اصطلاحی معنیٰ بیان کئے ہیں نہ کہ لغوی۔ اس لئے کہ "غابَ" اور "اِغتابَ" اور اس کی تمام گردانوں کے لغوی معنیٰ یہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے عام معنیٰ مقصود ہوتے ہیں اور کبھی خود اہلِ لغت شرعی یا اصطلاحی معنیٰ کو اپنی کتابوں میں ذکر کر دیا کرتے ہیں۔

صاحب قاموس سے منقول ہے کہ "غابَ" کو "عابَ" کے معنیٰ میں لیا گیا ہے اور مصباح منیر میں ہے: «إِغْتابَهُ إِذا ذَكَرَهُ بِما يَكْرَهُهُ مِنَ الْعُيُوبِ، وَهُوَ حَقّ.» [۴] جب کسی کے ناپسندیدہ عیوب کا ذکر کیا جائے تو "اغتابہ" بولا جاتا ہے اور یہی حق ہے۔

میرے نزدیک متن میں ذکر شدہ تمام چیزوں میں سے کوئی بھی معنیٰ لغوی معنیٰ نہیں ہے بلکہ ہر ایک میں ایک قید کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس سے اصطلاحی معنیٰ سے اختلاط پیدا ہو گیا ہے بہرحال لغوی معنیٰ کے اطراف میں بحث زیادہ فائدہ مند نہیں ہے۔ سب سے عمدہ بات شرعی موضوع کا حاصل کرنا ہے جو متعلق تکلیف ہے اور بظاہر یہ مورد کچھ ایسے شرعی قیود کا حامل ہے جو فہم عرفی اور معنیٰ لغوی سے الگ ہے۔ اس کے بعد اطراف موضوع کے سلسلہ میں بیان پیش کیا جائے گا۔

(«وَالْأَكْلَةُ»، كَفَرْحَةٍ، داءٌ فِي الْعُضْوِ يَأْتَكِلُ مِنْهُ. كَما فِي الْقامُوسِ وَغَيْرِهِ. وَقَدْ يُقْرَأُ بِمَدِّ الْهَمْزَةِ عَلىٰ وَزْنِ فاعِلَةٍ؛ أَيِ الْعِلَّةُ الَّتِي تَأْكُلُ اللَّحْمَ. وَالْأَوَّلُ أَوْفَقُ بِاللُّغَةِ. كَذا قالَ الْمَجْلِسِيُّ.) [۵]

کے وزن پر عضو میں ایک مرض ہوتا ہے جو اس کو کھاتا رہتا ہے کما فی القاموس وغیرہ اور کبھی ہمزہ کو مَد دے کر فَاعِلَۃ (یعنی آکلۃ) کے وزن پر بھی پڑھا گیا ہے۔ اس وقت مطلب ہوگا وہ بیماری جو گوشت

کھاتی ہے۔ مگر پہلا مطلب لغت سے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ مجلسی نے بھی ذکر کیا ہے۔

بہرحال مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ مرض جب عضو میں خصوصاً اعضائے لطیفہ جیسے باطن میں پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو جلدی کھا لیتا ہے اور فنا کر دیتا ہے۔ اسی طرح غیبت انسان کے دین کو اس سے بھی جلدی کھا لیتی ہے اور فاسد و فنا کر دیتی ہے۔

اور "مَا لَمْ يُحْدِثْ" باب افعال سے ہے اور اس میں ضمیر مستتر جالس کی طرف راجع ہے جو اس جلوس سے مستفاد ہے جو اس میں مذکور ہے اور اغتیاب منصوب ہے اور فعل مقدر کا مفعول ہے، جو کلام سائل سے مفہوم ہے اور بعض نسخوں میں "مَا يُحْدِثْ" کے بجائے "ما الحدث" آیا ہے اس لئے اغتیاب بنا پر خبریت مرفوع ہے۔

پہلی فصل

غیبت کی تعریف

فقہا رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غیبت کی بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ جن کا بیان اور ان میں سے ہر ایک کے جامع و مانع ہونے میں مناقشہ کا بیان اس کتاب کے وظیفہ سے خارج ہے ہاں اجمالاً بیان کیا جا سکتا ہے:

محقق سعید شیخ شہیدؒ نے کشف الریبۃ میں اس کی دو تعریفیں بیان کی ہیں۔

ا۔ یہ معنی فقہا میں مشہور ہیں:

«هُوَ ذِكْرُ الإِنْسَانِ حَالَ غَيْبَتِهِ بِمَا يَكْرَهُ نِسْبَتَهُ إِلَيْهِ، مِمَّا يُعَدُّ نُقْصَاناً فِي الْعُرْفِ بِقَصْدِ الإِنْتِقَاصِ وَالذَّمِّ.» وَالثَّانِي: «اَلتَّنْبِيهُ عَلَى مَا يَكْرَهُ نِسْبَتَهُ إِلَيْهِ...»[6]

(پہلی تعریف کی بنا پر) حاصل معنی یہ ہوں گے کہ غیبت کسی کی مذمت و انتقاص کی نیت سے اس کی غیر موجودگی میں اس کی طرف غیر خوش آئند ایسی چیز کی نسبت دینا جو عرف عام میں (باعث) نقص (و توہین) ہے۔

اور دوسری تعریف کا مقصد ہے: ایسی ہی چیز پر مطلع کرنا۔ اگر ذکر کو بمعنی قول تسلیم کیا

جائے جیساکہ عرفاً یہی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ تنبیہ قول وکتابت وحکایت ودیگر تمام طرق تفہیم سے عام ہے تو پھر دوسری تعریف عام ہے (اور پہلی تعریف خاص ہے) اور اگر ذکر کو قول سے عام مانا جائے جیساکہ مطابق لغت یہی بات ہے تو پھر دونوں تعریفوں کی بازگشت ایک ہی چیز کی طرف ہے اور احادیث کی دلالت بھی انھیں دونوں تعریفوں پر ہوتی ہے مثلاً مجالس شیخؒ میں ابوذر رضوان اللہ علیہ سے جو وصیت حضرت رسولؐ کی ابوالاسود سے منقول ہے اس میں ہے: ابوذر نے کہا: میں نے عرض کیا اے خدا کے رسولؐ غیبت کیا ہے؟ فرمایا:

«قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا الْغِيْبَةُ؟ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَإِنْ كَانَ فِيْهِ الَّذِي يُذْكَرُ بِهِ؟ قَالَ إِعْلَمْ، أَنَّكَ إِذَا ذَكَرْتَهُ بِمَا هُوَ فِيْهِ، فَقَدِ اغْتَبْتَهُ؛ وَإِذَا ذَكَرْتَهُ بِمَا لَيْسَ فِيْهِ، فَقَدْ بَهَتَّهُ.»[7]

"تم اپنے برادر (مومن) کا ذکر ان چیزوں کے ساتھ کرو جو اسے ناپسند ہوں" میں نے کہا: جو باتیں کہی جا رہی ہوں اگر اس کے اندر موجود ہوں تب؟ فرمایا: اگر موجود ہوں جب ہی تو غیبت ہے اور اگر وہ باتیں اس میں موجود نہ ہوں تو تہمت وبہتان ہے۔

مشہور حدیث رسولؐ میں ہے: «هَلْ تَدْرُونَ مَا الْغِيْبَةُ؟ فَقَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ...»[8] "کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے"؟ سب نے کہا: خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو.... الخ۔

ذکر کے معنیٰ اگر وہی لئے جائیں جو متفاہم عرفی ہے تو اس حدیث کی برگشت معنیٰ اول کی طرف ہوگی اور اگر ذکر کو قول سے عام مانا جائے تو اس کی برگشت دوسرے معنیٰ کی طرف ہوگی۔

حضرتؐ نے اس حدیث میں اپنے بھائی کے غائب ہونے کی شرط اس لئے نہیں لگائی کہ لفظِ غیبت سے وہ بات خود ہی سمجھ میں آجاتی ہے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی اور برادر سے مُراد بھی معلوم ہے کہ برادر مومن ہے نہ کہ نسبی برادر اس لئے اس کی بھی قید کا ذکر نہیں کیا گیا اور مایکرہ سے مُراد وہ چیزیں ہیں جو عرفاً سبب نقصان سمجھی جاتی ہیں۔ البتہ قصدِ انتقاص ومذمت کا ذکر اگرچہ ابوذر کی حدیث میں نہیں ہے اور نبوی مشہور میں بھی نہیں ہے۔ لیکن فحوائے کلام سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ بلکہ ابوذر کی روایت کا پہلا حصہ اس پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس کے بھی ذکر کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ صدر روایت میں ہے۔ اَلْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا (غیبت زنا

سے زیادہ شدید ہے، میں نے عرض کیا، کیوں یا رسولؐ اللہ؟ فرمایا قُلْتُ: وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ؟ قَالَ لِأَنَّ الرَّجُلَ يَزْنِي فَيَتُوبُ إِلَى اللَّهِ فَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَالْغِيبَةُ لَا تُغْفَرُ حَتَّى يَغْفِرَهَا صَاحِبُهَا... ثُمَّ قَالَ وَأَكْلُ لَحْمِهِ مِنْ مَعَاصِي اللَّهِ.»[9]

"اس لئے کہ انسان جب زنا کرتا ہے اور صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے تو خدا معاف کر دیتا ہے۔ لیکن غیبت کو خدا اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک وہ شخص نہ معاف کردے جس کی غیبت کی گئی ہے.... اس کے بعد فرمایا اور مومن کا گوشت کھانا خدا کی معصیتوں میں سے ایک معصیت ہے۔"

ان دو جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ قصدِ انتقاص مقصود ہے۔ ورنہ اگر تلطفاً و ترحماً کسی غیر کا ذکر ہو تو یہ معصیت نہیں ہے کہ بخشش کی ضرورت ہو اور نہ اس کا گوشت کھانا ہے۔

«قَالَتْ: دَخَلَتْ عَلَيْنَا إِمْرَأَةٌ، فَلَمَّا وَلَّتْ، أَوْمَأْتُ بِيَدِي أَنَّهَا قَصِيرَةٌ فَقَالَ صَلَّي اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اِغْتَبْتِهَا.»[10]

اور عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت ذکر قولی سے عام ہے۔ چنانچہ وہ کہتی ہیں: ہمارے پاس ایک عورت آئی جب وہ واپس ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ یہ پستہ قد ہے۔ اس پر رسولؐ خدا نے فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی۔

بلکہ عرف خود غیبت والی روایات سے تلفظ کی خصوصیت کو نہیں سمجھتا بلکہ اس کو افہام نوعی کے اعتبار سے حرام سمجھتا ہے۔ یعنی تلفظ بذکر کے ساتھ جو اختصاص سمجھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر غیبت قولاً ہوتی ہے نہ یہ کہ قول کو اس میں کوئی مدخلیت حاصل ہے۔

اب ایک مطلب یہ رہ جاتا ہے کہ بہت سی روایات کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کے راز کا ظاہر کرنا حرام ہے۔ یعنی مومنین کے جو عیوب مخفی ہوں چاہے وہ خَلقی ہوں یا خُلقی یا عملی ان کا اظہار وافشا خواہ وہ شخص متصف اس پر راضی ہو یا ناراض اور خواہ قصدِ انتقاص ہو یا نہ ہو بہرحال حرام ہے لیکن تمام روایات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قصد انتقاص کو حرمت میں مدخلیت حاصل ہے۔ البتہ اگر نفس عمل ہی ان امور میں سے ہو جن کا ذکر و جن کی اشاعت شرعاً حرام ہے۔ تو اس میں قصدِ انتقاص کو کوئی مدخلیت نہیں ہے۔ جیسے گناہانِ کبیرہ کہ خود صاحبِ گناہ ان کا اظہار

نہیں کرسکتا اور من جملہ اشاعۃ فحشا ہے اور اس کا تعلق حرمت غیبت سے ہے بھی نہیں اور بعید نہیں ہے کہ مومنین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ان کی مرضی کے بغیر ظاہر کرنا حرام ہو۔ چاہے قصد انتقاص درکار نہ بھی ہو۔ بہر حال اس سے زیادہ تفصیل اس سلسلہ میں ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

دوسری فصل

یہ جان لو کہ غیبت فی الجملہ اجماعی بلکہ ضروریاتِ فقہ میں سے ہے اور ہلاک کر دینے والے کبائر میں سے ہے۔ غیبت کے مستثنیات اور اس کے اطراف میں بحث کرنا اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں تو صرف اس ہلاک کرنے والی برائی کے فساد اور اس کے انجام پر تنبیہ کرنا ہے۔ بلکہ خدا نے چاہا تو ہو سکتا ہے غور و فکر کے بعد ہم اس میں مبتلا نہ ہوں یا اگر خدانخواستہ مبتلا ہو چکے ہیں تو بہت جلد اس سے پلٹ جائیں۔ توبہ کریں اور اس مادۂ فساد کو اکھاڑ کر پھینک دیں۔ (کہیں) اس ایمان کش گناہ کبیرہ میں ابتلا کے ساتھ اس دنیا سے منتقل نہ ہو جائیں۔ کیوں کہ عالمِ غیب میں اور پسِ پردۂ ملکوت اس ہلاک کرنے والے گناہ کبیرہ کی ایک بہت ہی بدنما صورت ہے اور اس بدی کے علاوہ ملا اعلیٰ میں انبیا و مرسلین و ملائکہ مقربین کے سامنے رسوائی کا بھی سبب ہے۔

اس کی ملکوتی صورت وہی ہے جس کی طرف خدا نے اپنی کتاب میں اشارہ فرمایا ہے اور حدیثوں میں بھی اسے صراحتاً و اشارتاً بیان کیا گیا ہے:

«قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً؟ فَكَرِهْتُمُوهُ.»

"اور تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم کو ناپسند کرو گے۔

ہم اس بات سے غافل ہیں کہ ہمارے اعمال عیناً دوسرے عالم میں اپنی مناسب صورتوں کے ساتھ ہماری طرف رجوع کریں گے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ مردار کھانے کی صورت والا عمل (کیسا ہوگا؟) جس طرح درندہ کتے لوگوں کی عزت و آبرو کو چاک کر کے ان کے گوشت کو

کھاتے ہیں جہنم میں بھی اس عمل کی ملکوتی صورت اسی کی طرح رجوع کرے گی۔

روایت میں ہے:

«وَفِي رِوايَةٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ لَمّا رَجَمَ الرَّجُلَ فِي الزِّنا، قالَ رَجُلٌ لِصاحِبِهِ: هٰذا أُقْعِصَ كَما يُقْعَصُ الْكَلْبُ. فَمَرَّ النَّبِيُّ مَعَهُما بِجيفَةٍ، فَقالَ انْهَشا مِنْها. فَقالا: يا رَسُولَ اللهِ، تَنْهَشُ جيفَةً فَقالَ ما أَصَبْتُما مِنْ أَخيكُما أَنْتَنُ مِنْ هٰذِهِ.»[1]

"رسولِ خدا نے جب ایک شخص کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا تو ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: یہ شخص اپنی جگہ پر کتے کی طرح قتل کیا گیا۔ اس کے بعد رسولِ خدا ان دونوں شخصوں کے ساتھ ایک مُردار کی طرف سے گزرے تو دونوں سے فرمایا: اپنے دانتوں سے اس (مُردار) کا بھی گوشت نوچو۔ ان دونوں نے کہا: یا رسول اللہ کیا ہم مُردار کھائیں؟ حضورؐ نے فرمایا: تم دونوں نے اپنے بھائی کے لئے جو کچھ کہا اس کی بدبو اس سے کہیں زیادہ ہے۔"

جی ہاں رسولِ خدا اپنے قوی نورِ بصیرت اور مشاہدہ سے دیکھ رہے تھے کہ ان کے عمل کی بدبو مُردار کے بدبو سے زیادہ ہے اور زیادہ رسواکن و فظیع ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے: غیبت کرنے والا قیامت کے دن اپنا ہی گوشت کھائے گا۔

صدوق طائفہ اپنی مجالس میں تحریر فرماتے ہیں۔ سلسلۂ سند حضرت علیؑ تک پہونچا ہے نوف البکائی کہتے ہیں:

«قالَ قُلْتُ: زِدْني. قالَ اِجْتَنِبِ الْغيبَةَ، فَإِنَّها إِدامُ كِلابِ النّارِ ثُمَّ قالَ يا نَوْفُ، كَذَبَ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ وُلِدَ مِنْ حَلالٍ وَهُوَ يَأْكُلُ لُحُومَ النّاسِ بِالْغيبَةِ. الحَديث.»[2]

میں نے عرض کیا: کچھ اور اضافہ فرمائیے؟ فرمایا: غیبت سے بچو کیونکہ یہ جہنم کے کتوں کی خورش ہے پھر فرمایا: اے نوف جو شخص غیبت کے ذریعہ لوگوں کا گوشت کھاتا ہو وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ وہ حلالی ہے۔

ان روایاتِ شریفہ میں کوئی منافات نہیں ہے ان سب کا واقع ہونا ممکن ہے مثلاً ممکن ہے کہ گوشتِ مُردار بھی کھائے، اپنا گوشت بھی کھائے، کتے کی صورت کا بھی ہو

اور اس کی خوراک مُردار ہو اور مُردار کی صورت ہو اور جہنمی کتوں کی غذا بھی ہو۔ وہاں صورتیں جہات فاعل کے تابع ہوتی ہیں اور ممکن ہے ایک موجود کے متعدد و مختلف اشکال و صور ہوں۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت کیا جا چکا ہے۔

«وعَنْ عِقابِ الأَعْمالِ بِإسْنادِهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰه، صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَآلِهِ، في حَديثٍ:... وَمَنْ مَشىٰ في غَيْبَةِ أخيهِ وَكَشْفِ عَوْرَتِهِ، كانَتْ أوَّلُ خُطْوَةٍ خَطاٰها وَضَعَها في جَهَنَّمَ وَكَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ عَلىٰ رُؤُسِ الْخَلائِقِ... الخ» ١٤

"جو شخص اپنے برادر مومن کی غیبت اور اس کی چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے چلے تو اس کا پہلا قدم جو پڑتا ہے وہ جہنم میں پڑتا ہے اور خدا اس کو مجمع عام میں رسوا کر دیتا ہے۔"

وسائل میں سند روایت حضرت صادق علیہ السلام تک پہونچاتے ہوئے آیا ہے کہ رسولؐ خدا نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«وَقالَ مَنِ اغْتابَ امْرَءً مُسْلِماً، بَطَلَ صَوْمُهُ وَنُقِضَ وُضوءُهُ وَجاءَ يَوْمَ الْقِيامَةِ يَفُوحُ مِنْ فيهِ رائِحَةٌ أنْتَنُ مِنَ الْجيفَةِ، يَتَأذّىٰ بِهِ أهْلُ الْمَوْقِفِ. وَإنْ ماتَ قَبْلَ أنْ يَتُوبَ، ماتَ مُسْتَحِلاً لِما حَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ.» ١٥

"اگر کوئی شخص مسلمان کی غیبت کرے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے، وضو ٹوٹ جاتا ہے اور قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے مُنہ سے ایسی بدبو نکل رہی ہوگی جو مُردار سے بھی زیادہ بُری ہوگی اور جس سے تمام اہلِ موقف کو اذیت ہوگی اور اگر وہ توبہ سے پہلے مر گیا تو محرمات خدا کو حلال جاننے والے کی موت مرے گا۔" اور یہ حال جہنم میں جانے سے پہلے ہو گا کہ اہلِ موقف کے نزدیک رسوا ہوا اور اس حدیث کی بنا پر اس کا شمار کفار میں ہوگا کیونکہ حرام الٰہی کو حلال سمجھنے والا کافر ہے اور غیبت کرنے والا اسی کے مثل ہے۔ اس کے برزخ کی حالت بھی رسولِ خدا سے مروی ہے۔

«عَنْ أنَسٍ قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بي عَلىٰ قَوْمٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ بِأظافيرِهِمْ. فَقُلْتُ: يا جِبْرَئيلَ، مَنْ هٰؤُلاءِ؟ قالَ هٰؤُلاءِ الَّذينَ يَغْتابُونَ النّاسَ وَيَقَعُونَ في أعْراضِهِمْ.» ١٦

انس کہتے ہیں: رسولِ خدا نے فرمایا: شبِ معراج میرا گزر ایک ایسی قوم کی طرف سے ہوا جو اپنے ناخونوں سے اپنے چہروں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے کہا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کیا کرتے تھے اور ان کی آبروریزی کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیبت کرنے والا برزخ میں بھی رسوا ہے اور موقف میں اہلِ موقف کے سامنے شرمندہ ہے اور جہنم میں بھی رسوائی اور بے حیائی کے ساتھ بسر کرے گا۔ بلکہ اس کے بعض مراتب اس عالم میں بھی باعثِ رسوائی ہیں جیسا کہ کافی شریف کی حدیث میں ہے۔

«عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَخْلُصِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تَذُمُّوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَبَّعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَاتِهِمْ، تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ؛ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ؛ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي بَيْتِهِ.»[۲]

اسحاق بن عمار کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: رسولِ خدا نے فرمایا: اے وہ گروہ جو زبان سے اسلام لایا ہے۔ لیکن ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوا ہے۔ (خبردار) تم لوگ مسلمانوں کی مذمت نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے مخفی عیوب کی جستجو کیا کرو۔ کیونکہ جو مسلمانوں کے عیوب کو تلاش کرے گا اور خدا اس کے عیوب کو تلاش کرے گا اور خدا جس کے عیوب کو تلاش کرے گا اس کو ذلیل و رسوا کر دے گا چاہے اپنے گھر ہی میں ہو۔

خداوندِ عالم غیور ہے۔ مومنین کے چھپے اور پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرنا ناموسِ الٰہی کا ہتک کرنا ہے۔ اگر انسان بے حیائی کی حدوں کو پار کر لیتا ہے اور حرماتِ الٰہی کا ہتک کرتا ہے تو خدائے غیور اس کے چھپے ہوئے ان عیوب کو جن کو اس نے اپنی ستاریت کی وجہ سے چھپا رکھا تھا ظاہر کر دیتا ہے اور اس کے مستور کو عیاں کر دیتا ہے اور اس عالم کے لوگوں میں اور اُس عالم کے ملائکہ و انبیا و اولیا کے درمیان رسوا و ظاہر کر دیتا ہے۔

کافی شریف کی ایک حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ سے سند پہونچانے کے بعد آپؑ سے منقول ہے:

«قَالَ لَمَّا أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قَالَ يَا رَبِّ، مَا حَالُ الْمُؤْمِنِ عِنْدَكَ. قَالَ يَا مُحَمَّدُ، مَنْ أَهَانَ لِي وَلِيّاً، فَقَدْ بَارَزَنِي بِالْمُحَارَبَةِ، وَأَنَا أَسْرَعُ

شَيْءٍ إِلَى نُصْرَةِ أَوْلِيَائِي.»[18]

"جب رسولِ خدا کو معراج پر لے جایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: پالنے والے تیرے نزدیک مومن کی کیا حالت ہے؟ آواز آئی: میرے حبیب جس نے میرے کسی ولی کی توہین کی۔ اس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کر دیا اور میں اپنے اولیا کی سب سے جلدی مدد کرتا ہوں۔" دوسری اور حدیثیں بھی اس سلسلہ میں بہت ہیں۔

شیخ صدوقؒ نے اس حدیث:

«وَمَنِ اغْتَابَهُ بِمَا فِيهِ، فَهُوَ خَارِجٌ مِنْ وِلَايَةِ اللّٰهِ تَعَالَى دَاخِلٌ فِي وَلَايَةِ الشَّيْطَانِ.»[19] "اگر کوئی کسی کی غیبت اس عیب سے کرے جو اس میں ہو" جبکہ وہ شخص ظاہر میں اہل ستر و عدالت ہو جاہے اس کے نزدیک گنہگار ہو" تو خدا کی ولایت سے خارج ہو کر وہ شخص شیطان کی ولایت میں داخل ہو جاتا ہے۔" یہ حدیث امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے' کے بعد فرمایا: یہ بات معلوم ہے کہ جو حق کی ولایت سے خارج ہو کر شیطان کی ولایت میں داخل ہو جائے وہ اہلِ نجات و ایمان سے نہ ہوگا جیسا کہ پہلے والی حدیث اسحاق بن عمار کی حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ غیبت کرنے والے کا اسلام صرف زبانی ہے اس کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا اور ظاہر ہے کہ جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہوگا روزِ جزا کی تصدیق کرتا ہوگا اور صور اعمال و حقائق سیئات کا عقیدہ رکھتا ہوگا وہ ایسے گناہ کبیرہ مہلکہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا جو عالمِ غیب و شہادت میں' دنیا و عقبیٰ و برزخ میں اس کو ذلیل و رسوا کر دے اور بری طرح اسکو جہنم میں داخل کر دے اور ولایتِ حق سے خارج کر کے ولایت شیطان میں داخل کر دے۔

اب اگر ہم نے ایسی کوئی عظیم غلطی کی تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس خرابی کا کوئی سرچشمہ ہے اور حقیقتِ ایمان ہمارے دل میں داخل نہیں ہوئی۔ اگر ایمان ہمارے دل میں داخل ہو جاتا تو تمام کاموں کی اصلاح ہو جاتی اور اس کے آثار ظاہر و باطن سر و علن میں واضح ہو جاتے۔ اس لئے اپنے باطن کا علاج کرنا چاہیے اور مرضِ قلب کا علاج کرنا چاہیے۔ حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان کی سُستی اور اس کا عدمِ خلوص اعمالی و اخلاقی مفاسد کا سبب ہوتا ہے اسی طرح یہ مفاسد بھی نقصانِ ایمان کا سبب بنتے ہیں۔ بلکہ ایمان کے زائل ہونے کا سبب ہوتے ہیں اور یہ برہان کی ایک قسم کے مطابق ہے جس کا ذکر اس کی جگہ پر ہے۔

یہ بھی جان لو کہ غیبت دوسرے اعتبار سے بھی دیگر گناہوں سے شدید تر اور اس کے

نتائج قبیح تر ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس میں حق اللہ کے علاوہ حق الناس کا بھی جنبہ ہے اور خدا اس وقت تک نہیں بخشتا جب تک وہ نہ بخش دے جس کی غیبت کی گئی ہے چنانچہ حدیث شریف میں چند طریقوں سے یہی مضمون وارد ہوا ہے۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بنِ الْحَسَنِ فِي الْمَجالِسِ وَالْأَخْبارِ بِإِسْنادِهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي وَصِيَّةٍ لَهُ قالَ يا أَباذَرٍّ، إِيّاكَ وَالْغِيبَةَ فَإِنَّ الْغِيبَةَ أَشَدُّ مِنَ الزِّنا. قُلْتُ: وَلِمَ ذاكَ يا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قالَ لِأَنَّ الرَّجُلَ يَزْنِي فَيَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ فَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَالْغِيبَةُ لاَ تُغْفَرُ حَتّٰى يَغْفِرَها صاحِبُها.» [۲۰]

حضور سرور کائنات ابوذر کو چند وصیتیں کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اے ابوذر خبردار غیبت سے بچنا اس لئے کہ غیبت زنا سے بدتر ہے۔ ابوذر نے کہا یہ کیونکر یا رسول اللہ؟ حضرتؐ نے فرمایا: اس لئے کہ انسان زنا کرنے والا (کبھی) توبہ کرتا ہے اور خدا اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے لیکن جب تک جس کی غیبت کی گئی ہے وہ نہ بخش دے خدا بھی اس کو نہیں بخشتا۔"

علل، خصال، مجمع البیان، کتاب اخوان میں یہی مضمون یا اس سے ملتا جلتا روایت کیا گیا ہے۔[۲۱]

اور اگر خدا نخواستہ لوگوں کا حق لے کر مرا تب تو اس کا کام اور مشکل ہو جاتا ہے۔ حقوق الٰہی میں تو معاملہ رحیم و کریم خدا کا ہے جہاں بغض، کینہ، عداوت و دشمنی کا مسئلہ ہی نہیں ہے لیکن بندوں کے معاملہ میں امکان ہے اس صفات کے لوگ ہوں یا لوگوں کی برائیوں کو جلدی سے معاف نہ کرتے ہوں یا کبھی معاف ہی نہ کرتے ہوں۔ اس لئے (ہر) انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے حالات کا بہت مواظب ہو اور ان چیزوں کا خیال رکھے کیونکہ مطلب بہت خطرناک اور امر بہت ہی مشکل ہے۔ غیبت کے سلسلہ میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان کے ذکر کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے۔ ہم چند حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

«مِثْلُ ما رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، أَنَّهُ خَطَبَ يَوْماً، فَذَكَرَ الرِّبا وَعَظَّمَ شَأْنَهُ فَقالَ إِنَّ الدِّرْهَمَ يُصِيبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبا أَعْظَمُ مِنْ سِتٍّ وَثَلاثِينَ زَنْيَةً. وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ.» [۲۲]

رسولؐ خدا نے ایک خطبہ میں سود کا ذکر کیا اور اس کی بہت برائی بیان کی۔ یہاں تک کہ فرمایا: "سود کے ایک درہم کا گناہ ۳۶ زنا سے بڑا ہے اور مسلمان کی آبرو سود سے بہت زیادہ بزرگ ہے۔"

«و رُوِيَ عَنه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، أنَّهُ قَالَ مَا النَّارُ فِي الْيَبْسِ بِأسْرَعَ مِنَ الْغِيْبَةِ فِي حَسَنَاتِ الْعَبْدِ» ۲۳

"خشک چیز میں آگ اتنی تیزی سے نہیں دوڑتی جتنی تیزی سے غیبت بندے کے حسنات کو فنا کر دیتی ہے۔"

«وَعَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يُؤْتَى بِأحَدٍ يَوْمَ الْقِيامَةِ فَيُوقَفُ بَيْنَ يَدَيِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ وَيُدْفَعُ إلَيْهِ كِتَابُهُ، فَلاَ يَرىٰ حَسَنَاتِهِ فِيْهِ. فَيَقُولُ: إلٰهِي، لَيْسَ هٰذَا كِتَابِي فَإنِّي لاَ أرىٰ فِيْهِ حَسَنَاتِي. فَيُقَالُ لَهُ: إنَّ رَبَّكَ لاَ يَضِلُّ وَلاَ يَنْسىٰ، ذَهَبَ عَمَلُكَ بِاغْتِيابِ النَّاسِ. ثُمَّ يُؤْتىٰ بِآخَرَ وَيُدْفَعُ إلَيْهِ كِتَابُهُ، فَيَرىٰ فِيْهِ طَاعَاتٍ كَثِيرَةً. فَيَقُولُ: إلٰهِي، مَا هٰذَا كِتَابِي، فَإنِّي مَا عَمِلْتُ هٰذِهِ الطَّاعَاتِ. فَيُقَالُ لَهُ: إنَّ فُلاَناً اغْتَابَكَ فَدُفِعَ حَسَنَاتُهُ إلَيْكَ... الخ.» ۲۴

"رسولؐ خدا سے ایک حدیث مروی ہے کہ روز قیامت ایک شخص کو خدا کی بارگاہ میں پیش کر کے خدا کے سامنے کھڑا کر کے اس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھوں میں دیا جائے گا۔ اس میں جب وہ اپنی نیکیوں کو نہ دیکھے گا تو بول اٹھے گا پروردگارا یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے (کیونکہ اس میں میری نیکیاں نہیں ہیں۔ جواب دیا جائے گا تمہارا خدا نہ گمراہ ہے نہ بھولنے والا ہے تیرا عمل لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے ختم کر دیا گیا پھر ایک دوسرے شخص کو حاضر کیا جائے گا اور اس کا نامۂ عمل اس کو دیا جائے گا۔ اس میں بہت اطاعتیں ہوں گی وہ کہے گا: خدایا یہ میرا نامۂ اعمال نہیں ہے کیونکہ میں نے اتنی اطاعتیں نہیں کی ہیں اس کو جواب دیا جائے گا فلاں نے تیری غیبت کی تھی اس لئے اس کی نیکیاں تجھے دیدی گئیں۔"

«وَعَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: أدْنَى الْكُفْرِ أنْ يَسْمَعَ الرَّجُلُ مِنْ أخِيْهِ كَلِمَةً يَحْفَظُهَا عَلَيْهِ يُرِيْدُ أنْ يَفْضَحَهُ بِهَا. أُولٰئِكَ لاَ خَلاَقَ لَهُمْ.» ۲۵

رسولِ خدا سے مروی ہے: "کفر کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اپنے برادر مومن سے کوئی کلمہ سن کر اس کو اس لئے یاد رکھے کہ اس کے ذریعہ سے اس کو رسوا کرے گا ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔"

اس باب کے یہ روایات ان صورتوں کے لئے مخصوص ہیں جب ان پر غیبت کے علاوہ دوسرا کوئی عنوان بھی منطبق ہو اور اس کے مفاسد و گناہ غیبت کرنے والے کے شامل حال ہوں۔ مثلاً مومن کی اہانت، مومن کی ذلت، اس کی تحقیر اور استخفاف اور تعییر اس کی لغزشوں کا شمار کرنا اس پر طعن کرنا وغیرہ کیونکہ ان میں سے ہر ایک انسان کی ہلاکت کے لئے سبب مستقل ہے اور جو روایات ان چیزوں کی مذمت میں الگ الگ وارد ہوئی ہیں وہ کمر شکن ہیں۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے ان سے (سرِ دست) چشم پوشی کر لی ہے۔

تیسری فصل

غیبت کا اجتماعی ضرر

جس طرح غیبت گناہِ کبیرہ اور عظیم ہلاک کرنے والی اور ایمان و اخلاق و ظاہر و باطن کو فاسد کرنے والی اور دُنیا و آخرت میں رسوائی و بے عزتی کی طرف لے جانے والی ہے جیسا کہ اس کا تھوڑا سا حصہ فصلِ گزشتہ میں تم نے پڑھا۔ اسی طرح یہ معصیت اجتماعی و نوعی مفاسد بھی رکھتی ہے اسی لئے اس کی قباحت اور اس کا فساد بہت سے معاصی سے زیادہ ہے۔

انبیا کرام اور شریعتوں کا ایک بڑا مقصد علاوہ اس کے کہ وہ خود بھی مقصود مستقل ہے۔ عظیم مقاصد کی ترقی کا ذریعہ اور ایک مدینۂ فاضلہ کی تشکیل میں علتِ تامہ کا کردار ادا کرنا تھا (یعنی) توحید کلمہ اور توحید عقیدہ کی تشکیل مقصود تھی (اسی طرح) اہم ترین امور کا اجتماع اور اربابِ ظلم کے تعدی کو روکنا تھا کیونکہ یہ چیزیں بنی انسان کی فساد اور مدینۂ فاضلہ کے بربادی کو مستلزم تھیں اور یہی عظیم مقصد اجتماعی و فردی مصلح ہے اور اس کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب لوگ وحدتِ نفوس، الفت و اخوت و صداقتِ قلبی اور صفائے ظاہری و باطنی کے زیرِ سایہ زندگی بسر کریں اور معاشرے کے افراد اس طرح ہو جائیں کہ گویا پوری بنی نوع انسان شخصِ واحد ہے۔ یعنی پوری جمعیت ایک شخص کے مانند

ہو جائے اور افراد بمنزلۂ اعضا و اجزا ہو جائیں اور ساری سعی و کوشش ایک الٰہی مقصدِ بزرگ اور عظیم عقل ہم یعنی فرد و معاشرہ کی اصلاح کے گرد گھومنے لگے۔ اگر ایسی محبت و اخوت کسی ایک نوع یا ایک گروہ کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ تمام ان گروہوں اور ملتوں پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے جو اس طریقہ پر نہ ہوں۔ چنانچہ تاریخوں اور بالخصوص اسلامی جنگوں اور ان کی عظیم فتوحات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی روشن ہو جائے گی اس لئے کہ اس قانونِ الٰہی کے ابتدائے طلوع میں چونکہ مسلمانوں میں تھوڑی سی وحدت تھی اور نوعاً ان کی کوششیں خلوصِ نیت کے ساتھ تھیں اس لئے تھوڑی ہی مدت میں بڑے (بڑے) عظیم فتوحات کے یہ لوگ مالک ہو گئے تھے اور تھوڑے ہی زمانہ میں اس دور کی عظیم ترین سلطنتوں جن میں "روم و ایران بہت ہی عظیم تھے" پر غالب ہو گئے اور تھوڑے سے لشکر کے ساتھ بے انتہا اور بھاری اکثریت پر غالب آ گئے۔ رسولِ خدا نے صدرِ اوّل ہی میں مسلمانوں کے درمیان «إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ.»[٣٦] (مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں) کی بنا پر صیغۂ اخوت تمام مومنین میں جاری کر دیا تھا۔

کافی شریف میں عقرقوفی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:

«عَنِ الْعَقَرْقُوفي، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ لِأَصْحَابِهِ: إِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا إِخْوَةً بَرَرَةً مُتَحَابِّينَ فِي اللّٰهِ مُتَوَاصِلِينَ مُتَرَاحِمِينَ؛ تَزَاوَرُوا وَتَلَاقَوْا وَتَذَاكَرُوا أَمْرَنَا وَأَحْيُوهُ.»[٣٧]

"میں نے امام جعفر صادقؑ کو اپنے اصحاب سے فرماتے ہوئے سُنا: خدا سے ڈرو اور خدا کی راہ میں محبت کرنے والے ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داری کرنے والے ایک دوسرے پر رحم کرنے والے نیک اور اچھے بھائی بن جاؤ، ایک دوسرے کی آپس میں زیارت کرو، ایک دوسرے سے ملاقات کرو ہمارے امر کا آپس میں ذکر کرو اور اس کو زندہ کرو۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«وَعَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ يَحِقُّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الْإِجْتِهَادُ فِي التَّوَاصُلِ وَالتَّعَاوُنِ عَلَى التَّعَاطُفِ وَالْمُوَاسَاةِ لِأَهْلِ الْحَاجَةِ وَتَعَاطُفِ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ حَتَّى تَكُونُوا كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: «رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ... الآية»[٣٨]

مسلمانوں کا حق ہے کہ ملنے جلنے میں، عطوفت و مہربانی میں، اہل حاجت کے ساتھ مواسات برتنے میں اور ایک کے دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں کوشش کریں، تاکہ تم لوگ اسی طرح ہو جاؤ۔ جیسا کہ خدا نے تمھیں حکم دیا ہے کہ: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ: "اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔"

حضرت ہی سے مروی ہے کہ:

«وَعَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَوَاصَلُوا وَتَبَارُّوا وَتَرَاحَمُوا، وَكُونُوا إِخْوَةً أَبْرَارًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ»[29]

"ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داری کرو، ایک دوسرے کے ساتھ بر و احسان کرو، ایک دوسرے کے لیے آپس میں رحمت کی دعا کرو اور آپس میں ایسے اچھے بھائی ہو جاؤ جیسا کہ خدا نے تم کو حکم دیا ہے۔"

مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ دوستی و مواصلت، نیکی، محبت و مودت کا حکم دیا گیا ہے اور معلوم ہے کہ جو چیز ان اسباب کی زیادتی کا سبب ہو وہ بھی مرغوب و محبوب ہے اور جو چیز اس عقد مواصلت واخوت کو توڑ دے، لوگوں میں تفرقہ اندازی کر دے وہ صاحب شرع کے نزدیک مبغوض اور ان کے عظیم مقصد کے مخالف ہے اور یہ بات تو بہت ہی واضح ہے کہ غیبت جیسی ہلاک کرنے والی برائی اگر کسی معاشرے میں رائج ہو جائے تو کینہ و حسد، بغض و عداوت پیدا کر کے معاشرے کو فاسد کر دیتی ہے۔ نفاق و دو روئی کا درخت اس میں لگا کر اس کو تنومند کر دیتی ہے۔ معاشرے کے اتحاد کو توڑ کر دیانت کی بنیادوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس طرح اس کے فساد اور قباحت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ہر غیرت مند اور دیندار پر اپنے کو فساد سے بچانے کے لیے اور نوع اہل دین کو نفاق سے بچانے کے لیے اور حوزہ مسلمین کی حفاظت، وحدت اور جمعیت کی نگہبانی، عقد اخوت کی مضبوطی کی خاطر ضروری ہے کہ اس رذیلہ سے اپنے کو بچائے اور لوگوں کو اس عمل قبیح سے روکے اور اگر خدا نخواستہ ابھی تک خود اس برائی میں مبتلا تھا تو اس سے توبہ کرے اور بصورت امکان و عدم فساد جس کی غیبت کی تھی اس کو راضی کرے اور حلال کرالے ورنہ پھر اس کے لئے استغفار کرے اور اس گناہ کو چھوڑ کر صداقت و وحدت و اتحاد کی جڑوں کو اپنے دل میں کاشت کرے تاکہ

اس کا شمار معاشرے کے صالح افراد میں ہونے لگے اور اسلام کی چکی کو چلانے میں اہم رول ادا کرنے والے میں ہونے لگے۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

چوتھی فصل

اس ہلاکت خیز بیماری کا علاج

یہ سمجھ لو کہ دیگر بیماریوں کی طرح اس عظیم ہلاکت خیز بیماری کا علاج (بھی) نفع بخش علم اور عمل سے کیا جا سکتا ہے۔

علمی طریقہ: یہ ہے کہ انسان اس عمل پر مرتب ہونے والے فائدے کا قیاس اس پر مرتب ہونے والے برے نتائج اور برے ثمرات سے کرے اور میزان عقل میں رکھ کر اس سے سوال کرے۔ یہ بات یقینی ہے کہ انسان اپنے سے دشمنی نہیں رکھتا۔ انسان کے تمام گناہ جہالت و نادانی اور اس کے مبادی سے غفلت اور نتائج سے لاپرواہی کی بنا پر ہوا کرتے ہیں اور اس غیبت پر جو خیالی فائدہ مرتب ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ انسان چند منٹ لوگوں کی برائیوں اور ان کے چھپے ہوئے عیوب کو ظاہر کر کے بذلہ گوئی اور ہرزہ سرائی کے ذریعہ جو حیوانی یا شیطانی طبیعت کے مناسب ہوتی ہے۔ اس میں اپنا وقت صرف کر کے، مجلس آرائی کر کے اپنی نفسانی خواہش پوری کر لیتا ہے اور محسود حضرات سے اپنی قلبی تشفی کا سامان فراہم کر لیتا ہے۔

غیبت کے برے نتائج کا تھوڑا سا ذکر تو آپ سابق فصلوں میں سن چکے۔ اب تھوڑا سا اور سن کر عبرت حاصل کیجئے اور میزان قیاس پر تولئے۔ یقیناً اس تفکر و موازنہ کے اچھے نتائج (برآمد) ہوں گے۔ اس دنیا کے اندر اس کا ایک نتیجہ تو یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ لوگوں کا اس پر سے اطمینان اٹھ جاتا ہے (کیونکہ) فطری طور سے لوگ کمال و نیکی و خوبی سے محبت اور نقص و پستی و برائی سے نفرت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ کسی کے راز کے انکشاف اور اس کی بے عزتی اور چھپی چیزوں کے اظہار کرنے والوں اور ان کے مخالفین میں فرق کرتے ہیں انتہا یہ ہے کہ خود غیبت کرنے والا اس قسم کی برائیوں سے بچنے والے کو اپنے سے ممتاز سمجھتا ہے۔ یہ بات فطری اور عقلی ہے کہ اگر کوئی (غیبت میں) حد سے گزر جائے

اور لوگوں کی بے عزتی پر اُتر آئے تو خدا اس کو اسی دُنیا میں ذلیل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اسحاق بن عمار کی گزشتہ روایت ۳۰ میں ذکر کیا گیا اور انسان کو اس رسوائی سے ڈرنا چاہیئے جو خدا کے ہاتھوں نصیب ہو کیونکہ اس کا کوئی جبران ممکن نہیں ہے۔ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں حلیم کے غضب سے! بلکہ ممکن ہے کہ مومنین کی بے احترامی اور ان کی پوشیدہ چیزوں کا اظہار انسان کو بُرے انجام تک پہونچادے۔ کیونکہ اگر یہ عادت ملکہ کی صورت اختیار کر گئی تو نفس کے اندر اس کے (بُرے) اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک اثر تو یہی ہے کہ غیبت کرنے والے سے لوگ بغض و عداوت رکھنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ دشمنی زیادہ ہی ہوتی رہتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بغض و عداوت مرتے وقت انسان پر بعض ایسے حقائق واضح کردے اور پردۂ ملکوت کو اٹھا کر بعض ایسے عوالم کا معائنہ کرادے جس کی بنا پر ان مقامات کی رویت اور خدا کی طرف سے ان کا اعظام واحترام خود خدا سے بغض کا سبب بن جائے۔ انسان بہر حال دشمن کے دوست کا دشمن ہوتا ہے اور دوست سے بغض رکھنے والا مبغوض ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا خدا اور اس کے ملائکہ سے دشمنی اس دنیا سے منتقل کر کے ابدی ذلت اور دائمی شقاوت تک پہونچادیتی ہے۔

میرے عزیز! خدا کے ان بندوں سے جو اس کی نعمت و رحمت کے مورد ہیں اور خلعتِ اسلام و ایمان سے آراستہ ہیں دوستی کرو اور دلی محبت پیدا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ محبوبِ خدا سے دشمنی کر بیٹھو کیوں کہ خدا اپنے محبوب کے دشمن کا دشمن ہے وہ تم کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور خدا کے مخصوص بندے بندگانِ الٰہی میں چھپے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تمھاری دشمنی اور اس مومن کی مخفی چیزوں کا فاش کرنا اور پردہ دری کرنا، سرّ خدا کے ہتک کی طرف پلٹ رہی ہو مومنین اولیاءُ اللہ ہیں۔ ان سے دوستی خدا سے دوستی ہے اور ان سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے۔ خدا کے غضب سے ڈرو اور روزِ جزا کے شفعاء کی خصومت سے خوفزدہ رہو «وَيْلٌ لِمَنْ شُفَعَاؤُهُ خُصَمَاؤُهُ.» ۳۱

غیبت کے دنیاوی اور آخرتی نتائج کے بارے میں ذرا غور تو کرو۔ قبر و برزخ و قیامت میں اس کی ان وحشت ناک و دہشت ناک صورتوں کے بارے میں ذرا سوچو جس میں تم مبتلا ہو گے۔ علماء رضوان اللہ علیہم کی معتبر کتابوں ائمہؑ کی منقول روایتوں کو دیکھو جو واقعاً کمر شکن ہیں۔ اس کے بعد پندرہ منٹ کی ہرزہ گوئی اور بذلہ سرائی اور شہوتِ خیالی کی تکمیل اور ہزاروں ہزار سال کی گرفتاری کا قیاس کرو اور یہ بھی اس وقت جب تم اہلِ نجات ہو اور باایمان اس دنیا سے جاؤ۔ ورنہ پھر خلود در جہنّم اور دائمی عذابِ الیم کا قیاس کرو۔ «نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ»

اس کے علاوہ جس کی تم غیبت کر رہے ہو اگر اس سے دشمنی ہے تب بھی اگر صد یقوں

پر ایمان ہے تو دشمنی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی غیبت نہ کرو۔ کیونکہ حدیث میں ہے غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں جس کی غیبت کی گئی ہے اور اس کی برائیاں غیبت کرنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔ پس تم نے اس سے دشمنی نکالنی چاہی تھی خود اپنے ہی سے دشمنی کر بیٹھے۔ اس لئے سمجھ لو کہ خدا سے جنگ نہیں کر سکتے۔ خدا اس پر قادر ہے کہ تمھاری اسی غیبت سے اس کو لوگوں کی نظروں میں عزیز و محترم کر دے اور تم کو اسی غیبت کی بنا پر لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار کر دے اور کروبیین کے سامنے بھی یہی کام کرے؛ تمھارے نامۂ اعمال کو برائیوں سے بھر دے اور تم کو ذلیل و رسوا کر دے اور اس کے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے بھر دے اور اس کو مکرم و محترم کر دے۔ پس سمجھ لو کہ کس قادر و جبار سے جنگ کر رہے ہو۔ اس کی دشمنی سے ڈرو۔

عملی طریقہ: یہ ہے کہ کچھ دنوں تک چاہے جتنی زحمت ہو نفس کو غیبت سے روک کر مہارِ زبان کو اپنے ہاتھ میں لے کر مکمل طریقہ سے اپنی نگرانی کرو اور اپنے سے قرار داد باندھ لو کہ کچھ دنوں تک یہ گناہ نہیں کرو گے۔ اپنی حفاظت و نگرانی کرو اور اپنا حساب کرو۔ (اسی طرح) اُمید ہے انشاءاللہ کچھ مدت کے بعد اصلاح ہو جائے گی اور اسکا مادہ ہی ختم ہو جائے گا۔ پھر رفتہ رفتہ تمھارے لئے کام آسان ہو جائے گا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد تم محسوس کر لو گے کہ اب فطری طور سے اس سے متنفر و منزجر ہو۔ پھر غیبت نہ کرنے ہی میں نفس کو لذت حاصل ہو گی۔

پانچویں فصل

جائز مقامات پر بھی ترک غیبت اولیٰ ہے

یہ جان لو کہ علما و فقہا رضوان اللہ علیہم نے کچھ مقامات کو غیبت کی حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے کہ بعض علما کے کلمات میں ایسے دس سے زائد مقامات ہیں۔ میں ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ کیونکہ اس کتاب کو فقہی موضوع کے لئے نہیں لکھا گیا ہے۔ یہاں پر جس چیز کا ذکر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو تمام مواقع پر نفس کی مکاریوں سے بے خوف نہیں رہنا چاہیئے۔ پوری دقتِ نظر اور مکمل احتیاط کے ساتھ قدم اُٹھانا چاہیئے۔ عذر تراشی کے چکر میں رہ کر غیبت کے کسی مستثنیٰ مقام

کو لے کر عیب جوئی بذلہ گوئی میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔

نفس کی مکاریاں بہت ہی دقیق و باریک ہیں ممکن ہے وہ انسان کو شریعت کے راستہ سے مزین کر کے دھوکہ دے اور مہلکوں میں پھنسا دے۔ مثلاً کھلم کھلا فسق کرنے والے کی غیبت اگرچہ جائز ہے۔ بلکہ اگر اس کے باز آجانے کا سبب ہو تو بعض مقامات پر واجب ہے اور نہی از منکر کے مراتب میں شمار کی جانے والی ہے۔ لیکن انسان کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ کہیں اس غیبت کا محرک و داعی شیطانی اور محرکِ نفسانی تو نہیں ہے بلکہ واقعی اس کا داعی شرعی اور الٰہی ہے؟

اگر (واقعی) داعی الٰہی ہے تو اس کا شمار عبادات میں ہے۔ بلکہ اصلاح کی نیت سے علی الاعلان (فسق) اور گناہ کرنے والے کی غیبت اس پر انعام و احسان کا واضح ترین مصداق ہے چاہے وہ (گنہگار) اس کو نہ سمجھے! لیکن اگر غیبت میں فساد اور خواہشِ نفس (بھی) شامل ہے تو غیبت کرنے والے کو اپنی نیت کو خالص بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور بغیر قصد صحیح لوگوں کی آبرو برباد کرنے سے اعراض کرنا چاہیئے۔ بلکہ جائز مواقع پر بھی نفس کو غیبت کرنے کی عادت ڈالنا خود اس کے لئے مُضر ہے اس لئے کہ نفس تو برائیوں اور شرور کی طرف مائل ہوتا ہی ہے ممکن ہے جائز مقامات پر پرہیز نہ کرنے سے رفتہ رفتہ دوسرے مرحلہ میں۔ یعنی حرام مقامات میں۔ داخل ہو جائے جیسے شبہات میں داخل ہونا جائز ہونے کے باوجود اچھی بات نہیں ہے کیونکہ یہ محرمات کی حمیٰ ہیں اور ممکن ہے کہ انسان ان میں داخل ہونے کے بعد محرمات میں بھی داخل ہو جائے۔ (اس لئے انسان کو چاہیئے حتی الامکان اپنے کو ان مقامات سے بچائے اور تمام ان چیزوں سے بھی اجتناب کرے نفس کی سرکشی کا احتمال ہو۔

ہاں جن مقامات پر غیبت واجب ہے جیسے پہلے والا مورد اور بعض دیگر وہ مقامات جن کا علما نے ذکر کیا ہے وہاں پر غیبت کا اقدام کرے لیکن خواہشِ نفس اور شیطان کی پیروی سے نفس کو خالص رکھے۔ مگر پھر بھی جائز مقامات پر ترکِ غیبت اولیٰ و احسن ہے۔ ہر جائز امر کا ارتکاب انسان کو نہیں کرنا چاہیئے۔ خصوصاً وہ مقامات جہاں نفس و شیطان کے مکائد بہت کارگر ہوا کرتے ہیں۔

روایت میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریین کے ساتھ ایک مُردہ کتے کے پاس سے گزرے تو حواریوں نے کہا۔ اس مُردار میں کس قدر بدبو ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: اس کے دانت کتنے سفید ہیں۔ ۳۲ یقیناً نوعِ بشر کے مُربّی کو ایسا ہی تذکیہ شدہ نفس کا مالک ہونا چاہیئے حضرت عیسیٰؑ کو یہ بات اچھی نہ لگی کہ مخلوق خدا کا ذکر بُرائی سے کیا جائے۔ ساتھیوں نے اس کے نقص کو دیکھا۔ مگر حضرت عیسیٰؑ نے اس کے کمال کا ذکر کیا۔ میں نے سُنا ہے کہ حدیث میں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے

فرمایا: غلاظتوں پر بیٹھنے والی مکھیوں کی طرح نہ بنو کہ (ہمیشہ) لوگوں کے عیوب کی طرف متوجہ رہو۔

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

«قَالَ طُوبٰى لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ.» ۳۳ اس شخص کا کیا کہنا جسکو اپنے عیوب دوسروں کے عیوب سے باز رکھیں۔" انسان کے لئے (یہ) بہتر ہے کہ جس طرح دوسروں کے عیوب تلاش کرتا ہے کچھ اپنے عیوب بھی تلاش کرے۔ یہ کتنی بری بات ہے کہ انسان اپنے ہزاروں عیب کو چھوڑ کر دوسروں کی برائیاں تلاش کرے اور ان کو اپنے عیبوں پر لادے۔ اگر انسان اپنے حالات و اخلاق و اعمال کو دیکھے اور ان کے اصلاح کی فکر کرے تو اس کے امور کی اصلاح ہو جائے گی اور اگر اپنے کو عیب سے خالی سمجھتا ہے تو یہ انتہائے جہالت و نادانی ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں ہے کہ آدمی اپنا عیب نہ سمجھے اور اس سے غافل ہو۔ حالانکہ وہ خود مجموعہ عیوب ہے اور پھر دوسروں کے عیوب تلاش کرتا ہے۔

چھٹی فصل

غیبت سننا حرام ہے

جیسے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے۔ بلکہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیبت سننے والا تمام عیوب میں حتیٰ اس کے کبیرہ ہونے اور معاف کرانے میں غیبت کرنے والے کی طرح ہے۔ مثلاً حدیث نبویؐ ہے:

«مِثْلُ النَّبَوِي، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلْمُسْتَمِعُ أَحَدُ الْمُغْتَابِيْنِ.» ۳۴

"دو غیبت کرنے والوں میں سے ایک غیبت سننے والا ہے۔"

حضرت علی علیہ السّلام سے منقول ہے:

«وَعَنْ عَلِيّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلسَّامِعُ أَحَدُ الْمُغْتَابِيْنِ.» ۳۵

"(غیبت کا) سننے والا دو غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے۔" سامع سے مراد بھی مستمع ہے۔ بہت سی روایات کا ظاہر ہے کہ غیبت کی تردید واجب ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ:

«عَنِ الصَّدُوقِ بِإِسْنَادِهِ عَنِ الصَّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثِ مَنَاهِي النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، نَهَى عَنِ الْغِيبَةِ وَالْاسْتِمَاعِ إِلَيْهَا. إِلَى أَنْ قَالَ أَلَا، وَمَنْ تَطَوَّلَ عَلَى أَخِيهِ فِي غِيبَةٍ سَمِعَهَا فِيهِ فِي مَجْلِسٍ فَرَدَّهَا عَنْهُ، رَدَّ اللّٰهُ عَنْهُ أَلْفَ بَابٍ مِنَ الشَّرِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. فَإِنْ هُوَ لَمْ يَرُدَّهَا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى رَدِّهَا، كَانَ عَلَيْهِ كَوِزْرِ مَنِ اغْتَابَهُ سَبْعِينَ مَرَّةً.» ۳۶

"رسولِ خدا نے غیبت کرنے اور سننے سے ممانعت فرمائی ہے اس کے بعد فرمایا: آگاہ ہو جاؤ جو شخص اپنے برادر (مومن) پر احسان کرے اور کسی بھی مجلس میں سنی ہوئی اس کی غیبت کو رد کرے تو خداوندِ عالم شرِّ دنیا و آخرت کے ہزار باب اس سے دور کرتا ہے اور اگر رد پر قدرت رکھنے کے باوجود رد نہ کرے تو اس پر غیبت کرنے والے کا ستر گنا عذاب ہوگا۔"

«وعَنِ الصَّدوقِ بِإِسنادِهِ عَنْ جَعفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ، عَلَيهِمَا السَّلَامُ، عَنْ آبائِهِ فِي وَصِيَّةِ النَّبِيِّ لِعَلِيٍّ، عَلَيهِمَا السَّلَامُ: يَا عَلِيُّ، مَنِ اغْتِيبَ عِنْدَهُ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ فَاسْتَطَاعَ نَصْرَهُ فَلَمْ يَنْصُرْهُ، خَذَلَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.» ۳۷

"رسولِ خدا نے حضرت علیؑ سے وصیتوں کے ضمن میں فرمایا: اے علیؑ جس کے سامنے کسی برادر مسلم کی غیبت کی جائے اور وہ رد پر قادر ہونے کے باوجود رد نہ کرے تو خدا اس کو دنیا و آخرت میں ذلیل کرے گا۔"

«وعَنْ عِقابِ الْأَعْمالِ بِسَنَدِهِ عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَنْ رَدَّ عَنْ أَخِيهِ غِيبَةً سَمِعَهَا فِي مَجْلِسٍ، رَدَّ اللّٰهُ عَنْهُ أَلْفَ بَابٍ مِنَ الشَّرِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَنْهُ وَأَعْجَبَهُ، كَانَ عَلَيْهِ كَوِزْرِ مَنِ اغْتَابَ.» ۳۸

"جو اپنے برادر مومن سے کسی مجلس میں اس کے بارے میں سُنی ہوئی غیبت کو رد کرے خدا اس کے شرِّ دنیا و آخرت کے ہزار باب رد کرے گا اور اگر اس نے رد نہ کی بلکہ اس کو پسند کیا تو اس پر غیبت کرنے والے کا عذاب ہوگا۔

متاخرین علما کے علامہ، محقق جلیل، فضیلتِ علم و عمل کے جامع الشیخ انصاریؒ فرماتے ہیں:
بظاہر اس رد سے مراد نہی از غیبت کے علاوہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ غایب کی اس چیز سے

مدد کی جائے جو غیبت کے مناسب ہو۔ (مثلاً) اگر عیب دنیوی ہو تو اس کی اس طرح مدد کرے کہ عیب تو (درحقیقت) وہ ہے جس کو خدا عیب کہے مثلاً وہ گناہ جو بہت عظیم ہو جیسے تمہاری برادر مومن کی ایسی چیز سے غیبت جس سے خدا نے اس کی برائی نہیں کی ہے اور اگر عیب دینی ہو تو ایسی توجیہ کرے جس سے وہ معصیت سے خارج ہو جائے اور اگر قابلِ توجیہ نہ ہو تو اس کی اس طرح مدد کرے کہ کہے: مومن کبھی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے ایسی صورت میں اس کے لئے استغفار کرنا چاہیئے نہ کہ اس پر طنز کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے خدا کے نزدیک تمہارا طنز کرنا اس کی معصیت سے زیادہ بُرا ہو۔ انتہیٰ کلامہ ۳۹ ورفع مقامہ۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیبت سننے والا ردِ غیبت " جو اس پر واجب ہے " کو ترک کرکے غیبت کرنے والے کو مزید غیبت پر اُبھار دے یا اس کے ساتھ شریک و ہم نفس ہو کر بے موقع پے درپے اظہارِ تعجب کرکے یا اگر اہلِ صلاح میں شمار ہوتا ہے تو کسی ذکر یا استغفار یا کسی دوسرے ذریعہ سے جو شیطانی وسائل میں سے ہو اس کو استعمال کرکے غیبت کرنے والے کو غیبت پر آمادہ کر دے اور ہو سکتا ہے کہ اس حدیث (اس کا گناہ غیبت کرنے والے کے گناہ سے ستّر گنا ہے) سے ایسے ہی اشخاص کی طرف اشارہ ہو۔ نعوذ باللہ منہ۔

تتمیم

کلام شہید ثانیؒ

شیخ بزرگوار و محقق عالی مقدار شہید سعید رضوان اللہ علیہم کا ایک کلام ہے اسی کے ترجمہ پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

شہید فرماتے ہیں: غیبت کے پلید ترین قسموں میں وہ غیبت ہے جس میں بعض اہلِ علم و فہم و اہلِ ریا مبتلا ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات اپنے مقصد کو اہلِ صلاح و تقویٰ کی صورت میں سمجھاتے ہیں۔ یہ غیبت کرتے ہیں مگر ظاہر کرتے ہیں کہ ہم غیبت سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتے کہ انھوں نے دو برائیوں کو جمع کر دیا ہے ایک ریا دوسرے غیبت اور اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کسی کے سامنے کسی کا ذکر کیا جائے تو وہ کہے: الحمدللہ میں حبِّ ریاست میں مبتلا نہیں ہوں یا میں

محبتِ دُنیا میں گرفتار نہیں ہوں یا میرے اندر فلاں صفت نہیں ہے یا کہے: نعوذ باللہ بے شرمی سے خدا کی پناہ یا بے توفیقی سے خدا کی پناہ یا مثلاً یہ کہے: خدا مجھے فلاں عمل سے محفوظ رکھے۔ بلکہ کبھی تو محض حمدِ خدا بھی غیبت ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے کسی کا عیب سمجھ میں آ رہا ہو۔ بس فرق اتنا ہے کہ یہ غیبت اہلِ صلاح کی صورت میں واقع ہوئی ہے۔ یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے کلام سے دوسرے کی برائی اس طرح کرے جو غیبت و ریاست پر مشتمل ہو اور اپنی عیب سے خلاصی اور اس سے برائت کا دعویٰ بھی ہو حالانکہ خود اس میں مبتلا ہے بلکہ اس سے بڑی برائی میں مبتلا ہے۔

غیبت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس کی غیبت کرنا چاہتا ہے پہلے اس کی مدح کرتا ہے مثلاً کہتا ہے فلاں کتنے اچھے حالات رکھتا ہے۔ عبادت میں کوئی کمی نہیں کرتا مگر بے صبری کی وجہ سے عبادتوں میں سستی آگئی ہے اور (وہی کیا) ہم سب لوگ اس میں مبتلا ہیں (بظاہر) اپنی مذمت کرتا ہے مگر مقصد اس (دوسرے) کی مذمت کرنا ہے اور اپنی مدح کرنا چاہتا ہے اس طرح کہ اپنی تشبیہ اپنی مذمت کر کے اہلِ صلاح سے دینا چاہتا ہے۔ اس شخص نے تین برائیوں کو اکٹھا کر دیا غیبت، ریاکاری، تزکیۂ نفس۔ اس کو خیال ہے کہ وہ صالحین میں سے ہے اور غیبت سے بچتا ہے (حالانکہ خود غیبت میں مبتلا ہے) اہلِ جہالت و نادانی کے ساتھ شیطان اسی طرح بازی کرتا ہے جبکہ وہ لوگ علم و عمل میں مشغول ہوں مگر مضبوطی کے ساتھ اشتغال نہ ہو تو شیطان ان کا پیچھا کرتا ہے اور اپنی مکاریوں سے ان کے اعمال کو حبط کرا کے قہقہہ لگاتا ہے۔

اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر کسی نشست میں غیبت ہو اور کچھ لوگ اس کی طرف متوجہ نہ ہوں تو بعض حضرات غافلوں کو (ذکرِ خدا کر کے) اس غیبت کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں: سبحان اللہ یہ کتنی عجیب چیز ہے۔ اب اس شخص نے ذکرِ خدا کو باطل اور اپنی خباثت کا ذریعہ بنا لیا اور اس کے باوجود خدا پر احسان رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سوائے جہالت اور دھوکہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی ہے کہ کوئی کہے: فلاں شخص کے لئے فلاں اتفاق ہوا یا وہ فلاں چیز میں مبتلا ہو گیا۔ بلکہ کبھی (اس طرح) کہتا ہے: میرے رفیق یا میرے دوست کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا۔ خدا مجھے اور اس کو بخش دے۔ یہ شخص (بظاہر تو) اظہارِ دعا و رنج اور دوستی و رفاقت کر رہا ہے (لیکن در پردہ) ان امور کے ذریعہ اپنی غیبت کو انجام دے رہا ہے۔ (حالانکہ) خداوندِ عالم اس کے خبثِ باطن اور فسادِ نیت سے مطلع ہے اور وہ اپنی جہالت سے یہ نہیں سمجھتا کہ خدا کا غضب ان جاہلوں سے

• جو علی الاعلان غیبت کا ارتکاب کرتے ہیں، کہیں زیادہ اس شخص پر ہے۔

غیبت کی ایک مخفی قسم تعجب کے ساتھ غیبت کو سننا بھی ہے۔ کیونکہ (جب) وہ اظہارِ تعجب کرتا ہے تو غیبت کرنے والا اور دلچسپی سے غیبت کرنے لگتا ہے اور اس کا تعجب اس کو مزید غیبت پر آمادہ کرتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے: مجھے تو اس بات پر بہت تعجب ہے! میں تو ابھی تک یہ نہیں سمجھتا تھا، مجھے فلاں سے اس کام کی توقع نہیں تھی! وہ اس طرح غیبت کرنے والے کی تصدیق کے ساتھ بڑے اچھے انداز سے اور غیبت کا مطالبہ کرتا ہے۔ حالانکہ غیبت کی تصدیق بھی غیبت ہے اور اس کو سننا بھی غیبت ہے بلکہ سُن کر خاموش رہنا بھی غیبت ہے۔ انتھیٰ ترجمہ کلامہ ۴۰ رفع مقامہ۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیبت پر دوسرے عناوین بھی صادق آتے ہیں تو اس کی قباحت اور اس کا فساد و عقاب بھی اور زیادہ ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کرنے والا جس کی غیبت کر رہا ہے۔ اس کے سامنے اظہارِ دوستی اور اس کی مدح و منقبت بھی کرے (اس کا گناہ زیادہ ہے کیونکہ) یہ نفاق دوزبانی اور دوروئی ہے جس کی روایات میں بہت ہی مذمت آئی ہے۔

«فَفِي الْكَافِي الشَّرِيف بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ مَنْ لَقِيَ الْمُسْلِمِينَ بِوَجْهَيْنِ وَلِسَانَيْنِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَهُ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ.» ۴۱

" حضرتؑ نے فرمایا: جو مسلمانوں سے دو چہرہ اور دو زبان کے ساتھ ملاقات کرے وہ روزِ قیامت اس طرح آئے گا کہ اس کے لئے آتش کی دو زبانیں ہوں گی"۔

اس قبیح عمل کی یہ صورت ہے اور آخرت میں اس نفاق کا یہ نتیجہ ہے۔ میں اپنی زبان و نفسِ امارہ کے شر سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

والحمدللہ اولاً و آخراً۔

انیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۵۶، کتاب الایمان والکفر، باب الغیبۃ والبھتان حدیث ۱۔
۲۔ اصل کتاب میں ترجمہ کردیا گیا ہے۔
۳۔ مرآۃ العقول جلد ۱۰، ص ۴۰۶، کتاب ایمان وکفر، باب الغیبۃ والبھتان حدیث ۱۔
۴۔ مصباح المنیر جلد ۲، ص ۵۸۴ پر اتنا اور بھی ہے: جب کہ کہنے والا سچ کہہ رہا ہو۔
۵۔ مرآۃ العقول جلد ۱۰، ص ۴۰۶، کتاب ایمان وکفر، باب غیبت و بہت، حدیث ۱۔
۶۔ کشف الریبۃ ص ۲ (فی تعریف الغیبۃ والترھیب منھا)
۷۔ وسائل الشیعہ جلد ۸، ص ۵۹۸، ابواب احکام العشرۃ باب ۱۵۲، حدیث ۹۔
۸۔ المحجۃ البیضا جلد ۵، ص ۲۵۶، کتاب آفات اللسان۔
۹۔ وسائل الشیعہ جلد ۸، ص ۵۹۸، ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۲، حدیث ۹
۱۰۔ جامع السعادات جلد ۲، ص ۲۹۴، المقام الرابع فی الغیبۃ۔
۱۱۔ سورۂ حجرات آیت ۱۲۔
۱۲۔ المحجۃ البیضا جلد ۵، ص ۲۵۳، کتاب آفات اللسان۔
۱۳۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۶۰۰، ابواب احکام العشرۃ" باب ۱۵۲، حدیث ۱۶۔
۱۴۔ عقاب الاعمال، ص ۳۴۰ اور عقاب الاعمال مطبوع میں ہے: من مشی فی عیب اخیہ......
۱۵۔ وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۵۹۹، حدیث ابواب احکام العشرۃ باب ۱۵۲، حدیث ۱۲۔
۱۶۔ المحجۃ البیضا جلد ۵، ص ۲۵۱، کتاب آفات اللسان۔

۱۷۔ اصولِ کافی جلد۲ ص ۳۵۴ "کتاب ایمان وکفر" باب من طلب عثرات المومنین، حدیث ۲۔
۱۸۔ اصولِ کافی جلد۲ ص ۳۵۲ "کتاب ایمان وکفر" باب من اذی المسلمین حدیث ۸۔
۱۹۔ بحار جلد۲، ص ۲۴۸، کتاب العشرۃ، باب الغیبۃ، حدیث ۱۲۔
۲۰۔ وسائل الشیعہ جلد۸ ص ۵۹۸۔ ابواب العشرۃ باب ۱۵۲، حدیث ۹۔
۲۱۔ علل الشرائع جلد۲، ص ۵۵۷، باب ۳۴۵۔ العلۃ التی من اجلھا صارت الغیبۃ اشد من الزنا، خصال
۔۴۲۔ باب الاثنین حدیث ۹۰، مجمع البیان جلد۹ ص ۲۰۶ مصادقۃ الاخوان ص ۴۸، باب الوقیعۃ فی الاخوان حدیث۱۔
۲۲۔ المحجۃ البیضا جلد۵ ص ۲۵۳
۲۳۔ المحجۃ البیضا جلد۵ ص ۲۶۴ کتاب آفات اللسان۔
۲۴۔ بحار جلد۲، ص ۲۷۶، باب الغیبۃ، حدیث ۵۲ بحار میں ذرا اختلافِ عبارت کے ساتھ واقع ہوا ہے۔
۲۵۔ بحار جلد۵، ص ۲۷۶، کتاب الروضۃ، باب ۲۳ حدیث ۱۱۲۔
۲۶۔ سورۂ حجرات آیت ۱۰۔
۲۷۔ اصولِ کافی جلد۲، ص ۱۷۵، کتاب ایمان وکفر، باب التراحم والتعاطف، حدیث ۱۔
۲۸۔ اصولِ کافی، جلد۲ ص ۱۷۵، کتاب ایمان وکفر، باب التراحم والتعاطف، حدیث ۴۔
۲۹۔ اصولِ کافی جلد۲ ص ۱۷۵، کتاب ایمان وکفر، باب التراحم والتعاطف، حدیث ۲۔
۳۰۔ ص - ۳۱۹
۳۱۔ اس شخص کی حالت پر وائے ہو جس کی شفاعت کرنے والے ہی اس کے دشمن ہوں۔
۳۲۔ بحار جلد۴ ص ۳۲۷، کتاب النبوۃ، باب ۲۱، حدیث ۴۷۔
۳۳۔ اس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔
۳۴۔ المحجۃ البیضا جلد۵ ص ۲۶۰، کتاب آفات اللسان۔
۳۵۔ بحار جلد۷، ص ۲۳۶، کتاب العشرۃ، باب ۶۶، حدیث ۱۔
۳۶۔ وسائل الشیعہ، جلد۸ ص ۶۰۰، ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۲، حدیث ۱۲۔
۳۷۔ وسائل الشیعہ جلد۸ ص ۶۰۶ ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۶ حدیث ۱۔
۳۸۔ وسائل الشیعہ جلد۸ ص ۶۰۷، ابواب احکام العشرۃ، باب ۱۵۶، حدیث ۵
۳۹۔ کتاب المکاسب ص ۴۶، ۴۷، مکاسب محرمہ شمارہ ۱۴۔
۴۰۔ کشف الریبۃ فی احکام الغیبۃ، ص ۸، ۹ در اقسام غیبت
۴۱۔ اصولِ کافی جلد۲، ص ۳۴۳، کتاب ایمان وکفر، باب ذی اللسانین، حدیث ۱۔

بیسویں حدیث

«بالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إلى الشَّيخِ الثِّقةِ الجليلِ، مُحمَّد بن يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، قُدِّسَ سرُّهُ، عَنْ عليِّ بن إبراهيمَ، عَنْ أبِيهِ، عَنِ الْقاسِمِ بن مُحمَّدٍ، عَنِ الْمِنْقَرِيِّ، عَنْ سُفْيانَ بْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ أبي عَبْدِاللّه، عَلَيْهِ السَّلامُ، في قَوْلِ اللّهِ تَعالى: «لِيَبْلُوَكُمْ أيُّكُمْ أحْسَنُ عَمَلاً.»[1] قالَ لَيْسَ يَعْني أكْثَرَكُمْ عَمَلاً، وَلكِنْ أصْوَبَكُمْ عَمَلاً. وَإنَّما الإصابَةُ خَشْيَةُ اللّهِ وَالنِّيَّةُ الصّادِقَةُ وَالْخَشْيَةُ. ثُمَّ قالَ اَلإبْقاءُ عَلَى الْعَمَلِ حَتّى يَخْلُصَ أشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ. وَالْعَمَلُ الْخالِصُ، الَّذي لا تُريدُ أنْ يَحْمَدَكَ عَلَيْهِ أحَدٌ إلاّ اللّهُ تَعالى؛ وَالنِّيَّةُ أفْضَلُ مِنَ الْعَمَلِ. ألا، وَإنَّ النِّيَّةَ هِيَ الْعَمَلُ. ثُمَّ تَلا قَوْلَهُ عَزَّ وَجَلَّ: «قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلى شاكِلَتِهِ»[2] يَعْني عَلى نِيَّتِهِ.»[3]

ترجمہ: خداوند عالم کے اس قول: "لِيَبْلُوَكُمْ أيُّكُمْ أحْسَنُ عَمَلاً" (تاکہ آپ کا امتحان کرے کہ آپ میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے) کی تفسیر میں سفیان نے حضرت امام جعفر صادقؑ کا قول

نقل کیا ہے۔ کہ خدا کا مقصد کثرتِ عمل نہیں ہے بلکہ اس کی مراد حسنِ عمل ہے اور یہ درستگی خوفِ خدا اور اسی کے ساتھ سچی نیت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: برابر عمل کرتے رہنا یہاں تک کہ خلوص حاصل ہوجائے یہ عمل سے زیادہ مشکل ہے اور خلوصِ عمل کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی دوسرا تمھاری مدح نہ کرے۔ (سنو) نیت عمل سے افضل ہوا کرتی ہے۔ آگاہ ہوجاؤ (درحقیقت) یہی عمل ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی «قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ.» یعنی عَلٰی نِیَّتِہٖ" تم کہہ دو ہر شخص اپنے (اپنے) طریقہ پر کارگزاری کرتا ہے۔ (یعنی اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔)

شرح: بلاء کے معنیٰ امتحان اور تجربہ کے ہیں۔ جیساکہ صحاح میں آیا ہے:

«بَلَوْتُهُ بَلْوى، کے معنیٰ جَرَّبْتُهُ اور اِخْتَبَرْتُهُ کے ہیں (یعنی میں نے اس کا تجربہ اور اختبار کیا) وَبَلاهُ اللّٰهُ بَلاءً، وَأَبْلاهُ إبْلاءً حَسَناً. وَابْتَلاهُ، أي اِخْتَبَرَهُ.»[4]

"اَيُّكُمْ" علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے یہ "لِيَبْلُوَكُمْ" کا دوسرا مفعول ہے اور "لِيَبْلُوَكُمْ" علم کے معنیٰ پر متضمن ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ اَیّ استفہامیہ فعل کو عمل کرنے سے معلق کردیتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ: "اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً" مبتدا و خبر سے مل کر جملہ ہے اور معناً فعل (بلویٰ) کا مفعول ہے۔ البتہ اگر اَیّ کو موصولہ مان لیا جائے تو علامہ مجلسیؒ کا کلام صحیح ہے۔ مگر اَیّ کا استفہامیہ ہونا اظہر ہے۔

صواب، خطا کا نقیض ہے جیساکہ جوہری نے کہا ہے۔

خشیہ: اور حدیث میں جو دوسری مرتبہ لفظ خشیہ آیا ہے جیساکہ بعض نسخوں میں ہے۔ اس کے بارے میں علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے کہ (اس کا وجود) نہیں ہے[5] اور اگر ہو تو اس میں کئی احتمالات ہیں اظہر یہ ہے کہ "واؤ" بمعنی "مع" ہو شہید ثانیؒ کی اسرار الصلوۃ میں النیۃ الصادقۃ الحسنۃ منقول ہے۔[6]

الابقاء عمل: کا مطلب اس کی رعایت و محافظت ہے جیساکہ جوہری نے کہا ہے جب تم کسی کی رعایت کرو یا اس پر رحم کرو تو اس وقت بولا جاتا ہے۔ «أبقيتُ علىٰ فُلاَنٍ» شاکلہ کے معنیٰ طریقہ، شکل اور ناحیہ کے ہیں جیساکہ صحاح اور قاموس میں ہے۔ قاموس میں ہے: اَلشَّاكِلَةُ شکل، ناحیہ، نیت، طریقہ کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں جن چیزوں کی شرح ضروری ہوگی اُن کو ہم چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔

پہلی فصل

«تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً.»

جس (خدا) کے قبضہ میں (سارے جہان کی) بادشاہت ہے وہ بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل میں سب سے اچھا کون ہے۔ کی طرف اشارہ ہے۔

محقق مجلسیؒ فرماتے ہیں: اس آیت کی دلالت اس بات پر ہے کہ موت امر وجودی ہے اور اس موت سے مراد یا تو وہ موت ہے جو زندگی پر طاری ہوتی ہے اور یا پھر عدم اصلی مراد ہے انتھیٰ۔

آیۂ شریفہ کا اس مطلب پر دلالت کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ بالذات خلق کا تعلق موت سے ہو۔ لیکن اگر بالعرض متعلق ہے تو پھر دلالت نہیں ہوگی جیسا کہ محققین کہتے ہیں اور اگر دلالت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو موت کے عدم اصلی ہونے کا احتمال بالکل ہی بے وجہ ہے۔ کیونکہ وجودی ہونا اور عدم اصلی ہونا دونوں جمع بین النقیضین ہے۔ حالانکہ موت کو فی حدِ ذاتہ عدم اصلی جاننا صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق یہ ہے: موت یا تو نشۂ ظاہرۂ ملکیہ سے نشۂ باطنیۂ ملکوتیہ کی طرف انتقال کا نام ہے یا پھر حیات اولی مُلکی کے بعد حیات ثانوی ملکوتی کا نام موت ہے اور ان دونوں صورتوں میں موت امر وجودی ہے۔ بلکہ وجود ملکی سے اتم ہے۔ کیونکہ حیات ملکی دنیوی موادِ طبیعیۂ میتہ سے مخلوط و ممزوج ہے اور ان مواد کی زندگی عرض زائل ہے۔ برخلاف حیاتِ ذاتی ملکوتی کے کہ وہاں پر نفوس کو استقلال حاصل ہو جائے گا اور وہی دارِ حیات اور لوازمِ حیات ہے اور ابدانِ مثالی برزخی کا قیام ان کے ساتھ بطور قیام صدوری بہ نفوس ہے جیسا کہ اس بات کو اس کے مناسب مقام پر تحریر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حیاتِ ملکوتی۔ اسی کو موت کہتے ہیں تاکہ سننے والوں کو بار نہ محسوس ہو۔ ہی جعل و خلقت کا متعلق ہوتی ہے اور یہی ذاتِ مقدس کے تحت قدرت ہے۔

خدا کے لئے ابتلا کی توجیہ

اختبار اور امتحان کا مطلب اور خداوندِ عالم کی طرف اس کے نسبت کی کیفیت اس طرح ہے کہ ذاتِ مقدس پہ جہالت لازم نہ آئے اور تاویلات و تکلفات کا محتاج بھی نہ ہو۔ اس کا ذکر (اگرچہ ہم بعض احادیث کی شرح کرتے ہوئے ذکر کر چکے ہیں ۹ (پھر بھی) بطورِ اجمال اس کی طرف اشارتاً ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

ابتدائے فطرت و خلقت میں انسانی نفوس سوائے استعداد محض اور نفس قابلیت کے کچھ نہیں ہوتے (اس وقت) ہر قسم کی شقاوت و سعادت کی فعلیت سے محروم ہوتے ہیں اور پھر جب حرکاتِ طبیعہ جوہریہ اور فعلیۂ اختباریہ کے زیر تصرف واقع ہوتے ہیں۔ تب ان کی استعدادِ فعلیت سے بدل جاتی ہے اور تمیزات حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد حیات مُلکی میں شقی و سعید اور غش و سمین (کھوٹا کھرا) کے درمیان امتیاز پیدا ہوتا ہے اور تخلیقِ حیات کا مقصد بھی نفوس میں امتیاز اور ان کا اختبار ہوتا ہے۔ اسی سے پتہ چل گیا کہ خلق ہی کے اوپر امتحان کا دارمدار ہے اب رہا تخلیقِ موت کا مسئلہ تو وہ بھی ان امتیاز میں دخیل ہوتا ہے بلکہ جزء علتِ اخیر ہوتا ہے۔ کیوں کہ فعلیات کا میزان انسان کی وہ آخری صورتیں ہوتی ہیں جن پر انسان منتقل ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آخرت کی ملکوتی صورتیں امتیازات کا میزان ہوا کرتی ہیں اور یہ حرکات جوہریہ اور اختیاریۂ دنیویہ ملکیہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ موت و حیات کی تخلیق ہی پہ بغیر کسی جہالت کے امتحان و اختبار مرتب ہوا کرتا ہے۔ البتہ اعتراض کا پوری طرح برطرف ہو جانا یہ بات علم "ذاتی" قبل الایجاد اور علم "فعلی" مع الایجاد کی تفصیل سے مربوط ہے۔ جو اس کتاب کے مقصد سے خارج ہے۔

اور یہ جو "أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً" فرما کر امتحان کو اچھے اعمال سے مربوط کیا ہے اس کی بھی بازگشت اسی معنیٰ کی طرف ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ بنابریں حدیث شریف میں اصوبیت کو خشیت اور نیت صادقہ کی طرف ارجاع فرمایا ہے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ احسنیت کی تفسیر اصوبیت سے کی گئی ہے اور یہ سب نفس کی باطنی صورتیں اور روح کے واقعی امتیازات کی مورد ہیں اور یا پھر اس لئے کہ امتیازاتِ غیبیۂ ذاتیہ کے مظاہر ہیں۔ بلکہ اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ قلب اور باطن

ظاہری اعمال سے متاثر ہوتے ہیں۔ جیساکہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ نیز یہ امتیازات بھی اعمال کے واسطہ سے واقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا اعمال کا امتحان ذاتیات کا بھی امتحان ہے۔

اور اگر ہم تفسیر امام علیہ السّلام سے قطع نظر کرتے ہوئے آیہ شریفہ کو اس کے ظاہر پر حمل کریں تب بھی امتحان اسی معنیٰ مذکور کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ نشۂ دُنیا میں حصول اور تخلیقِ موت وحیات ہی اعمالِ حسنہ و قبیحہ کے امتیاز کا موجب ہے۔ خلقتِ حیات والی بات تو معلوم ہے۔ اب رہا مسئلہ موت تو زندگانی دنیا کے عدم ثبات کا علم اور اس نشۂ فانیہ سے انتقال کا حصول انسانی اعمال میں فرق کا باعث ہوتا ہے اور امتیازات کا سبب بنتا ہے۔

دوسری فصل

خشیت و نیّت صادقہ صوابِ عمل کے باعث ہیں

یہ سمجھ لیجئے کہ اس حدیث شریف میں اچھے اور نیک عمل کو دو بنیادوں پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ عمل کے کامل ہونے اور مکمل ہونے کو انھیں دونوں پر موقوف کیا گیا ہے۔

۱۔ خدا سے خوف و خشیت۔

۲۔ نیّت صادقہ اور ارادۂ خالصہ۔

اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ان دونوں اصلوں کے کمالِ عمل، صوابِ عمل اور درستی سے ارتباط کو بیان کریں۔

لہٰذا ہم عرض کرتے ہیں خداوندِ عالم سے خوف و ڈر نفوس کے اندر تقویٰ و پرہیزگاری پیدا کرنے کا سبب ہے اور یہ باعث ہوتا ہے کہ آثارِ عمل کو زیادہ (سے زیادہ) قبول کیا جائے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس سے پہلے بعض احادیث کی شرح میں ہم نے ذکر کیا ہے۔(۱) کہ ہر عمل چاہے وہ اچھا ہو یا بُرا نفس کے اندر ایک اثر پیدا کرتا ہے۔ اب اگر وہ عمل عبادات و مناسک میں سے ہے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ فطری قوتوں کو عقلی طاقتوں کے تابع بنا دیتا ہے اور نفس کے ملکوتی پہلو کو ملک پر قاہر و قادر بنا دیتا ہے اور طبیعت کو روحانیت کے تابع کر دیتا ہے یہاں تک کہ پھر وہ اس منزل تک پہونچ جاتا ہے کہ روحانی جذبات اس کے قابو میں ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے مقصد اصلی

تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔ اب جس عمل کے اندر یہ اثر زیادہ ہوتا ہے وہ اس خدمت کو بہتر طریقہ سے انجام دیتا ہے اور صحیح تر ہوتا ہے اور اصلی مقصد اس پر اچھی طرح مرتب ہوتا ہے اور جو بھی چیز اس تاثیر میں داخل ہوگی وہ اصابتِ عمل کی ضامن ہوگی اور غالباً افضلیت اعمال کے لئے یہی چیز میزان ہے اور حدیثِ معروف اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَحْمَزُهَا ۱۲ (سب سے دشوار عمل سب سے افضل ہے) کو بھی اسی نکتہ پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔

اس مقدمہ کے معلوم ہوجانے کے بعد یہ جان لینا چاہیئے کہ تقویٰ نفوس کو کدورت اور آلائش سے صاف و پاک کر دیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب صفحۂ نفوس معاصی اور کدورتوں کے حجاب سے صاف ہوگا تو اعمالِ حسنہ کا اس میں زیادہ اثر ہوگا اور اصابۂ غرض بھی بہتر طریقہ سے ہوگا اور عبادتوں کا عظیم راز جو طبیعت کی ریاضت اور ملک پر قبضۂ ملکوت اور نفس کے ارادۂ فاعلہ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے اس کا نفوذ بہت اچھی طرح سے انجام پائے گا۔ اس لئے خوفِ خدا کو۔ جو نفوس کے تقویٰ میں مؤثر تام ہے۔ اصلاحِ نفوس کا ایک عظیم عامل اور اصابۂ اعمال اور ان کے حسن و کمال میں دخیل سمجھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ تقویٰ علاوہ اس کے خود مصلح نفس ہے۔ انسان کے قلبی اور قالبی اعمال میں موثر اور اعمال کے قبولیت کا سبب بھی ہے جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے: «اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ.» ۱۲ خدا فقط متقین (کے اعمال) کو قبول کرتا ہے۔

اصابۂ اعمال اور کمال اعمال میں دوسری اہم چیز جو درحقیقت بمنزلہ قوتِ فاعلہ کے ہے۔ وہ سچی نیت اور خالص ارادہ ہے (اس لئے کہ) عبادتوں کا کمال یا نقص، فساد یا صحت اسی کے تابع ہے۔ (دیکھئے خوف و خشیت خدا اور اس سے حاصل ہوتے والا تقویٰ بمنزلہ شرائط تاثیر ہے اور درحقیقت یہ اعمال کو صاف و خالص بناتے ہیں اور موانع کو دور کرتے ہیں) چنانچہ عبادتیں جتنی تشریک اور نیتوں کی ملاوٹ سے خالص ہوں گی اتنی ہی کامل ہوں گی۔ عبادتوں کے اندر نیت اور خلوصِ نیت سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ کیونکہ نیتوں کی نسبت عبادتوں سے وہی ہے جو روح کو بدن سے اور نفس کو جسم سے ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے ان کا ہیکل مقام ملک نفس و بدن سے صادر ہوتا ہے اور ان کی نیت و روح باطن کے پہلو اور مقام قلب سے صادر ہوتی ہے۔ کوئی بھی عبادت جس میں خلوص نیت نہ ہو وہ مقبولِ خدا نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ریا اور شرک ظاہری ملک سے خالص نہ ہوگی۔ ریا سے مراد وہی ہے جس کو فقہا رضوان اللہ علیہم نے ذکر کیا ہے تو موجب

بطلان اور علی الظاہر غیر مجزی ہے اور اگر شرک باطنی سے خالص نہ ہوگی چاہے ظاہری شرع کے اعتبار اور حکمِ فقہی کے لحاظ سے صحیح و مجزی ہو تو باطن شرع کے اعتبار سے اور عبادتوں کی حقیقت واسرار کی بنا پر نہ صحیح ہوگی اور نہ ہی پیشگاہ قدس میں مقبول ہوگی۔ لہٰذا صحت عبادت اور اس کی قبولیت میں کوئی تلازم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے عبادت صحیح ہو مگر مقبول نہ ہو۔ چنانچہ روایات میں بھی یہ مطلب مذکور ہے۔ ۱۴

شرک در عبادات کی ایک ایسی جامع تعریف جو اس کے تمام مراتب کو شامل ہو یہ ہے: غیرِ خدا کی مرضی کو اس میں شامل کرنا چاہے وہ اپنی مرضی ہو یا دوسروں کی ہو۔ بس اتنا فرق ہوگا کہ اگر دوسروں کی مرضی شامل ہے تو یہ شرک ظاہری اور فقہی ریا ہے اور اگر اپنی مرضی شامل ہو تو وہ شرکِ خفی و باطنی ہے اور اہلِ معرفت کی نظر میں باطل و ناچیز ہے اور مقبولِ درگاہ خدا نہیں ہے۔ مثلاً کوئی نمازِ شب وسعتِ رزق کے لئے پڑھتا ہو یا صدقہ بلاؤں کے دور کرنے کے دیتا ہو یا زکوٰۃ مال میں بڑھوتری کے لئے دیتا ہو یعنی یہ سارے امور خدا کے لئے کرتا ہو اور اس کی عنایتوں سے ان چیزوں کا طلبگار ہو تو یہ عبادتیں اگرچہ صحیح اور مجزی ہیں اور اس کے شرعی اجزاو شرائط کے ساتھ بجالانے سے اس کے آثار بھی اس پر مرتب ہوں گے۔ لیکن (در حقیقت) یہ خدا کی عبادت نہیں ہے اور نہ اس کے اندر سچی نیت اور خالص ارادہ ہے۔ بلکہ یہ عبادتیں تو دنیا کو آباد کرنے کیلئے اور دنیاوی نفسانی مطالب کو حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ لہٰذا اس کا عمل صواب سے خالی ہے۔ جیسے اگر کوئی جہنم کے خوف یا جنت کی شوق میں عبادت کرے تو یہ بھی خالص خدا کے لئے نہیں ہے اور نہ اس میں نیت صادقانہ ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبادتیں خالص شیطان اور نفس کے لئے ہیں اور ایسی عبادت کرنے والے نے کسی بھی عنوان سے رضائے الٰہی کو اس میں داخل نہیں کیا ہے تا کہ تشریک ہوتی۔ بلکہ یہ تو سب سے بڑے بُت کی بُت پرستی ہے۔ "تمام بتوں کا بُت تو خود تمہارا نفس ہے۔" ۱۵

خداوندِ عالم نے اپنی رحمت واسعہ اور ہمارے ضعف کی بنا پر اس قسم کی عبادتوں کو بھی قبولیت کا ایک مرتبہ بخشا ہے۔ یعنی ان عبادتوں پر بھی کچھ آثار مرتب کئے ہیں اور ان کے مقابلہ میں کچھ عنایتیں قرار دی ہیں کہ اگر انسان ظاہری شرائط اور حضور و اقبالِ قلب اور اس کے شرائطِ قبول کے ساتھ بجالائے تو اس کے تمام آثار اس پر مرتب کرتا ہے اور اپنے تمام وعدوں کو پوری کرتا ہے۔ یہ تو مزدوروں اور غلاموں کی عبادت کا حال ہے۔ لیکن آزاد لوگوں کی عبادت جو

صرف خدا کی محبت اور ذاتِ باری کو پانے کے لئے اہلِ عبادت واقع ہوتی ہے۔ جس کا محرک نہ خوفِ جہنم نہ شوقِ جنت ہوتا ہے وہ پہلے تو اولیا و احرار کا مقام ہے اور ان کے لئے جو مقامات و مدارج ہیں ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور وہ اس کتاب کے موضوع سے بھی خارج ہیں۔ جب تک نفس کو عبادت، عابد، معبود کی طرف توجہ رہے گی وہ عبادت خالص نہیں ہو سکتی۔ دل اغیار سے خالی ہو اور اس میں خدا کے علاوہ کسی اور کو راستہ نہ ملے تب وہ خالص ہوگا۔ چنانچہ کافی کی حدیث میں وارد ہے:

«قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ: «إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ.» قَالَ: اَلْقَلْبُ السَّلِيمُ الَّذِي يَلْقَى رَبَّهُ وَلَيْسَ فِيهِ أَحَدٌ سِوَاهُ. قَالَ وَ كُلُّ قَلْبٍ فِيهِ شِرْكٌ أَوْ شَكٌّ فَهُوَ سَاقِطٌ. وَإِنَّمَا أَرَادَ بِالزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا لِتَفْرَغَ قُلُوبُهُمْ لِلْآخِرَةِ.» [۱۶]

سابق حدیث کے راوی سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: "میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے قیامت کے بارے میں جو قولِ خدا ہے:

«يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ. إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ.» [۱۷]

" جس دن نہ تو مال ہی کچھ کام آئیگا اور نہ اولاد مگر جو شخص خدا کے سامنے (زنگاہوں سے) پاک دل لئے حاضر ہوگا (وہی فائدہ میں ہوگا) اس کے بارے میں پوچھا: تو حضرت نے فرمایا: قلبِ سلیم سے مراد یہ ہے کہ جو خدا سے اس حالت میں ملاقات کرے کہ اس میں خدا کے سوا کوئی نہ ہو اور فرمایا: جس دل میں شک یا تردید ہو وہ ساقط ہے اور یقیناً اس سے خدا نے دُنیا میں زہد مُراد لیا ہے تاکہ لوگوں کے دِل آخرت کے لئے فارغ ہوں۔" اور ظاہر ہے جس دل کے اندر غیر خدا ہو اور وہ شرک و شک سے بھرپور ہو چاہے شرکِ خفی ہو یا جلی وہ بارگاہِ الٰہی میں درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اسباب پر اعتماد کرنا اور غیرِ خدا کی طرف مائل ہونا (یہ سب) بھی شرکِ خفی سے ہے۔

یہاں تک کہ روایات میں ہے: "کسی مطلب کو یاد رکھنے کے لئے انگشتری کو بدلنا بھی شرکِ خفی ہے۔ [۱۸] غیرِ خدا کو دل میں راہ دینا بھی شرکِ خفی میں شمار ہوتا ہے اور خلوصِ نیّت کا مطلب اس ذاتِ مقدس کی منزل (یعنی دل) سے خدا کے علاوہ سب کو نکال باہر کرنا اور شک کے بھی مراتب ہیں، بعض کو شکِ جلی اور بعض کو شکِ خفی جاننا چاہیئے جو ضعفِ یقین و نقصانِ ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ غیرِ خدا پر مطلق اعتماد اور مخلوق کی طرف توجہ یہ ضعفِ یقین اور سستیِ ایمان کی علامت

لہ: حدیثِ وسائل میں احکام ملابس میں ہے اور صاحبِ وسائل نے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا ہے صرف عدد رکعات کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ منصوص ہے مگر سوقِ روایت کراہت کی شہادت دیتی ہے۔ (منہ عفی عنہ)

ہے جیسے امور میں تزلزل بھی اسی قسم سے ہے اور اخفائے شک کا مرتبہ توحید میں عدمِ تمکین اور حالتِ تلوین ہے۔ پس توحیدِ حقیقی کا مطلب کثرتوں، اضافتوں اور تعینات کا اسقاط کرنا ہے حد یہ ہے کہ کثرتِ اسمائی و صفاتی سے بھی اس کو خالی رکھا جائے اور اس میں ثبات و قرار ہی شک سے خالص ہونا ہے اور قلبِ سلیم سے مُراد وہ قلب ہے جو مطلق شرک و شک سے خالی ہو۔

اس حدیث شریف میں جو فرمایا ہے کہ: «وَإِنَّمَا أَرَادَ بِالزُّهْدِ» اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کے اندر زہد کا مطلب یہ ہے کہ رفتہ رفتہ کرکے دل اس سے منصرف و متنفر ہو جائے اور مقصودِ اصلی اور مطلوبِ واقعی کی طرف متوجہ ہو جائے۔

صدرِ حدیث سے پتا چلتا ہے آخرت سے مقصود دائرہ الوجود کا انتہائی درجہ اور انتہائے رجوع ہے اور مطلقِ آخرت سے بھی وہی مُراد ہے۔ بنابریں دنیا دائرۂ ظہور ہے اور اس میں زہد خلوصِ قلب از غیر حق کا مستلزم ہے۔ پس جس شخص کے دل میں غیر خدا ہوگا وہ اہلِ دُنیا سے ہے دُنیا سے زاہد نہیں ہے (اسی طرح) جو اغیار کی طرف متوجہ ہو چاہے وہ امور ملکی مادی میں سے ہو یا امورِ معنوی میں سے ہو اور چاہے صورِ اخروی ہوں یا کمالات و مدارج ہوں۔ (وہ بھی اہلِ دنیا میں سے ہے) اور (جو اہلِ دُنیا سے ہے) وہ آخرتِ حقیقی اور بہشت لقاء یہ بہشت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ سے محروم ہوگا۔ چاہے وہ دیگر معنوی کمالات کا حامل ہو اور بہشت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہو۔ (یہ ایسے ہی ہے) جیسے اہلِ دنیا دنیاوی اموال میں اور اس کے مقامات میں مختلف ہوا کرتے ہیں اور وہ مقامات اہل اللہ سے بہت ہی بعید اور دور ہیں۔

تیسری فصل

اخلاص کی تعریف

جان لو کہ یوں تو اخلاص کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ لیکن اصحابِ سلوک و معارف کے یہاں جو متداول ہیں ان میں سے بطورِ اجمال بعض کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ جناب عارف حکیم سالک خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرّہ فرماتے ہیں:

«اَلْإِخْلَاصُ تَصْفِيَةُ الْعَمَلِ مِنْ كُلِّ شَوْبٍ.» [۱۹] «اخلاص عمل کا ہر قسم کی ملاوٹ

سے صاف کرنا ہے۔ اس میں عمومیت ہے خواہ اپنی مرضی کی ملاوٹ شامل کرے یا کسی دوسرے مخلوق کی ملاوٹ۔

۲۔ شیخ اجل بہائیؒ سے منقول ہے کہ اصحابِ قلوب نے اخلاص کی بہت سی تعریفیں کی ہیں (مثلاً) «تَنْزِيهُ الْعَمَلِ أَنْ يَكُونَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فِيهِ نَصِيبٌ.» عمل کو اس بات سے پاک کرنا کہ اس میں غیرِ خدا کا کوئی حصہ ہو۔ یہ تعریف پہلی تعریف جیسی ہے۔ «وَقِيلَ: أَنْ لاَ يُرِيدَ عامِلُهُ عَلَيْهِ عِوَضاً فِي الدَّارَيْنِ.» [۲۰] "اس کا عامل دُنیا و آخرت میں کسی عوض کی خواہش نہ رکھتا ہو۔"

۳۔ صاحب غرائب البیان سے منقول ہے کہ "مخلص وہ لوگ ہیں جو خدا کی عبادت کرنے میں نہ اپنی عبودیت دیکھیں نہ عالم واہلِ عالم کی عبودیت دیکھیں اور حدِ عبودیت سے مشاہدۂ ربوبیت کی طرف تجاوز نہ کریں۔ پس جس وقت بندہ سے اس کے حظوظِ فرش سے عرش تک ساقط ہو جائیں اس وقت وہ راہِ دین کا سالک ہے اور یہ وہ طریق بندگی ہے اور طریقِ عبودیت ہے جس میں شہودِ روحِ جمالِ پروردگار کے مشاہدہ کی وجہ سے حوادث کے دیکھنے سے خالص ہو اور یہ وہی دین ہے جس کو خدا نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور غیرِ حق سے خالص کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

«أَلاَ لِلّٰهِ الدِّينُ الْخالِصُ.» [۲۱] "آگاہ ہو جاؤ کہ عبادت تو خاص خدا ہی کے لئے ہے"

اور دینِ خالص وہ نورِ قدم ہے جو نورِ عظمت و وحدانیت کے بیابان میں حدوث کے فنا ہو جانے کے بعد بھی رہتا ہے۔ گویا کہ خدا نے اپنے بندوں کو بطور تنبیہ و اشارہ اپنے راز کو اغیار سے اسکی خالص کردینے کی طرف اپنے اقبال کی خاطر ان کو دعوت دی ہے۔

۴۔ شیخ محقق محی الدین عربی [۲۲] سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا ہے:

«أَلاَ، لِلّٰهِ الدِّينُ الْخالِصُ عَنْ شَوْبِ الْغَيْرِيَّةِ وَالْأَنانِيَّةِ؛ لِأَنَّكَ لِفَنائِكَ فِيهِ بِالْكُلِّيَّةِ فَلاَ ذاتَ لَكَ وَلاَ صِفَةَ وَلاَ فِعْلَ وَلاَ دِينَ وَإِلاَّ لَما خَلُصَ الدِّينُ بِالْحَقِيقَةِ فَلاَ يَكُونُ لِلّٰهِ.» [۲۳]

"خدا ہی کے لئے وہ دینِ خالص ہے جس میں غیریت و انانیت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تم اس میں بالکلیہ فنا ہو چکے ہو۔ نہ اس میں تمھاری کوئی ذات ہے نہ صفت ہے۔ نہ فعل ہے نہ دین ہے اور اگر ایسا ہوا (یعنی کسی بھی قسم کی ملاوٹ ہوئی) تو در حقیقت دین خالص نہ ہوا اور پھر وہ اللہ کے لئے نہ ہوا۔"

(یعنی) جب تک غیریت، انانیت، عبودیت کے رسوم باقی ہیں اور عابد، معبود، عبادت، اخلاص اور دین کا سوال ہے۔ انانیت و غیریت کا شائبہ ہے اور اربابِ معرفت کے نزدیک یہ شرک ہے۔ اہلِ خلوص کی عبادت تجلیاتِ محبوب کا نقشہ ہے۔ ان کے دلوں میں ذاتِ وحدانیت کے علاوہ کسی کے لئے راستہ نہیں ہے اور حالانکہ افق امکان، وجوب سے متصل ہے۔ اور تدلی ذاتی اور قربِ مطلقِ حقیقی ان کے لئے ظاہر ہے، رسومِ غیریت بالکلیہ مرتفع ہے اس کے باوجود وہ لوگ تمام وظائف عبودیت کو پورا کرتے ہیں۔ ان کی عبودیت غور و فکر سے نہیں ہے بلکہ ان کی عبودیت تجلی سے ہے۔ چنانچہ اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے نمازِ شب معراج رسولؐ ہے۔

چوتھی فصل

عمل کے بعد کا اخلاص

جان لو حدیث میں جو آیا ہے:

«اَلْإِبْقَاءُ عَلَى الْعَمَلِ حَتّٰى يَخْلُصَ أَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ.» عمل کی تکرار کرتے رہنا یہاں تک کہ وہ خالص ہو جائے یہ خود عمل سے زیادہ سخت ہے۔ اس سے انسان کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ انسان اپنے کئے جانے والے اعمال کی مراعات و مواظبت کرے خود عمل کرتے وقت اور عمل انجام دینے کے بعد بھی کیونکہ کبھی انسان عمل کو بغیر کسی عیب و نقص کے بجالاتا ہے اور وہ عمل ریا اور عُجب سے خالی بھی ہوتا ہے لیکن عمل کے بعد اس کا ذکر کرنے سے ریا میں مبتلا ہو جاتا ہے جیسا کہ کافی کی حدیث شریف میں ہے:

«عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَنَّهُ قَالَ اَلْإِبْقَاءُ عَلَى الْعَمَلِ أَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ. قَالَ وَمَا الْإِبْقَاءُ عَلَى الْعَمَلِ؟ قَالَ يَصِلُ الرَّجُلُ بِصِلَةٍ وَيُنْفِقُ نَفَقَةً لِلّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، فَكُتِبَ لَهُ سِرّاً؛ ثُمَّ يَذْكُرُهَا فَتُمْحٰى، فَتُكْتَبُ لَهُ عَلَانِيَةً؛ ثُمَّ يَذْكُرُهَا فَتُمْحٰى، فَتُكْتَبُ لَهُ رِيَاءً.» ۲۲

حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: عمل کی رعایت عمل سے زیادہ

سخت ہے۔ راوی نے پوچھا: حضور مراعات عمل کیا ہے؟ فرمایا: انسان صلہ (رحم) کرتا ہے، خدائے واحد لاشریک کے لئے انفاق کرتا ہے۔ یعنی عمل میں ریاکاری نہیں کرتا، پس وہ عمل اس کے لئے پوشیدہ طور سے لکھ لیا جاتا ہے اور اس کا ثواب بھی پوشیدہ طور سے اس کو دیدیا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے عمل کو (آشکارا) ذکر کرتا ہے۔ پس اس کو محو کر دیا جاتا ہے اور آشکارا لکھ لیا جاتا ہے۔ (یعنی اس کو عبادت کا ثواب آشکارا دیتے ہیں) اس کے بعد وہ پھر اس عمل کا ذکر کرتا ہے تو اس (ثواب) کو مٹا کر اس کے لئے ریا لکھ دیا جاتا ہے۔

انسان اپنی آخری عمر تک نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ نہیں ہے۔ اس کو یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اگر کسی عمل کو رضائے خدا کے لئے بجالایا ہے۔ جس میں مخلوق کی رضامندی کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے تو اب وہ نفس خبیث کے شر سے محفوظ ہو گیا۔ اگر وہ اس سے مواظبت و مراقبت نہ کرے تو یہ امکان رہتا ہے کہ نفس اس کو اس کے اظہار پر آمادہ کر دے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اشارتاً و کنایتاً اس کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً اپنی نماز شب کو لوگوں کو بتانا چاہتا ہے تو بڑی ہوشیاری اور چاپلوسی سے اپنی اچھی یا بری محبت کا ذکر، سحر (خیزی) و مناجات یا اذان مردم کے لئے کرتا ہے اور نفس کی پوشیدہ مکاری سے اپنے عمل کو برباد اور درجۂ اعتبار سے گرا دیتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ایک طبیب اور مہربان تیماردار کی طرح اپنے حال کی نگرانی کرے اور نفس سرکش کے مہار کو ہرگز ڈھیل نہ دے کیونکہ ذرا سی غفلت پر وہ مہار کو تڑا کر انسان کو خاک مذلت و ہلاکت میں ملا دیتا ہے۔ بہرحال خدا کی پناہ حاصل کرنی چاہیے نفس امارہ و شیطان کے شر سے۔ (واقعی) «إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي.» ۲۵ "یقیناً نفس برائی کی طرف ابھارتا ہی رہتا ہے۔ مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے (اور گناہ سے بچائے)

یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ نیت کو شرک کے تمام مراتب اور ریا وغیرہ سے خالص رکھنا، اس کی مراقبت کرنا اور اسی پر باقی رہنا یہ بہت ہی اہم اور مشکل امور میں سے ہے۔ بلکہ اس کے بعض مراتب تو خالص اولیا کے علاوہ کسی کو میسر و ممکن بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ نیت اس ارادہ کو کہتے ہیں جو عمل پر ابھارتا ہے اور وہ غایات اخیرہ کے تابع ہوا کرتا ہے اور یہ غایات ملکات نفسانیہ کے تابع ہوا کرتے ہیں جو انسان کی باطن ذات اور عادت کو تشکیل دیا کرتے ہیں۔ (اب مثلاً اگر) کوئی شخص حب جاہ و ریاست کا دلدادہ ہے اور یہ محبت ملکہ نفسانیہ بن چکی ہے اور اس کے روح کی عادت ہو چکی ہے۔ (اس کے رگ و پے میں سما گئی ہے) تو اس کا سب سے بڑا مقصد اس

مقصود و مطلوب تک پہونچنا ہے اور اس سے سرزد ہونے والے تمام اعمال اسی غایت کے تابع ہوں گے اور اس کا داعی و محرک وہی مطلوب نفسانی ہوگا اور اس کے اعمال اسی مقصد تک پہونچنے کے لئے صادر ہوں گے (اس لئے) جب تک یہ محبت اس کے دل میں ہے اس کا عمل خالص نہیں ہو سکتا۔ (اسی طرح) جس کے نفس کی عادت حُبِّ نفس و ملکہ کی خود خواہی ہوگی اور یہ چیز اس کے نفس کی دلدادہ بن چکی ہوگی تو پھر اس کا انتہائی مقصد اور آخری مطلوب خواہشاتِ نفسانیہ تک رسائی ہوگا اور اس کا محرک و داعی تمام اعمال کے اندر یہی چیز ہوگی۔ خواہ اس کے اعمال دنیاوی مطلوب کے حصول کے لئے ہوں یا حور و قصور و جنت و نعماتِ جنت کے حصول کے لئے اخروی مطلوب ہوں۔ بلکہ جب تک انانیت و خود خواہی و خود بینی درمیان میں ہے۔ چاہے وہ روحانی معارف و کمالات کے لئے بھی کوئی اقدام کرے گا یا قدم بڑھائے گا تب بھی وہ اپنے اور اپنی نفسانیت ہی کے لئے ہوگا۔ اور وہ بھی خود خواہی ہے۔ خدا خواہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ خود خواہی و خدا خواہی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اگر وہ خدا کو بھی چاہے گا تو اپنے لئے چاہے گا اور اس کا آخری مقصد اور آخری مطلوب خود وہ اور اس کی نفسانیت ہوگی۔

پس اس سے معلوم ہوگیا کہ مطلق شرک سے نیّت کا خالص ہونا بہت مشکل کام ہے جو ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اور اعمال کا کامل یا ناقص ہونا نیتوں کے کمال و نقص کے تابع ہے اس لئے کہ نیّت ہی عمل کی صورت فعلی اور جنبۂ ملکوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور اس حدیث «وَالنِّيَّةُ أَفْضَلُ مِنَ الْعَمَلِ. أَلَا، وَإِنَّ النِّيَّةَ هِيَ الْعَمَلُ.» "نیت عمل سے افضل ہے بلکہ تمام نیت حقیقت عمل ہے" میں انھیں مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور یہ حدیث مبالغہ پر مبنی نہیں ہے جیسا کہ بعض علماء نے احتمال دیا ہے بلکہ یہ مبنی بر حقیقت ہے۔ اس لئے کہ نیّت ہی عمل کی صورت کاملہ اور اس کی فصل محصل ہے۔ اعمال کی صحت و فساد، کمال و نقص کا مدار اسی نیّت پر ہے۔ چنانچہ (یہی وجہ ہے کہ) ایک ہی عمل کبھی تعظیم اور کبھی توہین کا سبب ہوا کرتا ہے اور کبھی تام اور کبھی ناقص ہوتا ہے۔ کبھی ملکوتِ اعلیٰ کی سنخ سے ہوتا ہے اور اچھی و جمیل صورت کا حامل ہوتا ہے اور کبھی ملکوت اسفل سے ہوتا ہے اور وحشت ناک و دہشت ناک صورت پر مشتمل ہوتا ہے۔ (مثلاً) حضرت علیؑ اور فلاں منافق کی نماز میں اجزاء و شرائط اور عمل کی ظاہری صورت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ کی نماز اپنے اس عمل کے ساتھ معراج الی اللہ تک پہونچتی تھی اور اس کی صورت ملکوتِ اعلیٰ کی ہوتی تھی اور اس منافق

کی نماز اس عمل کے ساتھ واصل جہنم ہوتی تھی اور اس کی صورت ملکوت اسفل کی ہوتی تھی اور شدتِ ظلمت کی وجہ سے اس کی کوئی تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

(اسی طرح) خاندان عصمت و طہارت کے لئے راہِ خدا میں چند جَو کی روٹیوں کو دیدینے کی وجہ سے خداوندِ عالم ان کی مدح میں آیتوں کو نازل کرتا ہے۔[۲۶]

جاہل تو یہ گمان کرتا ہے کہ دو تین دن روزے پر روزہ رکھنا اور اپنی غذا فقیروں کو دیدینا بہت ہی اہم بات ہے۔ حالانکہ صورت کے اعتبار سے ایسے اعمال دوسروں سے بھی ہوسکتے ہیں یہ کوئی اہم چیز نہیں۔ اس کی اہمیت تو دراصل قصد خالص اور نیت صادق کی وجہ سے ہے۔ روحِ عمل ایسی قوی و لطیف ہے اور ایسے قلبِ سلیم و صافی سے صادر ہوئی ہے جو اتنی اہمیت کی حامل ہوگئی۔ رسولِ خدا اور دوسرے لوگوں کی صورت میں ظاہراً کوئی فرق نہیں تھا اسی لئے بعض مسافر عرب اگر (جب رسولؐ مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے) پوچھا کرتے تھے تم میں سے رسولؐ کون ہے؟[۲۷] رسول خداؐ کو دوسروں سے۔ جو چیز ممتاز کرتی تھی وہ آپؐ کی بزرگ و لطیف و قوی روح تھی۔ نہ کہ جسم مبارک و بدن شریف اور علومِ عقلیہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی شئی کی شیئیت کا دارومدار اس کی صورت پر ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے مادہ پر! بلکہ فصل کے ذریعہ تعریف کرنا حدِ تام ہے اور جنس وفصل سے (حد) ناقص ہے۔ اس لئے کہ غریب اور اجنبی چیزوں سے مخلوط کرنا اور متضاد شئی سے کسی کی تعریف کرنا حقیقتِ تعریف کے لئے مُضر ہے اور تعریف کے تام ہونے کے بھی مخالف ہے اور مادہ و جنس کسی بھی شئی کی حقیقت کے اعتبار سے غریب و اجنبی ہوتے ہیں کیونکہ حقیقتِ شئی ہمیشہ صورت و فعلیت و فصل کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اعمال کی تمام حقیقت بھی وہی اعمال کی صورتیں اور ان کے ملکوتی پہلو ہوں گے جس کو نیت کہا جاتا ہے۔

لہٰذا اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امام صادقؑ نے اس حدیث میں پہلے اعمال کی صورتوں اور مادوں پر نظر ڈالی اور فرمایا: جزءِ صوری، جزءِ مادی سے افضل ہے اور نیت عمل سے افضل ہے جیسے ہم کہا کرتے ہیں روح بدن سے افضل ہے (مگر) اس کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ بغیر نیت کے عمل صحیح ہے (یا) بے روح والا بدن بدن ہے۔ بلکہ (اس کا مطلب ہے) عمل سے نیت کا تعلق ہوجانے کے بعد وہ ایک عمل بن جاتا ہے جیسے روح کا بدن سے متعلق ہونے کے بعد وہ بدن ہوجاتا ہے اور نیت و عمل اسی طرح روح و بدن سے مل کر جو معجون بنتا ہے اس کا جزءِ صوری ملکوتی، اس کے جزءِ مادی ملکی سے افضل ہوتا ہے اور مشہور حدیث «نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ

عَمَلِهِ.» ۲۸ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) کا بھی یہی مطلب ہے اور دوبارہ حضرت امام صادقؑ نے اس بات کی طرف نظر فرمائی کہ عمل نیت میں اور ملک ملکوت میں اور مظہر ظاہر میں فنا ہو جاتا ہے (لہٰذا) فرمایا: «أَلَا، وَإِنَّ النِّيَّةَ هِيَ الْعَمَلُ.» وہی عمل ہی نیت ہے اور بغیر نیت کچھ بھی نہیں ہے۔ سارے اعمال نیت میں فنا ہو جاتے ہیں ان میں ذاتی اعتبار سے استقلال نہیں ہے اس کے بعد حضرت نے پروردگارِ عالم کے اس قول: «قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ.» "ہر شخص اپنے اپنے طریقہ سے کارگزاری کرتا ہے۔" استشہاد فرمایا اور اعمال شاکلۂ نفس کے تابع ہوتے ہیں اور شاکلۂ نفس اگرچہ روح کی ہئیت باطنی اور اس کے ملکات مخمّرہ کا نام ہے۔ لیکن نیتیں نفس کی شاکلۂ ظاہری ہیں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملکاتِ شاکلۂ اولیہ نفس اور نیتیں شاکلۂ ثانویہ نفس ہیں اور اعمال انھیں کے تابع ہیں چنانچہ خود حضرت نے فرمایا: شاکلہ نیت ہے۔

اور اسی جگہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کا تمام مراتب شرک وریا وغیرہ سے خالص کرنا نفس اور اس کے ملکات کے اصلاح پر منحصر ہے کیونکہ یہی چیز تمام اصلاحات کا سرچشمہ اور تمام مدارج و کمالات کا منشا ہے۔ چنانچہ اگر انسان علمی اور عملی ریاضتوں کے ذریعہ دُنیا کی محبت کو دِل سے نکال دے تو پھر اس کے مقصد کی غایت دُنیا نہیں ہوگی اور اس کے اعمال شرک اعظم یعنی اہلِ دُنیا کی نظروں کو اپنی طرف جلب کرنا اور ان کی نظروں میں اہمیت حاصل کرنا سے خالص ہو جائیں گے اور خلوت و جلوت، سرّ و علن میں مساوی ہو جائیں گے اور اگر نفسانی ریاضتوں کے ذریعہ کوئی حُبِّ نفس کو اپنے دل سے خارج کر دے تو جس قدر بھی دل خود خواہی سے خالی ہوگا۔ اسی قدر خدا خواہ ہو جائے گا اور اس کے اعمال بھی شرکِ خفی سے پاک ہو جائیں گے اور جب تک حُبِّ نفس دل کے اندر ہے اور انسان نفس کے تاریک گھر میں ہے وہ مسافر الی اللہ نہیں ہے بلکہ مخلدین الی الارض میں سے ہے اور سفر الی اللہ کا پہلا قدم محبتِ نفس کا ترک کر دینا ہے اور اپنی انانیت اور سَر کے اوپر قدم رکھنا ہے اور سفر میں میزان یہی ہے۔

اور بعض علما کا خیال ہے کہ آیۂ شریفہ «وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ.» ۲۹ "اور جو شخص اپنے گھر سے جلاوطن ہو کے خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف نکل کھڑا ہوا پھر اسے (منزلِ مقصود تک پہونچنے سے پہلے) موت آجائے تو خدا پر اس کا ثواب لازم ہو گیا۔) کے معانی میں سے ایک معنی یہ ہے کہ جو شخص بیتِ نفس سے خارج ہو کر حق کی طرف معنوی سفر کرے اور اس کے بعد اس کو فنائے تام حاصل

ہو جائے تو اس کا اَجر خدا پر ہے ۲۰ اور ظاہر ہے کہ ایسے مسافر کا اَجر ذاتِ مقدس کا مشاہدہ اور اس کے حضور میں پہونچنے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اسی مطلب کو انھیں حضرات کی زبان میں اس طرح کہا گیا ہے:

"در ضمیر ما نمی گنجد بہ غیر دوست کس ہر دو عالم را بہ دشمن دہ کہ ما را دوست بس"

ہمارے دل میں دوست کے علاوہ کسی گنجائش نہیں ہے۔ دونوں عالم کو دشمن کے حوالہ کر دے میرے لئے تو صرف میرا دوست بس ہے۔

والسلام

بیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ سورۂ ملک آیت ۲۔

۲۔ سورۂ اسراء آیت ۸۴۔

۳۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۶ "کتاب الایمان والکفر" باب الاخلاص حدیث ۴۔

۴۔ بلوۃ بلوی "اس کا تجربہ کیا اس کو معرض امتحان و آزمائش میں لایا" اور بلاہ اللہ بلآءً وابلاہ ابلآءً حسناً وابتلاہ کے معنی "اس کا امتحان کیا"۔

۵۔ مرآۃ العقول جلد ۸، ص ۷۸ "کتاب الایمان والکفر" باب الاخلاص حدیث ۴۔

۶۔ مجلسیؒ نے بحار (جلد ۶۷ ص ۲۲۱) میں اس مطلب کو شہید ثانی کے نسخہ اسرار الصلوۃ سے نقل کیا ہے۔ لیکن متن چاپ شدہ (ص ۸) میں صرف "النیۃ الصادقۃ" آیا ہے۔

۷۔ سورۂ ملک آیت ۱، ۲

۸۔ مرآۃ العقول جلد ۸، ص ۷۷ "کتاب الایمان والکفر" باب الاخلاص حدیث ۴۔

۹۔ ص ۲۱۰

۱۰۔ ص ۲۳ - ۱۶۷

۱۱۔ ص ۱۶۲

۱۲۔ حدیث ۶، توضیح ۲۷۔

۱۳۔ سورۂ مائدہ آیت ۲۷۔

۱۴۔ وسائل الشیعہ جلد ۱ ص ۵۲، ۵۳ "کتاب الطہارۃ" ابواب مقدمۃ العبادات باب ۱۲ حدیث ۳ - ۱۱ مستدرک الوسائل جلد ۱ ص ۱۱۲ "کتاب الطہارۃ" ابواب مقدمۃ العبادات باب ۱۲ حدیث ۸۔

۱۵۔ مادر بتہابت نفس شماست زانکہ آں بت مار وایں بت اژدھاست مولوی

۱۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۶ "کتاب ایمان وکفر" باب الاخلاص، حدیث ۵ اور اس میں ایک جگہ اراد بالزھد کے بجائے ارادو الزہد آیا ہے۔

۱۷۔ سورۂ شعراء آیت ۸۸ - ۸۹

۱۸۔ قال ابو عبداللہ "اِنَّ الشِّرْکَ اَخْفیٰ مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ" شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے۔" حضرت نے فرمایا: وَمِنْهُ تَحْوِیْلُ الْخَاتَمِ لِیَذْکُرَ الْحَاجَةَ وَشِبْهُ هٰذَا۔ حضرت ہی نے فرمایا: اور انگوٹھی کو ایک (انگلی) سے دوسرے میں بدلنا تاکہ حاجت یاد آجائے یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ معانی الاخبار" باب نوادر المعانی" ص ۹۰۳ حدیث ۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۲ ص ۹۰۴، باب احکام الملابس، باب ۲۱۔

۱۹۔ منازل السائرین ص ۱۲، "قسم المعاملات"، باب الاخلاص۔

۲۰۔ اربعین ص ۱۵۹۔ حدیث ۲۷۔

۲۱۔ سورۂ زمر آیت ۲۔

۲۲۔ محمد بن علی بن محمد عربی (۵۶۰ - ۶۳۷ یا ۳۷ یا ۳۸) ساتویں صدی کے بزرگ ترین عارف اور قرون اسلامی کے بہت بڑے عارف تھے۔ وہ ابن عربی، محی الدین، شیخ اکبر کے نام سے مشہور تھے۔ عرفان میں ان کی کتابیں ان کے زمانہ سے آج تک تمام عرفا اور عرفان سے علاقہ رکھنے والوں کے لئے موردِ مراجعہ و بحث و تدریس و شرح و تفسیر ہیں۔ ان کی کتابوں کا بالخصوص فصوص کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ ہر زمانہ میں چند افراد ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکے ہیں تقریباً دو سو کتابیں ان کی طرف منسوب ہیں جن میں سب سے اہم فتوحات مکیہ، فصوص الحکم "التجلیات الالہیۃ" انشاء الدوائر، تفسیر قرآن ہیں۔ فصوص کا شمار اصلی اور اہم ترین درسی کتابوں میں ہوتا ہے۔ جس پر بڑے بڑے عرفا نے شرح و حواشی لکھے ہیں۔ خود امام خمینی قدس سرہ کے فصوص پر بہت ہی نفیس حواشی ہیں۔

۲۳۔ اس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

۲۴۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۹۷ "کتاب ایمان وکفر" باب الریا حدیث ۱۶۔

۲۵۔ سورۂ یوسف آیت ۵۳۔

۲۶۔ سورۂ دھر آیت ۵ - ۲۲۔

۲۷۔ بحار جلد ۱۶، ص ۲۲۹۔ تاریخ نبینا، باب مکارم اخلاقہ وسیرہ، حدیث ۳۵۔

۲۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۸۴ "کتاب ایمان وکفر"، باب النیۃ، حدیث ۲۔

۲۹۔ سورۂ نساء آیت ۱۰۰۔

۳۰۔ میبدی نے تفسیر کشف الاسرار (جلد ۲ ص ۶۶۳) پر اس آیت کے بارے میں یہی گفتگو کی ہے۔

اکیسویں حدیث

«بالسَّنَدِ المُتَّصلِ إلى حُجَّةِ الْفِرْقَةِ وَ إمامِهِمْ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوب الكُلَيْنِيِّ، كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ، عَنْ حَميدِبْنِ زِيادٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِبْنِ سُماعَةَ، عَنْ وُهَيْبِ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ أَبي بَصِيرٍ، عَنْ أَبي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: كانَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، عِنْدَعائِشَةَ لَيْلَتَها؛ فَقالَتْ: يا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ تُتْعِبُ نَفْسَكَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَما تَأَخَّرَ فَقالَ: يا عائِشَةُ، ألا أكُونُ عَبْداً شَكُوراً؟ قالَ: وَكانَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُومُ عَلى أَطْرافِ أَصابِعِ رِجْلَيْهِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحانَهُ وَتَعالى: «طٰهٰ. ما أَنْزَلْنا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقى.»[1]

ترجمہ: ابو بصیر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: حضرت رسولِ خداؐ عائشہ کے پاس رات کو ان کی باری میں تھے کہ عائشہ نے کہا: اے خدا کے رسولؐ جب خدا نے آپؐ کے گزشتہ اور آئندہ سارے گناہ معاف کر دیے ہیں

تو پھر آپ اپنے کو اتنی پریشانی میں کیوں ڈالتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ امام باقرؑ فرماتے ہیں: (در حقیقت) رسولِ خدا (راتوں کو نماز پڑھتے ہوئے) اپنے پیروں کی انگلیوں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔ تو خداوندِ عالم نے یہ آیت نازل فرمائی:

«طٰهٰ. ما أَنْزَلْنا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقىٰ.»[2]

"اے (میرے طیب وطاہر) رسولؐ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم اس قدر مشقت برداشت کرو۔"

شرح: قد غفر اللہ لک! یہ قرآن کے سورۂ فتح کی اس آیت:

«إِنّا فَتَحْنا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً. لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَما تَأَخَّرَ»[3]

"(اے رسولؐ یہ حدیبیہ کی فتح نہیں بلکہ) ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح اس لئے دی کہ خدا آپ (کی اُمت) کے اگلے اور پچھلے (تمام) گناہ معاف کر دے" کی طرف اشارہ ہے۔

یہ جان لیجئے کہ علمائے کرام نے اس آیت شریفہ کی ایسی توجیہات پیش کی ہیں جو عصمت حضرت رسولؐ سے منافات نہیں رکھتیں۔ علامہ مجلسیؒ نے جو توجیہات[4] پیش کی ہیں ان میں سے بعض کا میں یہاں پر ذکر کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہلِ معرفت نے اپنے حسبِ مسلک جو کچھ بیان کیا ہے اس کا بھی اجمالاً ذکر کروں گا۔

علامہ مجلسیؒ نے فرمایا: اس آیت کی تاویل میں شیعوں کے کئی اقوال ہیں۔

ا۔ ایک تو یہی ہے کہ اس سے مراد اُمت کے گناہ ہیں جو حضرت رسولؐ کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے اور گناہ کی نسبت جو آنحضرتؐ کی طرف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرتؐ اور ان کی اُمت میں جو اتصال ہے اس اتصال کی وجہ سے نسبت رسولؐ کی طرف دے دی گئی۔ اس احتمال کی تائید مفضل بن عمر کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل کی ہے:

«قالَ: سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ، فَقالَ: وَاللّٰهِ، ما كانَ لَهُ ذَنْبٌ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سُبْحانَهُ ضَمِنَ لَهُ أَنْ يَغْفِرَ ذُنُوبَ شِيعَةِ عَلِيٍّ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِمْ وَما تَأَخَّرَ»[5]

ایک شخص نے حضرت سے اسی آیت (ما تقدم الخ) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم رسولِ خداؐ نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن خداوندِ عالم نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ

حضرت علیؑ کے شیعوں کے گناہوں کو بخش دے گا خواہ وہ ماضی کے گناہ ہوں یا مستقبل کے۔

اور اس روایت سے بھی تائید ہوتی ہے:

وَرَوٰی عُمَرُبْنُ یَزِیْدَعَنْهُ، عَلَیهِ السَّلامُ، قَالَ: مَا کَانَ لَهُ ذَنْبٌ، وَلاَ هَمَّ بِذَنْبٍ؛ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَمَّلَهُ ذُنُوبَ شِیعَتِهِ ثُمَّ غَفَرَهَا لَهُ.»

حضرتؑ نے فرمایا: حضرت رسولؐ نے نہ تو گناہ کیا تھا اور نہ کبھی گناہ کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن خداوندِ عالم نے ان کے شیعوں کے گناہوں کو ان کے اوپر لاد کر ان کی وجہ سے بخش دیا۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: مسلکِ عرفان میں اس کی ایک اچھی توجیہ ہے جس کی طرف اجمالی اشارہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ اپنی جگہ پر یہ مسئلہ مسلم ہے کہ انسان کامل کی ذاتِ ثابت اسم اعظم "اللہ" ہے جو ائمہ اسما کا امام ہے۔ اس کے علاوہ دیگر موجودات انسانِ کامل کے سایۂ ذات ہیں جو خارج میں (بھی) اور علم کے اندر (بھی) مقرر ہے اور عالم تحقق وخارج میں موجود ہے۔ اس لئے دائرۂ وجود کے تمام اعیان ذاتِ انسان کا خارج میں مظہر ہیں اور عالمِ ظہور میں تمام موجودات اسی (ذاتِ انسان) کے جلال وجمال کا مظہر ہیں۔ اس لئے عالمِ تحقق میں جو نقص بھی واقع ہو اور (ان) مظاہر سے چاہے جس گناہ کا ارتکاب ہو خواہ وہ گناہ تکوینی ہو یا تشریعی بہ حکمِ ظاہر ومظہر یہ سب کے سب بطورِ حقیقت وبے شائبۂ مجاز ظاہر کی طرف منسوب ہیں اگرچہ «مَا أَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ»[6] اور جب تم کو کوئی تکلیف پہونچے تو سمجھو کہ) خود تمھاری بدولت ہے" اور قُلْ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ؛[7] (اے رسولؐ) آپؐ کہہ دیجئے سب خدا کی طرف سے ہے"۔ (یہ سب اپنی جگہ پر حقیقت ہے)

حدیثوں میں بھی اس مطلب کی طرف کافی اشارہ ہے چنانچہ ارشاد ہے: «نَحْنُ السَّابِقُونَ الْآخِرُونَ.»[8] "ہم ہی سب سے اوّل ہیں اور ہم ہی سب سے آخر ہیں" (نیز دوسری جگہ) ارشاد ہے: «آدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لِوَائِي یَوْمَ الْقِیَامَةِ.»[9] آدمؑ اور ان کے علاوہ دیگر انبیا قیامت کے دن (سب کے سب) میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور اسی طرح ارشاد ہے: «أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوحِي. یا. نُورِي»[10] "سب سے پہلے خدا نے ہماری روح یا ہمارے نور کو پیدا کیا" اور (نیز ارشاد ہے) «سَبَّحْنَا فَسَبَّحَتِ الْمَلاَئِکَةُ؛ قَدَّسْنَا فَقَدَّسَتِ الْمَلاَئِکَةُ.»[11] (جب) ہم نے تسبیح کی تو ملائکہ نے بھی تسبیح کی ہم نے تقدیس الٰہی کی پھر (ہم کو

دیکھ کر) ملائکہ نے تسبیح کی۔" اور (اسی طرح) فرماتے ہیں: «لَوْ لَانَا مَا عُرِفَ اللّٰهُ.» [12] "اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی معرفت نہ ہو سکتی) اور (حدیثِ قدسی میں) ارشاد ہے: «لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ.» [13] (اے رسولؐ) اگر تم کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا اور (یہ بھی) ارشاد ہے: «نَحْنُ وَجْهُ اللّٰهِ.» [14] "ہم ہی وجہ اللہ ہیں۔"

ایک حدیث میں ہے کہ رسولِ خدا بمنزلہ درخت کے تنے کے ہیں اور ائمہ معصومینؑ اس کی شاخ ہیں اور شیعہ اس کے پتے ہیں [15] پس شجرۂ طیبہ ولایت کی زینت مظاہر سے ہے اور جن مظاہر میں نقصان ہو گا وہ شجرۂ طیبہ میں نقصان ہو گا۔

لہٰذا تمام موجودات کے گناہ ولی مطلق کے گناہ ہیں اور خداوندِ عالم نے اپنی رحمتِ تامہ اور اپنی اس بخشش کی بنا پر جو بنی نوعِ رحمت پر شامل ہے: ارشاد فرمایا "گزشتگان کے جتنے بھی گناہ ہیں وہ اور اس کے بعد واقع ہونے والے گناہوں کو اپنی مغفرتِ تامہ کے تحت لے لے گا اور (اے رسولؐ) تمہاری شفاعت کی وجہ سے تمام دائرۂ تحقق اپنی سعادتِ کاملہ کو حاصل کرے گا:

«وَآخِرُ مَنْ يَشْفَعُ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.» [16] "جو سب سے آخر میں شفاعت کرے گا وہ تمام مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان ہے۔"

اس مسلک کی بنا پر یہ آیت: «وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ.» [17] (اور تمہارا پروردگار عنقریب اتنا عطا کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ) کی طرح کی ہے اور اسی آیت (يُعْطِيكَ رَبُّكَ) کے بارے میں کہا گیا ہے: «أَرْجَىٰ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ.» [18] قرآن میں سب سے زیادہ پُر امید آیت یہی ہے۔" اب اس مسلک کی بنا پر "گزشتہ گناہوں" سے مُراد سابق اُمتوں کے گناہ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ ساری اُمتیں حضرت رسولؐ کی اُمت ہیں اور تمام انبیاؑ کی دعوت ختم المرسلین کے شریعت کی دعوت ہے اور سب ہی ولی مطلق کے مظاہر ہیں آدمؑ ہوں یا ان کے علاوہ یہ سب ہی شجرۂ ولایت کے پتے ہیں۔

۲ — دوسری تاویل سید مرتضیٰؒ [19] نے یہ فرمائی ہے کہ ذنب مصدر ہے اور مصدر کی اضافت فاعل و مفعول کی طرف جائز ہے۔ یہاں پر ذنب مفعول کی طرف مضاف ہے اور مقصود یہ ہے کہ مشرکین نے آپؐ کو آپؐ کے مکہ سے ممانعت کر کے اور مسجد الحرام سے روک کر جو گناہ کیا ہے خدا اس کو محو و زائل کر دے گا اور اس کو ختم کر دے گا۔ اس صورت میں مغفرت کا مطلب دشمنوں کے احکام کو منسوخ کر دینے کے اور زائل کر دینے کے ہیں یعنی جو عار تم کو لاحق ہو گیا ہے فتحِ مکہ کے ذریعہ

اس کو ختم کر دے گا اور زائل کر دے گا اور اس کے بعد تم بہت جلد مکہ میں فاتح ہو کر داخل ہو گے۔ اسی لئے مغفرت اور غفران کو جہاد کی جزا اور فتح کا فائدہ قرار دیا گیا ہے۔[20]

سید فرماتے ہیں اگر مغفرت سے مراد (ازالہ نہ ہو بلکہ) گناہوں کی بخشش مراد ہو تو اس آیت کا کوئی معقول مطلب نہیں ہوگا کیونکہ (فتح مکہ سے گناہوں کی مغفرت کا کیا تعلق؟ اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے اور ما تقدم و ما تاخر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اس سے زمان گزشتہ میں مخالفین نے جو افعال قبیح آپ کے اور آپ کی قوم کے ساتھ کئے ہیں اس کو مراد لیں۔[21]

۳۔ــــ تیسری تاویل یہ ہے کہ اے رسولؐ اگر زمانِ قدیم میں یا اس کے بعد بھی تمہارا کوئی گناہ ہوتا تو میں اس کو بخش دوں گا اور ظاہر ہے کہ قضیہ شرطیہ وقوع طرفین کے صدق کو مستلزم نہیں ہوا کرتا۔

۴۔ــــ گناہ سے مراد ترکِ مستحب ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ کے واجبات تو کبھی ترک نہیں ہوئے اور آپ کی علو مرتبت و رفعت شان کی بنا پر جو چیزیں دوسروں کے لئے گناہ نہ ہوں ان کو آنحضرتؐ کے لئے گناہ سمجھا جائے۔

۵ــــ یہ آیت حضرتؐ کی تعظیم کے لئے واقع ہے اور حسنِ خطاب کے عنوان پر ہے جیسے کہا جاتا ہے غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ خدا آپ کو معاف کر دے (اس کا یہ استعمال نہیں ہے کہ کوئی گناہ کئے ہو جب ہی غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ کہا جائے)

۶ــــ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں:

«وَقَدْ رَوَى الصَّدُوقُ فِي الْعُيُونِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْجَهْمِ قَالَ: حَضَرْتُ مَجْلِسَ الْمَأْمُونِ وَعِنْدَهُ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ لَهُ الْمَأْمُونُ: يَا ابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ، أَلَيْسَ مِنْ قَوْلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ مَعْصُومُونَ؟ قَالَ: بَلَى. قَالَ: فَمَا مَعْنَى قَوْلِ اللّٰهِ: «لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ»؟ قَالَ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ عِنْدَ مُشْرِكِي مَكَّةَ أَعْظَمَ ذَنْباً مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ثَلَاثَمِائَةٍ وَسِتِّينَ صَنَماً؛ فَلَمَّا جَاءَهُمْ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِالدَّعْوَةِ إِلَى كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ، كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ وَعَظُمَ، وَقَالُوا: «أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهاً وَاحِداً إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ.» إِلَى قَوْلِهِ:

«إِنْ هٰذا اِلَّا اخْتِلاقٌ.»[۲۲] فَلَمّا فَتَحَ اللّٰهُ تَعالى عَلى نَبِيِّهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، مَكَّةَ، قالَ لَهُ: يا مُحَمَّدُ «اِنّا فَتَحْنا لَكَ فَتْحاً مُبيناً. لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَما تَأَخَّرَ» عِنْدَ مُشْرِكي أَهْلِ مَكَّةَ بِدُعائِكَ اِلى تَوْحيدِ اللّٰهِ فيما تَقَدَّمَ وَما تَأَخَّرَ لِأَنَّ مُشْرِكي مَكَّةَ أَسْلَمَ بَعْضُهُمْ، وَخَرَجَ بَعْضُهُمْ عَنْ مَكَّةَ؛ وَمَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ لَمْ يَقْدِرْ عَلى اِنْكارِ التَّوْحيدِ عَلَيْهِ اِذا دَعا النّاسَ اِلَيْهِ؛ فَصارَ ذَنْبُهُ عِنْدَهُمْ في ذٰلِكَ مَغْفُوراً بِظُهُورِهِ عَلَيْهِمْ. فَقالَ الْمَأْمُونُ: لِلّٰهِ دَرُّكَ يا اَبَا الْحَسَنِ»[۲۳]

اپنے اسناد کے ساتھ عیون کے اندر شیخ صدوقؒ نے علی بن محمد بن الجہم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں مامون کے دربار گیا (دیکھا تو) وہاں حضرت امام رضاؑ بھی تشریف فرما ہیں۔ مامون نے کہا: فرزند رسولؐ کیا آپ کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ انبیا معصوم ہوتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: ہاں۔ مامون نے کہا: پھر لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَما تَأَخَّرَ کا کیا مطلب؟ حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: مشرکین مکہ کے نزدیک رسولؐ خدا سے بڑا کوئی گنہگار نہیں تھا کیونکہ وہ لوگ ۳۶۰ بتوں کو پوجتے تھے جب رسولؐ خدا نے کلمۂ توحید کی دعوت دی تو یہ بات ان لوگوں کو بہت ناگوار گزری اور کہنے لگے: کیا سارے خداؤں کو ایک خدا کر دیا یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے یہاں سے لے کر إِنْ هٰذا اِلَّا اخْتِلاقٌ تک (یعنی یہ سب من گڑھت ہے) پھر جب خدا نے اپنے رسولؐ کو فتح دی تو کہا: اے رسولؐ آپ جو لوگوں کو توحید کی طرف قبل و بعد بلاتے تھے اور اس بلانے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے نزدیک آپؐ سب سے بڑے گنہگار تھے تو خدا نے مکہ کی فتح دے کر آپؐ کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔ کیوں کہ مشرکین مکہ میں سے کچھ تو اسلام لائے۔ بعض مکہ سے چلے گئے اور جو رہ گئے ان میں توحید کے انکار کی طاقت نہیں رہ گئی تھی۔ پس ان پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد گویا رسولؐ کے سارے گناہ دُھل گئے اور آپؐ انکے نزدیک گنہگار نہیں رہ گئے۔ اس پر مامون بولا: خدا آپؐ کو اچھی جزا دے اے ابوالحسن۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: یہ چھٹی تاویل ہے جس کا استفادہ حدیث سے کیا گیا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ جو کفار کے زعم فاسد میں گنہگار تھے خدا نے ان کے گناہوں کو بخش دیا۔

پہلی فصل

آیت کی عرفانی توجیہ

یہ جان لو کہ اہلِ عرفان کے مسلک اور اصحابِ قلوب کے مذہب کی بنا پر اس آیت کی ایک توجیہ ہے۔ جس کی توضیح کے لئے ان کی زبانِ زد اصطلاح "فتوحاتِ ثلاثہ" کا ذکر ضروری ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ ابوابِ معارف وعوارف اور علوم ومکاشفات کا خدا کی طرف سے بند ہونے کے بعد کھل جانے کا نام "فتح" ہے۔ جب تک انسان نفس کے تاریک حجرہ میں ہے اور تعلقاتِ نفسانیہ سے وابستہ ہے معارف ومکاشفات کے تمام دروازے اس کیلئے بند ہوتے ہیں اور جیسے ہی ریاضتوں کی قوت اور ہدایتوں کے انوار کے سبب اس تاریک مکان سے خارج ہوا اور نفس کی منزلوں کو طے کرلیا بابِ قلب اس کے سامنے فتح ہوجاتا ہے اور اس کے قلب میں معارف کا ظہور ہونے لگتا ہے اور وہ "مقامِ قلب" کا دارا ہوجاتا ہے تو اسی فتح کو "فتح قریب" کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ فتوحات کی ابتدا ہے اور ان میں سب سے زیادہ قریب ہے اور اصحابِ قلوب آیۂ مبارکہ: «نَصْرٌ مِنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ.» ۲۲ کو اسی "فتح" کے لئے اشارہ قرار دیتے ہیں۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ یہ سب خدا کی مدد اور نورِ ہدایت اور اسی جذبہ سے یہ فتح اور دوسری فتوحات واقع ہوتی ہیں اور جب تک سالک عالم قلب میں ہوتا ہے اور رسوم وتعینات قلبیہ اس میں حکم فرما ہوتے ہیں اس وقت تک بابِ اسماء وصفات اس پر بند رہتے ہیں۔

پھر جب رسوم عالمِ قلب کے اسمائی وصفاتی تجلیات فنا ہوجاتے ہیں اور صفاتِ قلب کے تجلیات وکمالات اس کو فنا کردیتے ہیں تو "فتح مبین" کا نمبر آتا ہے اور بابِ اسماء وصفات اس کے لئے مفتوح ہوجاتے ہیں۔ حس اور نفسانی متقدم رسوم اور قلبی متاخر رسوم (وآثار) سب زائل وفنا ہوجاتے ہیں اور اسماء کے ستاریت وغفاریت کے تحت مغفور ہوجاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ «اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُبِيناً. لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ» اسی فتح کی طرف اشارہ ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے: ہم نے عالم اسماء وصفات کی کھلی ہوئی فتح تم کو اسلیے عطا کی تاکہ اسمائے الٰہی کی غفاریت کے تحت نفسانی ذنوب متقدمہ اور ذنوب قلبیۂ متاخرہ مغفور ہوجائیں اس کو فتح بابِ ولایت کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد جب تک سالک کثرتِ اسمائی اور تعینات صفاتی کے حجابوں میں رہتا

ہے تجلیاتِ ذاتیہ کے دروازے اس پر بند رہتے ہیں اور جب اس کے لئے تجلیاتِ ذاتیۂ احدیہ ہوجاتے ہیں اور تمام رسوم خلقیہ وامر یہ فنا ہوجاتے ہیں اور بندہ "عین جمع" میں مستغرق ہوجاتا ہے تب فتح مطلق ہوجاتا ہے اور ذنب مطلق مغفور ہوجاتا ہے اور تجلی احدی کی وجہ سے ذنب ذاتی جو تمام ذنوب کا مبدا ہے۔ مستور ہوجاتا ہے۔ «وُجُودُكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهِ ذَنْبٌ.» ۲۵ تیرا وجود خود ایسا گناہ ہے جس کا قیاس کسی گناہ سے نہیں کیا جاسکتا" اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ:

«اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ.» ۲۶ "اسی فتح کی طرف اشارہ ہے"۔

پس فتح قریب سے معارفِ قلبیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ذنوب نفسیہ مغفور ہوجاتے ہیں اور فتح مبین کے ساتھ ابوابِ ولایت و تجلیاتِ الٰہیہ مفتوح ہوجاتے ہیں اور ذنوب نفسیہ متقدمہ کے بقایا اور قلبیۂ متاخرہ کے بقایا ذنوب بخش دیئے جاتے ہیں اور فتح مطلق کے ساتھ تجلیاتِ ذاتیہ احدیہ فتح ہوجاتے ہیں اور ذنب مطلق ذاتی مغفور واقع ہوجاتا ہے۔

ایک یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ فتح قریب اور فتح مبین (یہ دونوں) اولیا، انبیا، اہلِ معارف سب ہی کے لئے عام ہیں۔ لیکن "فتح مطلق" خاتمیت کے مقامات خاصہ میں سے ہے۔ "یہ مرتبہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا" اور اگر کسی کو حاصل ہوجائے تو وہ ضمنی ہوتا ہے اور سرورِ کائنات کی شفاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ گناہوں کے بھی مرتبے ہیں۔ بعض تو ایسے گناہ ہیں جو ابرار کے لئے حسنات شمار ہوتے ہیں اور بعض گناہ خلّص حضرات کیلئے گناہ ہیں۔ کہا جاتا ہے حضورِ سرورِ کائنات نے فرمایا: لَيُرَانُ (أَوْ لَيُغَانُ) عَلَىٰ قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً. ۲۷ کبھی میرے دل پر ایک ابر سا چھا جاتا ہے اور میں (بغیر کسی گناہ کے اور روزانہ) ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں"۔ اور یہ ابر (کدورت) کثرت کی طرف توجہ سے پیدا ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ از قبیل خواطر ہوتی ہے جو بہت جلد زائل ہوجاتی ہے۔ حدیث میں ہے۔ جب تک رسولؐ خدا پچیس مرتبہ استغفار نہیں کر لیتے تھے کسی بھی نشست سے باہر تشریف نہیں جاتے تھے۔ ۲۸

ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار صرف ان گناہوں کے لئے مخصوص نہیں ہے جو عصمت کے منافی ہوتے ہیں۔ (اسی طرح) مغفرت اور ذنب سے مُراد عرفی اصطلاحات نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ آیت آنحضرتؐ کے مقامِ معنوی کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی موکد ہے۔ اس لئے کہ سلوکِ معنوی اور مدارج سے عبور اور کمالِ انسانی کے اوج تک پہونچنے کے لوازمات میں سے مقامات

ومدارج کے لوازم کے گناہوں کا بخشا جانا ہے۔ کیونکہ جو موجود بھی اس عالم میں ہے وہ اسی مادہ جسمانیہ اور نشئہ ملکیہ کی پیداوار ہے اور اس میں تمام شئون ملکی حیوانی وبشری وانسانی موجود ہیں۔ بعض بالقوۃ ہیں اور بعض بالفعل ہیں۔ پس اگر وہ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف اور وہاں سے قربِ مطلق کا سفر کرنا چاہتا ہے تو ان مدارج کو طے کر کے منازلِ متوسطہ سے کوچ کرے اور جس مرتبہ میں بھی پہونچے اس سے پہلے والے مرتبہ کے ذنوب مغفور واقع ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تجلیاتِ ذاتیہ احدیہ کے تحت (اس کے) تمام ذنوب بخشے جائیں اور ذنب وجودی جو تمام ذنوب کا مبداء ومنشا ہے ظل کبریائے احدی میں مستور ہو جائے اور یہ کسی موجود کے کمال کا انتہائے عروج ہے۔ اس جگہ پہونچ کر موت اور فنائے تام واقع ہوتی ہے۔ اسی لئے جب آیۂ مبارکہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ. نازل ہوئی تو رسولؐ اکرم نے فرمایا یہ سورہ میرے موت کی[29] اطلاع ہے وَاللّٰہُ العَالِمُ

دوسری فصل

شکر کی حقیقت

یہ جان لو کہ منعم کی نعمت کی قدردانی کا نام شکر ہے۔ اس قدردانی کے آثار دل میں ایک طرح ظاہر ہوتے ہیں اور زبان میں ایک طرح سے اور افعال واعمال قالبیہ میں ایک طرح سے قلب میں اس کے آثار خضوع، خشوع، محبت، خشیت وغیرہ کی طرح کے ہوتے ہیں اور زبان پر اس کے آثار حمد وثنا ومدح کے عنوان سے ظاہر ہوتے ہیں اور اعضا وجوارح میں اس کے آثار اطاعت اور مرضیٔ منعم کے مطابق اعضا کا استعمال کرنا ہے۔

راغب[30] (اصفہانی) سے منقول ہے: نعمت کا تصور اور اس کے اظہار کا نام شکر ہے: یہ بھی کہا گیا ہے کہ شکر "کشر" کا مقلوب ہے اور کشر کے معنیٰ "کشف" کے ہیں اور اس کا ضد "کفر" ہے جس کے معنیٰ نسیان نعمت اور اس کے چھپانے کے ہیں۔ (اسی لئے) دابۃ شکور اس جانور کو کہا جاتا ہے جو اپنے موٹاپے کی وجہ سے اپنے مالک کی نعمت کا اظہار کرے اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل عین شکریٰ ہے جس کے معنیٰ ممتلئۃ (بھری ہوئی) کے ہیں۔ بنابریں شکر کا مطلب ذکرِ منعم سے پُر ہونا ہیں۔

شکر کی تین قسمیں ہیں

۱۔ شکرِ قلب: اور وہ تصورِ نعمت ہے ۲۔ شکرِ زبان: اور وہ ثنائے منعم کا نام ہے
۳۔ شکرِ اعضا: اور وہ بقدر استحقاق نعمت کی جزا دینا ہے۔ [۳۱]

عارف محقق خواجہ انصاری[۳۲] فرماتے ہیں: شکر معرفتِ نعمت کا نام ہے کیونکہ یہی منعم کی معرفت کا طریقہ ہے۔[۳۳] اور شارحِ محقق فرماتے ہیں: منعم کی نعمت کا تصور اور یہ پہچاننا کہ یہ نعمت ہے یہی عینِ شکر ہے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: معبود میں تیرا شکر کیونکر ادا کروں کیونکہ نعمت کا شکر ادا کرنا یہ خود دوسری نعمت ہے اس کا شکر ضروری ہے۔ اس کے جواب میں خدا نے ان کی طرف وحی فرمائی: (اے داؤد) جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ جو بھی نعمت تم کو ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے تو تم نے میرا شکر ادا کر دیا۔[۳۴]

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: محققین نے جو کچھ بھی ذکر کیا ہے وہ مبنی بر مسامحہ ہے کیونکہ محض قلب سے معرفت اور زبان سے اظہار اور اعضا و جوارح سے عمل کا نام شکر نہیں ہے بلکہ شکر ایک ایسی حالتِ نفسانیہ ہے کہ وہ حالت خود "منعم اور نعمت کی معرفت اور اس بات کی معرفت کہ یہ نعمت منعم کی طرف سے ہے" اس بات کا اثر ہے اور اس حالت کا ثمرہ اعمال قلبیہ وقالبیہ ہیں۔ چنانچہ بعض محققین نے تقریباً یہی بات کہی ہے اگرچہ ان کا قول بھی مسامحہ سے خالی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا ہے: قول و فعل و نیّت سے نعمت کا مقابلہ کرنا شکر ہے اور اس کے تین ارکان ہیں۔

پہلا رکن: منعم اور اس کے مناسب صفات کی معرفت اور نعمت کی اس حیثیت سے معرفت کہ وہ نعمت ہے اور یہ معرفت اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک یہ نہ جان لے کہ تمام ظاہری و مخفی نعمتیں خدا کی طرف سے ہیں اور اسی کی ذاتِ مقدس منعم حقیقی ہے اور وسائط جو بھی ہوں وہ سب اس کے حکم مطیع و تابع ہیں۔

دوسرا رکن: وہ حالت جو اس معرفت کا ثمرہ ہے یعنی خضوع و خشوع اور نعمت پر اس اعتبار سے سرور کہ یہ ہدیہ ہے جو منعم کی عنایت پر دلالت کرتا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ دُنیا کی جو چیز قربِ حق کی موجب ہو اس کے علاوہ کسی بھی چیز پر خوش نہ ہو۔

تیسرا رکن: وہ عمل ہے جو اس حالت کا ثمرہ ہوا کرتا ہے اس لئے کہ جب یہ حالت

دل میں پیدا ہوتی ہے تو قلب کے اندر ایک ایسی حالت نشاط پیدا ہوجاتی ہے جو اس عمل کا موجب بنتی ہے جو قربِ حق کا سبب بنے اور وہ عمل قلب و زبان و دیگر اعضا سب ہی سے متعلق ہوتا ہے۔

۱۔ عملِ قلب سے مُراد منعم کی تمجید و تحمید و تعظیم کا قصد اور اس کے صنائع و افعال و آثارِ لطف میں غور و فکر کرنا ہے اور اس کے تمام بندوں پر خیر و احسان کرنے کا قصد ہے۔

۲۔ عملِ زبان: اس سے مُراد تحمید و تمجید و تسبیح و تہلیل کے ذریعہ اظہارِ مقصود کرنا اور امر بہ معروف و نہی از منکر کرنا ہے۔

۳۔ عملِ اعضا: اس کی طاعت و عبادت میں ظاہری و باطنی نعمتوں کا استعمال اور اس کی معصیت و مخالفت سے بچنے کے لئے ان نعمتوں سے استعانت کرنا۔ مثلاً آنکھوں کو اس کی مصنوعات کے مطالعہ میں اور قرأت قرآن میں اور انبیا و اوصیا علیہم السّلام سے منقول علوم کے تذکر میں استعمال کرنا اسی طرح دیگر اعضا و جوارح انتہیٰ کلامہ مترجما۔ ۳۵

تیسری فصل

شُکر کس طرح ہو

یہ جان لو کہ: عبودیت و بندگی کے لازمی فریضہ میں ایک چیز خداوند عالم کی ظاہری و باطنی نعمتوں کا اپنی مقدور بھر اور ممکن صورت سے شکر ادا کرنا ہے۔ اگرچہ خدا کا شکر کسی بھی مخلوق سے ناممکن ہے۔ بس انتہائے شکر یہ ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ ہم اس کا حق شکر نہیں ادا کرسکتے۔ جیسے کہ انتہائے عبودیت بھی یہی ہے آدمی کو یہ معرفت حاصل ہو جائے کہ ہم اس کی حق بندگی نہیں ادا کرسکتے۔ جیساکہ خود آنحضرتؐ نے اپنی عاجزی کا اعتراف کیا ہے۔ ۳۶ حالانکہ کائنات کا کوئی موجود حضور سرورِ کائناتؐ کی طرح نہ خدا کی بندگی کرسکتا ہے نہ اس کا شکر بجالاسکتا ہے۔ اس لئے کہ شکر کا کمال یا نقص معرفتِ منعم اور اس کی نعمتوں کے عرفان کے کمال و نقص کا تابع ہے۔ اس لئے کوئی بھی حق شکر ادا نہیں کرسکتا۔

انسان اسی وقت عبدِ شکور ہوسکتا ہے" اور حق شکر ادا کرسکتا ہے" جب وہ خلق

کے حق سے ارتباط کو اور رحمتِ حق کے پھیلاؤ کو ابتدائے ظہور سے اختتام تک، نعمتوں کے باہمی ارتباط کو، وجود کی ابتدا و انتہا کو کما حقہ جانتا ہو اور یہ علم و معرفتِ خدا کے خلّص اولیا جن میں سب سے افضل و اشرف ذاتِ نبیؐ برحق ہے ان کو بھی حاصل نہیں ہے۔ رہے باقی لوگ تو وہ اس کے بعض مراتب بلکہ بیشتر و بزرگ تر مراتب سے محجوب ہیں۔ بلکہ (معرفت تو در کنار) جب تک بندہ کے قلب کے دروازے تک سرِّ یانِ الوہیت کی حقیقت اپنا نقش نہ ثبت کر دے اور مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُودِ إِلَّا اللّٰهُ " وجود کے اندر خدا کے سوا کوئی مؤثر نہیں ہے" پر ایمان نہ لائے اس کے دل میں شرک و شک کی جو کدورت ہے وہ شکرِ حق کو کما حقہ انجام نہیں دینے دے گی۔ جس شخص کی نظر اسباب پر ہو، جو موجودات کی تاثیر کو مستقل جانتا ہو، جو نعمتوں کو ولیٔ نعمت اور اس کے مالک تک نہ پلٹائے وہ خدا کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے۔ وہ تراشے ہوئے ہر ایک بت کو مؤثر سمجھتا ہے (وہ) کبھی اعمال کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ اپنے کو تمام امور میں متصرف سمجھتا ہے (وہ) کبھی عالم کون (و فساد) کے طبایع کو موثرات کہتا ہے۔ کبھی نعمتوں کو ان کے اربابِ ظاہری صوری کی طرف منسوب کرتا ہے۔ (وہ) حق کو تصرف سے عاری سمجھتا ہے ید اللہ کو بستہ خیال کرتا ہے۔ «غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا.» [۳۷] انھیں کے ہاتھ باندھ انھیں اور ان کے (اس) کہنے پر خدا کی پھٹکار" خدا کا دستِ تصرّف کھلا ہوا ہے اور پورا دائرۂ وجود درحقیقت اسی سے ہے دوسرے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ تمام عالم ظہور و قدرت و نعمت اسی سے ہے اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور ساری نعمتیں اسی کی ہیں کسی کی بھی کوئی نعمت نہیں ہے کہ وہ منعم ہو۔ بلکہ کائنات اسی سے ہے دوسروں کی کوئی ہستی نہیں ہے کہ اس کی طرف کوئی چیز منسوب ہو۔ لیکن آنکھیں اندھی ہیں کان بہرے ہیں، دلوں پر غلاف چڑھے ہیں۔" دیدہ میخواہم سبب سوراخ کن"[۳۸]

آخر ہمارے مردہ قلوب کب تک پروردگار کی نعمتوں کا انکار کرتے رہیں گے (اور کب تک) عالم اور اوضاعِ عالم اور اس کے اشخاص سے متعلق ہوتے رہیں گے؟ یہ تعلقات اور توجہات ذاتِ مقدس کی نعمتوں کا کفران ہے اور اس کی رحمتوں کو چھپانا ہے۔ اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ خدا کے شکر کا حق ادا کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے جیسا کہ خود خداوندِ عالم کا ارشاد ہوتا ہے: وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ» [۳۹] (اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے بندے کم ہیں) اسی لئے حق شکر ادا کرنے والے بندے کم ہیں۔

یہ بھی جان لینا چاہیے جس طرح بندوں کی معرفتیں مختلف ہیں ان کے شکر بھی مختلف ہیں۔

دوسری طرح یوں سمجھئے ایک اور اعتبار سے شکر کے مراتب مختلف ہیں کیونکہ شکر کا مطلب منعم کی نعمتوں کی ثنا کرنا ہے۔ اب اگر وہ نعمت از قسم نعمت ظاہری ہے تو اس کا ایک شکر ہے اور اگر باطنی نعمت ہے تو اس کا شکر ایک (دوسرا) ہے اور اگر وہ نعمت از قسم علوم و معارف ہے تو اس کا شکر دوسری طرح ہے اور اگر از قسم تجلیات اسمائی ہے تو اس کا شکر دوسری طرح کا ہے اور اگر از قسم تجلیاتِ ذاتیہ احدیہ ہے تو اسکا شکر دوسری طرح ہے اور چونکہ نعمتوں کے تمام مراتب بہت ہی کم بندوں میں یکجا ہوتے ہیں لہٰذا تمام مراتب کا شکر کما حقہٗ ادا کرنا بہت ہی کم بندوں کے لئے ممکن ہے اور وہ خدا کے خالص ترین بندے ہیں جو تمام حضرات اور برزخِ برازخ کے جامع اور تمام مراتب ظاہرہ و باطنہ کے حافظ ہیں۔ اسی لئے ان کا شکر تمام ظاہری و باطنی و سرّی زبانوں سے ہوتا ہے۔

علما نے اگرچہ شکر کے لئے کہا ہے کہ وہ مقاماتِ عامہ میں سے ہے اس لئے کہ منعم کی جزا دینے کے دعویٰ سے مقرون ہے۔ لیکن (درحقیقت) یہ ایک بے ادبی ہے۔ لیکن یہ دعوائے مقارنت غیر اولیا کے لئے ہے۔ بالخصوص ان کے لئے تو ہرگز نہیں ہے جو کامل ترین ہیں اور جامع حضرات اور مقامِ کثرت و وحدت کے حافظ ہیں۔ اسی لئے شیخ عارف خواجہ انصاری نے باوجود اس کہنے کے کہ "شکر مقاماتِ عامہ میں سے ہے" فرمایا:

«وَالدَّرَجَةُ الثَّالِثَةُ أَنْ لاَ يَشْهَدَ الْعَبْدُ اِلاَّ الْمُنْعِمَ. فَاِذَا شَهِدَ الْمُنْعِمَ عُبُودَةً، اِسْتَعْظَمَ مِنْهُ النِّعْمَةَ؛ وَاِذَا شَهِدَهُ حُبّاً، اِسْتَحْلَى مِنْهُ الشِّدَّةَ؛ وَاِذَا شَهِدَهُ تَفْرِيداً، لَمْ يَشْهَدْ مِنْهُ نِعْمَةً وَلاَ شِدَّةً.»[۴]

"یعنی شکر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ جمال منعم کے علاوہ کسی اور چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور اس کے شہودِ جمال میں ڈوبا رہے۔ اور اس کے تین مقام ہیں۔ پہلا مقام: اس کا مشاہدہ اس طرح کرے جس طرح بندہ ذلیل اپنے آقا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مرتبہ پر پہونچ کر بندہ اپنے سے غافل ہو جاتا ہے اور ادب حضوری میں ڈوب جاتا ہے۔ اپنے لئے کسی قدر و مرتبہ کا قائل نہیں ہوتا اور جب وہ اپنے کو حقیر سمجھتا ہے تو اگر کوئی نعمت اس کو مل جائے تو اس کو بہت ہی عظیم اور اپنے کو حقیر اور اس کے لئے اہل نہیں سمجھتا۔

دوسرا مقام: اس کا مشاہدہ اس طرح ہوتا ہے جیسے دوست، دوست کا مشاہدہ کرتا ہے اس مرتبہ پر پہونچ کر انسان جمالِ محبوب میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کی طرف سے جو ملے اور اس

سے جو دیکھے اس کو محبوب رکھتا ہے اور اس سے لذّت حاصل کرتا ہے چاہے اس میں شدّت و زحمت ہو۔

تیسرا مقام: اسمائی تعینات کے بغیر انفرادی حالت میں مشاہدہ کرنا ہے۔ بلکہ وہ مشاہدۂ نفسِ ذات کرتا ہے۔ اس مرتبہ پر پہونچ کر انسان اپنے و پرائے سے غافل ہو جاتا ہے اور ذاتِ حق کے علاوہ اس کا کوئی مشہود نہیں ہوتا نہ وہ نعمت کو دیکھتا ہے نہ شدّت کو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اوائل مقامات میں سے سالک کا ہر مقام از سبیلِ عامہ ہوتا ہے۔ مگر آخری مقامات صرف خلّص بلکہ اکمل سے اکمل کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔

تکملہ

از روئے نقل شکر کی فضیلت

میں اس مقام کو شکر کی بعض حدیثوں کو ذکر کر کے مکمل کروں گا۔

«كافي بِإسْنادِهِ عَنْ اَبي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ، قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَلطّاعِمُ الشّاكِرُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ كَأَجْرِ الصّائِمِ الْمُحْتَسِبِ. وَالْمُعافي الشّاكِرُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ كَأَجْرِ الْمُبْتَلَى الصّابِرِ وَالْمُعْطَى الشّاكِرُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ كَأَجْرِ الْمَحْرُومِ الْقانِعِ.»[۱]

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: کھانے کے بعد شکر کرنے والے کا اجر اس روزہ دار کے اجر کی طرح ہے جو راہِ خدا میں روزہ رکھے اور جو عافیت و سلامتی کی حالت میں خدا کا شکر کرے اس کا اجر اس شخص کی طرح ہے جو مبتلا ہو اور (اس ابتلا پر) صبر کرے اور نعمت ملنے کے بعد اس پر شکر کرنے والے کا اجر اس شخص کی طرح ہے جو عطا سے محروم ہو (مگر) اس بات پر قانع اور راضی ہو جو اس کو خداوندِ عالم نے دیا ہے۔"

«وَبِإسْنادِهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْوَليدِ قالَ سَمِعْتُ اَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ:

ثَلاثٌ لا يَضُرُّ مَعَهُنَّ شَيْءٌ: اَلدُّعاءُ عِنْدَ الْكَرْبِ، وَالْاِسْتِغْفارُ عَلَى الذُّنُوبِ، وَالشُّكْرُ عِنْدَ النِّعْمَةِ.»[۴۲]

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا۔ تین باتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ کوئی چیز ضرر نہیں پہونچا سکتی ۱: کرب (مصیبت) کے وقت دعا کرنا ۲: گناہوں پر استغفار کرنا ۳: نعمت پر شکر کرنا۔

«وَبِإِسْنادِهِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ قالَ قالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: إِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيَشْرَبُ الشَّرْبَةَ مِنَ الْماءِ فَيُوجِبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا الْجَنَّةَ. ثُمَّ قالَ: إِنَّهُ لَيَأْخُذُ الْإِناءَ فَيَضَعُهُ عَلى فِيهِ فَيُسَمِّي، ثُمَّ يَشْرَبُ فَيُنَحِّيهِ وَهُوَ يَشْتَهِيهِ فَيَحْمَدُ اللّٰهَ، ثُمَّ يَعُودُ فَيَشْرَبُ، ثُمَّ يُنَحِّيهِ فَيَحْمَدُ اللّٰهَ، ثُمَّ يَعُودُ فَيَشْرَبُ ثُمَّ يُنَحِّيهِ فَيَحْمَدُ اللّٰهَ، فَيُوجِبُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِها لَهُ الْجَنَّةَ.»[۴۳]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تم میں سے کچھ لوگ تھوڑا سا پانی پیتے ہیں اور اس کی وجہ سے خدا ان پر جنت واجب کر دیتا ہے اس کے بعد فرمایا: وہ شخص پانی پینے کا ظرف اٹھا کر منہ سے لگاتا ہے اور بسم اللہ کہہ کر تھوڑا سا پانی پی کر ظرف کو الگ کر دیتا ہے حالانکہ ابھی اس کو پیاس لگی ہے پھر الحمد للہ کہتا ہے اور پلٹ کر پانی پیتا ہے پھر ظرف کو الگ کر کے حمدِ خدا کرتا ہے اور پھر تھوڑا سا پانی پی کر ظرف کو الگ کر دیتا ہے اور پھر پلٹ کر پانی پیتا ہے پھر ظرف کو الگ کر دیتا ہے اور حمدِ خدا کرتا ہے۔ پس خدا اس طرح پانی پینے کی وجہ سے اس پر جنت واجب کر دیتا ہے۔

اور حمدِ خدا شکر کے مساوی ہے جیسا کہ بہت سی روایات میں ہے کہ جس نے الحمد للہ کہا اس نے خدا کا شکر ادا کر دیا۔ چنانچہ کافی میں عمر بن یزید سے مروی ہے وہ کہتا ہے:

«قالَ: سَمِعْتُ أَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ: شُكْرُ كُلِّ نِعْمَةٍ، وَإِنْ عَظُمَتْ، أَنْ تَحْمَدَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْها.»[۴۴]

"میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: ہر نعمت کا شکر خواہ وہ کتنی ہی عظیم ہو الحمد للہ کہنا ہے۔"

«وَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: شُكْرُ النِّعْمَةِ اجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ؛ وَتَمَامُ الشُّكْرِ قَوْلُ الرَّجُلِ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.»[۴۵]

امام ششم نے فرمایا: نعمت کا شکر محرمات سے پرہیز کرنا ہے اور مکمل شکر «اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.» کہنا ہے۔

«وَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ خَرَجَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، مِنَ الْمَسْجِدِ وَقَدْ ضَاعَتْ دَابَّتُهُ، فَقَالَ: لَئِنْ رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيَّ، لَأَشْكُرَنَّ اللّٰهَ حَقَّ شُكْرِهِ. قَالَ فَمَا لَبِثَ أَنْ أُتِيَ بِهَا، فَقَالَ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ. فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، أَلَيْسَ قُلْتَ لَأَشْكُرَنَّ اللّٰهَ حَقَّ شُكْرِهِ؟ فَقَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَلَمْ تَسْمَعْنِي قُلْتُ: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ.»[۴۶]

حماد بن عثمان کہتے ہیں: "امام جعفر صادقؑ مسجد سے باہر نکلے جبکہ حضرت کی سواری کا جانور گم ہو گیا تھا تو آپؑ نے فرمایا: اگر خدا نے میرے جانور کو واپس کر دیا تو میں اس کا شکر اس طرح ادا کروں گا جو شکر کرنے کا حق ہے راوی کہتا ہے تھوڑی ہی دیر میں وہ جانور لایا گیا تو حضرت نے کہا: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ. اس پر ایک شخص نے کہا: آپؑ نے تو فرمایا تھا میں اس کا شکر اس طرح ادا کروں گا جو شکر کرنے کا حق ہے! حضرتؑ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سُنا کہ میں نے اَلْحَمْدُلِلّٰهِ کہا تھا۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شکر لسانی کی افضل ترین فرد حمد الٰہی ہے اور شکر کے آثار میں سے نعمت کی زیادتی ہے جیسا کہ خود قرآن میں ہے: «لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ.»[۴۷] "اگر تم نے (میرا) شکر کیا تو میں اور زیادہ دوں گا۔"

کافی میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے:

«قَالَ: مَنْ أُعْطِيَ الشُّكْرَ أُعْطِيَ الزِّيَادَةَ؛ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ.»[۴۸]

"جو شکر کرے گا اس کو زیادتی ملے گی (کیونکہ) خدا کا کہنا ہے اگر تم نے شکر کیا تو میں زیادہ کروں گا۔"

تتمیم

بدانکہ (اُم المومنین) عائشہ کو یہ خیال تھا کہ عبادت کا راز عذاب کے خوف یا گناہوں کے مٹانے میں منحصر ہے۔ نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ آنحضرتؐ کی عبادت بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہے اس لئے (رسولِ خدا کی کثرتِ عبادت کو دیکھ کر آنحضرتؐ پر) اعتراض کیا کہ آپؐ اپنے کو کیوں اتنی زحمت ومشقت میں ڈالتے ہیں؟ ان کا یہ اعتراض عبادت وعبودیت کی عظمت سے جہالت کی بنا پر تھا عظمتِ نبوت ورسالت کی جہالت کی بنا پر ان کو یہ (بھی) نہیں معلوم تھا کہ غلاموں اور مزدوروں کی عبادت اور آزاد کی عبادت یعنی آنحضرتؐ کی عبادت میں فرق ہے۔ خدا کی عظمت اور غیر متناہی نعمتوں کے شکر نے حضرت سے راحت وآرام کو بہت دور کر دیا تھا۔ بلکہ خالص ترین اولیا کی عبادت محبوب کے بے پایاں تجلّیات کا نقشہ ہے۔ چنانچہ نمازِ معراج ۴۹ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضراتِ اولیا محوِ جمال وجلال ہونے اور اپنے کو صفات وذات میں فنا کر دینے کے باوجود عبودیت کی کسی منزل ومرحلہ سے غفلت نہیں برتتے تھے۔ ان کے ابدان کی حرکات ان کی عشقی وروحانی حرکتوں کی تابع ہے اور وہ تابع جمالِ محبوب کے ظہور کی کیفیت (کا نام) ہے لیکن عائشہ جیسے لوگوں کو صرف اقناعی جواب دیا جا سکتا تھا اس لئے رسولؐ نے یہی کیا کہ پست ترین منزل کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آنحضرتؐ کی عبادت بھی ان پست قسم کے اُمور کے لئے نہیں ہے۔

چوتھی فصل

«رَوىٰ عَلِيُّ بْنُ اِبْراهِيمَ فِي تَفْسيرِهِ، بِإسْنادِهِ عَنْ اَبي جَعْفَرٍ وَاَبي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِمَا السَّلاٰمُ، قالا: كانَ رَسُولُ اللّٰهِ اِذا صَلّىٰ قامَ عَلىٰ أصابِعِ رِجْلَيْهِ حَتّىٰ تَوَرَّمَتْ؛ فَأنْزَلَ اللّٰهُ تَبارَكَ وَتَعالىٰ: «طٰه» بِلُغَةِ طَيٍّ: يا مُحَمَّدُ ما أنْزَلْنا... اَلْآيَةَ.» ۵۰

علی ابن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے

ان حضرات نے فرمایا: رسولِ خداؐ نماز پڑھتے ہوئے اپنے دونوں پیروں کی انگلیوں پر کھڑے ہوجاتے تھے یہاں تک کہ ان میں ورم آگیا۔ پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی "طٰہٰ" اور وہ لغت بنی طی میں بمعنیٰ اے محمدؐ ہے۔

«وَعَنِ الصَّدُوقِ فِي مَعَانِي الْأَخْبَارِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنِ الصَّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ قَالَ فِيهِ: وَأَمَّا «طٰه» فَاسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ؛ وَمَعْنَاهُ: يَا طَالِبَ الْحَقِّ الْهَادِي إِلَيْهِ.» ۵۱

"امام جعفر صادقؑ سے ایک طویل حدیث میں سفیان ثوری نے روایت کی ہے کہ طٰہٰ رسولِ خداؐ کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم ہے اور اس کا مطلب اے حق کے طالب اور حق کی طرف ہدایت کرنے والے کے ہیں"۔

ابنِ عباس ۵۲ اور بعض عامہ سے منقول ہے: طٰہٰ کے معنیٰ "اے مرد" کے ہیں۔ ۵۳

بعض عامہ سے منقول ہے (طاء) سے اشارہ ہے کہ آنحضرتؐ کا قلب غیرِ خدا سے طاہر ہے اور (ھا) سے اشارہ ہے کہ حضور کے قلب کی ہدایت خدا کی طرف ہوئی ہے۔ ۵۴

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (طاء) طرب اہلِ بہشت کی طرف اشارہ ہے اور "ھا" ھوان (ذلت) اہلِ جہنم کی طرف اشارہ ہے۔ ۵۵

علامہ طبرسیؒ ۵۶ نے فرمایا: حسن سے منقول ہے کہ انھوں نے (طٰہٰ) بہ فتح طاء و سکون ھا سے) قرأت کی ہے۔ اگر یہ قرأت ان سے صحیح ہے تو طٰہٰ کی اصل "طاء" تھی ہمزہ کو "ھا" سے بدل دیا گیا ہے اور اس کا مطلب ہے اپنے دونوں پیروں سے زمین کو روندو۔ ۵۷

خلاصہ یہ ہے کہ جو حروف مقطعات سوروں کے شروع میں آئے ہیں ان میں شدید اختلاف ہے اور جوبات اعتبار کے زیادہ موافق ہے وہ یہ ہے کہ یہ حبیب و محبوب کے درمیان کچھ اشارے ہیں جس کو کوئی بھی نہیں جانتا اور بعض مفسرین نے اپنے حدس و اندازہ سے جو بات کہی ہے وہ سب بے مدرک اور حدس بارد ہے۔ سفیان ثوری کی حدیث میں بھی رمز ہونے کی طرف اشارہ ہے ۵۸ اور یہ کوئی بعید بھی نہیں ہے کہ کچھ ایسی چیزیں ہوں جو فہم بشر سے خارج ہوں اور خداوندِ عالم نے اس سے مخصوص لوگوں کو مخاطب کیا ہو۔ جیسے کہ متشابہ کا وجود بھی سب کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ وہ لوگ صرف تاویل جانتے ہیں۔

شَقَا اور شقاوت (یہ دونوں) سعادت کی ضد ہیں اور اس کا مطلب تعب و زحمت ہے۔ جوہری نے کہا: «الشَّقَاءُ وَالشَّقَاوَةُ، بِالْفَتْحِ، نَقِيضُ السَّعَادَةِ.» شَقَا اور شقاوت شین کے فتحہ کے ساتھ سعادت کی ضد ہے۔

«رَوَى الطَّبْرَسِيُّ فِي الْاِحْتِجَاجِ عَنْ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ آبَائِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَلَقَدْ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، عَشْرَ سِنِينَ عَلَى أَطْرَافِ أَصَابِعِهِ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ. يَقُومُ اللَّيْلَ أَجْمَعَ حَتَّى عُوتِبَ فِي ذٰلِكَ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: «طٰهٰ. مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى.» بَلْ لِتَسْعَدَ بِهِ.» ۵۹

علامہ طبرسیؒ نے احتجاج میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: رسولؐ خدا دس سال تک (عبادتوں میں) اپنی انگلیوں کے سرے پر کھڑے رہے یہاں تک کہ آپؐ کے قدم مبارک پر ورم آگیا اور چہرے کا رنگ زرد ہوگیا۔ تمام رات کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ خدا نے اس سے روکا اور فرمایا: "طٰہٰ مَا أنزلنا علیک القرآن لتشقیٰ بل لتسعد بہ" یعنی اے میرے طیب و طاہر ہم نے قرآن اس لئے نہیں نازل کیا ہے کہ آپؐ تعب میں مبتلا ہو جائیں۔ ہم نے تو اس لئے نازل کیا ہے کہ آپؐ کو سعادت نصیب ہو۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا عبادت میں اپنے ایک پیر کو اٹھا لیتے تھے تاکہ تعب و زحمت زیادہ ہو جائے۔ پس خداوند عالم نے اس آیت کو نازل کیا۔ ۶۱

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مشرکین رسولؐ خدا کو کہا کرتے تھے ہمارا دین چھوڑ دینے کی وجہ سے رسولؐ زحمت میں پڑ گئے تو خدا نے ان کے جواب میں فرمایا: طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن الخ.... ۶۲

شیخ عارف کامل شاہ آبادی دام ظلہ کہا کرتے تھے کہ جب رسولؐ خدا نے ایک مدت تک لوگوں کو دعوت دی اور اس کا اثر اتنا نہ ہوا جتنا حضورؐ چاہتے تھے تو حضرتؐ نے احتمال دیا ہو سکتا ہے میری دعوت میں کوئی نقص ہو لہٰذا آپؐ ریاضت میں مشغول ہو گئے اور دس سال تک ایسی ریاضت کی کہ پیروں پر ورم آگیا۔ اس وقت آیۂ مبارکہ نازل ہوئی کہ اپنے کو مشقت میں مت ڈالو۔ تم طاہر و ہادی ہو۔ تمہارے اندر کوئی نقص نہیں ہے بلکہ لوگوں میں نقص ہے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ. ٦٣ "بے شک تم جسے چاہو منزلِ مقصود تک نہیں پہونچا سکتے"۔ بہرِصورت آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ ریاضت و زحمت و تعب برداشت کرتے تھے۔ مفسرین کے مجموعۂ کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اور یہ اُمّت کے لئے سرِمشق ہے۔ خصوصاً ان اہلِ علم کے لئے جو دعوت الی اللہ کرنا چاہتے ہیں۔

حضورِ سرورِ کائناتؐ اپنی طہارتِ قلب اور کمال کے باوجود اتنی ریاضت کرتے تھے کہ آیت نازل ہوئی اور ہم اپنی ان تمام گناہوں اور خطاؤں کے باوجود کبھی بھی اپنے معاد کے بارے میں غور نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے ہم کو عذابِ جہنّم سے آزادی کا پروانہ اور عذاب سے امن نامہ مل گیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حُبِّ دُنیا نے ہمارے کانوں میں روئی ٹھونس دی ہے جس کی وجہ سے ہم انبیا اور اولیا کے کلمات کو نہیں سنتے۔

اکیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۵ "کتاب ایمان وکفر" باب الشکر، حدیث ۶

۲۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱-۲

۳۔ سورۂ فتح آیت ۱-۲

۴۔ علامہ مجلسیؒ نے مجمع البیان کے حوالہ سے سورۂ فتح کی آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس توجیہ کو نقل فرمایا ہے۔ بحار جلد ۱۷، ص ۷۶ "تاریخ نبینا" باب ۱۵

۵۔ مفضل کی روایت سے ترجمہ گزر چکا ہے۔

۶۔ سورۂ نساء آیت ۷۹

۷۔ سورۂ نساء آیت ۷۸

۸۔ بحار جلد ۲۴ ص ۴ "کتاب الامامۃ" باب ۲۳، حدیث ۱۱ میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ فرمایا: «نَحْنُ السَّابِقُونَ وَنَحْنُ الْآخِرُونَ.»

۹۔ بحار جلد ۱۶ ص ۴۰۲ "تاریخ نبینا" باب ۱۲ حدیث ۱۔

۱۰۔ عوالی اللئالی جلد ۴ ص ۹۹ - دوسرا جملہ حدیث ۱۴۰ بحار جلد ۱۵ ص ۲۴، تاریخ نبینا باب ۱۔ حدیث ۴۴۔

۱۱۔ عیون اخبارِ رضاؑ جلد ۱ ص ۲۶۲۔

۱۲۔ بحار جلد ۲۶، ص ۲۴۷، "کتاب الامامۃ" باب ۴ حدیث ۱۶۔

۱۳۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۳۸۱ فی صفات الامام۔

۱۴۔ التوحید ص ۱۵۰، بَابُ تَفْسِيرِ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ «كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ»

۱۵۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: میں درخت کی جڑ ہوں علیؑ اس کا تنا، ائمہؑ اس کی شاخیں، ہمارا علم اس کا پھل اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں، بحار جلد ۲۴ ص ۱۳۸ "کتاب الامامۃ" باب ۴۴ حدیث ۳۔

۱۶۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۱۰۱۶، المقصد الرابع فی الخلود۔

۱۷۔ سورۂ ضحیٰ آیت ۵۔

۱۸۔ مجمع البیان، سورۂ ضحیٰ ذیل آیۃ ۵۔

۱۹۔ علی بن حسین بن موسیٰ معروف بہ سید مرتضیٰ "علم الہدیٰ" (۳۵۵ - ۴۳۶ ھ ق) شیعوں کے اور اسلام کے بہت بڑے عالم تھے۔ علوم عقلی و نقلی کے جامع تھے صاحب کمالات تھے اور صاحب فضائل تھے۔ کلام، فقہ، اصول، تفسیر، حدیث، رجال اور ادبیات میں متبحر تھے۔ شیخ مفید اور حسین بن علی، ابن بابویہ اور دوسروں سے روایت کرتے تھے۔ بہت بڑے بڑے علما آپ کے شاگرد تھے جن میں سر فہرست شیخ طوسی تھے آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ مثلاً امالی، الذریعۃ الی اصول الشریعۃ، الناصریات، الانتصار، الشافی وغیرہ۔

۲۰۔ تنزیہ الانبیا ص ۱۱۵ - ۱۱۸۔

۲۱۔ وجوہ مذکورہ کو سید مرتضیٰ نے تنزیہ الانبیا میں طبرسی نے مجمع البیان میں مجلسی نے بحار جلد ۷ ص ۱۷۔۴۲ میں ذکر کیا ہے۔

۲۲۔ سورۂ ص آیت ۵ - ۷۔

۲۳۔ بحار جلد ۱۷ - ۸۹ - ۹۰ تاریخ نبینا باب ۱۵، جلد ۲۰، عیون جلد ۱ ص ۲۰۲، باب ۱۵، حدیث ۱۔

۲۴۔ سورۂ صف آیت ۱۴۔

۲۵۔ ترجمہ گزر چکا ہے۔

۲۶۔ سورۂ نصر آیت ۱۔

۲۷۔ حدیث ۶ توضیح ۱۷۔

۲۸۔ آنحضرتؐ کی قسم "لا واستغفر اللہ" نحی مکارم الاخلاق ص ۳۱۲، الباب العاشر، الفصل الثالث فی الاستغفار والبکاء۔

۲۹۔ مجمع البیان سورۂ نصر کی تفسیر کے ذیل میں۔

۳۰۔ حسین بن مفضل معروف بہ راغب اصفہانی (متوفی ۵۶۵ یا ۵۰۲ ھ ق) یہ لغت، شعر، کلام اور علوم قرآنی میں بہت ماہر تھے۔ آپ کی تالیفات بہت ہیں المفردات، الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ، مقدمہ تفسیر قرآن، تحقیق البیان فی تاویل القرآن۔

۳۱۔ المفردات فی غریب القرآن ص ۲۶۵۔ ضمن شکر۔

۳۲۔ حدیث ۲۔ توضیح ۲۲۔

۳۳۔ منازل السائرین ص ۹۱ "قسم الاخلاق" باب الشکر۔

۳۴۔ شرح منازل السائرین ص ۹۱ "قسم الاخلاق" باب الشکر۔

۳۵۔ المحجۃ البیضا جلد ۷ ص ۱۴۴ "بیان حد الشکر وحقیقۃ"

۳۶۔ حدیث ۲ توضیح ۲۲۔

۳۷۔ سورۂ مائدہ آیت ۶۴۔
۳۸۔ دوسرا مصرع یہ ہے: تا جیب رابر کند از بیخ و بن مولوی
۳۹۔ سورۂ سبا آیت ۱۳۔
۴۰۔ منازل السائرین ص ۴۱، قسم الاخلاق، باب الشکر۔
۴۱۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۴، کتاب ایمان وکفر، باب الشکر، حدیث ۱
۴۲۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب الشکر حدیث ۷، اس کتاب میں علی الذنوب کے بجائے عند الذنب آیا ہے۔
۴۳۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۶۔ ۹۷، کتاب ایمان وکفر، باب الشکر حدیث ۱۶
۴۴۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب الشکر حدیث ۱۱
۴۵۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب الشکر حدیث ۱۰
۴۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۷، کتاب ایمان وکفر، باب الشکر حدیث ۱۸
۴۷۔ سورۂ ابراہیم آیت ۷۔
۴۸۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب الشکر، حدیث ۸۔
۴۹۔ حدیثِ معراج میں ہے۔

«ثُمَّ طَأْطِئْ يَدَيْكَ وَاجْعَلْهَا عَلَى رُكْبَتَيْكَ، فَانْظُرْ إِلَى عَرْشِي. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): فَنَظَرْتُ إِلَى عَظَمَةٍ ذَهَبَتْ لَهَا نَفْسِي وَغُشِيَ عَلَيَّ، فَأُلْهِمْتُ أَنْ قُلْتُ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ» لِعِظَمِ مَا رَأَيْتُ. فَلَمَّا قُلْتُ ذٰلِكَ، تَجَلَّى الْغَشْيُ عَنِّي حَتَّى قُلْتُهَا سَبْعاً.»

پھر ہاتھوں کو نیچے لاکر زانو پر رکھو پھر میرے عرش کو دیکھو، آنحضرتؐ فرماتے ہیں: میں نے ایسی عظمت دیکھی جس سے میری روح فنا ہوگئی اور میں بیہوش ہوگیا۔ میں نے جس عظمت کو دیکھا تھا اس سے میرے دل میں آیا کہ کہوں سبحان ربی العظیم وبحمدہ۔ جب میں نے یہ کہا تو ہوش آگیا یہاں تک کہ میں نے اس کو اپنی زبان پر سات بار دُہرایا۔ علل الشرائع جلد ۲ ص ۳۱۲، باب ۱ حدیث ۱۔

۵۰۔ تفسیر علی ابن ابراہیم قمی ص ۴۱۷، سورۂ طٰہٰ۔
۵۱۔ معانی الاخبار ص ۲۲، باب معنی الحروف المقطعہ۔
۵۲۔ ابنِ عباس بچپنے میں رسولِ خدا کے مصاحب تھے حضرت علیؑ کے اصحاب میں تھے ان کو ترجمان القرآن، فارس القرآن، حبر الامۃ، رئیس المفسرین، شیخ المفسرین جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور مفسرین جو تابعی تھے انھیں کے شاگرد تھے۔
۵۳۔ طبرسی نے مجمع البیان میں اس قول کو ابنِ عباس، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد سے نقل کیا ہے۔
۵۴۔ مجلسی نے اس قول کو قشیری کے حوالہ سے نسفی سے نقل کیا ہے، بحار جلد ۶۸ ص ۲۷۔
۵۵۔ الجامع لاحکام القرآن، قرطبی جلد ۱۱ ص ۱۶۶۔

۵۶۔ ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی (۵۴۸ یا ۵۵۲ - ۴۷۲) چھٹی صدی کے بڑے مفسر و فقیہ تھے شیخ ابو علی فرزند طوسی اور دوسروں سے روایت کی ہے۔ ابو نصر حسن بن فضل صاحب مکارم الاخلاق، محمد بن علی ابن شہر آشوب، شیخ منتجب الدین صاحب فہرست، قطب راوندی وغیرہ آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کی تفسیروں میں مجمع البیان بہت مشہور ہے۔ آپ کی تصانیف میں جامع الجوامع در تفسیر، اعلام الوریٰ، تاج المواليد وغیرہ ہیں۔

۵۷۔ مجمع البیان درضمن پہلی آیت سورۂ طٰہٰ۔

۵۸۔ امام صادقؑ سفیان ثوری کے جواب میں حروف مقطعہ کے معانی کو اشارات و رموز میں شمار کیا ہے اور فرمایا اوّل بقرہ میں جو الم ہے اس کا مطلب انا اللہ الملک کے ہیں اور اوّل آل عمران میں جو ہے اس کا مطلب انا اللہ المجید ہے۔ معانی الاخبار ص ۲۲، باب معنی الحروف المقطعة۔

۵۹۔ احتجاج جلد ا ص ۲۱۹ - ۲۲۰ "احتجاج امیر المومنین علی الیهود"۔

۶۰۔ احمد بن علی ابن ابی طالب طبرسی۔ آپ عالم، فقیہ، محدث اور مورخ تھے چھٹی صدی ہجری کے اواخر اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں تھے۔ تقریباً ۶۲۰ھ ق میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تالیفات میں الکافی فی الفقہ، تاریخ الائمہ، کتاب الصلوٰۃ، مفاخرۃ الطالبیة اور احتجاج ہے۔

۶۱۔ مجمع البیان، تفسیر آیۂ ا سورۂ طٰہٰ۔

۶۲۔ مجمع البیان میں سورۂ طٰہٰ کی پہلی آیت کی تفسیر میں حسن بصری سے روایت کی ہے۔

۶۳۔ سورۂ قصص آیت ۵۶۔

بائیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰى رُكْنِ الْاِسْلَامِ وَ ثِقَتِهِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي عُثْمَانَ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى اَبِي ذَرٍّ فَقَالَ: يَا اَبَا ذَرٍّ، مَا لَنَا نَكْرَهُ الْمَوْتَ؟ فَقَالَ: لِاَنَّكُمْ عَمَّرْتُمُ الدُّنْيَا وَاَخْرَبْتُمُ الْآخِرَةَ، فَتَكْرَهُونَ اَنْ تُنْقَلُوا مِنْ عُمْرَانٍ اِلٰى خَرَابٍ. فَقَالَ لَهُ: فَكَيْفَ تَرٰى قُدُومَنَا عَلَى اللّٰهِ؟ فَقَالَ: اَمَّا الْمُحْسِنُ مِنْكُمْ، فَكَالْغَائِبِ يَقْدُمُ عَلٰى اَهْلِهِ؛ وَاَمَّا الْمُسِيءُ مِنْكُمْ، فَكَالْآبِقِ يُرَدُّ عَلٰى مَوْلَاهُ. قَالَ: فَكَيْفَ تَرٰى حَالَنَا عِنْدَاللّٰهِ؟ قَالَ: اِعْرِضُوا اَعْمَالَكُمْ عَلَى الْكِتَابِ: اِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: «اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ. وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ.»[1]

قَالَ: فَقَالَ الرَّجُلُ: فَاَيْنَ رَحْمَةُ اللّٰهِ؟ قَالَ «رَحْمَةُ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ.»

«قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَكَتَبَ رَجُلٌ اِلٰى اَبِي ذَرٍّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: يَا اَبَاذَرٍّ، اَطْرِفْنِي بِشَيْءٍ مِنَ الْعِلْمِ. فَكَتَبَ اِلَيْهِ: اِنَّ الْعِلْمَ كَثِيرٌ، وَلٰكِنْ اِنْ قَدَرْتَ

أنْ لاتُسِيءَ إلى مَنْ تُحِبُّهُ، فافعَلْ. فَقالَ لَهُ الرَّجُلُ: وَهَلْ رأيْتَ أحداً يُسِيءُ إلى مَنْ يُحِبُّهُ فَقالَ لَهُ: نَعَمْ، نَفْسُكَ أحَبُّ الأنْفُسِ إلَيْكَ؛ فَإذا أنْتَ عَصَيْتَ اللهَ، فَقَدْ أسَأتَ إلَيْها.»[2]

ترجمہ: ایک شخص جناب ابوذر کے پاس آکر کہنے لگا۔ اے ابوذر آخر ہم موت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ ابوذر نے کہا: چونکہ تم نے دُنیا کو آباد کیا ہے اور آخرت کو برباد کیا ہے اس لئے آبادی سے خرابہ کی طرف جانے کو ناپسند کرتے ہو۔ اس شخص نے پھر پوچھا: خدا کے پاس ہمارا آنا کس طرح کا ہوگا؟ ابوذر نے کہا: تم میں سے جو اچھے لوگ ہیں وہ تو اس طرح آئیں گے جیسے غائب اپنے عیال کی طرف آتا ہے اور جو بُرے لوگ ہیں وہ اس طرح آئیں گے جیسے بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس آتا ہے۔ اس شخص نے پھر سوال کیا: خدا کے یہاں ہماری حالت کیا ہوگی؟ ابوذر نے کہا: اپنے اعمال کو قرآن پر پیش کرو۔ خدا کا ارشاد ہے:

"بیشک نیک لوگ (جنت) نعیم میں ہوں گے اور یقیناً بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔"

راوی کہتا ہے اس شخص نے پھر سوال کیا: ایسی صورت میں خدا کی رحمت کہاں گئی؟ ابوذر نے کہا: خدا کی رحمت اچھے لوگوں کے قریب ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت ابوذر کو لکھا: اے ابوذر مجھے کچھ علم کا تحفہ بھیجو۔ ابوذر نے اس کو لکھا: علم تو بہت ہے لیکن اگر تم اپنے محبوب کے ساتھ بُرائی نہ کرنے پر قادر ہو تو ایسا ضرور کرو۔ اس شخص نے کہا: کیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ برائی کرتا ہو؟ ابوذر نے کہا: ہاں۔ (دیکھو) تمہارا نفس تم کو سب سے زیادہ محبوب ہے اب اگر تم نے کوئی گناہ کیا تو اپنے محبوب (یعنی نفس) کے ساتھ بُرائی کی۔

شرح: موت کو ناپسند کرنے اور اس سے ڈرنے کے سلسلہ میں لوگ مختلف ہیں اور اُن کی کراہت کے مبادی بھی مختلف ہیں۔ حضرت ابوذر نے جو بات کہی ہے وہ متوسط حضرات کے لئے ہے۔ (لہٰذا) میں کاملین و ناقصین کے حالات کا ذکر اجمالاً کروں گا۔

یہ جان لینا چاہیے کہ ہم جیسے ناقص لوگوں کا موت کو ناپسند کرنے اور اس سے ڈرنے کی علت وہ نکتہ ہے جس کی طرف ہم نے بعض حدیثوں کی شرح کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے[3] اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی خداداد فطرت اور اصلی جبلت کی بنا پر بقاو زندگی کو دوست رکھتا ہے اور فنا و موت

سے نفرت کرتا ہے اور اس کا تعلق بقائے مطلق اور حیاتِ دائمی سرمدی سے ہے۔ یعنی ایسی بقا کو چاہتا ہے جس میں فنا نہ ہو اور ایسی زندگی کو چاہتا ہے جس کے لئے زوال نہ ہو۔ بعض بزرگوں[۴] نے اسی فطرت کا سہارا لے کر معاد کو ثابت کیا ہے جس کا ذکر فعلاً ہمارے مقصد سے خارج ہے اور چونکہ انسانی فطرت میں یہ محبت و نفرت ہے اس لئے جس کے بارے میں وہ تشخیص کر لیتا ہے کہ اس میں بقا ہے اور جس عالم کو عالمِ حیات سمجھتا ہے اس سے عشق و محبت پیدا کر لیتا ہے اور اس کے مقابل سے نفرت کرتا ہے اور ہم لوگ چونکہ عالمِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی ہمارے قلوب اس عالم کے حیاتِ ازلی اور بقائے سرمدی پر اطمینان رکھتے ہیں اس لئے ہم سب اسی دُنیا سے علاقہ مند ہیں اور اس فطرت و جبلت کی بنا پر موت سے گریزاں ہیں اور ہم نے اس سے پہلے بھی ذکر کیا[۵] ہے کہ ادراک اور تصدیقِ عقلی اطمینان اور طمانیتِ قلب کے علاوہ ہے۔ ہم اس بات کا عقلی ادراک یا تعبدی تصدیق تو رکھتے ہیں کہ موت حق ہے۔ موت یعنی نشئہ نازلہ مظلمہ ملکیہ سے دوسرے عالم (یعنی) حیاتِ دائمی نورانی اور نشئہ باقیۂ عالیۂ ملکوتیہ کی طرف انتقال کا نام ہے۔

لیکن ہمارے قلوب کو نہ تو اس معرفت سے کوئی حظ ملتا ہے اور نہ ہی ہمارے دل اس سے باخبر ہیں۔ بلکہ ہمارے دل خلود ارضی اور نشئہ ملکیہ کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اسی حیوانی ملکی پست زندگی کو حیات سمجھتے ہیں اور عالمِ آخرت کے حیات و بقا کے قائل ہی نہیں ہیں اسی لئے اسی عالم (کون و فساد) کو پُراعتماد بھروسہ کرتے ہیں اور عالمِ آخرت سے خائف و متنفر ہیں اور اس سے فرار کرتے ہیں اور ہماری یہ ساری بدبختی ہمارے نقص ایمان و عدم اطمینان کی بنا پر ہے۔ ہم جتنا دنیاوی زندگی اور اس کے عیش پر مطمئن ہیں اور اس دنیا کی بقا و زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اگر اس کا ½ حصہ بھی عالمِ آخرت و حیاتِ ابدی و جاویدانی پر ایمان رکھتے تو ہمارا دل اس سے کہیں زیادہ (آخرت سے) علاقہ مند ہوتا اور ہم اس کی اصلاح و آبادی کی کوشش کرتے۔ مگر افسوس ہمارے سرچشمۂ ایمان میں پانی نہیں ہے اور ہمارے یقین کی بنیاد پانی پر ہے۔ اس لئے مجبوراً ہم موت و فنا و زوال سے ڈرتے ہیں۔ اس کا قطعی علاج اس طرح ہو سکتا ہے کہ ذکر و فکر نافع اور علم و عمل صالح کے ذریعہ ایمان کو اپنے دل میں داخل کریں۔

اب رہا متوسطین کی (موت سے) کراہت اور خوف یعنی جو لوگ عالمِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ متوسطین ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب دنیا کی تعمیر کی طرف متوجہ ہیں اور عالمِ آخرت کی تعمیر سے غافل ہیں لہٰذا ان کا دل نہیں چاہتا کہ آبادی کو چھوڑ کر خرابہ کی طرف منتقل

ہوں جیسا کہ حضرت ابوذر نے فرمایا اور یہ بھی نقصِ ایمان اور نقصانِ اطمینان کی وجہ سے ہے ورنہ کامل الایمان شخص کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ امورِ دنیائے دنی کی طرف متوجہ ہو اور تعمیرِ آخرت سے غافل ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام وحشت و خوف و کراہت ہمارے غلط اعمالی و کج رفتاری اور مولا کی مخالفت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر مثلاً ہمارا حساب درست ہو اور خود ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں تو حساب سے وحشت کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ آخرت میں حساب عادلانہ ہوگا اور حساب لینے والا عادل ہوگا لہٰذا حساب سے خوف خود ہمارے بد حسابی کی وجہ سے ہے اور نفاق و چوری کی وجہ سے ہے نہ کہ ہمارا خوف (نفس) محاسبہ کی وجہ سے ہے۔

کافی میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

«قَالَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُحَاسِبْ نَفْسَهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ، فَإِنْ عَمِلَ حَسَناً، اِسْتَزَادَهُ اللّٰهُ؛ وَإِنْ عَمِلَ سَيِّئاً، اِسْتَغْفَرَ اللّٰهَ مِنْهُ وَتَابَ إِلَيْهِ.»[6]

"جو شخص روزآنہ اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اگر اس نے اچھا عمل کیا تو خدا سے زیادتی طلب کرے اور اگر اس نے برا عمل کیا تو توبہ و استغفار کرے۔"

لہٰذا اگر تم نے خود ہی اپنا محاسبہ کر لیا ہے تو حساب کے موقع پر کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور نہ اس کا کوئی خوف ہوگا۔ اسی طرح آخرت کے تمام مواقف و مہالک اسی دُنیا کے اعمال کے تابع ہیں۔ مثلاً اگر دُنیا میں نبوت کے سیدھے راستہ پر اور ولایت کے صراطِ مستقیم پر تم گامزن رہے ہوگے اور جادۂ ولایت حضرت علیؑ سے بھٹکے نہ ہوگے اور تمھارے قدموں میں کوئی لغزش نہ ہوئی ہوگی تو صراط سے گزرنے کے لئے تمھیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ کیونکہ صراط کی حقیقت باطنی طور سے ولایت ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ صراط ہیں[7] اور دوسری حدیث میں ہے: ہم ہی صراطِ مستقیم ہیں[8] اور زیارتِ جامعہ میں ہے: «اَنْتُمُ السَّبِيلُ الْأَعْظَمُ وَالصِّرَاطُ الْأَقْوَمُ.»[9] "آپ ہی سبیلِ اعظیم اور مضبوط راستہ ہیں" اور جو شخص بھی اس صراط پر استقامت کرے اور اس کے پاؤں میں لغزش نہ ہو۔ اس کو (قیامت میں) اس صراط پر بھی لغزش نہ ہوگی اور وہ کوندتی ہوئی بجلی کی مانند صراط سے گزر جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کے اخلاق و ملکات عادلانہ ہوں گے اور نورانی ہوں گے تو وہ قبر برزخ قیامت کی ظلمتوں اور وحشتوں اور اس دُنیا کے عوالم کے ہول سے امان میں ہوگا اور اس نشأۃ سے

اس کے لئے کوئی خوف نہ ہوگا۔ پس اس جگہ درد بھی ہماری وجہ سے ہے اور اس کا علاج بھی ہمارے ہی پاس ہے جیساکہ حضرت علیؑ کی طرف منسوب اشعار میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہے:

«دَواؤُکَ فِیکَ وَما تَشعُرُ   وَداؤُکَ مِنکَ وَما تُبصِرُ»[10]

تمہاری دوا تمہارے اندر ہے مگر تم کو اس کا شعور نہیں ہے اور تمہارا مرض بھی تم ہی سے ہے مگر تم دیکھ نہیں پاتے ہو۔

کافی میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ایک شخص سے فرمایا:

«اَنَّهُ قالَ لِرَجُلٍ اِنَّکَ قَدْ جُعِلْتَ طَبیبَ نَفْسِکَ، وَبُیِّنَ لَکَ الدّاءُ وَعُرِفْتَ آیَةَ الصِّحَّةِ وَدُلِلْتَ عَلَی الدَّواءِ فَانْظُرْ کَیْفَ قِیامُکَ عَلی نَفْسِکَ.»[11]

"تم کو اپنے نفس کا طبیب قرار دیا گیا ہے اور تم کو مرض بتا دیا گیا ہے تم کو صحت کی نشانیاں بتائی جا چکی ہیں اور دوا کی رہبری کر دی گئی ہے۔ لہٰذا تم دیکھو کہ اپنے نفس کی اصلاح کیونکر کرتے ہو۔" تمہارے اندر اعمال، اخلاق، عقائدِ فاسدہ موجود ہیں اور صحت کی علامتیں انبیا کے نسخے اور عقل و فطرت کے انوار ہیں اور اصلاح نفوس کی دوا اس کے تصفیہ کے لئے کوشش کرنا ہے۔ یہ متوسطین کا حال ہے۔

اب رہا کامل اور مطمئن مومنین کا حال تو یہ لوگ موت سے کراہت نہیں کرتے اگرچہ خوف و وحشت رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا خوف خداوندِ عالم کی عظمت و جلالت سے ہے۔ چنانچہ رسولِ خدا کا ارشاد ہے: «فَاَیْنَ هَوْلُ الْمُطَّلَع»[12] "روزِ حساب کس قدر وحشت ہوگی۔"

شبِ انیسویں رمضان کو حضرت علیؑ پر عظیم دہشت و وحشت طاری تھی۔[13] حالانکہ حضرتؑ فرمایا کرتے تھے: خدا کی قسم ابو طالبؑ کا بیٹا موت سے بہت زیادہ مانوس ہے بہ نسبت بچہ کی پستانِ مادر کی انسیت سے۔[14] خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کا خوف دوسرے امور کی وجہ سے ہے۔ ان حضرات کا خوف ہم جیسے آرزوؤں اور امیدوں کے گرفتار اور دُنیائے فانی کے دلدادہ حضرات جیسا نہیں ہے۔

(اسی طرح) قلوب اولیا میں بھی بہت اختلاف ہے جو شمار میں نہیں آسکتا اور نہ رشتہ تحریر میں آسکتا ہے۔ ہم ان میں سے بعض کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہیں۔ پس عرض ہے کہ اولیا کے قلوب تجلیات اسما کے قبول کرنے میں مختلف ہیں۔ بعض قلوب عشقی و شوقی ہیں۔ ان میں خدا اپنے اسمائے جمالی کے ساتھ تجلی کرتا ہے اور وہ تجلی ہیبت و شوق سے ملی جلی ہوتی ہے اور ہیبتِ خوف، عظمت کی تجلی اور اس کے ادراک سے ہوتی ہے ملاقات کے وقت عاشق کا دل تپتا ہے اور وحشت زدہ

وخوفزدہ رہتا ہے۔ لیکن یہ خوف و وحشت عام خوف سے الگ ہے۔

اور بعض قلوب خوفی و حزنی ہوتے ہیں۔ ان میں خدا اپنے اسمائے جلال وعظمت کے ساتھ تجلی کرتا ہے اور وہ تجلی ایسی ہیبت پیدا کرتی ہے جس میں خوف بھی ملا ہوتا ہے اور ایسی حیرت پیدا کرتی ہے جس میں حزن بھی مخلوط ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت یحییٰ نے جنابِ عیسیٰ کو ہنستے ہوئے دیکھ کر عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا: معلوم ہوتا ہے آپ خدا کے بارے میں فکر اور اس کے عذاب سے مامون ہو چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا معلوم ہوتا ہے آپ خدا کے فضل و رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس پر خدا نے ان دونوں پر وحی فرمائی تم میں سے جس کسی کا حُسنِ ظن میرے بارے میں زیادہ ہے وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔[۱۵] چونکہ حضرتِ یحییٰ کے دل میں خدا نے اسمائے جلال کے ساتھ تجلی کیا تھا لہٰذا وہ ہمیشہ خائف رہا کرتے تھے اس لئے حضرت عیسیٰ سے اس طرح خطاب کیا اور حضرت عیسیٰ نے بمقتضائے تجلیاتِ رحمت ان کو جواب دیا۔

پہلی فصل

یہ سمجھ لو کہ اس حدیث «عَمَّرْتُمُ الدُّنْیَا وَاَخْرَبْتُمُ الْآخِرَةَ.» (تم نے دُنیا کو آباد کیا اور آخرت کو برباد کیا) سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارِ آخرت و بہشت معمور و آباد ہے مگر ہمارے اعمال سے خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن (سب ہی کو) معلوم ہے اس کا مقصد تعبیر میں مشابہت ہے چونکہ دُنیا کے لئے (لفظ) "آباد" استعمال کیا ہے اس کی مناسبت سے آخرت کے لئے (لفظ) "برباد" استعمال کیا ہے اور عالمِ جنت و دوزخ اگرچہ مخلوق ہیں۔ لیکن جنت و دوزخ کے مواد کی تعمیر یا تخریب اعمال کے تابع ہے۔ روایت میں ہے کہ بہشت کی زمین بالکل سادہ ہے اور اس کی تعمیر کرنے والی چیزیں بنی نوع انسان کے اعمال ہیں[۱۶] اور یہ بات اہلِ کشف و مکاشفہ کے برہان کے مطابق بھی ہے چنانچہ بعض عرفائے محققین فرماتے ہیں: «عَصَمَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكَ» دوزخ مخلوقات میں سب سے اعظم ہے۔ آخرت میں یہی خداوندِ عالم کا قید خانہ ہے اور اس کی گہرائی کے دور ہونے کی وجہ سے اس کو جہنم کہا جاتا ہے جیسے اس کنواں کو جس کی گہرائی زیادہ ہو "بِئرِ جہنام" کہا جاتا ہے۔ جہنم میں گرمی و سردی دونوں ہیں۔ سردی ہے تو آخری ڈگری تک اور گرمی ہے تو آخری درجہ تک اس کی ابتدا اور گہرائی کے درمیان ساڑھے سات سو سال کی راہ ہے۔ لوگوں میں اختلاف ہے کہ یہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے اور اس

میں اختلاف ایک مشہور چیز ہے۔ اسی طرح بہشت میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن ہمارے اور ہمارے اصحاب اہلِ مکاشفہ و معرفت کے نزدیک یہ مخلوق ہیں اور مخلوق نہیں (بھی) ہیں۔ ہم نے جو یہ کہا کہ مخلوق ہیں اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی مکان بنانے والا چاروں طرف کی صرف دیوار اٹھادے تو اس کو کہا جائے گا یہ گھر ہے۔ لیکن جب اندر جاکر دیکھو تو سوائے چہار دیواری کے اور کچھ نہ دکھائی دے گا۔ اس کے بعد جب اس میں رہنے والوں کے مقصد کے مطابق کمرے، ہال، کوٹھری وغیرہ بن جائے گی۔ (تب اندر سے بھی مکان کہا جائے گا۔) انتہیٰ[17]

حدیث میں ہے کہ جب رسولِ خدا معراج پر تشریف لے گئے تو جنت میں چند ملائکہ کو دیکھا کہ وہ کبھی مکان بنانے لگتے ہیں اور کبھی ٹھہر جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے جبرئیلؑ سے کہا اس کا کیا سبب ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا: اس مکان کے مواد اُمّت کے اذکار ہیں جب لوگ ذکر کرتے ہیں سامان آتا ہے یہ ملائکہ تعمیر میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جب اُمّت کے لوگ ذکر نہیں کرتے تو یہ بھی ٹھہر جاتے ہیں۔[18]

خلاصہ یہ ہے کہ جسمانی جنّت و دوزخ بنی آدم کے وہی اعمال و افعال حسنہ و سیئہ ہیں جو وہ اس دُنیا میں کرتے ہیں۔ چنانچہ آیتوں میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے مثلاً: «وَ وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا.»[19] اور جو کچھ ان لوگوں نے (دُنیا میں) کیا تھا وہ سب کچھ موجود پائیں گے اور اسی طرح قولِ معصومؑ ہے: «اِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ اِلَيْكُمْ.»[20] (یہ تو تمھارے ہی اعمال ہیں جو تم کو واپس کیے جا رہے ہیں) اور ہو سکتا ہے کہ جنّت و دوزخ دو نشئہ اور دو مستقل گھر ہوں جن کی طرف بنی آدم اپنی جوہری حرکتوں اور سوق ملکوتی اور عملی و خلقی حرکات ارادیہ کے ذریعہ سفر کر رہے ہوں۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا حصّہ وہی ہو گا جو ان کے اعمال کی صورت ہو گی۔

مختصر یہ ہے کہ عالمِ ملکوت اعلیٰ جنّت ہے جو خود ایک مستقل دُنیا ہے۔ نفوس سعیدہ کو اس کی طرف بھیجا جاتا ہے اور عالمِ ملکوت سفلیٰ جہنم ہے جس کی طرف بد بخت و شقی نفوس کو بھیجا جاتا ہے۔ مگر جنّت یا دوزخ دونوں میں سے جس کی طرف بھی بازگشت ہو وہ خود ان کے اعمال حسنہ یا المناک و دہشتناک اعمال سیئہ ہیں۔ ہمارے اس بیان سے ظواہر کتاب اور روایات کے درمیان جو ظاہری اختلاف ہے وہ دور ہو گیا اور یہ مسلک اہلِ عرفان اور برہان کے مطابق بھی ہے۔

دوسری فصل

یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابوذر کا کلام اس جگہ پر ایک جامع اور محکم دستور ہے جس کی ہر انسان کو پابندی کرنی چاہیئے۔ جب ابوذر نے کہا اپنے اعمال کو قرآن پر پیش کرو۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے: "لوگ دو قسم کے ہیں ایک ابرار وہ نعیم میں ہوں گے دوسرے فجار جو جحیم میں ہوں گے۔" تو اس شخص نے رحمت کا سہارا لیا کہ اگر ایسا ہے تو خدا کی رحمت کا کیا مقصد ہے؟ ابوذر نے کہا: خدا کی رحمت بھی یوں ہی نہیں ہے؟ اور وہ نیک لوگوں سے قریب ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ شیطان ملعون اور خبیث نفس امّارہ انسان کو بہت زیادہ طریقوں سے مغرور بنا دیتا ہے اور اس کو ہلاکتِ ابدی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور اس کے پاس جو آخری تیر ہے وہ یہی ہے کہ رحمتِ حق کی اُمید میں مبتلا کر کے انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے اور اس طرح کا رحمت پر بھروسہ شیطانی چال ہے اور اس کا شاہد اور دلیل یہ ہے کہ امورِ دُنیا میں ہم کسی طرح رحمتِ حق پر بھروسہ نہیں کرتے۔ طبعی و ظاہری اسباب کو بالکلیہ مستقل اور کارکن سمجھتے ہیں اور اس طرح کہ دُنیا میں گویا اسبابِ ظاہری کے علاوہ کوئی مؤثر ہی نہیں ہے اور امورِ آخرت میں بخیالِ خویش رحمتِ حق پر بھروسہ کرتے ہیں۔ خدا و رسولؐ کے احکام سے غفلت کرتے ہیں۔ جیسے کہ خدا نے ہم کو نہ عمل کی طاقت دی ہے اور نہ صحیح و غلط راستہ کو بتایا ہے۔ مختصر یہ کہ دنیاوی امور میں ہمارا مسلک تفویضی ہوتا ہے اور اخروی امور میں ہمارا مسلک جبری ہو جاتا ہے اور ہم اس سے غافل رہتے ہیں کہ یہ دونوں راستے باطل و غلط ہیں احکامِ انبیا اور طریقہ مستمرۂ ائمہ ہدیٰ اور اولیا مقربین کے مخالف ہے۔ حالانکہ وہ سب بھی رحمتِ حق کے معتقد تھے اور ان کا ایمان ہم سب سے قوی تھا اس کے باوجود وہ حضرات ایک سکنڈ بھی اپنے فرائض کی انجام دہی سے غافل نہیں تھے اور ایک منٹ بھی اپنی سعی و کوشش سے باز نہیں آتے تھے۔ برادرم ذرا ان کے صحیفۂ اعمال کو دیکھو، سیدِ سجّادؑ کی مناجاتوں اور دُعاؤں کو ملاحظہ کرو اور دقتِ نظر سے دیکھو عبودیت کے سلسلہ میں ان کا طریقہ کیا تھا اور کس طرح فریضۂ بندگی ادا کرتے تھے۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود جب حضرت علیؑ کے صحیفۂ اعمال کو امامِ چہارم دیکھتے ہیں تو افسوس کرتے ہیں اور اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں۔[۲۱] اب ہم یا تو معاذ اللہ ان سب کو جھٹلائیں اور یہ کہدیں کہ یہ حضرات بھی ہماری طرح رحمتِ حق پر ایمان و اطمینان نہیں رکھتے تھے اور یا پھر اپنے کو جھٹلائیں اور سمجھ

لیں کہ ہم جو باتیں کہتے ہیں وہ نفس امّارہ اور شیطان کی مکاریوں میں سے ہے شیطان ہم کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرنا چاہتا ہے۔ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں ان کے شرور سے۔

لہٰذا میرے عزیز جس طرح حضرت ابوذر نے اس مرد کو بتایا تھا کہ علوم تو بہت ہیں مگر جو علم ہم جیسے لوگوں کے لئے مفید ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ساتھ بُرائی نہ کریں اور یہ سمجھ لیں کہ انبیا اور اولیا کے دستورات ایسے کاشف حقائق ہیں جن سے ہم محجوب ہیں وہ حضرات جانتے تھے کہ بُرے اخلاق اور بُرے اعمال کی کیا صورتیں ہیں اور ان سے کس قسم کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں اور اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ کریمہ کی کتنی خوبصورت ملکوتی صورتیں ہوتی ہیں۔ (اس لئے) ان حضرات نے سب کچھ بتا دیا۔ (سب کا) درمان اور مرض و درد اور اس کا علاج بتا دیا۔ اب اگر آپ کو واقعاً اپنے سے محبّت ہے تو ان قوانین پر عمل کیجیئے اور اپنے مرض کا علاج کیجئے۔ خدا جانتا ہے اگر ہم اپنے ان موجودہ حالات کے ساتھ اس دُنیا سے منتقل ہو گئے تو کیسی کیسی مصیبتیں، امراض، درد میں گرفتار ہوں گے۔ «وَالْحَمْدُلِلّٰہِ اَوَّلاً وَآخِراً.»

بائیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ سورۂ انفطار آیت ۱۳-۱۴۔

۲۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۴۹۸ "کتاب ایمان وکفر" باب محاسبۃ العمل حدیث ۲۰۔

۳۔ ص/۱۶۵

۴۔ آیت اللہ محمد علی شاہ آبادی "رشحات البحار ص ۲۶۳ "کتاب الانسان والفطرۃ"۔

۵۔ ص/۵۷

۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۴۵۳ "کتاب ایمان وکفر" باب محاسبۃ العمل حدیث ۲۔

۷۔ معانی الاخبار جلد ۲، ص ۳۲ (باب معنی الصراط) حدیث ۲ میں امام جعفر صادقؑ کا قول ہے: صراطِ مستقیم حضرت علیؑ ہیں۔ اسی طرح اسی باب کی تیسری حدیث میں اسی باب کے اندر ہے، تفسیر علی بن ابراہیم ص ۶۰۶۔

۸۔ امام سجادؑ نے فرمایا:

«عَنْ سَيِّدِ الْعَابِدِينَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ (ع) قَالَ: لَيْسَ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ حُجَّتِهِ حِجَابٌ؛ فَلَا لِلّٰهِ دُونَ حُجَّتِهِ سِتْرٌ، نَحْنُ أَبْوَابُ اللّٰهِ، وَنَحْنُ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ؛ وَنَحْنُ عَيْبَةُ عِلْمِهِ؛ وَنَحْنُ تَرَاجِمَةُ وَحْيِهِ؛ وَنَحْنُ أَرْكَانُ تَوْحِيدِهِ؛ وَ نَحْنُ مَوْضِعُ سِرِّهِ.»

"خدا اور اس کی حجت کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ پس خدا کے لیے اس کی حجت کے علاوہ کوئی پردہ نہیں ہے ہم ابواب اللہ ہیں اور ہم ہی صراطِ مستقیم ہیں اور ہم ہی اس کے گنجینۂ علم ہیں۔ ہم ہی اس کی وحی کے ترجمان، اس کی توحید کی بنیاد اور اس کے راز دار ہیں۔ معانی الاخبار ص ۳۵ "باب معنی الصراط" حدیث ۵۔

۹۔ زیارت جامعہ کبیرہ "من لایحضرہ الفقیہ جلد ۲ ص ۳۷۲ مفاتیح الجنان باب زیارت۔

۱۰۔ دیوان منسوب بہ حضرت علیؑ ص ۴۴۔

۱۱۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۴۵۳ "کتاب ایمان وکفر" باب محاسبۃ العمل حدیث ۶۔

۱۲۔ تفسیر برہان جلد ۴ ص ۵۱۷ ذیل آیۃ ایک سورۂ نصر حدیث ۲۔

۱۳۔ نہج البلاغہ ص ۴۸ خطبہ ۵۔

۱۴۔ نہج البلاغہ خطبہ ۵۔

۱۵۔ فیہ ما فیہ (مولوی) ص ۴۸۔

۱۶۔ حدیث نبوی میں ہے: «اَلْجَنَّةُ قِيعَانٌ، وَاِنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ.» جنت اک زمین ہموار ہے اور اس کا پھل سبحان اللہ وبحمدہ ہے۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۱۰۶۰۔

۱۷۔ فتوحاتِ مکیہ جلد ۱، فصل اول، باب ۶۱۔

۱۸۔ امام صادق فرماتے ہیں:

«عَنْ جَمِيلٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): لَمَّا اُسْرِيَ بِي اِلَى السَّمَاءِ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَرَاَيْتُ فِيهَا مَلَائِكَةً يَبْنُونَ لَبِنَةً مِنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَةً مِنْ فِضَّةٍ وَرُبَّمَا اَمْسَكُوا فَقُلْتُ لَهُمْ: مَا لَكُمْ رُبَّمَا بَنَيْتُمْ وَرُبَّمَا اَمْسَكْتُمْ؟ فَقَالُوا: حَتّٰى تَجِيئَنَا النَّفَقَةُ، فَقُلْتُ لَهُمْ: وَمَا نَفَقَتُكُمْ؟ فَقَالُوا: قَوْلُ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَاِذَا قَالَ بَنَيْنَا وَاِذَا اَمْسَكَ اَمْسَكْنَا.»

رسولِ خدا نے فرمایا: جب مجھے معراج پر لے جایا گیا تو میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے ملائکہ کو دیکھا ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی (اس سے مکان بنا رہے ہیں) اور کبھی بناتے بناتے ٹھہر جاتے ہیں۔ تو میں نے پوچھا آخر تم کبھی بنانے لگتے ہو اور کبھی ٹھہر جاتے ہو ایسا کیوں ہے؟ انھوں نے کہا: جب تک ہمارا النفقہ نہ آجائے ٹھہرے رہتے ہیں میں نے کہا تمھارا النفقہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا دنیا کے اندر مومن کا یہ کہنا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ جب مومن کہتا ہے ہم کام کرنے لگتے ہیں۔ جب وہ چپ ہو جاتا ہے ہم بھی رک جاتے ہیں۔

بحار جلد ۹۰ ص ۱۲۹ - ۱۷۰ "کتاب الذکر والدعا" باب ۲ حدیث ۷۔

۱۹۔ سورۂ کہف آیت ۴۹۔

۲۰۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۸۴۴ "المقصد الرابع" فی احوال البرزخ۔

۲۱۔ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ جلد ۲، ص ۸۵۔

تیئسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰی حُجَّةِ الْفِرْقَةِ وَثِقَتِهَا، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ اِبْرَاهِيمَ، رَفَعَهُ اِلٰی اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ طَلَبَةُ الْعِلْمِ ثَلَاثَةٌ. فَاعْرِفْهُمْ بِاَعْيَانِهِمْ وَصِفَاتِهِمْ: صِنْفٌ يَطْلُبُهُ لِلْجَهْلِ وَالْمِرَاءِ وَصِنْفٌ يَطْلُبُهُ لِلاِسْتِطَالَةِ وَالْخَتْلِ؛ وَصِنْفٌ يَطْلُبُهُ لِلْفِقْهِ وَالْعَقْلِ. فَصَاحِبُ الْجَهْلِ وَالْمِرَاءِ مُوذٍ مُمَارٍ مُتَعَرِّضٌ لِلْمَقَالِ فِي اَنْدِيَةِ الرِّجَالِ بِتَذَاكُرِ الْعِلْمِ وَصِفَةِ الْحِلْمِ؛ قَدْ تَسَرْبَلَ بِالْخُشُوعِ وَتَخَلّٰی مِنَ الْوَرَعِ؛ فَدَقَّ اللّٰهُ مِنْ هٰذَا خَيْشُومَهُ وَقَطَعَ مِنْهُ حَيْزُومَهُ. وَصَاحِبُ الْاِسْتِطَالَةِ وَالْخَتْلِ ذُو خِبٍّ وَمَلَقٍ؛ يَسْتَطِيلُ عَلٰی مِثْلِهِ مِنْ اَشْبَاهِهِ، وَيَتَوَاضَعُ لِلْاَغْنِيَاءِ مِنْ دُونِهِ؛ فَهُوَ لِحَلْوَائِهِمْ هَاضِمٌ وَلِدِينِهِ حَاطِمٌ؛ فَاَعْمَی اللّٰهُ عَلٰی هٰذَا خُبْرَهُ وَقَطَعَ مِنْ آثَارِ الْعُلَمَاءِ اَثَرَهُ. وَصَاحِبُ الْفِقْهِ وَالْعَقْلِ ذُو كَآبَةٍ وَحُزْنٍ وَسَهَرٍ؛ قَدْ تَحَنَّكَ فِي بُرْنُسِهِ وَقَامَ اللَّيْلَ فِي حِنْدِسِهِ؛ يَعْمَلُ وَيَخْشٰی وَجِلاً، دَاعِياً مُشْفِقاً مُقْبِلاً عَلٰی

شَأْنِهِ، عَارِفاً بِأَهْلِ زَمَانِهِ مُسْتَوْحِشاً مِنْ أَوْثَقِ إِخْوَانِهِ؛ فَشَدَّ اللَّهُ مِنْ هٰذَا أَرْكَانَهُ وَأَعْطَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمَانَهُ.

قَالَ الْكُلَيْنِيُّ، رَحِمَهُ اللَّهُ: وَحَدَّثَنِي بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ مَحْمُودٍ، أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْقَزْوِينِيُّ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحَابِنَا، مِنْهُمْ جَعْفَرُ بْنُ أَحْمَدَ الصَّيْقَلُ بِقَزْوِينَ، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ عِيسَى الْعَلَوِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ صُهَيْبٍ الْبَصْرِيِّ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ.»[1]

ترجمہ: جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں: طالبانِ علم کی تین قسمیں ہیں۔ لہٰذا تم ان کو ان کی شخصیات وصفات کے ذریعہ پہچان لو۔

۱۔۔۔۔۔ ایک قسم تو وہ ہے جو صرف جہالت اور جھگڑے کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔

۲۔۔۔۔۔ دوسری قسم وہ ہے جو اپنی برتری جتانے اور دھوکہ دینے کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔

۳۔۔۔۔۔ تیسری قسم وہ ہے جو دانش وبینش کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔

پس پہلی قسم موذی وجدال کرنے والی اور لوگوں کی محفلوں میں بیٹھ کر، علم کا تذکرہ کرکے صفتِ حلم کا اظہار کرکے گفتگو کرنے والی ہے اس نے (بظاہر) خشوع (وخضوع) کا لباس پہن رکھا ہے (لیکن) ورع (اور تقویٰ) سے بالکل خالی ہے۔ پس خدا اس کی ناک رگڑے اور اس کی کمر توڑ دے اور طلاب علوم کی دوسری قسم فریب دینے والی اور چاپلوس ہے۔ اس قسم کا آدمی اپنے جیسے لوگوں پر برتری جتاتا ہے (لیکن) مالداروں کے سامنے دُم ہلاتا ہے۔ یہ لوگ مالداروں کے حلوے کھانے والے اور اپنے دین کو توڑ (مروڑ کر پیش کرنے) والے ہیں۔ پس خدا ایسوں کی بینائی کو اندھا کرے اور آثار علما سے اس کا نام ونشان مٹا دے۔ (البتہ) تیسری قسم والے رنجیدہ وغمگین (عابد) شب زندہ دار ہیں اپنی کلاہ پر حنک باندھنے والے تاریکی شب میں قیام کرنے والے ہوتے ہیں عمل کرنے کے باوجود خوفزدہ رہتے ہیں۔ دُعا کرنے والے، شفیق اپنی حالت کو برقرار رکھنے والے ہوتے ہیں اپنے زمانہ کے لوگوں کو پہچاننے والے ہوتے ہیں۔ اپنے معتمد ترین دوستوں سے بھی وحشت زدہ رہتے ہیں۔ پس خدا ان کے ارکان کو مضبوط کرے اور قیامت میں ان کو اپنی امان میں رکھے۔

علامہ کلینیؒ (بحذف الاسناد) امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس روایت کو دوسرے

اسناد سے بھی نقل کرتے ہیں۔

شرح: اعیانھم اعرفھم کے ضمیر کی تاکید ہے یعنی ان لوگوں کو اس طرح پہچان لو کہ وہ معین و مشخص ہو جائیں، مشتبہ نہ رہیں جیسے کہا جاتا ہے: «رَأَيْتُهُ بِعَيْنِهِ. (یا مثلاً حدیث ہے۔)

وَكُلُّ شَيْءٍ فِيهِ حَلَالٌ وَحَرَامٌ، فَهُوَلَكَ حَلَالٌ حَتّٰى تَعْرِفَ الْحَرَامَ بِعَيْنِهِ.» ۲

(جس چیز میں بھی حلال و حرام (دونوں موجود) ہوں وہ تمہارے لئے (اس وقت تک) حلال ہے جب تک حرام کو بعینہ نہ پہچان لو) جناب محقق مجلسی رحمۃ اللہ نے اس (اعیانھم) کے بارے میں کئی احتمالات ذکر کئے ہیں مگر یہ احتمال جو واضح اور معین ہے اس کا تذکرہ نہیں فرمایا ہے: اور جن احتمالات کا ذکر کیا ہے وہ سب بعید ہیں مثلاً فرمایا ہے:

«بِأَعْيَانِهِمْ أَيْ، بِخَوَاصِّهِمْ وَأَفْعَالِهِمُ الْمَخْصُوصَةِ بِهِمْ، (یعنی ان کو ان کے افعال و خواص کے ذریعہ پہچانو جو ان کے لئے مخصوص ہیں) بِالشَّاهِدِ وَالْحَاضِرِ مِنْ اَفْعَالِهِمْ.» (یعنی ان کے موجودہ افعال کے ذریعہ ان کو پہچانو) اس کے بعد فرمایا: «وَقِيلَ: بِأَعْيَانِهِمْ أَيْ، أَقْسَامِهِمْ وَمَفْهُومَاتِ أَصْنَافِهِم. وَقِيلَ: اَلْمُرَادُ بِأَعْيَانِهِمْ مَنَاظِرُهُمْ مِنْ هَيْئَتِهِمْ وَأَوْضَاعِهِمْ كَالتَّسَرْبُلِ بِالْخُشُوعِ.» ۳ اور بعض علما نے کہا ہے کہ باعیانھم کا مطلب ان کے اقسام اور مفہوماتِ اصناف کے ذریعہ ان کو پہچانو اور بعض نے کہا ہے: اعیان سے مراد ان کو ان کی شکل و شمائل، ہیئت و اوضاع کے ذریعہ پہچانو جیسے خشوع و خضوع کے لباس سے ان کو پہچانو۔ اس کے علاوہ دیگر بعید احتمالات کا ذکر فرمایا ہے۔

وصفاتھم: اوصاف سے مراد ان کے وہ حالات ہیں جو ان تین قسموں کے ملکات و مقاصد کے تابع ہیں جیسے اذیت دینا، ریاکاری کرنا وغیرہ پس ان صفتوں سے ان کے حالات کی معرفی ہو جائے گی اور وہ لوگ اپنے اعیان و اشخاص کے ذریعہ پہچانے جائیں گے۔

جہل: سے مراد وہ چیز ہے جو علم کے خلاف ہو اور یہاں پر شاید "حق کا چھپانا" مقصود ہو۔ (ویسے) میں اس مطلب کو اس کے بعد اس سے زیادہ بیان کروں گا۔ علامہ مجلسی ۲ نے فرمایا: «اَلْجَهْلُ السَّفَاهَةُ وَتَرْكُ الْحِلْمِ. وَقِيلَ: ضِدُّ الْعَقْلِ.» ۴ "جہل کے معنیٰ (یہاں پر) بے وقوفی اور ترکِ حلم کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہل سے مراد ضدِ عقل ہے۔"

مراء: اس سے مراد کلام اور رائے میں جدال کرنا اور اسی مادہ سے منطق میں جو صناعات خمس بیان کئے جاتے ہیں اور ان میں "جَدَل" کا استعمال ہوتا ہے۔ وہ جدل بھی اسی سے ہے چنانچہ

«يُقالُ: مَا رَيْتُ الرَّجُلَ أُمَارِيهِ مِرَاءً. إِذَا جَادَلْتَهُ.» [5] "اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی سے جدال کرو۔" جیساکہ صحاح جوہری میں ہے۔ یہ کلام اگرچہ مطلق ہے لیکن علی الظاہر اس سے مُراد وہی ہے جو ذکر کیا گیا۔ یہاں پر ایک دوسرا احتمال بھی ہے جس کی طرف میں آنے والی فصلوں میں اشارہ کروں گا۔ [6]

استطالۃ: اس کے معنیٰ طلبِ بلندی اور ارجمندی کے ہیں۔

خَتَل: خائے معجمہ کو فتحہ ہے اور تا ساکن ہے اس کے معنیٰ دھوکہ و فریب کے ہیں جیسا کہ جوہری نے کہا ہے: خَتَلَہٗ اور خَاتَلَہٗ کے معنیٰ خَدَعَہٗ "اس کو دھوکہ دیا" کے ہیں۔ والتخاتل کے معنیٰ التخادع کے ہیں۔

مماریٔ: اس کے بعد ذکر کیا جائے گا کہ صاحبِ مراء کی تعریف "مماری" سے اور صاحبِ استطالۃ وختل کی تعریف "استطالۃ" سے اور صاحبِ "خب" ہونے سے ہے جو خود "خدعۃ" کے معنیٰ میں ہے۔ [1]

متعرض للمقال: یعنی مقالات کا ظاہر کرنا۔ چنانچہ عَرَضْتُ لَہُ الشَّیٔ "اس وقت کہا جاتا ہے جب تم اس کو اس کے لئے ظاہر کرو اور جب کوئی شئی اس کو درپیش ہو۔ اور یَعْرِضُ کا مطلب "ظَہَرَ" ہے۔"

اندیۃ: نادی کی جمع ہے اور نادی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ اپنے مذاکرات کے لئے بیٹھیں۔ جب وہاں سے چلے جائیں تو اس کو نادی نہیں کہا جاتا۔ مکہ میں جو "دار الندوۃ" تھا وہ بھی اسی معنیٰ میں ہے اس کو باہمی مشورہ کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ "نَدِیّ" بروزنِ فعیل (ندوۃ) اور "منتدیٰ" اور "متندیٰ" بھی اسی معنیٰ میں ہے۔ جیساکہ جوہری نے کہا ہے۔

بتذاکر العلم: یہ (جار مجرور) "مقال" سے متعلق ہے اور یا پھر مقال کا بدل ہے اور صفۃ الحلم اسی پر عطف ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ علمی مذاکرات اس لئے کرتا ہے کہ اپنے کو اس کا اہل ہونا ثابت کرے اور حلم کی تعریف و توصیف اس لئے کرتا ہے کہ اپنے کو بھی انھیں کے زمرے میں شمار کرے۔ حالانکہ وہ نہ اس کا اہل ہے اور نہ اس کے اصحاب میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کا علم ایک جہالت ہے جو بصورت دانش ہے اور اس کا حلم کامل و معتدل اوصاف سے خارج ہے

---

[1] اس کا مقصد یہ ہے کہ اصحاب مراء کی تعریف مماری سے اور اصحاب خدعہ کی تعریف خدعہ سے یہ تعریف الشی بنفسہ ہے اور یہ بات صحیح نہیں ہے۔ میں اس کے بعد اس کا ذکر انشاء اللہ اس طرح کروں گا کہ اشکال برطرف ہوجائے۔ منہ عفی عنہ

اور میں اس کے بعد اس مقولہ کا ذکر کروں گا۔

تَسَرْبَلَ: یہ باب تَفَعْلُلُ سے ہے جس کے معنیٰ پیراہن پہننے کے ہیں۔ بولا جاتا ہے سَرْبَلْتُہٗ فَتَسَرْبَلَ میں نے اس کو پیراہن پہنایا۔ پس اس نے پہن لیا (بمعنی البستہ السربال) اور تسربل بالخشوع کا مطلب اپنے کو خشوع کا پیراہن پہنایا اور اظہار کیا کہ ہمارے لئے لازم ہے کیونکہ پیراہن جسم سے ملا ہوتا ہے اور بدن کے لئے لازم ہے۔ حالانکہ وہ اس سے خالی ہے اور وہ پیراہن کی طرح اس کے لئے عاریتی ہے۔

اَلْوَرَعُ: را کو فتحہ ہے اس کا مطلب محرمات اور مشتبھات سے مکمل احتراز ہے۔

فَدَقَّ اللّٰہُ: اس میں احتمال ہے کہ یہ جملہ اور اس کے مثل بعد والے دو جملے دعا ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی حالت کے بارے میں دنیا اور آخرت میں خبر دینا ہو۔ یا صرف دُنیا یا صرف آخرت کے بارے میں خبر دینا ہو اور دَقَّ کے معنیٰ کوٹنے کے ہیں اور یا پھر یہ اسم صوت ہے۔

من ھٰذا: یعنی ان خصلتوں میں سے ہر خصلت کی بنا پر۔

خیشوم: ناک کا اوپری حصہ اور ناک کوٹنے سے مُراد ذلت ورسوائی ہے۔ یعنی ان خصلتوں کی بنا پر خدا ان کو ذلیل ورسوا کرے گا۔ اس کے بعد ہم اس معنیٰ کی طرف اشارہ کریں گے۔

اَلْحَیْزُوْمُ: حائے مھملہ کو فتحہ اور زائے معجمہ کو ضمہ ہے اس کے معنیٰ کمر، وسط سینہ اور اس ہڈی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جو حلقہ کی طرح گردن کے پاس ہوتی ہے۔ (مگر) یہاں پر لفظ "قطع" کی مناسبت سے پہلے معنیٰ مناسب ہیں۔

اَلْخِبُّ: "خاء" کو کسرہ ہے۔ یہ دھوکہ، خباثت اور ملاوٹ کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چنانچہ رجل خب (فتحہ کسرہ) دونوں کے ساتھ دھوکہ باز کے معنیٰ میں آتا ہے جیسا کہ جوہری نے کہا ہے۔

مَلِقٌ: کے معنیٰ چاپلوسی کے ہیں اور جوہری نے صحاح میں جو کچھ کہا ہے یہ اس کے لئے لازم ہے۔ جوہری نے کہا ہے: رجل ملق اس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے ایسی بات کہے جو اس کے دل کے خلاف ہو انتھیٰ ۹ اور یہ تفسیر لازم اعم سے کی گئی ہے۔ بلکہ اس کے معنیٰ ایسے لطف ومحبت کے اظہار کے ہیں جس میں خضوع وخشوع بھی ہو مگر دل میں ایسا نہ ہو۔

لِحُلْوَانِھِمْ: علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض نسخوں میں نون کے ساتھ (لحلوانھم) آیا ہے۔ اس صورت میں حائے مھملہ کے ضمہ اور سکون لام کے ساتھ دلال وکاہن کی اُجرت کے معنیٰ میں ہوگا اور رشوت کے معنیٰ (بھی) ہوتے ہیں۔ اس وقت عبارت کا مطلب یہ ہوگا۔ مالداران کو جو رقم ان

کاموں کے عوض میں دیتے ہیں جو یہ لوگ ان کے لئے کرتے ہیں اور جو دین فروشی کرتے ہیں۔

اَلْحَطْمُ: توڑنا: مجلسیؒ نے فرمایا: حطم کے معنی "ایسا توڑنا جو موؤدّی بفساد ہو" کے ہیں"

خُبْرَۃ: اس لفظ میں احتمال ہے کہ خائے معجمۃ کو ضمۃ اور بائے (موحدۃ) کو سکون ہو تو اس کا مطلب بصیرت و خبرت کے ہوں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خائے معجمۃ اور بائے موحدہ دونوں کو فتحہ ہو۔ البتہ فصل کی نسبت کی وجہ سے پہلے معنیٰ اولیٰ و انسب ہیں۔ ویسے دوسرے معنیٰ بھی خالی از وجہ نہیں ہے۔

اَلْکَاٰبَۃُ: تحریک اور مدّ و تسکین کے ساتھ شدّتِ رنج و غم سے بُرا حال ہو جانا ہے۔

تَحَنَّکَ فِیْ بُرْنُسِہٖ: یعنی اپنی برنس (کلاہ) کے نیچے تحت الحنک قرار دیا۔ برنس وہ لمبی ٹوپی ہے جس کو صدرِ اسلام میں اہلِ عبادت اپنے سر پر رکھا کرتے تھے۔ جوہری نے صحاح میں یہی کہا ہے۔ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: اس فقرہ میں اشارہ ہے کہ نماز میں تحت الحنک مستحب ہے۔۱۲ مگر مجھے اس استفادہ میں تامل ہے۔ اس لئے کہ اہلِ عبادت جو اپنے لباس میں حنک تحنک باندھتے ہیں۔ اس کی دلالت مطلق استحباب پر ہے (خواہ نماز ہو یا غیر نماز) صرف وقت نماز کا تحنک نہیں ہے۔ ہاں اگر بُرنُس نماز کا کوئی مخصوص لباس ہوتا تو یہ استفادہ صحیح تھا۔

الحِنْدِس: ہائے مہملۃ کو کسرہ ہے اور نون ساکن ہے اور دال مہملۃ کو بھی کسرہ ہے۔ اس کا مطلب بہت تاریک رات کے ہیں جیسا کہ جوہری نے کہا ہے اور لفظ حندس کا اضافہ ضمیر کی طرف بیانیہ ہے۔ اور فِیْ حِنْدِسِہٖ (لَیْلَہٗ) کا بدل ہے اور ایک احتمالِ قریب یہ بھی ہے کہ یہاں پر تجرید کی بنا پر صرف تاریکیٔ شب مُراد ہو۔

فَشَدَّ اللّٰہُ اَرْکَانَہٗ: شَدّ کے معنیٰ قوّت اور مضبوطی کے ہیں۔ چنانچہ شَدَّ عَضُدَہٗ کے معنیٰ اس کو تقویت دینے کے ہیں۔ رکن کے معنیٰ اس چیز کے ہیں جس پر کسی شئی کا قوام و قیام ہو۔ جوہری نے کہا ہے: "رُکْنُ الشَّيْءِ، جَانِبُهُ الْأَقْوٰی." کے ہوتے ہیں۔

جن چیزوں کا بیان مناسب ہے ہم اس کو چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔

وَعَلَى اللّٰهِ التُّكْلَانُ

پہلی فصل

یہ بات اپنی جگہ پر طے ہے کہ نتائج کے اعتبار سے مقدمات قیاس اور مدلولاتِ براہینات

کے اعتبار سے ہر علم میں ادلّہ و براہین مقدمات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ (مقدمات اور ادلّہ و براہین) نہ تو خود استقلال تام رکھتے ہیں اور نہ مقدمات و براہین سے بالکل بیگانہ ہوتے ہیں۔ (البتہ) اس سلسلہ میں دو گروہوں۔ جبری و تفویضی۔ نے اختلاف کیا ہے اور اعتدال سے دور ہو گئے ہیں اور ان دونوں گروہوں نے اپنے اپنے مذہب کے اعتبار سے ایک ایک طرف کو اختیار کیا ہے ایک گروہ کہتا ہے مقدماتِ قیاس خود مستقل ہیں اگر عالمِ غیب کا دروازہ بند کر دیا جائے اور عالمِ ملکوت کے افاضہ کو روک دیا جائے جب بھی انسان صرف مقدمات کے سہارے نتائج کا علم حاصل کر سکتا ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے مقدمات کا نتائج سے کوئی رابطہ نہیں ہے یہ تو صرف خدا نے ایک سنت جاری کر دی ہے کہ مقدمات کے بعد نتائج کا انسانی ذہن میں القاء ہو جاتا ہے۔ صورتاً تو مقدمات نتائج سے مربوط ہوتے ہیں لیکن در حقیقت محض بے ربط ہیں۔

لیکن ان دونوں گروہوں کا مذہب اربابِ معارفِ حقّہ اور علومِ حقیقیہ کے نزدیک باطل ہے اور اہلِ حق کا بھی اتفاق ہے اور امرِ واقعی بھی یہی ہے کہ مقدمات ارتباطِ اعدادی رکھتے ہیں اور نفس کو القائے علوم کے لئے مبادی عالیۂ غیبیہ سے حاضر و آمادہ رکھتے ہیں اور میں سر دست ان دونوں مذہبوں کے بطلان کو نہیں پیش کرنا چاہتا کیونکہ وہ ہمارے مقصد سے خارج ہیں ان کا ذکر تو ضمناً دوسرے مطلب کی بنا پر آگیا ہے اور وہ مطلب یہ ہے کہ جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ عالمِ غیب سے علوم و معارف کا القا ہوتا ہے اور نفوس کا اس سے ارتباط رہتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

«لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ التَّعْلِيمِ، بَلْ هُوَ نُورٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِي قَلْبِ مَنْ يَشَاءُ» ۱۳

"زیادہ پڑھنے پڑھانے سے علم نہیں حاصل ہوتا بلکہ علم ایک نور ہے جس کو خدا جس کے قلب میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔" اس لئے جن نفوس کا ملکوتِ اعلیٰ اور ملائکہ مقربین کے عالم سے ارتباط رہتا ہے تو ان سے جو بھی القاآت ہوتے ہیں وہ القائے ملکی ہوتے ہیں اور جن علوم کا ان کی طرف سے افاضہ ہوتا ہے وہ علومِ حقیقیہ ہوتے ہیں اور عالمِ ملائکہ سے ہوتے ہیں اور جن نفوس کا ارتباط عالمِ ملکوت اسفل سے ہوتا ہے اور عالمِ جنّ و شیطان اور نفوسِ خبیثہ سے ہوتا ہے ان کے القاآت شیطانی القا اور از قسم جہلِ مرکب و حجابِ مظلم ہوتے ہیں۔ اسی لئے اربابِ معارف اور صاحبانِ علومِ حقیقی نفوس کا تصفیہ اور اخلاصِ نیت، تصحیحِ قصد کو تحصیلِ علوم میں ضروری سمجھتے ہیں۔ خصوصاً معارفِ حقّہ اور علومِ شرعیہ میں اس کو سب سے پہلی شرط مانتے ہیں اور اس سلسلہ میں معلمین کو بہت زیادہ تاکید کرتے ہیں کیونکہ نفوس کا تذکیہ اور اس کا صیقل کرنا مبادی عالیہ سے ارتباط کو قوی کرتا ہے

اور خداوندِ عالم نے آیۂ کریمہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ. [14] (خدا سے ڈرو، خدا تم کو تعلیم دیتا ہے) میں تعلیمِ الٰہی کو اسی لئے تقویٰ سے مربوط کیا ہے اس لئے کہ تقویٰ نفس کو صاف کرتا ہے اور اس کو مقامِ غیب مقدس سے مرتبط کرتا ہے۔ (جب یہ ہوتا ہے) تو تعلیمِ الٰہی اور القائے رحمانی واقع ہوتا ہے کیونکہ مبادی عالیہ میں بخل محال ہے وہ سب (مبادی عالیہ) واجب الفیاضیہ ہیں جیسے کہ واجب الوجود بالذات تمام حیثیات سے واجب ہوتا ہے۔

لیکن اگر نفس اپنے آباد کاری اور اپنے کھانے پینے اور انانیت کی طرف توجہ رکھتے ہوئے (تحصیلِ) علوم میں مشغول ہو اور اس کا مقصدِ الٰہی نہ ہو تو اس پر جو القائات ہوں گے وہ سب شیطانی ہوں گے اور رحمانی و شیطانی القا کے درمیان امتیاز یہی ہے جس کو میرے خیال میں اہلِ معارف نے ذکر نہیں کیا اور غیر مختلف موازین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس کو خود انسان بھی اکثر اوقات سمجھ لیتا ہے اور اس غیر پرہیز کرنے والے اور دارائے کدورتِ نفس پر جو القا ہوتا ہے وہ از قبیل جہلِ مرکب ہے جو لاعلاج مرض ہے اور راستہ کا کانٹا ہے۔ اس لئے کہ علم کا معیار مفہومات کلیہ اور اصطلاحات علمیہ کا حصول نہیں ہے بلکہ اس کا معیار نفس کے چشمِ بصیرت سے حجابوں کا اٹھنا اور بابِ معرفت اللہ کا واہو جانا ہے اور علم حقیقی وہی ہے جس سے دارِ کرامت کے لئے ہدایتِ ملکوت کا چراغ اور تقربِ حق کا سیدھا راستہ حاصل ہو سکے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے چاہے وہ عالمِ ملک میں اور طبیعت کے رفعِ حجاب سے پہلے بصورت علوم ہوں (اور اس کے جاننے والوں کو اربابِ محاورات و مجادلات کے نزدیک علما، عرفا، فقہا کہا جاتا ہو) لیکن چشمِ قلب سے حجاب اُٹھ جانے اور پردۂ ملکوت کے برطرف ہو جانے اور ملک و طبیعت کے خواب سنگین سے بیدار ہو جانے کے بعد معلوم ہو گا کہ اس حجاب کی غلظت تمام حجابوں سے زیادہ تھی اور یہ تمام رسمی علوم سخت قسم کے ملکوتی حجابات تھے کہ جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے فاصلہ فرسخوں کی مسافت تھی اور ہم اس سے غافل تھے: «اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَإِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوا.» [15] (لوگ تو خواب میں ہیں جب مریں گے تب ہوشیار ہوں گے) اور یہ (بھی) معلوم ہو گا کہ ہم نے کیا کیا اور سب سے بڑی ذلت و رسوائی تو اس وقت ہو گی پچاس سال یا اس سے کم یا زیادہ تحصیلِ علم کرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ ہم بھی مغالطہ کے شکار تھے۔ شیطان و نفس کی مکاریوں سے غافل ہو کر ہم بھی یہ خیال کرتے رہے کہ ہماری تحصیلات صرف خدا کے لئے ہیں اور یہ غفلت اسی وجہ سے ہے کہ حبِّ نفس ایک ضخیم پردہ ہے جس نے ہمارے عیوب کو ہم سے چھپائے رکھا۔ اسی لئے اولیا اطہار اور ائمہ والا تبار نے خود ہمارے

سمجھانے کے لئے ایسے آثار و علائم ذکر کر دیئے ہیں جس سے ہم امتیاز کر سکیں اور اپنے کو پہچان سکیں اور اپنے نفس کو کسوٹی قرار دیں اپنے سے بے ہودہ قسم کا حُسن ظن نہ رکھیں۔ اس کے بعد اس حدیث شریف میں جن علامتوں کا ذکر کیا گیا ہے ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

اس (ساری گفتگو) کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقسیم اوّلی کلی کے اعتبار سے طالب علم کی دو قسمیں ہیں۔

۱:- ایک وہ جس کا مقصد الہٰی ہو۔

۲:- دوسرا وہ جس کا مقصد نفسانی ہو۔

اور یہ بات بھی جا سکتی ہے کہ اس قسم کے گروہ کا انتہائی مقصد جہالت ہے کیونکہ جو علوم صوریہ ان کو حاصل ہوں گے وہ حقیقت میں جہل مرکب اور حجاب ملکوتی ہیں اور یہ دونوں گروہ جن کا امام ششم نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے اور ہم اس کی شرح کر رہے ہیں مقصد مذکور میں شریک ہیں اس لئے کہ صاحبانِ مراء و جدال اور اصحاب استطالہ و ختل دونوں اصحابِ جہالت اور ارباب ضلالت ہیں۔ اسی وجہ سے جس جہالت کو امامؑ نے پہلے گروہ کی علامتوں میں سے قرار دیا ہے اس کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ معنیٰ متعارف کے علاوہ ہے۔ بلکہ اس عمومیت سے مقصود یا لوگوں کو جہالت میں مبتلا کرنا ہے یا پھر جہالت سے مُراد تجاہل اور عدم قبول حق ہے جیسے کہ یہ دونوں اصحاب مراء و جدال کی خصوصیت میں سے ہیں۔ یہ لوگ (اصحابِ جدال) حقیقی امور اور رائج حقوق کا انکار کرتے ہیں اور اپنی بات کو بڑھاوا دینے اور بازارِ باطل کو چمکانے اور اپنے کھوٹی متاع کو رواج دینے کے لئے جہالت سے کام لیتے ہیں۔

اور حضرت صادقؑ نے لوگوں کی جو تین قسمیں قرار دی ہیں۔ حالانکہ وہ ایک تقسیم کی بنا پر جو تقسیمِ اوّلی کلی ہے جو نفی و اثبات کے درمیان دائر ہے اس کے اعتبار سے لوگ دو قسموں سے زیادہ نہیں ہیں اور ایک اعتبار سے تین قسموں سے زیادہ ہیں۔ تو اس کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ حضرتؑ نے صرف ان دو بڑے گروہوں کا ذکر کرنا چاہا ہے کہ جس کی طرف تمام (یا زیادہ) اربابِ جہالت و ضلالت رجوع کرتے ہیں۔ اسی لئے دوسری روایت میں ان کو دو ہی گروہ پر تقسیم کیا گیا ہے۔

«كافي بِإسْنَادِهِ عَنْ أَبي عَبْدِاللّهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: مَنْ أَرادَ الْحَديثَ لِمَنْفَعَةِ الدُّنْيا، لَمْ يَكُنْ لَهُ في الْآخِرَةِ نَصيبٌ. وَمَنْ أَرادَ بِهِ خَيْرَ الْآخِرَةِ، أَعْطاهُ اللّهُ خَيْرَ الدُّنْيا وَالْآخِرَةِ.» ۱۲

"جو حدیث اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہو کہ اس سے دنیاوی فائدہ حاصل کرے اس کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہے اور جو اس سے خیرِ آخرت چاہتا ہو خدا اس کو خیرِ دنیا و آخرت (دونوں) دے گا۔"

دوسری فصل

ایک حدیث کے ضمن میں مراء و جدال کے بہت سے مفاسد کا ذکر ہم کر چکے ہیں، اور چونکہ اس حدیث کے بھی مناسب ہے کہ میں تھوڑے سے مزید مفاسد کو دوسری حدیثوں سے بھی ذکر کروں (لہٰذا) عرض ہے: کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

«قَالَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِيَّاكُمْ وَالْمِرَاءَ وَالْخُصُومَةَ؛ فَاِنَّهُمَا يُمْرِضَانِ الْقُلُوبَ عَلَى الْاِخْوَانِ وَيَنْبُتُ عَلَيْهِمَا النِّفَاقُ.» ۱۸

"گفتگو میں جدال و خصومت سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہ دونوں (جدال و خصومت) دوستوں کے بارے میں دلوں کو مریض کر دیتے ہیں اور انھیں دونوں سے (دلوں میں) نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔"

کافی ہی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے:

«وَفِي الْكَافِي اَيْضاً عَنْ اَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اِيَّاكُمْ وَالْخُصُومَةَ؛ فَاِنَّهَا تَشْغَلُ الْقَلْبَ وَتُورِثُ النِّفَاقَ وَتَكْسِبُ الضَّغَائِنَ.» ۱۹

"خبردار جھگڑے سے بچو کیونکہ خصومت دل کو مشغول بنا دیتی ہے، نفاق کا سبب بنتی ہے اور دلوں میں کینہ پیدا کر دیتی ہے۔"

کافی ہی میں امام جعفر صادقؑ سے یہ بھی مروی ہے کہ:

وَفِيهِ اَيْضاً عَنْ اَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: قَالَ جَبْرَئِيلُ لِلنَّبِيِّ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اِيَّاكَ وَمُلَاحَاةَ الرِّجَالِ.» ۲۰

"جبرئیلؑ نے رسولِ خداؐ سے کہا: لوگوں سے گفتگو کرنے میں مخاصمت سے پرہیز کیجئے۔"

اب اس بات کی تفصیل کہ مراء و خصومت در گفتگو دل کو مریض کرتی ہے انسان کو دوستوں سے بُرا بنا دیتی ہے اور دل میں نفاق (کے بیج) بو دیتی ہے تو اس کی (کچھ تفصیل) پہلے بیان کی جا چکی[۲۱] (اور وہ یہ ہے کہ) ظاہری اعمال کے (بھی) دل اور باطن میں اسی کے مناسبت سے آثار ہوتے ہیں۔ (مگر) اب میں عرض کرتا ہوں کہ بُرے اعمال کے اثرات دل میں بہت جلد اور بہت شدید ہوتے ہیں اس لئے کہ انسان عالمِ طبیعت کی پیداوار ہے اور شہوت و غصہ و شیطنت کی طاقتیں اس سے قریب ہوتی ہیں اور اس میں متصرف ہوتی ہیں جیسا کہ خود حدیث میں بھی ہے:

«اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مَجْرَی الدَّمِ مِنْ بَنِیْ آدَمَ.»[۲۲] "شیطان خون کی طرح بنی آدم کے (دلوں میں) دوڑتا رہتا ہے۔" اس لئے قلب کی توجہ مفسدات اور ان چیزوں کی طرف رہتی ہے جو طبیعت کے موافق ہوں۔ اسی لئے خارجی مدد سے، خواہ وہ جوارحِ انسانی ہوں یا اس سے خارج مثلاً بُرا اور بد خلق رفیق و مصاحب، دل میں شدید اثر پیدا ہو جاتا ہے اور حدیث میں بھی ایسے لوگوں کی مصاحبت سے روکا گیا ہے (چنانچہ ملاحظہ ہو) کافی میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ: حضرت علیؑ نے فرمایا:

«کافي: عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلاٰمُ، قَالَ: قَالَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلاٰمُ: لاٰ يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يُوَاخِيَ الْفَاجِرَ فَاِنَّهُ يُزَيِّنُ لَهُ فِعْلَهُ وَيُحِبُّ اَنْ يَكُونَ مِثْلَهُ، وَلاٰ يُعِينُهُ عَلَى اَمْرِ دُنْيَاهُ وَلاٰ اَمْرِ مَعَادِهِ، وَمَدْخَلُهُ اِلَيْهِ وَمَخْرَجُهُ مِنْ عِنْدِهِ شَيْنٌ عَلَيْهِ.»[۲۳]

"مردِ مسلمان کو کسی فاسق و فاجر سے دوستی نہیں کرنی چاہیئے اس لئے کہ وہ اس کے سامنے اپنے فعل کو خوبصورت بنا کر پیش کرے گا اور یہ چاہے گا کہ وہ بھی اسی کی طرح ہو جائے اور اس کی نہ تو دنیاوی امور میں اور نہ آخرت کے امور میں (کسی میں بھی) مدد نہیں کرے گا۔ اس کے پاس آنا، جانا بھی اس کے لئے بُرائی کا سبب بنے گا۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«وَعَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلاٰمُ، قَالَ: لاٰ يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يُوَاخِيَ

الْفَاجِرَ وَلاَ الْأَحْمَقَ وَلاَ الْكَذَّابَ.» ۲۴

"مسلمان کو بدکار اور احمق اور جھوٹے سے دوستی نہیں کرنی چاہیے۔"

اہلِ معصیت کے ساتھ نشست و برخواست کی ممانعت یا جس جگہ معصیتِ خدا ہو وہاں پر بیٹھنے کی ممانعت یا دشمنانِ خدا کے ساتھ ربط و ضبط، میل و محبت، ان سے ملنے جلنے کی مخالفت کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے اخلاق و اعمال و حالات انسان کے اندر اثر انداز ہو جائیں گے اور اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ خود انسان کے اعمال سے ذرا سی مداومت کے بعد خود انسان کا دل متاثر ہو جائے گا اور بُرے اعمال کے مراقبت کی وجہ سے قلب اتنا زیادہ متاثر ہو جائے گا کہ اس سے قلب کا پاک ہونا سالہائے دراز تک آسان و ممکن نہ ہوگا۔ اسی سے پتہ چل گیا کہ اگر انسان نے اپنے کو مراء اور خصومت میں مشغول رکھا تو تھوڑی سی مدت گزرنے کے بعد ہی قلب کے اندر بہت ہی ہولناک کدورت و تاریکی پیدا ہو جائے گی اور زبان کی ظاہری خصومتِ قلب کے باطنی خصوصیت تک پہونچ جائے گی اور یہ خود سب سے بڑا نفاق ہے۔ اس لئے نفاق کے مفاسد کو بھی مراء اور جدال کے مفاسد میں شمار کرنا چاہیے اور نفاق کے فساد کی شرح پہلے ہی ہم کسی حدیث کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔ ۲۵ اس لئے اسکے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے صاحبانِ جہل و مراء کے لئے کچھ علائم و آثار بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک مردم آزاری اور بُری حاضری ہے کہ یہ قابلِ مذمت اور ان مفاسد میں ہے جو انسان کی ہلاکت کے لئے سببِ مستقل ہے۔ کافی میں ہے۔

«مَنْ آذَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِي بِالْمُحَارَبَةِ.»۲۶ "جو میرے کسی ولی کو اذیت پہونچائے اس نے مجھ کو جنگ کی دعوت دی۔" اس حدیث میں مومنین و دوستانِ خدا کی اذیت کو خدا سے مبارزہ قرار دیا ہے اور ذاتِ پروردگارِ عالم سے مخاصمت قرار دی ہے۔ اس باب میں اتنی زیادہ حدیثیں ہیں جو اس مختصر سے رسالہ میں نہیں سما سکتیں۔

دوسری علامت یہ بتائی ہے کہ علمی مقالات اور علمی مذاکرہ کو غلبہ اور اظہارِ فضیلت کے لئے بطور مراء پیش کرتا ہے اور مراء کو جو علامات مراء سے قرار دیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ پہلے مراء سے صفتِ قلبی اور اس کا ملکۂ خبیثہ مراد ہوں اور جس کو علامت قرار دیا ہے وہ اس کا اثر اور علامت ظاہری ہو۔

تیسری علامت یہ بتائی ہے کہ حلم و بردباری کی (تعریف و) توصیف کرتا ہے حالانکہ خود اس

سے متصف نہیں ہے اور یہ خود نفاق اور ریاکاری و شرک ہے جیسے اظہارِ خشوع کرنا اور ورع سے خالی ہونا بھی شرک و نفاق و ریاکاری کی واضح ترین علامت ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اس صفت کے ایسے عظیم مفاسد ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ہلاک و برباد کرنے والا ہے (اس لئے) ضروری ہے کہ ہر قسم کی ریاضت و زحمت کے ذریعہ اپنے کو اس ننگ آور خصلت اور قلبی رذیلت جو ایمان کش اور خراب کن ہے اس سے نجات دیں اور دل کو اس ظلمت و کدورت سے آزاد کرائیں اور دل کو خلوصِ نیّت اور صدق باطن سے مزین کریں۔

اس باب میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ اگر انسان اس میں تھوڑا سا بھی غور کرے تو اس کی کمر توڑنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت صادقؑ نے ان علامتوں کے ذیل میں فرمایا ہے: "خدا اس کی ناک رگڑ دے اور اس کی کمر توڑ دے۔" اب حضرت کا یہ فرمانا یا تو بعنوان خبر ہے یا پھر بددعا ہے۔ جو بھی ہو اس کا واقع ہونا ضروری ہے اس لئے کہ اگر یہ اخبار ہے تو صادق و مصدق کی خبر ہے اور اگر بددعا ہے تو معصوم و ولی اللہ کی بددعا ہے جس کا مستجاب ہونا یقینی ہے اور یہ خود ہی ذلت و رسوائی سے کنایہ ہے اور ہو سکتا ہے انسان دونوں عالم میں ذلیل و رسوا ہو جائے اس عالم میں تو وہ جن لوگوں کے سامنے آبرومند ہونا چاہتا تھا اپنی خود نمائی اور اظہار فضیلت کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہو جائے گا اور اس کی قیمت گر جائے گی اور انھیں لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہو جائے گا جن پر اپنی برتری جتانا چاہتا تھا اور عالمِ آخرت میں ملائکہ مقربین، انبیائے مرسلین اولیائے معصومین، بندگانِ صالحین کے سامنے ذلیل و رسوا، خوار و بے مقدار ہو جائے گا۔

پس وائے ہو ہم لوگوں پر جو اصحاب مراء و جدال ہیں اور صاحبانِ خواہشاتِ نفسانیہ ہیں اور لڑائی جھگڑے والے ہیں ہم اس نفس خبیث و بے رحم کے ہاتھوں کس قدر مبتلا ہیں۔ ہم سے یہ نفس اپنا ہاتھ اٹھانے والا نہیں ہے جب تک تمام نشئات اور عوالم میں ہم کو ہلاک نہ کر دے۔ ہم کسی وقت بھی اصلاح نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اس نے غفلت کی روئی ہمارے کانوں میں ٹھونس رکھی ہے۔ (تاکہ) طبیعت کے سنگین خواب سے بیدار ہی نہ ہو سکیں۔

پروردگار تو بندوں کی اصلاح کرنے والا اور دلوں کا مالک ہے تمام موجودات کا وجود تیرے دستِ قدرت میں ہے اور تمام بندوں کے دل تیرے ارادۂ تامہ کے تحتِ اثر ہیں۔ ہم نہ اپنے مالک ہیں اور نہ اپنے نفع و ضرر، موت و حیات کے مالک ہیں تو ہمارے کدورت بھرے دلوں اور تاریک قلوب کو اپنے افاضۂ نور سے روشن کر دے اور ہمارے مفاسد کی اپنے فضل و کرم سے اصلاح فرمادے۔

اور ہم کمزوروں اور بیچاروں کی دستگیری فرما۔

تیسری فصل

جس طرح حدیث کے پہلے فقرہ میں ذکر کیا کہ مراد (کے دو مرتبہ ہیں اس) کا ایک مرتبہ باطنی ونفسانی ملکہ ہے اور دوسرا مرتبہ ظاہری اور اسی کی پیداوار ہے اور یہ ظاہری مرتبہ اس باطنی مرتبہ کے لئے علامت ونشانی ہے۔ اسی طرح امامؑ کے دوسرے فقرے کے بارے میں عرض ہے کہ استطالہ و برتری اور خدعہ وختل کا ایک مرتبہ باطنی وسرّی ہے جو اس امر کا ملکہ ہے اور ایک مرتبہ ظاہری ہے جو اس ملکہ کا نتیجہ ہے اور بیشتر اعمال وافعال میں قلب کا بھی حصّہ ہے جو کبھی تو ملکہ کے مرتبہ تک پہونچ جاتا ہے اور کبھی صرف حال کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور ظاہری اعمال اس کے نتائج ہوا کرتے ہیں۔ پس جن لوگوں میں برتری، جاہ طلبی، دھوکہ اور عوام فریبی اور استطالت کا ملکہ ہے اس کی علامتیں اور ظاہری نشانیاں بھی ان میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض علامتوں کو حضرت صادقؑ نے بیان بھی فرمایا ہے۔ ایک علامت دھوکہ دہی اور عوام فریبی کی ہے کہ ایسے لوگ اپنے کو اہل صلاح وسداد ظاہر کرتے ہیں حالانکہ باطن میں ایسے نہیں ہیں یہ لوگ انسانی لباس اور بکری صورت میں بھیڑیا صفت ہیں۔ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں ان کا ضرر لوگوں کے دین میں مخالف لشکر سے کہیں زیادہ ہے۔

ان لوگوں کی دوسری واضح صفت یہ ہے کہ جن لوگوں سے ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں ان کے لئے چاپلوس اور متواضع ہوتے ہیں۔ چاپلوسی، دھوکہ بازی اور تواضع کا جال بچھا کر بیچارے کمزور لوگوں کا شکار کرتے ہیں اور ان کے ارادت ومحبّت کے شیریں حلوے اور دنیاوی احترامات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے بدلے میں اپنے دین کو مایہ قرار دے کر اپنے ایمان کو بیچتے ہیں اور ان کی دُنیا سے استفادہ کرتے ہیں۔ لوگوں کا یہ وہی گروہ ہے جس کے بارے میں حدیثوں میں آیا ہے کہ اہلِ بہشت ان کو دیکھ کر کہیں گے آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم تو تمھاری تعلیمات کی وجہ سے بہشتی ہو گئے پھر تم لوگ کیسے جہنمی ہو گئے؟ تو وہ لوگ جواب دیں گے ہم اپنے قول پر عمل نہیں کرتے تھے۔ [۲۷]

ان لوگوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اپنے ہم جنسوں سے اور اپنے جیسے ان لوگوں سے جن سے دنیاوی طمع کی اُمید نہیں ہوتی اور جن کو اپنی ترقی کے راستہ کا کانٹا خیال کرتے ہیں ان سے تکبر

سے پیش آتے ہیں اور ان پر اظہارِ برتری کرتے ہیں اور حتیٰ الامکان عملاً و قولاً ان کی تحقیر کرتے ہیں اس لئے کہ ان کو خطرہ رہتا ہے کہ اگر ان کا کوئی شریک پیدا ہوگیا تو پھر ان کا اعتبار (اور احترام) کم ہو جائے گا۔

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ اہلِ علم و زہد و تقویٰ کے لباس میں دینداری مشکل ترین اور سخت ترین چیز ہے اور اس سلسلہ قلب کی حفاظت بھی (بہت مشکل ہے) اسی لئے اس طبقہ میں اگر کوئی اپنے فرائض کی انجام دہی کرے اور خلوصِ نیّت کے ساتھ اس مرحلہ میں داخل ہو اور اپنی گدڑی کو پانی سے باہر نکال لے، اپنی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرے، ایتام آلِ رسول کی حفاظت کرے تو اس کا شمار مقربین اور سابقین میں ہونے کے لائق ہے۔ جیسے کہ امام جعفر صادقؑ نے حضرت امام محمد باقرؑ کے چار صحابیوں کو مقربین اور سابقین میں شمار فرمایا ہے۔ (مثلاً) وسائل میں رجال کشی کے حوالہ سے ابو عبیدۃ الحذّاء تک سند پہونچائی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سُنا:

«قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُوْلُ: زُرَارَةُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ، وَاَبُو بَصِيْرٍ، وَبُرَيْدٌ، مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: «وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ. اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ.»[۲۸]

"زرارہ، محمد بن مسلم، ابو بصیر، بُرید کا شمار ان لوگوں میں ہے جس کے لئے قرآن نے کہا ہے: جو آگے بڑھ جانے والے ہیں (واہ کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے تھے۔ یہی لوگ (خدا کے) مقرب ہیں۔"

اس سلسلہ میں بہت حدیثیں وارد ہیں اور اہلِ علم کی اتنی فضیلت ہے جو بیان میں نہیں آسکتی۔ رسولِ اکرمؐ کی (ایک) حدیث ان کے لئے کافی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

«مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ، كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ.»[۲۹]

"جس کی موت اس عالم میں آئے کہ وہ طلبِ علم اس لئے کر رہا ہو تاکہ اس سے اسلام کو زندہ کرے تو جنّت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان ایک درجہ کا فاصلہ ہوگا۔"

اس کے بعد خدا نے چاہا تو کچھ ان کی فضیلت کا بھی ذکر ہوگا۔ لیکن اگر خدانخواستہ راہ

خلوص سے ہٹ گیا اور باطل کی راہ پر لگ گیا تو اس کا شمار ان علمائے سوء میں ہوگا جو بدترین خلق خدا ہیں اور جن کے لیے سخت احادیث اور (عجیب) وغریب تعبیرات کی گئی ہیں۔ اہلِ علم و طلاب کو اس پُرخطر راستہ کے لیے سب سے پہلے چیز جو پیشِ نظر رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں اپنی اصلاح کرلیں اور حتیٰ الامکان اس چیز کو تمام چیزوں پر مقدم کریں (کیونکہ) یہ تمام واجبات عقلیہ اور فرائضِ شرعیہ سے واجب تر اور سخت تر ہے۔

ہاں اے کمالات و معارف و علوم کے طلب گار خواب سے بیدار ہو جاؤ اور جان لو کہ خدا کی حجت تمہارے اوپر تمام ہو چکی ہے۔ خداوندِ عالم تم سے زیادہ باز پرس کرے گا۔ تمہارے اعمال و علوم کا معاملہ دوسرے بندگانِ الٰہی کے معاملہ سے بہت ہی فرق رکھتا ہے۔ تمہارا راستہ باریک تر و دقیق تر ہے۔ تمہارے حساب میں مناقشہ زیادہ ہوگا۔ اس طالب علم پر وائے ہو جس کے دل میں علوم سے کدورت و ظلمت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ہم خود اپنے کو دیکھتے ہیں کہ اگر چند ناقص مفہوم اور تھوڑے سے لاحاصل اصطلاحات کو سیکھ لیتے ہیں تو راہِ حق سے رُک جاتے ہیں۔ نفس و شیطان کا ہمارے اوپر غلبہ ہو جاتا ہے اور نفس و شیطان ہم کو انسانیت و ہدایت کے راستہ سے روک دیتے ہیں سب سے بڑا حجاب ہمارے یہی بے سروپا مفاہیم ہیں ذاتِ پروردگارِ عالم کی پناہ حاصل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

بارِ الٰہا! ہم اپنی تقصیر کے معترف اور گناہ کے مقر ہیں۔ نہ تیری رضا کے لئے ایک قدم بڑھایا اور نہ خلوص سے تیری ایک عبادت و اطاعت کی۔ تو اپنے لطفِ عام اور رحمتِ واسعہ کے ساتھ ہمارے ساتھ برتاؤ کر اور جس طرح اس دنیا میں ہمارے عیوب کی پردہ پوشی کی ہے آخرت میں بھی پردہ پوشی فرما۔ (کیونکہ) وہاں مغفرت اور پردہ پوشی کے زیادہ محتاج ہیں۔

یہاں پر بھی ضروری ہے کہ حدیث کے پہلے فقرے کے ذیل میں جو نکتہ ہے اس کو یاد دلاؤں اور وہ یہ ہے کہ اس فقرہ کے ذیل میں حضرت نے فرمایا ہے: خدا اس کی بینائی و بصیرت کو کور کرے اور دفترِ علما سے اس کے آثار مٹا دے یہ بھی چاہے خبر ہو یا بددعا بہر حال واقع ہونے والی چیز ہے۔ انسان کو اس بصیرت کے اندھے پن اور کورِ باطنی سے بہت پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ یہی تمام شقاوتوں اور تاریکیوں کا سرچشمہ ہے اور تمام بدبختیوں کا منشا یہی نابینائی قلب اور کوری دل ہے۔ اسی طرح آثار علما سے مٹ جانا اور ان کے کرامات و عطیات سے محروم ہو جانا بھی (اتنا بڑا عذاب ہے) جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے اور یہ علاوہ اس ننگ و رسوائی کے ہے جو قیامت میں خاصانِ خدا کے

سامنے ہوگی۔

چوتھی فصل

جو لوگ صاحبِ فقہ و عقل ہیں یعنی جن لوگوں کا مقصد تحصیلِ دین کی فقہ اور ادراک حقائق ہے (ان کے بھی) آثار و علائم ہیں جن میں سے عمدہ علامات کو بیان کر دیا گیا (چند مزید درج ذیل ہیں)۔

۱: حصولِ علم کی وجہ سے (ہمیشہ) ان کے دلوں میں حزن و اندوہ اور انکسار رہتا ہے اور یہ انکسار و حزن امورِ دنیائے دینۂ زائلہ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ آخرت کے خوف اور فرائض عبودیت میں قصور کی وجہ سے ہے اور یہ انکسار و حزن جس طرح قلب کو نور و صفا بخشتا ہے۔ اسی طرح اصلاح نفس کا مبداء اور فرائض عبودیت و بندگی کے ادائیگی کا منشا بھی ہوتا ہے۔ نورِ علم، عالم کے دل سے آرام و چین کو چھین لیتا ہے اور اس کو خدا اور دارِ کرامت سے آشنا کر دیتا ہے۔ خدا کی مناجات میں لذت پیدا کر دیتا ہے۔ راتوں کو بیداری پر اور وظائفِ بندگی کے ادائیگی پر آمادہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: «قَدْ تَحَنَّكَ فِي بُرْنُسِهِ، وَقَامَ اللَّيْلَ فِي حِنْدِسِهِ.» اس میں پہلے جملہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لزوم عبادت سے کنایہ ہے۔

۲: اس عالمِ ربانی کی ایک پہچان یہ ہے کہ مکمل طور سے فرائضِ بندگی کو ادا کرنے کے باوجود خوفزدہ رہتا ہے نورِ علم اس کو ہدایت کرتا رہتا ہے کہ تم چاہے جس قدر اپنے وظیفہ کو پورا کرو پھر بھی قاصر ہو اور مقصر ہو اور شکرِ نعمت و حقیقتِ عبادت کے عہدے کو پورا نہ کر سکو گے۔ اس لئے اس کا دل خوف و خشیتِ الہٰی سے پُر رہتا ہے اور خدا نے انھیں علما کے بارے میں فرمایا ہے:

«اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا»[۳۰] (خدا سے صرف اس کے وہ بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں) نورِ علم خوف و حزن لاتا ہے اور عالم (واقعی) اگرچہ اپنے نفس کی اصلاح کرتا رہتا ہے پھر بھی خوفِ آخرت سے آرام نہیں لیتا اور خدا سے اپنی اصلاح کا خواہاں رہتا ہے اور غیرِ حق سے اشتغال میں خوفزدہ رہتا ہے۔ اپنے زمانہ والوں سے بھاگتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ (اہلِ زمانہ) اس کو طریق الی اللہ اور سفر بہ آخرت سے روک نہ دیں اور دنیا و لذائذ دنیا اس کے لئے پیش کر کے اس کو بہکا نہ لیں۔

خداوند عالم ایسے ہی لوگوں کی تائید کرتا ہے اوران کے ارکان وجود کو محکم کرتا ہے اور قیامت کے دن اس کو امان عطا کرتا ہے۔

«فَيَالَيْتَنَا كُنَّا مَعَهُمْ فَنَفُوزَ فَوْزاً عَظِيماً.» ”کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی عظیم کامیابی پر فائز ہوتے۔

وَالْحَمْدُلِلّٰهِ اَوّلاً وَآخِراً، وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ.»

تیئسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۱ ص ۴۹ "کتاب فضل العلم" باب النوادر حدیث ۵۔

۲: وسائل الشیعہ جلد ۱۲ ص ۵۹ "کتاب التجارۃ" باب ۳ "از ابواب مایکتسب بہ" حدیث ۱

۳: مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۵۹ "کتاب فضل العلم" "باب النوادر" حدیث ۵

۴: جہل کا مطلب بے خودی اور ترک بردباری ہے۔ لوگوں نے کہا ہے جہل وہ چیز ہے جو عقل کے مقابل ہو۔ مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۶۰، کتاب فضل العلم، باب نوادر حدیث ۵۔

۵: ترجمہ گزر چکا۔

۶: ص/۴۷۶

۷: چنانچہ عرضت لہ الشی اس وقت بولا جاتا ہے جب اس چیز کو اس پر آشکار کیا جائے۔

۸: ص/ ۴۷۵

۹: رجل ملق اس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے ایسی چیز کہے جو اس کے دل میں نہ ہو۔

۱۰: مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۶۱ "کتاب فضل العلم" باب نوادر حدیث ۵۔

۱۱: مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۶۱ "کتاب فضل العلم" باب نوادر حدیث ۵۔

۱۲: مرآۃ العقول جلد ۱ ص ۱۶۱ "کتاب فضل العلم" باب نوادر حدیث ۵۔

۱۳: عنوان بصری کی حدیث جو امام ششم سے منقول ہے اس میں ہے: علم سیکھنے سے نہیں آتا یہ تو ایک نور ہے خدا جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ بحار جلد ۱ ص ۲۲۵ "کتاب العلم" باب ۷، حدیث ۱۷۔

۱۴: سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲۔

۱۵۔ شرح علی المآۃ کلمۃ، کلمہ دوم ص ۵۲، عوالی اللئالی، جلد ۲ ص ۲۳، حدیث ۴۸ از حضرت علیؑ۔
۱۶۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۴۴، کتاب فضل العلم" باب المستأکل بعلمہ" حدیث ۲۔
۱۷۔ ص / ۳۷
۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۰۰ کتاب ایمان وکفر، باب المراء والخصومۃ، حدیث ۲۔
۱۹۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۱ کتاب ایمان وکفر، باب المراء والخصومۃ، حدیث ۸۔
۲۰۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۰۱ کتاب ایمان وکفر، باب المراء والخصومۃ، حدیث ۶۔
۲۱۔ ص / ۲۳۔ ۱۶۷۔
۲۲۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۲۸۲، المقصد الثانی فی المعقبات والشیاطین) مسندِ حنبل ص ۱۵۶، تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ لکھا ہے۔
۲۳۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۶۴۰، کتاب العشرۃ، (باب من تکرہ مجالستہ) حدیث ۲
۲۴۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۶۴۰، کتاب العشرۃ، (باب من تکرہ مجالستہ) حدیث ۲
۲۵۔ ص / ۲۱۰۔
۲۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۵۲، کتاب ایمان وکفر، باب من اذی المسلمین، حدیث ۸۔ اس میں آذی کے بجائے "اہان" ہے اور بحار جلد ۷، ص ۱۴۶ کتاب العشرۃ باب ۵۶ میں ہے۔ من آذی ولیاً فقد ارصدنی بالمحاربۃ
۲۷۔ وسائل جلد ۱۱ ص ۴۰۲، کتاب الامر بالمعروف" باب ۱۰، از ابواب الامر والنہی" حدیث ۱۲
۲۸۔ وسائل جلد ۱۸ ص ۱۰۵، کتاب القضاء باب ۲۲، از ابواب صفاتِ قاضی، حدیث ۲۲
۲۹۔ سنن دارمی، جلد ۱ ص ۱۰۰ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ۔
۳۰۔ سورۂ فاطر آیت ۲۸۔

چوبیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى اَفْضَلِ الْمُحَدِّثِينَ وَاَقْدَمِهِمْ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ مُحَمَّد بْنِ الْحَسَنِ وَعَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيادٍ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ عِيسٰى، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الدِّهْقانِ، عَنْ دُرُسْتَ الْواسِطِي، عَنْ اِبْراهِيمَ بن عَبْدِالْحَمِيدِعَنْ اَبِي الْحَسَنِ مُوسٰى، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، الْمَسْجِدَفَاِذاً جَماعَةٌ قَدْ اَطافُوا بِرَجُلٍ. ما هٰذا؟ فَقِيلَ: عَلّامَةٌ. فَقالَ: وَمَا الْعَلّامَةُ؟ فَقالُوا لَهُ: اَعْلَمُ النّاسِ بِاَنْسابِ الْعَرَبِ وَوَقائِعِها وَاَيّامِ الْجاهِلِيَّةِ وَالْاَشْعارِ الْعَرَبِيَّةِ. قالَ: فَقالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: ذاكَ عِلْمٌ لايَضُرُّ مَنْ جَهِلَهُ وَلا يَنْفَعُ مَنْ عَلِمَهُ. ثُمَّ قالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اِنَّمَا الْعِلْمُ ثَلاثَةٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ؛ اَوْ فَرِيضَةٌ عادِلَةٌ؛ اَوْ سُنَّةٌ قائِمَةٌ؛ وَما خَلاهُنَّ فَهُوَ فَضْلٌ.»[1]

ترجمہ: امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: (ایک مرتبہ) رسولِ خداؐ مسجد میں تشریف لے گئے

تو دیکھا لوگوں نے ایک شخص کو (ہر طرف) سے گھیر رکھا ہے۔ حضرت نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ علاّمہ ہے۔ حضرت نے کہا: علاّمہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ شخص انساب عرب، عرب کی جنگوں، (زمانۂ) جاہلیت کے واقعات اور عربی اشعار کا سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ امام نے کہا: اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ علم نہ جاننے والے کے لئے نقصان دہ نہیں ہے اور جاننے والے کے لئے فائدہ مند (بھی) نہیں ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: علم صرف تین ہیں۔ ۱: آیت محکمہ (کا علم) ۲: فریضۂ عادلہ (کا علم) ۳: سنّت قائمہ (کا علم) (اس سے مُراد یا تو واجب ہے یا سنّتِ موکدہ) ان کے علاوہ جو بھی ہے وہ فضل ہے۔

شرح: بعض نسخوں میں "ماھذا" کے بجائے "مَن ھٰذا" آیا ہے (یعنی یہ کون ہے؟) اس شخص کی تحقیر کے لئے "ماھذا" فرمایا ہے۔ علاّمہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور آخر میں (ت) مبالغہ کے لئے لائی گئی ہے۔ یعنی بہت بڑا عالم۔

یہ جان لو کہ منطق میں بیان کیا گیا ہے کہ لفظ "مَنْ" شخصیت کے سوال کے لئے آتا ہے اور لفظ "ما" حقیقتِ موجود کے بارے میں سوال کے لئے آتا ہے یا پھر شرحِ اسم کے لئے آتا ہے۔ جب لوگوں نے رسولؐ اکرم سے کہا: یہ شخص علاّمہ ہے تو آنحضرتؐ نے علاّمہ کی حقیقت اور اس کے علم کے مغز کے بارے میں انھیں لوگوں کے گمان کے مطابق ان سے سوال کر لیا اسی لئے لفظ "ما" سے سوال کیا اور اوصاف عنوانیہ کے بارے میں کبھی تو سوال از ذات کو وسیلہ بناتے ہیں (اور کبھی نہیں بناتے) مثلاً اگر وصف کی حقیقت معلوم ہو اور موصوف معلوم نہ ہو تو لفظ "مَنْ" سے سوال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "مَنِ الْعَلاَّمَۃ"؟ علاّمہ کون ہے؟ اور اگر شخص معلوم ہو مگر وصف معلوم نہ ہو۔ یا صرف وصف کا پہچاننا مقصود ہو تو لفظ "ما" سے سوال کیا جاتا ہے اور اس وقت سوالی کا مقصد صرف وصف کو جاننا ہوتا ہے۔ نہ موصوف کے بارے میں سوال مقصود ہوتا ہے اور نہ وصف مع الموصوف کے بارے میں سوال مقصود ہوتا ہے اور اس حدیث میں چونکہ یہ کہا گیا تھا کہ یہ شخص علاّمہ ہے اس لئے آنحضرتؐ کا مقصد یہ تھا کہ حقیقتِ وصف کو معلوم کریں لہٰذا فرمایا: علاّمہ کیا ہے؟ یہ نہیں پوچھا کہ علاّمہ کون ہے؟ یا یہ کہ کیوں اور کس وجہ سے یہ علاّمہ ہے۔ میں نے جو بات عرض کی ہے وہ صدر المتالھین کی اس تحقیق سے زیادہ واضح ہے جو انھوں نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے ۲ مگر چونکہ اس کا ذکر موجب تطویل ہے اور ہمارے مقصد سے خارج بھی ہے اس لئے ذکر نہیں کر رہا ہوں۔

پہلی فصل

اس سے پہلے ذکر ہو چکا کہ [۳] اجمالی و کلی طور سے انسان کے لئے تین نشئات ہیں اور (انسان) تین مقام و (تین) عالم کا مالک ہے۔

۱۔ نشئۂ آخرت و عالمِ غیب و مقامِ روحانیت و عقل ۲۔ نشئۂ برزخ (یعنی) دونوں عالموں کے درمیان کا عالم اور مقامِ خیال ۳۔ نشئۂ دُنیا و مقامِ ملک و عالمِ شہادت اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک مخصوص کمال، مخصوص تربیت اور اپنے نشئہ و مقام کے مناسب ایک عمل ہے اور انبیا علیہم السلام ان اعمال کو بیان کرنے کے ذمّہ دار ہیں۔ پس تمام نفع دینے والے علوم کی تقسیم انھیں تینوں علم کی طرف ہوتی ہے (یعنی) ایک علم تو وہ ہے جو عقلی کمالات اور روحی وظائف کی طرف راجع ہے اور دوسرا علم قلبی اعمال و وظائف کو بیان کرتا ہے۔ تیسرا علم اعمال قالبی اور ظاہرہ نفس کے وظائف کا متکفل ہوتا ہے۔

جو علوم عالمِ روحانیت و عقل مجرد کی تربیت و تقویت کرتے ہیں وہ تمام وہ علوم ہیں جو ذاتِ پروردگارِ عالم اور اس کے صفات جلال و جمال اور عوالم غیبیہ تجردیہ (مثلاً) ملائکہ اور ان کے اصناف و جبروتِ اعلیٰ اور ملکوتِ اعلیٰ کے بلند ترین مراتب سے لے کر ملکوت اسفل، ملائکہ ارضیہ و جنود خداوندِ عالم اور انبیا و اولیا اور ان کے مدارج و مقامات (اسی طرح) آسمانی کتابوں، نزولِ وحی اور نزولِ ملائکہ و روح کی کیفیت اور نشئۂ آخرت، موجودات کے عالمِ غیب کی طرف رجوع کی کیفیت، برزخ و قیامت اور ان کی تفصیلات کی حقیقت کو بیان کرنے والے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو علوم مبداء وجود اور اس کے مراتب و حقیقت اور قبض و بسط و ظہور اور اس کے رجوع کو بیان کرتے ہیں اور ان علوم کو بیان کرنے والے انبیا و اولیا کے بعد فلاسفہ اور بڑے بڑے حکما و اصحاب معرفت و عرفان ہوتے ہیں۔

اور جو علوم تربیت قلب اور ریاضت قلب اور اعمال قلبیہ کو بیان کرتے ہیں اس میں تمام وہ علوم شامل ہیں جو اخلاقیات کو سنوارنے اور برباد کرنے والی چیزوں کو بیان کرتے ہیں (مثلاً) محاسن اخلاق۔ جیسے صبر، شکر، حیا، انکساری، رضا، شجاعت، سخاوت، زہد و ورع و تقویٰ اور دیگر محاسنِ اخلاق اور ان کے حصول کی کیفیت اور اسباب حصول اور اس کے مبادی و شرائط اور قبایح اخلاق

مثلاً حسد، تکبر، ریا، کینہ، ملاوٹ، حُبِ ریاست وجاہ، حُبِ دُنیا و نفس وغیرہ اور بُرے اخلاق کے مبادی اوران سے بچنے کے طریقوں کو بیان کرتے ہیں (وہ سب قسمِ دوم میں شمار ہوتے ہیں) اوران چیزوں کے بیان کرنے والے انبیا واوصیا کے بعد علمائے اخلاق اور اصحاب معارف وریاضیات ہیں۔

اور جو علوم تربیت ظاہراوراس کی ریاضت کو بیان کرنے والے ہیں وہ علم فقہ اور اس کے مبادی، علم آداب معاشرت اور تدبیر منزل وسیاست مدن کو بیان کرنے والے ہیں (اور یہ سب تیسری قسم میں شامل ہیں) ان علوم کو بیان کرنے والے انبیا واوصیا علیہم السّلام کے بعد علمائے ظاہر، فقہااور محدثین ہیں۔

یہ بات بھی خاطر نشین کرلینی چاہیے کہ انسانیت کے یہ تینوں مرتبے جو ذکر کیے ہیں یہ آپس میں اس طرح مربوط ہیں کہ ہر ایک کے اثرات دوسرے میں سرایت کرتے ہیں خواہ جانب کمال میں ہوں یا جانب نقص میں ہوں۔ مثلاً اگر کسی نے فرائضِ بندگی اور مناسکِ ظاہری کو اسی طرح انجام دیا ہے جیسا انجام دینا چاہیے اور وہ انبیا کے دستوروں کے مطابق بھی رہا ہو تو اس سے اس کے قلب وروح میں ایسی تاثیرات کا پیدا ہو جانا ضروری ہے جس سے اس کے اخلاق اچھے ہو جائیں اور عقائد کمال کی طرف مائل ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی تہذیبِ اخلاق اور تحسینِ باطن کا پابند ہو جائے تو دوسرے دونشئوں میں وہ موثر ہوگا۔ جس طرح کمالِ ایمان اور مضبوطیٔ عقائد دوسرے دو مقامات میں اثر انداز ہوتے ہیں اوراس کی وجہ وہ شدّتِ ارتباط ہے جو ان مقامات کے درمیان ہے۔ بلکہ لفظِ ارتباط سے تعبیر کرنا بھی صحیح مفہوم نہ ملنے کی وجہ سے ہے (بلکہ) یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک حقیقت کے بہت سے مظاہر و مجالات ہیں۔ اسی طرح تینوں مقامات کے کمالات بھی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

اور یہ گمان تو کسی کو کرنا ہی نہ چاہیے کہ ظاہری اعمال و عبادت کے بغیر ایمان کامل ہو سکتا ہے یا اخلاق مہذب ہو سکتے ہیں۔ یا جس کا خُلق ناقص و غیر مہذب ہے اس کے اعمال کا تام و تمام ہونا اور ایمان کا کامل ہونا ممکن ہو سکتا ہے۔ یا قلبی ایمان کے بغیر اس کے ظاہری اعمال تام اور محاسن اخلاق کامل ہو سکتے ہیں۔ جب ظاہری اعمال ناقص ہوں اور انبیا کے فرمان کے مطابق نہ ہوں تو پھر قلب میں حجابات کا اور کدورتوں کا روح میں حاصل ہو جانا ضروری ہے جو ایمان و یقین کے نور سے مانع ہے۔ اسی طرح اگر قلب میں بُرے اخلاق ہوں گے تو وہ نورِ ایمان کے قلب میں داخل ہونے سے مانع ہوں گے۔

اس لئے آخرت کے مسافر اور صراطِ مستقیم انسانیت کے طالب کے لئے ضروری ہے کہ تینوں مراتب میں بہت زیادہ دقت اور توجہ کے ساتھ پابندی و مراقبت کے ساتھ اصلاح اور ریاضت سے کام لے اور کسی بھی علمی و عملی کمالات سے صرفِ نظر نہ کرے اور نہ یہ گمان کرے کہ صرف تہذیبِ اخلاق یا مضبوطیٔ عقائد یا ظاہر شریعت کی (فقط) موافقت اس کے لئے کافی ہے (بلکہ تینوں کے حصول کی کوشش کرے) چنانچہ بعض صاحبانِ علوم ثلاثہ ان تینوں عقاید میں ماہر تھے۔ جیسے کہ شیخ اشراق[4] نے حکمۃ الاشرق کے شروع میں اس طرح تقسیم فرمائی۔ ۱: علم و عمل دونوں میں کامل ہو ۲: صرف علم میں کامل ہو ۳: صرف عمل میں کامل ہو۔ جس سے یہ استفادہ ہوتا ہے علمی کمال نقص در عمل کے ساتھ اور عملی کمال نقص در علم کے ساتھ متحقق ہو سکتا ہے (پس یہ احتمال غلط ہے کہ ایک میں کمال حاصل کرے تو باقی دونوں میں بھی کمال حاصل ہو جائے گا) اور (صاحبِ اشراق نے) علمی کمال والوں کو اہلِ سعادت اور عالمِ غیب و تجرد کے متخلصین میں سمجھا ہے اور یہ گمان[5] کیا ہے کہ انجام کار یہ لوگ علیین اور روحانیین میں شامل ہو جائیں گے۔

(البتہ) بعض علمائے اخلاق اور تہذیب باطن والوں نے تمام کمالات کا منشا (صرف) تہذیب قلب و تعدیل اخلاق اور اعمالِ قلبیہ ہی کو قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ عقلی حقائق اور ظاہری احکام کو دقیق و باریک نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ان چیزوں کو سلوک کے راستہ کا کانٹا خیال کرتے ہیں[6] (اسی طرح) بعض علمائے ظاہر علومِ عقلیہ اور باطنیہ اور معارفِ الہیہ کو کفر و زندقہ شمار کرتے ہیں اور ان چیزوں کے علما اور طلبا سے عناد و دشمنی رکھتے ہیں۔

یہ تینوں گروہ جو باطل عقائد رکھتے ہیں یہ روحانی مقامات اور نشأت انسانیہ سے محروم ہیں۔ انھوں نے انبیا و اولیا کے علوم میں صحیح طریقہ سے غور و فکر نہیں کیا ہے۔ اسی لئے خود ان تینوں میں اختلاف رہتا ہے اور ایک دوسرے پر لعن (و طعن) کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کو باطل پر سمجھتا ہے حالانکہ مراتب کے اندر حد بندی باطل ہے۔ ویسے ایک اعتبار سے ایک دوسرے کو جھٹلانے میں حق پر ہیں نہ اس اعتبار سے کہ ان کا علم یا عمل مطلق باطل ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ انسانی مراتب کی تحدید علوم و کمالات میں صرف اسی حد تک کرتے ہیں جتنے کے وہ دارا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل خلاف واقع ہے۔

رسولِ اکرمؐ نے اس حدیث کے اندر علوم کی تقسیم تین قسموں پر کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تینوں علوم انھیں تینوں مرتبوں کے اعتبار سے ہیں اور اس کی تائید کتب

الہیہ وسنن انبیا اور اخبارِ معصومین میں متداول علوم سے ہوتی ہے کہ ان میں بھی علوم کی تقسیم انھیں تینوں قسموں پر ہوئی ہے۔ (جس کی تفصیل درج ہے)۔

ایک تو خدا و ملائکہ، آسمانی کتابوں، انبیا و رسولوں اور آخرت کا علم ہے: جو تمام آسمانی کتابوں اور خاص کر قرآنِ مجید اس سے بھرا پڑا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں جس چیز کا سب سے زیادہ ذکر موجود ہے وہ اسی علم کا ہے۔ مبداء و معاد کی طرف صحیح برہان سے دعوت اور اس کا مکمل بیان جس کو محققین نے ذکر کیا ہے اسی میں ہے اور دوسرے دونوں مرتبوں کا ذکر اس کے مقابلہ میں کم ہے۔ ائمہ معصومینؑ کی حدیثوں میں بھی یہ مقصد حدِ شمار سے زیادہ موجود ہے۔ جو ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے جو تمام علما کے نزدیک مقبول (و معتبر) ہیں۔ جیسے کافی توحید صدوقؒ وغیرہ۔

اسی طرح تہذیبِ باطن اور اصلاحِ اخلاق و تعدیلِ اخلاق کا ذکر کتابِ الہٰی اور احادیث ائمہ علیہم السّلام میں توقع سے کہیں زیادہ مذکور ہے۔ لیکن ہم بیچاروں اور اسیرانِ ہوا و ہوس کے نزدیک یہ کتابیں اور یہ ابواب متروک ہیں اور قابلِ اعتنا نہیں ہیں۔ (یاد رکھیے) ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب خدا ہم سے مواخذہ کرے گا اور احتجاج کرے گا اور ائمہ معصومینؑ کی حدیثوں اور ان کے علوم سے برائت کی وجہ سے نعوذ باللہ خود ائمہ ہم سے کنارہ کشی کریں گے۔ میں بُرے انجام اور بدترین بازگشت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ فقہ اور مناسکِ ظاہرہ کے بارے میں بھی حدیثیں موجود ہیں اور تمام کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں اس لئے ان کے بھی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سے پتہ چل گیا کہ بشری ضرورتوں اور انسانی مقاماتِ ثلاثہ کے مطابق علومِ شریعت صرف انھیں تینوں قسموں میں منحصر ہیں اور ان علوم کے علما میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے پر اعتراض کرے اگر انسان ایک علم کو نہیں جانتا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی تکذیب کرے اور اس کے جاننے والے کی شان میں جسارت کرے۔ جس طرح عقلِ سلیم کے نزدیک تصدیق بے تصور غلط اور اخلاقی قبائح میں شمار ہوتا ہے۔ بے تصور تکذیب بھی اسی طرح قبیح ہے۔ بلکہ یہ تو اس سے بھی بدتر ہے۔ اگر خداوندِ عالم ہم سے سوال کرے کہ جب تم مسلکِ حکما کے مطابق "وحدتِ وجود" کا مطلب نہیں سمجھتے تھے اور اس علم کے عالم اور صاحبِ فن سے تم نے اس کو نہیں سیکھا تھا اور نہ اس علم کو اور نہ اس کے مقدمات کو جانتے تھے تو تم نے اندھی تقلید کر کے ان کو کیوں کافر کہا؟ تو ہمارے پاس خدا کے سامنے سوائے شرمندگی سے سر جھکانے کے علاوہ کوئی جواب

نہ ہوگا اور یہ عذر کرنا کہ "میں تو یہی سمجھتا تھا" قابل قبول نہ ہوگا۔ (بس لو) ہر علم کے کچھ مبادی اور (کچھ) مقدمات ہوتے ہیں۔ جب تک آدمی ان مقدمات کو سمجھ نہ لے نتیجہ کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ایسے مسئلہ دقیق میں جس میں پوری عمر گنوا کے بھی اصل حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور حقیقی طور سے اس کے لب و مغز تک رسائی نہیں ہوتی۔ جس چیز میں ہزاروں سال سے حکماء و فلاسفہ بحث کر رہے ہوں اور اس میں بال کی کھال نکال رہے ہوں تم اس کو ایک کتاب کے مطالعہ سے یا مثلاً مثنوی کے ایک شعر کے ذریعہ اپنی عقل ناقص سے سمجھ لوگے؟ ناممکن ہے۔ اس سے تم کچھ بھی نہ سمجھ پاؤ گے۔ خدا اس بندے پر رحم کرے، جو اپنی قدر سمجھ لے اور اپنی حد سے آگے نہ بڑھے: "رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً عَرَفَ قَدْرَهُ وَلَمْ يَتَعَدَّ طَوْرَهُ۔"

اسی طرح اگر ایک حکیم متفلسف یا عارف متکلف سے سوال کیا جائے کہ تم نے جو فقیہ کو قشری کہا اور ظاہری کہا اور اس پر طعن کیا (نہ صرف ایک فقیہ پر) بلکہ علوم شرعیہ کے ایک حصہ پر حملہ کیا۔ ایسے علوم شرعیہ جن سے نفوس بشری کی تکمیل کے لئے خدا نے انبیا کو بھیجا اور تم نے ان کی توہین کی تو آخر کس دینی اعتبار سے ایسا کیا؟ اور کس شرعی یا عقلی دلیل سے تم نے علما و فقہا کے ایک گروہ پر جسارت کی؟ اور کس دلیل سے اس کو جائز سمجھا؟ تو وہ حکیم بھی خدا کے سامنے سوائے شرمندگی سے سر جھکا لینے کے علاوہ کوئی جواب نہیں دے سکے گا۔ بہرحال ہم اس مرحلہ سے گزرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے ملال و رنج ہوگا۔

دوسری فصل

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ رسول خدا نے جن تینوں علوم کا ذکر فرمایا ہے وہ یہی تینوں علوم ہیں جن کا ذکر کیا گیا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ تینوں عنوان کن علوم پر منطبق ہیں؟ اگرچہ اس کی کوئی بہت زیادہ ضرورت نہیں ہے کیونکہ اصل چیز ان علوم کا سمجھنا ہے اور اس کے بعد ان کا حاصل کرنا ہے۔ لیکن حدیث بالا کی تشریح کے لئے اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

اس لئے عرض ہے کہ جن بڑے بڑے علما نے اس حدیث کی شرح فرمائی ہے انھوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور چونکہ اس اختلاف کو ذکر کرنا اور اس میں بحث کرنا باعث طول ہے اس لئے میں صرف اس چیز کا ذکر کروں گا جو نظر قاصر میں ان شواہد کی بنا پر ثابت ہے جن کا ابھی ذکر نہیں

ہوا ہے۔ اس کے بعد اس اہم نکتہ کو ذکر کروں گا جس کو ہمارے شیخ بزرگوار عارف کامل شاہ آبادی دام ظلہ نے بیان کیا ہے۔

(اس لئے عرض ہے کہ) "آیت محکمہ" سے مراد علوم عقلیہ و عقائدِ حقّہ اور معارف الہیہ ہیں اور "فریضۂ عادلہ" سے مراد علم اخلاق و تصفیۂ قلوب ہے اور "سنتِ قائمہ" سے مراد علم ظاہر اور علوم و آداب قالبیہ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ آیت بمعنی علامت و نشانی ہے جو علومِ عقلیہ اعتقادیہ سے مناسب ہے۔ کیونکہ یہی علوم عقلیہ و اعتقادیہ ہی ذات و اسماء و صفات اور دیگر معارف کی نشانیاں اور علامتیں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر علوم کو آیت و نشانی سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ مثلاً قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر وجودِ پروردگار یا اسماء و صفاتِ خداوندِ عالم پر دلیل قائم کرنے کے بعد یا قیامت اور اس کی کیفیات اور عالمِ غیب و برزخ پر برہان قائم کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے یہ آیت ہے یا آیات ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں یا جو صاحبان عقل ہیں۔؟ ان علوم و معارف کے لئے یہ تعبیر رائج ہے۔ لیکن اگر کسی شرعی فرع کا ذکر کیا جائے یا کسی اخلاقی قاعدہ کا ذکر کیا جائے تو وہاں پر "یہ آیت ہے" کا استعمال نہایت رکیک (و قبیح) ہے جیسا کہ واضح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظ آیت، علامت نشانی علوم معارف کے لئے مناسب ہیں۔ (بلکہ) ان کے لئے مخصوص ہیں جیسے لفظ "محکمہ" بھی انھیں علوم سے مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ علوم میزانِ عقل اور برہان محکم کے تحت ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر علوم کو برہانِ محکم سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔

اور "فریضۂ عادلہ" سے علمِ اخلاق مراد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ فریضہ کی صفت عادلہ آئی ہے اور علمِ اخلاق میں یہ بات طے شدہ ہے کہ افراط و تفریط کی حد سے جو خارج ہو وہی "خُلقِ حسن" ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں اور "عدالت" جو ایک وسطی و درمیانی چیز ہے۔ وہی مستحسن ہے مثلاً "شجاعت" اخلاقِ حسنہ اور ملکۂ فاضلہ کے اصول و ارکان میں سے ایک ہے اس سے مراد وہ حالتِ متوسط ہے جو افراط (یعنی تہور) اور تفریط (یعنی بزدلی) کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ تہوّر کا مطلب ڈرنے کی جگہ نہ ڈرنا ہے اور بزدلی و جبن کا مطلب نہ ڈرنے کی جگہ ڈرنا ہے۔ (اسی طرح) حکمت جو ایک رکن ہے وہ بھی "سفہ" اور "بلہ" کے درمیان والی چیز کا نام ہے۔ سفہ کی تعبیر "جربزہ" سے بھی کی جاتی ہے اس کا مطلب ہے جہاں پر ضرورت نہ ہو وہاں پر غور و فکر کا استعمال کرنا اور "بلہ" کا مطلب ہے جہاں پر قوتِ فکریہ کو استعمال کرنا چاہیے وہاں اس کو

معطل و بیکار کر دینا۔ اسی طرح عفت و سخاوت جو شرہ اور خمود کے درمیان ہو وہ عفت ہے اور جو اسراف و بخل کے درمیان ہو وہ سخاوت ہے۔ پس (نتیجہ یہ نکلا کہ) فریضہ کا عادلہ ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہ علم اخلاق پر منطبق ہے۔ بلکہ خود لفظِ فریضہ میں بھی اس کی طرف اشعار ہے۔ اس لئے کہ فریضہ "سنت" کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جو تیسری قسم کی طرف راجع ہے یعنی عقل کو اس کے ادراک کرنے کے لئے ایک راستہ ہو اور علمِ اخلاق اسی قسم کا ہے۔ برخلافِ سنّت کے کیونکہ سنّت تو تعبدِ صرف کی طرف راجع ہے جس کا ادراک عقول کے بس سے باہر ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا ہے کہ "سنتِ قائمہ" سے مُراد علومِ تعبدیہ اور آدابِ شرلیعہ ہے جس کی تعبیر سنت سے کی گئی ہے اور عقول حسبِ نوع اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ ان کا اثبات یا ان کا سمجھنا سنّت ہی پر موقوف ہے اور سنّت کی توصیف و تعبیر بھی "قائمہ" سے کرنا یہ واجبات شرعیہ ہی سے مناسب ہے، کیونکہ اقامہ یعنی قائم کرنا نمازوں اور زکات ہی کے ساتھ صحیح تعبیر ہے۔ یہ لفظ ان دونوں علوم میں استعمال نہیں کی جاتی۔ مناسبات کے لحاظ سے یہ آخری چیز ہے جس سے تطبیق ہو سکتی ہے۔
«وَالْعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ.»

تیسری فصل

اب میں اس نکتہ کو بیان کرنا چاہتا ہوں جس کا وعدہ کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں علم عقائد و معارف کی تعبیر "آیۃ" سے کی گئی ہے اور آیت کے معنیٰ علامت و نشانی کے ہیں اور اس تعبیر میں یہ نکتہ ہے کہ علوم عقلیہ اور حقائق اعتقادیہ کو اگر خود ان کو سمجھنے کے لئے حاصل کیا جائے تو پھر تمام مفاہیم واصطلاحات اور زرق برق عبارتوں اور مزین ترکیبوں کو استعمال کر کے دنیاوی منزلت حاصل کرنے کے لئے اگر عقول ضعیفہ کے حوالہ کر دیا جائے تب بھی اس کو "آیاتِ محکمات" نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ان کو دبیز پردے اور بیکار عقائد کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اس لئے کہ اگر کسبِ علوم سے انسان کا مقصد وصول الی الحق و تحقق بہ اسماء و صفات اور تخلق با خلاق اللہ نہ ہو تو اس کے تمام ادراکات جہنمی ہو جاتے ہیں اور تاریک پردے اس کے دل کو تاریک اور چشمِ بصیرت کو کور کر دیتے ہیں اور ایسا شخص قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے۔ «وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى.»[۱]

"اور جس شخص نے میری یاد سے مُنہ پھیرا تو اس کی زندگی بہت تنگ میں بسر ہوگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

پس وہ شخص اپنے کو اس عالم میں اندھا پائے گا (تو) خدا پر اعتراض کرے گا کہ میں تو دنیا میں بینا تھا تُو نے مجھے کیوں اندھا محشور کیا؟ جواب آئے گا تُو دنیا میں اندھا تھا کیونکہ تو نے میری نشانیوں کا مشاہدہ نہیں کیا ان کو بُھلا بیٹھا تھا، آخرت میں بینائی کا معیار قلب و بصیرت کی بینائی ہے اور پورا بدن اور اسکی قوتیں سب کی سب قلب ولب کے تابع ہیں اور ظلیت وہاں پر بدرجہ اتم ظاہر ہوگی۔ اندھا، گونگا، بہرا کی ظلیت بھی اسی طرح ہوگی۔ مفاہیم واصطلاحات و عبارتوں کے عالم کتابوں اور اسفاروں کے حافظ یہ گمان نہ کریں کہ وہ خدا اور ملائکہ اور آخرت کے عالم ہیں۔ اگر ان کے علوم (واقعاً) علامت ونشانی ہیں تو پھر خود ان کے دلوں میں ان علوم نے نورانیت کا اثر کیوں نہیں بخشا اور دلوں کی تاریکیوں، مفاسدِ اخلاق اور ان کے (بُرے) اعمال میں آسانی کے ساتھ کیسے اضافہ ہوگیا۔ قرآنِ مجید نے علما کی پہچان اس طرح بتائی ہے: «اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا»[10] "خدا کے بندوں میں خدا سے صرف علما ڈرتے ہیں۔" (یعنی) خوفِ خدا علما کے خصوصیات میں سے ہے۔ جس کے اندر خوفِ خدا نہیں ہے وہ زمرہ علما سے خارج ہے (آپ ہی بتائیے) کیا ہمارے دلوں میں خوفِ خدا ہے؟ اگر ہے تو اس کا اثر کیوں نہیں ظاہر ہوتا۔

کافی میں ابو بصیر سے منقول ہے:

«قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ، (خ ل: اَبَا جَعْفَرٍ) یَقُولُ کَانَ اَمِیرُ الْمُؤْمِنِینَ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، یَقُولُ: یَا طَالِبَ الْعِلْمِ، اِنَّ الْعِلْمَ ذُو فَضَائِلَ کَثِیرَةٍ: فَرَأْسُهُ التَّوَاضُعُ؛ وَعَیْنُهُ الْبَرَاءَةُ مِنَ الْحَسَدِ وَاُذُنُهُ الْفَهْمُ؛ وَلِسَانُهُ الصِّدْقُ؛ وَحِفْظُهُ الْفَحْصُ؛ وَقَلْبُهُ حُسْنُ النِّیَّةِ؛ وَعَقْلُهُ مَعْرِفَةُ الْاَشْیَاءِ وَالْاُمُورِ وَیَدُهُ الرَّحْمَةُ؛ وَرِجْلُهُ زِیَارَةُ الْعُلَمَاءِ وَهِمَّتُهُ السَّلَامَةُ؛ وَحِکْمَتُهُ الْوَرَعُ؛ وَمُسْتَقَرُّهُ النَّجَاةُ؛ وَقَائِدُهُ الْعَافِیَةُ؛ وَمَرْکَبُهُ الْوَفَاءُ وَسِلَاحُهُ لِینُ الْکَلِمَةِ؛ وَسَیْفُهُ الرِّضَا؛ وَقَوْسُهُ الْمُدَارَاةُ؛ وَجَیْشُهُ مُحَاوَرَةُ الْعُلَمَاءِ وَمَالُهُ الْاَدَبُ؛ وَذَخِیرَتُهُ اجْتِنَابُ الذُّنُوبِ؛ وَزَادُهُ الْمَعْرُوفُ؛ وَمَاؤُهُ الْمُوَادَعَةُ؛

وَدَلِيلُهُ الْهُدٰى؛ وَرَفِيقُهُ مَحَبَّةُ الْأَخْيَارِ "

" بعض نسخوں میں امام محمد باقرؑ سے یہ حدیث ہے) میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ آپؑ فرمارہے تھے کہ: حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے: اے طالب علم، علم کے بہت سے فضائل ہیں۔ علم کا سر تواضع ہے۔ اس کی آنکھ حسد سے بری ہونا ہے۔ اس کے کان "سمجھ" ہیں۔ اس کی زبان سچائی ہے اس کا حافظہ تلاش ہے اس کا دل حسنِ نیّت ہے۔ اس کی عقل اشیا و امور کی معرفت ہے" اس کے ہاتھ رحمت اور پیر علما کی زیارت ہیں۔ اس کی ہمت سلامت، اس کی حکمت پرہیزگاری۔ اس کا مستقر نجات" اس کا قائد عافیت اور سواری وفا ہے۔ اس کا ہتھیار نرم کلامی اس کی تلوار رضامندی اس کی کمان مدارات ہے۔ اس کا لشکر علما سے گفتگو اس کا مال ادب اس کا ذخیرہ گناہوں سے اجتناب" اس کا زادِ معروف اس کا پانی سازگاری اور رہبر ہدایت اور دوست نیک لوگوں سے محبت ہے۔"

حضرت امیر المومنینؑ نے جن چیزوں کا ذکر فرمایا ہے یہ سب علما اور علم کے آثار و علائم ہیں۔ اب اگر کوئی علوم رسمیہ کا عالم ہے مگر ان چیزوں سے خالی ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے پاس علم کا کوئی حظ نہیں ہے اور وہ صاحبانِ جہالت و ضلالت سے ہے۔ دوسرے عالم میں یہ تمام مفاہیم اور جہالات مرکبہ اور سارے قال و قیل اس کے لئے ظلمانی حجاب بن جائیں گے اور قیامت میں بہت بڑی ندامت ہوگی۔ اس لئے میزانِ علم یہی ہے کہ وہ علامت و نشانی بنے۔ خودی اور خودیت کا اس میں شائبہ نہ ہو" انانیت ختم و نابود ہو جائے نہ یہ کہ باعث نخوت و تکبر و خود بینی و خودنمائی بنے۔

اسی طرح حضرتؑ نے "محکمۃ" فرمایا ہے اس لئے کہ صحیح علم وہی ہے جس کی نورانیت اور روشنی کی وجہ سے قلب میں اطمینان پیدا ہو۔ ریب و شک زائل ہو جائے۔ اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص تمام عمر براہین و دلائل اور ان کے مقدمات میں غور و خوص کرتا ہے اور ہر ایک معارفِ الہیہ کے لئے متعدد براہین اور ادلہ کثیرہ ذکر کرتا ہے اور اپنے ہمسروں سے مقابلہ وجدل میں برتری حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن ان علوم نے اس کے دل میں کوئی اثر نہیں کیا اور نہ اطمینان بخشا۔ بلکہ اس کے شکوک و شبہات اور تردید میں اضافہ کر دیا۔ لہٰذا (سمجھ لیجئے کہ) تمام مفاہیم اور بکثرت اصطلاحوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں قلب کو غیرِ خدا میں مشغول کر دیتی ہیں اور ذاتِ پروردگارِ عالم سے غافل کر دیتی ہیں۔

اے عزیز سب سے مکمل علاج یہی ہے کہ انسان کا علم الٰہی ہو جائے۔ جس علم میں بھی

داخل ہو مجاہدہ کرے اور ہر قسم کی کوشش و ریاضت کے ذریعہ اپنے ارادہ میں خلوص پیدا کرے (کیونکہ) سرمایۂ نجات اور سرچشمۂ فیوضات یہی تخلیصِ نیت اور نیت خالص ہے:

«مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِينَ صَبَاحاً جَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلٰى لِسَانِهِ.»[۱۲]

"جو شخص بھی چالیس صبح تک خدا کے لئے اخلاص برتے اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔" چالیس دن کے اخلاص کے یہ آثار و فوائد ہیں: اس لئے اگر آپ نے چالیس سال یا اس سے زیادہ ہر علم کے اصطلاحات و مفاہیم کے جمع کرنے میں کوشش کی اور اپنے کو ہر علم کا علامہ خیال کر لیا اور اپنے کو جند اللہ میں سے شمار کرنا شروع کر دیا اور اس کے باوجود اپنے دل میں حکمت کا کوئی اثر نہ پایا اور زبان پر اس کا ایک قطرہ بھی ظاہر نہ ہوا تو یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی تمام تحصیلات اور زحمتیں خلوص کے ساتھ نہ تھیں بلکہ سب شیطان اور خواہش نفس کے لئے تھیں۔ پس اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ ان علوم سے کوئی کیفیت اور حال نہیں پیدا ہوا تو تھوڑے دنوں تک چاہے بطور تجربہ ہو اخلاصِ نیت کے ساتھ دل کو کدورت سے پاک کرنے کی کوشش کیجئے۔ اگر اس کا کچھ اثر دکھائی دیتا ہے تو پھر پابندی سے اس کی کوشش کیجئے۔ اگرچہ تجربہ کی صورت میں (بابِ اخلاص) بند ہو جاتے ہیں۔ مگر ہو سکتا ہے کوئی دریچہ کھل ہی جائے اور اس سے نکلنے والی روشنی تمہاری ہدایت کر دے۔

بہر حال اے عزیز ہر عالم میں خواہ برزخ ہو یا قبر یا قیامت اور اس کے درجات ہوں تم سب ہی میں معارفِ الٰہی علومِ حقیقی اور اخلاقِ حسنہ و اعمالِ صالحہ کے محتاج ہو۔ تم چاہے جس منزل پر فائز ہو اس میں کوشش کرو اور اخلاص کو زیادہ کرو، اوہامِ نفس اور شیطانی وسوسوں کو اپنے دل سے باہر نکال دو۔ تو (یقیناً) تم کو اس کا نتیجہ حاصل ہو گا اور حقیقت کا راستہ کھل جائے گا۔ ہدایت کے راستے منکشف ہو جائیں گے۔ خداوندِ عالم تمہاری دستگیری فرمائے گا۔

خدا جانتا ہے کہ اگر ان بیکار و باطل علوم اور فاسد اوہام، قلبی کدورتوں اور اخلاق ذمیمہ کے ساتھ (دوسرے) عالم میں منتقل ہوں گے تو کیسی مصیبتیں، ابتلائات اور گھاٹیاں ہمارے سامنے آئیں گی اور یہ علوم و اخلاق ہمارے لئے کیسی تاریکیاں، وحشت اور آتش فروزاں فراہم کریں گے (کہ خدا کی پناہ)

چوتھی فصل

جناب محقق فلاسفہ، صدر الحکماء والمتالہین قدہ نے اصول کافی کی شرح میں شیخ غزالی[۱۲]

کا ایک طویل کلام نقل فرمایا ہے جس میں غزالی نے علوم کی تقسیم دنیاوی علوم اور اخروی علوم کی طرف کی ہے اور علم فقہ کو دنیاوی علوم میں شمار کیا ہے اور اخروی علوم کی تقسیم مکاشفہ اور معاملہ کی طرف کی ہے اور علم معاملہ کو احوالِ قلوب کے علم سے شمار کیا ہے اور علمِ مکاشفہ کو ایک ایسا نور قرار دیا ہے جو قلوب کو صفاتِ مذمومہ سے پاک کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اسی نور سے کشفِ حقائق ہوتا ہے یہاں تک کہ اسی نور سے خدا کی ذات، اس کے صفات و افعال اور ان کی حکمتوں اور دیگر معارف کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے۔[14] اور چونکہ یہ تقسیم صدر المحققین کے نزدیک پسندیدہ تھی۔ اس لئے انھوں نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے "جسکی میں شرح کر رہا ہوں" فرمایا ہے:

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم اور یہ حصر جو رسولِ خدا نے فرمایا ہے علوم معاملات کی طرف راجع ہے کیونکہ یہی وہ علوم ہیں جن سے زیادہ لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ رہے علومِ مکاشفات تو وہ بہت ہی کم لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں اور وہ لوگ کبریتِ احمر سے زیادہ کمیاب ہیں چنانچہ "کتاب ایمان وکفر" کی حدیثیں اس پر دلالت بھی کرتی ہیں اور ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔[15] محقق کے کلام کا ترجمہ اختصار کے ساتھ ختم ہوا۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: شیخ غزالی کے کلام میں اشکال ہے اور اگر بالفرض یہ صحیح بھی ہو تو جناب اخوند نے جو فرمایا ہے اس میں دوسرا اشکال ہے۔ اب اگر ہم غزالی کے کلام کو صحیح بھی مان لیں تو ان کے کلام میں یہ اعتراض ہے کہ انھوں نے "معاملات" کے علم کو احوالِ قلب کے علم میں شمار کیا ہے۔ یعنی نجات دینے والے حالات جیسے صبر، شکر، خوف ورجا وغیرہ اور ہلاک کرنے والے حالات جیسے کینہ، حسد، بخل، ملاوٹ وغیرہ جیسے حالات کی طرح سمجھا ہے اور اس بنا پر رسولِ خدا نے جن تینوں علموں کا ذکر کیا ہے ان کو معاملات میں نہیں شمار کیا جا سکتا۔ صرف فریضہ عادلہ کا شمار ممکن ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل پہلے ہی بیان کر دی ہے۔

اب رہا غزالی کا کلام تو اس میں دو اعتراض ہیں۔

۱: علم فقہ کو دنیاوی علوم میں اور فقہا کو علمائے دنیا میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ علمِ فقہ آخرت کے علوم میں سب سے زیادہ عزت والا ہے اور یہ بات محض حبِّ نفس اور اس چیز کی محبت سے پیدا ہوئی ہے جس کا وہ اپنے کو اہل سمجھتے ہیں یعنی علمِ اخلاق بمعنائے رسمی و متعارف۔ اسی لئے انھوں نے غزالی نے "علومِ عقلیہ تک کا انکار کر دیا ہے۔

۲: مکاشفات کو جزء علوم قرار دیا ہے اور علوم کی تقسیم کرتے ہوئے اس کو بھی اس میں شمار

کیا ہے۔ حالانکہ یہ خلاف واقع ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ علوم میں وہ چیزیں آتی ہیں جو برہان ونظروفکر کے تحت واقع ہوں اور فکر کی اس میں مدخلیت ہو۔ رہے مکاشفات ومشاہدات تو یہ کبھی علوم حقیقیہ کے نتائج ہوتے ہیں اور کبھی اعمال قلبیت کے نتائج ہوتے ہیں (خود علم نہیں ہوتے) خلاصہ یہ ہے کہ مکاشفات ومشاہدات اور حقائق اسماء وصفات کے تحقق جیسی چیزوں کو علوم کی تقسیمات میں داخل ہی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ مکاشفہ ایک وادی ہے اور علوم دوسرے وادی سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ امر آسان ہے۔

پانچویں فصل

بہت سے ایسے علوم ہیں جن کو بعض تقدیر کی بنا پر انھیں علوم ثلاثہ کے اندر شامل کیا جاسکتا ہے جن کو رسولِ خدا نے ذکر فرمایا ہے مثلاً علمِ طب، علمِ تشریح، نجوم، ہیئت وغیرہ کو اگر ہم ان چیزوں کی آیت و علامت سمجھیں تو یہ چیزیں انھیں علوم میں داخل ہیں اور علمِ تاریخ وغیرہ کو اگر بنظرِ عبرت ان کی طرف مراجعہ کریں تو وہ آیت محکمۃ" میں داخل ہوں گے کیوں کہ انھیں کے واسطہ سے خدا یا معاد کا علم حاصل ہوتا ہے یا پھر ان سے اس کی تقویت ہوتی ہے اور ان کی تحصیل کو کبھی "فریضۂ عادلہ" اور کبھی "سنّتِ قائمہ" میں داخل شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ اگر ان علوم کی تحصیل براہِ راست انھیں علوم کے لیے ہو اور اس سے دوسرے استفادے بھی مقصود ہوں تو اگر ان علوم کی تحصیل ہم کو علمِ آخرت سے روک دے تو اس روکنے کی وجہ سے بالعرض ان کی تحصیل مذموم ہوگی ورنہ ان سے نہ کوئی فائدہ ہے نہ نقصان۔ جیسا کہ خود رسولِ خدا نے فرمایا ہے۔ پس تمام علوم کی تقسیم تین قسموں پر ہوگی۔

۱: وہ علوم جو انسان کے لیے دوسرے ان نشأت کے اعتبار سے فائدہ مند ہیں جن تک رسائی ہماری غرضِ خلقت ہے اور اسی قسم کو رسول نے "علم" سمجھا ہے اور اسی علم کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

۲: وہ علوم جو انسان کو ضرر پہونچاتے ہیں اور انسان کو اس کے واجبی فرائض کی ادائیگی سے روک دیتے ہیں۔ ان کا شمار علومِ مذمومہ میں سے ہے۔ ان علوم کو حاصل کرنے کے لیے کوشش نہیں کرنی چاہیے جیسے ساحری، شعبدہ بازی، کیمیا وغیرہ کا علم۔

۳۔ وہ علوم ہیں جو نفع و نقصان نہیں پہونچاتے جیسے فاضل وقت میں انسان تفریح کے لئے ان میں سے کسی کو حاصل کرے۔ مثلاً حساب، ہندسہ، ہیئت وغیرہ۔ علم کی اس تیسری قسم کو اگر انسان علوم ثلاثہ میں سے کسی پر منطبق کر سکے تو بہت عمدہ چیز ہے۔ ورنہ حتیٰ الامکان ان میں مشغول نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ اس لئے کہ عقلمند انسان جب جانتا ہے کہ عمر مختصر ہے اور وقت بھی کم ہے اور موانع و حوادث بے انتہا ہیں اور ایسی صورت میں، وہ تمام علوم کا جامع یا تمام فضائل کا حامل نہیں ہو سکتا۔ تو اس کو غور و فکر کرنا چاہیئے کہ کون سا علم اس کے لئے بہتر ہے اسی میں مشغول ہو جائے۔ اور اسی کی تکمیل کرے۔

مگر یہ واضح ہے کہ جو علوم اس کی حیاتِ ابدی اور زندگی جاوید کے لئے نفع بخش ہوں۔ وہی سب سے بہتر اور سب سے اہم ہیں۔ لہٰذا انھیں میں مشغول ہونا بہتر ہے اور وہ وہی علوم ہیں جن کے حاصل کرنے کا حکم انبیا اور اولیا نے دیا ہے اور ان کی طرف رغبت دلائی ہے اور وہ وہی علوم ثلاثہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ تَعَالٰی۔

چوبیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۳۲ "کتاب فضل العلم" باب صفة العلم و فضلہ، حدیث ۱۔

۲۔ شرح اصولِ کافی ص ۱۲۸ "کتاب فضل العلم" باب صفة العلم۔ حدیث ۱۔

۳۔ ص/۱۲۱۔ ۱۲

۴۔ یحییٰ بن حبش (شہاب الدین سہروردی) مشہور بہ شیخ اشراق یہ چھٹی صدی ہجری کے علما میں سے ہیں۔ شیخ مقتول اور حکیم مقتول سے بھی مشہور ہیں۔ انھوں نے مکتبِ اشراق کو زندہ کیا اور سن ۵۸۱ میں ۳۶ سال کی عمر میں قتل کر دیئے گئے۔ ان کی تالیفات میں حکمة الاشراق، بستان القلوب، البارقات الالٰہیة، البروج، شرح اشارات، آواز پر جبرئیل، وغیرہ ہیں۔

۵۔ شرح حکمة الاشراق ص ۲۲۔ ۲۵۔

۶۔ جامع السعادات جلد ۱ ص ۳۴۔

۷۔ غرر الحکم و درر الکلم ص ۸۰۴ فصل ۳۳ حدیث ۱۔

۸۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۶۴، سورۂ انعام آیت ۹۸، سورۂ روم آیت ۲۱۔ ۲۴۔

۹۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۴۔

۱۰۔ سورۂ فاطر آیت ۲۸۔

۱۱۔ اصولِ کافی جلد ۱ ص ۴۸ "کتاب فضل العلم" باب النوادر حدیث ۲۔

۱۲۔ بحار الانوار جلد ۶۷ ص ۲۴۲ "کتاب الایمان والکفر باب اخلاص حدیث ۱۰۔

۱۳۔ ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی (۴۵۰-۵۰۵ ق) ان کا لقب حجۃ الاسلام ہے۔ مذہب شافعی کے بہت بڑے فقیہ تھے اور اشعری عقیدہ رکھتے تھے۔ نیشاپور میں امام الحرمین جوینی کے شاگردوں میں شامل ہو گئے۔ استاد ان کا بہت احترام کرتے تھے نظام الملک طوسی وزیر نے ان کی بزرگواری کی بنا پر بغداد کا مدرسہ نظامیہ ان کے حوالہ کر دیا۔ اس مدرسہ کی بڑی اہمیت تھی۔ غزالی نے کچھ روحانی تحولات کی بنا پر کچھ دنوں کے بعد علوم رسمیہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور صوفیت کو اختیار کر لیا تھا۔ ان کی تصنیفات میں فقہ کے اندر، الوسیط والبسیط ہے اور احیاء علوم الدین تحریر کیا۔ اصولِ فقہ میں المستصفی لکھا۔ نیز معیار العلوم اور تہافت الفلاسفہ بھی انھیں کی تصنیف ہے۔

۱۴۔ شرحِ اصولِ کافی ص ۱۲۲، "کتاب فضل العلم" "باب فرض العلم حدیث ۵۔

۱۵۔ شرحِ اصولِ کافی ص ۱۲۸، "کتاب فضل العلم" "باب صفۃ العلم" حدیث ۱۔

پچیسویں حدیث

«بِسَنَدِي الْمُتَّصِلِ اِلَى شَيْخِ الْمُحَدِّثِينَ وَاَفْضَلِهِمْ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدِبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اِبْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، قَالَ ذَكَرْتُ لِاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، رَجُلاً مُبْتَلِيً بِالْوُضُوءِ وَالصَّلَاةِ، وَقُلْتُ: هُوَ رَجُلٌ عَاقِلٌ. فَقَالَ اَبُوعَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَاَيُّ عَقْلٍ لَهُ وَهُوَيُطِيعُ الشَّيْطَانَ؟ فَقُلْتُ لَهُ: وَكَيْفَ يُطِيعُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ: سَلْهُ هٰذَا الَّذِي يَأْتِيهِ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ هُوَ، فَاِنَّهُ يَقُولُ لَكَ: مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ.»

ترجمہ: عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے ایک شخص کے (وسوسے کے) بارے میں ذکر کیا جو (باربار) وضو اور نماز میں مبتلا تھا۔ میں نے عرض کیا: (حالانکہ) وہ عقلمند شخص ہے (مگر پھر بھی وسوسہ میں مبتلا ہے) حضرتؑ نے فرمایا: اس کے پاس (بھلا) کونسی عقل ہے جب کہ وہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: وہ کیوں کر شیطان کی اطاعت کرتا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا: اسی سے پوچھ لو کہ وہ جو کچھ کرتا ہے وہ کیا ہے؟ تو وہ خود ہی کہہ دے گا یہ شیطان کا کام ہے۔"

شرح: وسوسہ، شک، تزلزل، شرک یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں شیطانی خطرات (دل میں پیدا ہونے والے خیالات) اور ابلیسی القائات ہیں جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اطمینان، یقین، ثبات، خلوص اور اس قسم کی دوسری چیزیں رحمانی افاضات اور ملکی القائات ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل مختصر طور سے یہ ہے کہ قلبِ انسانی نشئہ ملک و ملکوت اور عالمِ دُنیا و آخرت کے بیچ کی ایک لطیف چیز ہے۔ اس کا ایک رُخ دنیا اور ملک کی طرف ہے اسی سے وہ دنیا کی آبادکاری کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دوسرا رُخ اس کا عالمِ آخرت و ملکوت و غیب کی طرف ہے جس سے وہ عالمِ آخرت و ملکوت کی تعمیر کرتا ہے۔ پس قلب گویا ایک دو رُخا آئینہ ہے کہ ایک رُخ اس کا عالمِ غیب کی طرف ہے جس میں غیبی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور ایک رُخ اس کا عالمِ شہادت کی طرف ہے جس میں ملکی و دنیاوی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور دنیاوی صورتیں بعض باطنی مدارک مثلاً خیال و وہم مدارکِ حسیئہ ظاہریہ کے واسطہ سے اس میں منعکس ہوتی ہیں۔ (لیکن) اخروی صورتیں باطن عقل اور سرِ قلب کے ذریعہ اس میں منعکس ہوتی ہیں۔ (اب) اگر قلب کا دنیاوی رُخ قوی ہوجاتا ہے اور وہ بالکلیہ تعمیرِ دُنیا کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اس کے قصد وارادے دنیا ہی میں منحصر ہوجاتے ہیں اور وہ شکم و فرج کی لذتوں اور دیگر دنیاوی خواہشوں اور لذتوں میں مستغرق ہوجاتا ہے تو پھر باطن خیال کی توجہ کی وجہ سے ملکوت سفلی سے ایک مناسبت پیدا ہوجاتی ہے جو عالمِ ملک و طبیعت کے تاریک سایہ کی طرح ہے اور عالمِ جن و شیاطین اور نفوسِ خبیثہ کے منزل کی طرح ہوتا ہے اور اس مناسبت کی وجہ سے اس میں جتنے بھی القائات ہوتے ہیں وہ (سب کے سب) شیطانی القائات ہوتے ہیں اور یہی القائات باطل خیالات اور اوھامِ خبیثہ کا سبب بنتے ہیں اور نفس چونکہ فی الجملہ دُنیا کی طرف مائل ہوتا ہے (لہٰذا) ان خیالات کی طرف اشتیاق پیدا کرلیتا ہے اور پھر عزم وارادہ بھی اس کے تابع ہوجاتے ہیں اس لئے پھر تمام قلبی و قالبی اعمال شیطانی اعمال کے سنخ (اصل) سے ہوجاتے ہیں جیسے وسوسہ، شک، تردید اور اوھام و باطل خیالات وغیرہ اور ملکِ بدن کے اندر اسی کے مطابق ارادے کام کرنے لگتے ہیں اور بدنی اعمال بھی قلب کی باطنی صورتوں کے مطابق روپ دھار لیتے ہیں۔ اس لئے کہ اعمال ارادوں اور مثال کے عکس ہوا کرتے ہیں اور ارادے اوہام کے مثال و عکس ہوتے ہیں اور یہ سب دجہۂ قلوب کے عکس ہوتے ہیں اور چونکہ دل کا رُخ عالمِ شیطان کی طرف تھا اس لئے اس کے سارے القائات شیطانی جہل مرکب کی قسم کے ہوتے ہیں اور اس

کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطنِ ذات سے وسوسہ، شک، شرک، شبہاتِ باطلہ طالع ہو کر ملکِ بدن میں سرایت کر جاتے ہیں۔

اسی طرح اگر قلب کا رُخ تعمیرِ آخرت اور معارفِ حقہ کی طرف ہو گیا اور وہ عالمِ غیب کی طرف متوجہ ہوا تو ملکوتِ اعلیٰ جس کو عالمِ ملائکہ اور نیک نفوسِ طیبہ بھی کہا جاسکتا ہے اور جو عالمِ طبیعت کے لئے بمنزلہ ظلِ نورانی بھی ہے، سے ایک قسم کی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے جن علوم کا فیضان اس کی طرف ہوتا ہے وہ علومِ رحمانی ملکی اور عقائدِ حقہ و خطرات والقائاتِ الٰہی ہو جاتے ہیں اور شک و شرک سے منزہ و پاک ہو جاتے ہیں اور (خود) نفس کے اندر بھی استقامت و اطمینان کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اشتیاقات بھی انھیں علوم کے مطابق ہو جاتے ہیں اور اشتیاق کے مطابق ارادہ ہو جاتا ہے اور انجام کار تمام ظاہری و باطنی و قلبی و قالبی اعمال عقل و حکمت کے مطابق ہو جاتے ہیں اور ان شیطانی و رحمانی و ملکی القائات کے مراتب و مقامات ہوتے ہیں جس کی تفصیل اس وقت مناسب نہیں ہے۔

ہم نے جو ذکر کیا ہے اس پر بعض روایات بھی دلالت کرتی ہیں مثلاً مجمع البیان میں عیاشی[2] کی روایت اسی طرح ہے، کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ:

«رَوَى الْعَيَّاشِيُّ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبَانِ بْنِ تَغْلِبَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلِقَلْبِهِ فِي صَدْرِهِ أُذُنَانِ: أُذُنٌ يَنْفُثُ فِيهَا الْمَلَكُ، وَأُذُنٌ يَنْفُثُ فِيهَا الْوَسْوَاسُ الْخَنَّاسُ. يُؤَيِّدُ اللَّهُ الْمُؤْمِنَ بِالْمَلَكِ، وَهُوَ قَوْلُهُ سُبْحَانَهُ: «وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ.»[2]»

"حضرت رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: ہر مومن کے اس کے دل میں جو سینہ کے اندر ہے دو کان ہوتے ہیں، ایک کان میں فرشتہ پھونکتا ہے اور دوسرے کان میں شیطان جو وسوسہ پیدا کرنے والا ہے وہ پھونکتا ہے (اور) خدا مومن کی تائید فرشتہ سے کرتا ہے اور اسی بات کی طرف خدا کا یہ قول ہے: "وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ" (اور خاص اپنے روح سے (ان لوگوں کی) تائید فرمائی ہے) اور مجمع البحرین میں ایک یہ روایت ہے۔

«وَفِي مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ، فِي حَدِيثٍ آخَرَ أَنَّهُ قَالَ: الشَّيْطَانُ وَاضِعٌ خَطْمَهُ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ، لَهُ خُرْطُومٌ مِثْلُ خُرْطُومِ الْخِنْزِيرِ يُوَسْوِسُ لِابْنِ آدَمَ أَنْ أَقْبِلْ عَلَى

الدُّنْيَا، وَمَا لَا يَحِلُّ اللّٰهُ. فَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ۔" [4]

"شیطان اپنے مُنہ کو بنی آدم کے دل پر رکھتا ہے اور اس کا مُنہ سور کے مُنہ کی طرح کا ہوتا ہے اور اس کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ تو دُنیا کی طرف مائل ہو جاتا اور ان چیزوں کی طرف مائل ہو جا جو حرام ہیں مگر جب (انسان) ذکرِ خدا کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔"

اس کے علاوہ بھی روایات ہیں۔

پہلی فصل

جب اہلِ طریقت کے ذریعہ یہ بات معلوم ہو گئی کہ وسوسہ ایک شیطانی عمل ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں جس کی میں شرح کر رہا ہوں اور دوسری حدیثوں میں (بھی) ذکر ہے۔ تو میں مجبور ہوں کہ اس مطلب کو ایک دوسری طرح سے ذکر کروں جو اذہان عامہ سے نزدیک ہے اور مناسب بھی ہے۔ اگرچہ پہلے والا بیان اہلِ معرفت کے ذوق اور اصحابِ قلوب کے مشاہدات کے مطابق اور میزانِ عقلی وضابطۂ برہانی کے موافق ہے۔ لیکن چونکہ وہ بیان ایسے اصول و قواعد پر مبنی ہے جو اس کتاب کے حوصلہ سے خارج ہے اس لئے ہم اس سے صَرفِ نظر کر رہے ہیں۔

پس میں عرض کرتا ہوں کہ ان وسوسوں اور اعمال کا شیطانی تماشہ ہونے پر اور یہ کہ یہ وسوسے اسی ملعون کے القائات میں سے ہیں اور یہ نہ دینی ہیں نہ ایمانی چاہے باطل خیال کی بنا پر ایسا ہو۔ (سب سے بڑا) شاہد یہ ہے کہ (یہ وسوسے) احکامِ شریعت اور اخبار و آثارِ اہلِ بیتؑ کے مخالف ہیں مثلاً اہلِ بیتؑ سے متواتر روایات کی بنا پر یہ ثابت ہے کہ رسولِ خدا کا وضو ایک غسلہ (ایک مرتبہ دھونا) تھا۔[5] اور فقہ کی بدیہیات میں یہ بات ہے کہ ایک چلّو پانی چہرے کو دھونے کے لئے اور ایک چلّو پانی داہنے ہاتھ کے دھونے کے لئے اور ایک بائیں ہاتھ کے دھونے کے لئے کافی ہے۔ لیکن (ہر ایک کے لئے) دو چلّو یا دو مرتبہ دھونے میں اختلاف[6] ہے۔ حتیٰ کہ صاحبِ وسائل (کے کلام) سے عدمِ جواز[7] یا عدمِ جواز میں تامل ثابت ہوتا ہے اور بعض دیگر علماء سے اختلاف نقل کیا گیا[8] ہے (کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے) اگرچہ دو غسلہ بھی محلِ تامل نہیں ہے۔ (بلکہ) شہرتِ عظیمہ[9] کے ساتھ ساتھ روایتِ کثیرہ[10] کی دلالت بھی استحباب پر ہے۔ لیکن (اس کے باوجود) بعید نہیں ہے کہ ایک غسلہ "جو پورے محل کو دھو ڈالے" افضل ہو۔ مگر تین تین مرتبہ اس طرح دھونا کہ ہر مرتبہ پورا محل دھوا جائے بلا اشکال بدعت و حرام ہے اور اگر اسی فاضل پانی کی تری سے مسح کرے تو وہ وضو باطل ہے اور اہلِ بیتؑ کے اخبار میں ہے کہ تیسری مرتبہ دھونا بدعت ہے اور ہر بدعت جہنم میں لے جانے والی ہے۔[11]

ایسی صورت میں ایک شخص جاہل و وسواسی جو محلِ وضو کو دس مرتبہ سے زیادہ دھوتا ہے اور ہر مرتبہ پانی کو تمام عضو تک بڑی باریک بینی سے پہونچاتا ہے۔ بلکہ وہ پہلے تو محلِ وضو کو اچھی طرح بھگوتا ہے تاکہ پانی پوری طرح بہہ سکے اور شرعی دھونا حاصل ہو جائے پھر مکرر در مکرر اس عمل کو انجام دیتا ہے۔ (آخر) اس کو کس میزان پر تولا جائے؟ اس کا یہ عمل کس حدیث یا کس فقیہ کے فتویٰ کے مطابق ہے؟ بیس سال یا اس سے زیادہ یہ بدبخت اسی طرح کے باطل وضو سے نماز پڑھتا رہا اور اپنے تقدس وطہارت کا لوگوں پر رعب جماتا رہا۔ شیطان اس سے بازی کرتا ہے۔ خبیث نفسِ امارہ اس کو دھوکہ دیتا ہے اور اس کے باوجود وہ دوسروں کو غلط بتاتا ہے اور اپنے کو حق پر سمجھتا ہے۔ (اب آپ بتائیے) جو چیز نصِ متواتر اور اجماعِ علما کی مخالفت کرتی ہو اس کے افعال کو شیطانی شمار کرنا چاہیئے یا کمالِ طہارتِ نفس اور تقویٰ پر حمل کرنا چاہیئے؟ اگر اس کو دین کے اندر کمالِ احتیاط اور تقویٰ پر حمل کیا جائے تو پھر یہ بے وسواسی اور جاہل قسم کے عبادت گزار بہت سے ان امور میں جن کے اندر احتیاط لازم ہے یا راجح ہے کیوں احتیاط نہیں اختیار کرتے؟ ابھی تک کیا کسی ایسے شخص کو آپ جانتے ہیں کہ اموال کے سلسلہ میں اس کے شبہات وسواسی ہوں؟ ابھی تک کسی وسواسی نے کیا کئی کئی مرتبہ خمس یا زکوٰۃ نکالا ہے؟ ایک مرتبہ حج کے بجائے (وسواسی ہونے کی وجہ سے) کئی مرتبہ حج کے لئے گیا ہو؟ شبہہ والی غذاؤں سے پرہیز کیا ہو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں پر "اصالۃ الحلیۃ"[۱] محکم و معتبر ہے۔ لیکن بابِ طہارت میں "اصالۃ الطہارۃ"[۲] معتبر نہیں ہے؟ حالانکہ بابِ حلیت میں شبہات سے اجتناب راجح ہے اور حدیثِ تثلیث[۳] کی طرح دیگر احادیث بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن بابِ طہارت میں مسئلہ اس کے برعکس ہے۔ بعض ائمہ معصومین[ع] کے لئے ہے جب وہ بیت الخلا تشریف لے جاتے تھے تو اپنے رانوں پر پانی چھڑک لیتے تھے کہ اگر کوئی پانی کا قطرہ ٹپکے تو معلوم نہ ہو سکے اور یہ بیچارہ (وسواسی) جو اپنے کو ائمہ معصومین[ع] کا پیرو سمجھتا ہے اور تمام احکام دین کو امامِ معصوم[ع] سے حاصل کرتا ہے۔ جب اموال میں تصرف کا موقع آتا ہے تو کسی بھی قسم کا نہ پرہیز کرتا ہے (اور نہ کسی بات کی پرواہ کرتا ہے) جس غذا کو (اصالۃ الطہارۃ) پر عمل کر کے کھاتا ہے اسی کھانے کے بعد اپنے ہاتھ اور منہ کو پاک بھی کرتا ہے (آخر یہ کیا بات ہوئی کہ) کھانا کھاتے وقت تو اصالۃ الطہارۃ پر عمل کرتا ہے لیکن کھانے کے بعد کہتا ہے ہر چیز نجس ہے اور اگر (یہ وسواسی) کہیں اہلِ علم سے ہے تو جواب دے گا میں طہارتِ واقعی کے ساتھ نماز پڑھنی چاہتا ہوں۔ حالانکہ طہارتِ واقعی کے ساتھ نماز پڑھنے کی مزیت ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی اور فقہا کرام کے یہاں میں نے اس کا کوئی نام نہیں دیکھا۔ اگر آپ اہلِ طہارتِ واقعی ہیں تو پھر اہلِ حقیقتِ واقعی کیوں نہیں بنتے؟ چلئے ہم یہ بھی فرض کئے لیتے ہیں آپ

طہارتِ واقعی کو حاصل کرنا چاہئے ہیں تو پھر آبِ کُر یا آبِ جاری میں دس مرتبہ دھونا کیا ہے؟ جبکہ آبِ جاری میں ایک مرتبہ اور آبِ کُر میں (پیشاب اور بعض دوسری نجاستوں کے علاوہ) ایک مرتبہ بلکہ بنا بر مشہور پیشاب میں بھی ایک مرتبہ دھونا کافی ہے اور دو مرتبہ تو اجماعاً کافی ہے بس یہ کئی مرتبہ دھونا کارِ شیطانی اور نفس کی دھوکہ بازی نہیں ہے تو کیا ہے؟ اور چونکہ یہ ایک بیمایہ چیز ہے اس لئے اس کو تقدس فروشی کا حلیہ بنایا جاتا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ بدتر اور رسواکن ان لوگوں کا وسوسہ ہے جو نماز کی نیت اور تکبیرۃ الاحرام میں وسوسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ کئی فعلِ حرام کے ارتکاب کے بعد بھی اپنے کو مقدسین میں شمار کرتے ہیں اور اپنے اس عمل میں مزیت کے قائل ہوتے ہیں اور یہ نیت (ایک ایسی چیز ہے کہ) کسی بھی اختیاری عمل کو اس کے بغیر بجالایا نہیں جاسکتا اور یہ اختیاری اعمال کا لازمہ ہے جس کے بغیر انسان کسی عبادی یا غیر عبادی عمل کو بجا ہی نہیں لاسکتا۔ اس کے باوجود اختلافِ شیطنت اور تسلّطِ شیطان کی بنا پر کافی دیر تک اس ضروری الوجود شئ کے حصول کے لئے کوشش کرتا رہتا ہے اور انجام کار اس کو حاصل نہیں کر پاتا۔ اب اس امر کو شیطانی خیال اور ابلیس ملعون کا عمل سمجھا جائے کہ اس بے چارے کو لگام لگا کے ایسے ضروری امر کو اس پر مخفی رکھا اور متعدد حرام کے ارتکاب میں مبتلا کر دیا مثلاً نماز کا توڑنا (یا) اس کا چھوڑنا وقت کا گزرنا (وغیرہ چیزوں پر آمادہ کر دیا) یا اس کو طہارتِ باطن اور تقدس و تقویٰ قرار دیا جائے؟

اسی وسوسہ میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ باعتبار نص و فتویٰ محکوم بہ عدالت ہیں اور وہ ظاہراً صالح اور شرعی اعمال کے پابند ہیں۔ بہت سے لوگوں کا ان کی اقتدا نہ کرنا ہے (اور الگ نماز پڑھنا بھی ہے)۔ اب رہا ان کے باطن کا معاملہ تو اس کو خدا جانتا ہے اس کی تفتیش ہمارے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ جائز نہیں ہے۔ اب ایسے پیش نماز کے بارے میں شیطان وسواسی آدمی کو لگام دیدیتا ہے اور اس کو آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کنارہ کش ہو کر مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھے اور یہ وسواسی آدمی اپنے اس عمل کی تاویل کرتا ہے کہ مجھے (ان کی عدالت میں) شبہہ ہے۔ (یہ آدمی) میرے دل میں نہیں چپکتا۔ لیکن خود نماز پڑھانے میں تامل بھی نہیں کرتا۔ حالانکہ پیش نمازی کا کام بہت سخت ہے اور اس میں شبہہ زیادہ ہے لیکن چونکہ یہ بات اس کی خواہش نفس کے مطابق ہے اس لئے اس میں شبہہ نہیں کرتا۔

وسواسی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اس میں بہت زیادہ مبتلا ہوتا ہے (مثلاً) قرأت میں وسواسہ (وسواسی) قرأت میں تکرار کرتا ہے اور حروف کی ادائیگی میں اتنا گاڑھا پن پیدا کرتا ہے کہ

کبھی وہ قواعد تجوید سے خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ کبھی تو کلمہ کی صورت ہی بالکل بدل جاتی ہے۔ مثلاً ضالین کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ وہ قاف کے مشابہ ہو جاتا ہے اور "رحمان ورحیم" وغیرہ کی "ح" کو اس طرح حلق سے نکالتا ہے کہ ایک عجیب آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک ہی کلمہ کے حروف میں ایسی جدائی ڈال دیتا ہے کہ کلمہ کی ہیئت و مادہ ٹوٹ پھوٹ کر اپنی اصلی صورت سے بالکل خارج ہو جاتا ہے اور آخرکار جو نماز مومنین کے لئے معراج ہے اور متقین و مقربین کے لئے ستون دین ہے وہ اپنے تمام معنوی حالات اور الٰہی اسرار سے غفلت کی بنا پر اور تجوید کلمات کے چکر میں پھنس کر اتنی خراب ہو جاتی ہے کہ ظاہر شرع کی بنا پر بھی غیر مجزی ہو جاتی ہے اب (آپ ہی) بتائیے کہ ان اوصاف کے ساتھ یہ وسوسہ شیطانی ہے یا فیضِ رحمانی ہے جو مقدس نما وسواسی کے شامل حال ہوئی ہے؟ حضورِ قلب اور اقبالِ قلب کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جو روایات آئی ہیں ان سے یہ بیچارہ وسواسی علماً و عملاً صرف اتنا سمجھ پایا ہے کہ یہ (اقبالِ قلب) محض نیت میں وسوسہ اور "ولاالضالین" کے مد کو اندازہ سے زیادہ کھینچنے اور نماز پڑھتے وقت چشم و دہان کے ٹیڑھا کرنے کا نام ہے۔ کیا یہ مصیبت نہیں ہے کہ آدمی سالہا سال حضورِ قلب اور تشویش خاطر کے علاج سے غافل رہے اور اصلاً اس کے اصلاح کی طرف توجہ نہ کرے اور عبادت کی شان نہ پہچان سکے اور علمائے قلوب سے سیکھنے کی نہ کوشش کرے اور نہ اس پر عمل کرے اور ان خرافات میں پڑا رہے جو بہ نص قرآن کریم خناس لعین[۱۵] سے ہے اور بہ نص صادقین عمل شیطان[۱۶] ہے[۱۶] اور بہ فتوائے فقہا اس طرح سے پڑھنا باطل ہے۔ کیا اسی کا نام تقدس و طہارت ہے؟

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے اندر جو وسوسہ پیدا ہوتا ہے یا زیادہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس جیسے دیگر جاہل حضرات اس بات کو اس کے فضائل میں شمار کرتے ہیں۔ مثلاً اس کے تقدس و دیانت و تقویٰ کی لوگ اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ (بھئی) یہ شخص تو اتنا بڑا مقدس و دین دار ہے کہ اس کی وجہ سے وسواسی ہو گیا ہے۔ حالانکہ وسوسہ کا دیانت سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ بلکہ (یہ وسوسہ) دین کا مخالف ہے اور یہ سب جہالت و نافہمی ہے۔ لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے اصل حقیقت اس کو بتایا نہیں اور نہ اس سے احتراز کیا نہ اس کی سرزنش کی۔ بلکہ اس کے بجائے اس کی مدح و ثنا کرنے لگے اور اتنی مدح کی کہ وہ وسوسہ کے حدِ کمال تک پہونچ گیا اور شیطان کا کھلونا بننے کے ساتھ اپنے کو شیطان کے لشکر میں شامل کر لیا اور مقربین سے بہت دور ہو گیا۔

لہٰذا میرے عزیز اب تو پتہ چل گیا کہ عقلاً و نقلاً یہ چیزیں شیطانی وسوسے ہیں اور ابلیسی اعمال ہیں جو ہمارے اعمال کو باطل کر دیتے ہیں اور ہمارے دل کو خدا سے منحرف کر دیتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ وہ صرف عمل کی حد تک وسواسی نہ ہو۔ بلکہ اپنے شاہکار کو استعمال کر کے آپ کے عقائد و دیانت میں بھی وسوسہ پیدا کر دے اور دین کی صورت میں تم کو بے دین بنا دے۔ مبداء و معاد کے سلسلہ میں تردید میں ڈال دے اور شقاوت ابدی تک پہونچا دے اور آپ جیسے لوگوں کو (یہ شیطان) چونکہ فسق و فجور کے راستہ سے گمراہ نہیں کر سکتا اس لئے عبادت و مناسک کے راستہ سے اگر پہلے تو آپ کے ان اعمال و افعال کو جو تقرب الہٰی کا ذریعہ اور قرب حق کا وسیلہ بن سکتے تھے ان کو باطل و خراب کر کے خدا سے دور اور ابلیس سے نزدیک کر دیے۔ اس کے بعد یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ آپ کے عقائد کو بھی کہیں نہ خراب کر دے۔ اس لئے جس طرح بھی ممکن ہو اور جس ریاضت کے ذریعہ بھی ہو سکے آپ اپنا علاج کریں۔

دوسری فصل

یہ قلبی مرض جس کے بارے میں خطرہ ہے کہ انسان کو ہلاک ابدی اور شقاوت سرمدی تک پہونچا دے اس کا بھی علاج دیگر قلبی امراض کی طرح علم نافع اور عمل کے ذریعہ بہت آسان ہے۔ لیکن سب سے پہلی چیز تو یہی ہے کہ انسان اپنے کو مریض سمجھے اس کے بعد اس کے علاج میں لگ جائے۔ لیکن سب سے زیادہ بُری بات تو یہی ہے کہ شیطان نے اس بیچارے کے لئے ایسے مقدمات فراہم کر دئیے ہیں کہ وہ اپنے کو مریض ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ تو دوسروں کو بے راہ اور دین سے بے پرواہ سمجھتا ہے۔

عملی طریقہ علاج: یہ ہے کہ بیان کردہ امور میں انسان خوب غور و فکر کرے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال و افعال تفکر اور تامل کے ساتھ ہوں۔ اس کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جو عمل کر رہا ہے اور جس کے بارے میں یہ چاہتا ہے کہ وہ مرضئ خدا کے مطابق ہو۔ اس کو کس سے اور کہاں سے لیا ہے کہ جس کی کیفیت چنین و چنان ہے یہ بات تو سب ہی کو معلوم ہے کہ فقہا اور مراجع کرام قرآن و سنّت اور اجتہادی طریقوں سے عمل کے طریقوں کو حاصل کرتے ہیں اور (اسی لئے) جب ہم فقہا کی کتابوں کو دیکھتے ہیں تو ان کتابوں میں شخص وسواسی کے عمل کی تکذیب کی گئی ہے۔ (یہی نہیں بلکہ) اس کے بعض اعمال کو باطل شمار کیا گیا ہے اور جب حدیثوں اور قرآن کو دیکھتے ہیں تو اس میں وسواسی کے عمل کو شیطان کا عمل قرار دیا گیا ہے اور ایسے آدمی سے سلب عقل کی گئی ہے۔ پس ایسی صورت میں عقلمند انسان "بشرطیکہ اس کی عقل پر شیطان مسلّط نہ ہوا ہو" تھوڑا سا غور و فکر کر کے اپنے لئے یہ لازم قرار دے لیتا ہے کہ اب میں ان کاموں سے دست برداری اختیار کر لوں گا اور طے کر لیتا ہے کہ اپنے اعمال کی اس طرح تصحیح کرے گا جو مرضی حق کے

مطابق ہو۔

جس شخص کے اندر ذرا بھی شائبہ ہو۔ اسے چاہیے کہ معمولی آدمیوں کی طرف رجوع کرے اور اپنے عمل کو علما و فقہا کے سامنے پیش کرے اور ان سے پوچھے کہ کیا وہ مرضِ وسواس میں تو مبتلا نہیں ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات خود وسواسی اپنی حالت سے غافل ہوتا ہے۔ اپنے کو معتدل دوسروں کو بے پرواہ سمجھتا ہے۔ لیکن اگر وہ تھوڑا سا غور کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عقیدہ بھی خبیث شیطان کے القائات میں سے ہے۔ اس لئے کہ خود وہ دیکھتا ہے کہ علما اور بڑے بڑے ایسے دانشمند جن کے علم و عقیدہ کا وہ خود بھی قائل ہے بلکہ مراجع تقلید کہ جن سے وہ حلال و حرام کے مسائل پوچھتا ہے ان کے اعمال بھی اس کے برخلاف ہیں اور یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ دیانت دار حضرات علما اور بزرگانِ دین، دینِ خدا کے سلسلہ میں بے پرواہ ہوں گے صرف وسواسی شخص ہی دیندار ہے۔ پھر جب اس کو علم ہو جائے تو عمل کی اصلاح ضروری ہو جائے گی اور اس کو میدانِ عمل میں کود پڑنا چاہیے اور اس سلسلہ میں سب سے بہتر علاج کا طریقہ یہ ہے کہ شیطانی وسوسوں اور اس کے القائات کی طرف توجہ ہی نہ دے۔ مثلاً اگر وضو کے سلسلہ میں وسواسی ہے تو شیطان کی ناک رگڑنے کے لئے صرف ایک چلو پانی کا استعمال کرے۔ یقیناً شیطان کہے گا یہ عمل غلط ہے اس کو چاہیے کہ جواب دے کہ اگر میرا عمل غلط ہے تو رسولؐ خدا، ائمہ معصومینؑ اور تمام فقہا کا بھی عمل صحیح نہیں ہے۔ رسولؐ خدا اور ائمہ معصومین نے تقریباً تین سو سال تک عمل کیا اور روایات معتبرہ کی بنیاد پر ان حضرات کا عمل اسی طرح تھا۔ پس اگر ان کا عمل باطل ہے تو چھوڑو میرا بھی عمل باطل ہے اور اگر کسی مجتہد کا مقلد ہے تو اس کو یہ جواب دینا چاہیے۔ میں تو اس طرح جو وضو کرتا ہوں وہ مجتہد کی رائے کے مطابق ہے۔ اگر میرا وضو باطل ہے تو خدا مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا اور نہ میرے اوپر اس کی حجت تمام ہو گی اور اگر وہ ملعون مجتہد کی رائے کے بارے میں تشکیک پیدا کرے کہ مجتہد نے تو یہ نہیں کہا ہے۔ تو رسالہ عملیہ کو کھول کر دکھا دے۔ اگرچہ چند مرتبہ اے وسواسی تو نے شیطان کے قول پر عمل نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف کام کرتا ہے تو وہ خود ہی تم سے مایوس ہو جائے گا اور اُمید ہے کہ تمھارے مرض کا قطعی علاج ہو جائے اور احادیث میں بھی یہ مطلب موجود ہے۔

«فَعَنِ الْكافي بِإِسْنادِهِ عَنْ زُرارَةَ وَأَبي بَصيرٍ، قالا قُلْنا لَهُ: اَلرَّجُلُ يَشُكُّ كَثيراً في صَلاتِهِ حَتّٰى لا يَدْري كَمْ صَلّٰى وَلا ما بَقِيَ عَلَيْهِ؟ قالَ: يُعيدُ قُلْنا: فَإِنَّهُ يَكْثُرُ

عَلَيْهِ ذٰلِكَ؛ كُلَّمَا اَعَادَ شَكَّ. قَالَ يَمْضِي فِي شَكِّهِ. ثُمَّ قَالَ: لَاتُعَوِّدُوا الْخَبِيثَ مِنْ اَنْفُسِكُمْ بِنَقْضِ الصَّلَاةِ، فَتُطْمِعُوهُ؛ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ خَبِيثٌ يَعْتَادُ لِمَا عُوِّدَ فَلْيَمْضِ اَحَدُكُمْ فِي الْوَهْمِ، وَلَا يُكْثِرَنَّ نَقْضَ الصَّلَاةَ؛ فَاِنَّهُ اِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ مَرَّاتٍ، لَمْ يَعُدْ اِلَيْهِ الشَّكُّ. قَالَ زُرَارَةُ: ثُمَّ قَالَ: اِنَّمَا يُرِيدُ الْخَبِيثُ اَنْ يُطَاعَ؛ فَاِذَا عُصِيَ، لَمْ يَعُدْ اِلٰى اَحَدِكُمْ.»[۱۷]

چنانچہ کافی میں زرارہ اور ابو بصیر سے روایت ہے کہ ان دونوں نے کہا: ہم لوگوں نے امامؑ سے پوچھا: ایک شخص اپنی نماز میں بہت شک کرتا ہے انتہا یہ ہے کہ اس کو یہ بھی شک ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں کتنی رکعتیں پڑھیں اور کتنی باقی ہیں؟ حضرتؑ نے جواب دیا: دوبارہ پڑھے! ہم نے پھر عرض کیا: اس کو یہ شک بہت ہوتا ہے۔ جب بھی اعادہ کرتا ہے اس کو شک ہو جاتا ہے۔ (تب) حضرتؑ نے فرمایا: اپنے شک پر باقی رہے (لیکن شک کی پرواہ نہ کرے) اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: اپنی نمازوں کو (بار بار) توڑ کر اس خبیث کو عادی نہ بناؤ ورنہ تمہارے بارے میں اس کو طمع لاحق ہو جائے گی کیونکہ شیطان خبیث ہے۔ جسکا اسکو عادی بنایا جاتا ہے وہ عادی ہو جاتا ہے لہٰذا تم میں سے جب کسی کو ایسا شک پیش آئے تو اس کی پرواہ نہ کرے اور بار بار نماز کو نہ توڑے۔ کیونکہ جب وہ کئی مرتبہ ایسا کرے گا (کہ شک کی پرواہ نہ کرے) تو پھر شک نہیں ہوگا۔ زرارہ کہتے ہیں: پھر امامؑ نے فرمایا: شیطان خبیث چاہتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ لیکن جب اس کی نافرمانی کی جائے گی تو تمہارے پاس پھر نہیں آئے گا۔

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اِذَا كَثُرَ عَلَيْكَ السَّهْوُ فَامْضِ فِي صَلَاتِكَ؛ فَاِنَّهُ يُوشِكُ اَنْ يَدَعَكَ. اِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ.»[۱۸]

امام محمد باقرؑ سے (بھی) ایک یہ روایت منقول ہے کہ امامؑ نے فرمایا: جب تم کو بہت زیادہ سہو ہونے لگے تو اپنی نماز پڑھتے رہو (سہو کی فکر نہ کرو) کیونکہ ایسا کرنے سے احتمال ہے کہ شیطان تم کو چھوڑ دے اس لئے کہ یہ سب شیطان ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

لہٰذا جب آپ اس کی مخالفت کریں گے اور اپنے وسواس پر اعتنا نہ کریں گے تو اس کی اُمید آپ سے ختم ہو جائے گی اور نفس کی حالت ثبات و طمانیت پھر واپس آ جائے گی۔ مگر اس درمیان میں خدا کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرتے رہیے اور نفس اور شیطان کے شر سے خدا کی پناہ مانگتے رہیے۔

یقیناً ایسا کرنے سے خدا آپ کی مدد کرے گا اور کافی کی روایت میں شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ کی حدیث اس طرح ہے:

«بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَشْكُو اِلَيْكَ مَا اَلْقِي مِنَ الْوَسْوَسَةِ فِي صَلَاتِي حَتّٰى لَا اَدْرِي مَا صَلَّيْتُ مِنْ زِيَادَةٍ اَوْ نُقْصَانٍ. فَقَالَ: اِذَا دَخَلْتَ فِي صَلَاتِكَ، فَاطْعَنْ فَخِذَكَ الْاَيْسَرَ بِاِصْبَعِكَ الْيُمْنَى الْمُسَبِّحَةِ، ثُمَّ قُلْ: «بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.» فَاِنَّكَ تَنْحَرُهُ وَتَطْرُدُهُ.»[19]

امام صادقؑ نے فرمایا: ایک شخص نے رسول خداؐ کے پاس آکر اپنے شک کی شکایت اس طرح کی: اے خدا کے رسولؐ مجھے اپنی نماز میں بہت وسوسہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میں نے کتنی رکعت پڑھی کم یا زیادہ! حضرتؐ نے فرمایا: جب نماز شروع کرو تو داہنے ہاتھ کی کلمۂ شہادت والی انگلی سے بائیں ران کو دباؤ اور یہ کہو: بسم اللہ وباللہ، توکلت علی اللہ، اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم (اسی طرح کرنے سے تم اس کو اپنے سے دور کر دو گے اور بھگا دو گے۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً وَظَاهِراً وَبَاطِناً؛ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ.»

پچیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ا ص ۱۲ "کتاب العقل والجہل" حدیث ۱۰۔

۲۔ محمد بن مسعود بن عیاش السلمی السمرقندی معروف بہ عیاشی تیسری صدی ہجری کے درجہ ہشتم کے راویوں میں سے ہیں۔ روایات میں ثقہ و متبحر ہیں۔ دو سو سے زیادہ آپ کی تصانیف ہیں۔ جن میں سب سے مشہور "تفسیر عیاشی" ہے۔

۳۔ تفسیر برہان جلد ۴ ص ۳۱۱۔ ذیل تفسیر آیہ ۲۲، سورہ مجادلہ حدیث ۴۔

۴۔ مجمع البحرین جلد ۲ ص ۷۰۷، مادہ خنس۔

۵۔ امام صادقؑ نے فرمایا: "وَاللّٰہِ، کَانَ وُضُوءُ رَسُولِ اللّٰہِ اِلاَّ مَرَّۃً مَرَّۃً۔" خدا کی قسم رسولِ خدا کا وضو یہ تھا کہ ہر عضو کو ایک مرتبہ دھویا کرتے تھے۔ وسائل الشیعہ جلد ا ص ۳۰۸، کتاب الطہارۃ، باب ۳۱، از ابواب وضو حدیث ۱۰ اسی طرح حدیث ۱۱۔ ۱۲

۶۔ دوسرے غسلہ کے بارے میں تین قول ہیں اکثر فقہا نے استحباب کا حکم دیا ہے۔ بعض نے جواز کہا ہے۔ بعض نے عدمِ جواز کا حکم دیا ہے۔

۷۔ چنانچہ عنوانِ باب اس طرح ہے "بَابُ اِجْزَاءِ الْغُرْفَۃِ الْوَاحِدَۃِ فِی الْوُضُوءِ وَحُکْمُ الثَّانِیَۃِ وَالثَّالِثَۃِ" وسائل جلد ا ص ۳۰۶، کتاب الطہارۃ باب ۳۱۔

۸۔ ابنِ ادریس حلیؒ عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ مختلف الشیعہ جلد ا ص ۲۸۲۔

۹۔ جواہر جلد ۲ ص ۲۶۶۔

۱۰۔ وسائل جلد ا ص ۲۷۳، کتاب الطہارۃ، باب ۱۵، از ابواب وضو حدیث ۲، نیز جلد ا ص ۳۱۰، کتاب الطہارۃ

باب ۳۱ از ابواب وضو حدیث ۲۸ - ۲۹۔

۱۱۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: «اَلْوُضُوءُ وَاحِدَةٌ فَرْضٌ، وَاثْنَتَانِ لَا يُؤْجَرُ وَالثَّالِثُ بِدْعَةٌ.» وضو میں ایک مرتبہ دھونا واجب، دو مرتبہ دھونا اس کا کوئی اجر نہیں ہے تین مرتبہ دھونا بدعت ہے۔ وسائل جلد ۱ ص ۳۰، کتاب الطہارۃ باب ۳۱ از ابواب وضو حدیث ۳۔ امام صادقؑ نے رسولؐ کا قول نقل کیا ہے کہ: كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۲، کتاب فضل علم باب بدعتھا و رأی و قیاسہا حدیث ۱۲۔

۱۲۔ "اصالۃ الحلیۃ" ایک فقہی قاعدہ ہے جو کسی چیز کے حرمت و حلیت میں شک ہونے پر استعمال ہوتا ہے اس قاعدہ کی بنا پر ہر چیز اس وقت تک حلال ہے۔ جب تک اس کے خلاف یعنی حرمت کا علم نہ ہو جائے اس قاعدہ کا مدرک عبداللہ بن سنان کی وہ صحیحہ ہے جس میں امام صادقؑ نے فرمایا ہے: «كُلُّ شَيْءٍ فِيهِ حَلَالٌ وَ حَرَامٌ فَهُوَ لَكَ حَلَالٌ أَبَداً حَتَّى تَعْرِفَ الْحَرَامَ مِنْهُ بِعَيْنِهِ فَتَدَعَهُ.» جس چیز کے اندر بھی حلال و حرام کا احتمال ہو وہ تمہارے لئے حلال ہے یہاں تک کہ تم کو بعینہ اس کی حرمت کا علم ہو جائے (اگر ایسا ہو جائے) تو اس کو ترک کر دو۔ وسائل جلد ۱۲ ص ۵۹۔ کتاب التجارۃ باب ۴ از ابواب (مایکتسب بہ) حدیث ۱۔

۱۳۔ "اصالۃ الطہارۃ" یہ ایک فقہی قاعدہ ہے جب کسی چیز کی طہارت و نجاست کے بارے میں شک ہو جائے تو جب تک اس کی نجاست کا شک ہے وہ نجس نہیں ہے بلکہ پاک ہے اس قاعدہ کا مدرک امام صادقؑ سے منقول عمار کی موثقہ ہے جس میں ہے: «كُلُّ شَيْءٍ نَظِيفٌ حَتَّى تَعْلَمَ أَنَّهُ قَذِرٌ» ہر چیز تمہارے لئے پاک ہے جب تک اس کی نجاست معلوم نہ ہو جائے۔ وسائل جلد ۲ ص ۱۰۵۴، کتاب الطہارۃ باب ۳۷ از ابواب نجاست حدیث ۴۔

۱۴۔ امام صادقؑ نے فرمایا:

«وَإِنَّمَا الْأُمُورُ ثَلَاثَةٌ: أَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهُ، فَيُتَّبَعُ. وَأَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّهُ فَيُجْتَنَبُ. وَأَمْرٌ مُشْكِلٌ يُرَدُّ عِلْمُهُ إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ(ص): حَلَالٌ بَيِّنٌ وَحَرَامٌ بَيِّنٌ، وَشُبُهَاتٌ بَيْنَ ذٰلِكَ. فَمَنْ تَرَكَ الشُّبُهَاتِ نَجَا مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ؛ وَمَنْ أَخَذَ بِالشُّبُهَاتِ، ارْتَكَبَ الْمُحَرَّمَاتِ وَهَلَكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُ.»

امور تین قسم کے ہیں: ۱۔ جس کا درست ہونا واضح ہو اس کو بجالانا چاہیے۔ ۲۔ جس کی گمراہی واضح ہو اس کو ترک کر دینا چاہیے۔ ۳۔ جو چیز مشتبہ ہے اس کا علم خدا و رسولؐ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ رسولِ خدا کا ارشاد ہے: واضح حلال ہے اور واضح حرام ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جو مشتبہ چیز کو چھوڑ دے وہ حرام سے نجات پائے گا اور جو مشتبہ چیزوں پر عمل کرے گا وہ محرمات کا ارتکاب کرے گا اور اس جگہ سے ہلاک ہوگا جس کو نہیں جانتا۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۶۷ - ۶۸ کتاب العلم "باب اختلاف الحدیث" حدیث ۹۔

۱۵۔ یہ سورہ ناس کی چوتھی و پانچویں آیت کی طرف اشارہ ہے: «مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ، الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ»

۱۶۔ عبداللہ ابن سنان کی جو روایت امام صادقؑ سے ہے اس میں ہے: «مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ» یہ شیطان

کا کام ہے۔ وسائل جلد ۱ ص ۴۶، کتاب الطہارۃ "ابواب مقدمۃ العبادات"، باب ۱۰۔ حدیث ۱۔

۱۷۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۳۵۸، کتاب الصلواۃ، باب من شک فی صلاتہ.... حدیث ۲۔

۱۸۔ کلینی نے بسند خود امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: جب نماز میں زیادہ شک ہو تو اس کی پرواہ نہ کرو اور نماز پڑھتے رہو یہاں کہ وہ شک ختم ہو جائے۔ (اس طرح) شیطان تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا۔ یہ سمجھ لو کہ شک شیطان کی طرف سے ہے۔ فروع کافی جلد ۲، ص ۳۵۹، کتاب الصلواۃ باب من شک فی صلاتہ.... حدیث ۸۔

۱۹۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۳۵۸۔ کتاب الصلواۃ، باب من شک فی صلاتہ.... حدیث ۴۔

چھبیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ المُتَّصِلِ اِلی ثِقَةِ الاِسْلامِ، مُحَمَّدِبْنِ یَعْقُوبَ الْکُلَیْنِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ الْحَسَنِ وَعَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ زِیادٍ وَمُحَمَّدِبْنِ یَحْیٰی، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدٍ، جَمِیعاً، عَنْ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍالْاَشْعَرِيِّ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَیْمُونِ الْقَدّاحِ؛ وَعَلِيِّ بنِ اِبْراهِیمَ، عَنْ اَبِیهِ، عَنْ حَمّادِبْنِ عِیسٰی، عَنِ الْقَدّاحِ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلامُ، قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ: مَنْ سَلَکَ طَرِیقاً یَطْلُبُ فِیهِ عِلْماً، سَلَکَ اللّٰهُ بِهِ طَرِیقاً اِلَی الْجَنَّةِ. وَاِنَّ الْمَلائِکَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَها لِطالِبِ الْعِلْمِ رِضاً بِهِ. وَاِنَّهُ یَسْتَغْفِرُ لِطالِبِ الْعِلْمِ مَنْ فِي السَّماءِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ حَتَّی الْحُوتُ فِي الْبَحْرِ وَفَضْلُ الْعالِمِ عَلَی الْعابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلی سائِرِ النُّجُومِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَاِنَّ الْعُلَماءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیاءِ اِنَّ الْاَنْبِیاءَ لَمْ یُوَرِّثُوا دِیناراً وَلا دِرْهَماً، وَلٰکِنْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ؛ فَمَنْ اَخَذَمِنْهُ، اَخَذَبِحَظٍّ وافِرٍ!»

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ: جو شخص طلبِ علم

کے راستہ پر چلے، خدا اس کو جنّت کے راستہ پر لگا دیتا ہے اور طالبِ علم کی خوشنودی کے لئے ملائکہ اپنے پَر بچھا دیتے ہیں اور طالبِ علم کے لئے آسمانوں کے رہنے والے اور زمین پر بسنے والے یہاں تک کہ سمندر کے اندر مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں، عابد کے اوپر عالم کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے اور علما انبیا کے وارث ہیں، اور انبیا کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے۔ ہاں علم کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے اس سے حاصل کیا اس نے حظ وافر حاصل کیا۔

شرح: اس روایت کے الفاظ (واضح ہیں ان) تشریح کی ضرورت نہیں ہے لیکن رسولِ خدا نے طالبِ علم اور علما کے جو صفات بیان کئے ہیں ان کی مناسبت سے ان کو چند فصلوں کے ضمن میں بیان کروں گا اور خدا ہی پر بھروسہ ہے۔

پہلی فصل

بطورِ مقدمہ یہ بات جان لینی چاہیے کہ علوم مطلقاً دو قسم پر منقسم ہیں:

۱۔ ایک تو دنیاوی علوم جن کا مقصد محض دنیاوی مقاصد کا حاصل کرنا ہے۔

۲۔ دوسرے اخروی علوم جن کا مقصد ملکوتی درجات و مقامات کا حاصل کرنا اور اخروی منازل تک پہونچنا ہے۔

اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ زیادہ تر ان دونوں قسموں میں فرق نیّت و قصد پر موقوف ہوتا ہے اگرچہ خود یہ علوم فی حد نفسہا دو قسموں پر منقسم ہیں اور اس حدیث میں علم و علما کے لئے آثار کی مناسبت سے جو بات کہی گئی ہے اس کا مقصد دوسرا علم یعنی علمِ آخرت مُراد ہے اور یہ بات واضح ہے۔

اسی طرح پہلے یہ بھی بیان کیا جا چکا کہ تمام اخروی علوم تین حال سے خارج نہیں ہیں۔
۱۔ خدا اور معارف کا علم ۲۔ تہذیب نفس اور سلوکِ الی اللہ کا علم ۳۔ آداب و سنن عبودیت کا علم۔
اور اب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ نشئہ آخرت کی آبادکاری انھیں تینوں امور سے وابستہ ہے اور اسی بنا پر تقسیمِ کلی کے اعتبار سے جنتوں کی بھی تقسیم تین ہی جنت پر ہے۔

۱۔ جنّت ذات: اس کی غایت علم باللہ اور معارفِ الٰہیہ ہے۔

۲۔ جنّت صفات: جو تہذیبِ نفس اور اس کی ریاضت کا نتیجہ ہے۔

۳۔ جنّت اعمال: عبودیت کی ادائیگی اور اس کا نتیجہ ہے۔

اور یہ تمام جنتیں آباد نہیں ہیں۔ خود جنّت اعمال کی زمین بھی ایک چٹیل[۱] میدان ہے۔ جیسے ابتدائے اَمر میں سرزمینِ نفس بھی ایک میدان ہوتی ہے۔ ان سب کی تعمیر و آبادی نفس کی آبادی پر موقوف ہے۔ چنانچہ اگر نفس کا مقامِ غیب معارفِ الٰہیہ اور جذباتِ غیبیۂ ذاتیہ سے آباد نہ ہو تو انسان کو بہشتِ ذات اور جنتِ لقا نہیں حاصل ہو سکتی۔ (اسی طرح) اگر تہذیب باطن اور زینت باطن حاصل نہ ہو اور عزم و ارادہ قوی نہ ہو، دل اسماء و صفات کا آئینہ نہ ہو تو انسان کو بہشت اسماء و صفات۔ یعنی جنّت متوسطہ حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر فرائضِ بندگی کو پورا نہ کرے اور اس کے اعمال و افعال حرکات و سکنات شریعت کے قانون کے مطابق نہ ہوں تو بہشتِ اعمال فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ[۲] یعنی جس میں نفس کی ہر پسندیدہ چیز اور آنکھوں کے لئے ہر لذت بخش چیز حاصل ہو" اس کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس مقدمہ کی بنا پر "جو برہانِ حکمی اور ذوقِ اہلِ معارف و اخبارِ انبیا کے مطابق ہے اور کتابِ خدا سے بھی مستفاد ہے" چاہے جس درجہ کا علم ہو خواہ علم المعارف ہو یا اس کے علاوہ دوسرا علم ہو اس کے مناسب جنّت تک پہونچنا اسی کے راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور آدمی چاہے جس راستہ کا سالک ہو وہ بہشت کے راستوں میں سے کسی نہ کسی راستہ کا سالک ہے اور ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے[۳] علم مطلقاً عمل کا راستہ ہے۔ یہاں تک کہ علم المعارف بھی عمل کا راستہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ علم المعارف قلبی اعمال اور باطنی جذبات کا نام ہے۔ جس کا نتیجہ اعمال و جذبات ہوتے ہیں اور ان کی باطنی صورتیں جنّت ذات اور بہشت لقا کی صورت ہوتی ہے۔ پس طریقِ علم پر چلنا طریقِ جنّت کے راستہ پر چلنا ہے اور طریقِ طریق بھی طریق ہے۔

اہم نکتہ

یہ ہے کہ ارشاد فرمایا: "سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ إِلَى الْجَنَّةِ" اس میں سلوک علمی کی نسبت بندے کی طرف اور "سَلَكَ إِلَى الْجَنَّةِ" کی نسبت خدا کی ذات کی طرف اس لئے دی ہے کہ مقامِ کثرت میں بندے کے جنبۂ کسب کو غلبہ دیا ہے اور مقام رجوع بہ وحدت میں جنبۂ حق کو غلبہ دیا ہے ورنہ دقتِ نظر سے

دیکھا جائے تو ایک اعتبار سے سلوک الی الجنۃ بھی بندے ہی کی طرف منسوب ہے (مثلاً) «وَ وَجَدُوا ما عَمِلُوا حاضِراً.» ۵ اور جو کچھ ان لوگوں نے (دنیا میں) کیا تھا وہ سب (لکھا ہوا) موجود پائیں گے" اور «فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَرَهُ. وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقالَ ذَرَّةٍ شَرّاً یَرَهُ.» ۶ "جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہے تو وہ اُسے دیکھ لے گا" اور ایک اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ سلوک الی العلم بھی توفیق و تائیدِ خدا کی وجہ سے خدا ہی کی طرف منسوب ہے «قُلْ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ.» ۷ "اے رسولؐ کہہ دیجئے سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے"۔

جنابِ محقق فلاسفہ، فخرِ طائفۂ شیعہ، صدر المتالہین کا، یہاں پر ایک بیان ۸ ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ادراکِ ملایم کا نام جنّت اور ادراکِ منافر کا نام دوزخ ہے اور علوم نفس کے ملائمات میں سے ہیں۔ اس لئے یہی جنّت ہیں اور جہالتِ نفس کے منافرات میں سے ہے (لہٰذا یہی جہالت دوزخ ہے) (حالانکہ) جناب مُلّا صدرا کا یہ نظریہ ان کے اسفار کے نظریہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ موصوف نے (اسفار اربعہ میں) غزالی ۹ کے نظریہ کو رد کیا ہے غزالی نے نفس کو جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں ان کو جنّت قرار دیا ہے اور جو آلام و مصائب درپیش ہوتے ہیں ان کو جہنّم قرار دیا ہے اور جنّت و نار کے وجود خارجی کا انکار کیا ہے۔ جیسا کہ بعض کتابوں ۱۰ میں غزالی کی طرف اس مذہب کو منسوب کیا ہے اور (غزالی کا) یہ مسلک حکما کے براہین کا مخالف ہے، اخبارِ انبیا، کتبِ سماویہ اور تمام ادیان کے ضرورت کے مخالف ہے۔ خود جناب فیلسوف اعظم نے اس نظریۂ غزالی کو رد فرما کر باطل قرار دیا ہے۔ لیکن انھوں نے خود بھی اگرچہ غزالی کے مسلک کی تردید کی ہے مگر اسی کے مثل اس مقام پر دوسرے نظریہ کے قائل ہیں۔ بہر حال محقق صدرا کا کلام حقیر کی نظر میں صحیح نہیں ہے۔ مگر اس کتاب میں اس سے زیادہ تفصیل مناسب بھی نہیں ہے۔

دوسری فصل

فرشتے طالب علموں کے لئے اپنے پَر بچھاتے ہیں

یہ بات سمجھ لو کہ خدا کے ملائکہ کی مختلف انواع و اقسام ہیں اور یہی وہ جنودِ خدا ہیں جن کے بارے میں خدا کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے۔ ارشاد ہے: «وَما یَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّکَ اِلّا هُوَ» ۱ "اور تمھارے پروردگار کے لشکروں کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا"۔

اقسامِ ملائکہ: ایک قسم مجذوبین و مُہَیَّمِین کی ہے جن کی نظر عالمِ وجود کی طرف نہیں ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ خدا نے آدمؑ کو پیدا کیا ہے یا نہیں۔ وہ تو جلال و جمالِ حق میں مستغرق رہتے ہیں اور ذاتِ حق میں فانی ہیں۔[۱۲]

علما کا بیان ہے کہ «ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ.»[۱۳] ان۔ قلم کی اور اس چیز کی جو لکھتے ہیں (اس کی قسم ہے) میں کلمہ مبارکہ "ن" سے انھیں ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔

دوسری قسم ملائکۂ مقربین اور ساکنینِ جبروتِ اعلیٰ کی ہے۔ ان کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی عوالم کے لئے جو شان و تدبیر ہے وہ دوسرے کے لئے نہیں ہے۔

تیسری قسم: عوالمِ ملکوتِ اعلیٰ اور جنات عالیہ کے ملائکہ ہیں۔ ان کی بھی مختلف انواع اور متعدد اصناف ہیں۔

چوتھی قسم: عوالمِ برزخ و مثال کے ملائکہ ہیں۔

پانچویں قسم: عوالمِ طبیعت و ملک پر موکل ملائکہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک موکل امری اور مدبر شانی ہے یہ ملائکہ ان کے علاوہ ہیں جو عالمِ برزخ و مثال میں موجود ہیں۔

چھٹی قسم: ان ملائکہ کی ہے جو عالمِ مثال و برزخ میں موجود ہیں۔

ساتویں قسم: ان ملائکہ کی ہے جو موکل عالمِ طبیعت و ملک ہیں کہ ان میں سے یہ ایک موکل امری و مدبر شانی ہے اور عالمِ ملک کے ملائکہ مدبرہ کا یہ گروہ عالم مثال و برزخ میں موجود ملائکہ کے علاوہ ہیں۔

یہ تمام قسمیں اپنی جگہ پر ثابت ہیں اور روایات سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔[۱۴]

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ملائکہ کے تمام قسموں کے لئے بال و پر، بازو اور دیگر اعضا ثابت نہیں ہیں بلکہ (مُہَیَّمِین) سے لے کر ملکوتِ اعلیٰ کے ساکن فرشتے اس قسم کے اعضا اور اجزائے مقداریہ سے منزہ و مبرا ہیں۔ یہ تمام ملائکہ تمام قسم کے مادوں اور ان کے لوازم، تقدرات اور اس کے عوارض سے مجرد ہیں۔ ہاں عالمِ مثال کے ملائکہ اور موجوداتِ ملکوتیہ برزخیہ کے لئے اعضا و جوارح اور بال و پر کا ہونا ممکن ہے۔ البتہ یہ سب چونکہ تقدراتِ برزخیہ کے عوالم اور تمثلاتِ مثالیہ میں سے ہیں اس لئے ہر ایک کے لئے مخصوص مقدار اور مخصوص اعضا و جوارح ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

«وَالصَّافَّاتِ صَفًّا.»[۱۵] (عبادت یا جہاد میں) صف باندھنے والوں کی (قسم) دوسری جگہ آیا ہے:

«أُولِي أَجْنِحَةٍ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ.»[۱۶] (فرشتوں کو اپنا قاصد بنانے والا ہے) "جن کے دو

دو اور تین تین اور چار چار پر ہوتے ہیں" اور یہ اسی قسم کے ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن ملائکہ مقربین اور جبروت اعلیٰ میں رہنے والے اپنے وجودِ قیومی کے احاطہ کی وجہ سے جس عالم میں چاہیں اسی عالم کی ہیئت و صورت میں متشکل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جناب جبرئیل چونکہ مقربینِ بارگاہ اور حاملِ وحیِ الٰہی اور عالمِ جبروت کے رہنے والوں میں سب سے اعلیٰ مراتب موجودات میں سے تھے اس لئے حضرت رسولِ اکرمؐ کے لئے مثالِ مقید میں ہمیشہ اور مثالِ مطلق میں صرف دو مرتبہ اور ملک میں کبھی کبھی ظاہر ہوتے تھے۔ عالمِ ملک میں کبھی دحیۂ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے جناب دحیۂ کلبی رسولِ خداؐ کے شیر خوار بھائی اور لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔"[۱۷]

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ملائکہ کا ملکی صورت میں آنا بھی دیگر موجوداتِ ملکیہ کی طرح نہیں ہے کہ جسکو سلیم الحس دیکھ سکے۔ بلکہ ان میں جہاتِ ملکوتی کا غلبہ رہتا ہے اور جہاتِ ملکی مغلوب رہتے ہیں اسی لئے تمثلاتِ ملکیہ کے باوجود لوگ انکو اپنی ملکی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بلکہ تائیدِ حق اور حضرت رسولؐ کے اشارہ پر بعض اصحابِ رسولؐ جبرئیل کو دحیۂ کلبی کی صورت میں دیکھ لیتے تھے۔ اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ طالبانِ علم و معرفت اور حق و حقیقت کی طرف متوجہ ہونے والے، رضائے الٰہی کے راستہ پر چلنے والے افراد حضرت آدمؑ جو مسجودِ ملائکہ اور تمام دائرۂ وجود کے مطاع تھے، کی روحانی اولاد ہیں اور تمام ملائکۂ خدا اس کے ساتھ عنایت رکھتے ہیں اور اس کی تائید و تربیت پر مامور ہیں۔ اب چونکہ یہ ملکی ملکوتی ہو گیا اور ارضی، سمائی ہو گیا اس لئے ملائکہ کے بازوؤں پر پیر رکھتا ہے کہ اگر ملکوتی و مثالی چشمِ بصیرت کھل جائے تو دیکھے گا کہ ملائکہ کے بازوؤں پر ٹھہرا ہے اور ان کی تائید سے راستہ طے کر رہا ہے۔ یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو ملک سے ملکوت کا سفر کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے باوجود ابھی راستہ ہی میں ہیں۔

لیکن جو ابھی ملکی ہیں اور ملکوت تک نہیں پہونچے ان کے لئے ممکن ہے کہ ملکوتی حضرات ان کی تائید میں مشغول ہوں اور ان کی تواضع کے لئے اور ان کی خوشنودیِ عمل کی وجہ سے اپنے پروں کو ان کے لئے فرش بنا دیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں اور عوالی اللئالی والی حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ: جناب مقداد فرماتے ہیں:

«اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُولُ: اِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ حَتّٰى يَطَأَ عَلَيْهَا رِضاً بِهِ.»[۱۸]

"میں نے رسولِ خدا کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا: ملائکہ طالبِ علموں کے خوشنودی کے لئے اپنے پَروں کو بچھا دیتے ہیں تاکہ طالبِ علم ان کو پیروں سے روندیں۔"

پس اس سے معلوم ہو گیا کہ خدا کی اور اس کی مرضی کی طرف قدم بڑھانے والوں کے پیر دوشِ مَلک پر ہوتے ہیں اور وہ شخص ان کے بازوں پر بیٹھا ہے اور آخر مراتبِ تحصیل اور حصولِ علم و معارف تک یہ فرش رہتا ہے۔ البتہ درجوں میں فرق ہوتا ہے اور ملائکہ و ان کے مؤیدین اس طالبِ علم کے کبھی کبھی بدل جاتے ہیں تاکہ سالک کا کام اس منزل تک پہونچ جائے کہ ملائکہ کے سروں سے قدم اُٹھا کر عوالم و مدارج کو طے کر کے ایسی جگہ پہونچ جائے۔ جہاں ملائکہ مقربین کا گزر نہ ہو سکے اور امینِ وحی جبرئیل یہ کہتے ہوئے نظر آئیں: «لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ.»[19] "اگر میں (اب) ایک انگل بھی بڑھ جاؤں تو جل جاؤں گا۔"

اور چونکہ یہ مطلب برہان سے ٹکراتا نہیں ہے بلکہ اس کے موافق ہے لہٰذا تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ صدر المتالہین نے تاویل کی ہے۔[20] حالانکہ موصوف عالمِ مثال کے ملائکہ اور تمثلاتِ ملکیہ و ملکوتیہ ملائکہ کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اپنی حکمت کی کتابوں اور علمی اسفار میں بے نظیر بیانات سے ثابت بھی کیا ہے (اور سچ یہی ہے کہ) ایسے دلائل و بیانات انھیں بزرگان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

تیسری فصل

تمام آسمان و زمین کے باشندے طلاب کے لئے استغفار کرتے ہیں

یہ جان لو کہ حقیقتِ وجود تمام کمالات و اسما و صفات کا عین ہے" اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے" چنانچہ وجودِ محض کمالِ محض ہے اور اسی بنا پر چونکہ خداوند عالم محض وجود ہے لہٰذا محض کمالات ہے اور عین اسما و صفاتِ جلالیہ و جمالیہ ہے اور حدیث میں بھی ہے۔ «عِلْمٌ كُلُّهُ، قُدْرَةٌ كُلُّهُ.»[21] (خدا) کل علم اور کل قدرت ہے۔ اور یہ بات برہان سے ثابت ہے کہ حقیقتِ وجود اپنے اصول میں عین تمام کمالات ہے اور کسی بھی کمال کا اس سے جدا ہونا ممکن نہیں ہے بس اتنا تو ضرور ہے کہ ان کمالات کا ظہورِ وجود وسعت و ضیق اور صفائی و کدوراتِ آئینہ کے تابع ہے۔ (اگر آئینہ صاف ہے تو وجود کا انجلا بھی واضح ہے اور اگر آئینہ گندا ہے تو ظہورِ وجود بھی دھندلا ہو گا) اسی لئے تمام سلسلۂ وجود

آیاتِ ذات ہیں اور اسماء وصفات کے آئینے ہیں اور یہ مطلب براہین سے ثابت ہے بلکہ مطالبِ حکمیہ میں کوئی بھی مطلب اس کی طرح قوی و مضبوط نہیں ہے اور (یہ مطلب) اصحابِ شہود کے مشاہدات اور اربابِ معرفت کے ذوق کے مطابق ہے اور قرآنِ کریم و اخبارِ اہلِ بیتؑ کے موافق ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں متعدد مرتبہ تمام موجودات کی تسبیح کا ذکر آیا ہے (مثلاً) «يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ.» [۲۲] «جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے (سب) خدا کی تسبیح کرتی ہے۔»

«وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ.» [۲۳] «اور ساری زمین میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے (حمد و ثنا) کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم لوگ ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔»

اور یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ پروردگارِ عالم کی تسبیح و تقدیس، ذاتِ خدا اور اس کے صفاتِ جلال و جمال کے علم و معرفت کا لازمی نتیجہ ہے اور یہ کسی علم و معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں اس کو اتنی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو قابلِ توجیہ و تاویل نہیں ہے۔ (اس کے باوجود) اہلِ حجاب اور رسمی فلسفہ و کلامی مجادلات اور معارفِ الٰہیہ سے محجوب حضرات نے کلامِ خدا کی ایسی بارد تاویلات کی ہے جو بعض مقامات پر ظواہرِ آیات و نصوص کی مخالفت پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ مثلاً سورۂ نمل [۲۴] میں چیونٹی کی گفتگو ائمہ معصومینؑ کی نصوصِ کثیرہ کی مخالفت کے علاوہ مضبوط ترین حکما کی دلیلوں کے بھی مخالف ہے۔ لیکن ان براہین اور ان کے مقدمات کا ذکر اس کتاب کی تالیف کے مقصد کے خلاف ہے۔ (اس سے اعراض کیا جاتا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام موجودات کی خدا کے لئے حمد و ثنا شعور و ادراک سے ہوا کرتی ہے۔ (چنانچہ) حدیث میں ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا: بعثت سے پہلے جب میں بھیڑوں اور بکریوں کو چرایا کرتا تھا تو کبھی میں دیکھتا تھا کہ گوسفندیں بغیر کسی وجہ کے وحشت زدہ ہو جاتی تھیں اور بھاگنے لگتی تھیں، پھر بعثت کے بعد میں نے جبرئیلؑ سے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا: یہ وحشت (و فرار) اس ضرب کی وجہ سے ہے جو کافر کو ماری جاتی ہے کہ جس سے سننے والے تمام موجودات (ثقلینؑ کے علاوہ) متوحش ہو جاتے ہیں

لہ:- کافی میں امام محمد باقرؑ کی روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا: میں اونٹوں اور بھیڑوں کو چراتے ہوئے دیکھتا تھا اور کوئی بھی نبی ایسا نہیں گزرا جو جانوروں کو چرانا نہ رہا ہو۔ چنانچہ میں (نبوت سے پہلے) جانوروں کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ آرام سے ہیں ان کے ارد گرد کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان کو بھڑکا دے۔ یہاں تک کہ وہ خود بخود خوف زدہ ہو جاتے تھے اور بھاگنے لگتے تھے تو میں نے کہا تھا: یہ بات کیا ہے؟ اور مجھے تعجب ہوتا تھا۔ یہاں تک جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا: کافر کو جب مارا جاتا ہے تو دُنیا کی ہر مخلوق (ثقلین کے علاوہ) اس کو سن کر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ (منہ عفی عنہ)

اور اہلِ معرفت کہتے ہیں جب تک انسان ملک اور اس کی تدبیرات میں مشغول رہتا ہے۔ اس وقت تک وہ ملکوت سے محجوب ترین انسان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسکی مشغولیت سب سے زیادہ اور سب سے قوی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا احتجاب بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے اور نیل ملکوت سے بھی سب سے زیادہ محروم ہوتا ہے۔

اور نیز تمام موجودات کے لئے ایک وجہ ملکوتی ہے جس کی وجہ سے موجوداتِ زندگی، علم اور دیگر شئونِ حیاتی کے مالک ہوتے ہیں:

«وَ كَذٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ.» ۳۵ "اسی طرح ہم ابراہیم کو سارے آسمان وزمین کی سلطنت کا انتظام دکھاتے رہے۔" اور یہ دوسری وجہ ہے کہ موجودات کے اندر علم وحیات کی سرایت ہے۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ تمام موجودات کو علم و معرفت ہے اور سب کے اندر وجہٗ ملکوتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان ان تمام موجودات کے عرض میں واقع نہیں ہے (بلکہ طول میں واقع ہے) اور ملکوت سے بھی محجوب ہے اس لئے نہ ان کی زندگی اور نہ ہی کوائف زندگی کا عالم ہے۔ البتہ جو انسان طریقِ علم کا سالک اور خدا کی طرف متوجہ ہے اور جو سلسلہ وجود کا شاہکار اور دار تحقق کا ول نعمت ہے اس کے لئے ممکن ہے کہ یہ موجودات استغفار کریں اور ذاتِ خداوند کی مقام غفاریت سے بزبان قال و لہجۂ ملکوتی (جس کو کھلے ہوئے ملکوتی کان سنتے ہیں) دُعا کریں کہ اس کامل مولودِ مُلک اور فخر موالید طبیعت کو اپنے بحار مغفرت میں مستغرق کر دے اور اس کے تمام عیوب کو چھپا دے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ دیگر موجودات کو علم ہے کہ انسان کامل، عالم باللہ، و عارف بمعارفِ الٰہیہ وجامع علم وعمل کے واسطہ کے بغیر ان موجودات کا ذاتِ مقدس میں فنا ہونا اور بحرِ کمال میں ڈوب جانا ممکن نہیں ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے۔ اس وجہ سے کمالِ انسانی کے لئے خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ اس کو بحرِ غفاریت میں استغراق حاصل ہو جائے تاکہ اس وسیلہ سے ان موجودات کو بھی ان کے مناسب کمال حاصل ہو جائے۔ واللہ العالم۔

چوتھی فصل

جس طرح کہ تیرہویں و چودہویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت ہے اسی طرح عالم کو عابد پر فضیلت ہے

یہ جان لو کہ علم وایمان کی حقیقت علم سے متقوم ہے وہ نور ہے اور یہ بات برہان وعرفان کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ نصوص واخبار اہل بیت علیہم السلام کے بھی موافق ہے۔ اس لئے کہ حقیقتِ نور یعنی جو بالذات واضح اور ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر وروشن کرنے والا ہو۔ حقیقتِ علم کے لئے ثابت ہے اور اس پر صادق ہے بلکہ حقیقتِ علم پر اس کا صدق حقیقت ہے اور انوارِ حسیہ پر اس کا صدق مجاز سے زیادہ اشبہ ہے اس لئے کہ نور حسی در حقیقت ظہورِ ذاتی نہیں رکھتا بلکہ اس حقیقت کے تعینات میں ہے اور صاحبِ ماہیت ہے۔ لیکن حقیقتِ علم بالذات عین وجود ہے ہاں مفہوم میں ضرور مخالف ہے۔ لیکن متن اعیان واصل حقیقت میں اس سے موافق اور متحد ہے اور حقیقتِ وجود عینِ نور وعین علم ہے: «اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ.» [٢٦] پس معلوم ہوا کہ علم عین نور ہے اور قرآنی آیتوں میں علم وایمان کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے (مثلاً) «وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ.» [٢٧] "اور جسے خدا ہی نے علم نہ دیا ہو تو اس کے لئے کوئی علم (یعنی نور) نہیں ہے" تفسیر اہل بیتؑ میں نور کی تفسیر علم سے کی گئی ہے (اسی لئے ترجمہ میں علم ہی لکھا گیا ہے۔)

«فَعَنِ الصّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: «اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ.» قالَ: كَذٰلِكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ. «مَثَلُ نُورِهِ» قالَ: مُحَمَّدٌ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ. «كَمِشْكٰوةٍ» قالَ: صَدْرُ مُحَمَّدٍ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ. «فِيهَا مِصْباحٌ» قالَ: فِيهِ نُورُ الْعِلْمِ يَعْنِي النُّبُوَّةَ. «اَلْمِصْباحُ فِي زُجاجَةٍ» قالَ: عِلْمُ رَسُولِ اللّٰهِ صَدَرَ إِلىٰ قَلْبِ عَلِيٍّ... الحديث» [٢٨]

امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے "اللہ نور السماوات والارض" سے مُراد یہ ہے کہ اللہ اسی

طرح ہے اور "مثل نورہ" سے مُراد رسالتمآبؐ ہیں، "کمشکوٰۃ" سے رسولِ خدا کا سینہ ہے "فیھا مصباح" سے مُراد کے سلسلہ میں امامؑ نے فرمایا: اُن کے اندر نورِ علم ہے یعنی نبوت ہے اور "المصباح فی زجاجۃ" سے مُراد رسولِ خداؐ کا وہ علم ہے جو حضرت علیؑ کے قلب کو ملا..."

«وَعَنِ الْبَاقِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَنَّهُ يَقُولُ: أَنَا هَادِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. مَثَلُ الْعِلْمِ الَّذِي أُعْطِيتُهُ وَهُوَ النُّورُ الَّذِي يُهْتَدَى بِهِ. مَثَلُ الْمِشْكٰوةِ فِيهَا الْمِصْبَاحُ فَالْمِشْكٰوةُ قَلْبُ مُحَمَّدٍ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ؛ وَالْمِصْبَاحُ نُورُهُ الَّذِي فِيهِ الْعِلْمُ.»[29]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: رسولِ خدا کا ارشاد ہے: میں زمین و آسمان کا ہادی ہوں اور جو نور مجھے عطا کیا گیا ہے یعنی وہ نور جس سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے وہ اس مشکوٰۃ کے مطابق ہے جس میں مصباح ہو۔ تو مشکاۃ سے مُراد قلبِ رسولؐ ہے اور مصباح سے مُراد وہ نور ہے، جس میں علم ہو۔"

«وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ: فَالْمُؤْمِنُ يَنْقَلِبُ فِي خَمْسَةٍ مِنَ النُّورِ مَدْخَلُهُ نُورٌ، وَمَخْرَجُهُ نُورٌ، وَعِلْمُهُ نُورٌ، وَكَلَامُهُ نُورٌ، وَمَصِيرُهُ إِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نُورٌ.»[30]

ایک روایت میں معصوم نے فرمایا: مومن پانچ نور میں منقلب ہوتا رہتا ہے۔ اس کا مدخل نور، اس کا مخرج نور اس کا علم نور، اس کا کلام نور اور قیامت کے دن جنت میں جانا نور ہے۔

مشہور حدیث میں وارد ہوا ہے: «اَلْعِلْمُ نُورٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِي قَلْبِ مَنْ يَشَاءُ»[31] علم ایک قسم کا نور ہے جس کو خدا جس کے قلب میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔[لہ]

اہلِ علم و ایمان کے مطابق اس نور کے بھی متعدد مرتبے ہیں۔ یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ یہ حقیقی نور جو اہلِ علم و ایمان کے قلوب میں ہے چونکہ عالمِ آخرت کے انوار سے ہے لہٰذا اس عالم میں نفس کی فعالیت کی بنا پر نورانیت حسیہ کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہی نور صراط کو روشن کرے گا۔ کچھ لوگوں کا نور سورج کی طرح ہوگا کچھ کا چاند کی طرح ہوگا یہاں تک کہ بعضوں کا نور صرف اتنا ہوگا کہ اس سے

لہ: یہ حدیث عنوان بصری کی طویل حدیث کے ضمن میں ہے اور شہید سعید کے اس منیۃ المرید کے حاشیہ پر ہے جو روض الجنان کے ساتھ چھپا ہے وہاں پر عین حدیث پوری مرقوم ہے۔ (منہ عفی عنہ)

صرف پیر کے آگے کا حصہ روشن ہوگا۔

اب معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں بغیر کسی شائبہ مجاز کے علم نور ہے اور ظہور۔ مگر ہم بے چارے چونکہ فطرت کے تاریک پردوں اور عالم ملک کے تاریک رات میں رہتے ہیں۔ اس لئے شمس حقیقی کے علم و نور سے روز افزوں دانش و بینش سے محروم محجوب ہیں اور ہم یہ گمان کرتے ہیں یہ تو مثال ہے مجاز و استعارات و اندازے و تعبیر پر مبنی ہے۔ جی ہاں جب تک ہم عاریتی زندگی کے خواب میں ہیں اور فطرت کا نشہ ہمارے سر میں سمایا ہے اس وقت تک حقیقت و مجاز نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری مجازی نظروں میں یہ مجازی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عالم مجاز میں حقیقت بھی مجاز ہی نظر آتی ہے ''بقول مولائے کائنات'' «اَلنَّاسُ نِیَامٌ اِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوْا۔» ۳۲ ''لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے'' جب ہماری آنکھ کھلے گی تو دیکھیں گے جس طرح سورج و چاند روشن ہیں اور روشنی بخش ہیں اسی طرح عالم کا نور بھی ہے۔ عالم اس دنیا میں اپنے علم کے نور سے تاریک دلوں کو روشن کرتا ہے اور جہالت و نادانی کے مُردوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح عالم آخرت میں بھی اس کا علم محیط ہوگا اور اس کے مشکاۃ علم سے روشنی حاصل کرنے والے اور اس سے ارتباط رکھنے والے اسی کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔

اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ بغیر علم عبادت بھی نہیں ہو سکتی اور اسی لئے عابد کے لئے بھی ایک نور ہے جو خود اس کے لئے مخصوص ہے۔ بلکہ عبادت اور ایمان باللہ بھی سنخ نور ہی سے ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ عابد کا نور صرف اس کے لئے روشنی دے گا اور اسی کے پیروں کے نیچے کی جگہ کو روشن کرے گا مگر دوسروں کو روشنی نہ دے سکے گا۔ اسی لئے عبادت گزاروں کی مثال ان ستاروں کی طرح ہے جو چودھویں رات کو چاند کی بھرپور روشنی کی وجہ سے صرف اپنی جگہ پر روشنی دیتے ہیں لیکن دوسروں کو نہ نفع پہونچا سکتے ہیں نہ نور عطا کر سکتے ہیں۔ پس عالم کے سامنے عابد کی مثال ستارہ جیسی ہے لیکن نہ اس ستارہ کی طرح جو شب تاریک میں چمکتا ہو اور ایک حد تک روشنی دیتا ہو بلکہ اس کی مثال اس ستارہ کی طرح ہے جو چاند کی چودھویں کو چمکتا ہو کہ خود تو ظاہر ہے مگر دوسرے کو روشنی نہیں دے سکتا۔

جناب صدرالمتالہین قدس سرہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں عالم سے مُراد غیر عالم ربانی ہے یعنی ''اس سے مراد'' وہ عالم ہے جس کا علم لدنی اور وہبی ہو جیسے انبیا و اولیا کے علوم اور اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی مثال چاند سے دی گئی ہے ورنہ اگر انبیا وغیرہ کا علم مُراد نہ ہوتا تو اس کی مثال سورج سے دینا مناسب تھی کیونکہ انبیا کو علم براہ راست خدا سے ہوتا ہے اس میں کوئی واسطہ نہیں ہوتا یعنی اپنے

نوع وجنس میں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔[۳۲] اِنْتَهٰی کَلَامُهٗ رُفِعَ مَقَامُهٗ

پانچویں فصل

علما انبیا کے وارث ہیں

علما کی جو وراثت انبیا سے ہے وہ روحانی ہے (جس طرح) ان کی ولادت ملکوتی ہے۔ انسان اگرچہ نشئہ مُلکیہ وجسمانیہ کے اعتبار سے مولودِ مُلک ہے (لیکن) انبیا کی تربیت اور مقامِ قلب حاصل ہو جانے کی وجہ سے اس کی ولادت ملکوتی ہو جاتی ہے اور اس ولادت کا منشا پدر جسمانی ہوتا ہے (اسی طرح) اس ولادت کا منشاء انبیائے کرام ہوتے ہیں۔ اس لئے انبیا پدرِ روحانی ہیں اور انکی وراثت (درحقیقت) وراثتِ باطنی وروحانی ہوتی ہے اور ولادت' ولادت ثانوی ملکوتی ہے اور انبیا کے بعد تعلیم وتربیت علما کے ہاتھوں ہوتی ہے اور یہی علمائے کرام انبیا کے حقیقی روحانی وارث ہوتے ہیں اور انبیا اپنے اس مقامِ روحانیت کی بنا پر نہ تو درہم و دینار کے مالک ہوتے ہیں اور نہ عالم مُلک وشئونِ مُلکیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور انبیا کی وارثت ان کے اس مقام کے اعتبار سے علم و معارف کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہوتی۔ اگرچہ (انبیائے کرام بھی) مُلکی ولادت اور دنیاوی اعتبار سے تمام بشری حیثیتوں کے مالک ہوتے ہیں (چنانچہ ارشاد ہے) «قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔»[۳۳] "اے رسول کہہ دیجئے میں تم جیسا بشر ہوں۔" اور اس اعتبار سے علما انبیا کے وارث نہیں ہیں۔ بلکہ انبیا کے وارث خود ان کے جسمانی اولاد ہوں گے اور اس وقت جسمانی اعتبار سے انبیا درہم ودینار کے مالک و وارث ہوا کرتے ہیں۔

اور یہ حدیث واضح بلکہ صریحی طور سے روحانی وراثت پر دلالت کرتی ہے جیساکہ ذکر کیا گیا اور رسولِ خدا کی وہ حدیث جو آنحضرتؐ کی طرف منسوب ہے (یعنی) «نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوَرِّثُ»[۳۴] "ہم گروہ انبیا وارث نہیں بناتے" کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ شانِ نبوت اور وراثتِ روحانی کے اعتبار سے وہ حضرات کسی کو مال ومنال کا وارث نہیں بناتے ہیں۔ بلکہ ان کی میراث علم ہوتی ہے۔ جیساکہ واضح ہے۔ والسلام۔

چھبیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۱ص ۳۴، کتاب فضل العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ۱۔
۲۔ توضیح ۱۶۔ حدیث ۲۲۔
۲۔ سورۂ زخرف آیت ۱۷۔
۳۔ حدیث ۲۳۔ ۲۴۔
۵۔ سورۂ کہف آیت ۴۹۔
۶۔ سورۂ زلزال آیت ۷۔ ۸۔
۷۔ سورۂ نساء آیت ۷۸۔
۸۔ شرح اصولِ کافی ص ۷۔ ۱۳۶، کتاب فضل العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ۱۔
۹۔ اسفار اربعۃ جلد ۹ ص ۱۷۳، السفر الرابع، باب ہشتم، فصل ۱۰۔
۱۰۔ تہافت الفلاسفۃ، غزالی ص ۲۶۸۔
۱۱۔ سورۂ مدثر آیت ۳۱۔
۱۲۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۲۵۶، مقصد دوم، باب اوّل، فصل اوّل۔
۱۳۔ سورۂ قلم آیت ۱۔
۱۴۔ علم الیقین فیض کاشانی جلد ۱ ص ۲۶۸۔ ۲۵۹، مقصد دوم، باب دوم، فصل اوّل۔
۱۵۔ سورہ صافات آیت ۱۔

١٦۔ سورۂ فاطر آیت ١۔
١٧۔ بحارالانوار جلد ١٨ ص ٢٦٧، تاریخ النبیؐ، باب ٢، حدیث ٢٩۔
١٨۔ عوالی اللئالی جلد ١ ص ١٠٦، فصل ٦، حدیث ٣٣۔
١٩۔ بحارالانوار جلد ١٨ ص ٣٨٢، تاریخ النبیؐ، باب اثبات المعراج، حدیث ٨٥۔
٢٠۔ شرح اصولِ کافی ص ١٣٧، کتاب العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ١۔
٢١۔ فارابی نے فصوص میں کہا ہے، "وُجُودٌ کُلُّهٗ، قُدْرَةٌ کُلُّهٗ، حَیَاةٌ کُلُّهٗ." وہ وجود کُل ہے۔ قدرتِ کُل ہے، حیاتِ کُل ہے۔ ص ٢٥٣ ۔ ٢١٦۔
٢٢۔ سورۂ جمعہ آیت ١۔
٢٣۔ سورۂ اسراء آیت ٤٤۔
٢٤۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن، قرطبی جلد ١٢ ص ١٦٩ - ١٧٦
٢٥۔ سورۂ انعام آیت ٧٥۔
٢٦۔ سورۂ نور آیت ٣٥۔
٢٧۔ سورۂ نور آیت ٤٠۔
٢٨۔ التوحید ص ١٥٧، باب تفسیر آیت نور، حدیث ٢۔
٢٩۔ روضۂ کافی جلد ٨ ص ٣٨٠، باب تفسیر آیات من القرآن، حدیث ٣، ٥۔
٣٠۔ برہان جلد ٣، ص ١٣٥۔
٣١۔ حدیث ٢٢، توضیح ١٣۔
٣٢۔ حدیث ٢٢، توضیح ١٦۔
٣٣۔ شرح اصولِ کافی ص ١٣٨، کتاب فضل العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، حدیث ١۔
٣٤۔ سورۂ کہف آیت ١١٠۔
٣٥۔ مسند احمد حنبل جلد ٢ ص ٤٦٣۔

ستائیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ إلَى الشَّيخِ الْأجَلِّ وَالثِّقَةِ الْجَلِيلِ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أصْحَابِنَا، عَنْ أحْمَدَبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ ابْنِ مَحْبُوبٍ، عَنْ عُمَرَبْنِ يَزِيدَ عَنْ أبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: فِي التَّوْرٰيةِ مَكْتُوبٌ: يَابْنَ آدَمَ، تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي، أمْلَأْ قَلْبَكَ غِنىً وَلَا أكِلْكَ إلٰى طَلَبِكَ، وَعَلَيَّ أنْ أسُدَّ فَاقَتَكَ وَأمْلَأُ قَلْبَكَ خَوْفاً مِنِّي. وَإنْ لَا تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي، أمْلَأْ قَلْبَكَ شُغْلاً بِالدُّنْيَا، ثُمَّ لَا أسُدُّ فَاقَتَكَ وَأكِلُكَ إلٰى طَلَبِكَ.»[1]

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: توریت میں لکھا ہے: اے ابن آدم میری عبادت کے لئے فراغت حاصل کر تاکہ میں تیرے قلب کو بے نیاز کردوں اور تجھے تیری خواہشوں کے حوالہ نہ کروں اور میری ذمہ داری ہے کہ تیرے لئے (فقر و) فاقہ کے راستہ کو بند کردوں اور تیرے دل کو اپنے خوف سے بھر دوں اور اگر تو میری عبادت کے لئے فارغ نہیں ہوتا تو میں تیرے دل کو دُنیا کے شغلوں سے بھر دوں گا اور تیری راہ فقر کو بند نہ کروں گا تجھے تیرے طلب (و خواہش) کے حوالہ کردوں گا۔

شرح: تَفَرَّغْ لِکَذَا: تفرغ باب تفعّل سے آیا اس کا مطلب ہے اپنے پورے وقت کو اس

کے لئے اسی طرح صرف کر دیا کہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہو اور عبادت کے لئے دل کو خالی کرنے کا مطلب ہے۔ اس کے لئے ہر چیز سے اپنی توجہ کو ہٹانا۔

"مَلَأْتُ الْاِنَاءَ مَاءً" (اسی طرح) مَلَأَ الاناءَ من الماءِ یا بالماء کا مطلب ہے اس میں اتنا پانی گرایا جس کو بھر لیا اور "اَکِلُ" یہ یَکِلُ کا صیغہ متکلم ہے وَکَلَ اِلَیْہِ الْاَمْرَ کا مطلب ہے اس کے حوالہ کر دیا۔ اس کے سپرد کر دیا اور خود اس میں کوئی تصرف نہیں کیا۔

"اَسُدُّ" یہ سَدَّ یَسُدُّ کا متکلم ہے باب نَصَرَ سے ہے اور فتح کا نقیض ہے اس کے معنیٰ بند کرنے کے ہیں "اَلْفَاقَۃ" یعنی حاجت و فقر، نیاز مندی وگدائی۔

«وَاَمْلَأُ قَلْبَکَ خَوْفاً مِنِّي» بظاہر یہ متکلم کا صیغہ ہے۔ امر کا صیغہ ماننا اور اوّل کلام پر عطف کرنا بعید ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں جو چیزیں بیان کرنا ضروری ہیں ان کو میں انشاءاللہ چند فصلوں کے اندر بیان کروں گا۔

پہلی فصل

جان لو کہ عبادات کے لئے فراغت حاصل ہونے کا مطلب اس کے لئے فارغ وقت کا ہونا اور فراغتِ قلب کا حاصل ہونا ہے۔ عبادت کے اندر یہ چیز بہت ہی اہم ہے کیونکہ اس کے بغیر حضورِ قلب پیدا نہیں ہوتا اور حضورِ قلب کے بغیر عبادت بے قیمت ہے۔

حضورِ قلب کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ایک فراغتِ وقت اور فراغتِ قلب۔ دوسرے قلب کو عبادت کی اہمیت کا سمجھانا ہے۔ فراغتِ وقت سے مُراد یہ ہے کہ انسان ہر شب و روز کے لئے اپنی عبادت کا وقت معیّن کر دے اور اپنے کو اس وقت عبادت کے لئے معیّن کر دے۔ اس وقت میں کوئی دوسرا کام انجام نہ دے اور جب انسان یہ سمجھ لے کہ عبادت ایک اہم چیز ہے دوسرے کاموں سے اس کی اہمیت زیادہ ہے بلکہ دوسری چیزوں کا اس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے تو پھر اس کے لئے وقت معیّن کرے گا اور اس وقت کی حفاظت کرے گا۔ اب اس کے بعد میں بقدرِ مقدور تھوڑا سا اس سلسلہ میں بیان کروں گا۔

بہر حال عبادت گزار آدمی کو اپنی عبادت کے لئے وقت معیّن کرنا چاہیئے اور اوقاتِ نماز "جو مہم ترین عبادت ہے" کی حفاظت کرنی چاہیئے اور اس کو وقتِ فضیلت میں ادا کرنا چاہیئے اور ان اوقات میں کوئی دوسرا کام نہیں کرنا چاہیئے۔ جس طرح مال و منال کے لئے (بحث) و مباحثہ اور مطالعہ کے

کے لئے وقت معیّن کیا جاتا ہے اسی طرح عبادت کے لئے بھی وقت معیّن کرنا چاہیے جس میں دیگر امور سے فارغ ہو تاکہ حضورِ قلب جو مُغ و مغز عبادت ہے حاصل ہو سکے۔ لیکن اگر یہ میری طرح تکلف سے ادا کرے اور بندگی معبود کی ادائیگی کو امورِ زائدہ میں سے قرار دے تو پھر اس کی ادائیگی کو آخر وقت تک کے لئے مؤخر کر دے گا اور بجالانے کے وقت بھی چونکہ اپنے عظیم امور کی انجام دہی کو "جو اس کی نظر میں اہم ہیں" اس سے مزاحم سمجھتا ہے اس لئے اگر پڑھتا بھی ہے تو ہاتھ پیر توڑ کے پڑھتا ہے۔ البتہ اس عبادت میں نورانیت نہیں ہوتی اور ایسا شخص غضبِ الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور نماز کے بارے میں سستی کرنے والا شمار کیا جاتا ہے۔ نماز کو خفیف شمار کرنے سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس موضوع کی روایات کو پوری طرح سے ذکر کیا جائے۔ البتہ بعض کو عبرت کے لئے ذکر کرتا ہوں۔

«عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: لَا تَتَهَاوَنْ بِصَلَاتِكَ؛ فَإِنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قَالَ عِنْدَ مَوْتِهِ: لَيْسَ مِنِّي مَنِ اسْتَخَفَّ بِصَلَاتِهِ؛ لَيْسَ مِنِّي مَنْ شَرِبَ مُسْكِرًا لَا يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ لَا وَاللّٰهِ.»[۲]

"امام محمد باقرؑ نے زرارہ سے فرمایا: اپنی نماز کے بارے میں سستی نہ کرو اس لئے کہ رسولِ خداؐ نے مرتے وقت فرمایا تھا: جو شخص اپنی نماز کے بارے میں استخفاف کرے وہ ہم سے نہیں ہے اور وہ بھی مجھ سے نہیں ہے جو نشہ آور چیزوں کو پیئے نہیں خدا کی قسم نہیں وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں آسکتا۔"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ، قَالَ قَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْأَوَّلُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبِي الْوَفَاةُ، قَالَ لِي: يَا بُنَيَّ، لَا يَنَالُ شَفَاعَتَنَا مَنِ اسْتَخَفَّ بِالصَّلَاةِ.»[۲]

"جناب ابو بصیر کہتے ہیں: امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: جب میرے باپ کے مرنے کا وقت قریب آیا تو مجھ سے فرمایا: اے بیٹا جو شخص نماز کو خفیف سمجھے اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔"

اس سلسلہ میں روایات تو بہت ہیں لیکن اہلِ عبرت کے لئے یہی کافی ہے۔ خدا جانتا ہے کہ رسولِ خداؐ سے جدائی ان کی حمایت سے خارج ہونا یہ کتنی بڑی مصیبت ہے اور آنحضرتؐ و ان کے اہلِ بیتؑ کی شفاعت سے محرومی کتنی بڑی رسوائی ہے۔ یہ گمان بھی کیجئے گا کہ آنحضرتؐ کی شفاعت کے بغیر کوئی رحمتِ حق اور بہشتِ موعود کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ اب آپ سوچئے کہ ہر جزئی چیز کو ملکہ

خیالی نفع کو اس نماز پر مقدم کرنا جو رسولِ خدا کے آنکھوں کو ٹھنڈک ہے اور خدا کی رحمت تک پہونچنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور نماز کے بارے میں سستی کرنا۔ کسی عذر کے بغیر اس کو آخری وقت تک ٹال دینا اس کے حدود کی حفاظت نہ کرنا یہ نماز کو سُبک سمجھنا اور اس کے بارے میں سستی کرنا ہے کہ نہیں؟ اگر ایسا ہے تو رسولِ خدا اور ان کے اہلِ بیتؑ کی گواہی کی بنا پر تم ان کی ولایت سے خارج اور ان کی شفاعت سے محروم ہو گے۔ اب یہ سوچو کہ اگر تم ان حضرات کی شفاعت کے محتاج ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارا شمار آنحضرتؐ کی اُمّت میں ہو تو اس امانتِ الٰہی (نماز) کو عظیم سمجھو اور اس کی اہمیت کے قائل ہو جاؤ ورنہ تم جانو اور تمہارا کام۔ خدا اور اس کے اولیا تمہارے عمل کے محتاج نہیں ہیں بلکہ اسب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر تم نے اہمیت نہ دی تو کہیں اس کا نتیجہ "ترکِ نماز" کی صورت میں ظاہر نہ ہو اور ترکِ نماز کے بعد انکار تک کی نوبت نہ پہونچ جائے۔ (اگر ایسا ہو گیا تو) تمہارا کام تمام ہوا اور شقاوتِ ابدی اور ہلاکتِ دائمی تم کو نصیب ہوگی۔

اور وقت کی فراغت سے زیادہ اہمیت فراغتِ قلب کی ہے بلکہ فراغتِ وقت درحقیقت اس فراغت کا مقدمہ ہے اور وہ اس طرح کہ انسان عبادت میں مشغولیت کے وقت اپنے کو تمام مشغولیات اور دنیاوی رنج و غم خالی کر لیتا ہے اور قلب کی توجہ متفرق امور و پراگندہ خیالات سے ہٹ جاتی ہے اور دل عبادت و مناجات کے لئے بالکل خالی ہو کر خدا کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے اور جب تک قلب فارغ نہ ہو اس وقت تک نہ خدا کی طرف نہ اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو پاتا۔ لیکن ہماری بدبختی یہ ہے کہ ہمارے تمام پراگندہ خیالات اور متفرق افکار سب عبادت ہی کے وقت کے لئے ذخیرہ ہوتے ہیں کہ ادھر نماز شروع کی اور اُدھر سارے خیالات اور بھولی بسری باتوں کی یلغار ہو جاتی ہے۔ تکبیرۃ الاحرام کہتے ہی گویا دوکان کا دروازہ کھل جاتا ہے یا حساب کا دفتر کھل جاتا ہے یا گویا مطالعہ کے لئے کتاب کھل جاتی ہے۔ دل تو دوسرے امور میں لگ جاتا ہے اور عمل سے بالکلیہ غافل ہو جاتا ہے اور ہوش اس وقت آتا ہے جب حسبِ عادت سلام پھیرتے ہیں یہ عبادت رسواکن ہے اور یہ مناجات شرم انگیز ہے۔

میرے عزیز تم یہی فرض کر لو کہ جیسے تم کسی ایک ناچیز بندے سے گفتگو کر رہے ہو۔ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ دوست کی گفتگو کے ساتھ کسی اجنبی سے گفتگو کرنے لگو۔ جب تک دوست سے محوِ گفتگو رہتے ہو پوری توجہ کے ساتھ اسی سے مشغول رہتے ہو۔ لیکن جب ولیِ نعمت اور پروردگارِ عالمیان سے گفتگو اور مناجات کرتے ہو تو اس سے بالکلیہ غافل ہو کر دوسرے امور کی طرف متوجہ ہو جاتے ہو؟ کیا

بندوں کی عزت خدا سے زیادہ ہے؟ یا بندوں سے گفتگو کی قیمت قاضی الحاجات کی مناجات سے زیادہ ہے؟ جی ہاں ہم کو اور آپ کو نہیں معلوم کہ خدا سے مناجات کیا چیز ہے؟ ہم خدائی تکلیفوں کو سر کا بوجھ سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کو آدمی پر لادا جائے اور وہ زندگی کا بوجھ بن جائے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس لئے اصل بنیاد کی اصلاح کرنی چاہیے۔ خدا پر ایمان انبیا کے احکام کی پابندی کرنی چاہیے تاکہ اصلاح کار ہو سکے۔ یہ ساری بدبختیاں ضعفِ ایمان اور سُستی یقین سے پیدا ہوتی ہیں۔ سید ابنِ طاؤس[۴] کا ایمان ان کو ایسی جگہ پہونچا دیتا ہے کہ اوّل بلوغ کو عید قرار دیتے تھے۔ اس لئے کہ خداوندِ عالم نے ان کو مناجات کرنے کی اجازت دے دی اور ان کو لباسِ تکلیف سے آراستہ کر دیا۔ واقعاً ذرا آپ سوچئے یہ کون سا قلب ہے کہ اتنی نورانیت اور صفائے باطنی رکھتا ہے۔ اگر ان سید جلیل القدر کا عمل تمہارے لئے حجت نہیں ہے تو سید الموحدین اور ان کی اولاد معصومین کا عمل تو حجت ہے۔ ان بزرگوں کے حالات اور عبادتوں کی کیفیت اور مناجات کو دیکھو۔ بعض حضرات ایسے تھے کہ نماز کے وقت ان کا رنگ زرد ہو جاتا تھا اور اس خوف سے کہ کہیں امرِ الٰہی کے بارے میں کوئی لغزش نہ ہو جائے ان کا جسم کپکپانے لگتا تھا[۵] حالانکہ یہ حضرات معصوم تھے۔ مولائے کائنات کے بارے میں مشہور ہے کہ پائے مبارک میں تیر چبھ گیا تھا جس کے نکالنے کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن نماز میں اس تیر کو نکال لیا گیا کہ حضرتؑ اس کی طرف ملتفت بھی نہ ہو سکے۔

عزیزم یہ مطلب محالات میں سے نہیں ہے۔ اس طرح کی مثال تو عادی لوگوں میں بھی مل جاتی ہے (مثلاً) شدید غصہ اور محبت میں انسان ہر چیز سے غافل ہو جاتا ہے۔ میرے ایک باوثوق دوست نے بتایا: اصفہان میں کچھ بدمعاش لوگوں سے میرا جھگڑا ہو گیا مار پیٹ کے دوران میں نے دیکھا ایک آدمی مجھے گھونسے مار رہا ہے میں متوجہ نہ ہوا کہ کیا ہے؟ جب جھگڑا ختم ہو گیا اور میں اپنے آپ میں آیا تو پتہ چلا کہ چاقو سے کئی زخم ان لوگوں نے مجھے لگائے تھے جس کی بنا پر میں کئی دن بستر بیماری پر پڑا رہا۔ اور اس کی وجہ بھی معلوم ہے کہ جب نفس کسی بات کی طرف مکمل طرح سے متوجہ ہو جاتا ہے تو ملک بدن سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور اس کے احساسات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کی نظر میں صرف ایک ہی بات رہتی ہے۔ ہم خود بھی بحث و مباحثہ میں (نعوذ باللہ منہا) دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی بات ہو جائے تو ہم بالکل غافل ہوتے ہیں (بعد میں پتہ چلتا ہے) مگر افسوس ہم ہر چیز کی طرف پوری توجہ رکھتے ہیں سوائے خدا کی عبادت کے۔ اسی لئے ہم کو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ کو پتہ کیسے نہیں چلا؟

بہرحال غیر حق سے قلب کا فارغ ہونا بہت ضروری ہے کہ اور انسان کو چاہیے اسے ہر قیمت

پر حاصل کرنا بھی سہل و ممکن ہے تھوڑی سے مواظبت کے بعد اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کچھ مدت تک انسان کو چاہیئے طائرِ خیال کو اپنے قبضہ میں رکھے اس کو اس شاخ سے اس شاخ پر جانے نہ دے۔ (ایسا کرنے سے) تھوڑی مدت کے بعد رام ہو جائے گا اور (پھر انسان کو بھی) آرام ہو جائے گا اور متفرق امور کی طرف سے اس کی توجہ ہٹ جائے گی اور خیر اس کی عادت بن جائے گی "الخیر عادۃ" اور پھر شخص فارغ البال خدا اور اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔

اور ان سب سے اہم جس کو دیگر امور کا مقدمہ سمجھنا چاہیئے وہ حضورِ قلب ہے کہ یہی روح عبادت ہے اور حقیقتاً اسی سے وابستہ ہے۔ اس کے بغیر عبادت کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ وہ مقبولِ بارگاہ ہو سکتی ہے چنانچہ روایات میں بھی آیا ہے:

«کافي: بِإِسْنادِهِ عَنْ أَبي جَعْفَرٍ وَأَبي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِمَا السَّلامُ، أَنَّهُما قالاَ: إِنَّما لَکَ مِنْ صَلاتِکَ ما أَقْبَلْتَ عَلَيْهِ مِنْها؛ فَإِنْ أَوْهَمَها کُلَّها، أَوْ غَفَلَ عَنْ آدابِها، لُفَّتْ فَضُرِبَ بِها وَجْهُ صاحِبِها.» [8]

حضرت امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ نے (فضیل بن یسار سے) فرمایا: تمھاری نماز تمھارے لئے بس اسی قدر (مفید) ہے جتنے حصہ میں تم کو توجہ قلب حاصل رہی ہو۔ اگر تم نے پوری نماز غلط طریقہ سے پڑھی یا اس کے آداب سے غافل رہے تو اس کو لپیٹ کر پڑھنے والے کے منہ پر مار دی جائے گی۔

«وَرَوَى الشَّيْخُ الأَقْدَمُ، مُحَمَّدُبْنُ الْحَسَنِ [9]، رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فِي التَّهْذيبِ، بِإِسْنادِهِ عَنِ الثُّمالِيِّ قالَ: رَأَيْتُ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلامُ، يُصَلّي؛ فَسَقَطَ رِداؤُهُ عَنْ مَنْكِبِهِ فَلَمْ يُسَوِّهِ حَتّى فَرَغَ مِنْ صَلاتِهِ. قالَ: فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِکَ، فَقالَ: وَيْحَکَ أَتَدْري بَيْنَ يَدَيْ مَنْ كُنْتُ؟ إِنَّ الْعَبْدَ لاَيُقْبَلُ مِنْهُ صَلاةٌ إِلاّ ما أَقْبَلَ مِنْها. فَقُلْتُ: جُعِلْتُ فِداکَ، هَلَکْنا قالَ: کَلاَّ؛ إِنَّ اللّٰهَ مُتَمِّمٌ ذٰلِکَ لِلْمُؤْمِنينَ بِالنَّوافِلِ.» [10]

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں نے امام سجادؑ کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے آپ کی عبا کندھے سے گر گئی اور حضرت نے آخر نماز تک اس کو سیدھا نہیں کیا۔ تو نماز کے بعد میں نے حضرتؑ سے اس

کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تیرے اوپر وائے ہو کیا تو نہیں جانتا میں کس کے سامنے تھا؟ اس بندے کی صرف وہی نماز قبول ہوتی ہے جو توجہ قلب کے ساتھ ہو! میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان جاؤں تب تو ہم لوگ ہلاک ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا: نہیں (بلکہ) خدا اپنے بندے کے لئے اس کی تکمیل نافلہ سے کر دیتا ہے۔

«وَعَنِ الْخِصالِ: بِإِسْنادِهِ عَنْ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلامُ، فِي حَديثِ الْأَرْبَعِمائَةِ، قالَ لاَيَقُومَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاةِ مُتَكاسِلاً وَلاَ ناعِساً، وَلاَيُفَكِّرَنَّ فِي نَفْسِهِ؛ فَإِنَّهُ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ. وَإِنَّما لِلْعَبْدِ مِنْ صَلاتِهِ ما أَقْبَلَ عَلَيْهِ مِنْها بِقَلْبِهِ.»[1]

حدیث اربعمائۃ میں حضرت امیرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: تم میں سے ہرگز کوئی شخص سستی اور اونگھ میں نماز کے لئے نہ کھڑا ہو اور نہ اپنے بارے میں سوچے اس لئے کہ وہ خدا کے سامنے ہے اور خدا بندے کی وہی نماز قبول کرتا ہے جو خلوص دل سے ہو۔

اس طرح کی روایات بہت ہیں۔ اسی طرح توجہ قلبی کے لئے بھی بہت سی روایات ہیں۔ میں یہاں پر ان میں سے بعض کو نقل کرتا ہوں اور اسی پر اکتفا کروں گا کیونکہ اہل اعتبار کے لئے وہ کافی ہے۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، صَدُوقِ الطّائِفَةِ، بِإِسْنادِهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي يَعْفُورٍ، قالَ قالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: يا عَبْدَاللّٰهِ، إِذا صَلَّيْتَ، فَصَلِّ صَلاةَ مُوَدِّعٍ يَخافُ أَنْ لاَيَعُودَ إِلَيْها أَبَداً؛ ثُمَّ اصْرِفْ بِبَصَرِكَ إِلَى مَوْضِعِ سُجُودِكَ. فَلَوْ تَعْلَمُ مَنْ عَنْ يَمينِكَ وَشِمالِكَ، لَأَحْسَنْتَ صَلاتَكَ، وَاعْلَمْ أَنَّكَ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ يَراكَ وَلاَ تَراهُ.»[2]

امام جعفر صادقؑ نے (عبداللہ ابن ابی یعفور سے) فرمایا: اے عبداللہ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح پڑھو کہ گویا یہ آخری وداعی نماز ہے اور یہ خطرہ ہو کہ اب دوبارہ پڑھنے کی نوبت نہ آئے گی۔ اس کے بعد اپنی نظروں کو سجدہ گاہ پر جما دو۔ اگر تم کو یہ معلوم ہو تا کہ تمھارے داہنے اور بائیں کون ہے تو نماز کو بہت اچھی طرح بجا لاتا۔ یہ سمجھ لو کہ تم اس خدا کے سامنے ہو جو تم کو دیکھ رہا ہے مگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔

«وَ بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ، فِي حَدِيثٍ اَنَّهُ قَالَ: لَاُحِبُّ لِلرَّجُلِ الْمُؤْمِنِ مِنْكُمْ اِذَا قَامَ فِي صَلاَةِ فَرِيضَةٍ اَنْ يُقْبِلَ بِقَلْبِهِ اِلَى اللّٰهِ وَلاَ يَشْغُلَ قَلْبَهُ بِاَمْرِ الدُّنْيَا. فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُقْبِلُ بِقَلْبِهِ فِي صَلاَتِهِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالَى، اِلاَّ اَقْبَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِ بِوَجْهِهِ وَاَقْبَلَ بِقُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ اِلَيْهِ بِالْمَحَبَّةِ بَعْدَ حُبِّ اللّٰهِ اِيَّاهُ.»[۱۳]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: میں اس مردِ مومن کو دوست رکھتا ہوں جو جب نمازِ واجب کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو توجہ قلب کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے دل کو کارِ دنیا کی طرف متوجہ نہیں کرتا۔ جو بندہ نماز میں دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوگا خدا بھی اس کی طرف توجہ کرے گا اور اپنی دوستی کے ساتھ قلوب مومنین کو بھی محبت سے اس کی طرف متوجہ کرے گا۔

اب دیکھو یہ کتنی بڑی خوشخبری ہے جو امام جعفر صادقؑ مومنین کو دے رہے ہیں۔ (مگر افسوس کہ بے چارے ہم لوگ معرفت سے محجوب ہیں اور خدا کی توجہ سے بے بہرہ ہیں' خداوندِ عالم کی دوستی کی ہم کو خبر بھی نہیں ہے' ہم خدا دوستی کا قیاس بندوں کی دوستی پر کرتے ہیں۔ اہلِ معرفت کا بیان ہے خدا اپنے محبوب کے لیے رفع حجاب کر دیتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ اس رفع حجاب میں کتنی کرامتیں ہیں۔ اولیا کا سب سے بڑا مقصد اور سب سے اہم اُمید یہی رفع حجاب ہے۔ حضرت علیؑ اور ان کی معصوم اولاد مناجاتِ شعبانیہ میں فرماتے ہیں:

«اِلٰهِي، هَبْ لِي كَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ اِلَيْكَ؛ وَاَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِيَاءِ نَظَرِهَا اِلَيْكَ حَتّٰى تَخْرِقَ اَبْصَارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اِلَى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ، وَتَصِيرَ اَرْوَاحُنَا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ.»[۱۴]

"پروردگار ہم کو کمال انقطاع (عن الدنیا) مرحمت فرما۔ ہمارے دلوں کی آنکھوں کو، ان کی طرف نظرِ (لطف) فرما کر اس طرح کی نورانیت عطا کر دے جس سے دل کی آنکھیں حجاب ہائے نور کو چاک کر کے معدنِ عظمت تک پہونچ جائیں اور ہماری روحیں تیرے عزِ قدس پر جم جائیں۔"

میرے معبود یہ کون سی بصیرتِ قلوب کی نورانیت ہے جس کی خواہش تجھ سے اولیا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس نورانیت کی وجہ سے تجھ سے واصل ہو جائیں؟ بارالٰہا یہ حجابہائے نور کیا ہیں جو ہمارے ائمہ معصومین کی زبانوں پر متداول ہے؟ یہ معدنِ عظمت و جلال اور عزِ قدس و کمال کیا چیز ہے۔

جوان حضرات کا انتہائے مقصد ہے۔ ہم تو اس کے سمجھنے سے بھی آخر تک محروم ہیں اس کے ذوق و شہود کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا؟ پروردگارا! ہم تو تیرے سیاہ رو، اور سیاہ روزگار بندے ہیں ہم کھانے پینے، سونے، بغض و شہوت کے علاوہ نہ کچھ جانتے ہیں نہ جاننے کی فکر میں ہیں۔ (اس لئے) تو ہی ہم پر نظر لطف فرما اور ہم کو اس سے بیدار اور اس مستی سے ہوشیار کر دے۔

بہر حال اہل کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہے جس کی بنا پر انسان کو چاہیے کہ محبت الٰہی حاصل کرنے اور اقبال وجہ اللہ کے لئے اپنی پوری عمر صرف کر دے۔ لیکن ہم جیسے لوگ جو اس وادی میں وارد نہیں ہوئے ہیں اور نہ اس میدان کے مرد ہیں وہ دوسری حدیثوں سے تمسک کرتے ہیں۔

«عَنْ ثَوابِ الْأَعْمالِ بِإِسْنادِهِ عَمَّنْ سَمِعَ أَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ: مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَعْلَمُ ما يَقُولُ فِيهِما، اِنْصَرَفَ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ ذَنْبٌ إِلَّا غَفَرَلَهُ.»[15]

راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص ایسی دو رکعت نماز پڑھے جس میں اس کو معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو جب نماز ختم کرے گا تو اس کے اور خدا کے درمیان جو بھی گناہ ہوں گے وہ بخش دیئے جائیں گے۔

«وَعَنْ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، أَنَّهُ قالَ: رَكْعَتانِ خَفِيفَتانِ فِي تَفَكُّرٍ خَيْرٌ مِنْ قِيامِ لَيْلَةٍ.»[16]

" حضرت رسولؐ نے فرمایا: غور و فکر کے ساتھ دو مختصر رکعتیں ایک رات کی عبادت سے بہتر ہیں۔"

دوسری فصل

جب یہ معلوم ہو گیا کہ عبادتوں کا قلب و روح حضور قلب ہے اور عبادتوں کی نورانیت اور ان کا کمال حضور قلب اور اس کے درجات سے وابستہ ہے تو یہ بھی جان لیجئے کہ حضور قلب کے مراتب میں بعض مرتبے تو صرف اولیائے حق کے لئے مخصوص ہیں اور دوسرے اس بلندی تک پہونچ ہی نہیں سکتے۔ البتہ بعض مرتبے

رعیت کے لئے بھی ممکن الحصول ہیں اور یہ بھی جان لیجئے کہ حضورِ قلب کی بطور کلی دو عمدہ قسم کی تقسیم ہوتی ہے۔

۱۔ عبادتوں میں حضورِ قلب ۲۔ حضورِ قلب در معبود۔

اصل مطلب کو بیان کرنے سے پہلے ایک مقدمہ کا ذکر ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اہلِ معرفت فرماتے ہیں: بابِ عبادات مطلقاً باب معبود ثنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان میں سے ہر ایک خدا کی کسی نعمت پر یا اس کے کسی اسم پر اسکی ثنا کرتا ہے۔ صرف نماز ثنائے حق ہے اپنے تمام اسماء و صفات کے ساتھ۔ بعض احادیث کی شرح" میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ثنائے معبود فطری ہے جس پر تمام بشر کی تخلیق ہوئی ہے اور فطرت حکم دیتی ہے کہ یہ لازمی ہے اور کامل مطلق، جمیل مطلق، منعم مطلق، عظیم مطلق کے لئے خاضع ہے۔

اور چونکہ ذاتِ مقدس کی کیفیت ثنا کو کوئی کشف نہیں کر سکتا اس لئے کہ کیفیتِ ثنا ذات و صفات کی معرفت اور کیفیتِ ارتباط غیب بر شہود و شہود بر غیب پر موقوف ہے اور یہ بات وحی والہام کے بغیر کسی کے لئے ممکن نہیں ہے لہٰذا عبادات مطلقاً توقیفی ہیں (اور بیان شارع پر موقوف ہیں) اور جانبِ خدا سے بیان پر موقوف ہے۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ اپنی طرف سے تشریع کر دے یا عبادت ایجاد کر دے۔ بزرگوں اور بادشاہوں کے یہاں جو تواضع اور احترام مرسوم ہے۔ خداوندِ عالم کی بارگاہ میں اس قسم کے احترام کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص کو چاہیئے کہ آنکھ و کان کھول کر وحی و رسالت کے ذریعہ جو کیفیت عبادت و عبودیت کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کرے۔ اپنی طرف سے کوئی تصرف نہ کرے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بابِ عبادات کا مطلب باب ثنا خوانی معبود ہے تو یہ بھی جان لیجئے کہ حضورِ قلب کی جیسے کہ پہلے اشارہ کیا گیا۔ کی دو بہترین تقسیم ہے۔ ۱۔ عبادت میں حضورِ قلب ۲۔ معبود میں حضورِ قلب۔

حضورِ قلب در عبادت کے بھی بہت سے مرتبے ہیں مگر ان میں عمدہ دو مرتبے ہیں۔ ۱۔ حضور در عبادت اجمالاً۔ ۲: حضور در عبادت تفصیلاً۔

۱۔ حضور در عبادت اجمالاً: کا مطلب ہے کہ عبادت کرتے وقت، چاہے وہ جو بھی عبادت ہو خواہ بابِ طہارت سے ہو مثلاً وضو و غسل یا باب نماز و روزہ و حج اور دیگر امور ہوں سب ہی میں۔ انسان کو اجمالی طور سے اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے کہ وہ معبود کی ثنا کر رہا ہے۔ چاہے اس کو معلوم نہ ہو کہ کون سی ثنا کر رہا ہے اور خدا کے کس اسم کی تلاوت کر رہا ہے۔ ہمارے شیخ عارف کامل[۱۸] اس قسم کی عبادت کے لئے مثال دیا کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص کسی کی مدح میں قصیدہ کہہ کر اسے کسی ایسے بچہ کے حوالہ کر دے

جو اس کا مطلب نہ جانتا ہو بس اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ قصیدہ اس شخص کی مدح میں ہے اور وہ بچہ ممدوح کے سامنے اس کو پڑھے تو وہ بچہ اجمالاً یہ جانتا ہے کہ ممدوح کی مدح کر رہا ہے مگر اس کی کیفیت سے ناواقف ہے۔ اسی طرح ہم لوگ بھی خدا کی ثنا کرنے والے وہ بچے ہیں کہ جن کو معلوم ہی نہیں ہے ان عبادتوں کے کیا اسرار ہیں اور اوضاع الہیہ میں سے کون سی وضع کس اسم سے مربوط ہے اور کس کیفیت کے ساتھ حق کی ثنا ہے۔ بس ہر شخص کو اتنی توجہ ہونی چاہیے کہ یہ کامل مطلق اور ممدوح و معبودِ مطلق کی ثنا ہے کہ خود ذاتِ مقدس نے اس طرح اپنی ثنا کی ہے اور ہم کو حکم دیا ہے کہ خدا کی اس طرح ثنا کیا کریں۔

۲۔ حضورِ قلب در عبادتِ تفصیلاً: اس کا مرتبہ کاملہ خالص اولیائے کرام و اہلِ معارف کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں ہے۔ البتہ بعض پست مرتبہ دوسروں کے لئے ممکن الحصول ہے اور اس (پست مرتبہ) کا پہلا مرتبہ نماز و دعا میں الفاظ کے معانی کی طرف توجہ کرنا ہے ثواب الاعمال کی نقل کردہ ۱۹ سابق روایت میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اسرارِ عبادات کو بقدر امکان سمجھے اور ثنائے معبود کی کیفیت کو ہر اوضاع میں جان لے۔ اہلِ معرفت نے ایک حد تک اسرارِ نماز اور سایر عبادات کو بیان کر دیا ہے اور اخبارِ معصوم علیہم السلام کے اشاروں سے اس کا بقدرِ امکان استفادہ کیا ہے اگر اصل حقیقت کا سمجھنا بہت ہی کم لوگوں کے لئے اتفاق ہوا ہے۔ بہرحال جتنا بھی ذکر ہوا ہے اس کے اہل کے لئے وہی غنیمت ہے۔

اب آیئے حضورِ قلب در معبود تو اس کے بھی کئی مرتبے ہیں جن میں سے تین مرتبے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ تجلیاتِ افعالی میں حضورِ قلب ۲۔ تجلیاتِ اسمائی و صفاتی میں حضورِ قلب ۳۔ تجلیاتِ ذاتی میں حضورِ قلب اور بطورِ کلی ہر ایک کے چار مرتبے ہیں۔

۱۔ مرتبۂ علمی ۲۔ مرتبۂ ایمانی ۳۔ مرتبۂ شہودی ۴۔ مرتبہ فنائی۔

تجلیاتِ افعالیہ میں علماً حضورِ قلب یہ ہے کہ شخصِ سالک و عابد علماً و برہاناً اس بات کو سمجھ لے کہ تمام مراتب وجود اور مشاہد و غیب و شہود ذاتِ اقدس الٰہی کے تجلیٔ فیض کے پرتو ہیں اور عالم طبیعت کے آخری درجہ سے سرچشمۂ ملکوتِ اعلیٰ و جبروتِ اعظم تک سب ہی ایک طور اور ایک قسم سے اس کے پیشگاہِ مقدس میں حاضر ہیں اور سب ہی جلوہ مشیت کے پرتو ہیں جیسا کہ کافی کی حدیث میں ہے۔

«عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: خَلَقَ اللّٰهُ الْمَشِيَّةَ بِنَفْسِهَا، ثُمَّ خَلَقَ الْأَشْيَاءَ بِالْمَشِيَّةِ.» ۲۰

"خداوندِ عالم نے مشیت کو بالذات پیدا کیا اور تمام اشیا کو مشیت کے ذریعہ پیدا کیا" میں ابھی اس مطلب پر برہان قائم کرنا نہیں چاہتا۔ پس شخصِ عابد اگر اس مطلب کو علماً و برہاناً سمجھ لے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ خود اور عبادت و علم و ارادہ و قلب و حرکاتِ قلب، ظاہر و باطن سب ہی پیش گاہ مقدس میں حاضر ہیں بلکہ سب عین حضور ہیں اور اگر اس برہانی مطلب کو قلمِ عقل سے لوحِ قلب پر لکھ لیا جائے اور قلب اپنے علمی و عملی ریاضتوں کے ساتھ اس یقینی و ایمانی قضیہ پر ایمان لائے۔ تو اس وقت حضورِ قلب تجلی پر ایمان لائے گا اور پھر قلب کے تقوائے کامل و مجاہدات و ریاضات اور اس ایمان کے کامل ہونے کے بعد ہدایتِ الٰہی اس کے شاملِ حال ہو جائے گی اور تجلیات افعالی کے ذریعہ اس کے دل کو بالعیان والشہود کا فائدہ حاصل ہو گا اور یہ اس وقت تک رہے گا جب تک قلب بالکلیہ تجلیات کا آئینہ نہ بن جائے اور سالک کو فنا نہ حاصل ہو جائے اور یہی حضور کا آخری مرتبہ ہے جو تجلیات افعالیہ میں فنائے ماضر کی انتہا ہے اور بہت سے اہلِ سلوک اسی فنا میں ابد تک باقی رہیں گے اور اپنے آپے میں نہیں آئیں گے۔

اور اگر ازل میں پرتو فیضِ اقدس سے قلبِ سالک کی صلاحیت اس سے زیادہ ہو تو فنا کے بعد وہ اپنے آپے میں آجاتا ہے اور مانوس ہوتا ہے اور اپنی مملکت کی طرف واپس آجاتا ہے اور تجلیاتِ اسمائیہ کا مورد بن جاتا ہے اور انھیں مراتب کو طے کر کے فنائے صفاتی حاصل کر لیتا ہے اور اپنے عینِ ثابت کی مناسبت سے کسی بھی اسمِ الٰہی میں فانی ہو جاتا ہے اور بہت سے اہلِ سلوک بھی اسی فنائے اسمائی باقی رہ جاتے ہیں اور ہوش میں نہیں آتے اور ہو سکتا ہے کہ: «اِنَّ اَوْلِيَائِي تَحْتَ قِبَائِي لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي.»[21] سے ان اولیا کی طرف اشارہ ہو "میرے اولیا میرے قبوں کے نیچے رہتے ہیں ان کو میرے علاوہ کوئی نہیں پہچانتا۔"

اور اگر تجلی فیضِ اقدس سے اس کی استعداد اس اندازے سے زیادہ ہو تو وہ اس فنا کے بعد بھی انس حاصل کر لیتا ہے اور سالک اپنے آپ میں آجاتا ہے اور تجلیاتِ ذاتیہ کا مورد بن جاتا ہے اور آخری مرتبہ فنائے ذاتی اور فنائے کلی پر اس کی سیر تمام ہو جاتی ہے اور اس کو فنائے تام حاصل ہو جاتی ہے:

«وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ.»[22]

"جو شخص اپنے گھر سے خدا و رسولؐ کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نکلے اور راستہ میں اس کو موت آجائے تو اس کا اجر خدا کے لئے لازم ہے"۔ بعض علما فرماتے ہیں اس سے اولیا اللہ اور سالکین الی اللہ کی طرف اشارہ ہے اور اس سالک کا اجر خدا کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مقام پر پہونچ کر سالک کو بھی افاقہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنی استعداد اور اپنی عین ثابت کے احاطہ کی مناسبت سے ہدایتِ خلق کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے: «یا اَیُّها الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَانْذِرْ»[23] "اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کر لوگوں کو ڈراؤ"۔ اور اگر (کہیں) سالک کی عین ثابت اسمِ اعظم کے تابع ہو گئی تو اسی پر دائرۂ نبوت کو ختم کر دیا جاتا ہے جیسے کہ حضرت رسولؐ پر خاتمہ ہو گیا اور اولین و آخرین میں سے کسی بھی مرسل کا عین ثابت اسمِ اعظم کے تابع نہیں تھا اور نہ ظہور ذات تمام شئون کے لئے تھا۔ (مگر رسولِ اکرمؐ کے یہاں تھی) اسی لئے آپ کی ذات نے تمام شئون کے لئے ظہور پیدا کیا اور غایت ظہور ہدایت کرنے سے ہوا اور کشفِ کلی ہو گیا اور آپ کی ذات پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور اگر بالفرض اس ذاتِ مقدس کی اتباع اور اس کی ہدایت کے سبب کوئی ولی اس مقام تک جائے تو اس کا کشف بھی بعینہ یہی ہوگا اور تشریع میں تکرار نہیں ہوگی۔ لہٰذا دائرۂ نبوت آپ کے وجود پر ختم ہو گیا اور آنحضرتؐ نے اس دائرہ میں آخری اینٹ رکھ دی۔[24] جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

یہ بھی جاننے کی بات ہے جو لوگ ان مقاماتِ مذکورہ کے مالک ہیں ان کی عبادات اور عبادتوں کی معنوی کیفیات ہر ایک کی مختلف اور بہت ہی متفاوت ہیں۔ مناجاتِ خدا سے ہر ایک کے لئے جو حظ و نصیب ہے وہ دوسرے اس شخص کے لئے جو اس مرتبہ پر نہیں پہونچا وہ حظ و نصیب اس کے لئے نہیں ہے اور امام جعفر صادقؑ کے لئے عبادت میں جو بات حاصل ہوئی ہے وہ دوسرے کے لئے نہیں ممکن ہے۔ چنانچہ سید ابنِ طاووسؒ کی فلاح السائل میں منقول ہے کہ:

«فَقَدْ رُوِيَ اَنَّ مَولٰانا، جعفرَبْنَ مُحَمَّدِ الصّادِقَ، عَلَيْهِ السَّلامُ، كانَ يَتْلُو الْقُرْآنَ فِي صَلاتِهِ، فَغُشِيَ عَلَيْهِ فَلَمّا اَفاقَ سُئِلَ مَا الَّذِي اَوْجَبَ ما انْتَهَتْ حالُكَ اِلَيْهِ؟ فَقالَ ما مَعْناهُ: ما زِلْتُ اُكَرِّرُ آياتِ الْقُرْآنِ حَتّٰى بَلَغْتُ اِلٰى حالٍ كَاَنَّنِي سَمِعْتُها مُشافَهَةً مِمَّنْ اَنْزَلَها عَلَى الْمُكاشَفَةِ وَالْعِيانِ، فَلَمْ تَقُمِ الْقُوَّةُ الْبَشَرِيَّةُ بِمُكاشَفَةِ الْجَلالَةِ الْاِلٰهِيَّةِ.»[25]

امام جعفر صادقؑ نماز میں تلاوت قرآن فرما رہے تھے کہ آپ کو غش آگیا۔ جب ہوش میں

آئے تو پوچھا گیا کیا بات تھی جس سے آپ کی یہ حالت ہوگئی تھی؟ تو حضرتؑ نے جو جواب دیا اس کا ماحصل یہ ہے: میں آیاتِ قرآن کی تکرار کر رہا تھا کہ اتنے میں میری حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں بالمشافہ وبعیان اس کو اس ذات سے سُنا جس نے ان کو نازل کیا تھا۔ پھر مکاشفہ جلالیہ کو بشری طاقت نہ برداشت کر سکی" اور میری یہ حالت ہوگئی جو تم نے دیکھا۔

اور جو حالت رسولِ اکرمؐ پر طاری ہوتی تھی وہ تو کسی بھی موجود کو نہیں حاصل ہو سکی چنانچہ حدیث میں ہے: «لِي مَعَ اللّٰهِ حَالٌ لَا يَسَعُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ.» ٢٦ "خدا کے ساتھ میرا حال ایسا ہے جس کو نہ کوئی ملک مقرب برداشت کرتا ہے نہ نبی مرسل" خیر چھوڑیئے اس مطلب کو جس میں ہمارا کوئی نصیب ہی نہیں ہے سوائے لفظ کے۔ البتہ ہم جیسے لوگوں کے لئے جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہم جن مقامات اولیا سے محروم ہیں ان کا انکار بھی نہ کریں بلکہ تسلیم کرلیں کیونکہ امرِ اولیا کا تسلیم کرنا بہت مفید ہے اور نعوذ باللہ اس کا انکار بہت مُضر ہے «اَللّٰهُمَّ اِنِّي مُسَلِّمٌ لِاَمْرِهِمْ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِينَ.» ٢٧ "خدایا ہم ان کے امر کو تسلیم کرتے ہیں ان سب پر خدا کی رحمت نازل ہو۔"

تیسری فصل

جب تک قلب کو عبادتوں کی اہمیت نہ سمجھائی جائے اس وقت تک عبادتوں میں حضورِ قلب نہیں حاصل ہو سکتا اور اہمیت کا سمجھانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک عبادتوں کے اسرار و حقائق نہ سمجھ میں آجائیں اور اسرار و حقائق کا سمجھنا اگرچہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ لیکن ایک حد تک ہم جیسے لوگوں کے لئے جو مناسب ہے اور اخبارِ اہلِ بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے اور اہلِ معرفت کے کلمات سے مفہوم ہوتا ہے اس کتاب کی مناسبت سے میں یہاں ذکر کرتا ہوں۔

ہم نے پہلے بھی مکرر اشارہ کیا ہے کہ تمام اعمالِ حسنہ اور افعال عبادیہ کے لئے ان کی ایک باطنی ملکوتی صورت ہوتی ہے اور قلبِ عابد میں اس کا ایک اثر ہوتا ہے۔ صورت باطنی تو وہی ہے جس سے عالمِ برزخ اور بہشتِ جسمانی کی آبادکاری ہوا کرتی ہے کیونکہ زمین بہشت ایک چٹیل میدان ہے وہاں کوئی چیز نہیں ہے جیسا کہ روایت میں ہے ٢٨ بہشت کی آبادکاری انھیں اعمال واذکار سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے! ٢٩ قرآنِ مجید کی بہت سی آیات تجسمِ اعمال پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً: «فَمَنْ

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ.» ۳۰ «جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہے وہ اس کو دیکھے گا۔» اور اسی طرح «قَوْلُهُ: وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِراً.» ۳۱ «اور جو کچھ ان لوگوں نے (دنیا میں) کیا تھا اس کو (لکھا ہوا) موجود پائیں گے۔» اور جو روایات تجسم اعمال اور ان کی غیبی ملکوتی صورتوں پر دلالت کرتی ہیں وہ متفرق ابواب میں بہت ہیں۔ میں صرف بعض کا ذکر کرتا ہوں۔

«رَوَى الصَّدُوقُ، قُدِّسَ سِرُّهُ، بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللَّهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوضَاتِ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا وَأَقَامَ حُدُودَهَا، رَفَعَهَا الْمَلَكُ إِلَى السَّمَاءِ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، تَقُولُ: حَفِظَكَ اللَّهُ كَمَا حَفِظْتَنِي، اِسْتَوْدَعَنِي مَلَكٌ كَرِيمٌ. وَمَنْ صَلَّاهَا بَعْدَ وَقْتِهَا مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ وَلَمْ يُقِمْ حُدُودَهَا، رَفَعَهَا الْمَلَكُ سَوْدَاءَ مُظْلِمَةً، وَهِيَ تَهْتِفُ بِهِ: ضَيَّعْتَنِي ضَيَّعَكَ اللَّهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي، وَلَا رَعَاكَ اللَّهُ كَمَا لَمْ تَرْعَنِي.» ۳۲

«امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: جو شخص واجبی نمازوں کو ان کے اول وقت میں پڑھے گا اور ان کے حدود کو قائم کرے گا یعنی پورے اجزاء و شرائط کے ساتھ بجالائے گا تو ملک اس کو آسمان کی طرف لے جائے گا اس حالت میں کہ وہ سفید و پاکیزہ ہوگی (اور) وہ نماز کہے گی جس طرح تو نے میری حفاظت کی خدا تیری حفاظت کرے۔ ملک کریم نے مجھے بطور امانت رکھ لیا اور جو شخص ان واجبی نمازوں کو کسی عذر کے بغیر اول وقت کے بعد پڑھے گا اور اس کے حدود کو قائم نہ رکھے گا تو ملک اس کو لے جائے گا اس حالت میں کہ وہ تاریک و سیاہ ہوں گی اور چیخ (چیخ) کر کہہ رہی ہوں گی تو نے مجھے برباد کیا جس طرح تو نے مجھے برباد کیا خدا تجھے برباد کرے اور جس طرح تو نے میری رعایت نہ کی خدا تیری رعایت نہ کرے۔»

اس حدیث سے جس طرح عمل کی ملکوتی صورت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس کی زندگی اور شئونِ زندگی بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کا برہان ہے اور روایات کی دلالت اس پر ہے کہ تمام موجودات حیاتِ ملکوتی رکھتے ہیں اور عالمِ ملکوت سراسر زندگی و علم ہے: «وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ.» ۳۳ «اور آخرت ہی (ابدی زندگی) ہے۔»

«وَفِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللَّهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ: إِذَا بَعَثَ اللَّهُ الْمُؤْمِنَ مِنْ قَبْرِهِ، خَرَجَ مَعَهُ مِثَالٌ يَتَقَدَّمُ أَمَامَهُ؛ كُلَّمَا يَرَى الْمُؤْمِنُ

هٰؤُلَاءِ مِنْ اَهْوَالِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ لَهُ الْمِثَالُ: لَاتَفْزَعْ وَلَاتَحْزَنْ وَاَبْشِرْ بِالسُّرُوْرِ وَالْكَرَامَةِ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ؛ حَتّٰى يَقِفَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَيُحَاسِبُهُ حِسَاباً يَسِيْراً وَيَأْمُرُبِهِ اِلَى الْجَنَّةِ، وَالْمِثَالُ اَمَامَهُ؛ فَيَقُوْلُ لَهُ الْمُؤْمِنُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، نِعْمَ الْخَارِجُ خَرَجْتَ مَعِيْ مِنْ قَبْرِيْ وَمَازِلْتَ تُبَشِّرُنِيْ بِالسُّرُوْرِ وَالْكَرَامَةِ مِنَ اللّٰهِ حَتّٰى رَاَيْتُ ذٰلِكَ. فَيَقُوْلُ: مَنْ اَنْتَ؟ فَيَقُوْلُ: اَنَا السُّرُوْرُ الَّذِيْ كُنْتَ اَدْخَلْتَهُ عَلٰى اَخِيْكَ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا؛ خَلَقَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ لِاُبَشِّرَكَ. «[۲۴]

"کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا: جب خدا مومن کو اس کی قبر سے اٹھائے گا تو اس کے ساتھ ایک مثال بھی نکلے گی جو اس مومن کے آگے آگے چلے گی۔ مومن جب بھی قیامت کے کسی ہول کو دیکھے گا تو وہ مثال کہے گی: ڈرو نہیں اور غمگین نہ ہو خدا کی طرف سے سرور و کرامت کی بشارت ہو۔ یہاں تک کہ وہ مومن خدا کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہوگا اور خدا اس سے معمولی سا حساب لے گا اور جنت میں جانے کا حکم دیدے گا اور وہ مثال اس کے آگے آگے رہے گی۔ پھر مومن اس مثال سے کہے گا: خدا تجھ پر رحمت نازل کرے تو وہ بہترین چیز ہے جو میرے ساتھ نکلی تو میرے ساتھ قبر سے نکلی اور برابر خدا کی طرف سے مسرّت و کرامت کی خوشخبری دیتی رہی یہاں تک کہ میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب ذرا بتا تو کون ہے؟ تو وہ مثال کہے گی: میں وہ سرور ہوں جو تو دنیا میں اپنے برادر مومن کے دل میں ڈالتا رہا تھا۔ خداوند عالم نے مجھے اسی سے خلق کیا ہے تاکہ تجھے خوشخبری دوں۔"

اس حدیث میں بھی آخرت میں اعمال کے تجسم و تمثل پر واضح دلالت موجود ہے اور شیخ اجل جناب شیخ بہائیؒ [۲۵] نے بھی اسی حدیث کے ذیل میں فرمایا ہے: بعض اخبار تجسم اعتقادات پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ پس صحیح اعمال و عقائد خوش منظر اور نورانی صورت میں ظاہر ہوں گے اور اپنے عمل کرنے والوں کے لئے کمال سرور و مسرت کا سبب ہوں گے اور برے اعمال و باطل عقائد بری اور قبیح و ظلمانی صورت میں ظاہر ہوں گے جو اپنے کرنے والوں کے لئے باعث اندوہ و دردناک ہوں گے۔ چنانچہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت: «يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَراً وَ مَا

عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهُ اَمَدًا بَعِيْدًا۔» ۳۶ «جس دن ہر شخص جو کچھ اس نے (دنیا میں) نیکی کی ہے اور جو کچھ برائی کی ہے اس کو موجود پائے گا (اور) آرزو کرے گا کہ کاش اس کی بدی اور اس کے درمیان میں زمانۂ (دراز) حائل ہوجاتا۔» کے ذیل اسی بات کو کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت ہم کو خدا کے اس قول کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ «يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ...» ۳۷ «اس دن لوگ گروہ گروہ (اپنی قبروں سے) نکلیں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں» اور جو لوگ آیت میں جزا کو مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں «لِيُرَوْا جَزَاءَ اَعْمَالِهِمْ» ہے اور «یرہ» کی ضمیر کو عمل کی طرف نہیں پلٹاتے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ انتہیٰ مترجما ۳۸

اس جگہ پر بعض جلیل القدر محدثین کا عجیب و غریب کلام ہے ۳۹ جس کا ذکر کرنا بہتر ہے اور ان کے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ ان کو گمان ہے کہ تجسیم اعمال کے عقیدہ اور معاد جسمانی کے عقیدے میں تضاد ہے حالانکہ یہ مطلب تضاد نہیں رکھتا ہے بلکہ اس کا موکد ہے اور لفظ «تمثل» جو یہاں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے: فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا» ۴۰ «تو وہ اچھے خاصے آدمی کی صورت بن کر ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔» میں آیا ہے یعنی حقیقتاً بصورت جسمانیت متمثل ہوتا ہے نہ کہ صرف وہم و گمان اور خواب کی صورت میں ملک متمثل ہوتا ہے اور یہ بات برہانِ قوی کے مطابق ہے جو اپنی جگہ مسلم ہے۔ محض ہماری عقل میں نہ آنے کی وجہ سے اور مذہب حکما و فلاسفہ کے مطابق ہونے کی وجہ سے اس کو ناپسند نہیں کیا جاسکتا۔ بہترین بات یہی ہے کہ مخبر پروردگار اور معصومینؑ میں سر تسلیم خم کرلیا جائے۔

بس معلوم ہوا کہ جو عمل مقبولِ بارگاہِ ایزدی ہوجائے وہ اچھی صورت کا ہوتا ہے اور اپنی مناسبت سے حور و قصور اور جنات عالیات اور انہار جاریات کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ کائنات کے اندر کوئی موجود بلاوجہ متحقق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں ایک عقلی ارتباط ہوتا ہے بس اتنی بات ضرور ہے کہ کامل اولیاء کے علاوہ کوئی اس کو کشف نہیں کرسکتا۔ اجمالاً یہ باتیں میزانِ عقل کے تحت ہیں اور برہانِ حلمی کے مطابق ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ آخرت کی زندگی اور لذت کا دار و مدار اعمال سے وابستہ ہے اور اعمال کی صورت کمالیہ ہی اس عالم میں منتقل ہوا کرتی ہے اور اعمال سے مراد وہ عبادتیں ہیں جو کشف تام محمدیؐ کے طفیل ملتِ مسلمان اس پر اطلاع ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حسنِ عمل اور کمالِ عمل، نیت و اقبالِ قلب اور حفظ حدود کے تابع ہے اور اگر کسی عمل میں یہ تمام صفات یا بعض نہ ہوں تو وہ عمل

درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ بلکہ اپنی بُری و قبیح صورت کے ساتھ دوسرے عالم میں منتقل ہوگا جیسا کہ اخبار و آثار میں بھی یہی آیا ہے۔" تو ہر عالمِ غیب و اخبارِ انبیا و اولیا اور اہلِ معرفت پر ایمان لانے والے اور حیاتِ ابدی و زندگیٔ جاوید کے خواہش مند حضرات کے لئے ضروری ہے کہ ہر قیمت پر زحمت برداشت کرکے اور ریاضت کے ذریعہ اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور پھر جب ظاہری طور سے ان کی صورت قواعدِ اجتہادؔ یا آرائے فقہا کے مطابق ہو تو پھر سیرت اور ان کے باطن کے لئے کوشش کرے اور زحمت برداشت کرکے کم از کم واجبات کو حضورِ قلب کے ساتھ بجا لائے اور نوافل کے ذریعہ اس کے نقصان کا جبران کرے۔ اس لئے کہ احادیث میں آیا ہے کہ نوافل فرائض کی کمی کو پورا کر دیتے ہیں اور فرائض کی قبولیت کا سبب بنتے ہیں۔ (چنانچہ ملاحظہ فرمائیے۔)

«فِي الْعِلَلِ بِإسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ، قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَتِ النَّافِلَةُ لِيَتِمَّ بِهَا مَا يَفْسُدُ مِنَ الْفَرِيضَةِ.»[41]

علل میں اپنی اسناد کے ساتھ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: نافلہ کو اس لئے (مستحب) قرار دیا گیا ہے تاکہ فریضہ کی کمی کو اس سے کامل کر دیا جائے۔"

«وَرَوَى الشَّيْخُ، قُدِّسَ سِرُّهُ، بِإسْنَادِهِ عَنْ أَبِي بَصِيرٍ، قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ: يُرْفَعُ لِلرَّجُلِ مِنَ الصَّلاَةِ رُبْعُهَا أَوْ ثُمْنُهَا أَوْ نِصْفُهَا أَوْ أَكْثَرُ بِقَدْرِ مَا سَهَا؛ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُتِمُّ ذٰلِكَ بِالنَّوَافِلِ.»[42]

شیخؒ نے اپنی اسناد کے ذریعہ ابو بصیر سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: "امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: انسان کی نماز کا ۱/۴ یا ۱/۸ یا ۱/۲ حصہ یا جتنا سہوؔ ہوا ہے اس سے کچھ زیادہ بلند کیا جاتا ہے (یعنی قبول کیا جاتا ہے) لیکن ما بقی کو خدا نوافل کے ذریعہ مکمل کر دیتا ہے۔"

اس قسم کی روایات بہت ہیں اور یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ ہم لوگ سہو و نسیان سے خالی نہیں ہیں (اسی طرح) اختلالِ حواس اور وہ چیزیں نماز یا کمالِ نماز کے منافی ہیں ان سے بھی خالی نہیں ہیں

لہ :۔ بقدر ما سہا: اس حدیث کا مطلب جیسا کہ دوسری روایات میں آیا ہے یہ ہے کہ نماز کا اتنا ہی حصّہ قبول ہوتا ہے جو توجہ قلب کے ساتھ بجا لایا جائے لہٰذا بقدر ما سہا اصل نسبت کا بیان ہے نہ کہ جو مقبول ہوتا ہے اور احتمال ہے کہ سہو کے معنی یہاں سکونِ قلب اور لینِ قلب کے ہوں کیونکہ سہو بمعنی سکون و لین آیا ہے جیسا کہ جوہری نے کہا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس نے نوافل کو فرائض کے نقص کا جبران قرار دیا ہے اسی لئے ضروری ہے کہ حتی الامکان اس سے غفلت نہ کریں اور نوافل کو ترک نہ کریں۔

بہرحال میرے عزیز ذرا غفلت سے بیدار ہو اور اپنے بارے میں غور کرو اور نامۂ اعمال کو دیکھو۔ اس بات سے ڈرو کہ اپنے خیال سے جس نماز، روزہ، حج وغیرہ کو تم عمل صالح سمجھتے تھے کہیں وہ عالم آخرت میں تمہارے لئے ذلت و رسوائی کا سبب نہ بن جائیں۔ اس لئے جب تک تم کو اس عالم میں فرصت ہے خود ہی میزانِ عمل قائم کرو اور میزانِ شریعت و ولایت اہل بیتؑ میں اپنے اعمال کو تولو اور ان کے صحت و فساد، نقص و کمال کو جانچ لو اور ان کا جبران کر لو۔ کیونکہ اگر یہاں پر محاسبہ نہ کیا اور اپنے اعمال کو درست نہ کیا اور وہاں تمہارے اعمال کی جانچ کی گئی اور میزانِ عمل قائم کی گئی تو بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ میزانِ عدل الٰہی سے ڈرو۔ کسی چیز پر مغرور نہ ہو، اپنی کوششوں میں کمی نہ کرو ذرا کبھی آلِ رسولؐ جو گناہ و خطا سے معصوم تھے ان کے اعمال کو دیکھو اور اس میں غور کرو تو پتا چلے گا کہ مسئلہ کتنا سخت ہے اور راہ تاریک و باریک ہے۔ لیجئے اس حدیث کو پڑھئے اور حدیثِ مفصّل کو اس مجمل سے سمجھئے۔

«عَنْ فَخْرِ الطَّائِفَةِ وَ سِنادِها وَ ذُخْرِ ها وَ عِمادِها، مُحَمَّدِبْنِ النُّعْمانِ الْمُفِيدِ رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فِي الْاِرْشادِ عَنْ سَعِيدِبْنِ كُلْثُوم، عَنِ الصّادِقِ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍ، عَلَيْهِما السَّلامُ، قالَ: وَاللّٰهِ، ما اَكَلَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيطالِب، عَلَيْهِ السَّلامُ، مِنَ الدُّنْيا حَراماً قَطُّ حَتّٰى مَضىٰ لِسَبِيلِهِ، وَما عَرَضَ لَهُ اَمْرانِ كِلاهُما لِلّٰهِ رِضاً اِلَّا اَخَذَ بِاَشَدِّهِما عَلَيْهِ فِي بَدَنِهِ (خ ل: دِينِهِ)، وَما نَزَلَتْ بِرَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، نازِلَةٌ قَطُّ اِلَّا دَعاهُ ثِقَةً بِه، وَما اَطاقَ اَحَدٌ عَمَلَ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ غَيْرُهُ، وَاِنْ كانَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ رَجُلٍ كانَ وَجْهُهُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنّارِ يَرْجُو ثَوابَ هٰذِهِ وَيَخافُ عِقابَ هٰذِهِ. وَلَقَدْ اَعْتَقَ مِنْ مالِهِ اَلْفَ مَمْلُوكٍ فِي طَلَبِ وَجْهِ اللّٰهِ وَالنَّجاةِ مِنَ النّارِ مِمّا كَدَّ بِيَدَيْهِ وَرَشَحَ مِنْهُ جَبِينُهُ. وَاِنَّهُ كانَ لَيَقُوتُ اَهْلَهُ بِالزَّيْتِ وَالْخَلِّ وَالْعَجْوَةِ؛ وَما كانَ لِباسُهُ اِلَّا الْكَرابِيسَ؛ اِذا فَضَلَ شَيْءٌ عَنْ يَدِهِ، دَعا بِالْجَلَمِ فَقَصَّهُ. وَما اَشْبَهَهُ مِنْ وُلْدِهِ وَلا اَهْلِ بَيْتِهِ اَحَدٌ اَقْرَبُ شَبَهاً بِهِ فِي لِباسِهِ وَفِقْهِهِ مِنْ عَلِيِّ بْنِ

الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. وَلَقَدْ دَخَلَ اَبُو جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، اِبْنُهُ عَلَيْهِ فَإِذَا هُوَ قَدْ بَلَغَ مِنَ الْعِبَادَةِ مَا لَمْ يَبْلُغْهُ اَحَدٌ: فَرَآهُ قَدِ اصْفَرَّ لَوْنُهُ مِنَ السَّهَرِ وَرَمِصَتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْبُكَاءِ وَدَبِرَتْ جَبْهَتُهُ وَانْخَرَمَ اَنْفُهُ مِنَ السُّجُودِ وَوَرِمَتْ سَاقَاهُ وَقَدَمَاهُ مِنَ الْقِيَامِ فِي الصَّلَاةِ. وَقَالَ اَبُو جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: فَلَمْ اَمْلِكْ حِينَ رَاَيْتُهُ بِتِلْكَ الْحَالِ الْبُكَاءَ فَبَكَيْتُ رَحْمَةً لَهُ فَإِذَا هُوَ يُفَكِّرُ فَالْتَفَتَ اِلَيَّ بَعْدَ هُنَيْئَةٍ مِنْ دُخُولِي، فَقَالَ: يَا بُنَيَّ، اَعْطِنِي بَعْضَ تِلْكَ الصُّحُفِ الَّتِي فِيهَا عِبَادَةُ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَاَعْطَيْتُهُ. فَقَرَاَ فِيهَا شَيْئًا يَسِيرًا، ثُمَّ تَرَكَهَا مِنْ يَدِهِ تَضَجُّرًا، وَقَالَ: مَنْ يَقْوَى عَلَى عِبَادَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ.» ۴۴

امام جعفر صادق فرماتے ہیں: خدا کی قسم حضرت علیؑ نے دنیا سے کبھی بھی مرتے دم تک حرام شئی نہیں کھائی اور جب بھی ایسے دو امر پیش آئے جس میں خدا کی خوشنودی ہو تو آپ نے ان میں سے اسی کو اختیار کیا جو آپؑ کے بدن کے لئے زیادہ شدید ہو (دوسرے نسخے میں ہے جو آپ کے دین کے لئے زیادہ سخت ہو) اور رسولؐ خدا پر جب بھی کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ ہی کو پکارا ہے کیونکہ ان پر بہت زیادہ بھروسہ رکھتے تھے اور اس پوری امّت میں کسی کو (سوائے علیؑ کے) آنحضرتؐ کے عمل کی طاقت نہیں تھی۔ آپؑ جو کچھ بھی عمل کرتے تھے خدا کے خوف کے ساتھ کرتے تھے اور آپؑ کا عمل جنّت و نار کے درمیان ہوتا تھا (یعنی) اس کے ثواب کی اُمید رکھتے تھے اور اس کے عقاب سے خوفزدہ تھے۔ خدا کی خوشنودی اور جہنّم سے آزادی کی خاطر اپنے کدیمین کی کمائی اور ایسی محنت کی کمائی جس سے پسینہ ٹپکنے لگے؛ اس سے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد فرمایا۔ آپؑ کے اہل و عیال کی غذا روغنِ زیتون، سرکہ اور کھجور تھی۔ آپؑ کا لباس سوتی کپڑا تھا۔ اگر آستین لمبی ہوتی تھی تو قینچی لے کر خود ہی کاٹ دیتے تھے۔ آپؑ کی اولاد اور اہلِ بیتؑ میں لباس اور فقہ میں امام زین العابدینؑ سے زیادہ کوئی مشابہ نہ تھا۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) آپؑ کے صاحبزادے امام محمد باقرؑ آپؑ کی خدمت میں آئے تو دیکھا حضرتؑ عبادت میں اس حد تک پہونچ گئے تھے جس حد تک کوئی نہیں پہونچا تھا (آپؑ نے دیکھا کہ) امام سجّادؑ کا رنگ شب بیداری سے زرد ہو چکا ہے اور گریہ وزاری سے آنکھیں سوج گئی

تھیں (کثرتِ سجود) سے پیشانی زخمی ہوگئی تھی اور ناک پارہ ہوگئی تھی۔ نماز میں کثرتِ قیام سے پنڈلیاں اور قدمِ مبارک ورم کر گئے تھے (یہ دیکھ کر) امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: میں اپنا گریہ نہ روک سکا میں رحم کھا کر رونے لگا اور آپ متفکر تھے۔ میرے داخل ہونے کے تھوڑی دیر بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بیٹا بعض ان اوراق کو مجھے دو جن میں حضرت علیؑ کی عبادت درج ہے۔ میں نے دیا۔ آپؑ نے تھوڑا سا پڑھ کر ناگواری کی حالت میں اس کو رکھ کر فرمایا: بھلا کون حضرت علیؑ جیسی عبادت کر سکتا ہے؟"

وَعَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، يُصَلِّي فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ اَلْفَ رَكْعَةٍ، وَكَانَتِ الرِّيحُ تُمِيلُهُ مِثْلَ السُّنْبُلَةِ.» ۴۵

امام محمد باقرؑ فرماتے تھے: امام سجادؑ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہوا ان کو (حالتِ نماز میں) بالیوں کی طرح ہلا دیتی تھی۔

میرے عزیز ان حدیثوں میں تھوڑا سا غور کرو۔ دیکھو تو امام باقرؑ جو معصوم تھے اپنے باپ کی شدّتِ عبادت اور کیفیتِ عبادت کو دیکھ کر روتے تھے۔ امام زین العابدینؑ اتنی پابندی اور کمالِ عبادت کے باوجود صحیفۂ علیؑ ابنِ طالبؑ کو تھوڑا سا پڑھ کر اظہارِ عاجزی فرماتے تھے۔ ویسے یہ صحیح ہے کہ مولی الموالی کی عبادت سے سب ہی عاجز ہیں اور معصومین کی عبادت سے ہر رعایا عاجز ہے لیکن انسان کو مقامِ عالی تک نہ پہونچ سکنے کی وجہ سے بالکل ہی (نماز کو) نہ چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ بھی جان لیجئے کہ یہ عبادتیں (معاذ اللہ) بیکار نہ تھیں بلکہ خطرناک و باریک راستہ ہے اور موت و قیامت کی گھاٹیاں اتنی مشکل ہیں کہ حقیقی اہلِ معرفت بھی عجز و زاری کیا کرتے تھے اور ہماری یہ سُست انگاری ہمارے ایمان کی کمزوری اور عقیدہ کی کمزوری اور جہالت و نادانی کی وجہ سے ہے۔

بار الٰہا! تو بندوں کے دلوں سے آگاہ ہے۔ ہمارے قصور و تقصیر سے واقف ہے، ہماری کمزوری و ناتوانی سے مطلع ہے۔ سوال کرنے سے پہلے ہی تو نے ہم کو اپنی رحمتوں میں غرق کر دیا ہے۔ تیری نعمتیں بے مانگے اور تیرا فضل و کرم ہے۔ ہم اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہیں، تیری غیر متناہی نعمتوں کا ہم نے کفران کیا ہے اپنے کو عذابِ الیم اور دخولِ جحیم کا مستحق جانتے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ تُو نے خود ہی اپنے انبیا کی زبانوں سے اپنے فضل و کرم، وسعت جود و رحمت کا تعارف کرایا ہے اور ہم اپنی استعداد کے مطابق تجھے انھیں صفات سے

جاتے ہیں تو ایک مشت خاک سے رحمت وفضل کے علاوہ کیا کرے گا؟

«اَیْنَ رَحْمَتُکَ الْوَاسِعَةُ؟ اَیْنَ اَیَادِیْکَ الشَّامِلَةُ؟ اَیْنَ فَضْلُکَ الْعَمِیْمُ؟ اَیْنَ کَرَمُکَ یَا کَرِیْمُ؟» ۴۶

"تیری وسیع رحمت کہاں ہے؟ تیری سب کو شامل نعمتیں کہاں ہیں؟ تیرا فضلِ عام کہاں ہے؟ اے کریم تیرا کرم کہاں گیا؟"

چوتھی فصل

عبادت کے لئے فراغت غنائے قلب کا سبب ہوتا ہے

یہ بات جاننی چاہیئے کہ غنا نفس کے صفاتِ کمالیہ میں سے ہے بلکہ موجود بما ھُو موجود کے صفاتِ کمالیہ میں سے ہے اسی لئے خداوندِ عالم کے صفاتِ ذاتیہ میں سے غنا کا شمار ہوتا ہے۔ (لیکن) ثروت مندی اور مالداری یہ غنائے نفسانی کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جو لوگ غنائے نفسانی کے مالک نہیں ہیں۔ وہ مال و منال، دولت و ثروت رکھنے کے باوجود حریص ہوتے ہیں اور ان کی حرص بڑھتی جاتی ہے اور چونکہ خداوندِ عالم کے علاوہ کوئی بھی بالذات غنی نہیں ہے اور تمام موجودات خاک سے لے کر افلاک تک اور ہیولائے اولیٰ سے لے کر جبروت تک سب ہی فقیر و ضرورت مند ہیں۔ اس لئے قلبی توجہ جا ہے جتنی غیرِ خدا کی طرف ہو اور باطنی توجہ ملک و آبادی دُنیا کی طرف ہو۔ اس کا احتیاج و فقر بڑھتا جائے گا۔ قلبی وروحی احتیاج تو بہت ہی واضح ہے کیونکہ محض علاقہ مندی اور تعلق ہی افتقار و احتیاج ہے اور احتیاجِ خارجی جو افتقارِ قلبی کا مولد ہے وہ بھی زیادہ ہوتا جائے گا۔ اس لئے کہ کوئی بھی شخص خود بخود اپنے امور کا انتظام نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس سلسلہ میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے اور اربابِ ثروت چاہے بظاہر بے نیاز معلوم ہوتے ہوں لیکن اگر دقّتِ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جتنی ان کی ثروت بڑھتی جاتی ہے ان کے احتیاج میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور نیاز مندی بڑھتی ہی جاتی ہے یوں سمجھئے کہ ثروت مند حضرات وہ فقراء ہیں جو مالداری کا لباس پہنے ہیں اور ایسے نیاز مند ہیں جو بے نیازی کے لباس میں ہیں اور (یہ مُسلّم ہے کہ) تدبیرِ امور اور دُنیا کی آبادکاری کی طرف

دل جتنا متوجہ ہوگا۔ اسی قدر دنیا سے علاقہ بڑھے گا، ذلت و رسوائی کا لباس زیادہ ہوگا، ذلت کی تاریکی اور احتیاج کی زیادتی اس کو اور گھیرے گی۔ اس کے برعکس جو دنیا کے علاقہ بندی سے دور ہو اور قلبی طور سے غنی علی الاطلاق کی طرف متوجہ ہو یا موجودات کے فقر ذاتی کا قائل ہو اور یہ سمجھ لے کہ موجودات خود سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ کوئی بھی قدرت و عزت و سلطنت نہیں ہے جس نے گوشِ دل سے ہاتف ملکوتی اور لسانِ غیبی خدا کی طرف سے اس آیت کو نہ سنا ہو:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ»[47]

"اے لوگو تم سب کے سب (ہر وقت) خدا کے محتاج ہو اور (صرف) خدا ہی سب سے بے پروا، سزاوار حمد (و ثنا) ہے اور" جو اس کا دل سے قائل ہوگا" وہی دونوں عالم سے بے نیاز ہوگا اور اس کا دل اتنا مستغنی ہو جائے گا کہ مُلکِ سلیمان بھی اس کی نظروں میں ہیچ نظر آئے گا۔ اگر زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کو پیش کی جائیں تو وہ اعتنا نہ کرے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضرت رسولِ ؐ کو پیش کیں۔ مگر آنحضرتؐ نے تواضع فرمائی اور قبول نہیں فرمایا اور اپنی فقیری کو باعثِ فخر قرار دیا۔[48] حضرت علیؑ نے ابنِ عباس سے فرمایا: تمھاری یہ دنیا میری نظر میں میری اس پیوند زدہ جوتی سے بھی بدتر ہے![49] حضرت سید سجادؑ نے فرمایا: مجھے یہ بات ناگوار ہے کہ دنیا کو خالقِ دُنیا سے طلب کروں چہ جائیکہ اپنی جیسی مخلوق سے طلب کروں[50] اور رعیت کے سلسلہ میں جناب نجم[51] الدین کبریٰ شدید و غلیظ قسموں کے بعد فرماتے ہیں: اگر مال و منال دنیا اور بہشت و حور و قصور آخرت مجھے عطا کی جائے اور اسی کے مالداروں کی صحبت بھی ہو اور دوسری طرف شقاوت دنیا و آخرت کے ساتھ فقیروں کی ہم نشینی ہو اور مجھے اختیار دیدیا جائے جو چاہوں لوں تو میں فقیروں کی ہم نشینی کو لوں گا (مگر) مالداروں کی صحبت کے عار کو نہیں خریدوں گا: «وَالنَّارُ خَيْرٌ مِنَ الْعَارِ»[52]

جی ہاں یہ حضرات جانتے تھے کہ خواہشِ دنیا اور مال و منال دنیا امیروں کی صحبت کے ساتھ قلب کو کتنا تاریک بنا دیتی ہے اور ارادہ کو کتنا ضعیف قرار دیتی ہے اور کتنا ناچیز قرار دیتی ہے اور قلب کو نیاز مند و فقیر بنا دیتی ہے اور (سب سے بڑی بات یہ ہے کہ) کامل علی الاطلاق کے نقطہ مرکزی سے غافل بنا دیتی ہے۔ لیکن اگر دل کو صاحبِ دل اور گھر کو صاحب خانہ کے سپرد کر دیجیے اور خود اس میں کوئی تصرف نہ کیجیے اور دوسروں سے اعراض کیجیے اور گھر کو غاصب کے حوالہ نہ کیجیے تو خود صاحب خانہ دل میں جلوہ فگن ہوتا ہے اور دل کو دریائے عزت و غنا میں غرق کر دیتا ہے۔ قلب کو بے نیازی سے بھر دیتا ہے۔ «وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ»[53] "عزت تو صرف خدا و رسولؐ اور مومنین کے

لئے ہے۔" اور پھر صاحبِ خانہ ہی گھر کے امور کا ارادہ کرتا ہے اور انسان کو اس کے حوالہ نہیں کر دیتا۔ (بلکہ) بندے کے تمام امور میں خود متصرف ہوتا ہے۔ بلکہ وہی بندے کی سماعت و بصارت اور ہاتھ پاؤں بن جاتا ہے اور نتیجۂ قربِ نوافل پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

«كَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثٍ: وَإِنَّهُ لَيَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتَّى أُحِبَّهُ؛ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَلِسَانَهُ الَّذِي يَنْطِقُ بِهِ، وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا... اَلْحَدِيثَ.» ۵۴

کافی میں بسندِ خود ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ: (خدا فرماتا ہے) "میرا بندہ اپنے نوافل سے مجھ سے قریب ہوجاتا ہے اور (جب قریب ہوجاتا ہے تو) میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کی وہ زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے۔"

اس کے بعد بندے کا فقر و فاقہ بالکلیہ ختم ہوجاتا ہے اور وہ دونوں عالم سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ البتہ جب یہ تجلی ہوتی ہے تو تمام موجودات سے اس کا خوف دور ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ خوفِ خدا لے لیتا ہے اور خدا کی عظمت و حشمت اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے اور وہ غیرِ حق کے لئے نہ کوئی عظمت نہ حشمت نہ تصرف کا قائل ہوتا ہے اور «لَا مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُودِ إِلَّا اللّٰهُ» کی حقیقت کو قلب دریافت کر لیتا ہے اور اس حدیث میں بعض ان معانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "میری عبادت کے لئے فراغت حاصل کرو اور تمہارے دل کو غنا سے بھر دوں گا" اور یہ فراغتِ قلب ممکن ہے انسان کو رفتہ رفتہ حضورِ قلب برائے عبادت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دے۔

یہ وہ آثار ہیں جن کا تھوڑا سا ذکر کیا گیا۔ اگر دل (ذکرِ) حق سے منصرف ہوگیا اور اس کی طرف توجہ کے لئے فراغت نہ رہ گئی تو یہ غفلت تمام شقاوتوں کا سرمایہ اور تمام نقائص وام الامراضِ قلوب کا سرچشمہ بن جاتا ہے اور اس غفلت کی وجہ سے پورے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے اور قلب و خدا کے درمیان ایسے بڑے موٹے پردے پڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے نورِ ہدایت وہاں تک جا ہی نہیں سکتا اور وہ الٰہی توفیقات سے محروم ہوجاتا ہے اور پھر دل یک دم سے دنیا اور تعمیرِ بطن و فرج میں مشغول ہوجاتا ہے اور انیت و انانیت کے پردے میں ڈوب جاتا ہے اور نفس سرکش ہوجاتا ہے اور انانیت کی طرف بڑھنے لگتا ہے

اور اس کی ذاتی ذلت اور حقیقی فقر واضح ہوجاتا ہے اور اس کے تمام حرکات و سکنات پیش گاہِ حق سے دور ہوتے جاتے ہیں اور ذلت شامل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بعض ان معانی کی تعبیر کی گئی ہے: (ارشاد ہے) ''میں تیرے دل کو اشتغال بہ دُنیا سے بھر دوں گا اور اس کے فقر و فاقہ کو بند نہ کروں گا اور تمام امور کو اسی کے حوالہ کر دوں گا۔''

نکتہ

یہ جو کہا گیا ہے کہ خدا بندے کے حوالے کر دیتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو تفویض کر دیتا ہے اس لئے کہ یہ بات مشربِ عرفان و مسلکِ برہان و مذہبِ حق کے نزدیک محال و باطل ہے کیونکہ کوئی بھی موجود تصرفِ حق اور اس کی قدرت کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ اس کا امر تصرف امور میں اس کے حوالہ نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ بندہ خدا سے منحرف ہوتا ہے اور امورِ دنیاوی میں مشغول ہوجاتا ہے، طبیعت اس پر حاکم ہوجاتی ہے، انانیت غالب آجاتی ہے، خود بینی و خود خواہی و خود پرستی اس میں کارگر ہوجاتی ہے۔ بس اسی بات کو بندے کے حوالہ کر دینے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن جس بندے کا دل خدا اور ملکوتِ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہے اور اس کے پورے دل کو نورِ حق نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے اس کے تصرفات مجبوراً حقانی بلکہ بعض اوقات اس کا وجود بھی حقانی ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ کافی کی حدیث میں تقربِ نوافل کے ضمن میں بعض انہی مقامات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ''وَ اللّٰہُ الْعَالِمُ۔''

ستائیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد۲ ص ۸۲ "کتاب ایمان وکفر" باب العبادۃ' حدیث ۱۔

۲۔ فروع کافی جلد۳ ص ۲۶۹ "کتاب الصلوٰۃ" باب من حافظ علی صلوٰۃ او ضیعہا' حدیث ۱۷۔

۳۔ فروع کافی جلد۳ ص ۲۷۰ "کتاب الصلوٰۃ" باب من حافظ علی صلاتہ او ضیعہا' حدیث ۱۵۔

۴۔ حدیث ۱۶' توضیح ۲۳۔

۵۔ کشف المحجۃ ص ۲' فصل ۴۸۔

۶۔ امام محمد باقرؑ نے اپنے باپ کے لئے فرمایا:

«كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ يُصَلِّي فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ أَلْفَ رَكْعَةٍ وَكَانَتِ الرِّيحُ تُمِيلُهُ بِمَنْزِلَةِ السُّنْبُلَةِ. وَكَانَتْ لَهُ خَمْسُمِأَةِ نَخْلَةٍ؛ فَكَانَ يُصَلِّي عِنْدَ كُلِّ نَخْلَةٍ رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ، غَشِيَ لَوْنَهُ لَوْنٌ آخَرُ وَكَانَ قِيَامُهُ فِي صَلَاتِهِ قِيَامَ الْعَبْدِ الذَّلِيلِ بَيْنَ يَدَيِ الْمَلِكِ الْجَلِيلِ. كَانَ أَعْضَاؤُهُ تَرْتَعِدُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ. وَكَانَ يُصَلِّي صَلَاةَ مُوَدِّعٍ يَرَى أَنَّهُ لَا يُصَلِّي بَعْدَهَا أَبَدًا.» "آپؑ کے پاس پانچ سو خرمے کے درخت تھے اور آپ ہر درخت کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ نماز میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے جیسے کوئی عبد ذلیل ملکِ جلیل کے سامنے کھڑا ہو۔ خوفِ خدا سے آپؑ کے اعضاء کانپتے تھے اور ہر نماز ایسی پڑھتے تھے جیسے یہ آخری ہے اس کے بعد نماز کی نوبت نہیں آئے گی۔ بحار جلد۴۶ ص ۸۰ "تاریخ سیّد الساجدین" باب ۵ حدیث ۷۵۔

۷۔ جامع السعادات جلد۱ ص ۲۲۸۔

۸۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۲۶۳ "کتاب الصلوٰۃ" باب مایقبل من صلوٰۃ الساہی، حدیث ۴۔

۹۔ حدیث ۱، توضیح ۲۰۔

۱۰۔ وسائل جلد ۴ ص ۶۸۸، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۶۔

۱۱۔ خصال ص ۶۱۲، "باب الواحد الی المأۃ" حدیث ۱۰۔ وسائل جلد ۴ ص ۶۸۵، کتاب الصلوٰۃ باب ۲ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۴۔

۱۲۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۵۷، "ثواب الصلوٰۃ" حدیث ۲ وسائل الشیعہ جلد ۴ ص ۶۸۵، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۶۔

۱۳۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۱۹۳ "ثواب الورع والزہد والاقبال الی اللہ" حدیث ۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۴ ص ۶۸۶ "کتاب الصلوٰۃ" باب ۲ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۶۔

۱۴۔ بحار جلد ۹۱، ص ۹۷۔ ۹۹ کتاب الذکر والدعا، باب ۳۲، حدیث ۱۲، اقبال الاعمال، اعمال ماہ شعبان، مصباح التہجد وسلاح التعبد ص ۳۷۔

۱۵۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۶۷، "ثواب من صلی رکعتین یعلم مایقول فیھما" حدیث ۱ وسائل جلد ۴ ص ۶۸۶ "کتاب الصلوٰۃ" باب ۳ از ابواب افعال الصلاۃ حدیث ۲۔

۱۶۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال "ثواب من صلی رکعتین خفیفتین فی تفکر" ص ۶۷، ۶۸، حدیث ۱۔ وسائل جلد ۴ ص ۶۸۸، کتاب الصلوٰۃ باب ۳ از ابواب افعال الصلوٰۃ، حدیث ۵۔

۱۷۔ ص/ ۲۴۴

۱۸۔ مرحوم شاہ آبادی مراد ہیں۔

۱۹۔ ص/ ۵۳۸

۲۰۔ اصول کافی جلد ۱ ص ۱۱۰، "کتاب التوحید" باب الارادۃ انہا من صفات الفعل حدیث ۴۔

۲۱۔ حدیث ۹، توضیح ۱۷۔

۲۲۔ سورۂ نساء آیت ۱۰۰۔

۲۳۔ سورۂ مدثر آیت ۱۔۲۔

۲۴۔ رسولِ خدا نے فرمایا:

«مَثَلِي فِي النَّبِيِّينَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَحْسَنَهَا وَأَكْمَلَهَا وَأَجْمَلَهَا وَتَرَكَ فِيهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ لَمْ يَضَعْهَا فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِالْبُنْيَانِ وَيَعْجَبُونَ مِنْهُ وَيَقُولُونَ: لَوْ تَمَّ مَوْضِعُ هٰذِهِ اللَّبِنَةِ. فَأَنَا فِي النَّبِيِّينَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ.» "انبیا کے درمیان میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بہت عمدہ، مکمل اور خوبصورت گھر بنایا ہو۔ (لیکن) اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو۔ اس کے بعد لوگ اس گھر کا طواف کرنے لگے اور اس پر تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کاش اس اینٹ کی جگہ بھی پر ہو گئی ہوتی پس میں انبیا میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔ کنز العمال جلد ۱۱ ص ۴۴۲ حدیث ۳۱۹۸۱۔

فلاح السائل ص ۱۰۷-۱۰۸ "ذکر ادب العبد فی قرآئت القرآن فی الصلوٰۃ"
۲۵۔ فلاح السائل ص ۱۰۷-۱۰۸ "ذکر ادب العبد فی قرآئت القرآن فی الصلوٰۃ"
۲۶۔ اربعین مجلسیؒ (ص ۱۷۷، شرح حدیث ۱۵) حدیث کے اندر "حالت" کے بجائے (وقت) کی لفظ آئی ہے۔
۲۷۔ اس کا ترجمہ متن میں گذر چکا۔
۲۸۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۱۰۲۰۔
۲۹۔ حدیث ۲۲ توضیح ۱۸۔
۳۰۔ سورۂ زلزال آیت ۷-۹
۳۱۔ سورۂ کہف آیت ۴۹۔
۳۲۔ امالی ص ۲۵۶ "مجلس الرابع والاربعون" حدیث ۱۰۔ اس کتاب میں استودعنی ملک کریم کے بجائے «اِسْتَوْدِعَكَ اللّٰهُ كَمَا اسْتَوْدَعَنِي مَلَكاً كَرِيماً.» آیا ہے۔ وسائل جلد ۳ ص ۹۰ "کتاب الصلوٰۃ" باب ۲ از ابواب المواقیت، حدیث ۱۷۔ دوسری کتابوں میں یہ حدیث، حدیثِ امالی کے مطابق ہے۔
۳۳۔ سورۂ عنکبوت آیت ۶۴۔
۳۴۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۹۰ "کتاب ایمان وکفر" باب ادخال السرور علی المومنین، حدیث ۸۔
۳۵۔ حدیث ۱۔ توضیح ۱۶۔
۳۶۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۳۰۔
۳۷۔ سورۂ زلزال آیت ۶۔
۳۸۔ اربعین، ص ۲۹۲، شرح حدیث ۲۳۔
۳۹۔ مرآۃ العقول جلد ۹، ص ۹۵، کتاب ایمان وکفر، باب ادخال السرور علی المومنین، حدیث ۸۔
۴۰۔ سورۂ مریم آیت ۱۷۔
۴۱۔ علل الشرائع جلد ۲ ص ۳۲۹، باب ۲۴، حدیث ۴، وسائل جلد ۳، ص ۵۴، کتاب الصلوٰۃ "باب ۱۷" از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۱۰۔
۴۲۔ حوالہ سابق حدیث ۱۲۔
۴۳۔ حدیث ۱، توضیح ۲۱۔
۴۴۔ ارشاد ص ۲۵۵-۲۵۶، باب ذکر طرف من اخبار علی ابن الحسینؑ۔
۴۵۔ ارشاد ص ۲۵۶، باب ذکر طرف من اخبار علی ابن الحسینؑ۔
۴۶۔ اس کا ترجمہ متن میں گزر چکا۔
۴۷۔ سورۂ فاطر آیت ۱۵۔
۴۸۔ حدیث ۱۵، توضیح ۲۲۔
۴۹۔ ابنِ عباس کہتے ہیں:
«قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ: دَخَلْتُ عَلٰى اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ (ع) بِذِي قَارٍ، وَهُوَ يَخْصِفُ نَعْلَهُ، فَقَالَ لِي: مَا قِيمَةُ هٰذَا النَّعْلِ؟ فَقُلْتُ: لَاقِيمَةَ لَهَا فَقَالَ (ع): وَاللّٰهِ، لَهِيَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اِمْرَتِكُمْ اِلَّا اَنْ اُقِيمَ

حَقًّا اَوْ اَدْفَعَ بَاطِلاً۔" میں مقام "ذی قار" میں حضرت علیؑ کے پاس گیا اور آپ اپنی جوتی ٹانک رہے تھے۔ مجھ سے پوچھا:
اس جوتی کی کیا قیمت ہے؟ میں نے کہا کوئی قیمت نہیں ہے، فرمایا: خدا کی قسم یہ تمھاری حکومت سے زیادہ مجھے محبوب ہے مگر
یہ کہ میں کسی حق کو قائم کروں اور باطل کو روک دوں۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳۳ ص ۱۰۲۔

۵۰۔ علل جلد ا ص ۲۲۰۔ باب ۱۶۵، حدیث ۲۔

۵۱۔ احمد بن عمر بن محمد (۵۴۰۔ ۶۱۸ ق) خوارزم کے رہنے والے اور صوفی تھے۔ نجم الدین کے نام سے مشہور تھے۔ صوفیوں کے
مشہور مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی تالیفات میں رسالۃ الی الھائم عن لومۃ اللائم، فواتح الجمال، منازل السائرین، منہاج السالکین ہیں۔

۵۲۔ مناہج السالکین ص ۱۵۷، المنہج السادس۔

۵۳۔ سورۂ منافقون آیت ۸۔

۵۴۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۳۵۲، کتاب ایمان و کفر "باب من اذی المسلمین" حدیث ۸۔

اٹھائیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلی ثِقَةِ الْاِسْلامِ، مُحَمَّدِبْنِ یَعْقُوبَ الْکُلَیْنِيِّ، رَحِمَهُ اللّٰهُ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ یَحْیی، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ خالِدٍ؛ وَالْحُسَیْنِ بْنِ سَعِیدٍ جَمِیعاً، عَنِ الْقاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبْدِالصَّمَدِبْنِ بَشِیرٍ، عَنْ بَعْضِ اَصْحابِهِ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلامُ، قالَ قُلْتُ: اَصْلَحَکَ اللّٰهُ، مَنْ اَحَبَّ لِقاءَاللّٰهِ، اَحَبَّ اللّٰهُ لِقاءَهُ؟ وَمَنْ اَبْغَضَ لِقاءَاللّٰهِ، اَبْغَضَ اللّٰهُ لِقاءَهُ؟ قالَ: نَعَمْ قُلْتُ: فَوَاللّٰهِ، اِنّا لَنَکْرَهُ الْمَوْتَ. فَقالَ: لَیْسَ ذٰلِکَ حَیْثُ تَذْهَبُ. اِنَّما ذٰلِکَ عِنْدَالْمُعایَنَةِ: إِذا رَأی ما یُحِبُّ فَلَیْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یَتَقَدَّمَ عَلَی اللّٰهِ، وَاللّٰهُ تَعالی یُحِبُّ لِقاءَهُ، وَهُوَ یُحِبُّ لِقاءَاللّٰهِ حِینَئِذٍ. وَاِذا رَأی ما یَکْرَهُ، فَلَیْسَ شَيْءٌ اَبْغَضَ اِلَیْهِ مِنْ لِقاءِاللّٰهِ، وَاللّٰهُ یُبْغِضُ لِقاءَهُ.»

ترجمہ: راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: اَصْلَحَکَ اللّٰهُ (خدا آپ کی اصلاح کرے) کیا جو شخص خدا کے دیدار کا مشتاق ہو خدا بھی اس کے دیدار کا مشتاق ہوتا ہے؟ اور کیا جو

شخص خدا کی ملاقات سے ناراض ہو خدا بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے۔ راوی نے کہا: خدا کی قسم ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: تم جو خیال کر رہے ہو وہ مطلب نہیں ہے۔ بلکہ یہ موت کے دیکھنے کے وقت ہوا کرتا ہے کہ جب وہ مرتے وقت اپنی محبوب چیزوں کو دیکھتا ہے تو ملاقاتِ خدا سے زیادہ کوئی شئی اس کے نزدیک محبوب نہیں ہوتی اور خدا بھی اس کی ملاقات کو اسی طرح دوست رکھتا ہے جس طرح وہ خدا کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اور جب (مرتے وقت) ایسی چیزوں کو دیکھتا ہے جس کو ناپسند کرتا ہے تو اس کے سامنے دیدارِ خدا سے زیادہ کوئی چیز مبغوض نہیں ہوتی اور خدا بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

شرح: اصلحک اللّٰہ: یہ دعائے خیر ہے اور دُعا میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کی دُعا دی جا رہی ہے وہ شئی اس میں نہیں ہے (مثلاً اگر کوئی آپ سے کہے خدا آپ کو تندرست رکھے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ مریض ہیں اس لئے تندرستی کی دُعا دے رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تندرستی ہے تو باقی رہے نہیں ہے تو عطا کرے) بلکہ متعارف یہی ہے کہ اگرچہ مضمون حاصل ہو پھر بھی اس کی دُعا دی جاتی ہے۔ لہٰذا امام جعفر صادقؑ کو راوی نے جو صلاح و سداد کی دُعا دی ہے وہ بھی بنا بر متعارف ہی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: «غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ» خدا آپ کو بخش دے «عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ» خدا آپ کو معاف کرے۔ یہ جملے بھی بطورِ دُعا ان ذواتِ مقدسہ کے لئے درست ہے اور بعض حضرات نے اس آیہ مبارکہ «لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ»[۲] تاکہ (خدا تمھاری اُمّت کے" اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردے۔ کو بھی اسی مطلب پر حمل کیا ہے اور انھوں نے کہا ہے: یہ آیت اس قوت میں ہے کہ کہا جائے «غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ.» [۲] اس میں حصولِ مضمون کا ہونا ملحوظ نہیں ہے۔ اگرچہ یہ احتمال آیت میں بعید ہے اور میں گزشتہ حدیثوں کی کسی حدیث کی شرح میں اس کو بیان کر چکا ہوں[۲] لیکن اصل مطلب کہ ان انشائات میں حصولِ مضمون بحسب واقع غالباً ملحوظ نہیں ہوتا۔ بہرحال صحیح ہے۔

لِقَاءَ: لام کو فتحہ بھی ہے کسرہ بھی ہے یہ "لَقِيَ" بروزن "رَضِيَ" کا مصدر ہے۔ اسی طرح «لِقَاءَةً وَلِقَايَةً وَلِقْياً وَلِقْيَاناً وَلِقْيَانَةً» یہ سب لام کے کسرہ سے ہیں اور «وَلُقْياً وَلُقًى وَلُقْيَاناً وَلُقْيَةً وَلُقْيَانَةً» یہ سب لام کے ضمہ سے ہیں یہ سب کے سب (چاہے لام کے ضمہ سے ہوں یا کسرہ سے) مصدر ہیں۔ اس کے معنی رویت و دیدار کے ہیں۔ اب کے بعد اس کتاب کے مناسبت سے لقاءُ اللّٰہ کا بیان کیا جائے گا۔

اَبْغَضَ: یہ بابِ افعال سے ہے اور "بُغْضَ" مثل «كَرُمَ وَنَصَرَ وَفَرِحَ. بَغَاضَةً» فهو

بغیض یہ حب کا ضد ہے اور "بغضۃ وبغضاء" بغض کی شدت ہے۔ مختصر یہ کہ حب اور بغض ایک دوسرے کے ضد اور صفاتِ نفسانیہ میں سے ہیں وجدانی طور پر ان کی حقیقت واضح ہے جیسے دیگر وجدانیات اور صفاتِ نفسانیہ کہ ان کے ذاتی حقائق واضح ہیں۔ بیان کے محتاج نہیں ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ محبت و بغضِ خدا کے اعتبار سے کس طرح صحیح ہے اس کا بیان آئے گا۔

قَوْلُهُ: «اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ» چونکہ راوی کی نظر میں موت اور لقاءاللہ ایک دوسرے کے لازم ہیں اور یا پھر لقاءاللہ سے مُراد نفس موت تھی اس لئے اس نے کراہت از موت کی تعبیر کراہت از لقاءاللہ سے کی اور یہ سوال کیا اور حضرت نے جواب دیا کہ مطلق کراہت معیار نہیں ہے۔ بلکہ مرتے وقت آثارِ ملکوت اور دیگر عوالم کا مشاہدہ کرنا معیار ہے۔

قَوْلُهُ: «لَيْسَ ذٰلِكَ حَيْثُ تَذْهَبُ» اس جملہ کی تعبیر جو اس کے مطابق ہو فارسی میں نہیں ہے۔ بلکہ فارسی میں اس بات کی تعبیر اس طرح ہوگی، جہاں میرا گمان ہے، میں نے جو گمان کیا ہے میرے ذہن میں ہے (وغیرہ) عربی میں بھی اس تعبیر کا مطلب گمان کرنے کے ہی ہیں اور عربی میں اس طرح کی تعبیرات بہت ہیں۔ بلکہ "ذھاب" اور اس کے مشتقات کی متعارف تعبیر ذھاب وہم وعقیدہ وغیرہ ہے اور اسی اعتبار سے مذہب کہا جاتا ہے اور یہ استعارہ پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ ذھاب عینی و خارجی سے ماخوذ ہے۔

قَوْلُهُ: «عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ» معاینہ باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ جب تم کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھو تو کہا جاتا ہے: «وَعَايَنْتُ الشَّيْءَ عِيَاناً، اِذَا رَأَيْتَهُ بِعَيْنِكَ.»[5] اور وقت احتضار اور وقت موت کو اس کو "معاینہ" کہا جاتا ہے کہ اس عالم کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اور چشم غیبی ملکوتی کھل جاتی ہے اور ملکوت کے کچھ آثار اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے بعض آثار و اعمال و احوال کا معاینہ کر لیتا ہے۔ حدیث شریف کی جو چیزیں محتاج ذکر ہیں ان کو میں مناسب طور سے چند فصلوں میں ذکر کروں گا اور خدا ہی پر بھروسہ ہے۔

پہلی فصل

لقاءاللہ اور اس کی کیفیت

لقاءاللہ کے سلسلہ میں آیات واحادیث خواہ صریحی ہوں یا بطور اشارہ یا کنایہ آئی ہوں بکثرت

ہیں اس مختصر سی کتاب میں ان کے تفصیلی ذکر کی گنجائش تو نہیں ہے۔ البتہ اختصار کے ساتھ میں ان کی طرف اشارہ کروں گا۔ ہاں اگر کسی کو تفصیل کی ضرورت ہو تو مرحوم عارف باللہ الحاج میرزا جواد تبریزیؒ کے رسالہ "لِقَاءُ اللّٰہ" کی طرف رجوع کرے جس کے اندر کافی حد تک روایات کو جمع کر دیا گیا ہے۔

بعض علما و مفسرین نے "لِقَاءُ اللّٰہ" کا راستہ بالکل بند کر دیا ہے اور تمام مشاہدات عینیہ و تجلیاتِ ذاتیہ و اسمائیہ کا انکار کر دیا ہے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ ذاتِ خدا منزہ ہے۔ "لِقَاءُ اللّٰہ" کے سلسلہ کی تمام آیات و روایات کو یوم آخرت کے لِقَاءُ اور روزِ ثواب و جزا و سزا پر حمل کیا ہے اور یہ حمل اگرچہ مطلق لِقَاءُ اور بعض آیات و اخبار کے لحاظ سے بعید نہیں ہے۔ لیکن بعض معتبر دعاؤں اور معتبر کتابوں میں مذکور روایتوں اور بعض مشہور قسم کی ان روایتوں کے "جن سے بڑے بڑے علما نے استشہاد کیا ہے" کے سلسلہ میں یہ عمل بعید اور بارد قسم کا ہے۔

آپ یہ جان لیجیے کہ جن علما نے لِقَاءُ اللّٰہ اور مشاہدہ جلال و جمالِ الٰہی کے راستہ کو بند نہیں کیا ہے ان کا مطلب یہ (ہرگز) نہیں ہے کہ کنہ ذات کا ادراک ممکن ہے یا علمِ حضوری میں مشاہدۂ عینی روحانی اور ذاتِ محیط علی الاطلاق کا احاطہ ممکن ہے (نہیں نہیں) بلکہ علم کلی اور اس کے قدیم ہونے کی حقیقت اور عرفان شہودی اور قدم بصیرت میں اس کا ممتنع ہونا ایک امر برہانی ہے اور عقلاً اور اربابِ معارف و قلوب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جو حضرات "لِقَاءُ اللّٰہ" کے مدعی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ تقوائے تام و تمام اور قلب کا تمام عوالم سے بالکلیہ اعراض اور ترک نشأتین اور انیت و انانیت کے سر پہ پیر رکھنے اور خدا کے اسما و صفات کی طرف اقبالِ کلی اور توجہ تام کرنے کے بعد اور عشق و محبتِ ذات میں غرق ہونے کے بعد اور قلبی ریاضتوں کے بعد سالک کے لئے ایک صفائے قلبی پیدا ہو جاتی ہے جو تجلیاتِ اسمائیہ و صفاتیہ کا مورد بن جاتی ہے اور (پھر) اسما و صفات اور بندے کے درمیان جو موٹے اور تاریک حجاب ہوتے ہیں وہ پھٹ (یا ہٹ) جاتے ہیں اور بندہ قدس و جلال سے متعلق ہو جاتا ہے اور تعلقِ تامِ ذاتی پیدا کر لیتا ہے۔ اس حالت میں پہونچ کر سالک کی روح مقدس اور خدا کے درمیان سوائے اسما و صفات کے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔

اور بعض اربابِ سلوک کے لئے تو یہ بھی ممکن ہے کہ حجاب نوری اسمائی و صفاتی بھی ختم ہو جائے اور وہ تجلیاتِ ذاتی غیبی حاصل کرے اور خود کو ذاتِ مقدس سے متعلق دیکھنے لگے اور اس مشاہدہ میں خدا کے احاطۂ قیومی اور اپنے فنائے ذاتی کا مشاہدہ کرے اور اپنی نظروں سے اپنے اور تمام موجودات کے وجودِ ظلِّ حق دیکھنے لگے۔ چنانچہ دلیل سے ثابت ہے کہ خدا اور مخلوقِ اول جو تمام مواد و علائق سے

مجرد ہے، کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ بلکہ برہانی طور پر مطلق مجردات کے لیے (بھی) کوئی حجاب نہیں ہے۔ اسی طرح یہ قلب (سالک) جو وسعت و احاطہ میں مجردات کے ہم افق ہو چکا ہے۔ بلکہ ان کے سروں پر پیر رکھ چکا ہے اس کے اور حق کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے۔ چنانچہ کافی اور توحید کی حدیث میں ہے «اِنَّ رُوحَ الْمُؤْمِنِ لَاَشَدُّ اِتِّصالاً بِرُوحِ اللّٰهِ مِنِ اتِّصالِ شُعاعِ الشَّمْسِ بِها.»

"سورج کی شعاعیں جتنا سورج سے متصل ہوتی ہیں اس سے کہیں زیادہ شدید اتصال مومن کی روح اور خدا میں ہوتا ہے۔"

مناجات شعبانیہ جو علما کی نظر میں مقبول ہے اور اس کے کلمات گواہی دیتے ہیں کہ یہ معصوم کا کلام ہے اس میں ہے،

«اِلٰهِي، هَبْ لِي كَمالَ الْاِنْقِطاعِ اِلَيْكَ، وَاَنِرْ اَبْصارَ قُلُوبِنا بِضِياءِ نَظَرِها اِلَيْكَ حَتّٰى تَخْرِقَ اَبْصارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اِلٰى مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ، وَتَصِيرَ اَرْواحُنا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ. اِلٰهِي، وَاجْعَلْنِي مِمَّنْ نادَيْتَهُ فَاَجابَكَ وَلاحَظْتَهُ فَصَعِقَ لِجَلالِكَ فَناجَيْتَهُ سِرّاً وَعَمِلَ لَكَ جَهْراً.» [8]

"خدایا مجھے اپنی طرف مکمل انقطاع عطا کر، ہمارے دلوں کے ابصار کو ان کی طرف نظر کے (انا) منور کر دے کہ دلوں کی آنکھیں حجابہائے نور کو چاک کر دیں اور (چاک کر کے) معدن عظمت تک پہونچ جائیں اور ہماری روحیں تیرے عزّ قدس سے معلق ہو جائیں۔ پروردگار! مجھے ان لوگوں میں قرار دے جن کو تو نے (جب بھی) پکارا تو انھوں نے جواب دیا۔ اور (جب) تو نے ان کی طرف دیکھا تو تیرے جلال کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ پس تو نے ان سے سرگوشی کی اور اس نے تیرے لئے عمل کیا۔"

قرآن مجید میں معراج کے سلسلہ میں ہے «ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى، فَكانَ قابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى.» [9] "پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا پھر قریب ہوا۔ پس دو کمان یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔" اور یہ مشاہدہ حضوریہ فنائیہ نہ تو عدم حصول کنہ ذات اور عدم احاطۂ ذات کے برہان سے اور نہ ہی اخبار و آیات سے منافات رکھتا ہے بلکہ آیات و احادیث کا موید ہے۔

اب آپ فیصلہ کیجئے کہ اس قسم کے حمل بار دسے کیا فائدہ ہے؟ کیا حضرت علیؑ کے اس قول: «فَهَبْنِي صَبَرْتُ عَلٰى عَذابِكَ، فَكَيْفَ اَصْبِرُ عَلٰى فِراقِكَ.» [10] "تو فرض کرلے

کہ تیرے عذاب پر صبر کر لوں گا لیکن تیرے فراق پر کیونکہ صبر کر سکتا ہوں؟" اور اولیا کے سوز و گداز کو (محض) حور و قصور پر حمل کیا جاسکتا ہے؟ کیا جو فرماتے تھے: میں خدا کی عبادت نہ شوقِ بہشت میں کرتا ہوں نہ خوفِ دوزخ سے بلکہ آزاد لوگوں جیسی عبادت کرتا ہوں اور صرف خدا کے لئے عبادت کرتا ہوں۔" اور پھر ان کے فراق کے نالوں کو فراقِ بہشت اور ماکولات و مشتہیات پر حمل کیا جاسکتا ہے؟ افسوس یہ نہایت ہی ناپسندیدہ بات ہے اور غیر پسندیدہ حمل ہے۔ کیا شبِ معراج، جمالِ حق کی تجلیات اور اس محفل کو جس میں کسی موجود کے دخل کا کیا سوال ہے جہاں امین وحی جیسا محرم اسرار بھی موجود نہ تھا (اس کے بارے میں یہ) کہا جاسکتا ہے کہ صرف بہشت اور اس کے بہترین محلوں کو دکھانا مقصود تھا؟ اور صرف انوارِ عظمت و جمال اور نعمتوں کی نمائش مقصود تھی؟ کیا جو تجلّیات معتبر دعاؤں میں موجود ہیں اور انبیا کو دکھایا گیا ہے وہ صرف نعمتوں، کھانے پینے، باغات اور قصروں سے عبارت تھیں؟

افسوس (یہ ہے کہ) ہم لوگ بے چارے طبیعت کے حجابِ ظلمانی میں گرفتار ہیں، اُمید دل اور آرزوؤں کی زنجیروں میں جکڑے ہیں۔ کھانے، پینے، نکاح، جیسی چیزوں کے علاوہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اگر کوئی صاحبِ نظر یا صاحبِ دل ان حجابوں سے پردہ اٹھانا چاہے تو ہم سوائے اس کو غلطی اور خطا پر بتانے کے کچھ نہیں کر سکتے اور جب تک ہم عالمِ ملک کے ظلمانی کنویں میں گرفتار ہیں۔ صاحبانِ معارف و مشاہدات کی کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے۔ لیکن میرے عزیز اولیا کا اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ انبیا و اہلِ معارف کے بارے میں گمان نہ کرو کہ ان کے دل ہماری طرح ہیں۔ ہمارے دلوں پر توجۂ دنیا کا غبار اور شہوتوں کی (گرد) جمی ہوئی ہے۔ شہوتوں میں ڈوب جانے کی وجہ سے ہم کبھی تجلیاتِ حق کا آئینہ نہیں بن سکتے اور نہ جلوئے محبوب کے لائق ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس خود بینی و خود خواہی و خود پرستی کی وجہ سے جمال و جلال حق کی تجلّیات کو نہیں سمجھ سکتے (یہی نہیں) بلکہ اولیا اور اہلِ معرفت کے کلام کو جھٹلانے لگتے ہیں اور اگر بظاہر تکذیب نہ بھی کریں تو دل سے بہر حال جھٹلاتے ہیں اور اگر جھٹلانے کا کوئی راستہ نہ مل سکے۔ مثلاً ہم رسولؐ اور ائمہ کے قائل ہوں تو توجیہ و تاویل کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ معرفت خدا کا دروازہ ہی بند کر دیتے ہیں۔ (حالانکہ اسفار میں ہے)۔

«مَا رَأَیْتُ شَیْئاً اِلَّا وَرَاَیْتُ اللّٰہَ مَعَہٗ وَقَبْلَہٗ وَفِیْہِ»[۲] "میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کے ساتھ اور جس سے پہلے اور جس کے بعد خدا کو نہ دیکھا ہو" اور ہم اس کو رویت آثار پر حمل کرتے ہیں۔ (اسی طرح مولا علیؑ کے قول) لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَہٗ[۱۳] "میں نے کبھی کسی ایسے خدا کی عبادت نہیں کی جس کو نہ دیکھا ہو" کو مفاہیم کلیہ کے علم پر اپنے علوم کی طرح حمل کرتے

ہیں لِقَاءَ اللّٰہ والی آیتوں کو روزِ جزا کے لِقاء پر محمول کرتے ہیں: «لِي مَعَ اللّٰهِ حالَةٌ»[۱۴] کو مثلاً وقت قلب کی حالت پر محمول کرتے ہیں: «وَارْزُقْنِي النَّظَرَ إِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيمِ»[۱۵] (مجھے اپنے وجہِ کریم پر نظر کرنے کی توفیق دے) اس کو اور درد فراق کے مارے اولیا کے تمام سوز وگداز کو حور العین اور طیورِ بہشتی کے فراق پر محمول کرتے ہیں اور یہ سب صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اس میدان کے مرد نہیں ہیں حظِ حیوانی و جسمانی کے علاوہ ہم دوسری کوئی چیز نہیں سمجھتے ہم تو سارے معارف کے منکر ہیں اور تمام بدبختیوں سے بڑا تو وہ انکار ہے جو تمام معارف کو ہمارے اوپر بند کر دیتا ہے اور ہم کو طلب سے روک دیتا ہے اور حیوانیت و بہیمیت کی حد پر قانع کر دیتا ہے، عوالم غیب و انوارِ الٰہیہ سے ہم کو محروم کر دیتا ہے۔

ہم بے چارے جو مشاہدات و تجلّیات سے ایک دم محروم ہیں ان معانی پر ایمان رکھنے سے بھی جو خود کمالِ نفسانی کا ایک درجہ ہے اور ہم کو کسی منزل تک پہونچا سکتا ہے اس سے بھی دور ہیں۔ مرتبۂ علم سے بھی بھاگتے ہیں حالانکہ وہ مشاہدات کا بیج بھی بن سکتا ہے۔ اپنی آنکھوں اور کانوں کو بالکلیہ بند کر لیتے ہیں اور غفلت کی روئی کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں حرف حق نہ سُن لے۔

اگر کسی عارف شوریدہ یا سالک دلسوختہ یا حکیم الٰہی سے کسی حقیقت کو سن لیتے ہیں تو چونکہ ہماری سماعت اس کو برداشت نہیں کر سکتی اور حُبِّ نفس اپنی غلطی کو ماننے پر تیار نہیں ہوتا اس لئے ہر طرح سے اس پر لعن طعن، فسق و کفر کا الزام جائز سمجھتے ہیں۔ کوئی غیبت و تہمت ایسی نہیں ہے جس سے اس کو بری کرتے ہوں۔ کتاب وقف کرتے ہیں مگر اس سے استفادہ کے لئے شرط لگا دیتے ہیں کہ روزانہ سو مرتبہ مرحوم ملا فیض کاشانی پر لعنت کی جائے![۱۶] جناب ملا صدرا جو سرآمد اہلِ توحید ہیں ان کو زندیق کہیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کی بھی توہین سے باز نہ آئیں۔ موصوف کی کسی بھی کتاب سے انکا تصوف کی طرف میلان نہیں ثابت ہوتا بلکہ انھوں نے ایک کتاب "کسر اصنام الجاہلیۃ فی الرد علی الصوفیہ"[۱۷] بھی لکھی ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کو صوفی محض کہتے ہیں۔ جن لوگوں کی حالت معلوم ہے اور جو رسولؐ و ائمہ کی زبان سے ملعون کئے گئے ہیں ان کو چھوڑ دیں مگر جو باصدائے رسا خدا اور رسولؐ و ائمہ پر ایمان لانے کا اعلان کرے اس پر لعنت کریں۔ میں خود جانتا ہوں کہ ان لعنتوں اور توہینوں سے ان حضرات کا کچھ نہ بگڑے گا بلکہ ہو سکتا ہے ان کے حسنات کے اضافہ اور بلندئ درجات کا سبب بن جائے۔ لیکن یہ باتیں خود ہمارے لئے مضر ہیں اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے لئے سلبِ توفیق کا سبب بن جائیں۔

ہمارے شیخ عارف روحی فداہ کہا کرتے تھے کہ کسی بھی شخص یہاں تک کہ اس کافر پر بھی لعنت نہ کیا کرو جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ کس عالم میں یہاں سے منتقل ہوا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے مرتے

وقت ایمان لایا ہو۔

ہاں اگر کسی کے مرنے کے بعد معصوم خبر دے کہ کافر مرا ہے تو لعنت کر سکتے ہو۔ لہٰذا کلی عنوان سے لعنت کیا کرو۔ (اب ذرا سوچئے) ایک شخص ایسے نفس قدسی کا مالک ہے کہ جو اس شخص پر بھی لعنت کرنے کے لئے راضی نہیں ہے جو بظاہر کافر مرا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مرتے دم مومن ہو گیا ہو اور ایک شخص ہم جیسا ہے کہ (فیض کاشانی پر بھی لعنت کرتا ہے) خدا سے میری شکایت [18] اس واعظ کے لئے ہے جو صاحب علم و فضل ہونے کے باوجود منبر سے محضر علما اور فضلا میں کہتا ہے: فلاں حالانکہ حکیم تھا اور قرآن بھی پڑھتا تھا [19] یہ ایسے ہی ہے کہ ہم کہنے لگیں: فلاں حالانکہ پیغمبر تھا اور مبداء و معاد پر عقیدہ رکھتا تھا..... میں خود بھی محض علم پر زیادہ عقیدہ نہیں رکھتا اور جو علم ایمان نہ پیدا کر سکے اس کو میں حجاب اکبر جانتا ہوں۔ لیکن جب آدمی حجاب میں داخل نہ ہو حجاب پارہ نہیں ہو سکتا۔ علوم مشاہدات کے لئے بیج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اصطلاحات و علوم کے حجابات کے بغیر انسان کسی مقام تک پہونچ جائے مگر یہ طریق عادی کے علاوہ ہو گا اور سنت طبعی کے خلاف ہو گا اور اگر ایسا ہوا تو بہت کم ہی ہو گا۔

لہٰذا خدا خواہی اور خدا جوئی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ابتدائی اوقات کو ذکر حق میں صرف کرے اور خدا و اسماء و صفات کا علم عام طریقہ سے مشائخ کی خدمت میں تحصیل کرے۔ اس کے بعد معارف کے علمی و عملی ریاضتوں کو اپنے دل میں جگہ دے اس طرح نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے اور اگر اہل اصطلاح نہیں ہے تو پھر ذکر محبوب اور اشتغال قلب و حال ذات مقدس کبریا سے کر کے بھی نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ قلبی اشتغال اور باطنی توجہ اس کی ہدایت کا سبب ہو گا اور خدا اس کی دستگیری فرمائے گا اور حجابات کے پردوں میں سے کسی حجاب کو برطرف کر دے گا اور وہ بھی اس عامیانہ انکار سے قدرے تنزل کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ مخصوص عنایت پروردگار عالم سے اس کے لئے معارف کا راستہ پیدا ہو جائے۔ «اِنَّهُ وَلِيُّ النِّعَم.»

دوسری فصل

مرتے وقت بعض غیبی حالات کا انکشاف ممکن ہے

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مرتے وقت انسان پر اس کے بعض احوال و مقامات منکشف

ہوجاتے ہیں اور یہ چیز برہان کے مطابق اور اصحابِ کشف وعیان کے مکاشفات کے موافق اور اخبار وآثار کے بھی مطابق ہے۔ انسان جب تک اس دنیا کی آبادکاری میں لگا ہے اور اس کی توجہ قلبی اس نشۂ کی طرف ہے اور سکر طبیعت نے اس کو بے خود کر دیا ہے، شہوت وغضب کی نشہ آور چیزیں اس کو نشہ میں مبتلا کئے ہیں وہ اپنے اعمال واخلاق کی صورتوں سے بالکلیہ محجوب ہے اور اس کے ملکوتِ قلب میں اس کے آثار متروک ہیں۔ لیکن جب موت کی سختیاں اور اس کا فشار پڑے گا تو ایک حد تک اس نشہ سے انصراف حاصل ہوگا اور اگر (مرنے والا) مومن اور اہلِ یقین سے ہے مگر اس کا قلب ان عوالم کی طرف متوجہ تھا تو آخرالامر طبعی طور سے اس کی قلبی توجہ اُس عالم کی طرف ہوجائے گی اور معنوی ہنکانے والے اور اس پر موکل فرشتے اُس کو اس عالم کی طرف لے جائیں گے اور وہ اس سوق وانصراف کے بعد عالم برزخ کے ایک نمونہ کا مشاہدہ کرے گا اور عالم غیب سے ایک کھڑکی اس کی طرف کھول دی جائے گی اور وہ ایک حد تک اپنی حالت اور اپنے مقام کا مشاہدہ کرے گا۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے منقول ہے:

«اِنَّهُ قَالَ: حَرَامٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى تَعْلَمَ اَنَّهُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ هِيَ، اَمْ مِنْ اَهْلِ النَّارِ»[20]

"ہر نفس جب تک یہ نہ جان لے کہ وہ اہلِ جنّت سے ہے یا اہلِ جہنّم سے اس کا اس دُنیا سے نکلنا حرام ہے۔"

یہاں پر ایک لمبی حدیث ہے لیکن اس میں اہلِ ولایت حضرت مولی الموالی اور اہلِ بیتؑ عصمت سے متمسک کے لئے خوشخبری ہے اس لئے میں پوری حدیث ذکر کرتا ہوں۔ اس حدیث کو فیضِ کاشانیؒ نے اپنی کتاب علم الیقین میں لکھا ہے وہ حدیث یہ کہ: عباد ابن مروان کہتے ہیں:

«قَالَ: وَفِي كِتَابِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدِ الْاَهْوَازِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَرْوَانَ، قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ: مِنْكُمْ وَاللّٰهِ يُقْبَلُ: وَلَكُمْ وَاللّٰهِ يُغْفَرُ اِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ اَحَدِكُمْ وَبَيْنَ اَنْ يَغْتَبِطَ وَيَرَى السُّرُورَ وَقُرَّةَ الْعَيْنِ اِلَّا اَنْ تَبْلُغَ نَفْسُهُ هٰهُنَا. وَاَوْمٰى بِيَدِهِ اِلٰى حَلْقِهِ. ثُمَّ قَالَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّهُ اِذَا كَانَ ذٰلِكَ وَاحْتُضِرَ حَضَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَعَلِيٌّ وَالْاَئِمَّةُ وَجِبْرَئِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ؛ فَيَدْنُو مِنْهُ جِبْرَئِيلُ، عَلَيْهِ

السَّلامُ، فَيَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اِنَّ هٰذا كانَ يُحِبُّكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ، فَاَحِبَّهُ. فَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يا جِبْرَئِيلُ، اِنَّ هٰذا كانَ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَاَهْلَ بَيْتِهِ، فَاَحِبَّهُ. فَيَقُولُ جِبْرَئِيلُ: يا مَلَكَ الْمَوْتِ، اِنَّ هٰذا كانَ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَآلَ رَسُولِهِ، فَاَحِبَّهُ وَارْفُقْ بِهِ. فَيَدْنُو مِنْهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، فَيَقُولُ: يا عَبْدَاللهِ، اَخَذْتَ فِكاكَ رَقَبَتِكَ؟ اَخَذْتَ اَمانَ بَراءَتِكَ؟ تَمَسَّكْتَ بِالْعِصْمَةِ الْكُبْرىٰ فِي الْحَياةِ الدُّنْيا؟ فَيُوَفِّقُهُ اللهُ، فَيَقُولُ: نَعَمْ. فَيَقُولُ لَهُ: وَماذاكَ؟ فَيَقُولُ: وِلايَةُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيطالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ. فَيَقُولُ: صَدَقْتَ. اَمَّا الَّذِي كُنْتَ تَحْذَرُ فَقَدْ آمَنَكَ اللهُ؛ وَاَمَّا الَّذِي كُنْتَ تَرْجُو، فَقَدْ اَدْرَكْتَهُ؛ اَبْشِرْ بِالسَّلَفِ الصّالِحِ، مُرافَقَةِ رَسُولِ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَعَلِيٍّ وَالْاَئِمَّةِ مِنْ وُلْدِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلامُ. ثُمَّ يَسُلُّ نَفْسَهُ سَلّاً رَفِيقاً؛ ثُمَّ يَنْزِلُ بِكَفَنِهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَحَنُوطُهُ حَنُوطٌ كَالْمِسْكِ الْاَذْفَرِ فَيُكَفَّنُ بِذٰلِكَ الْكَفَنِ وَيُحَنَّطُ بِذٰلِكَ الْحَنُوطِ؛ ثُمَّ يُكْسىٰ حُلَّةً صَفْراءَ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ. فَاِذا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، فُتِحَ لَهُ بابٌ مِنْ اَبْوابِ الْجَنَّةِ، يَدْخُلُ عَلَيْهِ مِنْ رَوْحِها وَرَيْحانِها، ثُمَّ يُقالُ لَهُ: نَمْ نَوْمَةَ الْعَرُوسِ عَلىٰ فِراشِها؛ اَبْشِرْ بِرَوْحٍ وَرَيْحانٍ وَجَنَّةِ نَعِيمٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبانَ.

قالَ: وَاِذا حَضَرَ الْكافِرَ الْوَفاةُ، حَضَرَهُ رَسُولُ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَعَلِيٌّ وَالْاَئِمَّةُ وَجِبْرَئِيلُ وَمِيكائِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ، عَلَيْهِمُ السَّلامُ؛ فَيَدْنُو مِنْهُ جَبْرَئِيلُ، فَيَقُولُ: يا رَسُولَ اللهِ، اِنَّ هٰذا كانَ مُبْغِضاً لَكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ، فَاَبْغِضْهُ. فَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: يا جِبْرَئِيلُ، اِنَّ هٰذا كانَ يُبْغِضُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَاَهْلَ بَيْتِ رَسُولِهِ، فَاَبْغِضْهُ. فَيَقُولُ جِبْرَئِيلُ: يا مَلَكَ الْمَوْتِ، اِنَّ هٰذا كانَ يُبْغِضُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَاَهْلَ بَيْتِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلامُ، فَاَبْغِضْهُ

وَاعْتَنِفْ عَلَيْهِ. فَيَدْنُو مِنْهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَيَقُولُ: يَا عَبْدَاللّٰهِ، اَخَذْتَ فِكَاكَ رَقَبَتِكَ؟ اَخَذْتَ بَرَاءَةَ اَمَانِكَ؟ تَمَسَّكْتَ بِالْعِصْمَةِ الْكُبْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا؟ فَيَقُولُ: لاَ فَيَقُولُ لَهُ: اَبْشِرْ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَعَذَابِهِ وَالنَّارِ اَمَّا الَّذِي كُنْتَ تَرْجُو، فَقَدْ فَاتَكَ؛ وَاَمَّا الَّذِي كُنْتَ تَحْذَرُ فَقَدْ نَزَلَ بِكَ. ثُمَّ يَسُلُّ نَفْسَهُ سَلاًّ عَنِيفاً؛ ثُمَّ يُوَكِّلُ بِرُوحِهِ ثَلاَثَمِائَةِ شَيْطَانٍ يَبْزُقُونَ فِي وَجْهِهِ وَيَتَاذّٰى بِرِيحِهِ. فَاِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، فُتِحَ لَهُ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ النَّارِ يَدْخُلُ عَلَيْهِ مِنْ فَيْحِ رِيحِهَا وَلَهَبِهَا.»[۲۱]

میں نے امام جعفر صادقؑ کو سنا کہ فرمارہے تھے: خدا کی قسم تم سے قبول کیا جائے گا، خدا کی قسم تم کو بخشا جائے گا۔ تمہارے اور تمہاری خوشیوں اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور تمہارے بارے میں غبطہ کئے جائے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہے کہ جان یہاں تک (حلقوم تک) آجائے اور آپؑ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا: جب ایسا ہوگا اور موت کا وقت آئے گا تو رسولِ خدا، حضرت علیؑ اور ائمہؑ، جبرئیلؑ و میکائیلؑ و ملک الموت مرنے والے کے پاس آئیں گے۔ جبرئیلؑ قریب ہوکر رسولِ خداؐ سے عرض کریں گے: یہ شخص آپؐ اہل بیتؑ کو دوست رکھتا تھا۔ لہذا آپ بھی اس کو دوست رکھیے۔ (اس کے بعد) رسولِ خدا فرمائیں گے: اے جبرئیلؑ یہ شخص خدا ور سولؐ اور ان کے اہل بیتؑ کو دوست رکھتا تھا لہٰذا تم بھی اس کو دوست رکھو۔ پھر جبرئیلؑ کہیں گے: اے ملک الموت یہ شخص خدا ور سولؐ وآلِ رسولؐ کو دوست رکھتا تھا لہٰذا تم اس کو دوست رکھو اور اس کے ساتھ نرمی برتو۔ پھر ملک الموت مرنے والے کے قریب جاکر کہیں گے: اے بندۂ خدا کیا تو نے اپنی آزادی کا پروانہ اور امان نامہ حاصل کرلیا ہے؟ اور کیا تم نے اپنی زندگی میں عصمتِ کبریٰ سے تمسک کیا ہے؟ اس وقت اس بندے کو توفیق دے گا اور وہ (بندہ) کہے گا: ہاں! اس وقت ملک الموت کہیں گے وہ کیا ہے؟ وہ جواب دے گا۔ حضرت علیؑ کی ولایت! تب ملک الموت کہیں گے: تم نے سچ کہا۔ جس چیز کا تم کو خوف تھا اس سے خدا نے تم کو امان دیدی اور جس چیز کی آرزو تھی وہ تم کو مل گئی تم کو نیک گزرے ہوئے لوگوں حضرت رسولؐ و حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے ہونے والے ائمہؑ کی رفاقت مبارک ہو۔

اس کے بعد ملک الموت بڑی نرمی سے اس کی روح نکال لیں گے اور اس کے لئے بہشت

سے کفن لایا جائے گا اور اس کا حنوط خوشبودار مشک کی طرح کا ہوگا۔ پھر وہی جنتی کفن اس کو پہنایا جائیگا اور اس خوشبودار حنوط سے اس کو حنوط کیا جائیگا۔ پھر جنت کے حلّوں میں سے زرد حلّہ اسکو پہنایا جائیگا اور قبر میں رکھنے کے بعد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اسکے لئے کھول دیا جائیگا جس سے جنت کی خوشبو اور مسرت اسکو پہونچتی رہیگی۔ پھر اس سے کہا جائیگا: جس طرح دلہن اپنے بستر پر سوتی ہے تو بھی اسی طرح سو۔ تجھے مسرت و خوشبو اور جنت نعیم اور تجھ سے خوشنودِ خدا کی بشارت ہو۔

(اس کے بعد) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا اور جب کافر مرنے لگتا ہے تب (بھی) رسولِ خداؐ، حضرت علیؑ، ائمۂ معصومینؑ، جبرئیلؑ، میکائیلؑ و اسرافیلؑ اس کے پاس آتے ہیں اور جبرئیلؑ مرنے والے کے قریب جا کر رسولِؐ خدا سے کہتے ہیں: اے خدا کے رسولؐ یہ شخص (آپؐ کا اور) آپؐ کے اہلِ بیتؑ کا دشمن تھا لہٰذا آپؐ اس سے دشمنی کریں۔ (پھر) رسولِؐ خدا فرمائیں گے: اے جبرئیلؑ یہ شخص خدا و رسولؐ اور اہلِ بیتِؑ رسولؐ کا دشمن تھا لہٰذا تم اس کو دشمن رکھو۔ پھر جبرئیلؑ کہیں گے: اے ملک الموت یہ شخص خدا، رسولؐ، آلِؑ رسولؐ کا دشمن تھا لہٰذا اس سے بغض رکھو اور اس کے ساتھ سختی کرو۔ تب ملک الموت مرنے والے کے قریب آکر کہیں گے: اے خدا کے بندے کیا تو نے جہنّم سے چھٹکارے کی سند اور امان نامہ حاصل کر لیا ہے؟ کیا تو نے اپنی دنیاوی زندگی میں عصمتِ کبریٰ سے تمسک حاصل کیا ہے؟ وہ کہے گا! نہیں تو ملک الموت کہیں گے: اے دشمنِ خدا تجھے خدا کی ناراضگی اور اس کے عذاب اور جہنّم کی بشارت ہو۔ جس چیز کی تو تمنا رکھتا تھا وہ تو تجھ سے فوت ہو گئی اور جس سے تو ڈرتا تھا وہ تیرے پاس پہونچ گئی۔ پھر بڑی سختی سے اس کی روح نکالیں گے۔ اس کے بعد اس کی روح پر تین سو شیطان معین کر دیئے جائیں گے جو اس کے منہ پر تھوکیں گے اور (لوگوں کو) اس سے اذیت ہوگی۔ اس کے بعد اس کو قبر میں لٹا دیا جائے گا تو جہنّم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کے لئے کھول دیا جائے گا۔ جس کے ذریعہ دوزخ کی ہوا اور اس کے شعلے اس پر داخل ہوتے رہیں گے۔"

یہ سمجھ لیجئے کہ ہر شخص کے لئے برزخ اس کے قیامت کا نمونہ ہوگا اور برزخ سے مُراد وہ بیچ کا زمانہ ہے جو دنیا اور قیامت کے درمیان کا ہے۔ جہنّم و بہشت کی ایک کھڑکی اس میں کھلتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مشہور حدیث نبوی میں بھی ہے:

«اَلْقَبْرُ اِمَّا رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ» ۲۲

" قبر یا تو جنت کے باغوں میں ایک باغ ہوگی یا جہنّم کے کنوؤں میں سے ایک کنواں ہوگی۔" اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان مرتے وقت اپنے اعمال کے آثار اور صورتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور ملک الموت سے جنت یا نار کی خبر سُن لیتا ہے اور ایک حد تک یہ آثار اس پر منکشف ہوجاتے ہیں وہ آثار جو اعمال و افعال سے قلب میں حاصل ہوئے ہیں (مثلاً نورانیت، شرح صدر، وسعت وغیرہ) یا ان کے اضداد جیسے کدورت، تنگی صدر، ظلمت، فشار وغیرہ۔

پس معائنۂ برزخ کے وقت سے دل نفحاتِ لطیفہ، لطفیہ اور جمالیہ کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے اور اس کے اندر لطف و جمال کے آثارِ تجلیات ظاہر ہوجاتے ہیں بشرطیکہ وہ اہلِ سعادت و اہل ایمان سے رہا ہو۔ پس اسی وقت سے دل میں لِقَاءُ اللّٰہ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے اور اشتیاقِ جمالِ محبوب کی آگ اس کے دل میں بھڑک اُٹھتی ہے۔ اگر وہ اہلِ سابقۂ حسنیٰ اور محبت و جذبۂ ربوبی کا دارا ہو اور یہ تو خدا کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس تجلی و شوق میں کیا لذت اور کیا کرامت ہے۔

اور مرنے والا اگر اہلِ ایمان اور صاحبِ عمل صالح ہوتا ہے تو اس کے ایمان و اعمال کے مطابق خداوند عالم کی کرامتیں اس کو نصیب ہوتی ہیں اور وہ مرتے وقت ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اسی لئے اس کے اندر موت کا شوق اور کراماتِ الٰہی کے لِقَاءَ کا جذبہ (شدید) ہوجاتا ہے اور وہ راحت و آرام، بہجت و سرور کے ساتھ اس دنیا سے منتقل ہوتا ہے۔ اس بہجت و سرور کی لذت اور ان کراموں کے دیکھنے کی طاقت مُلکی آنکھوں میں اور دنیاوی لذتوں میں نہیں ہے۔

اور اگر مرنے والا اہلِ شقاوت و انکار، اہلِ کفر و نفاق سے تھا اور اعمال قبیحہ اور افعال سیئہ کا مرتکب تھا تو ہر شخص اپنے حساب سے اور اپنے اعمال کے مطابق غضب و قہرِ الٰہی کا مستحق ہوگا اور بطور نمونہ دارالاشقیا اس کے لئے منکشف ہوگا اور اس کے اندر ایسی وحشت اور ایسا انقلاب پیدا ہوگا کہ تجلیاتِ جلالیہ و قہریۂ الٰہی سے زیادہ کوئی بھی شئی اس کے نزدیک مبغوض نہ ہوگی اور اس بغض و عداوت کی وجہ سے اس پر ایسی سختی و فشار اور ایسی ظلمت و عذاب ہوگا جس کا اندازہ خدا کے علاوہ کسی کو نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اس دُنیا میں کافر و منافق اور خدا اور اولیائے خدا کے دشمن رہے ہوں گے۔ گنہگاروں اور اہلِ کبائر کے لئے ان کے اعمال کے مطابق جہنم کا نمونہ پیش کیا جائے گا اور اس وقت ان کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز اس دنیا سے انتقال ہوگی۔ ایسے لوگوں کو بڑی سختی، فشار اور زحمت کے ساتھ منتقل کیا جائے گا اور ان کے دلوں میں ایسی حسرت ہوگی جس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ احتضار کے وقت انسان ان تمام چیزوں کو دیکھے گا جو اس میں

تھیں اور وہ ان پر مطلع نہیں تھا اور اس معاینہ کا بیج اس نے اپنی مملکتِ وجود میں خود بویا تھا۔ ہمارے عیوب کے سامنے زندگانی دنیا ایک پردہ پوش تھی اور ہمارے گناہوں کے لئے یہ دُنیا اہلِ معارف کی نظر میں پردہ تھی۔ جب یہ پردہ اُٹھ گیا اور یہ حجاب ہٹ گیا تو انسان کے اندر جو کچھ بھی تھا اور اس نے جو کچھ مہیا کیا تھا سب کو بطورِ نمونہ اس نے دیکھ لیا۔ دوسری دنیا میں انسان اسی عذاب اور عقاب کو دیکھے گا جس کو اس نے خود اس دُنیا میں مہیا کیا ہے اور اس دُنیا میں اس کے جتنے بھی اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ اور عقائدِ صحیحہ تھے دوسری دنیا میں ان دوسری کرامتوں کے ساتھ جو خدا نے اپنے فضل سے اس کے حوالہ کیا ہے" اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ تفسیر صافی میں اس آیۂ شریفہ: «فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ...» [۲۳] "جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ (اس کی جزا) پائے گا" کے ذیل مجمع البیان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے:

«هِيَ اَحْكَمُ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ؛ وَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) يُسَمِّيهَا «الْجَامِعَةَ.» [۲۴]

"قرآن کے اندر یہ سب سے محکم آیت ہے اور رسولِ خدا اس آیت کو "الجامعہ" فرمایا کرتے تھے۔"

لہٰذا یہ جان لینا چاہیئے کہ اگر ہم نے اس دُنیا میں خدا اور اس کے اولیا سے محبت کی اور ان کی اطاعت کا طوق اپنی گردن میں پہن لیا اور قلب کی توجہ الٰہی و ربانی ہو گئی تو مرتے وقت عینِ حقیقت اپنی صورتِ جمیلہ کے ساتھ ہمارے سامنے ظاہر ہو گی اور اسکے برعکس اگر توجۂ قلبی دُنیا کی طرف ہوئی اور حق سے منحرف ہو گئے تو ممکن ہے رفتہ رفتہ خدا اور اس کے اولیا کی دشمنی ہمارے دل میں پیدا ہو جائے اور مرتے وقت اس میں شدت پیدا ہو جائے اور وحشتناک آثار اس سے ظاہر ہوں جیسا کہ آپ نے سنا۔

لہٰذا سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان پابندی کے ساتھ اپنے قلب کی حالت کو الٰہی کرلے اور خدا و اولیائے خدا اور دارِ کرامت کی طرف دلی توجہ پیدا کرے اور یہ چیز اس وقت حاصل ہو گی جب انسان خدا کی نعمتوں میں غور کرے اور اس کی اطاعت و عبادت پابندی سے کرے۔ لیکن انسان کو چاہیئے کہ اپنے نفس اور اعمال پر کبھی بھروسہ نہ کرے اور ہر حالت میں۔ خصوصاً خلوت میں خدا سے گڑگڑا کر دُعا کرے کہ اپنی محبت میرے دل میں ڈال دے اور میرے دل کو نورِ معرفت اور اپنی محبت کی روشنی سے بھر دے اور دنیا و غیرِ خدا کی محبت میرے دل سے نکال دے۔ یقیناً یہ دعا شروع میں بے مغز اور لقلقۂ

زیان ہوگی کیونکہ دُنیا سے شدید محبت کے بعد اس کے زوال کی خواہش بہت مشکل ہے۔ لیکن ایک مدت تک غور کرنے اور دل کو سمجھانے اور پابندی کرنے سے محبتِ خدا کے اچھے نتائج اور محبتِ دُنیا کے بُرے نتائج بطورِ حقیقت ظاہر ہو جائیں۔ انشاءاللہ

تیسری فصل

حُبّ و بغضِ خدا کا مطلب

محبت و بغض وغیرہ کی نسبت جو قرآن اور حدیث میں خدا کی طرف دی گئی ہے وہ بمعنائے عرفِ عام نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان صفات کا لازمہ انفعالِ نفسانی ہے جو خدا کے لئے ناممکن ہے اور اس سلسلہ میں تفصیل اس مختصر کتاب کے لئے مناسب نہیں ہے لہٰذا میں اجمالی اشارہ پر قناعت کروں گا۔

یہ جان لینا چاہیے کہ بہت سی صفتیں اور حالتیں ایسی ہوتی ہیں جو عوالمِ غیبیہ تجردیہ سے تنزل کر کے اور نشئہ ملکیہ طبعیہ میں آکر آثار و لوازم کے اعتبار سے صورِ غیبیہ تجردیہ کے علاوہ دوسری (حالت اور صورت) اختیار کر لیتی ہیں۔ (نوٹ نشئہ ملکیہ طبعیہ سے مُراد عالم فرق بلکہ فرق الفرق ہے) چنانچہ افلاطون اور اس کے ماننے والے تمام موجوداتِ مُلکیہ کو ارواحِ غیبیہ اور حقائقِ نازلئہ ملکوتیہ کا مظاہر مانتے ہیں اور مُثلِ افلاطونیہ کی طرح سمجھتے ہیں اور تمام وہ عوارض و کیفیات جو اس عالم میں بوجود عرضی موجود ہیں۔ اس عالم میں ان کی ذاتی تجلیات کی صورتیں ان کے عین وجود کے ساتھ موجود ہیں اس کے بھی قائل ہیں۔ بنابرایں ہم کہتے ہیں کہ ان اوصاف و احوال کی مثالیں جو عالمِ مُلک میں ایک قسم کے تجدد و انفعال کے ساتھ لازمی طور سے پائی جاتی ہیں وہ عوالمِ غیبیہ اور نشأتِ تجردیہ میں خصوصاً عالمِ اسمائے الہٰی اور مقامِ واحدیت میں ایک ایسی صورت میں موجود ہیں جو تمام نقائص سے مُبرّا و منزہ ہیں اور ان کی تعبیرات بھی نشئہ تجردیہ یا صقع، (جگہ) ربوبی کے اعتبار سے اس عالم کے برخلاف ہیں۔ مثلاً تجلیاتِ رحمانیہ و رحیمیہ جس کو ہم تجلیاتِ جمالیہ و لطفیہ اور حُبّیہ و اُنسیہ بھی کہتے ہیں۔ اگر اس عالم میں ظاہر ہوں تو محبت و رحمت و تلطف کی صورتیں انفعال ہی کے ساتھ ہوں گی اور اس کی وجہ اس عالم شدید تنگ دامنی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رحمت کے سو جزو ہیں اس میں سے ایک جزو اس عالم میں اُتارا گیا اور اسی ایک جزو سے تمام وہ رحمتیں ہیں جو اس عالم میں موجود ہیں، ۲۵ جیسے والدین و اولاد کی محبت وغیرہ۔ جیسے قہری و مالکی تجلیات ہیں جو تجلیاتِ جلال سے رونما

ہوئی ہیں اور اس دنیا میں بغض و غضب کی صورت میں ظاہر ہوئی ہیں. خلاصہ یہ ہے کہ باطنی محبت و بغض و غضب اور رحمانیت و قہاریت سب تجلیات جلال و جمال کے کرشمے ہیں اور وہ تجلیاتِ عین ذات کے ساتھ موجود ہیں ان کے اندر کثرتِ تجدد اور انفعال کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور رحمانیت و قہاریت کا ظہور وہی محبت و بغض ہیں جو اس عالم میں موجود ہیں اور چونکہ مظہر ظاہر میں فنا ہے اور ظاہر مظہر میں متجلی ہے اس لئے بعض مقامات پر ایک کی تعبیر دوسرے سے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے. اس لئے بندے سے خدا کے بغض کا مطلب اظہار قہاریت و انتقام ہے اور اس کی محبت کا مطلب اس کی رحمت و کرامت ہے۔ واللہ العالم

اٹھائیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۱۳۴، کتاب جنائز "باب مابین المومن والکافر" حدیث ۱۲۔

۲۔ سورۂ فتح آیت ۲۔

۳۔ مجمع البیان جلد ۹ ص ۱۶۹، طبرسی نے بھی اس قول کو ضعیف جانا ہے۔ بحارالانوار جلد ۶۸، ص ۲۵، کتاب ایمان وکفر "باب شکر" ذیل حدیث ۳۔

۴۔ ص/۴۲۸

۵۔ ترجمہ گزر چکا۔

۶۔ حاج مرزا جواد تبریزی (۱۳۴۴ھ) ہمارے معاصر اور بہت بڑے دانش مند، سالہا سال ملا حسین قلی کی صحبت میں نجف اشرف میں رہے تقریباً سال ۱۳۲۰ ق میں تبریز واپس آئے اس کے بعد قم تشریف لائے۔ آپ کا گھر سالہا سال مجلس ذکر و موعظہ تھا، تہذیب و اخلاق میں گرانقدر آثار موجود ہیں ان میں سے رسالہ لقاء اللہ، اسرار الصلوٰۃ، المراقبات فی اعمال السنہ۔

۷۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۱۶۶، کتاب ایمان وکفر، باب اخوۃ المومنین، حدیث ۴۔

۸۔ مناجات شعبانیہ کا ایک حصہ، اقبال الاعمال، اعمال ماہ شعبان، مصباح المتہجد ص ۳۷۴، بحارالانوار جلد ۹۱، ص ۹۷- ۹۹۔ کتاب الذکر والدعا، باب ۳۲، حدیث ۱۳۔

۹۔ سورۂ نجم آیت ۸-۹۔

۱۰۔ حدیث ۱۶، توضیح ۳۹۔

۱۱۔ حدیث ۲، توضیح ۲۵۔
۱۲۔ اسفار جلد ۱ ص ۱۱۷، علم الیقین جلد ۱ ص ۴۹ (تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ) کلمات مکنونہ ص ۳۔
۱۳۔ علم الیقین جلد ۱ ص ۴۹، المقصد الاوّل فی تنزیہہ سبحانہٗ "شیخ صدوق در التوحید (ص ۲۰۵ باب ۴۲ احادیث ۱)
۱۴۔ حدیث ۲۷، توضیح ۲۶۔
۱۵۔ اسی قسم کی عبارت دُعائے سجدہ پیغمبرؐ میں بھی آئی ہے:
«اَللّٰھُمَّ اِنِّي اَسْئَلُکَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ.»
احیاء العلوم جلد ۱ ص ۳۱۹
۱۶۔ محمد محسن بن الشاہ مرتضیٰ (متوفی ۱۰۹۱ ھ ق) مشہور بہ فیض کاشانی۔ آپ محدث، فقیہ، عارف، حکیم ۱۰۰۷ھ میں تھے آپ شیخ بہائیؒ، مولیٰ محمد صالح، سید ہاشم بحرانی اور مُلّا صدرا کے شاگرد تھے۔ افکار صدرا ان کی تالیفات میں واضح ہیں۔ علامہ مجلسیؒ، نعمۃ اللہ جزائری، قاضی سعید قمی اور ان کے فرزند مرحوم کاشانی کے شاگرد تھے۔ تقریباً ۲۰۰ تالیفات کی نسبت ان کی طرف دی جاتی ہے۔ منجملہ ان کے، تفسیر صافی، وافی در حدیث، المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء، شافی، علم الیقین، الحقائق، کلمات مکنونہ، الاصول الاصلیہ، مشہور ہیں۔
۱۷۔ اس کتاب میں چار مقالے ہیں۔ ۱: مقام عالم ربانی و عارفِ حقیقی و بطلان اعمال صوفیہ ۲: غایت عباداتِ بدنی و ریاضیاتِ نفسانی، ۳: ذکرِ ابرار۔ ۴: مواعظ حکمی و نصائح۔
۱۸۔ خدا سے شکوہ کرنا چاہیے۔
۱۹۔ مرحوم مرزا علی اکبر حکیم کے ختم میں واعظ نے اس مطلب کو بیان کیا تھا۔ تفسیر سورۂ محمد ص ۱۲، "جلسۂ پنجم"
۲۰۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۸۵۳، المقصد الرابع فی ذکر الموت۔
۲۱۔ علم الیقین جلد ۲ ص ۸۵۴-۸۵۶، المقصد الرابع فی ذکر الموت۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۱۳۱، کتاب الجنائز، باب مایعاین المومن والکافر" حدیث ۴۔
۲۲۔ بحار جلد ۶ ص ۲۰۵ "کتاب العدل والمعاد، باب ۸" احوالِ برزخ"
۲۳۔ سورۂ زلزال آیت ۸-۹۔
۲۴۔ تفسیر صافی، در ضمن تفسیر آیت ۴ سورۂ زلزال۔ اس حدیث کی نسبت "قیل" کی طرف دی ہے اور مجمع البیان میں اس آیت کے ضمن میں عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے۔
۲۵۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو المحجۃ البیضاء جلد ۸ کے ص ۳۸۴ پر کتاب "ذکر الموت وما بعدہ" "باب سعۃ رحمۃ اللہ" میں ذکر کیا ہے حدیث یہ ہے۔

«اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی مِأَةَ رَحْمَةٍ، اَنْزَلَ مِنْھَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ وَالْبَھَائِمِ وَالْھَوَامِّ؛ فِیْھَا یَتَعَاطَفُوْنَ وَبِھَا یَتَرَاحَمُوْنَ. وَاَخَّرَ تِسْعاً وَتِسْعِیْنَ رَحْمَةً یَرْحَمُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.»

انتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ المُتَّصِلِ اِلى اَفْضَلِ الْمُحَدِّثينَ وَاَقْدَمِهِمْ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الكُلَيْنِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عيسٰى، عَنْ عَلِيِّ بْنِ النُّعْمانِ، عَنْ مُعاوِيَةَ بْنِ عَمّارٍ، قالَ سَمِعْتُ اَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولُ كانَ فِي وَصِيَّةِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، لِعَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلامُ، اَنْ قالَ: يا عَلِيُّ، اُوصيكَ فِي نَفْسِكَ بِخِصالٍ، فَاحْفَظْها عَنّي. ثُمَّ قالَ: اَللّٰهُمَّ اَعِنْهُ. اَمَّا الْاُولىٰ فَالصِّدْقُ. وَلاَ يَخْرُجَنَّ مِنْ فيكَ كِذْبَةٌ اَبَداً. وَالثّانِيَةُ، اَلْوَرَعُ. وَلاتَجْتَرِيءْ عَلىٰ خِيانَةٍ اَبَداً. وَالثّالِثَةُ، اَلْخَوْفُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ ذِكْرُهُ كَاَنَّكَ تَراهُ. وَالرّابِعَةُ، كَثْرَةُ الْبُكاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعالىٰ. يُبْنىٰ لَكَ بِكُلِّ دَمْعَةٍ اَلْفُ بَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ. وَالْخامِسَةُ، بَذْلُكَ مالَكَ وَدَمَكَ دُونَ دينِكَ. وَالسّادِسَةُ، اَلْاَخْذُ بِسُنَّتي فِي صَلاتي وَصَوْمي وَصَدَقَتي: اَمَّا الصَّلاةُ فَالْخَمْسُونَ رَكْعَةً؛ وَاَمَّا الصِّيامُ فَثَلاثَةُ اَيّامٍ فِي الشَّهْرِ اَلْخَميسُ فِي اَوَّلِهِ

وَالْأَرْبِعَاءُ فِي وَسَطِهِ وَالْخَمِيسُ فِي آخِرِهِ؛ وَأَمَّا الصَّدَقَةُ فَجُهْدُكَ حَتَّى تَقُولَ قَدْ أَسْرَفْتُ وَلَمْ تُسْرِفْ. وَعَلَيْكَ بِصَلاَةِ اللَّيْلِ، وَعَلَيْكَ بِصَلاَةِ اللَّيْلِ، وَعَلَيْكَ بِصَلاَةِ اللَّيْلِ؛ وَعَلَيْكَ بِصَلاَةِ اللَّيْلِ؛ وَعَلَيْكَ بِصَلاَةِ الزَّوَالِ، وَعَلَيْكَ بِصَلاَةِ الزَّوَالِ، وَعَلَيْكَ بِصَلاَةِ الزَّوَالِ؛ وَعَلَيْكَ بِتِلاَوَةِ الْقُرْآنِ عَلَى كُلِّ حَالٍ؛ وَعَلَيْكَ بِرَفْعِ يَدَيْكَ فِي صَلاَتِكَ وَتَقْلِيبِهِمَا؛ وَعَلَيْكَ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ؛ وَعَلَيْكَ بِمَحَاسِنِ الْأَخْلاَقِ فَارْتَكِبْهَا، وَمَسَاوِي الْأَخْلاَقِ فَاجْتَنِبْهَا. فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ، فَلاَ تَلُومَنَّ إِلاَّ نَفْسَكَ.»

ترجمہ: ابن عمار کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو اس طرح وصیت فرمائی تھی: اے علیؑ میں تمہارے لئے چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کو تم مجھ سے یاد کرلو۔ اس کے بعد فرمایا: خدایا اس میں (تو علیؑ کی) مدد کر!

۱۔۔۔ پہلی بات: سچ بولنا ہے (اس لئے) تمہاری زبان سے کبھی بھی معمولی سا جھوٹ نہ نکلے۔

۲۔۔۔ تقویٰ وپرہیزگاری ہے۔ کبھی بھی خیانت نہ کرو۔

۳۔۔۔ خدا سے اس طرح ڈرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو۔

۴۔۔۔ خوفِ خدا میں گریہ کرو۔ (کیونکہ) ہر آنسو کے بدلے جنت میں تمہارے لئے ہزار گھر بنائے جائیں گے۔

۵۔۔۔ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنا مال اور اپنی (جان) تک دیدو۔

۶۔۔۔ میری سنت پر عمل کرو۔ میری نماز، میرے روزے، میرے صدقہ (میں میری پیروی کرو) نماز پچاس رکعت (پڑھو) ہے اور روزہ ہر ماہ میں تین دن (رکھو) ہے پہلا پنجشنبہ وسطی چہارشنبہ آخری پنجشنبہ اور اپنی طاقت بھر صدقہ دو۔ یہاں تک کہ تم کہنے لگو کہ میں نے اسراف کیا حالانکہ تم نے اسراف نہیں کیا ہے۔ نمازِ شب ضرور پڑھو، نمازِ شب لازمی طور سے پڑھو، نمازِ شب حتمی طور سے پڑھو اور نمازِ ظہر ضرور پڑھو[۴۹] تمہارے لئے نماز میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا اور گرانا ضروری ہے۔ ہر وضو کے وقت مسواک کرنا ضروری ہے۔ تم کو محاسن اخلاق پر عمل کرنا ضروری ہے اور بُرے اخلاق سے بچنا واجب ہے۔ (اگر تم نے ایسا نہ کیا اور کسی مصیبت میں گرفتار ہوگئے تو) اپنے ہی نفس

کی ملامت کرنا۔

شرح: خصال، خصلت کی جمع ہے اس کے معنیٰ "عادت" کے ہیں جیساکہ صحاح میں ہے۔ اس لئے اس کا استعمال مطلق افعال واخلاق میں جیساکہ اس حدیث اور اس کے علاوہ دوسری حدیثوں میں وارد ہے۔ مجاز ہے اور ممکن ہے کہ خصلت "خُو" سے اعم ہو۔ (اگر ایسا ہے تو پھر) تو ان استعمالات میں بطورِ حقیقت ہے۔

قولہ الورع: یہ فتح راء ورِعۃ یہ "وَرِعَ یَرِعُ" کا مصدر ہے اور ماضی ومضارع دونوں میں "راء" کو کسرہ ہے اور اس کے معنیٰ تقویٰ یا شدّتِ تقویٰ اور کمالِ پرہیزگاری کے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ وَرَّعْتُہ تَوْرِیعًا سے ماخوذ ہو جس کے معنیٰ کَفَفْتُہٗ کے ہیں کیونکہ حقیقت حدودِ شرع وعقل سے کفِ نفس اور حفاظتِ نفس ہی کو ورع کہتے ہیں اور یا پھر وَرَّعَ بمعنی رد سے ماخوذ ہے چنانچہ وَرَّعْتُ الابلَ عن الماء اس وقت کہتے ہیں جب اونٹوں کو پانی سے روک دیا جائے اور چونکہ انسان نفس کو خواہشاتِ نفسانی سے روکتا ہے لہٰذا اس کو ورع سے تعبیر کرتے ہیں۔

قولہ لا تجرّی: یہ باب افتعال سے ہے اور اس کے معنیٰ جسارت وشجاعت اور امورِ آخرت میں اقدام کرنے کے ہیں۔ الصحاح میں ابوزید سے منقول ہے:

"اَلْجُرْأَۃُ مِثَالُ الْجُرْعَۃِ الشَّجَاعَۃُ۔" جرأت جرعۃ کی طرح ہے اور اس کے معنیٰ شجاعت ہیں اور خود صحاح میں ہے الجری المقدم (جری اقدام کرنے والا)

قولہ فجھدک "الجھد" جیم کو ضمہ اور فتحہ دونوں سے پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کے معنیٰ طاقت ومشقت کے ہیں، کہا جاتا ہے: جَھَدَ دَابَّتَہٗ وَاَجْھَدَھَا یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب جانور کو اس کی طاقت سے زیادہ چلایا جائے اور "جَھْدٌ" جدیّت واصرار کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اس حدیث میں تمام معانی مناسب ہیں۔

"قَوْلُہٗ عَلَیْکَ بِصَلَاۃِ اللَّیْلِ" عَلَیْکَ اسمِ فعل ہے۔ مگر فعلِ متعدی کے معنیٰ میں یا اس کی جگہ پر استعمال ہوتا ہے: عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ، کے معنیٰ اَلْزَمُوا کے ہیں۔ بنابریں "باء" برائے تقویت وتاکید ہے تعدیہ کے لئے نہیں ہے۔ مجمع البحرین میں ہے کہ اگر یہ لفظ "باء" سے متعدی کیا جائے تو اس کے معنیٰ اِسْتَمْسِکْ کے ہوتے ہیں مگر اس قسم کی تعبیر فارسی میں نہیں ہے اور عربی میں اس امر کے مبالغہ کے لئے بولا جاتا ہے اور فارسی میں اس سے ملتا جلتا جملہ یہ ہے "بچسپ بہ فلاں کار" فلاں کام سے چپک کے رہ جاؤ۔ لیکن اس کا ترجمہ "بر تو باد بہ فلاں" جیسے تعبیرات متعارفہ کے

مطابق نہیں ہے اور ہم انشاءاللہ حدیث کے مناسبات کو چند فصلوں اور مقدمہ میں بیان کریں گے۔

مقدمہ

اس حدیث میں جو وصیتیں حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو کی ہیں وہ متعدد اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کی نظر میں وہ بہت اہم تھیں۔

پہلی چیز تو یہی ہے کہ حضرت علیؑ کو یہ وصیتیں فرمائی ہیں حالانکہ حضرت علیؑ کی شان اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ آپ حدودِ شرعیہ اور اوامر الٰہیہ میں مسامحہ سے کام لیں۔ لیکن چونکہ یہ چیزیں آنحضرتؐ کی نظر میں بہت اہم تھیں اس لئے وصیت فرمائی اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ جو بات کسی کی نظر میں اہم ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت کی خاطر اس کے بارے میں ضرور تاکید کرتا ہے۔ چاہے وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص اس کا پابند ہے۔

رہا یہ احتمال کہ آنحضرتؐ نے بعنوان "ایاکَ اَعنِی وَاسمعی یا جارۃ" خطاب فرمایا ہے کہ مخاطب حضرت علیؑ تھے مگر مراد تمام مومنین تھے تو یہ احتمال بعید ہے۔ کیونکہ طرزِ گفتگو بتاتا ہے کہ خود حضرت علیؑ موردِ خطاب تھے اور مستقلاً موردِ نظر تھے۔ چنانچہ کلمہ فی نفسک اور حفاظت کا حکم اور خدا سے اعانت کی دعا کرنا یہ سب (ہماری بات کے) شواہد ہیں اور اس قسم کی وصیتیں متعارف تھیں اور خود ائمہ میں ایک دوسرے کے لئے رائج تھیں اور ہر ایک کی عبادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی حضرات مراد ہوتے تھے (جو مخاطب تھے)، مثلاً حضرت علیؑ نے امام حسنؑ و امام حسینؑ کو وصیت فرمائی تھی:

"میں تم دونوں (حسنینؑ) اور اپنے تمام اہلِ بیتؑ اور جس تک میری تحریر پہونچے (سب ہی) کو وصیت کرتا ہوں"[۴] اور واضح ہے کہ اس وصیت میں امام حسنؑ و امام حسینؑ بھی داخل ہیں لیکن وصیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مطلب اہمیت کا حامل ہے اور ان بزرگوں کو اس سے خاص علاقہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وصیت کے مخاطب حضرت علیؑ کا ہونا مطلب کی بزرگی و اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے: چونکہ وصیت کے مخاطب حضرت علیؑ تھے اور ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ رسولؐ خدا کی وصیت کی مخالفت کرتے یا اس میں سستی سے کام لیتے۔ لیکن اس کے باوجود اتنی تاکیدوں کے ساتھ مطلب کو بیان فرمایا:

تیسری وجہ یہ ہے: جب یہ فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں تو متوجہ کرنے اور وصیتوں کی

اہمیت کو بتانے کیلئے فرمایا: مجھ سے ان کو محفوظ کرلو اور چونکہ آنحضرتؐ ان کو اہمیت دیتے تھے لہٰذا اس کے فوراً بعد ہی دُعا فرمائی کہ: خداوند عالمؒ کی اس پر مدد فرما اس کے علاوہ ہر جملہ میں الگ الگ تاکید ہے۔ مثلاً نونِ تاکید کا استعمال کیا ہے۔ تکرار فرمایا ہے وغیرہ وغیرہ۔

پس معلوم ہوا کہ یہ مطالب بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ البتہ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ان امور میں سے کوئی ایک بھی حضرت امیرؑ کے لئے نفع کا باعث ہے۔ بلکہ دوسروں کو نفع پہنچانا مقصود ہے۔ اگرچہ حضرت امیرؑ بالذات موردِ خطاب ہیں۔ لیکن چونکہ تکالیف عمومی مشترک ہیں لہٰذا حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے کہ کہیں جناب رسولِ خدا کی وصیتیں نظرانداز نہ ہو جائیں۔ ہمیں جان لینا چاہیئے کہ رسولؐ خدا کا حضرت امیرؑ سے شدید عشق و علاقہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان مطالب کی منفعت اور اہمیت بہت زیادہ ہے اسی لئے انھیں اس طرح سے بیان کیا ہے۔ وَاللّٰہُ العَالِمُ

پہلی فصل

جھوٹ کے مفاسد

رسولؐ خدا کی ایک وصیت ہمیشہ سچ بولنے اور جھوٹ سے پرہیز کی تھی اور چونکہ اس کو سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی نظر میں اس کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اور میں (بھی) صدق کے مصالح کو جھوٹ کے مفاسد پر مقدم کروں گا۔ لہٰذا آپ یہ جان لیجئے کہ عقل و نقل دونوں اس کی قباحت و فساد پر متفق ہیں اور خود بھی جھوٹ فی نفسہ فواحش میں سے ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اخبار کی اس پر دلالت بھی ہے اس کے علاوہ کبھی کذب بیانی پر ایسا مفسدہ مرتب ہوتا ہے۔ جس کی قباحت اور جس کا فساد اس سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی تو ایک جھوٹ کے کُھل جانے پر آدمی نظروں سے اتنا گر جاتا ہے کہ آخر عمر تک اس کا جبران ممکن نہیں ہوتا۔ خدا نہ کرے کوئی آدمی جھوٹ میں مشہور ہو جائے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آدمی کی شخصیت کو نقصان پہونچا سکے۔ اس کے علاوہ دینی مفاسد اور آخروی عقاب بھی بہت زیادہ ہیں۔ اس سلسلہ کی میں بعض حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں اور چونکہ مطلب واضح ہے لہٰذا طولِ کلام سے اجتناب کرتا ہوں۔

وسائل میں ہے کہ: امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

«رُوِيَ فِي الوَسائِلِ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ بِإسْنادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قَالَ: إِنَّ اللّهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ لِلشَّرِّ أَقْفالاً، وَجَعَلَ مَفاتِيحَ تِلْكَ الأَقْفالِ الشَّرابَ؛ وَالكِذْبُ شَرٌّ مِنَ الشَّرابِ.»[5]

"خداوندِ عالم نے شر کے لئے بہت سے قفل قرار دیئے ہیں اور ان قفلوں کی کنجیاں شراب کو قرار دیا ہے۔ (مگر) جھوٹ شراب سے بھی (بدتر) و بُرا ہے۔"

اب ذرا اس حدیث کے بارے میں سوچئے جو عالم آلِ محمدؑ سے ایسی کتاب میں مذکور ہے جو تمام علما کے نزدیک موردِ قبول ہے۔ اب دیکھئے کیا عذر کے لئے کوئی راستہ باقی رہ جاتا ہے؟ کیا جھوٹ سے سہل انگاری سوائے ضعفِ ایمان از اخبار اہلِ بیتؑ عصمت وطہارت کے علاوہ کسی اور چیز کا استفادہ ہوتا ہے؟ چونکہ ہم کو اعمال کی غیبی صورتوں کا علم نہیں ہے، ملک وملکوت کے معنوی ارتباطات سے ناواقف ہیں اس لئے اس قسم کے اخبار کی اہمیت نہیں دیتے اور اس قسم کی روایات کو مبالغہ پر حمل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود ایک باطل طریقہ ہے جو ہماری جہالت اور ضعفِ ایمانی سے پیدا ہوتا ہے۔ فرض کیجئے ہم اس حدیث کو مبالغہ پر محمول مان لیتے ہیں تو کیا یہ مبالغہ بے موقع ہے؟ کیا ہر چیز کو کہا جا سکتا ہے کہ یہ شراب سے بدتر ہے یا اس کا شر اتنا عظیم ہو کہ بعنوان مبالغہ کہا جا سکے کہ یہ شراب سے بالاتر ہے؟

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

«وَبِإسْنادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قَالَ: اَلْكِذْبُ هُوَ خَرابُ الإِيمانِ.»[6]

"جھوٹ ایمان کی خرابی (کی دلیل) ہے۔" یہ واقعہ ہے کہ اس قسم کی حدیثیں دل انسان کو ہلا دیتی ہیں اور اس کی کمر توڑ دیتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جھوٹ ایسے بُرے اعمال میں سے ہے کہ جس کی قباحت کا احساس ہی اُٹھ گیا ہے۔ مگر ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب ہم سمجھیں گے کہ ایمان جو ہمارے عالمِ آخرت کا سرمایہ ہے اس ہلاکت خیز گناہ کی وجہ سے ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"رسولِ خدا سے پوچھا گیا کیا مومن ڈرپوک ہو سکتا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ پھر پوچھا گیا کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ پھر پوچھا گیا کیا کذاب ہو سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں!"[7]

صدوق الطائفہؒ سے منقول ہے کہ رسولِ خداؐ کی فرمایشات میں سے یہ (بھی) ہے کہ: سود سے کہیں بڑا جھوٹ ہے۔[9] حالانکہ سود کے لئے اس طرح سختی بیان کی گئی ہے جس سے انسان متحیر ہو جاتا ہے۔

اور سب سے زیادہ اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ مذاق کے عنوان سے بھی حدیث میں جھوٹ کی نہ صرف ممانعت کی گئی ہے بلکہ شدت سے ممانعت کی گئی ہے اور علما نے اس کی حرمت کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ چنانچہ صاحب وسائل نے عنوان باب میں (جو ان کے فتویٰ کے بھی مطابق ہے) فرمایا ہے

«اَرْبیَ الرِّبَا الْکِذْبُ.» «بَابُ تَحْرِیمِ الْکِذْبِ فِي الصَّغِیرِ وَالْکَبِیرِ وَالْجِدِّ وَالْھَزْلِ عَدَا مَا اُسْتُثْنِيَ.»[10]

باب جھوٹ کے حرام ہونے میں خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ واقعی ہو یا مزاح میں مستثنیات کے علاوہ۔

کافی میں حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ امام سجادؑ اپنے بچوں کو جھوٹ سے روکتے ہوئے فرماتے تھے "اپنی تمام گفتگو میں جھوٹ سے پرہیز کرو خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، جدی ہو یا بطور شوخی۔ کیونکہ اگر انسان جزئی چیزوں میں جھوٹ بولے گا تو بڑے جھوٹ کی جرأت ہوگی کیا تم نہیں جانتے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے: بندۂ خدا سچائی کو اپنا پیشہ بنالیتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا اس کو صدیق لکھ لیتا ہے اور جھوٹ کو پیشہ بنانے والے کو خدا کذاب لکھ لیتا ہے۔"[11]

کافی میں سند روایت اصبغ ابن نباتہ تک پہونچائی ہے کہ اصبغ کہتے ہیں:

«قَالَ قَالَ اَمِیرُ الْمُؤْمِنِینَ، عَلَیْهِ السَّلَامُ: لَایَجِدُ عَبْدٌ طَعْمَ الْاِیمَانِ حَتّٰی یَتْرُکَ الْکِذْبَ هَزْلَهُ وَجِدَّهُ.»[12]

"حضرت علیؑ نے فرمایا: کسی بندے کو اس وقت تک ایمان کا ذائقہ نصیب نہیں ہوگا۔ جب تک وہ سنجیدگی اور مزاح میں (بھی) جھوٹ نہ چھوڑ دے۔"

حضرت رسولِ خداؐ نے ابوذر غفاری کو جو وصیت فرمائی ہے اس میں ہے:

«یَا اَبَاذَرٍّ، وَیْلٌ لِلَّذِي یُحَدِّثُ فَیَکْذِبُ لِیُضْحِکَ بِهِ الْقَوْمَ. وَیْلٌ لَهُ، وَیْلٌ لَهُ.»[13]

"اے ابوذر اس شخص پر وائے ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے۔ اس پر وائے ہو اس پر وائے ہو۔"

اب ان روایات اور رسولِ خداؐ و ائمہؑ کے ان سخت بیانات کے بعد بہت بڑی بدبختی اور جرأت کا کام ہے کہ کوئی جھوٹ بولے اور جس طرح جھوٹ کو شدید قسم کے مفاسد میں شمار کیا گیا ہے

اسی طرح صدق لہجہ اور راستی گفتار کو بہت ہی اہمیت دی گئی ہے۔ اخبار اہلِ بیتؑ میں اس کی مدح سرائی کی گئی ہے۔ میں بعض حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

کافی میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: كُونُوا دُعَاةً لِلنَّاسِ بِالْخَيْرِ بِغَيْرِ أَلْسِنَتِكُمْ لِيَرَوْا مِنْكُمُ الْاِجْتِهَادَ وَالصِّدْقَ وَالْوَرَعَ.»[۱۴]

"تم سب لوگوں کو خیر کی دعوت عمل سے دو تاکہ لوگ تمہارے اندر امر خیر، عبادت، سچائی و پرہیز گاری میں جدّیت کو ملاحظہ کریں۔"

جناب صدوقؒ نے حضرت رسولِ خداؐ کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: قیامت کے دن تم میں مجھ سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا اور جس کی شفاعت سب سے زیادہ (میرے نزدیک) ضروری ہوگی وہ، وہ ہوں گے جو گفتگو میں سچے، امانت ادا کرنے میں پکے اور خلق میں تم سب سے اچھے اور تمام لوگوں سے قریب ہوں گے۔[۱۵]

دوسری فصل

تقویٰ کی حقیقت اور اس کے مرتبے

تقویٰ کو منازل سالکین و سائرین میں سے شمار کیا گیا ہے اور اس کی تعریف عارف معروف خواجہ عبداللہ انصاری نے اس طرح فرمائی ہے:

«هُوَ تَوَقٍّ مُسْتَقْصًى عَلٰى حَذَرٍ، أَوْ تَحَرُّجٌ عَلٰى تَعْظِيمٍ.»[۱۶] "کامل نگہ داری، حفاظتِ نفس کا آخری درجہ (حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ) لغزش سے ڈرنا یا نفس پر تعظیمِ حق کے سلسلہ میں سختی کرنے کا نام تقویٰ ہے۔" اور اسی تعریف میں تمام مراتب شامل ہیں۔ کیونکہ تقویٰ کے بہت سے مرتبے ہیں مثلاً۔

۱ــــ ورع عامہ: گناہانِ کبیرہ سے اجتناب کرنا ہے۔

۲ــــ ورع خاصہ: محرمات میں مبتلا نہ ہوجانے کے خوف سے مشتبہات سے اجتناب

کرنا ہے۔ چنانچہ "حدیث تثلیث" میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

۳—— ورعِ اہلِ زہد: مباحات سے بھی ان کے بوجھ سے بچنے کے لئے اجتناب کرنا۔

۴—— ورعِ اہلِ سلوک: مقامات تک پہونچنے کے لئے ترکِ دُنیا کردینا۔

۵—— ورعِ مجذوبین: وصول بباب اللہ اور شہودِ جمالِ خدا کے لئے مقامات کا ترک کردینا۔

۶—— ورعِ اولیا: توجہ بہ غایات سے اجتناب کرنا۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک شرح ہے جو ہمارے لئے مفید نہیں ہے۔

لیکن جو بات یہاں پر قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ محارمِ الٰہی سے بچنا تمام معنوی کمالات اور اخروی مقامات کے لئے ستون ہے اور کسی کو بھی کوئی مقام حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ محارمِ الٰہی سے اجتناب نہ کرے اور جس دل کے اندر تقویٰ نہ ہو اس کو کدورت اور زنگ اس طرح گھیر لیتی ہے کہ بسا اوقات اس کی نجات کی توقع ختم ہو جاتی ہے۔ نفوس کی صفائی اور ان پر صیقل تقویٰ ہی سے ہوتی ہے عوام کے لئے یہی منزل بہت اہم ہے اور راہِ آخرت کے مسافر کے لئے اس کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ روایاتِ اہلِ بیتؑ کے اعتبار سے اس کی فضیلت اتنی زیادہ ہے جو اس کتاب میں نہیں آسکتی۔ میں اس سلسلہ میں صرف بعض حدیثوں کو ذکر کروں گا۔ اگر کسی کو تفصیل کی ضرورت ہو تو کتبِ اخبار کی طرف رجوع کرے۔

کافی میں ہے: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«كافي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ، قَالَ: اُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ، وَالْوَرَعِ، وَالاِجْتِهَادِ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لاَ يَنْفَعُ اِجْتِهَادٌ لاَ وَرَعَ فِيهِ.»[18]

"میں تم کو ورع، تقوائے الٰہی اور اجتہاد (اور عبادت) کی وصیت کرتا ہوں اور یاد رکھو جس عبادت میں ورع نہ ہو اس میں کوئی نفع نہیں۔"

اسی مضمون کی اور روایت بھی ہے۔[19] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر ورع کے عبادت درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عبادت کا بزرگ ترین نکتہ۔ یعنی نفس کی ریاضت، ملک وطبیعت پر ملکوت کی حکومت۔ شدید تقویٰ اور کامل پرہیزگاری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو نفس خدا کی معصیت میں مبتلا ہیں ان میں کوئی نقش نہیں اُبھرتا۔ اس میں نقاشی بے فائدہ ہے۔ جب تک صفحۂ دل کدورتوں اور کثافتوں سے پاک نہ ہوگا اس میں نقاشی نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا عبادات جو نفس

کی صورت کمالیہ ہے۔ بغیر صفائے نفس از کدورات معاصی بے فائدہ ہے وہ ایک بے معنیٰ صورت اور ایک بے روح قالب ہے۔

راوی کہتا ہے:

«وَبِاسْنَادِهِ عَنْ يَزِيدِبْنِ خَلِيفَةَ، قَالَ وَعَظَنَا اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَاَمَرَوَزَهَّدَ ثُمَّ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالْوَرَعِ؛ فَاِنَّهُ لَايُنَالُ مَا عِنْدَاللّٰهِ اِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ.»[٢٠]

"امام جعفر صادقؑ نے ہم کو وعظ فرمایا اور زہد کا حکم دیا۔ اس کے بعد فرمایا: تمھارے اوپر تقویٰ اس لئے واجب ہے کہ خدا کے پاس جو چیز ہے وہ تم کو تقوے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔" بس اس حدیث کے اعتبار سے جس میں تقویٰ نہیں ہے وہ خدا کی کرامتوں سے محروم ہے کہ جن کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور یہی بہت بڑی رسوائی و ذلت ہے۔

وسائل میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے:

"لَاتُنَالُ وِلَايَتُنَا اِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ"[٢١] (ہماری ولایت تقویٰ اور ورع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔)

دوسری روایت میں ہے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جس شہر میں ایک لاکھ آدمی رہتے ہوں۔ اس میں ہمارے شیعہ سے زیادہ باورع اگر کوئی ہو تو وہ شخص ہمارا شیعہ نہیں ہے"[٢٢] یعنی شیعہ وہی ہے جو سب سے زیادہ باورع ہو۔ کافی میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔[٢٣]

یہ بات سمجھ لینی چاہئیے کہ بحسب روایات کمال تقویٰ کا معیار محرّمات الہیّہ سے اجتناب ہے۔ جو بھی محرّمات سے پرہیز کرے گا وہ متقی ترین آدمی شمار ہوگا۔ لہٰذا یہ بات آپ کی نظر میں نہ آئے اور شیطان آپ کو دھوکہ نہ دے۔ کیونکہ اس ملعون کی عادت ہے کہ انسان کو مایوس کر کے شقاوتِ ابدی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس طرح کہ وہ آپ کو سمجھائے۔ جہاں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگ ہوں بھلا کیونکر ممکن ہے کہ انسان سب سے زیادہ متقی ہو؟ یہ شیطانِ لعین کی مکاری اور نفسِ امّارہ کا وسوسہ ہے اور (شیطان کے شبہہ کا) جواب یہ ہے کہ: حسبِ روایات جو شخص محرّماتِ الہیّہ سے اجتناب کرے وہ اس روایت کا مشمول ہے اور زمرۂ متقی ترین مردم میں اس کا شمار ہے اور محرّماتِ الہیّہ سے اجتناب کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے۔ بلکہ تھوڑی سی ریاضت کے بعد تمام محرّمات کو ترک کر سکتا

ہے اور ظاہر ہے جو شخص اہلِ سعادت و نجات ہونا چاہتا ہے اور تحتِ ولایت اہلبیت مشمولِ کرامتِ حق ہونا چاہتا ہے۔ اس کو ترکِ معصیت کے لئے اتنی زحمت تو برداشت کرنی ہی ہوگی اور اتنی محنت اور ریاضت تو کرنی ہی ہوگی۔

تیمیم

خیانت کے مفاسد اور امانت کی حقیقت کا بیان

اس جگہ ایک نکتہ کا بیان کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جناب رسولِ خدا نے تقویٰ کی وصیت کے بعد اس پر تفریع فرمائی ہے کہ خیانت کی جرأت نہ کرو۔ حالانکہ تقویٰ مطلق محرمات سے بچنے کا نام ہے جس میں خیانت بھی ہے" اور یا پھر اس سے عام ہے جیسا کہ پہلے کہا گیا۔

اس لئے یا تو خیانت کو ایک ایسے معنیٰ پر حمل کیا جائے جو معنائے عرفی سے عام ہو تاکہ تقویٰ کے مطابق ہو سکے اور وہ یہ ہے کہ مطلق معاصی کو یا مطلق موانع سیر الی اللہ کو خیانت شمار کیا جائے اس لئے کہ تکالیفِ الٰہیہ اماناتِ خدا ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

«اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...» ۲۴ "ہم نے اپنی امانت کو سارے آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، تو انھوں نے اس کا (بار) اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے" (الی الآخر) بعض مفسرین نے (امانت کو) تکالیفِ الٰہیہ سمجھا ہے۔ ۲۵ بلکہ تمام اعضاء و جوارح اور قویٰ حق کی امانت ہیں ان کو مرضیِ الٰہی کے خلاف صرف کرنا خیانت ہے اور دل کو بھی غیرِ حق کی طرف متوجہ کرنا از جملہ خیانات ہے ؎

" این جان عاریت کہ بہ حافظ سپردہ دوست
روزی رخش ببینم و تسلیم وی کنم "

اور یا پھر خیانت سے وہی مشہور معنیٰ مراد ہیں۔ اس کی شدید اہمیت کی وجہ سے بطور مخصوص اس کا ذکر کیا ہے بس گویا تمام حقیقتِ ورع امانت میں خیانت کرنے سے اجتناب کرنا ہے اور کوئی ائمہ معصومینؑ کی ان روایات کو دیکھے جو امانت کی واپسی اور اس میں خیانت نہ کرنے سے متعلق ہیں تو اس کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ شارع کی نظر میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ

اس کی ذاتی قباحت کسی بھی عاقل پر مخفی نہیں ہے (بلکہ خائن کو تو جنسِ انسانی کے زمرہ سے خارج کر دینا چاہیئے اور ارذل ترین شیاطین سے ملحق کرنا چاہیئے اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جو شخص خیانت اور لوگوں کے درمیان نادرستگی کے ساتھ مشہور ہو جائے اس کی زندگی اس کی دنیا میں بھی دشوار ہو جاتی ہے دنیا کے اندر ایک دوسرے کی مدد سے ہی راحت و آرام کی زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔ کسی کیلئے بات انفرادی زندگی ممکن نہیں ہے ہاں کوئی بشریت سے خارج ہو جائے اور وحشی حیوانات سے ملحق ہو جائے تو اور ہے اور اجتماعی زندگی کی گاڑی کا پہیہ لوگوں کے آپسی اعتماد پر گھومتا ہے۔ اگر خدانخواستہ بنی انسان کا اعتماد ہی اُٹھ جائے تو پھر راحت و آرام کی زندگی کا بسر کرنا ناممکن ہے اور اعتماد کا سب سے بڑا پایہ امانت و ترکِ خیانت پر استوار ہے۔ لہٰذا خائن موردِ اطمینان نہیں ہے اور معاشرہ انسانیت اور مدنیت سے خارج ہے وہ کسی بھی مدینۂ فاضلہ کا رکن نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کی زندگی کتنی سخت ہوگی۔ میں اس سلسلہ میں تتمیم فائدہ کے لئے اہلِ بیتِ عصمت کی چند حدیثوں کا ذکر کرتا ہوں دلہائے بیدار اور چشم ہائے باز کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

«مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: لَا تَنْظُرُوا إِلَى طُولِ رُكُوعِ الرَّجُلِ وَسُجُودِهِ؛ فَإِنَّ ذٰلِكَ شَيْءٌ اعْتَادَهُ، فَلَوْ تَرَكَهُ اسْتَوْحَشَ لِذٰلِكَ؛ وَلٰكِنِ انْظُرُوا إِلَى صِدْقِ حَدِيثِهِ وَأَدَاءِ أَمَانَتِهِ.» ۲۶

صاحب کافی نے نقل کیا ہے کہ "امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: کسی شخص کے طویل رکوع اور سجدہ کو نہ دیکھو۔ یہ تو بربنائے عادت بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اپنی عادت چھوڑ دے تو وحشت زدہ ہو جائے۔ البتہ اس کی سچائی اور ادائے امانت کو دیکھو۔"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي كَهْمَسٍ، قَالَ قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: عَبْدُاللهِ بْنُ أَبِي يَعْفُورٍ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ: قَالَ: عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ. إِذَا أَتَيْتَ عَبْدَاللهِ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ إِنَّ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ يَقُولُ لَكَ انْظُرْ مَا بَلَغَ بِهِ عَلِيٌّ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فَالْزَمْهُ. فَإِنَّ عَلِيّاً، عَلَيْهِ السَّلَامُ، إِنَّمَا بَلَغَ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ.» ۲۷

کافی میں ابی کہمس سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض

کیا: عبداللہ ابن ابی یعفور آپ کو سلام کہتے ہیں: فرمایا: تم پر اور انپر بھی سلام ہو۔ جب تم عبداللہ ابن ابی یعفور سے ملنا تو میرا سلام کہنے کے بعد کہنا کہ جعفر بن محمد نے کہا ہے: تم اپنی نظر میں یہ بات رکھو کہ جس چیز کے ذریعے حضرت علیؑ نے رسولِ خدا کے پاس ایسی منزلت حاصل کی ہے تم بھی وہی کرو اور حضرت علیؑ کو جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے وہ سچی بات کہنے اور ادائے امانت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔"

پس میرے عزیز دیکھو اس حدیث نے بتایا کہ راست گفتاری اور ردامانت نے حضرت علیؑ کو کس منزل تک پہونچا دیا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسولِ خدا حضرت علیؑ کے تمام صفاتِ کمالیہ میں ان دونوں صفتوں کو ہر چیز سے زیادہ دوست رکھتے تھے اور انھیں دونوں چیزوں نے ان کو مقرب کیا اور اس بلند مقام تک پہونچایا اور خود امام جعفر صادقؑ نے ابن ابی یعفور کو جو آپ کے مخلص و جاں نثار تھے تمام اوصاف و اعمال میں صرف انھیں دونوں صفتوں کی تاکید فرمائی ہے جو حضرت کے نزدیک بہت اہم تھیں اور تاکید فرمائی کہ ان کی پابندی کرنا۔

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يَقُولُ: حَافَتَا الصِّرَاطِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّحِمُ وَالْأَمَانَةُ؛ فَإِذَا مَرَّ الْوُصُولُ لِلرَّحِمِ الْمُؤَدِّي لِلْأَمَانَةِ، نَفَذَ إِلَى الْجَنَّةِ؛ وَإِذَا مَرَّ الْخَائِنُ لِلْأَمَانَةِ الْقَطُوعُ لِلرَّحِمِ، لَمْ يَنْفَعْهُ مَعَهُمَا عَمَلٌ وَتَكَفَّأَ بِهِ الصِّرَاطُ فِي النَّارِ»[۲۸]

کافی میں اپنے اسناد سے امام محمد باقرؑ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت نے فرمایا:

"ابوذرؓ نے کہا: میں نے رسولِ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ: قیامت کے دن جہنم نے دونوں کناروں پر (ایک پر) صلۂ رحم اور (دوسرے پر) امانت ہوگی۔ پس جس وقت صلۂ رحم کرنے والا اور امانت ادا کرنے والا وہاں پہونچے گا وہ جنّت کی طرف عبور کر جائے گا اور جب خائن اور قطع رحم کرنے والا وہاں پہونچے گا تو اس کو کوئی عمل فائدہ نہیں پہونچا سکے گا اور صراط اس کو جہنم پہونچا دے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صلۂ رحم اور امانت کی صورت اس عالم میں صراط کے دونوں جانب کھڑی ہوگی اور صلۂ رحم کرنے والے اور امانت ادا کرنے والے کی مدد کرے گی اور اگر ان دونوں کو چھوڑ دیا ہے تو کوئی بھی عمل فائدہ نہیں پہونچائے گا۔

کافی میں اپنے اسناد کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا، امیر المومنینؑ کا حکم ہے امانت ادا کرو چاہے وہ اولاد انبیا کے قاتل کی ہو"

«بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي وَصِيَّتِهِ لَهُ: اِعْلَمْ، أَنَّ ضَارِبَ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، بِالسَّيْفِ وَقَاتِلَهُ لَوِ ائْتَمَنَنِي وَاسْتَنْصَحَنِي وَاسْتَشَارَنِي، ثُمَّ قَبِلْتُ ذٰلِكَ مِنْهُ، لَأَدَّيْتُ إِلَيْهِ الْأَمَانَةَ.» ۲۰

کافی میں باسناد خود امام جعفر صادقؑ کی وصیت کے یہ فقرے نقل کئے ہیں یہ جان لو اگر حضرت علیؑ کو تلوار سے مارنے والا اوران کو قتل کرنے والا مجھے کسی چیز کا امین بنانے اور مجھ سے نصیحت طلب کرے اور مجھ سے مشورہ مانگے اور میں اس کی بات قبول کر لوں تو یقیناً اس کی امانت اس کو واپس کر دوں گا۔

«مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ، قَالَ سَمِعْتُ سَيِّدَ الْعَابِدِينَ، عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيطَالِبٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ لِشِيعَتِهِ: عَلَيْكُمْ بِأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، فَوَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِالْحَقِّ نَبِيًّا، لَوْ أَنَّ قَاتِلَ أَبِي الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، اِئْتَمَنَنِي عَلَى السَّيْفِ الَّذِي قَتَلَهُ بِهِ، لَأَدَّيْتُهُ إِلَيْهِ.» ۲۱

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں نے امام زین العابدینؑ کو دیکھا کہ آپؑ اپنے شیعوں سے فرمارہے تھے: تمہارے اوپر واجب ہے امانتوں کا واپس کرنا۔ اس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ اگر میرے باپ حسینؑ ابن علیؑ کا قاتل جس تلوار سے اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے میرے پاس بطور امانت رکھ دے تو میں اس کو واپس کر دوں گا۔

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنِ الصَّادِقِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ آبَائِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، عَنِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي حَدِيثِ الْمَنَاهِي أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْخِيَانَةِ، وَقَالَ: مَنْ خَانَ أَمَانَةً فِي الدُّنْيَا وَلَمْ يَرُدَّهَا إِلَى أَهْلِهَا، ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ، مَاتَ عَلَى غَيْرِ مِلَّتِي،

وَيَلْقَى اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ. وَمَنِ اشْتَرٰى خِيَانَةً وَهُوَ يَعْلَمُ، فَهُوَ كَالَّذِي خَانَهَا.»[۳۲]

حدیثِ مناہی میں رسولِ خدا سے منقول ہے کہ رسولِ خدا نے خیانت سے روکا ہے اور فرمایا ہے" جو دنیا میں کسی کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور اس کے مالک کو نہیں پہونچاتا اور اسی عالم میں مر جاتا ہے تو وہ میری ملت پر نہیں مرتا اور خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ خدا اس پر غضب ناک ہوگا اور جو شخص مالِ امانت کو جانتے ہوئے خریدے وہ بھی خائن کی طرح ہے۔"

اسی طرح دوسری حدیثیں بھی ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ خدا کا بندے پر غضبناک ہونے کا انجام کیا ہوگا۔ بلکہ جو شخص موردِ غضبِ الٰہی ہے شفاعت کرنے والے بھی اس کی شفاعت نہیں کریں گے۔ خصوصاً جبکہ خائن دینِ رسولؐ سے خارج بھی ہے (پھر شفاعت کیسی؟)

ایک حدیث میں ہے" جو کسی مومن سے خیانت کرے ہم سے نہیں ہے۔"[۳۳]

ایک حدیث میں ہے" جو کسی مومن سے خیانت کرے وہ دینِ اسلام سے خارج ہے اور اس کو ابد الآباد تک جہنم کے کنارے ڈال دیا جائے گا۔"[۳۴] اس گناہ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

مومنین سے خیانت کا مطلب ہر قسم کی خیانت ہے خواہ مالی ہو یا دوسری، دوسری خیانتیں تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں لہٰذا انسان کو اس عالم میں نفسِ امارہ سے بہت احتیاط کرنا چاہیے۔ کیونکہ بہت سے امور کو نفسِ امارہ آسان بنا کر پیش کرتا ہے حالانکہ وہ شقاوتِ ابدی اور خذلانِ دائمی کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہ تو بندوں کے ساتھ خیانت کا انجام ہے اب امانت خدا کے ساتھ خیانت کا کیا انجام ہوگا۔؟

بعض امانتِ حق کی طرف اشارہ

خداوندِ عالم نے تمام قوتوں اور اعضائے ظاہریہ و باطنیہ کو ہمیں مرحمت فرمایا اور ہمارے مملکتِ ظاہر و باطن میں نعمت و رحمت کو نشر کیا اور ان سب کو ہمارے تابع فرمان بنایا اور ان تمام اعضا کو اس حالت میں بطورِ امانت ہمارے سپرد کیا کہ سب پاک و پاکیزہ اور صوری و معنوی کثافتوں

سے طاہر تھے اور عالمِ غیب سے ہمارے اوپر جن چیزوں کو نازل فرمایا وہ بھی آلائشوں سے پاک تھیں۔ اب اگر ہم نے خدا سے ملاقات کے وقت ان امانتوں کو عالمِ طبیعت کے آلائش کے بغیر اور ملک و دنیا کی کثافتوں کے بغیر خداوندِ عالم کو واپس کر دیا تب تو امین ہیں ورنہ خیانت کار ہیں۔ اسلامِ حقیقی سے خارج اور ملتِ رسولؐ سے باہر ہیں۔ مشہور حدیث میں آیا ہے:

«قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ.»[35] "مومن کا دل عرشِ رحمان ہے۔"

حدیثِ قدسی کا مشہور فقرہ ہے:

«لاَ يَسَعُنِي اَرْضِي وَلاَ سَمائِي، وَلٰكِنْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ.»[36]

"میرے آسمان و زمین میں بھی میری گنجائش نہیں ہے ہاں میرے بندۂ مومن کے دل میں میری گنجائش ہے۔"

مومن کا دل عرش و سلطنت الٰہی ہے اور خدا کی منزل گاہ ہے اور دل کا مالک ذاتِ خدا ہے (اب اگر کسی نے) غیرِ حق کی طرف توجہ کی تو حق سے خیانت کی اور خدا اور خاصان کے علاوہ خاصانِ خدا کی محبّت عینِ محبت خدا ہے۔ جس نے کسی اور سے محبّت کی مشرب عرفان میں وہ خائن ہے اور ولایتِ اہلِ بیتؑ عصمت و طہارت اور خاندانِ رسالت سے محبت، ان کے مقامِ والا کی معرفت (یہ سب) حق کی امانت ہے۔ چنانچہ بہت سی تفسیروں میں لفظ امانت جو آیت کے اندر آئی ہے اس کی تفسیر ولایت امیر المومنینؑ[37] سے کی گئی ہے اور اسی لئے حضرت علیؑ کی ولایت و سلطنت کا غصب کرنا امانت میں خیانت ہے اور حضرت علیؑ کی پیروی نہ کرنا (بھی) خیانت کا ایک مرتبہ ہے اور حدیثوں میں آیا ہے کہ جو حضرت علیؑ کی مکمل پیروی کرے وہی شیعہ ہے ورنہ پیروی کے بغیر تشیع کا دعویٰ تشیع نہیں کہلائے گا۔[38]

بہت سے خیالات جھوٹی اشتہا کے مانند ہوتے ہیں (مثلاً) محض اپنے دل میں حضرت علیؑ اور ان کی اولادِ پاک کی محبّت محسوس کر کے ہم مغرور ہو جاتے ہیں اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ پیروی کے بغیر بھی یہ دوستی باقی رہ سکتی ہے۔ آخر اس پر کیونکر اطمینان کیا جا سکتا ہے کہ اگر انسان مراقبت نہ کرے اور آثارِ دوستی کو ترک کر دے تب بھی یہ دوستی باقی رہ سکتی ہے؟ بہت ممکن ہے کہ سکرات کی سختیاں جو غیر مومنین و مخلصین کے لئے ہیں ان کی دہشت و وحشت سے آدمی حضرت علیؑ کو بھول جائے (جیسا کہ) حدیث میں ہے: اہلِ معصیت کا ایک گروہ جہنّم میں معذب ہوگا اور رسولِ خداؐ کے نام کو بھول چکا ہوگا۔ پھر جب عذاب کی مدّت گزر جائے گی اور وہ گناہوں سے

پاک ہو جائے گا تو حضرت رسولؐ کا اسمِ مبارک ان کو یاد آجائے گا اور وہ بلند آواز سے فریاد کریں گے وامحمداہ تب جا کر مستحقِ رحمت ہوں گے۔[۳۹]

ہم لوگ خیال کرتے ہیں کہ واقعۂ موت اور سکرات اسی عالم کے مشابہ ہو گا۔ میرے عزیز! آپ اپنے ایک جزئی مرض سے تمام یادداشت کھو بیٹھتے ہیں۔ پھر سوچئے ان سختیوں، عیبتوں، وحشتوں، فشاروں کے بعد کیا حالت ہوگی؟ اگر انسان نے دوستی کی اور لوازمِ دوستی کے مطابق عمل بھی کیا اور محبوب کو یاد رکھا اس کی پیروی کرتا رہا تب وہ دوستی ولیٔ مطلق اور حق کے محبوبِ مطلق کی نظر میں محبوب ہوگی۔

لیکن اگر صرف زبانی دعویٰ کرے اور عمل نہ کرے بلکہ مخالفت کرے تو ممکن ہے کہ اسی دنیا میں اور انہیں تغیرات و تبدیلات اور جلوہ ہائے گوناگوں میں اس دوستی سے ہی منحرف ہو جائے۔ بلکہ نعوذ باللہ ممکن ہے حضرت کا دشمن ہو جائے۔ چنانچہ میں نے بعض اشخاص کو دیکھا ہے جو حضرت سے محبت کا دم بھرتے تھے بری صحبتوں میں پڑ کر غلط کردار میں مبتلا ہو کر حضرت کے دشمن ہو گئے اور ساتھ میں خدا و رسولؐ و اہلِ بیتؑ کے بھی دشمن ہو گئے اور اگر بالفرض اس عالم سے محبت اہلِ بیتؑ کے ساتھ گزر گیا تو اگرچہ حسبِ روایات و آیات اہلِ نجات و اہلِ سعادت سے ہے۔ لیکن برزخ، اہوالِ موت و قیامت میں تو مبتلا ہو کے رہے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: (میں قیامت میں تمھاری شفاعت کروں گا۔ مگر برزخ کی فکر تم خود کرو۔)[۴۰]

میں خدا کی پناہ اس کے عذاب، فشارِ قبر و زحمت، عذابِ برزخ، جس کی اس دُنیا میں کوئی شبیہہ بھی نہیں ہے، سے چاہتا ہوں اور اس دروازے سے جو جہنم سے قبر میں کھولا جائے گا۔ خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ اگر وہ دروازہ اس دُنیا میں کھول دیا جائے تو تمام موجودات ہلاک ہو جائیں گے۔ نعوذ باللہ منہ۔

تیسری فصل

خوفِ خدا کا بیان

خوفِ خدا ایک ایسی منزل ہے کہ بہت کم ویسی منزل کو عوام کے لئے پایہ قرار دیا جا سکتا ہو۔

خوفِ خدا کمالِ معنوی ہونے کے علاوہ بہت سے نفسانی فضائل کا منشاء ہے اور نفس کا ایک اہم ترین مصلح ہے۔ بلکہ اس کو تمام اصلاحات کا سرچشمہ اور تمام روحانی امراض کے علاج کا مبدا شمار کیا جاسکتا ہے بلکہ خدا پر ایمان رکھنے والا مومن و سالک اور مہاجر الی اللہ کو تو اس منزل کی بہت اہمیت دینی چاہیئے اور جو بھی چیز خوفِ خدا کو دل میں زیادہ کرے اور اس کی جڑوں کو دل میں مضبوط کرے اس کی طرف بہت توجہ دینی چاہیئے مثلاً عذاب و عقاب کا ذکر، شدتِ عقبات موت، موت کے بعد برزخ و قیامت و احوال صراط و میزان و مناقشہ در حساب و جہنم کے گوناگوں عذاب، عظمت و جلال و قہر و سلطنتِ حق کا ذکر، استدراج مکر اللہ، سوئے انجام وغیرہ کا ذکر چونکہ میں نے اس کتاب میں ان تمام مراحل کا ایک حد تک ذکر کر دیا ہے۔ اس لئے یہاں پر خوفِ خدا کے سلسلہ میں بعض ان فضیلتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو روایات میں ہیں۔

«مُحَمَّدُبْنُ يَعْقُوبَ بِإسْنَادِهِ عَنْ إسْحَاقِ بْنِ عَمَّارٍ، قَالَ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا اِسْحَاقُ، خِفِ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ؛ وَاِنْ كُنْتَ لَاتَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ. وَاِنْ كُنْتَ تَرٰى اَنَّهُ لَايَرَاكَ فَقَدْ كَفَرْتَ؛ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهُ يَرَاكَ ثُمَّ بَرَزْتَ لَهُ بِالْمَعْصِيَةِ، فَقَدْ جَعَلْتَهُ مِنْ اَهْوَنِ النَّاظِرِيْنَ عَلَيْكَ(ن خ: اِلَيْكَ)» [۴۱]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "اے اسحاق خدا سے اس طرح ڈرو جیسے اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے اور اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ تم کو نہیں دیکھ رہا ہے تو تم کافر ہو اور اگر یہ جانتے ہوئے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے تم گناہ کرتے ہو تو تم نے اس کو اپنے دیکھنے والوں میں سے سب سے کمتر سمجھا"

یہ جان لو کہ اگر کوئی مُلک و ملکوت میں تجلیِ حق کی کیفیت اور زمین و آسمان میں ذاتِ مقدس کے ظہور کو بمشاہدہ حضوریہ، یا مکاشفاتِ قلبیہ یا ایمانِ حقیقی کے ساتھ سمجھتا ہے اور نسبتِ حق بہ خلق اور نسبت خلق بہ حق کو جس طرح وہ ہے اسی طرح جانتا ہے اور کیفیتِ ظہورِ مشیتِ الٰہیہ کو تعینات میں اور ان کی فنا کو اس میں علی ما ہو علیہ ادراک کر لیتا ہے تو وہ یہ جان لے گا کہ خدا تمام مکان اور حیز میں موجود ہے اور تمام موجودات میں اس کا بہ علمِ حضوری مشاہدہ کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت صادقؑ مصدق فرماتے ہیں:

«مَا رَاَيْتُ شَيْئاً اِلَّا وَرَاَيْتُ اللّٰهَ مَعَهُ اَوْ فِيْهِ.» [۴۲]

"میں نے جس چیز کو بھی دیکھا اس میں یا اس کے ساتھ خدا کو دیکھا" اور نوافل کے قرب حقیقت کے سلسلہ میں فرمایا کُنْتُ سَمْعَهُ وَ بَصَرَهُ وَ يَدَهُ» ۴۳ میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ ہو جاتا ہوں اور اس کے علاوہ چیزیں بھی اس پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ پس وہ اپنے درجہ کے اعتبار سے خدا کو تمام مراتب میں موجود دیکھتا ہے۔ علماً یا ایماناً یا عیناً و شہوداً۔ البتہ اس رتبہ میں سالک چاہے جس مرتبہ میں ہو حضورِ حق کی حفاظت کرتا ہے اور اس ذاتِ مقدس کی مخالفت سے اجتناب کرتا ہے۔
کیونکہ حفظ حضور و محضر ایسی فطری چیز ہے جس پر مخلوق کو پیدا کیا گیا ہے اور انسان چاہے جتنا بے حیا ہو اس حضور و غیبت میں فرق ہوتا ہے۔ خصوصاً جب منعم عظیم کامل کا حضور ہو تب تو ہر ایک کی فطرت میں مستقلاً حفظِ حضور ثبت ہے۔

حضورِ حق کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف

یہ بھی جان لینے کی بات ہے کہ اہلِ سلوک و ایمان اور ولایت و عرفان اس طرح حضور و حضرت کی حفاظت کرتے ہیں جو انھیں کے لئے مخصوص ہے چنانچہ مومنین و متقین تو حفظ حضور کو ترکِ نواہی اور اتیان اوامر سمجھتے ہیں اور مجذوبین غیر کی طرف ترک توجہ اور انقطاع تام کامل کو سمجھتے ہیں اور اولیائے کامل حضرات سلب غیریت و نفی انانیت کو سمجھتے ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ اصحابِ قلوب و اہلِ معرفت کے بلند مقامات میں سے حضورِ حق کا مشاہدہ اور حفظِ حق (بھی) ہے۔ چنانچہ خدا کے علم فعلی کی کیفیت کے مشاہدہ کے ساتھ اور فنائے اشیا در ذاتِ حق اور حضور موجودات در پیشگاہِ مقدس اور یہ سمجھنا کہ دارِ تحقق محضرِ ربوبیت ہے۔ جہاں بھی ہیں حفظِ محضر کرتے ہیں اور یہ بھی فطریات میں سے ہے۔
رسولِ اکرم نے اپنی اس وصیت میں جو حضرت علیؑ کو فرمائی ہے اور ہم جس کی شرح کر رہے ہیں مقامِ اوّل کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اسحاق ابن عمار کی حدیث میں وَ الثَّالِثَةُ الْخَوْفُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ ذِكْرُهُ كَاَنَّكَ تَرَاهُ اور خِفِ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ. » ۴۴ سے ارشارہ فرمایا ہے اور دوسرے مقام کی طرف امام جعفر صادقؑ نے اپنے قول: «وَ اِنْ كُنْتَ لَا تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ. » سے اشارہ فرمایا ہے اور یہ فطرت حفظ محضر امام جعفر صادقؑ نے اپنے اس قول «وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهُ يَرَاكَ... » سے ارشارہ فرمایا ہے۔

اہلِ ایمان وسلوک وریاضت وعرفان کے اختلاف مراتب کے اعتبار سے خوف کے متعدد مرتبے ہیں جن میں سب سے بڑا مرتبہ عظمت وتجلیاتِ قہریہ وجلالیہ حق کا خوف ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس مقام کو مراتبِ خوف سے نہ شمار کیا جائے چنانچہ منازل السائرین میں عارف معروف فرماتے ہیں:

«وَلَيْسَ فِي مَقَامِ اَهْلِ الْخُصُوصِ وَحْشَةُ الْخَوْفِ، اِلَّا هَيْبَةُ الْاِجْلَالِ.»[45]

"اہلِ خصوص کے مقام میں ہیبتِ اجلال کے علاوہ کوئی خوف نہیں ہوا کرتا۔"

فضیلتِ گریہ

خوفِ خدا میں گریہ کی بہت فضیلت ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے "ہر قطرہ کے عوض خدا بہشت میں ہزار گھر بناتا ہے۔" جناب شیخ صدوق نے بسند متصل امام جعفر صادقؑ سے ان کے آباؤ اجداد کے واسطے سے حضرت رسولؐ اکرم سے حدیثِ مناہی میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"جس کی آنکھیں خوفِ خدا میں گریہ ہو جائیں اس کے ہر قطرے کے عوض جنّت میں ایک قصر موتیوں وجواہر سے مزین ایسا ملتا ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سُنا ہوگا نہ کسی بشر کے دل میں اس کا تصور پیدا ہوا ہوگا۔"[46]

«وَعَنْ ثَوابِ الْأَعْمالِ بِاِسْنادِهِ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: لَيْسَ شَيْءٌ اِلَّا وَلَهُ شَيْءٌ يَعْدِلُهُ اِلَّا اللّٰهُ. فَاِنَّهُ لَا يَعْدِلُهُ شَيْءٌ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» لَا يَعْدِلُهُ شَيْءٌ. وَدَمْعَةٌ مِنْ خَوْفِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ لَيْسَ لَهَا مِثْقَالٌ؛ فَاِنْ سَالَتْ عَلَى وَجْهِهِ، لَمْ يَرْهَقْهُ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ بَعْدَهَا اَبَدًا.»[47]

ثواب الاعمال میں ہے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: رسولؐ خدا کا ارشاد ہے: خدا کے علاوہ ہر چیز کا معادل ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا بھی مقابلہ کسی چیز سے نہیں کیا جاسکتا اور خوف خدا میں نکلنے والے آنسو کے لئے کوئی پیمانہ نہیں ہے اور اگر آنسو کے قطرے رخسار پر جاری ہو جائیں تو پھر اس کے بعد اس کو کبھی ذلت ورسوائی گلوگیر نہ ہوگی۔

حدیث میں ہے: "جس انسان اور بہشت کے درمیان کثرتِ گناہ کی وجہ سے زمین

وآسمان کے فاصلہ سے زیادہ فاصلہ ہوجائے اور وہ گناہوں سے پشیمان ہوکر خوفِ خدا سے گریہ و زاری کرے تو اس کے اور بہشت کے درمیان اتنی قربت ہوجاتی ہے جتنی آنکھوں اور پلکوں کے درمیان ہوتی ہے۔"[48]

کافی میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے: "ہر چیز کے لیے ایک وزن و پیمانہ ہے مگر (اس) گریہ کے لیے کوئی پیمانہ نہیں ہے جس کا ایک قطرہ آتش کے دریاؤں کو خشک کردیتا ہے۔

حضرت ہی نے فرمایا: ایک اُمّت کے اندر ایک ہی گریہ کرنے والا سب ہی کے لئے باعثِ رحمت ہوجاتا ہے۔[49]

نیز اس قسم کی احادیث بہت ہیں۔[50]

چھوٹے عمل پر بڑا ثواب بعید نہیں ہے

جس بات کی طرف اشارہ لازم ہے وہ یہ ہے کہ بعض غیر مطمئن نفوس اور امور جزئیہ پر ثوابِ جزیل دینے کے سلسلہ میں اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ اس سے غافل ہیں کہ جو چیز ہماری نظر میں چھوٹی ہے وہ اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہے کہ اس کی صورت غیبی و ملکوتی بھی حقیر و چھوٹی ہو کیونکہ بہت سی چھوٹی موجودات کی باطن و ملکوت بہت ہی بزرگ اور عظیم ہوتے ہیں مثلاً ہیکل مقدس و صورت جسمانی رسولِ اکرمؐ اس دُنیا کی ایک چھوٹی سی چیز تھی ان کی روح مقدس ملک و ملکوت پر محیط تھی اور زمین وآسمان کی تخلیق کا واسطہ تھی کسی بھی چیز کے باطنی ملکوتی صورت کو دیکھ کر اس کی حقارت و چھوٹے ہونے کا حکم لگانا، اشیا کے عالم بواطن و ملکوت کے علم کی فرع ہے۔ ہم جیسے لوگوں کے لئے ایسے حکم کا حق نہیں پہونچتا۔ ہم کو تو علمائے آخرت یعنی اولیا وانبیا کے احکام پر کھلی آنکھ و کان سے عمل کرنا چاہیئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: اس عالم کی بنا خدا کے فضل وکرم اور رحمتِ غیر متناہیہ پر رکھی گئی ہے اور خدا کے فضل وکرم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جواد علی الاطلاق اور غیر متناہی رحمتوں کے مالک کے فضل وکرم کو بعید سمجھنا نہایت نادانی ہے۔ تمام وہ نعمتیں جن کو خدا نے اپنے بندوں کو بخشا ہے اور جن کے جزئیات کیا بلکہ کلیات کے احصا سے عقول عاجز و سرگرداں ہیں یہ سب بغیر کسی سوال اور کسی استحقاق کے خدا نے مرحمت فرمائی ہیں۔ اس لئے اس میں کون سا بُعد ہے

کہ خدا کسی سابقہ کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے ان ثوابوں کا اضعاف مضاعف اپنے بندوں کو مرحمت فرمادے۔ کیا جس عالم کی بنیاد نفوذِ ارادۂ انسانی پر رکھی گئی ہو اور جس کے بارے میں کہا گیا ہو کہ:
«فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ» ۵۱ «اس عالم میں تمام وہ چیزیں ہیں جن کی خواہش نفسوں کو ہوتی ہے اور جن سے آنکھوں کو لذّت ملتی ہے۔» حالانکہ انسانی خواہشات کی نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ کوئی مقدار معیّن ہے کیا اس کے بارے میں اس قسم کے استبعاد جائز ہیں؟ خدا نے اس عالم کو اس طرح مقرر فرمایا ہے اور ارادۂ انسانی کو اس طرح قرار دیا ہے کہ ارادہ کرنے سے جو بھی چاہے وہ شے موجود ہو جاتی ہے۔

میرے عزیز! اس قسم کے ثواب کے بارے میں ایک دو یا دس (بیس) حدیثیں نہیں ہیں کہ انسان ان کا انکار کر دے بلکہ وہ تو حدِ تواتر سے بھی زیادہ ہیں۔ احادیث کی تمام معتمد اور معتبر کتابیں اس قسم کی حدیثوں سے بھری پڑی ہیں بس یوں سمجھئے کہ گویا ہم نے خود ہی اپنے کانوں سے معصومینؑ سے سُنا ہے۔ اس میں کسی طرح کی تاویل بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس مطلب کو جو نصوص متواترہ کے مطابق ہے اور برہان کے مخالف بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایک قسم کے برہان کے بھی مطابق ہے بلاوجہ انکار کرنا ضعفِ ایمان اور کمالِ جہالت کی دلیل ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ انبیا اور اولیا کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ کمالِ انسانی کے لئے کوئی بھی چیز اولیا کے سامنے تسلیم ہونے سے بہتر نہیں ہے۔ خصوصاً ان امور میں جہاں عقل کے لئے انکشاف کا کوئی راستہ نہ ہو اور وحی اور رسالت کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے اس کے سمجھنے کا امکان نہ ہو اور اگر انسان اپنی معمولی عقل اور اوہام و ظنون کو امورِ غیبیۂ اخرویہ اور تعبدیہ شرعیہ میں دخل دینے لگے تو اس کا انجام ضروریات و مسلمات کے انکار پر پہونچے گا اور پھر تھوڑا تھوڑا کرکے کمی سے زیادتی کی طرف اور نیچے سے اوپر کی طرف تمام ہوگا۔ بالفرض آپ کو روایات اور ان کی اسناد میں خدشہ ہو۔ انکار مجال تو ہے نہیں۔ مگر قرآن مجید (کتابِ آسمانی) میں تو کوئی خدشہ نہیں ہے اس میں بھی اس قسم کے ثواب کا ذکر ہے مثلاً:
«لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ» ۵۲ «شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔» یا مثلاً:
قَوْلُهُ: «مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ» ۵۳

"جو لوگ اپنے مال کو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان (کے خرچ) کی مثال اس دانہ کی سی ہے

جس کی سات بالیاں نکلیں (اور) ہر بالی میں سو (سو) دانے ہوں اور خدا جس کے لیے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے۔"

بلکہ لکھنے والے کا گمان ہے اس قسم کے انکار اور استبعاد کا ایک پایہ تکبر اور گزشتہ اعمال کو بزرگ شمار کرنے پر ہے مثلاً اگر ایک روزہ رکھ لے یا ایک شب بھر عبادت کرے اور اس کے بعد سنے کہ اس کا تو بہت ثواب ہے تو بعید نہیں سمجھے گا۔ حالانکہ اگر معیار عمل کی مزدوری ہوتی تو بہر حال استبعاد ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ عمل اس نے خود اپنے عمل کو بزرگ سمجھا ہے اور اس کو قابلِ تعجب سمجھا ہے۔ لہٰذا اس کے ثواب کی تصدیق کی ہے۔

اے عزیز ہماری تمام عمر پچاس ساٹھ سال کی ہے فرض کرو ہم نے پوری عمر صحیح ایمان کے ساتھ تمام شرعی وظائف، عملِ صالح اور توبہ کے ساتھ عمر گزار کر انتقال کیا۔ اب ہمارے اتنے اعمال وایمان کی کیا جزا ہوگی؟ کتاب وسنّت وتمام ملتوں کا اس پر اجماع ہے کہ ایسا شخص موردِ رحمت اور مستحقِ جنّت ہے۔ ایسی جنّت جہاں ہمیشہ نعمت وراحت میں رہے گا اور دائمی رحمت وروح وریحان کا مستحق ہوگا۔ کیا کوئی اس کا انکار کر سکتا ہے؟ نہیں! حالانکہ جزا کا معیار عمل کے مطابق ہوتا تو بفرض باطل اگر ہمارے عمل کی کوئی جزا ہوتی تو اتنی بہر حال نہ ہوتی کہ عقل اس کے کمیت وکیفیت کے تصور سے عاجز ہوتی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا مطلب کسی اور بنیاد پر قائم ہے اور دوسرے کسی پہیئے پر وہ گھومتا ہے۔ لہٰذا اب کوئی استبعاد نہیں رہا اور نہ انکار کا کوئی راستہ باقی ہے۔

چوتھی فصل

نوافل کی تعداد

رسولِ خدا نے جو فرمایا ہے: پچاس رکعت نماز میری سنّت کے مطابق ہے اس سے مقصود تمام روز کی پنجگانہ نمازیں اور ان کی نوافل ہیں سوائے نمازِ وتیرہ کے جو نمازِ عشا کے بعد بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے اور ایک رکعت شمار ہوتی ہے کہ اس کو ملا کر واجبی نمازوں اور نوافل کی تعداد روزآنہ کی ۵۱ رکعت ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ رسولِ خدا نے اس کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا ہو کہ باقی پنجاہ (پچاس) رکعتیں سنتِ موکدہ ہیں جیسا کہ ابنِ عمیر کی روایت اس مطلب پر دلالت کرتی

ہے وہ کہتے ہیں:

«قَالَ: سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ اَفْضَلِ مَا جَرَتْ بِهِ السُّنَّةُ مِنَ الصَّلَاةِ. قَالَ: تَمَامُ الْخَمْسِينَ.»[54]

"میں نے امام جعفر صادقؑ سے سُنتی نمازوں میں سب سے افضل کو پوچھا تو فرمایا: پوری پچاس رکعتیں" اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خود رسولؐ خدا کی بھی سیرت انھیں پچاس رکعتوں کی تھی[55] اگرچہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ عتمہ (عشا کے بعد والی دو رکعتیں) کو پڑھا کرتے تھے[56] اور ہو سکتا ہے کہ اس کا ذکر نہ کرنا اور پچاس ہی رکعتوں کا سنّت ہونا اس وجہ سے ہو کہ عتمہ نمازِ وتر کے بدلے میں ہوتی ہے۔ خود مستقل کوئی نماز نہیں ہے۔ چنانچہ فضیل بن یسار کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے[57] اور روایت میں اس کا نام وتر بتایا گیا ہے[58] اور بعض روایات میں ہے کہ اگر کوئی عتمہ پڑھ کر مرجائے تو گویا وہ وتر پڑھ کر مرا ہے[59] پس درحقیقت یہ دو رکعت نمازِ وتر ہے جو حادثۂ موت کے خوف سے اپنے وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ لیکن اگر وتر کا وقت آگیا تو یہ وتر سے کفایت نہیں کرے گی اور بعض روایات میں ہے یہ دونوں رکعتیں پنجگانہ نمازوں میں نہیں ہیں ان کو تو محض اس لئے اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ عدد مکمل ہو جائے اور ہر دو رکعت نافلہ ایک رکعت واجب کے مقابلہ میں پڑجائے[60] ان حدیثوں میں مدلول کے اعتبار سے اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ ممکن ہے افضل شئ وہی پچاس رکعت ہو اور یہ دو رکعت سنّت غیر موکدہ ہو، اس کو بطورِ احتیاط حادثۂ موت اور تکمیل عدد کے لئے قرار دیا گیا ہو۔

بہرحال نوافل یومیہ کی بہت فضیلت آئی ہے۔ بلکہ بعض روایات میں ترکِ نوافل کو معصیت قرار دیا گیا ہے[61] اور بعض میں ہے خداوندِ عالم ترکِ سنّت پر عذاب کرے گا[62] اور بعض روایات میں اس کی تعبیر وجوب سے بھی کی گئی ہے[63] اور یہ صرف تاکید کے لئے ہے اور اس کے ترک سے ممانعت کے لئے ہے۔ ایسے انسان کے لئے سزاوار ہے کہ حتی الامکان نوافل کو ترک نہ کرے اس لئے کہ ان کے جعل کی وجہ تکمیلِ فرائض اور ان کی قبولیت کے لئے ہے۔[64] بعض روایات میں ہمارے شیعہ اہل ۵۱ رکعت نماز ہیں[65] اور حدیث میں ظاہر ہوتا ہے اہلِ سنّت کے مقابل اس کو بجالانے والے ہیں نہ یہ کہ صرف اہلِ عقیدہ ہیں۔ چنانچہ علاماتِ مومن والی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔[66]

ہر ماہ تین روزے کا استحباب

رسولِ خدا کی دوسری سنت ہر ماہ تین روزے رکھنا ہے۔ تقریباً چالیس حدیثیں اس کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں[٦٧] البتہ ان کی کیفیت کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہے لیکن جو چیز علما کے درمیان مشہور اور اخبارِ کثیرہ کے موافق اور رسولِ خدا کی آخری عمر کے مطابق اور جس پر ائمہ ہدیٰ ہیں وہ یہ ہے کہ پہلی جمعرات جو عرضِ اعمال کا دن ہے اور دوسرے عشرے کا پہلا بدھ جو مسلسل روزِ نحس اور روزِ عذاب کا دن ہے اور آخری عشرے کی آخری جمعرات یہ بھی عرضِ اعمال کا دن ہے۔ یہی تین دن مُراد ہیں[٦٨] ایک روایت میں ہے کہ سابق اُمتوں میں جب بھی عذاب نازل ہوتا تھا انھیں دنوں میں سے کسی دن ہوتا تھا۔ اس لئے رسولِ خدا نے ان دنوں میں روزہ رکھا[٦٩] اور حدیث میں ہے کہ ان تینوں دنوں کا روزہ ایک دہر کے روزے کے برابر ہے[٧٠] اور بعض روایات میں اس کی علّت اس آیت کو بیان کیا ہے۔

«مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا.»[٧١]

"جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گنا ثواب دیا جائے گا"

اور جو بعض روایتوں میں اس ترتیب کے خلاف آیا ہے وہ مراتب فضل پر محمول ہے (کوئی تعارض نہیں ہے) اور اگر بالفرض تعارض ہو بھی تو متعدد جہات سے انھیں روایات کو رجحان ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان روایات اور مخالف روایات کا تعارض نص وظاہر یا اظہر وظاہر کا تعارض ہے اور مرسلۂ صدوق جس میں ہے: اگر آخری عشرے میں دو جمعراتیں پڑ جائیں تو پہلی ہی جمعرات کو روزہ رکھ لو۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ دوسری جمعرات تم کو نصیب نہ ہو سکے گی"[٧٢] تو یہ ان روایات کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس مرسلہ کا ظاہر یہ ہے کہ فضیلت کو جلدی حاصل کر لیا جائے اس لئے کہ ہوسکتا ہے دوسری جمعرات تک موت آجائے یا دوسرا کوئی مانع پیدا ہوجائے۔ جیسا کہ تتمہ میں بھی یہی حکمت ملحوظ ہے۔ پس یہ روایت بھی ان روایات میں سے ہے جو مقصد پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی آخری جمعرات کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ معارض روایات میں سے ہے اور بظاہر اگر جمعرات اوّل کو روزہ رکھ لیا اور آخری جمعرات درک کر لیا تو افضل یہ ہے کہ اس فضیلت کا ادراک کرے اور پہلا روزہ کافی نہ ہوگا اور محقق جلیل فیض کاشانی[٧٣] اور محدث عالی شان جناب صاحبِ حدائق

علیہما الرحمتہ نے جو مقام جمع میں فرمایا ہے وہ بعید ہے خصوصاً دوسرے بزرگوں نے جو فرمایا ہے۔[۵]

صدقہ کی فضیلت

رسولِ خدا کی تیسری خصلت صدقہ دینا اور اس میں کوشش کرنا تھی پس یہ بھی مستحبات میں ایک ایسا مستحب ہے کہ کم تر مستحب اس درجہ کے ہیں۔ صدقہ کے سلسلہ میں روایات یہاں تک کہ غیر مذہب والوں اور بری و بحری حیوانات پر، اتنی زیادہ ہیں کہ اس کتاب میں نہیں سما سکتیں۔ میں صرف بعض کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

«مُحَمَّدُبْنُ يَعْقُوبَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ فِي حَدِيثٍ قَالَ قَالَ اَبُوعَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَيْسَ شَيْءٌ اَثْقَلَ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الصَّدَقَةِ عَلَى الْمُؤْمِنِ؛ وَهُوَ تَقَعُ فِي يَدِالرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَبْلَ اَنْ تَقَعَ فِي يَدِالْعَبْدِ»[۶]

ابن سنان کا بیان ہے کہ امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے: "مومن کو صدقہ دینے سے زیادہ کوئی بھی شیطان پر گراں نہیں ہے اور صدقہ بندے کے ہاتھ میں پہونچنے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں پہونچتا ہے"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي حَدِيثٍ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَخْلُقْ شَيْئاً اِلَّا وَلَهُ خَازِنٌ يَخْزُنُهُ اِلَّا الصَّدَقَةَ، فَاِنَّ الرَّبَّ يَلِيهَا بِنَفْسِهِ. وَكَانَ اَبِي اِذَا تَصَدَّقَ بِشَيْءٍ، وَضَعَهُ فِي يَدِالسَّائِلِ، ثُمَّ ارْتَدَّهُ مِنْهُ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ ثُمَّ رَدَّهُ فِي يَدِالسَّائِلِ.» [۷]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "خدا نے کوئی بھی چیز ایسی نہیں خلق فرمائی جس کے لئے نگہبان نہ رکھا ہو کہ اس کی حفاظت کرے سوائے صدقہ کے کہ خدا خود اس کی حفاظت کرتا ہے میرے والدِ ماجد جب صدقہ دیتے تھے تو سائل کے ہاتھ میں رکھ کہ اٹھا لیتے تھے پھر اس کو چوم کر اور سونگھ کر سائل کو واپس کر دیتے تھے۔"

اسی مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں ۸۹، جو عظمت صدقہ واس کی بزرگی شان پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا نے اس کی حفاظت کسی اور کے سپرد نہیں کی بلکہ اپنے یدِ قدرت اور احاطۂ قیومیت سے اس کی صورتِ کاملۂ غیبیہ کی حفاظت فرمائی ہے۔

اس حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثوں میں غور و فکر جو کتبِ اصحاب کے ابوابِ متفرقہ میں منقول ہیں، اہلِ معرفت و اصحابِ قلوب کے لئے کشفِ توحیدِ فعلی و تجلّیِ قیومیِ حق کرتی ہیں اور جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کے لئے ایک اہم نکتہ کا اشارہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ صدقہ (پہلے خدا کے) ہاتھ میں پڑتا ہے کہ اگر نعوذ باللہ اگر کسی قسم کا احسان کوئی فقیر پر جتانا چاہے یا اس کو اذیت کرنا چاہے تو وہ پہلے خدا کے ساتھ ہوگا جیسے کہ اگر صدقہ دینے میں تواضع و فروتنی کرے اور کمالِ خضوع و ذلت سے صدقہ سائل مومن کو دے تو یہ پہلے خدا کے لئے ہوگا جیسا کہ امام محمد باقرؑ "عاشقِ جمالِ حق سائل کے ہاتھ میں صدقہ دیکر پھر اس کو لے کر چومتے تھے اور محبوب کی بہترین خوشبو کو سونگھتے تھے اور خدا جانتا ہے کہ اس ذاتِ مقدس اور مجذوبِ حق کو کتنی راحتِ نفس اور سکونِ خاطر حاصل ہوتا تھا اور ان قلبی اشتعالات و باطنی شوقی احتراقات کو کتنا سکون ملتا تھا۔

افسوس ہزار افسوس! اس کتاب کا مصنف جو ہوائے نفس کے سمندر میں غرق ارض طبیعت میں مخلد، شہوتوں میں گرفتار شکم و فرج کا اسیر، ملک ہستی سے بے خبر، خودی و خود پرستی میں مست اس دنیا میں آیا اور عنقریب یہاں سے چلا جائیگا۔ جس نے محبتِ اولیا کا کچھ بھی ادراک نہ کیا اور ان کے جذبات و جذوات و منازل و درجات کو کچھ نہ سمجھ سکا۔ اسکا وقوف اس عالم میں وقوف حیوانی اور حرکاتِ حیوانی و شیطانی تھے اور اگر یہی حالت رہی تو اس کی موت بھی موتِ حیوانی و شیطانی ہوگی۔

«اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ الْمُشْتَكىٰ وَ عَلَيْكَ الْمُعَوَّلُ.» ۷۹

"خدایا تجھ ہی سے شکوہ و شکایت ہے اور تجھ ہی پر بھروسہ ہے۔"

خداوندا تو اپنے نورِ ہدایت سے ہماری دستگیری فرما اور اس خوابِ سنگین سے ہم کو ہوش میں لا اور عالمِ غیب و نور اور دارِ بہجت و سرور اور خلوتِ انس و محفلِ خاص میں دعوت دے۔

«وَ بِاِسْنادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ: اَرْضُ الْقِيامَةِ نارٌ ما خَلا ظِلَّ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّ صَدَقَتَهُ تُظِلُّهُ.» ۸۰

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، رسولِ خدا کا ارشاد ہے: قیامت کی (پوری) زمین آگ ہے سوائے مومن کے سایہ کے اس لئے کہ اس کا صدقہ اس پر سایہ کئے رہتا ہے۔"

روایت میں ہے "خدا صدقہ کی اسی طرح تربیت کرتا ہے جس طرح تم لوگ اونٹ کے بچہ کی تربیت کرتے ہو، اگر تم آدھی کھجور صدقہ میں دو تو خدا اس کی تربیت کر کے قیامت کے دن تم کو کوہِ احد یا اس سے (بھی) بڑی صورت میں دے گا۔"[۸۱]

اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں۔ بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ صدقہ سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔)

۱ ——— انسان بُری موت سے بچتا ہے۔[۸۲]

۲ ——— صدقہ سے روزی زیادہ ہوتی ہے۔[۸۳]

۳ ——— قرض ادا ہو جاتا ہے۔[۸۴]

۴ ——— عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور ستر قسم کی بُری موتوں سے بچاتا ہے۔[۸۵]

۵ ——— خداوندِ عالم اس کا عوض دس سے لے کر ایک لاکھ گنا تک عطا کرتا ہے۔[۸۶]

۶ ——— مال کی زیادتی کا سبب ہوتا ہے۔[۸۷]

۷ ——— جو شخص صبح کو صدقہ دیدے وہ اس دن آسمانی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر وہ پہلی رات کو صدقہ دیدے وہ اس رات آسمانی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔[۸۸]

۸ ——— مریضوں کا علاج صدقہ سے ہوتا ہے۔[۸۹]

اور اگر کوئی ایک مسلمان گھرانے کی کفالت کرے، ان کے کھانے کا انتظام کرے کپڑے پہنائے ان کی عزت و آبرو بچائے تو یہ ستر حج سے زیادہ محبوب ہے جبکہ ایک حج ستر غلاموں کے آزاد کرنے سے بہتر ہوتا ہے[۹۰] اور اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ غلام آزاد کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص غلام آزاد کرے۔ خداوندِ عالم (غلام کے) ہر عضو کے مقابلہ میں اس کے ہر عضو کو آتشِ جہنم سے آزاد کر دے گا۔[۹۱]

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے کد یمین سے ایک ہزار غلام آزاد فرمائے تھے [۹۲] اس کے علاوہ بھی حدیث ہے مگر اس کا ذکر موجب تطویل ہوگا۔

دوسرے نکتہ کا بیان

میں اس مقام کو ایک قابلِ ذکر نکتہ کے ساتھ ختم کرتا ہوں اور یہ ہے کہ آیت میں ہے:
«لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ.» ۹۳ "یعنی تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی محبوب چیز کو راہِ خدا میں خرچ نہ کر دو۔"

اور حدیث میں ہے: امام جعفر صادقؑ شکر کو صدقہ میں دیا کرتے تھے لوگوں نے پوچھا آخر آپ شکر کیوں صدقہ میں دیتے ہیں؟ فرمایا: میں ہر چیز سے زیادہ شکر کو دوست رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں جو چیز میرے نزدیک محبوب ترین ہے اسی کو صدقہ میں دوں؟ ۹۴

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت علیؑ نے ایک لباس خریدا وہ آپ کو بہت پسند آیا آپ نے صدقہ کر دیا اور فرمایا: میں نے رسولِ خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے: جو شخص غیر کو اپنے اوپر مقدم کرے۔ خدا قیامت کے دن اس کے لئے بہشت کو اختیار کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہو اور پھر اس کو خدا کے لئے قرار دے دے تو قیامت کے دن کہے گا: "لوگ نیکی کا بدلہ ایک دوسرے کو نیکی سے دیتے ہیں اور میں آج تیری جزا جنت قرار دوں گا۔" ۹۵

روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ خداؐ کے ایک صحابی کے پاس ایک باغ تھا جس کو وہ بہت دوست رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "خوشا بحال تیرا، خوشا کمال تیرا کہ یہ تیرے حق میں بہت ہی مفید ہے۔" ۹۶

ایک مرتبہ ابوذر کے پاس مہمان آیا۔ ابوذر نے کہا مجھے کام ہے۔ تم جاؤ جو اونٹ سب سے عمدہ ہو اسے میرے اونٹوں میں سے لے آؤ، مہمان گیا لاغر اونٹ لایا۔ ابوذرؓ نے کہا: تو نے میرے ساتھ خیانت کی۔ اس نے کہا: بہترین اونٹ تو نر اونٹ تھا مگر میں نے سوچا آپ کو اس کی ضرورت ہو سکتی ہے (اس لئے اس کو نہیں لایا) ابوذر نے کہا: میرے لئے ضرورت تو اس وقت ہو گی جب مجھے قبر میں رکھا جائے گا اور خدا کا حکم ہے "تم نیکی تک اس وقت تک نہیں پہنچو گے جب تک اپنی پسندیدہ ترین چیز راہِ خدا میں نہ دے دو۔ اس کے بعد ابوذرؓ نے کہا: مال کے تین حصہ دار ہیں۔

۱۔۔۔۔ قدر ہے جس کے لئے اچھے یا بُرے ہونے کی کوئی قید نہیں ہے وہ سب ہی کو ہلاک کر دیتی ہے۔

۲۔۔۔۔ وارث ہے جو موت کا منتظر ہوتا ہے۔

۲۔۔۔۔ تیسرا تو ہے لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ ان سب سے کمزور تر نہ ہو تو ایسا ہی کرو۔

ارشادِ خدا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ.[۹۷]

میرے اموال میں یہ اونٹ سب سے زیادہ مجھے محبوب تھا اس لئے مجھے سب سے زیادہ یہ بات پسند تھی کہ اس کو اپنے لئے پہلے بھیج دوں۔[۹۸]

صدقہ کا راز

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان مال و منال اور زیبائشِ دُنیا کی محبت کے ساتھ بزرگ ہوا ہے اور یہ بات اس کے دِل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکی ہے اور زیادہ تر اخلاقی و اعمال بلکہ دینی مفاسد کا ذریعہ یہی ہے جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں بھی وارد ہوا ہے۔[۹۹] اور ہم نے بھی بعض حدیثوں کی شرح کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۱۰۰] لہٰذا اگر انسان صدقات اور ایثار بر نفس کے ذریعہ اس محبتِ مال کو ختم کر سکے یا کم کر سکے تو مادۂ فساد اور برائیوں کی جڑ کو (گویا) اس نے کاٹ دیا اور حصولِ معارف اور انقطاع عالمِ غیب و ملکوت اور حصولِ ملکاتِ فاضلہ و اخلاقِ کاملہ کا دروازہ اپنے لئے کھول لیا اور یہ مالی انفاق واجب و مستحب کے سلسلہ میں ایک نکتہ ہے۔ مستحبات میں یہ نکتہ زیادہ کامل ہے جیسا کہ واضح ہے۔

بس اس باب کے مجموعۂ اخبار و آثار سے پتہ چل گیا کہ صدقہ دنیاوی اور اخروی فضائل کا جامع ہے اور دینے کے وقت سے انسان کے ہمراہ ہے اور بلا و مصیبت کو دور کرتا ہے اور انسان کو آخری وقت تک یعنی بہشت تک اور جوارِ حق تک پہونچانے میں مددگار رہتا ہے۔

تتمہ

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ صدقہ مندوبہ پوشیدہ و باطن میں ظاہر سے افضل ہے چنانچہ کافی میں ہے: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«يَا عَمَّارُ اَلصَّدَقَةُ فِي السِّرِّ وَاللّٰهِ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ فِي الْعَلَانِيَةِ؛ وَ كَذٰلِكَ وَاللّٰهِ اَلْعِبَادَةُ فِي السِّرِّ اَفْضَلُ مِنْهَا فِي الْعَلَانِيَةِ.»[101]

"اے عمار خدا کی قسم پوشیدہ طور سے صدقہ دینا علانیہ طور سے دینے سے افضل ہے۔ اسی طرح خدا کی قسم پوشیدہ طور سے خدا کی عبادت علانیہ طور کرنے سے بہتر ہے۔"

بہت سی حدیثوں میں وارد ہے کہ "پنہاں طور سے صدقہ دینا غضب پروردگار کو خاموش کر دیتا ہے۔"[102]

ایک حدیث میں ہے، "سات گروہ ایسے ہیں جن کو خدا اپنی پناہ میں اس دن محفوظ رکھتا ہے جس دن اس کے علاوہ کسی کی پناہ نہیں ہوتی۔ ایک ان میں سے پوشیدہ طور سے اس طرح صدقہ دینا ہے کہ اگر بائیں ہاتھ سے دے تو داہنے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔"[103]

ہو سکتا ہے افضلیت کی وجہ یہ ہو کہ پوشیدہ عبادت ریاکاری سے بہت دور اور خلوص سے بہت قریب ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ (ہو سکتی) ہے کہ پوشیدہ طریقہ سے صدقہ دینے میں فقیروں کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے۔

اسی طرح رشتہ داروں اور قرابتداروں پر صدقہ کرنا دوسروں پر صدقہ کرنے سے افضل ہے اور اس پر صلہ رحم جو عبادت ہے کا عنوان بھی صادق آتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے سب سے افضل صدقہ ذی رحم پر صدقہ کرنا ہے۔ مومنین سے صلہ کرنے کا اجر بیس گنا ہے اور رشتہ داروں سے صلہ کا اجر ۲۴ گنا ہے۔[104] بلکہ بعض روایات میں ہے اگر رحم محتاج ہو تو غیر رحم پر صدقہ کرنا قبول نہیں ہوتا۔[105]

خاتمہ

واضح ہو کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے: "صدقہ میں کوشش کرو یہاں تک کہ تم کو گمان ہو کہ تم نے اسراف کیا ہے حالانکہ اسراف نہیں کیا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدقہ میں کثرت مطلوب ہے اور صدقہ چاہے جتنا دیا جائے اسراف نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے امام حسنؑ نے تین مرتبہ اپنا مال فقرا کو آدھا آدھا کر کے تقسیم کر دیا تھا یہاں تک کہ دو جوتیاں یا دو کپڑے تھے تو اس کو بھی آدھا کر کے دیدیا تھا۔[106]

ایک اور حدیث میں ہے: امام رضاؑ نے امام محمد تقیؑ کو لکھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب تم سوار ہوتے ہو تو تمہارے غلام تم کو چھوٹے دروازے سے باہر لے جاتے ہیں وہ لوگ بخل کرتے ہیں چاہتے ہیں تم کسی کو کچھ نہ دو۔ تم کو میرے حق کی قسم جب بھی باہر نکلو یا اندر آؤ بڑے دروازے سے آؤ اور جب سوار ہو تو اپنے ساتھ سونا چاندی رکھو اور جو بھی تم سے سوال کرے اس کو عطا کرو۔ تمہارے چچاؤں میں سے اگر کوئی سوال کرے تو اس کو پچاس دینار سے کم نہ دو اور اگر زیادہ دینا چاہو تو تم کو اختیار ہے اور میں نے اس سے ارادہ کیا ہے کہ خدا تمہارا مقام بلند کرے۔ لہٰذا تم خرچ کرو اور اس سے نہ ڈرو کہ خدا تم پر تنگی کرے گا۔"[107]

یہ حدیثیں ان حدیثوں کے مخالف نہیں ہیں جن میں ہے کہ: اتنا زیادہ صدقہ کرنا جس سے عیال پر تنگی ہو جائے اسراف ہے یا جن میں ہے کہ جو شخص اتنا خرچ کر دے کہ اپنے اور اپنے عیال کے لئے کچھ نہ چھوڑے خدا اس کی دعا قبول نہیں کرتا۔[108] یا یہ کہ حدیث میں ہے کہ: بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی کفاف سے زیادہ ہو۔[109] (پس یہ حدیثیں مخالف نہیں ہیں) کیونکہ صدقہ میں اتنی کثرت اور جہد واجب نہیں ہے کہ وہ صدقہ اتنا ہو کہ باعث تنگیِ عیال ہو جائے اس لئے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنا نصف مال بھی صدقہ کر دینے کے بعد اپنے اور اپنے عیال کے کفاف کو باقی رکھتے ہیں (تنگی نہیں پیدا ہونے دیتے) یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ ضیقِ معاش و سختی میں مبتلا ہو جائیں۔

نمازِ شب کی فضیلت

اس حدیث شریف میں نمازِ شب اور نماز ظہر کے ادائیگی کی بہت تاکید آئی ہے نمازِ شب کے لئے تو میں نے پہلے بھی بعض حدیث کی شرح کرتے ہوئے بیان کیا ہے؛[1] یہاں پر میں تبرکاً بعض حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

وسائل میں کافی کے حوالہ سے امام جعفر صادق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مومن کا شرف نمازِ شب پڑھنے میں ہے اور اس کی عزت لوگوں کی آبرو بچانے میں ہے"[1]

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادقؑ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "حضرت رسولؐ خدا نے جبرئیل سے فرمایا: مجھے کچھ موعظہ کرو، جبرئیل نے کہا: اے محمدؐ جتنی زندگی چاہے حاصل کر لو ایک دن بہر حال مرنا ہے، جس کو چاہو دوست رکھو مگر اس سے کسی نہ کسی دن جدا ہونا ہے، جو جی چاہے عمل کرو ایک نہ ایک دن اس سے ملاقات کرنی ہے اور یہ جان لو کہ مومن کا شرف نمازِ شب ہے اور اس کی عزت لوگوں کی آبرو کی حفاظت ہے"۔[2]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: مال اور اولاد زندگانی دنیا کی زینت ہیں اور آخر شب میں آٹھ رکعت نماز و تر کے ساتھ آخرت کی زینت ہے اور کبھی خدا کسی گروہ کے لئے دونوں کو اکٹھا کر دیتا ہے۔[3]

شیخ مفیدؒ نے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: "جب کوئی بندہ اپنی بہترین نیند سے خدا کی خوشنودی کی خاطر نمازِ شب کے لئے اونگھتے ہوئے اٹھتا ہے تو اس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر کرتا ہوا فرماتا ہے:

"گواہ رہنا میں نے اس کو بخش دیا"۔[4]

اس قسم کی حدیثیں نمازِ شب کی فضیلت میں بہت ہیں ان کے ذکر کی گنجائش اس مختصر سی کتاب میں نہیں ہے۔

صلوٰۃ وسطیٰ کا بیان

اور نمازِ زوال جس کی رسولِ خداؐ نے بہت تاکید کی ہے اس سے مُراد نمازِ ظہر کے نوافل ہیں۔ چنانچہ دوسری روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ۱۱۵ اور ان نوافل کی تاکید یا اس وجہ سے ہے کہ خود ان میں خصوصیت واہمیت ہے اور یا پھر اس وجہ سے ہے کہ نمازِ وسطیٰ کے متعلقات میں سے ہے اور اس کی قبولیت وتمامیت کا سبب ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث میں خود نمازِ ظہر مُراد ہو کیونکہ وہی نمازِ وسطیٰ ہے اس لئے کہ نمازِ یومیہ کے وسط میں ہے (صبح اور عصر کے بیچ میں ہے) اور خداوندِ عالم نے آیتِ شریفہ: «حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ.» ۱۱۶

"تم تمام نمازوں کی (اور خصوصاً) بیچ والی نماز (صبح یا ظہر یا عصر) کی پابندی کرو" میں مخصوص طور سے اس کی حفاظت اور اس کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور فقہا کے درمیان مشہور اور اظہر صلوٰۃ وسطیٰ سے مُراد نمازِ ظہر ہے جس کی دیگر نمازوں کے درمیان مزید خصوصیت حاصل ہے اور یہی ظہر وہ پہلی نماز ہے جس کو خدا نے جبرئیلؑ کے ذریعہ حضرت آدمؑ پر اُتارا تھا۔

اور رسولِ خداؐ کے اس فرمان عَلَيْكَ بِصَلَاةِ الزَّوَالِ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کی مُراد نوافل اور اس کے وقت وحدود کی حفاظت ہے صرف اصل نماز کے پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ جیسے کہ نمازوں کی محافظت اور خصوصاً نمازِ ظہر کی حفاظت سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ چنانچہ اہلِ بیتؑ کی روایات میں نمازوں کے اوقات کی حفاظت اور اوقاتِ فضیلت میں ادا کرنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ بلکہ کبھی تو بغیر کسی عذر کے وقت فضیلت پر نہ پڑھنے کو تضیع اور تہاون (سُستی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خصوصاً جب آدمی مسلسل اسی طرح پڑھتا ہو۔ اس لئے کہ سب ہی کو معلوم ہے جو شخص کسی چیز کو اہمیت دیتا ہے تو ہر طریقہ سے اس کو جلدی اور عمدہ طریقہ سے انجام دیتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر اس کی اہمیت نہیں سمجھتا اور اس کی ادائیگی میں سُستی وتغافل برتتا ہے اور خدا نہ کرے کہ یہ کام استخفافِ نماز اور سہل انگاری تک پہونچ جائے کیوں کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے: "جو نماز کا استخفاف کرتا ہے اگر وہ اسی حالت پر مرجائے اور اس کی نماز ایسی ہی ہو تو میرے دین پہ نہیں مرے گا" ۱۱۷ بلکہ کبھی تو تہاون وسُستی کی وجہ

سے معاملہ ترکِ نماز تک پہونچ جاتا ہے اور یہ بات فطری ہے کہ جس کی اہمیت نہ ہو وہ رفتہ رفتہ نظروں سے گر جاتی ہے اور انسان اسے بھول جاتا ہے۔ دنیاوی کاموں میں ہم کو فراموشی بہت ہی کم حاصل ہوتی ہے خصوصاً جو بہت اہم ہو کیونکہ نفس اس کی اہمیت کی وجہ سے اور بہت زیادہ محبوب رکھنے کی وجہ سے اپنی توجہ اسی کی طرف رکھتا ہے اور ہمیشہ اس کو یاد رکھتا ہے ظاہر ہے ایسی چیز بھولنے والی نہیں ہوتی مثلاً اگر کوئی آپ سے وعدہ کرے کہ میں فلاں دن فلاں وقت آپ کو ایک رقم دوں گا جو آپ کی نظر میں اہم ہو اور آپ اس کو سچا بھی سمجھتے ہوں تو آپ اس کو اور اس وقت کو نہ بھولیں گے۔ دن شماری کرتے رہیں گے اور وقتِ معیّن پر بڑے حضورِ قلب اور توجہ باطن کے ساتھ پہونچ جائیں گے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس چیز کی محبت اور اس کی عظمت جو آپ کی نظر میں ہے آپ کو آمادہ کرے گی سستی نہ کرنے دے گی۔ یہی صورت دیگر دُنیاوی امور میں ہے اگر آپ کی نظر میں اس کی اہمیت ہے۔ لیکن اگر آپ کی نظر میں کوئی چیز ذلیل و خوار ہوگی تو اگر نفس اس کی طرف توجہ بھی کرے گا تو وقتی ہوگا اور بس دل میں فطور کرے گا اور پھر غفلت چھا جائے گی۔

اسی سے پتہ چلتا ہے کہ دینی امور میں ہماری سُستی کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم غیب پر ایمان نہیں رکھتے۔ یقین و ایمان کا پایہ سُست ہے۔ خدا اور انبیا کے وعدوں کو دل سے قبول نہیں کیا۔ ہماری نظر میں تمام اوضاع الٰہی و شرائع دینی پست و سُست ہیں اور یہی سُستی رفتہ رفتہ تغافل آور ہے اور یا اسی عالم میں ہم پر غفلت لانے والی ہے اور ظاہری دین سے بھی خارج کرنے والی ہے یا موت کی شدت و سختی میں غفلت کلی پیدا کرنے والی ہے۔

یہ پنجگانہ نمازیں جو دین کا ستون اور ایمان کا محکم پایہ ہیں۔ ایمان باللہ کے بعد اسلام میں اتنی اہمیت کسی اور چیز کو حاصل نہیں ہے اور اس بات کو توجہات نوریۂ باطنیہ اور صورِ غیبیہ ملکوتیہ کے بعد خدا اور خاصانِ الٰہی کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم تذکرۂ حق کی تکرار الٰہی آداب و اوضاع کے ساتھ جو نماز میں پیشِ نظر رکھی گئی ہے کے ساتھ نماز انسان کا رابطہ خدا اور عوالم غیبیہ سے محکم کرتی ہے اور یہی جہت اس میں بہت اہم ہے۔ بلکہ ملکۂ خضوع کو دل کے اندر پیدا کرتی ہے۔ شجرۂ طیبیہ توحید اور وحدانیت کو اس طرح محکم کرتی ہے کہ وہ پھر کسی چیز سے زائل ہونے والی نہیں ہے سکراتِ موت، اہوال مطلع و شہود نمونہ غیب کے موقع پر امتحان باری تعالیٰ میں کامیاب ہوتا ہے۔ دین مستقر و محفوظ رہتا ہے۔ مستودع اور زائل ہونے والا اور تھوڑے سے فشار سے نسیان آور ہونے والا نہیں ہوتا۔

«اِيّاکَ ثُمَّ اِيّاکَ وَاللهِ مُعِينُکَ فِي اُولٰيکَ وَاُخْرَاکَ.»[118] لٰہذا اے عزیز! خبردار پھر خبردار خدا دنیا و آخرت میں تمھارا مددگار رہے"۔ دینی معاملات میں خصوصاً نماز کے بارے میں سستی نہ کرنا اور ان کو کمزور نہ سمجھنا۔ خدا جانتا ہے کہ انبیا و اولیا و ائمہ ھدیٰ نے بندگانِ خدا پر انتہا سے زیادہ شفقت کی بنا پر (نماز کے لئے) اتنی ترغیب و تحذیر فرمائی ہے (کہ انتہا نہیں ہے) حالانکہ ہمارے ایمان سے ان کو کوئی فائدہ پہونچے گا اور نہ ہمارے ایمان سے ان کو کوئی سود حاصل ہوگا۔

پانچویں فصل

تلاوت قرآن کی فضیلت

رسولِ خدا کی ایک وصیت تلاوتِ قرآن کی ہے۔ حفظ و حمل و تمسک و تعلم و مداومت و مزاولت و تلاوت و تدبر در معانی و اسرار قرآن کی فضیلت اتنی زیادہ ہے کہ ہماری ناقص سمجھ میں نہیں آسکتی اور صرف اہلِ بیتؑ ہی سے اس سلسلہ میں جو وارد ہوا ہے اس کی گنجائش اس مختصر سی کتاب کے اندر نہیں ہے۔ میں تھوڑا سا ذکر کرکے اسی پر قناعت کروں گا۔

«کَافِي بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اَلْقُرْآنُ عَهْدُاللهِ اِلٰى خَلْقِهِ؛ فَقَدْ يَنْبَغِي لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يَنْظُرَ فِي عَهْدِهِ وَاَنْ يَقْرَأَ مِنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ خَمْسِينَ آيَةً.»[119]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "قرآن خدا کا وہ عہد ہے جو اس کی مخلوق سے (کیا گیا) ہے لٰہذا مرد مسلمان کو اس عہد کو دیکھنا چاہیئے اور پچاس آیت روز پڑھنی چاہیئے"۔

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، يَقُولُ: آيَاتُ الْقُرْآنِ خَزَائِنُ؛ فَكُلَّمَا فُتِحَتْ خَزِينَةٌ، يَنْبَغِي لَكَ اَنْ تَنْظُرَ فِيهَا.»[120]

زہری کا بیان ہے: میں نے امام سجادؑ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے:

"قرآنی آیات خزانے ہیں۔ جب بھی کوئی خزانہ کھولا جائے تم کو اسے دیکھنا چاہیئے۔"

ان دونوں حدیثوں کا ظاہر یہ ہے کہ آیتوں میں تدبر اور ان کے معانی میں تفکر بہت اچھی بات ہے۔ آیاتِ محکمہ الہیّہ میں تدبر و تفکر، معارف و حِکَم کا سمجھنا، توحید و تفرید کا فہم (وافہام) یہ سب تفسیر بالرائے کے علاوہ ہے۔ تفسیر بالرائے کا مطلب اہلِ بیت وحی جو کلامِ الہیٰ کے مخاطب ہیں ان سے تمسک کئے بغیر اصحاب رائے اور خواہشاتِ فاسدہ کے مطابق قرآنی آیتوں کی تفسیر کرنا ہے جو اپنی جگہ ثابت ہے اور اس کی تفصیل یہاں نامناسب ہے۔ (آیات میں غور و فکر کے لیے) یہی آیت کافی ہے: «اَفَلاَ یَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا.» [۱۲۱] "تو کیا یہ لوگ قرآن میں (ذرا بھی) غور نہیں کرتے یا روایات میں قرآن کی طرف رجوع کرنے اور اس کے معانی میں غور کرنے کے لئے بہت تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ سے منقول ہے: اس قرائت میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں تفکر نہ ہو۔ [۱۲۲]

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلاَمُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: مَنْ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ فِي لَيْلَةٍ، لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِينَ. وَمَنْ قَرَأَ خَمْسِينَ آيَةً، كُتِبَ مِنَ الذَّاكِرِينَ. وَمَنْ قَرَأَ مِائَةَ آيَةٍ. كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِينَ. وَمَنْ قَرَأَ مِائَتَيْ آيَةٍ. كُتِبَ مِنَ الْخَاشِعِينَ. وَمَنْ قَرَأَ ثَلاَثَمِائَةَ آيَةٍ، كُتِبَ مِنَ الْفَائِزِينَ. وَمَنْ قَرَأَ خَمْسَمِائَةَ آيَةٍ. كُتِبَ مِنَ الْمُجْتَهِدِينَ. وَمَنْ قَرَأَ أَلْفَ آيَةٍ، كُتِبَ لَهُ قِنْطَارٌ مِنْ بِرٍّ: اَلْقِنْطَارُ خَمْسَةَ عَشَرَ أَلْفَ (خَمْسُونَ أَلْفَ) مِثْقَالٍ مِنْ ذَهَبٍ؛ وَالْمِثْقَالُ أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ قِيرَاطاً: أَصْغَرُهَا مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ. وَأَكْبَرُهَا مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.» [۱۲۳]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "حضرت رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: جو شخص رات میں دس آیتوں کی تلاوت کرے اس کو غافلوں میں نہیں لکھا جاتا اور جو پچاس آیتوں کی تلاوت کرے اس کو ذاکرین میں لکھا جاتا ہے اور جو سو آیتوں کو پڑھے اس کو قانتین میں لکھا جاتا ہے۔ جو دو سو آیتوں کو پڑھے اس کو خاشعین میں لکھا جاتا ہے اور جو تین سو آیتوں کو پڑھے اس کو فائزین میں لکھا جاتا ہے اور جو پانچ سو آیتیں پڑھے اس کو مجتہدین میں لکھا جاتا ہے اور جو ایک ہزار آیات کی تلاوت

کرے اس کے نیکیوں کا ایک قنطار لکھا جاتا ہے۔ ایک قنطار پندرہ ہزار مثقال سونے کا ہوتا ہے (پچاس ہزار) اور ایک مثقال ۲۴ قیراط کا ہوتا ہے۔ سب سے چھوٹا قیراط کوہِ احد کے مثل ہوتا ہے اور سب سے بڑا اتنا ہوتا ہے جتنا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیان ہوتا ہے۔"

بہت سی روایات میں ہے: "قرآن بہت ہی خوبصورت شکل میں آئے گا (یا) اہلِ قرآن کی شفاعت کرے گا اور تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کرے گا۔" ۱۲۴ مگر میں نے ان روایات سے صرفِ نظر کر لیا۔

حدیث میں ہے "جو شخص جوانی میں تلاوتِ قرآن کرتا ہے قرآن اس کے گوشت اور خون میں داخل ہو جاتا ہے اور خداوندِ عالم اس کو سفرائے کرام کے ساتھ نیکوکاروں میں سے قرار دیتا ہے اور قیامت میں قرآن اس کی پناہ ہے۔ قرآن خدا کے سامنے کہے گا: پالنے والے ہر عامل نے اپنا اُجر پا لیا سوائے میرے اوپر عمل کرنے والے تھے۔ پس تو اپنی بہترین عطا اس کو مرحمت فرما۔ تب خدا اس کو حلّہائے بہشت سے دو حلّیے اس کو پہنائے گا اور اس کے سر پر تاجِ کرامت رکھے گا اور خطاب کرے گا: کیا تو راضی ہو گیا؟ قرآن کہے گا: میں اس سے زیادہ کی امید رکھتا ہوں تب امن وامان اس کے داہنے ہاتھ میں دیں گے اور خلد کو بائیں میں۔ پھر وہ بہشت میں جائے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا: تلاوت کر اور ایک درجہ اُوپر آ: پھر قرآن سے خطاب ہوگا: کیا میں نے اس کو منزلات تک پہونچا دیا اور تو راضی ہو گیا؟ قرآن عرض کرے گا میں راضی ہو گیا" ۱۲۵

امام جعفرِ صادقؑ نے فرمایا: "جو قرآن کی بہت تلاوت کرے اور اس سے عہد کرے اس کے حفظ کرنے کے لئے مشقت کرنے کا۔ تو (خدا) اس کو دو اُجر دے گا۔" ۱۲۶

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور انسان کا باطن کلامِ الٰہی کی صورت بن جائے اور مرتبۂ ملکہ سے مرتبۂ تحقق حاصل ہو جائے اور یہ جو فرمایا ہے کہ: جوان مومن جو تلاوت کرے تو قرآن اس کے گوشت وخون میں داخل ہو جائے۔" اس کا مطلب یہ ہے اور (اس سے کنایہ کیا ہے کہ صورتِ قرآن اس کے قلب میں اس طرح مستقر و جاگزیں ہو جائے کہ انسان کا باطن کلامِ اللہ اور قرآن مجید اس کے استعداد کے مطابق بن جائے اور حاملِ قرآن سے مُراد وہ ہے کہ اس کی باطنی ذات مکمل حقیقت کلامِ الٰہی بن جائے اور خود قرآن (چونکہ جامع اور فرقان قاطع ہے (لہٰذا وہ بھی اسی طرح بن جائے) جیسے حضرت علیؑ اور ان کی ذریت طاہرہ سراپا تحقق بہ آیاتِ طیبات تھے اور یہی حضرات آیات اللہ اعظمٰی

اور قرآن تام و تمام تھے۔ دہی نہیں) بلکہ تمام عبادتوں میں یہی معنی مطلوب ہیں. عبادتوں اور اس کی تکرار کا سب سے بڑا راز یہی حقائق عبادات کا تحقق ہے اور باطن ذات و قلب کا بصورت عبادت مقصود ہونا ہے اور حدیث میں آیا ہے: مومن کی نماز و روزہ حضرت علیؑ ہیں۔" ۱۲۷

جوانی میں عبادت اثر انداز ہوتی ہے

(عبادتوں سے) قلبی تاثر اور باطنی تصور جوانی میں زیادہ اچھی طرح حاصل ہوتا ہے کیونکہ جوان کا قلب لطیف و سادہ ہوتا ہے اور اس میں صفا زیادہ ہوتی ہے اس میں تزاحمات و تراکمات و واردات بہت کم ہوتے ہیں وہ شدید الانفعال اور کثیر القبول ہوتا ہے۔ بلکہ ہر خصلت چاہے اچھی ہو یا بری جوان قلب میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے اور قلب بہت شدت سے اور بہت جلد اس سے متأثر ہو جاتا ہے۔ بلکہ زیادہ تر بغیر کسی دلیل و حجت کے جوان کا دل محض معاشرت سے حق یا باطل کو، اچھائی یا برائی کو قبول کر لیتا ہے۔ لہٰذا جوانوں پر لازم ہے کہ ان کا دل چاہے ایمان سے جتنا محکم ہو پھر بھی بروں کی صحبت اور ان سے موانست و معاشرت کو ترک کر دیں۔ بلکہ تباہکاروں اور بری عادتوں اور برے اعمال والوں سے معاشرت نوع طبقات کے لئے مضر ہے۔ اس لئے نہ کسی کو اپنے اوپر مطمئن ہونا چاہیئے اور نہ اپنے ایمان و اخلاق و اعمال پر مغرور ہونا چاہیئے۔ چنانچہ احادیث میں بھی اہلِ معاصی سے معاشرت کرنے کی ممانعت آئی ہے۔" ۱۲۸

قرأت کے آداب

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی قرأت کا مقصد یہ ہے کہ دلوں میں اس کی صورت نقش ہو جائے۔ اس کے احکام و نواہی کے اثرات مُرتب ہوں. اس کی دعوتیں جاگزیں ہو جائیں اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک قرأت کے آداب کا لحاظ نہ کیا جائے اور آداب کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے۔ "جیسا کہ بعض قاریوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ساری توجہ حروف کے مخارج اور ادائے الفاظ کی طرف رکھی جائے۔ اس طرح کے معنیٰ اور غور و فکر تو کجا خود تجوید بھی باطل ہو جائے۔ بلکہ بہت سے کلمات اپنی اصلی صورت سے خارج ہو کر دوسری صورت میں ڈھل

جائیں اور مادّہ وصورت بالکل بدل جائے اور یہ بھی شیطان کی ایک مکاری ہے کہ عبادت گزار انسان کو آخر عمر تک الفاظِ قرآن میں سرگرم رکھتا ہے۔ نزولِ قرآن کے مقصد، اوامر و نواہی کی حقیقت، معارفِ حقہ کی طرف دعوت اور اخلاق حسنہ سے یکدم غافل بنا دیتا ہے۔ پچاس سال کی قرائت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شدّتِ تغلیظ اور اس میں تشدید کی بنا پر صورت کلام سے بالکلیہ خارج ہو کر ایک عجیب و غریب صورت اس نے پیدا کر لی ہے اور (یہ سب بیکار ہے) بلکہ آداب سے مُراد وہ آداب ہیں جو شریعت مطہرہ میں منظور شدہ ہیں اور ان میں بہترین صورت یہ ہے کہ آیات میں تدبر و تفکر کر کے عبرت حاصل کی جائے جیسا کہ پہلے اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

«قَالَ: اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ فِيهِ مَنَارُ الْهُدٰى وَ مَصَابِيحُ الدُّجٰى؛ فَلْيَجُلْ جَالٍ بَصَرَهُ وَيَفْتَحْ لِلضِّيَاءِ نَظَرَهُ؛ فَاِنَّ التَّفَكُّرَ حَيَاةُ قَلْبِ الْبَصِيرِ كَمَا يَمْشِي الْمُسْتَنِيرُ فِي الظُّلُمَاتِ بِالنُّورِ»۱۲۹

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: ”اس قرآن کے اندر ہدایت کے منارے، تاریکی کے چراغ موجود ہیں لہٰذا صاحبِ نظر اپنی آنکھوں کو جوانی دے اور نورِ قرآن سے استفادہ کے لئے اپنی آنکھوں کو کھولے۔ اس لئے کہ قرآن میں تفکرِ قلب بصیر کی حیات ہے جس طرح تاریکیوں میں چلنے والا نور سے روشنی حاصل کرتا ہے۔“

«وَمِنَ الْمَجَالِسِ بِاِسْنَادِهِ عَنْ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي كَلَامٍ طَوِيلٍ فِي وَصْفِ الْمُتَّقِينَ: وَاِذَا مَرُّوا بِآيَةٍ فِيهَا تَخْوِيفٌ، اَصْغَوْا اِلَيْهَا مَسَامِعَ قُلُوبِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ، فَاقْشَعَرَّتْ مِنْهَا جُلُودُهُمْ، وَوَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ، فَظَنُّوا اَنَّ صَهِيلَ جَهَنَّمَ وَزَفِيرَهَا وَشَهِيقَهَا فِي اُصُولِ آذَانِهِمْ. وَاِذَا مَرُّوا بِآيَةٍ فِيهَا تَشْوِيقٌ، رَكَنُوا اِلَيْهَا طَمَعاً، وَتَطَلَّعَتْ اَنْفُسُهُمْ اِلَيْهَا شَوْقاً، وَظَنُّوا اَنَّهَا نُصْبَ اَعْيُنِهِمْ»۱۳۰

متقین کی صفت بیان کرتے ہوئے حضرت علیؑ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں:
”جب وہ کسی ایسی آیت کی طرف سے گزرتے ہیں جس میں تخویف (خوف دلایا گیا) ہے تو اپنے دلوں اور آنکھوں کے کان ادھر لگا دیتے ہیں اور اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُن کے دل دہل جاتے ہیں اور ان کو خیال ہونے لگتا ہے جہنم کی شہیق و زفیر چیخ و پکار ان کے کانوں

کو پھاڑے دے رہی ہے اور جب کسی ایسی آیت پر پہونچتے ہیں جس میں تشویق ہوتی ہے تو اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں طمع کی وجہ سے اور شوق کی وجہ سے ان کے نفوس ان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ان کے سامنے ہی ہے۔"

یہ بات واضح ہے کہ جو شخص قرآن کے معانی میں تدبر و تفکر کرے گا وہ اس کے دل میں اثر کرے گا اور رفتہ رفتہ وہ متقین کے درجہ تک پہونچ جائے گا اور اگر توفیق الہٰی شامل حال ہوئی تو اس سے بھی آگے بڑھ جائے گا اور اس کے تمام اعضاء و جوارح اور طاقتیں آیاتِ الہٰی بن جائیں گی اور ہو سکتا ہے خطاباتِ الہٰی کی چنگاریاں اور خطابات اس کو بے محو دبنا دیں اور وہ اِقرَأ وَاصعَد کی منزل اسی عالم میں پالے یہاں تک کہ وہ متکلم کے کلام کو بے واسطہ سننے لگے اور جو کچھ ہمارے اور تمہارے وہم و گمان میں نہ ہو وہ اس کو نصیب ہو جائے۔

قرأت میں اخلاص

تلاوتِ قرآن کالازمی ادب جو دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور جس کے بغیر عمل کی کوئی قیمت نہیں ہوا کرتی بلکہ عمل برباد و باطل و موجب ناراضگی خدا ہوتا ہے وہ "اخلاص" ہے اور یہی مقاماتِ اخروی کا سرمایہ اور تجارتِ آخرت کا راس المال ہے۔ اس سلسلہ میں بھی اخبار اہل بیتؑ میں بہت تاکید آئی ہے۔ ان میں سے یہ حدیث ہے جو کافی میں ہے:

«بِإسْنادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: قُرّاءُ الْقُرْآنِ ثَلاثَةٌ: رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاتَّخَذَهُ بِضاعَةً وَاسْتَدَرَّ بِهِ الْمُلُوكَ وَاسْتَطالَ بِهِ عَلَى النّاسِ. وَرَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَحَفِظَ حُرُوفَهُ وَضَيَّعَ حُدُودَهُ وَأَقامَهُ إِقامَةَ الْقِدْحِ. فَلا كَثَّرَ اللّٰهُ هٰؤُلاءِ مِنْ حَمَلَةِ الْقُرْآنِ. وَرَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَوَضَعَ دَواءَ الْقُرْآنِ عَلى داءِ قَلْبِهِ، فَأَسْهَرَ بِهِ لَيْلَهُ، وَأَظْمَأَ بِهِ نَهارَهُ، وَقامَ بِهِ فِي مَساجِدِهِ، وَتَجافى بِهِ عَنْ فِراشِهِ؛ فَبِأُولٰئِكَ يَدْفَعُ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْجَبّارُ الْبَلاءَ وَبِأُولٰئِكَ يُدِيلُ اللّٰهُ مِنَ الْأَعْداءِ وَبِأُولٰئِكَ يُنَزِّلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ مِنَ السَّماءِ فَوَاللّٰهِ، لَهٰؤُلاءِ فِي قُرّاءِ الْقُرْآنِ أَعَزُّ مِنَ الْكِبْرِيتِ الْأَحْمَرِ» [۱۳۱]

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: قاریانِ قرآن کی تین قسمیں ہیں: ۱: ایک وہ گروہ ہے جو قرائت کو سرمایہ معیشت بناتا ہے اور اس کے ذریعہ بادشاہوں سے رقم اینٹھتا ہے اور لوگوں پر بڑائی جتاتا ہے: ۲- دوسرا گروہ وہ ہے جو قرآن کے حروف وصورت کی حفاظت کرتا ہے (مگر) اس کے حدود کو برباد کرتا ہے اور اس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں جیسے سوار اپنی تیروں کو اپنی پیٹھ پر لٹکا لیتا ہے خدا ایسے حاملانِ قرآن کی تعداد زیادہ نہ کرے: ۳- تیسرا گروہ وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور اس کو دردِ دل کا علاج قرار دیتا ہے۔ اس کے لئے شب بیداری کرتا ہے دن کو روزہ رکھتا ہے، مسجدوں میں حاضری دیتا ہے، اپنے بستر پر نہیں سوتا۔ اس جیسے لوگوں کے واسطہ سے خدا بلاؤں کو دور کرتا ہے اور دشمنوں کے خلاف غلبہ عطا کرتا ہے، آسمان سے پانی برساتا ہے خدا کی قسم یہ لوگ قاریانِ قرآن کے درمیان کبریت احمر سے زیادہ عزیز ہیں۔"

«وَعَنْ عِقَابِ الْأَعْمَالِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللَّهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ آبَائِهِ، عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَأْكُلُ بِهِ النَّاسَ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَا لَحْمَ فِيهِ.» ۱۳۲

عقاب الاعمال میں امام جعفر صادقؑ نے اپنے باپ سے انھوں نے اپنے آباؤ اجداد) سے نقل فرمایا ہے: "جو اپنے کھانے (پینے) کے دھندے کے لئے تلاوتِ قرآن کرے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی (کا ڈھانچہ) ہوگا۔ اس میں گوشت (کا نام بھی) نہ ہوگا۔"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، فِي حَدِيثٍ قَالَ: مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ فَلَمْ يَعْمَلْ بِهِ وَآثَرَ عَلَيْهِ حُبَّ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا، اِسْتَوْجَبَ سَخَطَ اللَّهِ؛ وَكَانَ فِي الدَّرَجَةِ مَعَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى الَّذِينَ يَنْبِذُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ.»

رسولِ خدا نے فرمایا: "جو قرآن سیکھ کر اس پر عمل نہ کرے۔ دُنیا کی محبت وزینت کو اس پر مقدم کرے وہ خدا کی ناراضگی کا مستحق ہوگا اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوگا جو کتابِ الٰہی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور جو تلاوتِ قرآن لوگوں کو دکھانے اور دُنیا طلبی

کے لئے کرے وہ قیامت میں خدا سے ایسے چہرے کے ساتھ ملاقات کرے گا جس میں گوشت نہ ہو گا ہڈی (ہی ہڈی) ہو گی اور قرآن کو اس کے پیچھے رکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ قرآن اس کو جہنم میں ڈھکیل دے اور وہ شخص دوزخیوں کے ساتھ دوزخ میں گر جائے۔"

وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يُرِيدُ بِهِ سُمْعَةً وَالْتِمَاسَ الدُّنْيَا، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ وَزَجَّ الْقُرْآنُ فِي قَفَاهُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ وَيَهْوِي فِيهَا مَعَ مَنْ هَوٰى.

وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَعْمَلْ بِهِ، حَشَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى؛ فَيَقُولُ: يَارَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا. قَالَ: كَذٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى.[۲۳] فَيُؤْمَرُ بِهِ إِلَى النَّارِ،

"اور جو قرآن پڑھ کر اس پر عمل نہ کرے خدا اس کو قیامت میں اندھا محشور کرے گا۔ وہ کہے گا پالنے والے مجھے اندھا کیوں محشور کیا؟ میں تو بینا تھا! خدا کہے گا جس طرح میری آیتیں تیرے پاس آتی تھیں اور تو ان کو بھلا دیتا تھا اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیا جائے گا۔"

پھر اس کے بعد اس کو دوزخ میں ڈال دینے کا حکم دیا جائے گا۔

وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَتَفَقُّهًا فِي الدِّينِ، كَانَ لَهُ مِنَ الثَّوَابِ مِثْلُ جَمِيعِ مَا أُعْطِيَ الْمَلَائِكَةُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالْمُرْسَلُونَ.

اور جو خدا کے لئے اور تفقہ فی الدین کے لئے قرآن پڑھے اس کو اتنا ثواب دیا جائے گا جتنا تمام ملائکہ اور انبیاء اور رسولوں کا ہو گا۔

وَمَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ يُرِيدُ بِهِ رِيَاءً وَسُمْعَةً يُمَارِي بِهِ السُّفَهَاءَ وَيُبَاهِي بِهِ الْعُلَمَاءَ وَيَطْلُبُ بِهِ الدُّنْيَا، بَدَّدَ اللّٰهُ عِظَامَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَمْ يَكُنْ فِي النَّارِ أَشَدُّ عَذَابًا مِنْهُ؛ وَلَيْسَ نَوْعٌ مِنْ أَنْوَاعِ الْعَذَابِ إِلَّا وَيُعَذَّبُ بِهِ مِنْ شِدَّةِ غَضَبِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَخَطِهِ.

اور جو ریاکاری اور دوسروں کو سنانے کے لئے قرآن سیکھے اور اس کا مقصد بیوقوفوں سے جھگڑا کرنا، علما پر فخر کرنا اور طلبِ دُنیا کرنا مقصود ہو تو قیامت کے دن خدا اس کی ہڈیوں کو منتشر کر دے گا اور دوزخ میں اس سے زیادہ شدید عذاب والا کوئی نہ ہوگا اور عذاب کی کوئی بھی قسم باقی نہیں ہوگی جس سے خدا اپنے غصہ اور ناراضگی کی وجہ سے اس پر عذاب نہ کرے۔

وَمَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَتَوَاضَعَ فِي الْعِلْمِ وَعَلَّمَ عِبَادَاللّٰهِ وَهُوَيُرِيدُمَا عِنْدَاللّٰهِ، لَمْ يَكُنْ فِي الْجَنَّةِ اَعْظَمُ ثَوَاباً مِنْهُ وَلَا اَعْظَمُ مَنْزِلَةً مِنْهُ، وَلَمْ يَكُنْ فِي الْجَنَّةِ مَنْزِلٌ وَلَا دَرَجَةٌ رَفِيعَةٌ وَلَا نَفِيسَةٌ اِلَّا وَكَانَ لَهُ فِيهَا اَوْفَرُ النَّصِيبِ وَاَشْرَفُ الْمَنَازِلِ.»[۱۳۴]

"اور جو قرآن سیکھ کر علم میں تواضع کرے اور خدا کے بندوں کو تعلیم دے کر اجر خدا کا طالب ہو۔ جنت میں نہ اس سے بلند مرتبہ اور نہ ہی کوئی زیادہ ثواب والا ہوگا اور جنت میں کوئی ایسی منزل اور کوئی ایسا بلند و نفیس درجہ نہ ہوگا جس میں اس کا بہت زیادہ حصہ نہ ہو اور سب سے شریف منزل اس کی نہ ہو۔"

ترتیل کا مطلب

قرائت کے آداب میں سے جو نفس میں موجب تاثیر بھی ہے اور قاری کو اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ ترتیل بھی ہے۔ اور اس کا مطلب جیسا کہ حدیث میں ہے "سرعت و تعجیل اور سُستی و فتورِ مفرط کے درمیان ایک متوسط طریقہ ہے جس سے کلمات ایک دوسرے سے متمیز ہو جائیں۔

«عَنْ مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ بِاِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سُلَيْمَانَ، قَالَ؛ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: «وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً.» قَالَ قَالَ اَمِيرُالْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَبَيِّنْهُ تِبْيَاناً؛ (خ ل: تَبْيِيناً) وَلَاتَهُذِّهِ هَذَّ الشِّعْرِ (وَلَاتَنْثُرْهُ) نَثْرَ الرَّمْلِ؛ وَلٰكِنْ اَفْزِعُوا قُلُوبَكُمُ الْقَاسِيَةَ؛ وَلَايَكُنْ هَمُّ

أَحَدِكُمْ آخِرَ السُّورَةِ.»[135]

کافی میں ہے: عبداللہ بن سلیمان کہتے ہیں: "میں نے امام جعفر صادقؑ سے اس آیت وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا. اور قرآن کو باقاعدہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو، کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: اس کو واضح کرکے پڑھا کرو بعض نسخوں میں تبیانا اور بعض میں تبینیا آیا ہے۔ شعر کی طرح جلدی نہ کرو اور ریگ کی طرح اس کے اجزا کو پراگندہ نہ کرو۔ البتہ اپنے سخت دلوں کو ڈراؤ اور تمھارا مقصد ختم سورہ نہ ہو (کہ کسی طرح جلدی سے ختم کراؤ) یا مثلاً چند دنوں میں قرآن کو ختم کر لیا جائے۔

لہٰذا جو شخص کلامِ خدا کی قرائت کرنا چاہتا ہے اور آیاتِ الٰہیہ سے اپنے سخت دل کا علاج کرنا چاہتا ہے اور کلام جامع الٰہی سے اپنے قلبی امراض کا علاج کرنا چاہتا ہے اور اس غیبی مصباح منیر سے نورِ ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس آسمانی "نور علیٰ نور" سے اخروی مقامات اور مدارج کمالیہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے اس کے ظاہری و باطنی اسباب کو فراہم کرے اور صوری و معنوی آداب کو فراہم کرے۔ نہ کہ ہماری طرح کہ اگر کبھی تلاوتِ قرآن کی توفیق بھی ہوئی تو اس کے معانی و مطالب و مقاصد اور اس کے اوامر و نواہی و وعظ و زجر سے بالکلیہ غافل ہونے کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ جن آیتوں میں اوصاف جہنم اور عذابِ الیم یا بہشت و کیفیاتِ نعیم کا ذکر ہوتا ہے ان سے ہمارا کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ظاہری آداب سے بھی غفلت برتتے ہیں اور نعوذ باللہ ناول کی کتابوں کو پڑھنے میں، ہمارے حواس قرآنِ مجید کی تلاوت سے کہیں زیادہ جمع رہتے ہیں۔

"حدیثوں میں آیا ہے کہ قرآن کو حزن سے اور خوش الحانی سے پڑھو"[136]

"حضرت امام زین العابدینؑ قرآن اس خوش الحانی سے پڑھتے تھے کہ ادھر سے گزرنے والے سقّا وغیرہ وہاں کھڑے ہو جاتے تھے اور بعض تو غش کھا جاتے تھے۔"[137]

لیکن ہم جب اپنی اچھی آواز لوگوں کو سنانا چاہتے ہیں تو قرآن یا اذان کو ذریعہ بناتے ہیں۔ ہمارا مقصد تلاوت نہیں ہوتا اور نہ یہ استحباب پر عمل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مکر شیطان و نفسِ امارہ بہت ہے اور یہ حق کو باطل سے مشتبہ کر دیتا ہے اور اچھے و برے کو آپس میں ملتبس کر دیتا ہے۔ (لہٰذا) اس کی مکاریوں سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

چھٹی فصل

نماز میں ہاتھ اٹھانے اور تقلیب کا بیان

اس حدیث میں جو آیا ہے: نماز میں ہاتھوں کو بلند کرو اور ان کو پلٹو یا اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تکبیرات کہتے وقت ہاتھوں کو بلند کرو اور تقلیب کے مطلب میں احتمال ہے کہ ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف کرو۔ چنانچہ تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھانے میں، ہتھیلیوں کو رو بقبلہ رکھنا ایک مستحب فعل ہے اور ہو سکتا ہے اس حدیث میں ہاتھ اٹھانے سے مُراد قنوت کے وقت ہاتھ اٹھانا ہو اور "تقلیب" سے مُراد ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھنا ہو، چنانچہ فقہا نے اس کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا ہے اگرچہ اس کی دلیل میں مناقشہ کیا ہے۔ لیکن متشرعہ کی سیرت قطعیہ کے بعد "کہ قنوت سے صرف یہی مطلب (ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھنا) اور رفع یدین سے مطلقاً چاہے جس طرح ہو نہیں سمجھا جاتا"، بلکہ تکبیر کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا سمجھا جاتا ہے۔ اب مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس روایت میں اظہر پہلا ہی احتمال ہے۔

فقہا کے درمیان مشہور ہے کہ تکبیروں میں ہاتھوں کا اُٹھانا مستحب ہے اور بعض علما بعض اوامر کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے وجوب کے قائل ہیں اور فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس "نحر" سے مُراد تکبیروں کے کہتے وقت ہاتھ کا اٹھانا ہے۔[۱۳۸] لیکن روایات میں بہت سے ایسے شواہد موجود ہیں جو استحباب پر دلالت کرتے ہیں مثلاً ان روایات میں جو تعلیلات بیان کی گئی ہیں (ان سے وجوب نہیں ثابت ہوتا) خصوصاً فضل بن شاذان والی روایت جو امام رضاؑ سے مروی ہے[۱۳۹]، اس کے علاوہ علی ابنِ جعفر کی صحیحہ عدم وجوب پر نص ہے۔[۱۴۰] اور یہ روایات اگر قرائن صارفہ سے قطع نظر کر لیا جائے تب تو وجوب پر دلالت کرتی ہیں اور ان میں جمع کا طریقہ یہ ہے کہ نص کو ظاہر پر حکومت دیتے ہوئے اخبار وجوب کو استحباب پر حمل کر دیا جائے اور وہ روایت اگرچہ غیر امام سے رفع ید کو اٹھا دیتی ہے (اور صرف امام کے لئے ثابت کرتی ہے) مگر پھر بھی ممکن ہے کہ یہ دعویٰ کیا جائے: اس کا ظہور امام و ماموم دونوں کے لئے ہے البتہ فرادیٰ سے ساکت ہے اور منافات نہیں ہے کہ سب ہی سے رفع واجب کر رہی ہو۔ لیکن رفع ید امام

ماموین سے اسی طرح کفایت کرتا ہے جیسے امام کی قرأت ماموین کی قرأت سے کفایت کرتی ہے اور اس احتمال کی بنا پر جو روایت میں تمام احتمالات سے اظہر ہے۔ بعض محققین متاخرین کا خدشہ بھی وارد نہیں ہوتا کہ اس سے حمل مطلق بر مقید لازم آتا ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود اس تفصیل کا نہ پایا جانا اور مشہور کا قدیماً و جدیداً اس کا اختیار کرنا اور قرائن خارجیہ و داخلیہ کا ہونا تمام بحث ہی کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کتاب کے اعتبار سے اتنی بحث بھی خارج تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہ رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھانا وقت تکبیر) آداب مستحبہ میں سے ایک ہے اور حتی الامکان اس کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ خصوصاً ایسے مستحب کو جس کو بعض علما واجب کہتے ہوں کیونکہ احتیاط در دین کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اس کو ترک نہ کرے۔

رفع یدین کا راز

بہر حال ہر نماز میں تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا نماز کی زینت ہے اور جبرئیلؑ اور ساتوں آسمان کے ملائکہ کا طریقہ ہے۔ چنانچہ اصبغ بن نباتہ نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔[۱۴۱]

علل و عیون میں امام رضاؑ سے منقول ہے: "تکبیر میں ہاتھوں کو اٹھانے کی علت یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا انقطاع و تخلیص و تضرع پایا جاتا ہے۔ پس خدا کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے ذکر کے وقت بندہ اس کی طرف منقطع و متضرع و خالص ہو اور یہ بھی علت ہے کہ رفع ید کی وجہ سے انسان متوجہ ہو جاتا ہے اور نیت کے ذریعہ اپنے کو بارگاہ احدیت میں حاضر کرتا ہے اور دل سے اقبال کرتا ہے۔"[۱۴۲]

اور حضرت کی یہ بات بعض اہل معرفت کے قول کے مطابق ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں: رفع یدین کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو ہم اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں اور وصول الی الحق کے راستہ کے کانٹوں کو درمیان سے اٹھا دیتے ہیں اور اپنے کو ماسوا سے منقطع اور خالص و مخلص اور غیر کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے اور غیریت مذہب عشق و محبت میں شرک ہے۔ سمجھتے ہیں اس وقت معنوی معراج حقیقی اور سفر الی اللہ کرتے ہیں اور یہ مسافرت و معراج بغیر رفض غیر و غیریت اور ترک خودی و انانیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ساتوں افتتاحی تکبیروں سے ساتوں کلیہ ملکیہ

وملکوتیہ کے حجاب پارہ ہو جاتے ہیں۔
پس اولیا کی نماز ایسی ہوتی ہے کہ ہر تکبیر سے وہ ایک حجاب پارہ کرتے ہیں اور ان حجابوں (کی دُنیا) کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس سرادق کے بسنے والوں کو بھی ترک کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان پر دوسرا حجاب منکشف ہو جاتا ہے اور دوسری تجلی تقییدی ان کے دلوں پر چھا جاتی ہے مگر وہ خارج طریق نہیں بنتی اور نہ ان کے لئے مایۂ سرگرمی اور توجہ قلبی ہوتی ہے اور اس کو دوسری تکبیر سے پارہ کر دیتے ہیں۔ گویا ان کے باطن قلب اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور نغمہ سُرا ہو جاتے ہیں اور خدا اس سے کہیں بزرگ ہے کہ تجلّی تقییدی کے ذریعہ متجلی ہو۔ چنانچہ شیخ الاولیا والمخلصین حضرت خلیل الرحمان نے اپنے سفرِ عرفانی میں شہودی اور تجلّیاتِ تقییدی فرمائی۔ پس جو سالک الی اللہ اور مسافر کوئی عشق اور مجذوب راہِ وصول ہوتے ہیں وہ ایک ایک حجاب کو پارہ کرتے ہوئے آخری تکبیر تک پہونچ جاتے ہیں اور اس سے ساتویں حجاب کو چاک کر کے غیر و غیریت کو چھوڑتے ہوئے کہتے ہیں:
«وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ» ۱۴۳ "جس نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔"
جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے (بھی) کہا۔ اس کے بعد فتح باب ہو جاتا ہے اور سبحات جلال اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ وہ پھر استعاذہ کرتا ہے اور خدا کا نام لے کر آگے بڑھتا ہے۔ اسی کی طرف امام محمد باقرؑ نے اپنی اسناد کے ذریعہ حضرت علیؑ سے روایت فرمائی ہے کہ: «مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، بِإِسْنادِهِ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، أَنَّهُ رُوِيَ لِذٰلِكَ عِلَّةٌ أُخْرىٰ وَهِيَ أَنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لَمّا أُسْرِيَ بِهِ إِلَى السَّماءِ قَطَعَ سَبْعَ حُجُبٍ؛ فَكَبَّرَ عِنْدَ كُلِّ حِجابٍ تَكْبِيرَةً؛ فَأَوْصَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِذٰلِكَ إِلىٰ مُنْتَهَى الْكَرامَةِ.» ۱۴۴

"اس کی ایک اور علت ہے اور وہ یہ ہے کہ رسولِ خداؐ کو جب شبِ معراج آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور آپ نے ساتوں حجاب چاک کئے تو آپ نے ہر حجاب کو چاک کرتے ہوئے تکبیر کہی۔ جس کی وجہ سے خدا نے اُن کو انتہائے کرامت تک پہونچا دیا۔" ۱۴۵
دوسری روایت میں اسی مضمون کے قریب کی حدیث امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے

مگر اس میں ہے کہ ہر رفع حجاب کے بعد رسولِ خدا تکبیر کہتے تھے اور یہ ذوق اور مشربِ عرفان کے زیادہ موافق ہے اس لئے کہ ہر رفع یدین کے بعد رفع حجاب اور رفع ستر ہوتا تھا اور نورِ کرامت کے ظہور کے ساتھ آپؐ تکبیر کہتے تھے اور چونکہ وہ حجبِ نورانیت کا ایک نور تقییدی ہے لہٰذا رفع یدین کے ساتھ اُٹھ جاتا تھا تاکہ تجلی ذاتی مطلق ہو جائے اور وصول بہ منتہیٰ الکرامۃ۔ جو اولیا کی غایت اُمید ہے حاصل ہو جائے اور اس پہلی حدیث کو اس حدیث کی طرف پلٹایا جا سکتا ہے۔

بہر حال ہم تو ان معانی کے ادراک ہی سے محروم ہیں شہود یا وصول کی منزل تو بہت دور ہے اور ہماری برائی اور بدبختی یہ ہے کہ تمام مدارج و مقامات کے منکر ہو جاتے ہیں اور معراج اولیا اور پاکوں کی نماز کو اپنی طرح سمجھتے ہیں اور ان کے کمال کو اپنے عمل کے کمال کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جس کا تصور کر سکتے ہیں اور جس سے آگے کا ادراک نہیں کر سکتے وہ یہ ہے کہ ان کی قرائت و تمام آداب بہت اچھے تھے شرک و ریا و سمعہ سے خالی تھے یا یہ کہ ان کی عبادت جنت کی لالچ اور دوزخ کے خوف سے نہیں ہوتی تھی اور یہ تو ان کے مقاماتِ رسمیہ رائجہ میں سے ایک ہے لیکن ان کی نماز میں اور معراجِ روحانی میں ایسے مقامات میں جو ہمارے تصور سے باہر ہیں۔

شیطان کی مکاری پر تنبیہ کرنا

یہاں پر۔ جب قلم بے اختیار یہاں تک پہونچ گیا ہے ایک چیز کی طرف تنبیہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ: مقاماتِ معنوی تک پہونچنے اور راہ کمال تک وصول کے لئے بدترین قسم کے کانٹے جن میں سب سے بڑا ڈاکو شیطان ہے، مقامات و مدارجِ غیبیہ معنویہ کا انکار ہے اور یہ انکار تمام گمراہیوں اور جہالتوں کا سرمایہ ہے اور سبب توقف و خمود ہے اور یہی انکار روح شوق کو جو وصول کمالات کے لئے براق ہے۔ موت عطا کرتا ہے اور آتشِ عشق کو، جو معراج روحانی کمالی کا رفرف ہے۔ خاموش کر دیتا ہے۔ انسان کو طلب سے روک دیتا ہے۔ (لیکن) اس کے برخلاف اگر انسان مقاماتِ معنویہ اور معارج عرفانیہ پر خالص عقیدت رکھتا ہو اور ایمان لے آئے تو ہو سکتا ہے کہ یہ خود ہی عشقِ فطری کی آتش کو جو خواہشاتِ نفسانی کے خاک و خاکستر کے نیچے دب گئی ہے مدد دیدے اور نور اشتیاق کو دل کی گہرائیوں میں روشن کر دے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی تلاش میں اُٹھ کھڑا ہو اور جہاد کرے تاکہ مشمول ہدایت حق ہو اور خدا اس کی دستگیری

فرمائے۔ والحمدللہ۔

ساتویں فصل

مسواک کی فضیلت

یہ جان لو کہ مسواک کرنا "جس کی اس حدیث میں رسولؐ خدا نے وصیت فرمائی ہے" مطلقاً ایک شرعی مستحب ہے اور خاص مواقع پر تاکید آئی ہے مثلاً وضو اور نماز سے پہلے، قرآن پڑھتے وقت، سحر کے وقت، سوکر اُٹھنے کے بعد، روایات میں اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے اور اس کے بہت سے خواص و فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ میں بعض کو اس کتاب میں تبرکاً ذکر کرتا ہوں۔

«كَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: فِي السِّوَاكِ اِثْنَتَا عَشْرَةَ خَصْلَةً: هُوَ مِنَ السُّنَّةِ، وَمَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، وَمَجْلَاةٌ لِلْبَصَرِ وَيُرْضِي الرَّبَّ، وَيَذْهَبُ بِالْبَلْغَمِ، وَيَزِيدُ فِي الْحِفْظِ، وَ يُبَيِّضُ الْأَسْنَانَ، وَيُضَاعِفُ الْحَسَنَاتِ، وَيَذْهَبُ بِالْحَفَرِ وَيَشُدُّ اللِّثَةَ وَيُشَهِّي الطَّعَامَ، وَيَفْرَحُ بِهِ الْمَلَائِكَةُ.»[۱۴۶]

کافی میں ہے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "مسواک کرنے میں بارہ[۱۲] فائدے ہیں:"
۱: سنّت ہے ۲: مُنہ کو صاف کرتا ہے ۳: آنکھوں کو روشنی بخشتی ہے ۴: خوشنودیٔ خدا کا سبب ہے ۵: بلغم دُور کرتا ہے ۶: قوّتِ حافظہ کو بڑھاتا ہے ۷: دانتوں کو سفید کرتا ہے ۸: حسنات کو زیادہ کرتا ہے ۹: دانت کے پیلے پن کو دور کرتا ہے ۱۰: مسوڑوں کو مضبوط کرتا ہے ۱۱: بھوک بڑھاتا ہے ۱۲: ملائکہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔"

"چنانچہ بہت سی روایات میں ہے کہ مسواک پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہے"[۱۴۷]

دوسری حدیث میں بھی اسی مضمون پر مشتمل روایت وارد ہوئی ہے اور اس حدیث میں جن چھوٹے چھوٹے دانوں اور پھوڑوں کا ذکر ہے ان سے وہ چھوٹے چھوٹے دانے مُراد ہیں جو دانتوں کی جڑوں میں پیدا ہوجاتے ہیں اور ان میں سفید و بدبودار مواد پیدا ہوجاتا ہے۔ غذا کو

چباتے وقت وہ دانے پھوٹ جاتے ہیں اور اس کی کثافت غذا میں شامل ہو کر بہت سے امراض کا سبب بنتی ہے جیسے بد ہضمی وغیرہ آج کل کے حکما اس کو "پیورہ" کہتے ہیں اور اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں بلکہ اس کے علاج کے لئے دانتوں کو اکھاڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انسان جہاتِ غیبیہ باطنیہ جس میں سب سے اہم مرضئ الہیٰ ہے، سے قطع نظر کرتے ہوئے حفظانِ صحت اور نظافت کے لئے ہی مسواک کرے اور بڑی اچھی بات ہے کہ پابندی کرے اور انبیا کی سُنّت مستمرہ پر عمل کرے۔

حدیثِ نبوی میں ہے رسولِ خدا نے فرمایا: "جبرئیل نے مجھے مسواک کی اتنی تاکید کی کہ مجھے اپنے دانتوں کے بارے میں خوف معلوم ہونے لگا" ۱۴۸

آنحضرت نے فرمایا: "اگر میری اُمّت کے لئے باعثِ مشقت نہ ہوتا تو میں ہر نماز اور وضو سے پہلے مسواک کرنا واجب قرار دیدیتا" ۱۴۹

آنحضرت ہمیشہ اپنے سرہانے رات کو آبِ وضو اور مسواک رکھا کرتے تھے اور پانی کے برتن کو کسی چیز سے ڈھانک دیا کرتے تھے اور جب بھی خواب سے بیدار ہوتے تھے وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھ کر سو جاتے تھے اس کے بعد پھر جب بیدار ہوتے تھے مسواک کر کے وضو کرتے تھے۔ اور نماز پڑھتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق نے اس حدیث کے بعد فرمایا "تم بھی رسول خدا کی نیک بات میں پیروی کرو" ۱۵۰

ایک حدیث میں ہے مسواک کے بعد دو رکعت نماز بغیر مسواک کی ستّر رکعت نماز سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ اگر وضو سے پہلے بھول جائے تو وضو کے بعد مسواک کرنا مستحب ہے اور مسواک کے بعد تین مرتبہ کلّی کرے۔ ۱۵۱ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ جس کا جی چاہے علما کی کتابوں کی طرف رجوع کرے۔ ۱۵۲

آٹھویں فصل

اچھے بُرے اخلاق

اور اس کے ذیل میں رسول کی وصیت

اگرچہ ہم نے اس کتاب میں نفس کے بہت سے اخلاق کو بطورِ شمار تفصیل سے بیان

کر دیا ہے اور اچھے اخلاق سے اتصاف اور بُرے اخلاق سے بچنے اور ان کے مفاسد سے بچنے کے طریقوں کو بطورِ مناسب ذکر کر دیا ہے مگر یہاں پر ایک جامع بیان کے ساتھ کچھ کو (مزید) ذکر کروں گا۔

"خُلق" اس حالت کو کہتے ہیں جب وہ انسان میں پیدا ہو جائے تو انسان بغیر کسی غور و فکر کے عمل کرنے لگتا ہے مثلاً جس کے اندر خلق سخاوت ہوگی وہ عادت اس کو بغیر کسی مقدمات کے تشکیل و مرجحات کے جود و انفاق پر آمادہ کرے گی گویا یہ اس کا فطری فعل ہے جیسے دیکھنا، سُننا فطری فعل ہے۔ اسی طرح عفت جس کی عادت اور خلق ہو جائے وہ اپنے نفس کی حفاظت اس طرح کرے گا جیسے یہ اس کا طبیعی فعل ہو اور جب تک ریاضت و تفکر کے ذریعہ نفس اس منزل تک نہ پہونچ جائے اس کو صاحبِ خُلق نہیں کہا جائے گا اور نہ اس کو کمالِ نفس حاصل ہوگا مگر خُلق کے لیے یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ اگر وہ کمالات میں سے ہے تو زائل ہو سکتا ہے اور بُری عادتیں اور بُرے اخلاق اس پر غالب آ سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہ طبعی فعل بن جائے اور قویٰ و آلات سب اس کے تابع ہو جائیں اور قہر و سلطنتِ حق ظاہر ہو جائے تب اس کا زوال مشکل ہوتا ہے اور شاذ و نادر ہی زوال کا اتفاق ہوتا ہے۔

علمائے اخلاق کا کہنا ہے کہ یہ حالت اور نفس کی اچھائی یا بُرائی کبھی تو طبعی ہوتی ہے اور اصل فطرت کی طرف راجع اور مزاج سے مربوط ہوتی ہے خواہ اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے ہو۔ چنانچہ مشہور ہے کہ بعض بچے بچپنے ہی سے خیرات کی طرف اور بعض برائیوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ بعض معمولی چیز پر غضب ناک ہو جاتے ہیں، بعض مختصر سی بات پر وحشت زدہ ہو جاتے ہیں اور ذرا سی بات پر ڈر جاتے ہیں۔ لیکن بعض بچے اس کے بالکل برخلاف ہوتے ہیں اور کبھی یہ نفسانی اخلاق عادتوں، معاشرتوں، تدبر اور تفکر سے بھی حاصل ہوتا ہے اور کبھی اس کی ابتدا تو غور و فکر سے ہوتی ہے پھر وہ ملکہ بن جاتا ہے۔ یہاں پر علما نے اختلاف کیا ہے۔ جس کا ذکر کرنا اور اس کے اطراف کے بارے میں بحث کرنا اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے اور وہ ہم کو ہمارے اصلی مقصد سے بھی باز رکھے گا۔ اب میں اس کو ذکر کروں گا جو اس مقام کے لئے مناسب اور مفید ہے۔

پس میں عرض کرتا ہوں کہ کسی خُلق کے طبعی اور فطری ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ذاتی ہے اور قابلِ تغییر نہیں ہے بلکہ تمام ملکات اور اخلاقِ نفسانیہ، جب تک نفس اس عالمِ حرکت و تغییر میں ہے اور تحت تصرف زماں و تجدد واقع ہے اور دارائے ہیولیٰ و قوت ہے، قابلِ تغییر ہیں۔ اور انسان اپنے تمام اخلاق کو ان کے بُرخلاف اخلاق سے بدل سکتا ہے۔ برہان و تجربہ کے علاوہ اس

مدعیٰ پر انبیا اور شرائع حقہ کی اخلاقِ حسنہ اور بُرے اخلاق سے روکنے کی دعوت دلیل ہے۔
یہ بھی جان لینا چاہیے کہ فنِ اخلاق کے علما نے تمام فضائل نفس کو چار چیزوں کے تحت داخل کیا ہے اور وہ یہ ہیں: حکمت، عفت، شجاعت، عدالت: حکمت کو نفسِ ناطقہ ممیزہ کی فضیلت قرار دیا ہے اور شجاعت کو نفسِ غضبیہ کے فضائل میں شمار کیا ہے اور عفت کو نفسِ شہویہ کے فضائل میں سے قرار دیا ہے اور عدالت کو تعدیلِ فضائل ثلاثہ شمار کیا ہے اور تمام فضائل کو انھیں چاروں کی طرف پلٹایا ہے ان میں سے ہر ایک کی تفصیل و تحدید اس کتاب کے عہدہ سے خارج ہے اور ہم جیسے لوگوں کے لئے بہت زیادہ مفید بھی نہیں ہے۔ جو چیز ضروری ہے وہ بموجب حدیث رسولؐ اکرمؐ: «بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ» ۱۵۳ "مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا کہ میں مکارم اخلاق کو درجہ کمال تک پہونچا دوں۔" مکارم اخلاق کو درجہ کمال تک پہونچانا ہے اور حدیثوں میں بھی اجمالاً و تفصیلاً معارف کے بعد سب سے زیادہ مکارم اخلاق کو اہمیت دی گئی ہے اور انشاء اللہ اس کے بعد بعض ان حدیثوں کا ذکر کریں گے۔ مگر ان کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ ہم ان سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ بس یہ معلوم ہے کہ آخرت کی حیاتِ ابدی کا سرمایہ اور اس نشئہ کے تعیش کا راس المال اخلاقِ حسنہ کا حصول ہے اور مکارم اخلاق سے اتصاف ہے۔ اخلاقِ حسنہ کی بنا پر انسان کو جو بہشت ملتی ہے وہ بہشتِ صفات ہوتی ہے۔ جس کا بہشت جسمانی اعمالی سے کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بہشت صفات میں تمام نعمتیں اور جسمانی لذتیں بطور اعظم و احسن موجود ہیں جیسے کہ بُرے اعمال کی وجہ سے انسان کو جو تاریکیاں اور وحشتیں نصیب ہوتی ہیں وہ ہر عذابِ الیم سے بالاتر ہوتی ہیں۔
انسان جب تک اس دُنیا میں ہے اپنے کو اس ظلمت سے نجات دے سکتا ہے اور ان انوار تک رسائی حاصل کر سکتا ہے جی ہاں کر تو سکتا ہے مگر اس سرد مہری، خمودی، سستی، فتور، سہل انگاری جو ہمارے اندر ہے اس کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ (کیونکہ) سب ہی جانتے ہیں ہر بُری عادت اور ناپسند طریقہ جس پر ہم بچپنے سے لے کر بزرگی تک باقی ہیں اور جس نامناسب معاشرت کے ہم عادی ہیں اور آخر تک اسی پر باقی رہتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ تو آسان ہے کہ روزانہ اس پر اضافہ کریں (مگر کمی کرنا محال ہے) گویا ہم کو دوسرے عالم کی فکر ہی نہیں ہے۔ دوسرا نشئہ آنے والا ہی نہیں ہے۔ "اگر آج کے بعد کل ہے تب تو واویلا" ۱۵۴ معلوم ہوتا ہے کہ انبیا و اولیا کی دعوتوں کا ہم سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ خدا جانے ہم اپنے ان اخلاق و اعمال کے ساتھ کہاں جائیں گے اور

کس طرح محشور ہوں گے۔ ہم ایسے وقت متوجہ ہوں گے جب معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ حسرت وندامت ہمارا مقدر بن چکی ہوگی اور (ایسی صورت میں) اپنے علاوہ کسی کو ملامت بھی نہیں کر سکتے (کیونکہ) انبیا نے تو سعادت کا راستہ بتا دیا تھا، علما و حکما نے ان کی باتوں کی تفسیر ہمارے لئے کر دی تھی، باطنی امراض کے علاج کا طریقہ بھی بتا دیا تھا اور ہر زبان میں بتا دیا تھا ہر بیان سے سمجھا دیا تھا (مگر) وہ چیزیں ہمارے دل کے اندر نہیں گئیں ہم نے آنکھوں، کانوں، دلوں کو بند کر لیا تھا۔ اس لئے ملامت ہمارے لئے ہے۔ چنانچہ رسولِ خدا نے بھی اس حدیث میں جس کی ہم شرح کر رہے ہیں، فرمایا ہے۔ مکارمِ اخلاق سے اتصاف اور ان کے مقابل صفات سے اجتناب کے بارے میں اس قدر اخبار و آثار میں تاکید آئی ہے جو میزان بیان سے باہر ہے اور ہمارا عالم یہ ہے ایسی کتابوں کے مطالعہ سے بھی غفلت کرتے ہیں۔

ہاں میرے عزیز! اگر آپ کو اخبار و احادیث سے کچھ سروکار ہے تو کتبِ اخبار خصوصاً کتابِ کافی کا مطالعہ کیجئے اور اگر علمی بیان اور علما کے اصطلاحات سے سروکار رکھتے ہوں تو اخلاقی کتابوں مثلاً طہارۃ الاعراق ۱۵۵، مرحوم فیضِ کاشانی، علامہ مجلسیؒ اور نراقیان ۱۵۶ کی کتابوں کی طرف رجوع فرمائیے اور اگر آپ کو استفادہ کی ضرورت نہیں ہے یا اخلاقِ حسنہ سے اتصاف اور اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کو ضروری نہیں سمجھتے تو اپنی جہالت کا، جو اُم الامراض ہے علاج کرائیے۔

اب میں اس مقام کو تبرکاً بعض حدیثوں کو ذکر کر کے جو اسی باب سے متعلق ہیں ختم کرتا ہوں۔

«فَقِيهِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ اللهَ خَصَّ رَسُولَهُ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ؛ فَامْتَحِنُوا أَنْفُسَكُمْ: فَإِنْ كَانَتْ فِيكُمْ، فَاحْمَدُوا اللهَ وَارْغَبُوا إِلَيْهِ فِي الزِّيَادَةِ مِنْهَا. فَذَكَرَهَا عَشَرَةً: اَلْيَقِينُ، وَالْقَنَاعَةُ وَالصَّبْرُ وَالشُّكْرُ وَالْحِلْمُ، وَحُسْنُ الْخُلْقِ، وَالسَّخَاءُ وَالْغَيْرَةُ، وَالشَّجَاعَةُ، وَالْمُرُوَّةُ.» ۱۵۷

کافی میں ہے: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”خدا نے اپنے رسولؐ کو مکارمِ اخلاق سے مخصوص فرمایا ہے، تم اپنے نفسوں کا امتحان کر کے دیکھو اگر تمہارے اندر وہ ”مکارمِ اخلاق“ ہیں تو حمدِ خدا کرو اور اس میں زیادتی کی کوشش کرو اور امامؑ نے ان میں سے دس کا ذکر فرمایا؛

۱: یقین ۲: قناعت ۳: صبر ۴: شکر ۵: حلم ۶: حُسن خلق ۷: سخاوت ۸: غیرت ۹: شجاعت ۱۰: مروت۔

یہ حدیث چند طریقوں سے نقل کی گئی ہے لیکن معانی الاخبار میں حلم کے بدلہ میں "رضا" ہے۔[158]

خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو مکارم اخلاق سے مخصوص کیا۔ لہٰذا تم اپنا امتحان کرو۔ اگر تم میں یہ صفات ہیں تو خدا کی حمد کرو اور ان میں زیادتی کے لئے خدا کی طرف توجہ کرو۔ اس کے بعد ان دسوں کو ذکر فرمایا جیسا کہ روایت میں ہے اور وافی میں کافی کے حوالہ سے تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ نقل کیا ہے۔[159]

«وَعَنِ الْمَجالِسِ بِإِسْنادِهِ عَنِ الصّادِقِ، جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍ، عَلَيْهِمَا السَّلامُ، أَنَّهُ قالَ: عَلَيْكُمْ بِمَكارِمِ الْأَخْلاقِ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّها؛ وَإِيّاكُمْ وَمَذامَّ الْأَفْعالِ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُها. إِلىٰ أَنْ قالَ: وَعَلَيْكُمْ بِحُسْنِ الْخُلْقِ؛ فَإِنَّهُ يَبْلُغُ بِصاحِبِهِ دَرَجَةَ الصّائِمِ الْقائِمِ... اَلْحَديثَ.»[160]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "مکارم اخلاق حاصل کرو کیونکہ خدا ان کو دوست رکھتا ہے اور برے افعال[1] سے بچو کیونکہ خدا ان کو ناپسند کرتا ہے یہاں تک کہ امامؑ نے فرمایا: حُسن خلق سے تمسک کرو اس لئے کہ حُسن خلق اپنے صاحب کو روزہ دار اور نمازی کے درجہ تک پہونچا دیتا ہے..."

«کافی بِإِسْنادِهِ عَنْ أَبي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنينَ إيماناً أَحْسَنُهُمْ خُلْقاً.»[161]

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: "تمام مومنین میں سب سے کامل تر از روئے ایمان وہی ہے جو از روئے خُلق سب سے اچھا ہو"

---

[1] وسائل کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں اسی طرح ہے لیکن احتمال ہے کہ یہ مذام الاخلاق ہو اور ناسخ یا راوی سے سہو ہو گیا ہو (منہ عفی عنہ)

«وَ بِإِسْنَادِهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ. مَا يُوضَعُ فِي مِيزَانِ امْرِيءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَفْضَلُ مِنْ حُسْنِ خُلُقٍ.» ۱۶۲

امام سجادؑ نے فرمایا کہ رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے: "قیامت کے دن کسی کے میزان میں حُسنِ خلق سے افضل کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی۔"

«کَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ إِنَّ سُوءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ.» ۱۶۳

کافی میں امام جعفرِ صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "بد خلقی ایمان کو اس طرح فاسد کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو فاسد کر دیتا ہے۔" ۱۶۳

رسولِ خداؐ نے فرمایا: "سب سے زیادہ جو چیز میری اُمّت کو بہشت میں داخل کرے گی وہ پرہیزگاری اور حُسنِ خلق ہے۔" ۱۶۴

امام جعفرِ صادقؑ نے فرمایا: "اچھائی اور حُسنِ خلق شہروں کو آباد کرتے ہیں، عمروں میں اضافہ کرتے ہیں۔" ۱۶۵

معصوم کا ارشاد ہے: "خداوندِ عالم حُسنِ خلق والے کو جہادِ راہِ خدا کا ثواب دیتا ہے۔ ایسا جہاد کہ مجاہد دن رات جہاد میں مشغول ہو۔" ۱۶۶

اس باب میں روایات بہت ہیں مثلاً حُسنِ خلق کمالِ ایمان، ثقلِ میزان، دخولِ جنان کا سبب ہے۔ اس کے برخلاف بد خلقی ایمان کو فاسد اور انسان کو عذابِ الٰہی میں مبتلا کرتی ہے جیسا کہ حدیثوں میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

روایت میں ہے: "بد خلقی عمل کو اس طرح فاسد کر دیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو فاسد کر دیتا ہے۔" ۱۶۷

رسولِ خداؐ نے فرمایا: "خدا بد خلق آدمی کی توبہ کو قبول نہیں کرتا۔ سوال کیا گیا ایسا کیوں ہے؟ فرمایا: اس کی علت یہ ہے کہ جب وہ ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اس سے بدتر گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" ۱۶۸

حدیث میں ہے: جو بد خلق ہے اس نے خود ہی اپنے کو عذاب میں مبتلا کر رکھا

ہے۔"۱۶۹

یہ سب جانتے ہیں کہ بدخلقی انسان کو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھتی ہے اور دوسرے عالم میں بھی اسباب سختی اور فشار و ظلمت کا سبب ہے۔ جیسا کہ ہم نے بعض حدیثوں کی شرح میں بیان کر دیا ہے۔

وَالْحَمْدُلِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً

انتیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ روضہ کافی، ص ۷۹، حدیث ۳۲۔

۲۔ مجمع البیان جلد ۲ ص ۴۴۲۔

۳۔ یہ مثل مشہور ہے فارسی میں اس کے مقابلہ میں ہے در بتو میگویم دیوار تو بشنو، مجمع الامثال جلد ۱ ص ۵۰۔

۴۔ «اُوصِیکُما وَجَمِیعَ وَلَدِي وَاَهْلِي وَمَنْ بَلَغَهُ کِتَابِي...» نہج البلاغہ، مکتوب ۴۷۔

۵۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۳۹، کتاب ایمان وکفر، باب الکذب حدیث ۲، وسائل جلد ۸، ص ۵۷۲، کتاب حج، باب ۱۳۸، ازابواب احکام العشرہ، حدیث ۲۔

۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۳۹، کتاب ایمان وکفر، باب الکذب حدیث ۴۔

۷۔ «مُعَمَّرُ بْنُ خَلاَّدٍ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ الرِّضَا (ع) قَالَ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، يَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَاناً؟ قَالَ: نَعَمْ. قِيلَ: وَيَكُونُ بَخِيلاً؟ قَالَ: نَعَمْ. قِيلَ وَيَكُونُ كَذَّاباً؟ قَالَ: لاَ.» مسند امام رضاؑ جلد ۱ ص ۲۷۶، باب الذنوب حدیث ۷۷۔

۸۔ حدیث ۱ توضیح ۳۲۔

۹۔ وسائل جلد ۸ ص ۵۷۲، کتاب الحج باب ۱۳۸، ازابواب احکام العشرہ، ۱۲

۱۰۔ وسائل جلد ۸ ص ۵۷۶، کتاب الحج باب ۱۴۰، ازابواب احکام العشرہ۔

۱۱۔ «عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ (ع) قَالَ كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا يَقُولُ لِوَلَدِهِ: اِتَّقُوا الْكِذْبَ، اَلصَّغِيرَ مِنْهُ وَالْكَبِيرَ فِي كُلِّ جِدٍّ وَهَزْلٍ؛ فَاِنَّ الرَّجُلَ اِذَا كَذَبَ فِي الصَّغِيرِ اِجْتَرَى عَلَى الْكَبِيرِ اَمَا عَلِمْتُمْ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قَالَ: مَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَصْدُقُ حَتَّى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ

صِدِّيقاً، وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ حَتَّى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ كَذَّاباً۔» اصولِ کافی جلد۲، ص ۳۳۸، کتاب ایمان و کفر باب الکذب حدیث ۲۔

۱۲۔ اصولِ کافی جلد۲، ص ۳۴۰، کتاب ایمان و کفر باب الکذب حدیث ۲۔

۱۳۔ وسائل، جلد۸، ص ۵۷۷، کتاب الحج، باب ۱۴۰، از ابواب احکام العشرہ، بخشی از حدیث ۴۔

۱۴۔ اصولِ کافی جلد۲، ص ۱۰۵، کتاب ایمان و کفر، باب الصدق واداء الامانۃ، حدیث ۱۰۔

۱۵۔ «عَنْ زَيْدٍ، عَنْ آبَائِهِ، عَنْ عَلِيٍّ (ع) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص): إِنَّ أَقْرَبَكُمْ مِنِّي غَداً وَأَوْجَبَكُمْ عَلَيَّ شِفَاعَةً أَصْدَقُكُمْ لِسَاناً وَآدَاكُمْ لِلْأَمَانَةِ وَأَحْسَنُكُمْ خُلُقاً وَأَقْرَبُكُمْ مِنَ النَّاسِ۔» بحار جلد ۶۹ ص ۳۸۱، کتاب ایمان و کفر، باب ۳۸، حدیث ۴۱۔

۱۶۔ منازل السائرین، ص ۲۳، قسم البواب باب ورع۔

۱۷۔ حدیث ۲۵، توضیح ۱۴۔

۱۸۔ اصولِ کافی، جلد۲، ص ۸۷، کتاب ایمان و کفر باب الورع حدیث ۱۱۔

۱۹۔ منبع پیشین، حدیث ۱-۳-۴۔

۲۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۷۶، کتاب ایمان و کفر، باب الورع، حدیث ۳۔

۲۱۔ وسائل، جلد۱۱، ص ۱۹۶، کتاب الجہاد، باب ۲۰، از ابواب جہادِ نفس، حدیث ۱۷۔

۲۲۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: يَا عِيسَى بْنَ عَبْدِاللّٰهِ، لَيْسَ مِنَّا وَلَا كَرَامَةَ مَنْ كَانَ فِي مِصْرٍ فِيهِ مِأَةُ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ وَكَانَ فِي ذٰلِكَ الْمِصْرِ أَحَدٌ أَوْرَعَ مِنْهُ۔» وسائل، جلد۱۱، ص ۱۹۵، کتاب الجہاد، باب ۲۰، از ابواب جہادِ نفس، حدیث ۱۴۔

۲۳۔ اصولِ کافی، جلد۲، ص ۷۸، کتاب ایمان و کفر، باب الورع، حدیث ۱۰۔

۲۴۔ سورۂ احزاب، آیت ۷۲۔

۲۵۔ صاحب مجمع البیان نے سورۂ احزاب کی ۷۲ویں آیت کی تفسیر میں اس قول کو ابنِ عباس اور مجاہد سے نقل کیا ہے۔

۲۶۔ اصولِ کافی جلد۲، ص ۱۰۵، کتاب ایمان و کفر، باب الصدق واداء الامانۃ حدیث ۱۲۔

۲۷۔ اصولِ کافی، جلد۲، ص ۱۰۴، کتاب ایمان و کفر، باب الصدق واداء الامانۃ حدیث ۵۔

۲۸۔ اصولِ کافی جلد۲، ص ۱۵۲، کتاب ایمان و کفر، باب صلۃ الرحم حدیث ۱۱۔

۲۹۔ فروعِ کافی جلد۵، ص ۱۳۳، کتاب المعیشۃ باب اداء الامانۃ حدیث ۲۔

۳۰۔ فروعِ کافی جلد۵، ص ۱۳۳، کتاب المعیشۃ باب اداء الامانۃ حدیث ۳۔

۳۱۔ وسائل، جلد۱۳، ص ۲۲۵، کتاب الودیعۃ باب ۲، حدیث ۱۳۔ امالی صدوق ص ۲۴۶ مجلس ۴۹، حدیث ۶۔

۳۲۔ وسائل، جلد ۱۳، ص ۲۲۵، کتاب الودیعۃ باب ۲، حدیث ۲۔

۳۳۔ «لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ مُسْلِماً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ خَانَ مُؤْمِناً۔» منبع پیشین حدیث ۲۔

۳۴۔ منبع پیشین حدیث ۵ (از رسولِ خدا)۔

۳۵۔ بحار جلد ۵۵، ص ۳۹، کتاب السماء والعالم، باب ۴۔

۳۶۔ حدیث ۲، توضیح ۱۵۔

۳۷۔ «إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا.» «قَالَ: هِيَ وِلَايَةُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ.» اصول کافی جلد ۱ ص ۴۱۳ کتاب الحجۃ، باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ حدیث ۲۔

۳۸۔ امامؑ فرماتے ہیں: ایک شخص نے رسولِ خداؐ سے کہا:

وَقَالَ الْإِمَامُ (ع): قَالَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ (ص)... فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص): لَا تَقُلْ إِنَّهُ مِنْ شِيعَتِنَا فَإِنَّهُ كَذِبٌ، إِنَّ شِيعَتَنَا مَنْ شَيَّعَنَا وَتَبِعَنَا فِي أَعْمَالِنَا وَلَيْسَ هُوَ الَّذِي ذَكَرْتَهُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ مِنْ أَعْمَالِنَا.» رسولِ خداؐ نے فرمایا: یہ مت کہو وہ ہمارے شیعوں میں ہے یہ تو جھوٹ ہے ہمارا شیعہ تو وہ ہے جو ہمارے اعمال میں ہماری اتباع اور مشایعت کرے اور جس شخص کے بارے میں تم نے (اس کی حرکت بتائی ہے) ذکر کی ہے وہ ہمارے اعمال سے نہیں ہے۔ بحار جلد ۶۵، ص ۱۵۵، کتاب ایمان وکفر، باب ۱۹، حدیث ۱۱۔

۳۹۔ حدیث ۸، توضیح ۱۰۔

۴۰۔ حدیث ۴، توضیح ۲۳۔

۴۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۸، کتاب ایمان وکفر، باب الخوف والرجاء حدیث ۲۔

۴۲۔ حدیث ۲۸، توضیح ۱۲۔

۴۳۔ اصولِ کافی، جلد ۲، ص ۳۵۲، کتاب ایمان وکفر، باب من آذی المسلمین، حدیث ۸۔

۴۴۔ ص

۴۵۔ منازل السائرین، قسم ثانی "باب خوف"۔

۴۶۔ فِي حَدِيثِ الْمَنَاهِي، «قَالَ: وَمَنْ ذَرَفَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، كَانَ لَهُ بِكُلِّ قَطْرَةٍ قَطَرَتْ مِنْ دُمُوعِهِ قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ مُكَلَّلٌ بِالدُّرِّ وَالْجَوْهَرِ؛ فِيهِ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ.» وسائل جلد ۱۱، ص ۱۷۵، کتاب الجہاد، باب ۱۵، از ابواب جہادِ نفس، حدیث ۱۔

۴۷۔ منیع پیشین، ص ۱۷۶-۱۷۷۔ حدیث ۶، ثواب الاعمال، ص ۱۷، ثواب من قال لا الٰہ الا اللہ حدیث ۶۔

۴۸۔ قَالَ الصَّادِقُ (ع): «إِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ أَكْثَرُ مِمَّا بَيْنَ الثَّرَى إِلَى الْعَرْشِ لِكَثْرَةِ ذُنُوبِهِ؛ فَمَا هُوَ إِلَّا أَنْ يَبْكِيَ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ، نَدَمًا عَلَيْهَا حَتَّى يَصِيرَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا أَقْرَبُ مِنْ جَفْنِهِ إِلَى مُقْلَتِهِ.» وسائل جلد ۱۱، ص ۱۷۸، کتاب الجہاد، باب ۱۵، از ابواب جہادِ نفس، حدیث ۱۰۔

۴۹۔ «أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ (ع) قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَلَهُ كَيْلٌ وَوَزْنٌ إِلَّا الدُّمُوعُ، فَإِنَّ الْقَطْرَةَ تُطْفِي بِحَارًا مِنْ نَارٍ، وَلَوْ أَنَّ بَاكِيًا بَكَى فِي أُمَّةٍ لَرُحِمُوا.» اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۸۱، کتاب الدعاء، باب البکاء حدیث ۱۔

۵۰۔ کلینی نے کافی میں ۱۲ حدیث باب بکاء میں اور شیخ حر عاملی نے ابواب جہادِ نفس کے باب ۱۵ میں گریہ کی فضیلت میں ۱۵ حدیث نقل کی ہے۔

۵۱۔ سورۂ زخرف آیت ۱۷۔

۵۲۔ سورۂ قدر، آیت ۲۔

۵۳۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۶۱۔

۵۴۔ فروعِ کافی جلد ۲، ص ۴۴۴، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ النوافل حدیث ۴۔

۵۵۔ وسائل جلد ۳ ص (۳۱۔۳۲) روایت معاویہ بن عمار از امام صادقؑ، حدیث ۳، روایت فضیل و فضل و بکیر از امام صادقؑ، باب ۱۳ از ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا حدیث ۴)

۵۶۔ عتمہ سے نافلہ عشاء مراد ہے۔ حماد کی روایت وسائل جلد ۳ ص ۳۵ باب ۱۳ پڑھیے۔

۵۷۔ حوالہ سابق ص ۳۱، حدیث ۲۔

۵۸۔ وسائل جلد ۳ ص ۷، کتاب الصلوٰۃ، ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا، باب ۲۹، حدیث ۱، اسی طرح احادیث ۲، ۴، ۵، ۷۔

۵۹۔ وسائل جلد ۳، ص ۷، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۹، ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا، حدیث ۸۔

۶۰۔ ایک حدیث میں امام رضاؑ سے یہ مطلب نقل ہوا ہے وسائل جلد ۳، ص ۷، کتاب الصلوٰۃ، ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا، باب ۲۹، حدیث ۳۔

۶۱۔ تہذیب جلد ۲، ص ۱۱، کتاب الصلوٰۃ باب ۱، حدیث ۲۳۔

۶۲۔ روایت حنان از امام صادقؑ، وسائل جلد ۳ ص ۳۳، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳، از ابواب اعداد الفرائض حدیث ۶۔

۶۳۔ مستدرک جلد ۲، ص ۵۰، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۲، حدیث ۴۔۵۔

۶۴۔ جیسے محمد بن مسلم کی روایت امام باقرؑ سے اور ہشام بن سالم کی روایت امام صادقؑ سے، وسائل جلد ۳، ص ۵۲، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۷، از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۲۔۴۔

۶۵۔ «عَنْ أَبِي بَصِيرٍ قَالَ قَالَ الصَّادِقُ (ع): شِيعَتُنَا أَهْلُ الْوَرَعِ وَالْاِجْتِهَادِ، وَأَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْأَمَانَةِ، وَأَهْلُ الزُّهْدِ وَالْعِبَادَةِ، وَأَصْحَابُ الْإِحْدَى وَخَمْسِينَ رَكْعَةً فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، الْقَائِمُونَ بِاللَّيْلِ، الصَّائِمُونَ بِالنَّهَارِ يُزَكُّونَ أَمْوَالَهُمْ وَيَحُجُّونَ الْبَيْتَ وَيَجْتَنِبُونَ كُلَّ مُحَرَّمٍ.» ابوبصیر کہتے ہیں: امام صادقؑ نے فرمایا: ہمارے شیعہ اہلِ ورع و اجتہاد ہوتے ہیں، اہلِ امانت ہوتے ہیں، اہلِ زہد و عبادت ہوتے ہیں، دن رات میں ۵۱ رکعت نماز پڑھنے والے ہوتے ہیں، راتوں کو عبادت گزار اور دن میں روزہ دار ہوتے ہیں۔ اپنے اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں، ہر حرام سے بچتے ہیں۔ صفاتِ شیعہ، حدیث اوّل، وسائل جلد ۳، ص ۴۱، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳، از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۲۶۔

۶۶۔ حدیث امام عسکریؑ، مدرک سابق ص ۴۲، حدیث ۲۹۔

۶۷۔ وسائل جلد ۷، ص ۲۲۱۔۲۰۳، باب ۷۔۱۲، از ابواب صوم مندوب۔

۶۸۔ وسائل جلد ۷، ص ۲۰۴۔۲۰۶ باب ۷، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۲، ۵، ۶، ۸۔

۶۹۔ وسائل جلد ۷، ص ۲۰۳ باب ۷، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۱۔

۷۰۔ وسائل جلد ۷، ص ۲۰۹ باب ۷، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۴۔

۷۱۔ سورۂ انعام، آیت ۱۶۰۔

۷۲۔ وسائل جلد ۷، ص ۲۰۵، باب ۷، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۴۔

۷۳۔ حدیث ۲۸، توضیح ۱۶۔

۷۴۔ اس سے مُراد جناب شیخ یوسف بن احمد ابراہیم بحرانی ہیں۔ (۱۱۸۶۔۱۱۰۷) بہت بڑے فقیہ اور عالم ربانی تھے۔

خاندانِ آلِ عصفور سے تھے۔ کربلا میں رہتے تھے بیس سال تک وہاں کے حوزۂ علمیہ کے رئیس تھے۔ مرزائے قمی، سید مہدی بحر العلوم، السید مرزا مہدی شہرستانی، ملا محمد مہدی نراقی جیسے حضرات نے اپنے سے استفادہ کیا۔ فقہ میں آپ کی سب سے مشہور کتاب الحدائق الناضرۃ فی احکام العترۃ الطاہرۃ ہے جو فقہ استدلالی کی بہترین کتاب ہے۔

۷۵۔ وافی ص ۹، کتاب الصیام، باب ۳۱ صیام السنۃ، حدائق الناضرۃ، فی احکام العترۃ الطاہرۃ جلد ۶، ص ۱۸۸، کتاب الصوم، فی الصوم المندوب۔

۷۶۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۳، کتاب الزکات، "باب فضل الصدقہ" حدیث ۵۔

۷۷۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۹۔۱۰، کتاب الزکات، "باب صدقۃ اللیل" حدیث ۳۔

۷۸۔ مستدرک جلد ۷، ص ۱۶۴۔۱۶۶، کتاب الزکات، باب ۲، از ابواب الصدقۃ، حدیث ۱۔۶

۷۹۔ ترجمہ متن میں گزر چکا ہے۔

۸۰۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۲، کتاب الزکات، باب فضل الصدقہ، حدیث ۶۔

۸۱۔ «قَالَ: فَسَكَتَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ(ع) سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّ مِنْ عِبَادِي مَنْ يَتَصَدَّقُ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَاُرَبِّيهَا لَهُ كَمَا يُرَبِّي اَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى اَجْعَلَهَا مِثْلَ جَبَلِ اُحُدٍ.» بحار جلد ۹۳، ص ۱۲۲۔۱۲۳۔ کتاب الزکات، باب ۱۴، حدیث ۳۰۔

۸۲۔ «قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص): اَلصَّدَقَةُ تَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ» فروعِ کافی جلد ۴، ص ۲، کتاب الزکات، باب فضل الصدقۃ، حدیث ۱، ص ۵، باب ان الصدقۃ تدفع البلاء، حدیث ۳۔

۸۳۔ «قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ(ع) لِمُحَمَّدٍ اِبْنِهِ: يَا بُنَيَّ كَمْ فَضَلَ مَعَكَ مِنْ تِلْكَ النَّفَقَةِ؟ قَالَ: اَرْبَعُونَ دِينَارًا. قَالَ: اُخْرُجْ فَتَصَدَّقْ بِهَا قَالَ: اِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مَعِي غَيْرُهَا. قَالَ تَصَدَّقْ بِهَا، فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُخْلِفُهَا، اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ مِفْتَاحاً وَمِفْتَاحُ الرِّزْقِ الصَّدَقَةُ؟ فَتَصَدَّقْ بِهَا. فَفَعَلَ. فَمَا لَبِثَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ(ع) عَشَرَةَ اَيَّامٍ حَتّٰى جَاءَهُ مِنْ مَوْضِعٍ اَرْبَعَةُ آلَافِ دِينَارٍ. فَقَالَ: يَا بُنَيَّ اَعْطَيْنَا لِلّٰهِ اَرْبَعِينَ دِينَاراً، فَاَعْطَانَا اللّٰهُ اَرْبَعَةَ آلَافِ دِينَارٍ.» امام صادقؑ نے اپنے بیٹے محمد سے کہا: اس رقم میں سے اب کتنی باقی ہے؟ کہا چالیس دینار امامؑ نے فرمایا: سب صدقہ کردو، محمدؑ نے کہا اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے امامؑ نے کہا: تم صدقہ کردو، خدا اس کی جگہ پر کردے گا۔ کیا تم نہیں جانتے ہر شے کی ایک کنجی ہے اور رزق کی کنجی صدقہ ہے۔ لہٰذا صدقہ کردو، محمدؑ نے صدقہ کردیا۔ اس دن کے بعد حضرت کے پاس چار ہزار دینار آ گئے۔ حضرتؑ نے کہا بیٹے میں نے ۴۰ دینار دیئے تھے اور خدا نے چار ہزار واپس کردیا۔ ساتویں امامؑ سے منقول ہے۔ صدقہ دے کر رزق حاصل کرو۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۹۔۱۰، کتاب الزکات، باب فی ان الصدقۃ تزید فی المال، حدیث ۲۔۴۔

۸۴۔ امام ششمؑ نے فرمایا: «اِنَّ الصَّدَقَةَ تَقْضِي الدَّيْنَ وَتَخْلِفُ بِالْبَرَكَةِ.» صدقہ قرض کو ادا کرتا ہے اور مال میں برکت دیتا ہے۔ حوالۂ سابق، ص ۹، حدیث ۱۔

۸۵۔ «عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ(ع) قَالَ: اَلْبِرُّ وَالصَّدَقَةُ يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَيَزِيدَانِ فِي الْعُمْرِ وَيَدْفَعَانِ تِسْعِينَ (خ: سَبْعِينَ) مِيتَةَ السُّوءِ» امام پنجم نے فرمایا: نیکی کرنا اور صدقہ دینا دونوں عمر بڑھاتے ہیں اور ستر انوے بری

موت سے بچاتے ہیں۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۲، کتاب الزکات، باب فضل الصدقہ، حدیث ۲۔
۸۶۔ «عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ (ع) فِي قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: «فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى» (لَيل) «قَالَ: وَاِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي بِالْوَاحِدَةِ عَشْرَةً اِلٰى مِاَةِ اَلْفٍ فَمَا زَادَ الْحَدِيثُ.» اس آیت کے بارے میں امام باقرؑ نے فرمایا: خدا ایک نیکی کے بدلے میں دس سے لیکر ایک لاکھ اور اس سے زیادہ دیتا ہے۔ وسائل جلد ۶، ص ۲۵۶، کتاب الزکات، ابواب الصدقہ، باب ۱، حدیث ۵۔
۸۷۔ رسول خدا نے فرمایا: «تَصَدَّقُوا، فَاِنَّ الصَّدَقَةَ تَزِيدُ فِي الْمَالِ كَثْرَةً...» صدقہ دو، صدقہ مال میں کثرت عطا کرتا ہے۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۹، کتاب الزکات، باب فی ان الصدقہ تزید فی المال، حدیث ۲۔
۸۸۔ «مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَدْفَعَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْسَ يَوْمِهِ، فَلْيَفْتَتِحْ يَوْمَهُ بِصَدَقَةٍ، يَذْهَبُ اللّٰهُ بِهَا عَنْهُ نَحْسَ يَوْمِهِ. وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُذْهِبَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْسَ لَيْلَتِهِ، فَلْيَفْتَتِحْ لَيْلَتَهُ بِصَدَقَةٍ، يَدْفَعُ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْسَ لَيْلَتِهِ...» فروعِ کافی جلد ۴، ص ۶، کتاب الزکات، باب ان الصدقہ تدفع البلا، حدیث ۹۔
۸۹۔ «دَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ...» فروعِ کافی جلد ۴، ص ۳، کتاب الزکات، باب فضل الصدقہ، حدیث ۵۔
۹۰۔ «وَلَاَنْ اَحُجَّ حِجَّةً اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَعْتِقَ رَقَبَةً وَرَقَبَةً. (حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى عَشْرَةٍ، وَمِثْلَهَا وَمِثْلَهَا حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعِينَ.) وَلَاَنْ اَعُولَ اَهْلَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ اَشْبَعُ جَوْعَتَهُمْ وَاَكْسُوا عَوْرَتَهُمْ وَاَكُفُّ وُجُوهَهُمْ عَنِ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَحُجَّ حِجَّةً وَحِجَّةً وَحِجَّةً، (حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى عَشْرٍ وَعَشْرٍ وَعَشْرٍ، وَمِثْلَهَا حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعِينَ.)» امام باقرؑ نے فرمایا: اگر میں ایک حج کروں تو وہ مجھے ایک غلام آزاد کرنے اور بندہ دیگر آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے (امامؑ نے اس کو دس مرتبہ تکرار فرمایا اور ستر مرتبہ تک فرماتے رہے) اور اگر ایک مسلمان گھرانے کی دیکھ بھال کروں اور ان کو سیر کروں لباس پہناؤں لوگوں کی نظروں میں ان کی آبرو محفوظ کروں تو اس سے بہتر ہے کہ حج کروں اور دوسرا حج اور اس کی بھی دس مرتبہ تکرار فرمائی اور کہتے رہے یہاں تک ستر تک پہونچ گئے۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۲، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقہ، حدیث ۲۔
۹۱۔ «عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ (ع) اَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يُعْتِقُ الْمَمْلُوكَ يُعْتِقُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْواً مِنَ النَّارِ» امام ششم نے فرمایا: جو ایک غلام آزاد کرتا ہے خدا اس غلام کے ہر عضو کے بدلے اس شخص کے عضو کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ وسائل جلد ۱۶، ص ۲، کتاب العتق باب ۱، حدیث ۱۔
۹۲۔ حوالہ سابق، ص ۲، حدیث ۲۔
۹۳۔ سورۂ آل عمران آیت ۹۲۔
۹۴۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: كَانَ يَتَصَدَّقُ بِالسُّكَّرِ فَقِيلَ لَهُ: تَتَصَدَّقُ بِالسُّكَّرِ فَقَالَ: لَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْهُ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَتَصَدَّقَ بِاَحَبِّ الْاَشْيَاءِ اِلَيَّ.» تہذیب الاحکام جلد ۴، ص ۳۳۱، کتاب الصیام باب الزیارات، حدیث ۱۰۴۔
۹۵۔ «قَدْ رُوِيَ عَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ اشْتَرٰى عَلِيٌّ (ع) ثَوْباً، فَاَعْجَبَهُ، فَتَصَدَّقَ بِهِ، وَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ: مَنْ آثَرَ عَلٰى نَفْسِهِ، آثَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالْجَنَّةِ. وَمَنْ اَحَبَّ شَيْئاً فَجَعَلَهُ لِلّٰهِ

تعالی یوم القیامۃ: قد کانَ العبادُ یُکافُونَ فیما بینَھُم بالمعروفِ، وَاَنَا اُکافیکَ الیومَ بالجنۃِ۔» مجمع البیان سورۂ آلِ عمران کے ۹۲ ویں آیت کی تفسیر میں۔

۹۶۔ «وَرُوِيَ اَنَّ اَبا طَلْحَۃَ قَسَّمَ حائطاً لَہُ فِي اَقارِبِہِ عِندَ نُزُولِ ھٰذِہِ الآیۃِ، وَکانَ اَحَبَّ اَمْوالِہِ اِلَیْہِ. فَقالَ لَہُ رَسُولُ اللّٰہِ(ص): بَخٍ بَخٍ ذٰلِکَ مالٌ رابِحٌ لَکَ.» مجمع البیان، سورہ آلِ عمران کے ۹۲ ویں آیت کی تفسیر میں۔

۹۷۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۹۲۔

۹۸۔ مجمع البیان، سورۂ آلِ عمران کے ۹۲ ویں آیت کی تفسیر میں۔

۹۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۱۵۔ ۳۲۰، کتاب ایمان وکفر، باب حبّ الدّنیا والحرص علیہا۔ احادیث ۱۔ ۱۷، اسی طرح دوسرے ابواب میں۔

۱۰۰۔ ص ۱/۱

۱۰۱۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۸، کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقۃ السّر، حدیث ۲۔

۱۰۲۔ «قالَ رَسُولُ اللّٰہِ(ص): صَدَقَۃُ السِّرِّ تُطْفِي غَضَبَ الرَّبِّ.» فروعِ کافی جلد ۴ ص ۷، کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقۃ السّر، حدیث ۱۔ ۲، وسائل جلد ۶، ص ۵، ۲۷۵، ۲۷۸، کتاب الزکات، باب ۱۳، از ابواب صدقہ، احادیث ۱، ۲، ۴، ۷۔

۱۰۳۔ وسائل جلد ۶، ص ۲۷۷، کتاب الزکات، باب ۱۳، از ابواب صدقہ، حدیث ۱۱۔

۱۰۴۔ «قالَ(ع) سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِي ظِلِّہِ یَوْمَ لاظِلَّ اِلّا ظِلُّہُ اِلیٰ اَنْ قالَ: وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَۃٍ، فَاَخْفاھا حَتّٰی لَمْ تَعْلَمْ یَمینُہُ ما تُنْفِقُ شِمالُہُ.» امام ششم نے فرمایا: رسولِ خدا سے پوچھا کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا ان رشتہ داروں پر جن کے دل میں تمہارے لئے کینہ ہو۔ فروعِ کافی جلد ۴، ص ۱۰، کتاب الزکات باب الصدقۃ علی القرابۃ، حدیث ۲، ۳۔

۱۰۵۔ «قالَ(ع): لاصَدَقَۃَ وَذُو رَحِمٍ مُحْتاجٌ.» وسائل جلد ۶، ص ۲۸۶، کتاب الزکات باب ۲۰، از ابواب صدقہ حدیث ۴۔ ۷۔

۱۰۶۔ «قالَ الصّادِقُ(ع): اِنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، عَلَیْہِ السَّلامُ، قاسَمَ رَبَّہُ ثَلاثَ مَرّاتٍ حَتّٰی نَعْلاً وَنَعْلاً وَثَوْباً وَثَوْباً وَدِیناراً وَدِیناراً. وسائل جلد ۶ ص ۳۳۶ کتاب الزکات باب ۵۲، از ابواب صدقہ حدیث ۱۔

۱۰۷۔ «فِي کِتابِ اَبِي الْحَسَنِ الرِّضا اِلیٰ اَبِي جَعْفَرٍ(ع): یا اَبا جَعْفَرٍ، بَلَغَنِي اَنَّ الْمَوالِيَ اِذا رَکِبْتَ اَخْرَجُوکَ مِنَ الْبابِ الصَّغیرِ وَاِنَّما ذٰلِکَ مِنْ بُخْلٍ بِھِمْ لِئَلّا یَنالَ مِنْکَ اَحَدٌ خَیْراً. فَاَسْاَلُکَ بِحَقّي عَلَیْکَ لایَکُنْ مَدْخَلُکَ وَمَخْرَجُکَ اِلّا مِنَ الْبابِ الْکَبیرِ وَاِذا رَکِبْتَ، فَلْیَکُنْ مَعَکَ ذَھَبٌ وَفِضَّۃٌ، ثُمَّ لایَسْاَلُکَ اَحَدٌ اِلّا اَعْطَیْتَہُ. وَمَنْ سَاَلَکَ مِنْ عُمُومَتِکَ اَنْ تَبَرَّہُ، فَلا تُعْطِہِ اَقَلَّ مِنْ خَمْسینَ دِیناراً، وَالْکَثیرُ اِلَیْکَ. وَمَنْ سَاَلَکَ مِنْ عَمّاتِکَ، فَلا تُعْطِھا اَقَلَّ مِنْ خَمْسَۃٍ وَعِشْرینَ دِیناراً، وَالْکَثیرُ اِلَیْکَ. اِنّي اُریدُ اَنْ یَرْفَعَکَ اللّٰہُ. فَاَنْفِقْ وَلاتَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْتاراً.» بحار جلد ۵۰، ص ۱۰۲، تاریخ الامام الجوادؑ باب ۵، حدیث ۱۶۔

۱۰۸- «سَأَلَ رَجُلٌ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ (ع) عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ: وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ»

فَقَالَ: كَانَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ الْاَنْصَارِيِّ. سَمَّاهُ وَ كَانَ لَهُ حَرْثٌ فَكَانَ اِذَا حَلَّ يَتَصَدَّقُ بِهِ فَيَبْقَى هُوَ وَعِيَالُهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ فَجَعَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ ذٰلِكَ سَرَفًا.» ایک شخص نے امام صادقؑ سے اس آیت.... وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ کے بارے میں پوچھا تو حضرت نے فرمایا: فلاں بن فلاں انصاری (ان کا نام بھی لے دیا) کی کھیتی تھی جب فصل کٹنے کا زمانہ ہوتا تھا وہ سب صدقہ کر دیتے تھے اور خود اور بال بچے فاقہ کرتے تھے تو خدا نے اس کو اسراف قرار دیا۔

«عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) اَنَّهُ تَصَدَّقَ عَلٰى ثَلَاثَةٍ مِنَ السُّؤَالِ ثُمَّ رَدَّ الرَّابِعَ وَقَالَ: لَوْ اَنَّ رَجُلًا كَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اَلْفَ دِرْهَمٍ ثُمَّ شَاءَ اَنْ لَا يَبْقٰى مِنْهَا اِلَّا وَضَعَهَا فِي حَقٍّ لَفَعَلَ فَيَبْقٰى لَا مَالَ لَهُ فَيَكُوْنُ مِنَ الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ يُرَدُّ دُعَاؤُهُمْ. قُلْتُ: مَنْ هُمْ؟ قَالَ: اَحَدُهُمْ رَجُلٌ كَانَ لَهُ مَالٌ فَاَنْفَقَهُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ ارْزُقْنِي فَيُقَالُ لَهُ: اَلَمْ اَجْعَلْ لَكَ سَبِيْلًا اِلٰى طَلَبِ الرِّزْقِ؟»

امام جعفر صادقؑ نے تین سائل کو صدقہ دیا اور چوتھے کو رد کر دیا اور فرمایا: اگر کسی کے پاس تیس چالیس ہزار درہم ہوں اور وہ سب کو صحیح جگہوں پر خرچ کر کے خود خالی ہاتھ رہ جائے تو وہ ان تین لوگوں میں سے ہے جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ راوی نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ایک تو وہ ہے جس کے پاس مال ہو اور وہ سب کو مناسب جگہ پر خرچ کر کے خدا سے دعا کرے پالنے والے مجھے رزق عطا فرما تو اس سے کہا جاتا ہے کیا تجھے رزق نہیں دیا گیا تھا؟ وسائل جلد ۶، ص ۳۲۲- ۳۲۳، کتاب الزکات، ابواب الصدقہ باب ۴۲ احادیث ۱۔

۱۰۹- «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ صَدَقَةٌ تَكُوْنُ عَنْ فَضْلِ الْكَفِّ.» وسائل جلد ۶، ص ۳۲۲، ابواب الصدقہ، باب ۴۲، حدیث ۲۔

۱۱۰- ص ر

۱۱۱- «عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ؛ وَعِزُّ الْمُؤْمِنِ كَفُّهُ عَنْ اَعْرَاضِ النَّاسِ.» وسائل جلد ۵، ص ۲۶۸، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۹، حدیث ۲۔

۱۱۲- «عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، لِجَبْرَئِيْلَ: عِظْنِي فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ عِشْ مَا شِئْتَ، فَاِنَّكَ مَيِّتٌ؛ وَاَحْبِبْ مَا شِئْتَ، فَاِنَّكَ مُفَارِقُهُ؛ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ، فَاِنَّكَ مُلَاقِيْهِ؛ شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ؛ وَعِزُّهُ كَفُّهُ عَنْ اَعْرَاضِ النَّاسِ.»

الخصال جلد ۱، ص ۷، باب الواحد حدیث ۱۹۔

۱۱۳- «عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ (ع) قَالَ: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا؛ وَثَمَانُ رَكَعَاتٍ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ وَالْوَتْرُ زِيْنَةُ الْآخِرَةِ. وَقَدْ يَجْمَعُهُمَا اللّٰهُ لِاَقْوَامٍ.» وسائل جلد ۵، ص ۲۶۷، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۹، از ابواب

بقیۃ الصلوات المندوبۃ، حدیث ۴۴۔

۱۱۴۔ «وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ(ص): إِذَا قَامَ الْعَبْدُ لَذِيذَ مَضْجَعِهِ وَالنُّعَاسُ فِي عَيْنِهِ لِيُرْضِيَ رَبَّهُ بِصَلَاةِ لَيْلَةٍ، بَاهَى اللّٰهُ بِهِ الْمَلَائِكَةَ وَقَالَ: أَمَا تَرَوْنَ عَبْدِي هٰذَا، قَدْ قَامَ مِنْ لَذِيذِ مَضْجَعِهِ لِصَلَاةٍ لَمْ أَفْرِضْهَا عَلَيْهِ؛ إِشْهَدُوا أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُ.» وسائل جلد ۵، ص ۲۷۷، "کتاب الصلوٰۃ" باب ۳۹، از ابواب بقیۃ الصلوات المندوبۃ، حدیث ۳۶۔

۱۱۵۔ وسائل جلد ۲، ص ۴۲۔ ۴۴، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۳، ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۱۔ ۲۔ ۶۔

۱۱۶۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۸۔

۱۱۷۔ «بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ، فَقَامَ يُصَلِّي فَلَمْ يُتِمَّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ. فَقَالَ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: نَقَرَ كَنَقْرِ الْغُرَابِ لَئِنْ مَاتَ هٰذَا وَهٰكَذَا صَلَاتُهُ لَيَمُوتَنَّ عَلَى غَيْرِ دِينِي.» امام محمد باقرؑ نے فرمایا: رسولِ خدا مسجد میں بیٹھے تھے اتنے میں ایک شخص مسجد میں آکر نماز پڑھنے لگا جس کے رکوع و سجود کامل نہیں تھے۔ رسولؐ نے فرمایا: یہ کوّے کی طرح ٹھونگ مار رہا ہے اگر یہ مرگیا اور اس کی نماز اسی طرح رہی تو میرے دین پر نہیں مرے گا۔ فروع کافی جلد ۳، ص ۲۶۸، کتاب الصلوٰۃ، باب من حافظ علی صلاتہ او ضیعھا۔

۱۱۸۔ ترجمہ متن میں گزر چکا ہے۔

۱۱۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۰۹، کتاب فضل القرآن، باب فی قرأتہ حدیث ۱۔

۱۲۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۰۹، کتاب فضل القرآن، باب فی قرأتہ حدیث ۲۔ اس میں حدیث کے آخری جملہ میں بصورت تنظر ما فیھا آیا ہے۔

۱۲۱۔ سورۂ محمدؐ آیت ۲۴۔

۱۲۲۔ «لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا فِقْهَ فِيهَا وَلَا فِي قِرَاءَةٍ لَا تَدَبُّرَ فِيهَا.» المحجۃ البیضا جلد ۲، ص ۲۲۷، کتاب آداب تلاوۃ القرآن، حدیث ۳۔

۱۲۳۔ اصولِ کافی، جلد ۲، ص ۶۱۲، کتاب فضل القرآن، باب ثواب قراءۃ القرآن، حدیث ۵۔

۱۲۴۔ اصولِ کافی، جلد ۲، ص ۵۹۶۔ ۶۰۲، کتاب فضل القرآن، حدیث ۱۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۴۔

۱۲۵۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ(ع) قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَهُوَ شَابٌّ مُؤْمِنٌ اخْتَلَطَ الْقُرْآنُ بِلَحْمِهِ وَدَمِهِ؛ وَجَعَلَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَكَانَ الْقُرْآنُ حَجِيزًا عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. يَقُولُ: يَا رَبِّ، إِنَّ كُلَّ عَامِلٍ قَدْ أَصَابَ أَجْرَ عَمَلِهِ غَيْرَ عَامِلِي، فَبَلِّغْ بِهِ أَكْرَمَ عَطَايَاكَ. قَالَ فَيَكْسُوهُ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ حُلَّتَيْنِ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْكَرَامَةِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: هَلْ أَرْضَيْنَاكَ فِيهِ؟ فَيَقُولُ الْقُرْآنُ: يَا رَبِّ؛ قَدْ كُنْتُ أَرْغَبُ لَهُ فِيمَا هُوَ أَفْضَلُ مِنْ هٰذَا. فَيُعْطِي الْأَمْنَ بِيَمِينِهِ وَالْخُلْدَ بِيَسَارِهِ، ثُمَّ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ، فَيُقَالُ لَهُ: اِقْرَأْ وَاصْعَدْ دَرَجَةً. ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: هَلْ بَلَّغْنَا بِهِ وَأَرْضَيْنَاكَ؟» اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۰۳، کتاب فضل القرآن، باب حامل القرآن، حدیث ۴۔ ثواب الاعمال

وعقاب الاعمال، ص ۱۲۶، ثواب من قراء القرآن وھو شاب مومن۔

۱۲۶۔ «اِنَّ الَّذِي يُعَالِجُ الْقُرْآنَ لِيَحْفَظَهُ بِمَشَقَّةٍ مِنْهُ، وَقِلَّةِ حِفْظٍ لَهُ اَجْرَانِ» مفضل کی روایت کے مشابہ بحار کے جلد ۹۰، ص ۱۸۷، کتاب القرآن، باب ۲۰، حدیث ۷، روایت موجود ہے۔

۱۲۷۔ «اَنْتُمُ الصَّلَاةُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنْتُمُ الزَّكَاةُ وَاَنْتُمُ الْحَجُّ؟ فَقَالَ: يَا دَاوُدُ نَحْنُ الصَّلَاةُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَحْنُ الزَّكَاةُ وَنَحْنُ الصِّيَامُ وَنَحْنُ الْحَجُّ...» بحار جلد ۲۴، ص ۳۰۳، کتاب الامامۃ، باب انھم الصلوٰۃ والزکات، حدیث ۱۴۔

۱۲۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۳۹۔ ۶۴۲، کتاب العشرۃ، باب من تکرہ مجالستہ ومرافقتہ، حدیث ۱-۲-۳-۶-۷-۱۰۔

۱۲۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۰۰، کتاب فضل القرآن، حدیث ۵۔

۱۳۰۔ امالی (مجالس) شیخ صدوق، ص ۵۸۴، مجلس ۸۴، حدیث ۲، وسائل جلد ۴، ص ۸۲۹، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲، حدیث ۶۔

۱۳۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۲۷، کتاب فضل القرآن، باب النوادر، حدیث ۱۔

۱۳۲۔ وسائل جلد ۴، ص ۸۳۷، کتاب الصلوٰۃ، باب ۸، از ابواب قراءت القرآن، حدیث ۷، ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۳۲۹، عقاب المستاکل بالقرآن، حدیث ۱۔

۱۳۳۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۵۔

۱۳۴۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۳۳۲-۳۳۶، ۳۲۷، وسائل جلد ۴، ص ۸۲۷، کتاب الصلوٰۃ باب ۸، از ابواب قراءۃ القرآن، حدیث ۸۔

۱۳۵۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۱۴، کتاب فضل القرآن، باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن، حدیث ۱۔

۱۳۶۔ «اِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ بِالْحُزْنِ، فَاقْرَؤُوهُ بِالْحُزْنِ.» اصولِ کافی جلد ۲، ص ۶۱۴، کتاب فضل القرآن، باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن، حدیث ۲، نیز ترتیل کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قرآن کو خوش الحان اور آرام سے پڑھو، مجمع البیان جلد ۱۰، ص ۳۷۸، سورۂ مزمل۔

۱۳۷۔ «عَنْ اَبِي الْحَسَنِ (ع) قَالَ: ذَكَرْتُ الصَّوْتَ عِنْدَهُ، فَقَالَ اِنَّ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، كَانَ يَقْرَأُ فَرُبَّمَا مَرَّ بِهِ الْمَارُّ فَصَعِقَ مِنْ حُسْنِ صَوْتِهِ...» اصول کافی جلد ۲، ص ۶۱۵، کتاب فضل القرآن، باب ترتیل القرآن بالصوت الحسن، حدیث ۴۔

۱۳۸۔ تفسیر نور الثقلین جلد ۵، ص ۶۸۳۔ ۶۸۴، تفسیر سورۂ کوثر، حدیث ۱۷-۱۹۔

۱۳۹۔ ص /

۱۴۰۔ «عَنْ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ اَخِيهِ، مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ: عَلَى الْاِمَامِ اَنْ يَرْفَعَ يَدَهُ فِي الصَّلَاةِ، لَيْسَ عَلَى غَيْرِهِ اَنْ يَرْفَعَ يَدَهُ فِي الصَّلَاةِ.» علی ابن جعفر کی صحیحہ یہ ہے امام ہفتم نے فرمایا: امام کے لئے نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا ضروری ہے۔ لیکن غیر امام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ وسائل جلد ۴ ص ۷۲۶،

۱۴۱۔ «لَمّا نَزَلَتْ هٰذِهِ السُّورَةُ (اَلْكَوْثَرُ) قالَ النَّبِيُّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، لِجِبْرَئيلَ (ع): ما هٰذِهِ النَّحيرَةُ الَّتي اَمَرَني بِها رَبّي؟ قالَ: لَيْسَتْ بِنَحيرَةٍ، وَلٰكِنَّهُ يَأْمُرُكَ اِذا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلاةِ اَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ اِذا كَبَّرْتَ وَاِذا رَكَعْتَ وَاِذا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكوعِ وَاِذا سَجَدْتَ. فَاِنَّهُ صَلاتُنا وَصَلاةُ الْمَلائِكَةِ فِي السَّماواتِ السَّبْعِ. فَاِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ زينَةً، وَاِنَّ زينَةَ الصَّلاةِ رَفْعُ الْاَيْدي عِنْدَ كُلِّ تَكْبيرَةٍ.» اصبغ بن نباتہ حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ جب سورۂ کوثر نازل ہوا تو رسولِ خدا نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون سی قربانی ہے جس کا مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ قربانی نہیں ہے مگر خدا نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ جب نماز کے لئے آمادہ ہو تو تکبیر کہتے وقت، رکوع میں جاتے وقت رکوع سے سر اٹھاتے وقت سجدہ میں جاتے وقت اپنے ہاتھوں کو بلند کرو۔ کیونکہ یہی ہماری اور ساتوں آسمانوں کے ملائکہ کی نماز ہے۔ ہر چیز کا ایک زیور ہے اور نماز کا زیور تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کا بلند کرنا ہے۔ مجمع البیان تفسیر سوۂ کوثر۔

۱۴۲۔ «عَنِ الرِّضا (ع) قالَ: اِنَّما تُرْفَعُ الْيَدانِ بِالتَّكْبيرِ لِاَنَّ رَفْعَ الْيَدَيْنِ ضَرْبٌ مِنَ الْاِبْتِهالِ وَالتَّبَتُّلِ وَالتَّضَرُّعِ؛ فَاَحَبَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ في وَقْتِ ذِكْرِهِ لَهُ مُتَبَتِّلاً مُتَضَرِّعاً مُبْتَهِلاً. وَلِاَنَّ في رَفْعِ الْيَدَيْنِ اِحْضارُ النِّيَّةِ وَاِقْبالُ الْقَلْبِ.» وسائل جلد ۴، ص ۷۲۷، کتاب الصلوٰۃ، باب ۹، ازابواب تکبیرۃ الاحرام، حدیث ۱۱۔

۱۴۳۔ سورۂ انعام آیت ۷۹۔

۱۴۴۔ وسائل جلد ۴، ص ۷۲۲، کتاب الصلوٰۃ، باب ۷، ازابواب تکبیرۃ الاحرام، حدیث ۵۔

۱۴۵۔ وسائل جلد ۴، ص ۷۲۲، کتاب الصلوٰۃ، باب ۷، ازابواب تکبیرۃ الاحرام، حدیث ۷۔

۱۴۶۔ فروعِ کافی جلد ۶، ص ۴۹۵، ۴۹۶، کتاب الزّی والتجمل، باب السواک، حدیث ۹۔

۱۴۷۔ خصال، جلد ۲، ص ۴۴۹، باب ۱۰، حدیث ۵۱۔

۱۴۸۔ «عَنْ اَبي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: اَوْصاني جِبْرَئيلُ، عَلَيْهِ السَّلامُ، بِالسِّواكِ حَتّى خِفْتُ عَلى اَسْناني.» — فروعِ کافی جلد ۶، ص ۴۹۶، کتاب الزّی والتجمل، باب السواک، حدیث ۸۔

۱۴۹۔ «لَوْلا اَنْ اَشُقَّ عَلى اُمَّتي، لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّواكِ مَعَ كُلِّ صَلاةٍ.» وسائل جلد ۱، ص ۳۵۵، کتاب الطہارۃ، باب ۵، ازابواب السواک، حدیث ۲۔

۱۵۰۔ «عَنْ اَبي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قالَ: اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، كانَ اِذا صَلَّى الْعِشاءَ الْآخِرَةَ، اَمَرَ بِوَضُوئِهِ وَسِواكِهِ، فَيُوضَعُ عِنْدَ رَأْسِهِ مُخَمَّراً، فَيَرْقُدُ ما شاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيَسْتاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلّي اَرْبَعَ رَكَعاتٍ، ثُمَّ يَرْقُدُ؛ ثُمَّ يَقُومُ فَيَسْتاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلّي.» «ثُمَّ قالَ: لَقَدْ كانَ لَكُمْ في رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.» وسائل جلد ۱، ص ۳۵۶، کتاب الطہارۃ، باب ۶، ازابواب السواک، حدیث ۱۔

۱۵۱۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) عَنْ آبَائِهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص): رَكْعَتَانِ بِسِوَاكٍ اَفْضَلُ مِنْ سَبْعِيْنَ رَكْعَةً بِغَيْرِ سِوَاكٍ عَنْ مُعَلَّى بْنِ خُنَيْسٍ قَالَ: سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنِ السِّوَاكِ بَعْدَالْوُضُوْءِ فَقَالَ اَلْاِسْتِيَاكُ قَبْلَ اَنْ يَتَوَضَّأَ. قُلْتُ: اَرَاَيْتَ اِنْ نَسِيَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ قَالَ: يَسْتَاكُ، ثُمَّ يَتَمَضْمَضُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.» بحار جلد ۷۷، ص ۱۳۲، ۱۳۳، کتاب الآداب والسنن، باب السواک والحث علیہ، حدیث ۳۲-۳۴۔

۱۵۲۔ وسائل جلد ۱، ص ۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۶، کتاب الطهارة، باب ۲-۵-۶

۱۵۳۔ مجمع البیان تفسیر آیہ ۴، سورہ قلم۔

۱۵۴۔ گر مسلمانی ازاین است کہ حافظ دارد۔ آہ اگر از پی امروز بود فردائی۔ حافظ

۱۵۵۔ طہارۃ الاعراق، تصنیف ابن مسکویہ۔

۱۵۶۔ محجۃ البیضاء، کلمات مکنونہ، حیاتِ جاوید از فیض کاشانی، حق الیقین مجلسیؒ، جامع السعادات ملا مہدی نراقی، معراج السعادۃ، ملا احمد نراقی یہ کتاب جامع السعادات کا خلاصہ ہے۔

۱۵۷۔ خصال، جلد ۲، ص ۴۲۱، باب ۱۰، حدیث ۱۲۔

۱۵۸۔ معانی الاخبار، ص ۱۹۱، باب فی مکارم الاخلاق، حدیث ۲۔

۱۵۹۔ الوافی جلد ۳، ص ۲۶۴، کتاب ایمان و کفر، باب جوامع المکارم، حدیث ۲۔

۱۶۰۔ امالی صدوق، مجلس ۷۵، حدیث ۱، وسائل جلد ۱۱، ص ۱۵۶، کتاب الجہاد، باب ۶، از ابواب جہاد النفس، حدیث ۸، چھپے نسخوں میں مذام الافعال بھی آیا ہے۔

۱۶۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۹۹، کتاب ایمان وکفر، باب حسن الخلق، حدیث ۱۔

۱۶۲۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۹۹، کتاب ایمان وکفر، باب حسن الخلق، حدیث ۲۔

۱۶۳۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص): اَكْثَرُ مَا تَلِجُ بِهِ اُمَّتِي الْجَنَّةَ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ.» اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۰۰، کتاب ایمان وکفر، باب حسن الخلق، حدیث ۶۔

۱۶۴۔ «اَلْبِرُّ وَحُسْنُ الْخُلُقِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيدَانِ فِي الْاَعْمَارِ» اصولِ کافی جلد ۲، ص ۱۰۰، کتاب ایمان وکفر باب حسن الخلق، حدیث ۸۔

۱۶۵۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَيُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الثَّوَابِ عَلٰى حُسْنِ الْخُلُقِ كَمَا يُعْطِي الْمُجَاهِدَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، يَغْدُوْ عَلَيْهِ وَيَرُوْحُ.» اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۰۴، کتاب ایمان وکفر، باب حسن الخلق، حدیث ۱۲۔

۱۶۶۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۲۱، کتاب ایمان وکفر، باب سوء الخلق حدیث ۳۔

۱۶۷۔ «عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ: اِنَّ سُوْءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ.» اصولِ کافی جلد ۲ ص ۳۲۱، کتاب ایمان وکفر باب سوء الخلق حدیث ۱۔

۱۶۸۔ کتاب ایمان وکفر، باب سوء الخلق، حدیث ۲۔

۱۶۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۳۲۱، کتاب ایمان وکفر، باب سوء الخلق، حدیث ۴۔

تیسویں حدیث

«بِسَنَدِي الْمُتَّصِلِ إِلى ثِقَةِ الْإِسْلامِ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوانُ اللهِ عَلَيْهِ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحابِنا، عَنْ أَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِبْنِ خالِدٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ هارُونَ بْنِ الْجَهْمِ، عَنِ الْمُفَضَّلِ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: إِنَّ الْقُلُوبَ أَرْبَعَةٌ: قَلْبٌ فِيهِ نِفاقٌ وَإِيمانٌ؛ وَقَلْبٌ مَنْكُوسٌ؛ وَقَلْبٌ مَطْبُوعٌ؛ وَقَلْبٌ أَزْهَرُ أَجْرَدُ فَقُلْتُ: مَا الْأَزْهَرُ قالَ: فِيهِ كَهَيْئَةِ السِّراجِ. فَأَمَّا الْمَطْبُوعُ فَقَلْبُ الْمُنافِقِ؛ وَأَمَّا الْأَزْهَرُ فَقَلْبُ الْمُؤْمِنِ: إِنْ أَعْطاهُ شَكَرَ وَإِنِ ابْتَلاهُ صَبَرَ وَأَمَّا الْمَنْكُوسُ فَقَلْبُ الْمُشْرِكِ؛ ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ: «أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبّاً عَلى وَجْهِهِ أَهْدىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيّاً عَلى صِراطٍ مُسْتَقِيمٍ.»[۱] فَأَمَّا الْقَلْبُ الَّذِي فِيهِ إِيمانٌ وَنِفاقٌ، فَهُمْ قَوْمٌ كانُوا بِالطّائِفِ. فَإِنْ أَدْرَكَ أَحَدَهُمْ، أَجَلُهُ عَلى نِفاقِهِ هَلَكَ؛ وَإِنْ أَدْرَكَهُ عَلى إِيمانِهِ نَجا.»[۲]

ترجمہ: امام محمد باقرؑ نے فرمایا: دل چار قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔۔۔۔۔ جس میں نفاق وایمان ہوتا ہے۔

۲۔۔۔۔۔ دوسرا اُلٹا ہوتا ہے۔

۳۔۔۔۔۔ تیسرا مہر زدہ ہوتا ہے۔

۴۔۔۔۔۔ سفید اور بے ملاوٹ ہوتا ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: ازھر کیا ہے؟ فرمایا قلب ہے جو چراغ کے مانند ہے اور مطبوع (مہر زدہ) منافق کا دِل ہوتا ہے اور ازھر مومن کا دِل ہوتا ہے۔ اگر خدا اس کو کچھ عطا کرتا ہے شکر کرتا ہے اور اگر مبتلا کرتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے اور اُلٹا دِل مشرک کا ہوتا ہے اس کے بعد حضرت نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "افمن یمشی الخ" "بھلا جو شخص اوندھا اپنے مُنہ کے بل چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا برابر راہِ راست پر چل رہا ہو" اور جس قلب میں ایمان ونفاق ہو وہ طائف کی ایک قوم تھی ان میں سے جس کی موت نفاق پر ہوتی تھی وہ ہلاک ہوتا تھا اور جس کی ایمان پر ہوتی تھی وہ نجات پاتا تھا"

شرح: "المنکوس" کے معنیٰ مقلوب کے ہیں چنانچہ «یُقَالُ: نَکَسْتُ الشَّيْءَ أَنْکُسُهُ نَکْساً. قَلَبْتُهُ عَلیٰ رَأْسِهِ» کا مطلب "میں نے اس کو الٹا کر دیا" کے ہیں اور صحاح میں ہے اَلْوَلَدُ الْمَنْکُوْسُ اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا پیر پہلے نکلے اور سَر بعد میں۔ اس کے قریب مکبا علی وجہہ کے ہیں اور حضرت نے اسی آیت سے استشہاد فرمایا ہے کیونکہ "اکباب" کے معنیٰ مُنہ کے بل گرنے کے ہیں اور یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اہلِ شرک کے قلوب ٹیڑھے اور ان کی حرکت و سیر معنوی غیر صراطِ مستقیم پر ہے۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی۔

«وَالْمَطْبُوعُ» أَيِ الْمَخْتُومُ. وَالطَّبْعُ، بِالسُّكُونِ، اَلْخَتْمُ؛ وَبِالتَّحْرِيكِ، اَلدَّنَسُ وَالْوَسَخُ»۲

اس کا مطلب مہر لگا ہوا ہے، الطبع بالسکون کا مطلب ختم یعنی مہر۔ جیسا کہ قرآن میں ہے ختم اللہ علی قلوبھم اور بالتحریک کا مطلب کثافت وگندگی ہے"۔ پس اگر مختوم کے معنیٰ مُراد لئے جائیں تو یہ کنایہ ہے کہ حق بات اور حقائق الٰہی ان میں وارد نہیں ہوتے اور نہ قبول کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا اپنے الطاف خاصہ کو ان سے روک دیتا ہے اگرچہ یہ معنیٰ بھی درست ہیں مگر جو مطلب ذکر کیا گیا وہ زیادہ مناسب ہے۔

وَالْأَزْهَرُ الْأَبْيَضُ الْمُسْتَنِيرُ كَمَا عَنِ النِّهَايَةِ وَفِي الصِّحَاحِ: اَلْأَزْهَرُ النَّيِّرُ وَيُسَمَّى الْقَمَرُ الْأَزْهَرَ

قَالَ ابْنُ السِّكِّيتِ: اَلْأَزْهَرَانِ، اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَرَجُلٌ أَزْهَرُ أَيْ أَبْيَضُ مُشْرِقُ الْوَجْهِ. وَالْمَرْأَةُ، اَلزَّهْرَاءُ»

ازہر۔ اس کے معنی سفید و روشن کے ہیں جیسا کہ نہایہ میں ہے اور صحاح میں ہے الازہر نیّر کو کہتے ہیں اور اسی سے قمر ازہر آیا ہے۔ ابن سکیت نے کہا ہے: الازہران چاند و سورج ہیں اور رجل ازہر یعنی ابیض و مشرق الوجہ اور عورت کے لئے الزہراء آئے گا۔ مختصر یہ ہے کہ ازہر کے معنی نورانی اور سفید کے ہیں۔ اسی لئے چاند و سورج کو ازہران اور نورانی شخص کو ازہر اور سفید و نورانی عورت کو زہرا کہتے ہیں۔

«وَالْأَجْرَدُ الَّذِي لَيْسَ فِي بَدَنِهِ شَعْرٌ. وَفِي الصِّحَاحِ: اَلْجُرْدُ فَضَاءٌ لَا نَبَاتَ فِيهِ.» ۵

"الاجرد۔ کے معنی جس کے بدن پر بال نہ ہوں اور صحاح میں ہے: الجرد، وہ فضا جس میں نبات نہ ہو۔ یہ دُنیا سے عدم تعلقی سے کنایہ ہے یا صاف و بے غش ہوتا ہے۔ حدیث میں جو چیز مناسب ہے اس کا ذکر ایک مقدمہ اور چند فصلوں کے ضمن میں کروں گا۔"

مقدّمہ

اصلاحِ قلب کی ترغیب

معلوم ہونا چاہیئے کہ شریعت اور حکما و عرفا کی اصطلاح میں قلب کے اطلاقات ہیں۔ ان کی حقیقت کو بیان کرنے اور اختلاف اور اصطلاحات اور بیان مراتب قلوب اور درجات میں وقت کو صرف کرنا اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے اور خود ہمارے لئے بھی بہت

زیادہ مفید نہیں ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے اخبار میں جس طرح اجمالاً ذکر کیا گیا ہے ہم بھی اسی طرح ذکر کریں اور جو ہمارے لئے لازم و ضروری ہے اس کا ذکر کریں۔

اصطلاح میں "دل سے کوشش کرنا" جو سعادت و شقاوت کا سرمایہ اور جس پر صلاح و فساد کا دارو مدار ہے یہ بات کہیں زیادہ اہم ہے کہ ہم دل کی حقیقت کو تلاش کریں اور اس سلسلہ رائج کے اصطلاح کی اصلاح کریں۔ لہ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اصطلاحات کی طرف شدّتِ توجہ کی بنا پر اور فہم کلمات اور اس کے اطراف میں غور کرنے کی وجہ سے خود قلب سے بالکلیۃ غافل ہو جاتا ہے اور اس کی اصلاح کرنے سے رہ جاتا ہے۔ قلب کی ماہیت و حقیقت کی شرح تک تو وہ اُستادِ کامل بن جاتا ہے۔ حکما و عرفا کی اصطلاحات کا ماہر ہو جاتا ہے۔ لیکن خود اسکا قلب قلوب منکوسہ یا مطبوعہ میں ہوتا ہے جیسے کوئی شخص فائدہ مند اور ضرر رساں دواؤں کے نفع و نقصان سے واقف ہو اور ان کی خوب شرح کرتا ہو۔ لیکن مُضر دواؤں سے اجتناب نہ کرتا ہو اور فائدہ مند دواؤں کا استعمال نہ کرتا ہو۔ یقیناً ایسا شخص علمِ دوا شناسی کے باوجود ہلاک ہو جائے گا اور یہ علم اس کو بچا نہیں سکے گا۔

میں نے پہلے بھی کہا ہے تمام علوم عملی ہیں انتہا یہ ہے کہ علومِ معارف میں بھی ایک قسم کا عمل موجود ہے اور اب میں عرض کرتا ہوں احوال قلوب اور کیفیت صحت و مرض، صلاح و فساد کے علوم خالص مقدّمہ عمل اور ان کے علاج و اصلاح کا طریقہ ہیں اور ان کا ادراک و سمجھنا انسانی کمالات میں سے ہے۔ لہٰذا انسان کی پوری توجہ اور مقصد اصلی قلب کی اصلاح و کمال ہونی چاہیئے تاکہ اس کے ذریعہ روحانی سعادت اور غیب کے عالی درجات حاصل کر سکے اور اگر اہلِ علوم و دقائق و حقائق میں سے بھی ہے تو انفس و آفاق کے سیر کے ضمن میں سب سے عمدہ مطلب اس کے لئے یہ ہے کہ اپنے نفسانی حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ کہ اگر مہلکات سے ہے تو اس کا علاج کرے اور اگر منجیات سے ہے تو اس کے تکمیل کی کوشش کرے۔

لہ: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علم اخلاق اور نفس کے مہلکات و منجیات غیر ضروری ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ چیزیں تہ عمل ہیں نہ کہ مستقل کہ ان کی اصطلاحات کی جمع آوری میں عمر صرف کر دی جائے اور اصل مقصد رہ جائے۔

پہلی فصل

تقسیم قلوب کا مرجع کیا ہے؟

قلوب کی جو تقسیم اس حدیث میں ہے وہ تقسیم کلی اجمالی ہے اور تمام قلوب کے درجات و مراتب ہوتے ہیں چاہے وہ شرک ونفاق کے ہوں یا ایمان وکمال کے ہوں اور بظاہر قلوب کی یہ تقسیم نسب وحرکات معنوی کے بعد کی ہے نہ کہ اصل فطرت وخمیرہ نفوس کی بنا ہے کیونکہ اصل فطرت کی بنا پر اگر ہوگی تو پھر "اخبارِ فطرت اور یہ کہ ہر بچہ فطرت توحید پہ پیدا ہوتا ہے اور شرک ونفاق عارضی چیز ہے" سے منافات لازم آئے گی۔ ویسے اگر تقسیم بحسب اصل فطرت بھی ہو تو ایک بیانِ صحیح کے ذریعہ رفع منافات کیا جا سکتا ہے اور یہ جبر مستحیل کی طرف بھی منجر ہوگا۔ لیکن اقرب بہ برہان واعتبار وہی احتمالِ اول ہے اور ہم نے اس سے پہلے بھی ذکر کیا ہے: کہ انسان جب تک دارِ دنیا میں رہے۔ جو شجرۂ ہیولیٰ ہے اور جوہری وصوری وعرضی تغیرات و تبدلات سے دوچار ہے۔ اس وقت تک اپنے کو ہر قسم کے نقائص وشقاوت وشرک ونفاق سے نجات دے سکتا ہے اور مرتبۂ کمال وسعادتِ روحانی وریحانی تک پہونچا سکتا ہے اور یہ مطلب مشہور حدیث: "اَلشَّقِيُّ شَقِيٌّ فِي بَطْنِ اُمِّهِ"[8] (شقی تو اپنی ماں کے پیٹ سے شقی ہوتا ہے) کے مخالف نہیں ہے کیونکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سعادت وشقاوت ذاتی ہے قابل جعل نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث برہان کے موافق ہے کیونکہ یہ بات اپنی جگہ پر واضح ہو چکی ہے کہ شقاوت کے معنیٰ نقص وعدم کے ہیں اور سعادت کے معنیٰ وجود وکمال کے ہیں اور شجرۂ طیبۂ وجود سے مراد ذاتِ حق سبحانہ ہے بہ ترتیب اسباب ومسببات اور یہ طریقہ افضل المتاخرین واکمل المتقدمین نصیر الملۃ والدین[9] قدس سرہ کا ہے۔ یا یہ طریق ظاہریت ومظہریت و وحدت وکثرت جو اعظم الفلاسفہ علی الاطلاق حضرت صدر المتالهین کا ہے اور جو نقص وعدم ہے وہ شجرۂ خبیثہ ماہیت ہے اور جعل نہیں ہے اس لئے کہ دون جعل ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حدیث بطن ہی کی شقاوت وسعادت کو بیان کرنا چاہتی ہے لیکن "بطنِ اُمّ" سے مراد مطلق عالم طبیعت ہے کہ اُمّ مطلق اور مشیمہ تربیت اطفال یہی طبیعت

ہے اور "بطن ام" سے اس کے عرفی معنی مُراد نہیں ہیں کیونکہ سعادت کمالات و فعلیات میں سے ہے اس لئے نفوس ہیولویہ کو بالفعل حاصل نہیں ہوسکتا ہے ہاں بالقوۃ حاصل ہوسکتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جو بطن اُم میں سعید ہے وہ بالفعل سعید ہے۔ پس اس سے خلاف ظاہر کا ارتکاب کرنا پڑے گا اور ہم نے جو ذکر کیا ہے وہ برہان کے مطابق ہے اس لئے حدیث کا اس پر حمل کرنا یا ایسی چیز پر حمل کرنا جو اس کی طرف راجع ہو متعین ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس بارے میں تفصیل اور اس کے برہان کا بیان اس کتاب کے مقصد سے خارج ہے۔ مگر قلم کبھی سرکشی کر جاتا ہے اور خلاف مقصود جاری ہو جاتا ہے۔

قلوب کی وجہ حصر

بعض علما نے کہا ہے کہ قلوب کا چار قسموں میں انحصار کی علت یہ ہے کہ قلوب یا تو ایمان سے متصف ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ پہلی صورت میں یا جمیع ماجاء بہ النبیؐ پر ایمان سے متصف ہوں گے یا بعض سے ہونگے اور بعض سے نہ ہوں گے۔ پہلا قلب مومن ہے۔ دوسرا وہ قلب ہے جس میں ایمان و نفاق ہے اور بنابر دوم یا تو ظاہر میں تصریح ایمان کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ پہلا قلبِ منافق ہے دوسرا قلبِ مشرک۔

لیکن یہ تقسیم حدیث سے مطابقت نہیں کرتی یعنی کبھی تو تمام ماجاء بہ النبیؐ پر حقیقۃً مومن ہے اور کبھی منافق ہے اور اگر کوئی تقسیم پر مجبور ہے تو بہتر ہے اس طرح کہے: قلب یا تو تمام ماجاء بہ الرسولؐ پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ بنابر صورت دوم اظہار ایمان کرتا ہے یا نہیں کرتا (اور) بنابر اول یا تو اس میں ایمان مستقر ہے اور یا کبھی ایمان لاتا ہے اور کبھی رجوع کرتا ہے اور اس حال میں بھی اظہارِ ایمان کرتا ہے اور اس حدیث کے ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ایمان سے کفر و نفاق کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے چاہے مکرر رجوع کریں۔

اور ایک دوسری حدیث میں جو کافی میں امام محمد باقرؑ سے مروی ہے اس میں قلوب کی تین قسمیں کی گئی ہیں:

۱:۔ قلب منکوس جس میں کوئی خیر نہ ہو اور وہ قلب کافر ہے۔

۲:۔ وہ قلب جس میں نکتہ سودا ہے اور خیر و شر اس میں جنگ کرتے ہیں کہ کون

غالب آتا ہے۔

۲:۔قلب مفتوح جس کے اندر بہت سے چراغ روشن ہیں جو قیامت تک خاموش نہ ہوں گے اور وہ قلب مومن ہے۔"اور یہ پہلی والی حدیث کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث کی پہلی قسم پہلی والی حدیث کی دونوں قسموں سے اعم ہے یعنی قلبِ مشرک و منافق۔اس لئے کہ ان تینوں گروہ کے قلوب منکوس ہیں اور یہ منافات نہیں رکھتی اس بات سے کہ منکوسیت قلب مشرکِ و کافر کے صفات ظاہرہ میں سے ہے اور مطبوعیت قلبِ منافق کے صفاتِ ظاہرہ میں سے ہے اور اسی لئے اس حدیث میں ان میں سے ہر ایک کو ایک سے مخصوص کیا ہے۔

دوسری فصل

حالات قلوب کا بیان

ہم پہلے قلب مومن کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اسی پر قیاس کرتے ہوئے دوسرے قلوب معلوم ہو جائیں۔ یہ جان لینا چاہئیے کہ معارف حقہ اور علوم عالیہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہے کہ حقیقتِ وجود، حقیقتِ نور کی اصل ہے اور یہ دونوں عنوان ایک حقیقت بسیط واحدہ کی جہات مختلفہ متکثرہ کی طرف رجوع کئے بغیر حکایت کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو بھی معلوم ہے کہ جو بھی سنخ کمال و تمام ہے وہ بھی عینِ وجود کی طرف راجع ہے اور یہ ایک ایسی اصل ہے کہ جس کو یہ حاصل ہو جائے اس پر فخر کرے گا اور ابوابِ معارف اس پر کھل جائیں گے (مگر) ہمارے نفوسِ ضعیفہ اس ذات کی حقیقت کے ادراک سے در حقیقت عاجز و محروم ہیں البتہ اگر غیبی دستگیری ہو جائے اور توفیقِ ازلی شاملِ حال ہو جائے تو اور بات ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ ایمان باللہ از سنخ علم اور کمالاتِ مطلقہ میں سے ہے۔ پس چونکہ کمالات سے ہے لہٰذا اصل وجود ہے اور اصل حقیقتِ نور و ظہور ہے اور جو چیز غیر از ایمان اور اس کے متعلقات سے ہے وہ کمالاتِ نفسانیہ انسانیہ سے خارج ہے اور ظلمات عدم و ماہیت سے متعلق ہے۔

قلبِ مومن کے ازہر ہونے کا بیان

پس معلوم ہوگیا کہ قلبِ مومن ازہر ہے۔ کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:
"تم بعض لوگوں کو دیکھو گے کہ فصاحت میں غلطی نہیں کرتے یہاں تک کہ لام اور واؤ میں بھی غلطی نہیں کرتے۔ مگر ان کا دل شبِ تاریک سے بھی زیادہ تاریک ہے اور بعض لوگ اپنے دِل کی بھی بات اپنی زبان سے نہیں کہہ پاتے۔ حالانکہ ان کا دِل چراغ کے مانند روشن ہے۔" نیز قلبِ مومن (ہمیشہ) طریقِ مستقیم پر رہتا ہے اور اس کی مشی معنوی انسانی راہِ مستقیم پر رہتی ہے کیونکہ وہ اس اصل فطرتِ الہیّہ سے "جس کو خدا نے اپنے دونوں دستِ جلال وجمال سے چالیس صبح تک خمیر کیا تھا" خارج نہیں ہوا ہے اور اسی فطرتِ توحید پر "جو نقطہ توجہ بہ کمالِ مطلق وجمالِ تام ہے" گامزن ہے۔ اور یہ حرکت معنوی روحانی مرتبۂ فطرت مخمرہ سے غایت کمالِ مطلق تک بغیر کسی ٹیڑھے پن کے ہے اور یہی استقامت روحانی اور جادہ مستوی باطنی ہے۔ باقی تمام قلوب فطرت سے خارج اور طریقِ مستقیم سے الگ ہیں۔ رسولِ خدا سے روایت ہے کہ آپ نے زمین پر ایک خطِ مستقیم کھینچ کر اس کے اطراف میں بہت سے آڑے ترچھے خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ بیچ کا خطِ مستقیم میرا راستہ ہے۔ ۱۲

مومن صراطِ مستقیم پر ہے

دوسری بات یہ ہے کہ مومن انسانِ کامل کے تابع ہے اور انسان کامل چونکہ تمام اسما وصفات کا مظہر اور اسمِ جامع خدا کا مربوب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے اندر کسی بھی اسم کا غلبہ تصرف نہیں ہوتا اور وہ خود بھی چونکہ کونِ جامع کا رب ہے اس لئے اس کی مظہریت بھی اسمی ہوتی ہے اور زائد بر اسم نہیں ہوتی اور وہ وسط و برزخ کبریٰ ہے اور اس کی سیر ہمیشہ مستقیم اور اور اسم جامع کی وسط ہے اور تمام اکوان یعنی ہر اسم محیط وغیر محیط اس پر متصرف ہیں اور اسی اسم کے مظہر ہیں اور ان سب کی ابتدا وانتہا وہی اسم ہے اور اس کے مقابل کا اسم مخفی ہے اور متصرف نہیں ہے صرف وجہ احدیت جمع اسما کے اعتبار سے متصرف ہے مگر اس کا بیان یہاں

مناسب نہیں ہے پس (نتیجہ یہ نکلا کہ) حق تعالےٰ مقام اسم جامع اور رب الانسان ہونے کی وجہ سے صراطِ مستقیم پر ہے چنانچہ خود اسی کا ارشاد ہے: "اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ." ١٢ "اس میں شک ہی نہیں ہے کہ میرا رب (انصاف کی) سیدھی راہ پر ہے۔" یعنی کسی صفت کو کسی صفت پر فوقیت دینے اور کسی اسم کے کسی دوسرے اسم پر ظہور کے بغیر اس کو مقام وسطیت وجامعیت حاصل ہے اور اس ذات مقدس کا مربوب بھی تفاضل مقامی (یعنی ایک کے مقام دوسرے کے مقام پر فضیلت ہو) اور تفاضل شانی (یعنی ایک کی شان دوسرے کی شان پر برتری رکھتی ہو) کے بغیر یہاں بھی صراطِ مستقیم پر فائز ہے۔ چنانچہ حقیقی معراج صعودی اور انتہائے مقام قرب پر پہونچکر عرضِ عبودیت اور ہر عبادت اور ہر عابد کی عبودیت کو ذاتِ حق کی طرف ارجاع کر کے اور تمام مقاماتِ قبض وبسط میں اعانت کو ذاتِ خدا میں یہ کہتے ہوئے ایاک نعبد وایاک نستعین منحصر کر کے فرماتے ہیں: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ." اور یہ وہی صراط ہے جس پر رب الانسان الکامل ہے وہ بروجہ ظاہریت وربوبیت ہے اور یہ بروجہ مظہریت ومربوبیت۔ اس کے علاوہ کوئی بھی موجود جو سائر الی اللہ ہو وہ صراطِ مستقیم پر نہیں ہے اس میں کسی نہ طرف میلان وکجی ہے خواہ بجانب لطف وجمال ہو یا بطرف قہر وجلال ہو اور مومنین چونکہ انسانِ کامل کے تابع ہیں اس لئے اپنے سیر وقدم کو اسی کے قدم کی جگہ رکھتے ہیں اور اسی کے مصباح معرفت اور نور ہدایت میں سیر کرتے ہیں اور انسان کامل کے تسلیم ہو جاتے ہیں۔ اپنی طرف سے ایک قدم نہیں اٹھاتے اور سیرِ معنوی الی اللہ کی کیفیت میں اپنی عقل کو دخل نہیں دیتے۔ اسی لئے ان کا بھی راستہ مستقیم ہے اور ان کا بھی حشر انسانِ کامل کے ساتھ ہے اور ان کا وصول بھی انسانِ کامل کے تابع ہے۔ بشرطیکہ اپنے قلوبِ صافیہ کو انیت وانانیت اور تصرفاتِ شیاطین سے محفوظ رکھا ہو اور اپنے کو بالکلیہ انسانِ کامل کے سیر کے تسلیم کر لیا ہو اور مقامِ خاتمیت کے تابع بنا دیا ہو۔

شیطان کی بعض مکاریاں

شیطان کے تصرفاتِ خبیثہ میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو اس کے سیدھے راستہ سے ہٹا کر غلط راستہ پر لگا دیتا ہے۔ اس کو گستاخ بنا دیتا ہے یا اس میں بزرگی کا خناس بھر دیتا ہے۔ شیطان جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے شوخ وشنگ بیان اور دلفریب

تصرّف کے ذریعہ بعض مشائخ کو بھی کان پکڑ کر کسی دلبرِ ہوش ربا کے عشق میں گرفتار کر دیتا ہے اور اس گناہ کے لئے عذر نہیں کرتا بلکہ اس شرکِ عرفانی کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اگر دلِ احدی التعلق ہو تو اور جلد سلب روابط کا ذریعہ بن جاتا ہے اور کبھی بیوقوف قسم کے شوخ چشموں کو ایک عوام فریب دیو سیرت شیخ کے ذریعہ (لوگوں کو گمراہ کرتا ہے) اور لوگ تو درکنار بلکہ شیطان قاطع الطریق کو شرکِ جلی کا عذر پیش کرکے متوجہ کر لیتا ہے حالانکہ وہ شیخ انسانِ کامل ہوتا ہے اور انسان (صرف) انسانِ کامل ہی کے ذریعہ مقام غیب مطلق تک جو کسی طرح ظاہر نہیں ہوتا ہے سوائے کسی شیخ کے آئینہ کے پہونچ سکتا ہے اور آخر عمر تک وہ ایک تو اپنے شوخ دلبند کے رخسار کی یاد کے ساتھ اور یہ ایک اپنے شیخ کی صورت منکوس کے ساتھ عالمِ جن و شیاطین سے ملحق ہو جاتا ہے نہ اس کا علاقۂ حیوانیت سلب ہوتا ہے اور نہ یہ اپنی اندھی تقلید کے ذریعہ مقصد تک پہونچ پاتا ہے۔

لیکن مومن کی سیر چونکہ مستقیم ہے اس کا قلب مستوی ہے اس کی توجہ خدا کی طرف اس کی صراط صراطِ سوی ہے اس لئے اس عالم میں بھی اس کا راستہ مستقیم روشن، قیامتِ مستقیم، صورت و سیرت ظاہر و باطن انسانیت کی شکل و صورت پر ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے قلبِ مشرک کو سمجھ سکتے ہیں کہ چونکہ اس کا قلب فطرت الہیہ سے خارج اور کمال کے نقطۂ مرکزی سے مائل اور وسط نور و جمال سے منحرف اور ہادیٔ مطلق اور ولی کامل کی اتباع سے الگ اور اپنی انیت اور انانیت اور دنیا و زیبائشِ دُنیا میں مشغول ہے اس لئے دوسرے عوالم میں بھی انسان کی سیرت و صورت مستقیمہ پر محشور نہ ہوگا۔ (بلکہ کسی حیوان کی منکوس الرأس صورت پر محشور ہوگا کیونکہ اس عالم میں ہیئت و صورت قلوب کے تابع ہے اور ظاہر باطن کا سایہ ہے اور قشر مغز کا سایہ ہے اور اُس عالم کے مواد اس عالم کی طرح اشکالِ ملکوتیہ باطنیہ کے قبول سے انکار نہیں کرتے اور یہ چیز اپنی جگہ دلیلوں سے ثابت ہے۔ اس لئے جو قلوبِ حق و حقیقت سے اعراض کئے ہیں اور فطرتِ مستقیمہ سے خارج ہیں اور دنیا کی طرف متوجہ ہیں ان کا سایہ بھی انھیں کی طرح استقامت سے خارج اور منکوس اور روبہ طبیعت و دُنیا رکھتے ہیں جو اسفل السافلین ہے اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ بعض اپنے سروں کے بل راستہ چلیں اور اُن کے پیر اوپر ہوں اور بعض پیٹ کے بل راہ طے کریں اور بعض حیوانوں کی طرح ہاتھوں پیروں سے چلیں جیسا کہ اس دنیا میں ان کی چال اس طرح کی تھی۔

«اَفَمَنْ یَمْشِي مُكِبّاً عَلىٰ وَجْهِهِ اَهْدٰی اَمْ مَنْ یَمْشِي سَوِیّاً عَلىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ.» «۱۴» ہو سکتا ہے یہ مجاز جو عالمِ مجاز میں ہے، عالمِ حقیقت و ظہورِ روحانیت میں حقیقت

حاصل کرے اور احادیث شریفہ میں اس آیت کے ذیل میں صراطِ مستقیم سے حضرت علیؑ اور ائمہ معصومینؑ مُراد ہیں، بتایا گیا ہے۔

«عَنِ الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْمَاضِي، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: قُلْتُ: «أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبّاً عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَمْ مَنْ يَمْشِي سَوِيّاً عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ»؟ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ ضَرَبَ مَثَلاً مَنْ حَادَ عَنْ وِلَايَةِ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَمَنْ يَمْشِي عَلَى وَجْهِهِ لَا يَهْتَدِي لِأَمْرِهِ؟ وَجَعَلَ مَنْ تَبِعَهُ سَوِيّاً عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. وَ«الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ» أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ.[15]»

کافی میں امام ابوالحسن الماضی سے مروی ہے کہ راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا: افمن یمشی مکبا الخ سے کیا مُراد ہے فرمایا: "خدا نے اس آیت میں ایک مثال بیان کی ہے کہ جو لوگ حضرت علیؑ کی ولایت سے اعراض کرتے ہیں وہ گویا اپنے چہروں کے بل راستہ چلتے ہیں مگر ہدایت نہیں پہونچ پاتے اور جو ان کے پیرو ہیں وہ صراط پر ہیں اور صراطِ مستقیم حضرت علیؑ ہیں۔"

اور ایک دوسری حدیث میں بھی صراطِ مستقیم سے حضرت علیؑ اور ائمہ معصومین ہی کو مُراد بتایا گیا ہے۔[16]

کافی میں فضیل سے منقول ہے کہ میں امام محمد باقرؑ کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہوا۔ حضرت میرے اوپر تکیہ فرمائے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا: "اے فضیل جاہلیت میں اس طرح طواف کرتے تھے کہ نہ کسی حق کو پہچانتے تھے نہ کسی دین کے پابند تھے اے فضیل ان کو دیکھو یہ اوندھے مُنہ پڑے ہیں۔ خدا ان پر لعنت کرے کہ یہ منکوس و مسخ شدہ مخلوق ہیں۔ اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی: افمن یمشی مکبا الخ، اور صراطِ مستقیم کی تفسیر حضرت اور ان کے اوصیا سے فرمائی۔"[17]

أَفَمَنْ يَمْشِي

ہم نے اس سے پہلے یہ بیان کر دیا ہے کہ انسانِ کامل کی مشی اور اس کی معنوی حرکت صراطِ مستقیم پر ہوتی ہے۔[18] اب رہی یہ بات کہ خود انسانِ کامل ہی صراطِ مستقیم ہے تو یہ فعلاً ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

تتمیم

قلبِ منافق کا بیان اور اس کے اور مومن کے دل کا فرق

فصلِ سابق کے بیانات سے مومن ومشرک بلکہ کافر کے قلب کا بھی حال معلوم ہوگیا اور قیاس کے ذریعہ منافق کے قلب کا بھی حال معلوم کیا جا سکتا ہے کیونکہ مومن کا دل تو اپنی سادہ وصاف واصلی فطرت سے خارج نہیں ہوا۔ جو بھی ایمانی حقیقت ومعارف اس پر القا کئے جاتے ہیں وہ انھیں قبول کرلیتا ہے اور غذا ومتغذی کے درمیان تناسب جو معارف و حقائق اور مقام فطرت قلوب ہے۔ محفوظ رہتا ہے۔ اسی لئے کافی کی ایک دوسری حدیث میں قلبِ مومن کو "مفتوح" فرمایا ہے[1] اور یہ فتح ہو سکتا ہے فتوحات[2] ثلاثہ میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ بھی ہو۔ اگرچہ اس معنیٰ کے اعتبار سے بھی مناسب ہے۔

لیکن قلبِ منافق کدورتوں اور تاریکیوں کی بنا پر فطرتِ انسانیت سے مخالفت پیدا کر چکا ہے اس لئے وہ مطبوع ومسدود ہے اور اس پر مہر لگا دی گئی ہے (جو چیزیں فطرت کے منافی ہیں وہ) مثلاً یہ ہیں جاہلی تعصب، بُرے اخلاق، حُبِّ نفس وحُبِّ جاہ وغیرہ۔ قلبِ منافق کسی بھی طرح کلمۂ حق کو قبول نہیں کرتا اور اس کا صفحۂ دل مثل سیاہ کاغذ کے ہے جس میں کوئی نقش نہیں اُبھرتا اور اظہارِ دیانت کو اپنی شیطنیت کی بنا پر (حصول) دُنیا وترقی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ (ویسے) تو منافق وکافر دونوں کے دل منکوس ومطبوع ہیں جیساکہ معلوم وواضح ہے لیکن ہر ایک کا ایک سے اختصاص صرف اس لئے ہے کہ مشرک کا دل چونکہ عبادت اور خضوع میں معبودِ حقیقی کے علاوہ دوسرے طرف متوجہ اور کمالِ مطلق کے غیر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے قلب میں دو خصوصیت ہوتی ہے، ایک خضوع صادقانہ اور دوسرے چونکہ یہ خضوع نقائص اور مخلوقات سے ہوتا ہے اس لئے اس کے دل میں نقص وکدورت ہوتی ہے اور اس کا دل منکوس ہوتا ہے اور یہ صفت اس میں واضح ہوتی ہے۔ لیکن منافق کبھی واقع کے اعتبار سے مشرک ہے اور اس اعتبار سے مشرک کے مساوی ہے یعنی اس کا قلب منکوس ہے اور دوسری مزیت بھی رکھتا ہے اور کبھی واقع کے اعتبار سے کافر ہوتا ہے اور اس کے اندر کوئی دین

نہیں ہوتا اور اس کا دل بھی اگرچہ منکوس ہے لیکن اس کے اندر ایک بہت ہی واضح ترین خصوصیت موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حق کو بحسب ضرورت کان دھر کے سنتا ہے اور حق کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور تمام مطالب حقہ جو مومنین کے کانوں میں پڑتے ہیں اس کے کان میں بھی پڑتے ہیں لیکن صفائے باطن کی وجہ سے مومن کا قلب مفتوح ہوتا ہے اور وہ قبول کر لیتا ہے لیکن منافق کا دل تاریکی و کدورت کی وجہ سے مطبوع و مختوم ہوتا ہے اور اس کو قبول نہیں کرتا ہے۔

اور حدیث میں جو مومن کی صرف دو صفتوں کو مخصوص کر کے بیان فرمایا ہے یعنی بلاؤں پر صبر اور عطاؤں پر شکر اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں صفتوں کو تمام صفات مومن میں مزیت حاصل ہے اور صفات جمیلہ کے امہات میں ان کا شمار ہے کیونکہ ان دونوں سے اور بہت سے صفات جمیلہ نکلتے ہیں، میں نے سابق حدیثوں میں ان میں سے کچھ تھوڑے سے کو بیان کیا ہے۔[۲۱]

نیز صفات جلال و جمال اور قہر و لطف میں سے دو اور صفتوں کو بیان کیا ہے کہ تجلی بہ عطا و ابتلا ہے۔ اگرچہ ابتلا صفات لطف میں سے ہے لیکن چونکہ ظاہر بہ قہر ہے اس لئے اسی میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ خدا کے اسماء و صفات کی بحث میں ذکر ہے اور مومن انھیں دو تجلیوں کے درمیان (فرائض) عبودیت کو انجام دیتا ہے۔

ختام

حق سے غفلت انتکاس قلب ہے

سابقہ بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر نفوس بالکلیہ دُنیا اور تعمیر دنیا کی طرف متوجہ ہو جائیں اور حق سے منصرف ہو جائیں تو چاہے وہ مبدا و معاد پر عقیدہ رکھتے ہوں پھر بھی منکوس ہیں اور انتکاس قلوب کا معیار یہ ہے کہ حق سے غفلت برتی جائے اور دُنیا و تعمیر دنیا کی طرف بالکلیہ متوجہ ہو جائے اور یہ عقیدہ یا ایمان نہیں کہلاتا ہے جیسا کہ بعض گذشتہ حدیثوں کی شرح میں یہ بات کہی جا چکی ہے[۲۲] اور یا ایسا ناچیز و ناقص ایمان ہے جو انتکاس قلب کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی ایمان بالغیب رکھتا ہو اور حشر و نشر کا عقیدہ رکھتا ہو مگر اس سے خائف نہ ہو اور یہ ایمان اس کو عمل بہ ارکان تک نہ پہونچا سکے تو اس کو بجائے مومن کے منافقین میں شمار کرنا چاہیئے اور ہو سکتا ہے اس قسم کے

صوری مومنین اہلِ طائف کی طرح جن کی حدیث میں مثال بیان کی گئی ہے۔ کبھی مومن ہوں اور کبھی کافر ہوں اور خدانخواستہ یہ بے مغز ایمان ان کے ملک بدن میں کسی بھی طرح کی حکومت نہ رکھتا ہو اور زائل ہو جائے اور وہ پکا منافق ہو کر اس دُنیا سے اُٹھے اور منافقین کے ساتھ محشور ہو اور یہ ایک ایسی مہم چیز ہے کہ ہمارے نفوسِ ضعیفہ کو اس کی طرف بہت توجہ دینی چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ ایمان کے آثار ظاہر و باطن، سرًّا و علناً ہر ایک میں جاری ہو جائے اور جیسے قلب سے ایمان کا دعویٰ ہے ظاہر کو بھی محکوم بہ اسلام کر دیں۔ تاکہ دل کے اندر ایمان کی جڑیں مضبوط و محکم ہو جائیں اور کسی بھی مانع و عائق کی وجہ سے اس میں تغیر و تبدل نہ ہو سکے اور اس الہٰی امانت اور قلبِ طاہر و ملکوتی کو جو فطرتِ الہٰی سے مخمر تھا شیطان کے تصرف اور دستِ خیانت سے بچا کر ذاتِ مقدس کے حوالہ کر دیا جائے۔

والحمد للّٰہ اولاً و آخراً۔

تیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ سورۂ ملک آیت ۲۲۔

۲۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۲۲، کتاب ایمان و کفر باب فی ظلمۃ قلب المنافق .....) حدیث ۲

۳۔ المطبوع، مہر شدہ، الطبع مہر کرنا، طَبَع، کثیف، شوخ۔

۴۔ النہایۃ جلد ۲، ص ۳۲۱، ذیل مادہ زُهَر۔

۵۔ الأجرد، اس کو کہتے ہیں جس کے بدن میں بال نہ ہوں اور صحاح میں ہے الجرد اس صحرا کو کہتے ہیں جس میں کوئی گھاس نہ ہو۔

۶۔ ص/۵۱۸

۷۔ حدیث ۱۷۔

۸۔ بحار جلد ۵ ص ۱۵۲، کتاب العدل والمعاد، باب العادۃ الشقاوۃ، حدیث ۱، (عبارت میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ)۔

۹۔ حدیث ۱۵، توضیح ۲۲۔

۱۰۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۲۲، کتاب ایمان و کفر، باب ظلمت قلب منافق، حدیث ۲۔

۱۱۔ «عَنْ عَمْرو عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ (ع) قَالَ قَالَ لَنا ذاتَ يَوْمٍ: تَجِدُ الرَّجُلَ لاٰ يُخْطِيءُ بِلاٰمٍ وَلاٰ وٰاوٍ، خَطِيباً مُصْقِعاً، لَقَلْبُهُ اَشَدُّ ظُلْمَةً مِنَ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ. وَتَجِدُ الرَّجُلَ لاٰ يَسْتَطِيعُ يُعَبِّرُ عَمّا فِي قَلْبِهِ بِلِسانِهِ، وَقَلْبُهُ يَزْهَرُ كَما يَزْهَرُ الْمِصْباحُ.»

اصولِ کافی جلد۲، ص ۳۲۲، کتاب ایمان وکفر، باب ظلمت قلب منافق حدیث۱۔

۱۲۔ تفسیر قرآن، ملاصدرا جلد۴، ص ۵۲، تفسیر آیت الکرسی، علم الیقین جلد ۲ ص ۹۶۷۔

۱۳۔ سورۂ ھود آیت ۵۶۔

۱۴۔ سورۂ ملک آیت ۲۲۔

۱۵۔ کافی جلد۱، ص ۴۳۲، کتاب الحجۃ، باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ، حدیث ۹۱۔

۱۶۔ «عن حمران قالَ سَمِعْتُ اَبا جَعْفَرٍ (ع) يَقُولُ قَوْلُ اللّٰهُ تَعالیٰ: «وَاَنَّ هٰذا صِراطي مُسْتَقيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاتَتَّبِعُوا السُّبُلَ.» قالَ: عَلِيُّ بْنُ اَبيطالِبٍ وَالْاَئِمَّةُ مِنْ وُلْدِ فاطِمَةَ هُمْ صِراطُ اللّٰهِ؛ فَمَنْ اَباهُم، سَلَكَ السُّبُلَ...»

بحار جلد۲۴، ص ۱۵، کتاب الامامۃ، باب ۲۴، حدیث ۱۷۔

۱۷۔ «عَنِ الْفُضَيْلِ قالَ: دَخَلْتُ مَعَ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، اَلْمَسْجِدَالْحَرامِ وَهُوَمُتَّكِيٌّ عَلَيَّ فَنَظَرَ اِلَى النّاسِ، وَنَحْنُ عَلى بابِ بَنِي شَيْبَةَ، فَقالَ: يا فُضَيْلُ، هٰكَذا كانَ يَطُوفُونَ فِي الْجاهِلِيَّةِ لاَيَعْرِفُونَ حَقّاً وَلاَيَدِينُونَ دِيناً يا فُضَيْلُ، اُنْظُرْ اِلَيْهِمْ، مُكِبّينَ عَلى وُجُوهِهِمْ؛ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ مِنْ خَلْقٍ مَسْخُورٍ بِهِمْ مُكِبّينَ عَلى وُجُوهِهِمْ. ثُمَّ تَلا هٰذِهِ الْآيَةَ: «اَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبّاً عَلى وَجْهِهِ اَهْدىٰ اَمَّنْ يَمْشِي سَوِيّاً عَلى صِراطٍ مُسْتَقِيمٍ؟» يَعْنِي، وَاللّٰهِ، عَلِيّاً، عَلَيْهِ السَّلامُ، وَالْاَوْصِياءَ عَلَيْهِمُ السَّلامُ...» روضۂ کافی ص ۲۸۸، حدیث ۴۳۴۔

۱۸۔ ص/۶۵۵

۱۹۔ ص/۶۵۴

۲۰۔ فتوحات سہ گانہ یہ ہیں: فتح قریب، فتح مبین، فتح مطلق۔

۲۱۔ ص ۳۱۴-۳۴۰-۳۳۰۔

۲۲۔ حدیث ۹-۲۰-۲۶۔

اکتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِالْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيْخِ الْجَلِيلِ، اَفْضَلُ الْمُحَدِّثِينَ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِي، عَنْ عَلِيِّ بْنِ اِبْراهِيمَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ زُرارَةَ، عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: اِنَّ اللّهَ عَزَّ وَجَلَّ لاَيُوصَفُ. وَكَيْفَ يُوصَفُ، وَقالَ فِي كِتابِهِ: «وَما قَدَرُوا اللّهَ حَقَّ قَدْرِهِ»[1] فَلاَيُوصَفُ بِقَدَرٍ، اِلاَّ كانَ اَعْظَمَ مِنْ ذلِكَ. وَاِنَّ النَّبِيَّ، صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، لاَيُوصَفُ. وَكَيْفَ يُوصَفُ، عَبْدٌ اِحْتَجَبَ اللّهَ عَزَّ وَجَلَّ بِسَبْعٍ وَجَعَلَ طاعَتَهُ فِي الْاَرْضِ كَطاعَتِهِ فِي السَّماءِ فَقالَ: «وَما آتيكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ. وَما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا.»[2] وَمَنْ اَطاعَ هذا فَقَدْ اَطاعَنِي؛ وَمَنْ عَصاهُ فَقَدْ عَصانِي. وَفَوَّضَ اِلَيْهِ وَاِنّا لاَنُوصَفُ. وَكَيْفَ يُوصَفُ، قَوْمٌ رَفَعَ اللّهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ، وَهُوَ الشَّكُّ. وَالْمُؤْمِنُ لاَيُوصَفُ. وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيَلْقَى اَخاهُ فَيُصافِحُهُ، فَلاَ يَزالُ اللّهُ يَنْظُرُ اِلَيْهِما وَالذُّنُوبُ تَتَحاتُّ عَنْ وُجُوهِهِما كَما يَتَحاتُّ الْوَرَقُ عَنِ الشَّجَرِ»[3]

ترجمہ: جناب زرارہ فرماتے ہیں: میں نے (حضرت امام محمد باقرؑ کو فرماتے ہوئے سُنا "خداوندِ عالم کی صفت نہیں بیان کی جاسکتی اور اس کی صفت کیونکر بیان ہوسکتی ہے درحالانکہ اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اور ان لوگوں نے خدا کی جیسی قدر کرنی چاہیئے ویسی قدر نہ کی"۔ پس خدا کی جو بھی عظمت و توصیف بیان ہوگی خدا اس سے کہیں بزرگ ہے۔ (اسی طرح) رسولِ خداؐ کی بھی توصیف نہیں بیان کی جاسکتی اور بھلا اس بندہ (رسولؐ) کی توصیف کیونکر بیان کی جاسکتی ہے جس کو خدا نے ساٹھ پردوں میں چھپا رکھا ہو اور زمین میں اس کی اطاعت ویسی (واجب) قرار دی ہو جیسی آسمان میں اپنی اور جس کے لئے خدا نے فرمایا: رسولؐ جو بھی تم کو حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے روک دیں اس سے رُک جاؤ، اور (جس کے لئے) فرمایا: جس نے اس کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور خدا نے (امور کو) ان کے سپرد کردیا۔ (نیز) ہماری بھی توصیف نہیں کی جاسکتی اور ان حضرات کی توصیف کیونکر کی جاسکتی ہے جن سے خدا نے رجس کو دور کردیا ہے۔ مومن کی بھی توصیف نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جب مومن اپنے برادر مومن سے ملاقات کر کے مصافحہ کرتا ہے تو خدا ان کی طرف نظر کرتا ہے اور (اس وقت) اُن کے گناہ اس طرح گرنے لگتے ہیں جیسے (موسمِ خزاں میں) درخت سے پتے گرتے ہیں۔

شرح: وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ! جوہری نے کہا ہے "قدر" کے معنیٰ اندازہ کے ہیں اور قَدَر و قَدْر (دال کو فتح و سکون کے ساتھ) کے معنیٰ ایک ہیں اور یہ (قدر) دراصل مصدر ہے اور خدا نے کہا ہے: «مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ اَيْ، مَا عَظَّمُوا اللّٰهَ حَقَّ تَعْظِيْمِهِ.» انتہیٰ۔

ظاہر یہ ہے کہ قدر کے معنیٰ وہی اندازے کے ہیں اور یہ کنایہ ہے کہ خدا کی تعظیم و توصیف جیسی ہونی چاہیئے ویسی نہیں ہوتی اور توصیف خود لباسِ وصف میں موصوف کی اندازہ گیری ہے اور یہ غیرِ خدا کے لئے جائز نہیں ہے جیسا کہ انشاء اللہ ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

«قَوْلُهُ: فَلَا يُوْصَفُ بِقَدْرٍ» علامہ مجلسیؒ کے نسخہ میں بِقُدْرَةٍ آیا ہے اور موصوف نے اس کو ازباب مثل قرار دیا ہے۔ اور تمام صفات میں اس کو مخصوص کرنے کی وجہ ذہنوں سے قریب ہونا قرار دیا ہے اور اس احتمال کو تقویت دی ہے کہ نسخہ غلط ہے اور فرمایا ہے: بممکن ہے اس کو قَدَر (بفتح دال) پڑھا جائے۔ جیسا کہ دوسری حدیثوں میں آیا ہے۔ البتہ وافی والا

نسخہ ان کے احتمال کے موافق ہے۔ اور ہو سکتا ہے بِقُدرَۃٍ (ھا) کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے بھی لیکن بِقُدرَۃٍ دقا) کے ساتھ اس کے بارے میں گمان کیا بلکہ یقین ہے کہ یہ نسخہ غلط ہے کیونکہ نہ معناً کے اعتبار سے سلیس ہے اور نہ لفظ کے اعتبار سے حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی طرف ضمیر مذکر پلٹ رہی ہے اور تاویل خلافِ قاعدہ ہے۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ نے مجبوری سے یہ توجیہہ کی ہے۔ حالانکہ فی الجملۃ قدرتِ حق کے تعقل کا امکان اور دیگر صفات کے تعقل کا عدم امکان اور اس کے اور دوسرے صفات کے درمیان فرق کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسی لئے مرحوم مجلسیؒ کی نظر میں بھی یہ احتمال موجہ نہیں تھا۔

تَحَاتٌ: جوہری نے کہا ہے اَلحَتُّ کے معنیٰ ٹہنی سے پتوں کا گرنا ہے اور تحاتُ الشیٔ کا مطلب تناثر ہے اور اس کے معنیٰ بھی گرنے اور منتشر ہونے کے ہیں۔ حدیث شریف کے لئے جو باتیں مناسب ہیں ہم ان کو چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔

پہلی فصل

عدم توصیفِ حق کا مطلب کیا ہے؟

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ: خدا کی توصیف نہیں کی جا سکتی تو اس سے وہ اوصاف مُراد ہیں جو اہلِ جہل وجدال متکلمین وغیرہ نے جن سے خدا کی توصیف کی ہے اور وہ توصیف تحدید و تشبیہ بلکہ تعطیل (خدا) مستلزم ہے جیسا کہ خود اس حدیث میں (وما قدروا اللہ حق قدرہ سے اشارہ کیا گیا ہے اور کتابِ کافی میں بہت سی روایات کی دلالت توصیف کی ممانعت پر موجود ہے۔

«بِاِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِالرَّحِيمِ بْنِ عَتِيكٍ الْقَصِيرِ قَالَ: كَتَبْتُ عَلَى يَدَيْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ اَعْيَنَ اِلَى اَبِي عَبْدِاللهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ قَوْماً بِالْعِرَاقِ يَصِفُونَ اللهَ بِالصُّورَةِ وَبِالتَّخْطِيطِ؛ (خ ل: بِالتَّخَاطِيطِ) فَاِنْ رَاَيْتَ، جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاكَ، اَنْ تَكْتُبَ اِلَيَّ بِالْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ فِي التَّوْحِيدِ فَكَتَبَ اِلَيَّ: سَاَلْتَ اِلَيَّ، رَحِمَكَ اللهُ، عَنِ التَّوْحِيدِ وَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ مِنْ قِبَلَكَ. فَتَعَالَى اللهُ الَّذِي لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ،

وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ تَعَالَى عَمَّا وَصَفَهُ الْوَاصِفُونَ الْمُشَبِّهُونَ اللّٰهَ بِخَلْقِهِ الْمُفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ.»

«فَاعْلَمْ، رَحِمَكَ اللّٰهُ، اَنَّ الْمَذْهَبَ الصَّحِيحَ فِي التَّوْحِيدِ مَا نَزَلَ بِهِ الْقُرْآنُ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالَى. فَانْفِ عَنِ اللّٰهِ الْبُطْلَانَ وَالتَّشْبِيهَ؛ فَلَا نَفْيَ وَلَا تَشْبِيهَ هُوَ اللّٰهُ الثَّابِتُ الْمَوْجُودُ تَعَالَى عَمَّا يَصِفُهُ الْوَاصِفُونَ. وَلَاتَعْدُوا الْقُرْآنَ فَتَضِلُّوا بَعْدَ الْبَيَانِ. (خ ل: التِّبْيَانِ)[6]»

عبدالرحیم کہتے ہیں: میں نے عبدالملک کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادقؑ کو تحریر کیا: عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کی توصیف صورت اور تخطیط (یعنی رگ و پے یا شکل و ہیئت) سے کرتے ہیں۔ میں آپ پر فدا ہوں اگر آپ مناسب سمجھتے ہوں تو توحید کے بارے میں صحیح مذہب تحریر فرمادیں۔ اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا: خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ تم نے توحید کے بارے میں سوال کیا ہے اور ان لوگوں کے مختار کے بارے میں پوچھا ہے جو تمھارے سامنے ہیں (یعنی اہل عراق) تو سنو وہ خدا بہت بزرگ ہے جس کا کوئی مثل نہیں ہے جو (بغیر آنکھ کے) دیکھتا ہے اور (بغیر کان کے) سنتا ہے۔ توصیف کرنے والے جو اس کے بندوں سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں وہ اس سے کہیں بزرگ و برتر ہے۔ یہ لوگ تو خدا پر جھوٹ و افترا باندھتے ہیں۔ لہٰذا "خدا تم پر رحمت نازل کرے" اس کو سمجھ لو کہ توحید کے بارے میں صحیح مذہب وہی ہے جس کو قرآن نے صفات الٰہی کے بارے میں بتایا ہے۔ پس خدا سے بطلان و تشبیہ کی نفی کرو۔ نفی صفات نہ کرو کہ یہ خود بطلان ہے اور نہ خدا کے لئے ایسے صفات ثابت کرو جو شبیہ مخلوق ہیں۔ کیونکہ یہی تشبیہ ہے۔ وہی اللہ ہے جو ثابت ہے اور موجود ہے۔ توصیف کرنے والوں نے جو اوصاف ثابت کئے ہیں خدا ان سے کہیں بزرگ و برتر ہے۔ قرآن سے تجاوز نہ کرو ورنہ بیان و تعلیم الٰہی کے بعد ضلالت و گمراہی میں پڑجاؤ گے۔"

اس حدیث میں تامل کرنے اور صدر و ذیل میں صحیح غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توصیف حق کی نفی سے مقصد، صفات میں غور و فکر نہ کرنا اور مطلقاً خدا کی توصیف نہ کرنا نہیں ہے جیساکہ بعض بزرگ محدثین نے فرمایا ہے؛ کیونکہ اس حدیث میں تعطیل و تشبیہ کی نفی کا حکم دیا ہے جیساکہ بعض دیگر روایات[8] میں بھی آیا ہے اور یہ چیز صفات میں تفکر کئے بغیر اور ان کا مکمل علم

حاصل کئے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ امامؑ کا مقصد یہ ہے کہ جو چیز ذاتِ خدا کے لائق نہ ہو اس سے توصیف نہ کریں جیسے صورت و شکل وغیرہ جو مخلوق کے صفات ہیں اس سے توصیف نہ کریں کیونکہ یہ چیزیں امکان و نقص کے لوازمات میں سے ہیں اور خدا ان سے بری و منزہ ہے۔

لیکن خدا کی توصیف ان چیزوں سے کرنا جو اس کی ذات کے لائق و مناسب ہیں، اور علومِ عالیہ میں اُن کے صحیح برہان کی میزان ہے " تو یہ بات ایسی ہے جس سے قرآن، سنتِ رسولؐ، احادیثِ اہلِ بیت بھری پڑی ہیں (بلکہ) خود حضرت نے بھی اجمالی طریقہ سے اس حدیث میں اس کے میزانِ صحیح برہانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ویسے اس کے اطراف میں اس وقت بحث کرنا ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

اور حضرت صادقؑ نے جو یہ فرمایا ہے:

"توصیفِ حق میں کتابِ خدا سے خارج نہ ہو" یہ ان لوگوں کے لئے ایک دستور و قاعدہ ہے جو صفات کے میزان کو نہیں جانتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ جو صفاتِ خدا قرآن میں ہیں اُن کے علاوہ دوسرے صفات سے اس کی توصیف جائز ہی نہیں ہے۔ اسی لئے خود حضرت نے اپنے مقابل کو قاعدہ بتانے کے باوجود بھی خدا کی توصیف دو ایسی صفتوں اور اسم سے کی ہے جو میری نظر میں قرآن میں نہیں ہے اور وہ ایک تو لفظ "ثابت" ہے دوسرے لفظ "موجود" ہے۔

ہاں اگر کوئی ایسی ناقص عقل کے ساتھ جو اوہام سے ملی ہو اور نورِ معرفت و تائیدِ غیبی الٰہی سے منور نہ ہو خدا کی کسی صفت سے وصف بیان کرنا چاہے تو مجبوراً یا ضلالت تعطیل و بطلان میں واقع ہوگا یا ہلاکت تشبیہ میں مبتلا ہوگا۔ لہٰذا ہم جیسے اشخاص کہ جن کے دلوں پر غلیظ جہالت و خودپسندی و عادتوں اور بُرے اخلاق کے پردے پڑے ہوئے ہیں اُن کے لئے ضروری ہے کہ عالمِ غیب کی طرف دستِ تصرّف دراز نہ کریں اور اپنی طرف سے خدا نہ ایجاد کریں کیونکہ اپنے خیال سے جو توہم کریں گے وہ ان کے نفوس کی مخلوق ہوگی (خدا نہ ہوگی)

اور یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہ رہ جائے کہ ہم نے جو کہا ہے " ایسے اشخاص عالمِ غیب کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں" اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ جہالت و خود پرستی پر باقی رہیں یا نعوذ باللہ میں ان کو الحاد بہ اسماء اللہ کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۹ یا (ان) معارف سے جو چشم و چراغ اولیائے خدا اور بنیاد و اساس دین و دیانت ہیں روک رہا ہوں۔ بلکہ ان غلیظ حجابوں کے دور کرنے کی یہ دعوت ہے اور اس کی تنبیہ ہے کہ انسان

جب تک حبِّ جاہ و مال، دنیا و نفس اور اپنی ذات کی طرف، مؤلف کی طرح جہالت و ضلالت و خود بینی و خود پسندی میں مبتلا رہے گا (اور یہ چیزیں تمام ظلمانی حجابوں میں سب سے زیادہ غلیظ ہیں) معارفِ حقّہ کے حصول اور مقصود اصلی تک وصول سے محروم رہے گا اور اگر خدا نخواستہ خدا کی طرف سے غیبی دستگیری یا اس کے اولیائے کامل کی مدد شاملِ حال نہ ہو تو معلوم نہیں اس کا امر کہاں تک منتہیٰ ہو اور اس کی انتہائے حرکت اور غایت سیر کیا ہو۔ "اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ الشَّکْوٰی وَ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ" ۱۰

دیارِ جہالت کے ہم لوگ سرگشتہ، صحرائے ضلالت کے متحیر و پریشان، خودی و خود پرستی میں سرگرم ہم جیسے حضرات جو اس ظلمت کدۂ ملک و طبیعت میں آئے اور چشمِ بصیرت نہ کھولی اور تیرے جمالِ زیبا کو چھوٹے بڑے آئینوں میں نہ دیکھا اور نہ ہی تیرے نورِ ظہور کو آسمانوں اور زمینوں کے اطراف میں چمگادڑ صفت بن کر مشاہدہ کیا اور زمانہ میں چشم کور و دل مہجور کے ساتھ زندگی بسر کی اور غفلت و نادانی کی صورت میں پوری عمر صرف کر دی۔ اگر خدا کا لطف بے پایاں اور غیر متناہی رحمت ہماری مدد نہ کرتی اور دل کے اندر سوز و گداز اور قلب میں (محبت کی) چنگاری نہ پیدا کرتی اور روحانی جذبہ نہ عطا کرتی تو ہم تا ابد اسی تحیر میں رہتے اور کسی جگہ نہ پہونچ سکتے۔ لیکن «مَا ھٰکَذَا الظَّنُّ بِکَ.» "تیری نعمتیں تو بے مانگے ملی ہیں اور تیری رحمتیں بے سابقہ ہیں۔ پروردگار اپنا فضل و کرم فرما ہماری مدد کر، اپنے جلال و جمال کے انوار کی ہدایت کر، ہمارے قلوب کو اپنے اسما و صفات کے نور سے منور و روشن فرما:

اسما و صفات کی حقیقت کا علم ناممکن ہے

یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ خدا کے اوصاف کی حقیقت کا ادراک اور ان اوصاف کا احاطہ اور ان کی کیفیت کا علم ایک ایسی چیز ہے جس کی بلندی تک دستِ برہان کی رسائی کوتاہ اور جس کے مغز تک عارفوں کی پہونچ غیر ممکن ہے۔ برہانی نقطۂ نظر سے اور حکمتِ رسمی کے علما کے نظریہ تفکر سے یا اسما و صفات کے مباحث میں اربابِ اصطلاحاتِ عرفانی نے جو کچھ بھی ذکر کیا ہے وہ سب اُن کے مسلک کے اعتبار سے صحیح اور برہانی ہے لیکن خود علم ایک دبیز قسم کا حجاب ہے۔ جب تک تقوائے کامل اور شدید ریاضت و انقطاع تام اور خدا کی بارگاہ میں صادق مناجات

کے ساتھ توفیقاتِ الٰہی کے ذریعہ اس پردے کو چاک نہ کیا جائے سالک کے قلب میں جلال وجمال کے تجلیات طلوع نہ ہوں گے اور قلب مہاجر الی اللہ مشاہدۂ غیبیہ اور تجلیات اسمائی وصفاتی کے حضور عیانی پر تجلیاتِ ذاتی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ فائز نہیں ہو سکتا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان طلب وبحث سے جو خود تذکرِ حق ہے۔ باز رہے کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ علومِ حقہ کا بیج بوئے بغیر اس کے معین شرائط کے ساتھ۔ معرفت کا شجرۂ طیبہ قلب میں روئیدہ ہو یا پھر ثمر آور ہو۔ اس لئے شروع میں انسان کو چاہیئے کہ تمام شرائط اور متممات کے ساتھ علمی ریاضتوں سے دست کش نہ ہو۔ کیونکہ کہا گیا ہے: «اَلْعُلُوْمُ بَذْرُ الْمُشَاهِدَاتِ.» [۱۲] علوم مشاہدات کے بیج ہوا کرتے ہیں اور اگر بعض موانع کی وجہ سے علوم اس عالم میں انسان کو بھرپور نتیجہ نہ دے سکیں تو دوسرے عوالم میں دل پسند نتائج دیں گے۔ مگر سب سے عمدہ اور اچھی چیز مقدمات وشرائط کا بجالانا ہے۔ بعض سابق حدیثوں کی شرح میں میں نے بعض شرائط کو بیان کر دیا ہے۔

دوسری فصل

انبیا واولیا کی روحانیت کی حقیقت کا علم قدامتِ فکر سے حاصل نہیں ہوتا

انبیائے کرام وائمہ معصومین علیہم السلام خصوصاً حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقامِ کمال اور ان کے روحانیت کی معرفت غور وفکر اور سیر انفس وآفاق سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حضرات انوارِ غیبیہ الٰہیہ ہیں اور خدا کی جلال وجمال کی روشن نشانیاں ہیں اور مظاہر تامہ ہیں اور سیر معنوی وسفر الی اللہ کے سلسلہ میں فنائے ذاتی کی غایۃ القصویٰ اور قاب قوسین او ادنیٰ کے انتہائے عروج پر فائز ہیں۔ اگرچہ صاحبِ مقام بالذات خاتم المرسلین ہیں اور دیگر حضرات اس ذاتِ مقدس کے عروج میں تابع ہیں۔

میں اس وقت حضورِ سرورِ کائنات کی کیفیت سیر اور آنحضرتؐ کی معراج روحانی اور دوسرے

انبیا و اولیائے کرام کے معراج کو بیان کرنے کے درپے نہیں ہوں۔ صرف ایک حدیث "جو ان حضرات کی نورانیت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے" کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کی نورانیت کا ادراک بھی باطنی نورانیت اور جذبۂ الٰہی کا متقاضی ہے۔

«کافي بِإسْنادِهِ عَنْ جابِرٍ، عَنْ أبي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: سَألْتُهُ عَنْ عِلْمِ الْعالِمِ. فَقالَ لي: يا جابِرُ إنَّ فِي الأنْبِياءِ وَالأوْصِياءِ خَمْسَةَ أرْواحٍ: رُوحَ الْقُدُسِ، وَرُوحَ الإيمانِ، وَرُوحَ الحَياةِ، وَرُوحَ الْقُوَّةِ، وَرُوحَ الشَّهْوَةِ. فَبِرُوحِ الْقُدُسِ، يا جابِرُ عَرَفُوا ما تَحْتَ الْعَرْشِ إلى ما تَحْتَ الثَّرى. ثُمَّ قالَ: يا جابِرُ إنَّ هٰذِهِ الأرْبَعَةَ أرْواحٌ يُصيبُها الْحِدْثانُ، إلاّ رُوحَ الْقُدُسِ؛ فَإنَّها لا تَلْهُو وَلا تَلْعَبُ.»[۱۳]

جابر کہتے ہیں: "میں نے امام محمد باقرؑ سے عالم کے علم کے بارے میں پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا: اے جابر انبیا اور اوصیا میں پانچ روحیں ہوتی ہیں، ۱:۔ روح القدس ۲:۔ روح الایمان، ۳:۔ روح الحیٰوۃ ۴:۔ روح القوۃ ۵:۔ روح الشہوۃ، اے جابر روح القدس کے ذریعہ عرش سے لے کر زیرِ فرش تک کے سارے امور و مطالب کو (یہ حضرات) جانتے ہیں۔ پھر فرمایا: اے جابر ان چاروں روحوں کو آفت (و مصیبت) لاحق ہوتی ہے مگر روح القدس وہ لہو ولعب میں کبھی مبتلا نہیں ہوتی۔"

«وَبِإسْنادِهِ عَنْ أبي بَصيرٍ، قالَ: سَألْتُ أبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَبارَكَ وَتَعالى: «وَكَذٰلِكَ أوْحَيْنا إلَيْكَ رُوحاً مِنْ أمْرِنا ما كُنْتَ تَدْري مَا الْكِتابُ وَلاَ الإيمانُ.»[۱۴] قالَ: خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَبارَكَ وَتَعالى، أعْظَمُ مِنْ جِبْرَئيلَ وَميكائيلَ؛ كانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، يُخْبِرُهُ وَيُسَدِّدُهُ. وَهُوَ مَعَ الأئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهِ، صَلَواتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ.»[۱۵]

ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے "وَكَذٰلِكَ أوْحَيْنا إلَيْكَ الخ" کے بارے میں پوچھا کہ: "ایسی طرح ہم نے روح کو اپنے حکم سے تمھاری طرف بھیجا (جبکہ) تم نہیں جانتے تھے کتاب و ایمان کیا ہے" اس کا کیا مقصد ہے؟ تو امام نے فرمایا: "روح خدا کی مخلوقات میں ایسی

مخلوق ہے جو جبرئیل ومیکائیل سے بھی بڑی ہے اور یہ رسولِ خدا کے ساتھ رہا کرتی تھی ان کو خبر دیا کرتی تھی رسولؐ کے بعد وہ ائمہؑ کے ساتھ رہتی ہے۔"

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیا و اوصیا کی روحانیت بہت ہی بلند ہے جس کی تعبیر (روح القدس) سے کی گئی ہے اور اسی مقام کی وجہ سے وہ حضرات تمام ذرات کائنات پر احاطۂ علمی قیومی رکھتے ہیں اور اس روح کے اندر غفلت، نیند، سہو نسیان دیگر حوادث امکانیہ و تجددات و نقائص مُلکیہ (کا امکان) نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عالمِ غیب مجرد اور جبروتِ اعظم سے ہے۔

اور دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ روح مجرد کامل جبرئیل و میکائیل، جو مقام قربِ جبروت کے رہنے والوں میں سب سے زیادہ عظیم ہیں، سے بھی اعظم ہے۔ البتہ وہ خاصانِ خدا جن کی طینت کی تخمیر خود دستِ قدرتِ جمال و جلال نے کیا ہو اور ان کے کامل آئینوں میں تمام اسما و صفات و مقامِ احدیت کی تجلیِ ذاتی اوّل کا ظہور ہوا ہو اور ان کو خلوت گاہ غیب ھویت میں اسما و صفات کے حقائق کی تعلیم دی گئی ہو، ان کے دامنِ کبریائے جلال و جمال تک اہلِ معرفت کے دستِ امید کی رسائی اور اصحابِ قلوب کے پائے معرفت کا ان کے اوجِ کمال تک وصول غیر ممکن الحصول ہے۔ (چنانچہ) حدیثِ نبویؐ میں ہے «عَلِيٌّ مَمْسُوسٌ فِي ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ.»[1]

مؤلف کتاب نے مقامِ نبوتؐ و ولایت کے بارے میں بہت مختصر سا تعارف گزشتہ زمانہ میں اپنی کتاب "مصباح الہدایہ" میں اسی طرح کرایا ہے جس طرح چمگاڈر آفتاب عالمتاب کا تعارف کرانا چاہتا ہے۔

تیسری فصل

حدیث کے اس فقرے میں «کَیْفَ یُوصَفُ، عَبْدٌ احْتَجَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِسَبْعٍ» "اس بندے کی توصیف کیونکر ممکن ہو سکتی ہے جس کو خدا نے سات حجابوں میں چھپا رکھا ہے۔" علما نے کئی احتمالات بیان کئے ہیں۔ میں بعض کا تذکرہ کرتا ہوں۔

۱ ــــــ اس احتمال کو محدث عارف کامل مرحوم فیض کاشانی نے بیان کیا ہے کہ خداوندِ عالم کے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔

اگر ان کو ہٹا دیا جائے تو جہاں تک آنکھ دیکھ سکتی ہے ان سب کو انوار جمالِ الٰہی خاکستر کر دیتے۔ بنابریں احتمال ہے کہ «اِحتَجَبَ اللّٰهُ بِسَبْعٍ» کا مطلب یہ ہو کہ سارے حجابات اٹھا دیئے گئے۔ صرف سات حجاب باقی ہیں [18] اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی «اِحتَجَبَ اللّٰهُ عَنهُ بِسَبْعٍ.» اور لفظِ (اللہ) فاعل واقع ہوگا۔

اور شاید تمام احتمالات میں یہ احتمال سب سے زیادہ مناسب ہو لیکن اس میں (لفظاً و معنیً دونوں طرح) مناقشہ ہے۔ لفظی مناقشہ تو یہ ہے کہ تعریف و توصیف کے مقام پر مناسب یہ تھا کہ اس طرح تعبیر کی جاتی «مَا احتَجَبَ عَنِ اللّٰهِ (اِلاَّ) بِسَبْعٍ یا مَا احتَجَبَ اللّٰهُ عَنهُ (اِلاَّ) بِسَبْعٍ» دوسرے لفظوں میں اس کو یوں کہا جاسکتا ہے کہ کمالِ پیغمبر اور ان کی توصیف نہ کر سکنا ان حجابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ سات حجابوں کی وجہ سے توصیف نہیں ہو سکتی۔ پس مناسب تھا کہ اس کو (عدم حجاب) ذکر فرماتے۔

اور معنوی مناقشہ یہ ہے کہ بظاہر یہ حجابات جو خدا کے لئے نور ظلمت کے ہیں یہ خلقی حجاب ہیں اسمائی و صفاتی حجاب نہیں ہیں۔ پس اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ نور رسولؐ پاک سے اقرب کوئی اور خلق ہو حالانکہ مسلّم ہے کہ آنحضرتؐ کی ذات مبارک اوّل مخلوق اور حجابِ اقرب ہے بلکہ آنحضرتؐ کے لئے تو کوئی اسمائی یا صفاتی حجاب بھی نہیں ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ اسی طرح مقامات اور حضور کے لطائف سبعۃ بھی خود ان کے لئے حجاب نہیں ہیں۔

۲ —— دوسرا احتمال وہ ہے جس کو علامہ مجلسیؒ نے معقول سمجھا ہے اور اس کو بعض دیگر سے بھی نقل فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ جملہ "کیف یوصف عبد الخ" بطور مقدمہ ذکر کیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی توصیف [19] بعد والے جملوں سے کی جائے یعنی "اس بندے کی توصیف کیونکر ممکن ہے جس کو خدا نے بندوں سے سات پردوں کے پیچھے چھپا رکھا ہو اور جس کی اطاعت کو زمین میں اپنی اطاعت کی طرح آسمان میں قرار دیا ہو جیسے کوئی بادشاہ اپنے رعایا سے سات حجابوں کے بعد بیٹھتا ہو اور رعایا کے لئے اس تک پہونچنا ممکن نہ ہو مگر یہ کہ وہ بادشاہ اپنے ایک وزیر کو رعایا کے لئے واسطہ قرار دیدے اور اس کو رعایا کی طرف بھیج دے اور ان کو لکھ دے کہ اس وزیر کا حکم میرا حکم ہے۔ اور سات حجاب سے مراد ساتوں آسمان ہیں کہ ان کے پیچھے سے خدا کی وحی رسولؐ کے واسطہ سے ہم تک پہونچا کرتی ہے ایک اور احتمال اسی کے قریب دیا ہے مگر اس میں سات حجاب سے مراد حجب نوریہ اسمائیہ لیا گیا ہے" [20] اس احتمال

میں اگرچہ مناقشہ معنوی تو نہیں ہے لیکن بحسب لفظ و مقامِ توصیف یہ بھی بعید ہے بلکہ سابق سے زیادہ بعید ہے۔

اس جگہ ایک اور احتمال بھی ہے جو معنیٰ کے اعتبار سے صحیح و دلچسپ ہے اور بحسب مقام بھی مناسب ہے مگر اس احتمال کی صحت دو باتوں میں سے کسی ایک پر مبنی ہے اور وہ دونوں یہ ہیں۔

۱۔ احتجب متعدی ہو اور (حَجَبَ) کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہو۔

۲۔ اور یا اس کا (ب) سے متعدی کرنا جائز ہو اور دونوں صورتوں میں مفعول مقدر ہو۔ اب اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بات صحیح مان لی جائے تو وہ احتمال یہ ہے اس بندے کی توصیف کیونکر ممکن ہے جس کو خدا نے سات حجابوں میں چھپائے رکھا ہو اور اس کے جمال و روحانیت کے لئے "جو مشیت کے ہم افق ہے" مرتبۂ طبیعت سے مشیت مطلقہ کے مرتبہ تک سات حجاب قرار دیئے ہوں یا خود آنحضرتؐ کے مرتبۂ مُلک طبیعت سے مقامِ غیبِ ھویت تک (سات حجاب قرار دیئے ہوں) لیکن (مشکل یہ ہے کہ) لغت اور استعمالات میں احتجب کے متعدی ہونے پر مجھے کوئی شاہد نہیں ملا۔ اگرچہ بعض علمائے ادب نے فرمایا ہے کہ (ب) سے متعدی کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ «وَالعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ؛ وَلَعَلَّ اللّٰهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا.» ۲۱

چوتھی فصل

تفویضِ امر بہ رسولِ خداؐ کا مطلب جیسا کہ اس حدیث اور دیگر احادیث میں بھی اس پر دلالت موجود ہے

اس بات کو سمجھ لو کہ تفویض کا ایک مطلب تو یہ ہے جو جبر و تفویض کی بحث میں بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا عالمِ غیب و مجرد کی انتہائے تخلیق سے عالمِ خلق و تکوین کی انتہا سے انتہا تک کسی بھی امر کو نعوذ باللہ اپنے تصرفِ قیومی سے معزول کر کے اس امر کو کسی بھی موجود کے خواہ وہ کامل و تام و روحانی اور صاحبِ ارادہ و اختیار ہو یا موجود طبعی و مسلوب الشعور والارادہ ہو، حوالہ

کر دے کہ وہ موجود اس اَمر میں مستقل تصرّف تام رکھے اور اس معنیٰ کے اعتبار سے تفویض نہ تو امور تشریعی میں اور نہ امور تکوینی میں ممکن ہے اور نہ سیاست عباد اور نہ تادیب عباد میں کسی کسی کے لئے ممکن ہے اور یہ تفویض واجب میں مستلزم نقص وامکان ہے اور ممکن میں باعث نفی احتیاج والمکان ہے۔

اور اس تفویض کے مقابلہ میں "جبر" ہے۔ جس کا مطلب تمام مراتب وجود سے آثارِ خاصہ کا سلب کرنا ہے اور ایک دم سے اسباب ومسببات کی نفی کرنا اور وسائط کا ساقط کر دینا ہے اور یہ جبر بھی مطلقاً باطل اور برہان قوی کے مخالف ہے اور یہ بھی افعال مکلفین سے مخصوص نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ بلکہ اس معنیٰ سے جبر وتفویض کی نفی خدا کی وہ سنّت ہے۔ جو تمام مراتب وجود اور مشاہد غیب وشہود میں جاری ہے۔ لیکن اس کی تحقیق اس کتاب کے وظیفہ سے خارج ہے اور جو روایات جبر وتفویض کی نفی کرتی ہیں وہ تفویض کے اسی معنیٰ پر محمول ہیں۔

اور جو روایات تفویض کو ثابت کرتی ہیں۔ خواہ بعض احکام کی تشریع ہو جیسے کافی کی وہ روایت جس میں امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے: رسولِ خدا نے آنکھ اور نفس کی دیت معین فرمائی اور نبیذ (جَو کی شراب) اور ہر نشہ آور شئ کو حرام قرار دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا: کیا کوئی چیز (یعنی وحی) آئے بغیر خود سے حرام کیا ہے؟ فرمایا: ہاں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون رسولِ خدا کی اطاعت کرتا ہے اور کون معصیت کرتا ہے۔[۲۲] یا جیسے نمازوں میں چند رکعتوں کا اضافہ کرنا[۲۳] اور ماہ شعبان کے روزوں کا مستحب کرنا یا ہر ماہ[۲۴] کے تین دن کے روزوں کا مستحب کرنا۔ یا مخلوق کے مطلق امور کی تشریع ہو جیسا کہ دیگر روایات میں ہے مثلاً کافی کی روایت:

«كافي: بِاِسْنادِهِ عَنْ زُرارَةَ قالَ سَمِعْتُ اَبا جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، وَاَبا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، يَقُولانِ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَوَّضَ اِلىٰ نَبِيِّهِ اَمْرَ خَلْقِهِ لِيَنْظُرَ كَيْفَ طاعَتُهُمْ. ثُمَّ تَلا هٰذِهِ الْآيَةَ: «ما آتيكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَما نَهيكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا.»[۲۵]

زرارہ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: خدا نے اپنے نبی کے سپرد اپنی مخلوق کے امور کر دیئے تاکہ ان کی اطاعت کو دیکھے پھر اس آیت کی تلاوت

فرمائی: رسولؐ جس کا حکم دیں اس کو بجا لاؤ اور جس سے روک دیں اس سے باز آجاؤ۔"

اور دیگر روایات جو اسی مضمون کے قریب ہیں وہ دوسرے معنیٰ پر محمول ہیں۔

علمائے اعلام نے (اس سلسلہ میں) چند وجوہ اور چند محامل کا ذکر فرمایا ہے (ان میں سے) ایک یہ ہے: محدث خبیر مجلسیؒ نے ثقۃ الاسلام کلینی سے اور اکثر محدثین سے جس کو نقل فرمایا ہے اور خود بھی اس کو اپنا مختار قرار دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ خداوندِ عالم نے رسولِ اکرمؐ کو، اس طرح مکمل کرنے کے بعد کہ آنحضرتؐ کسی ایسی چیز کو اختیار نہ کریں جو حق و صواب کے موافق نہ ہو اور (اسی طرح) آنحضرتؐ کے دل میں کوئی ایسی چیز خطور نہ کرے جو خواست خدا کے مخالف ہو" بعض امور کی تعیین تفویض فرمائی۔ مثلاً واجب نمازوں کی رکعتوں میں اضافہ کرنا نماز و روزہ میں نوافل کا معین کرنا وغیرہ اور یہ تفویض بارگاہِ اقدسِ الٰہی میں حضور کی کرامت و شرف کے اظہار کے لئے ہے اور آنحضرتؐ کی اصل تعیین اور ان کا اختیار وحی و الہام کے علاوہ کسی اور طریقہ سے نہیں ہے۔ پھر جب آنحضرتؐ کسی چیز کو اختیار کر لیتے ہیں تو وحی کے ذریعہ[26] اس کی تاکید ہو جاتی ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے اسی وجہ کے قریب قریب کچھ دوسرے وجوہ بھی شمار کرائے ہیں۔ (مثلاً) امرِ سیاست و تعلیم و تادیب مخلوق آنحضرتؐ کے تفویض کی گئی۔ یا بیان احکام اور اس کا اظہار حضرت کے تفویض کیا گیا، یا مصالح اوقات کے پیشِ نظر اس کا عدم اظہار "مثلاً تقیہ کے وقت" رسولؐ اور ائمہ کے لئے تفویض کیا گیا۔[27] لیکن ان بزرگوں نے جو وجوہ و اسباب بیان کئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی بطور ضابطۂ بریانیہ تفویض امر کی ایسی کیفیت نہیں بیان کی گئی ہے جو اصولِ حقہ سے منافات نہ رکھتی ہو۔

اسی طرح اِس تفویض (جائز) اور اس تفویض (محال) میں کوئی فرق نہیں بیان کیا گیا۔ بلکہ علما کے کلمات سے خصوصاً مجلسیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلق امر ایجاد، اماتت و رزق و احیا خدا کے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں انجام پائے تو یہ تفویض ہے اور اس کا قائل کافر ہے اور کوئی بھی صاحبِ عقل اس کے کفر میں شک نہ کرے گا اور (ان حضرات علما نے) کرامات و معجزات کو مطلقاً از قبیل استجابت دعا قرار دیا ہے اور ان امور کا فاعل خدا کو قرار دیا ہے البتہ تفویض تعلیم و تربیت خلق، انفال و خمس کا دینا یا نہ دینا اور بعض احکام کا جعل کرنا اس کو صحیح اور جائز قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بحث ان مباحث میں سے ہے جن کے سلسلہ میں تنقیح کم ہوئی ہے چہ جائیکہ کسی میزان صحیح کے تحت بیان کئے گئے ہوں۔ شاید مطلب کے ایک گوشہ کو لے کر اس سے بحث

کی ہے۔ مؤلف کتاب اپنے دستِ کوتاہ اور قلتِ استعداد و اطلاع و کاغذ پارہ و شکستہ قلم کے ساتھ اس وادی حیرت انگیز میں ازروئے مقدمات قدم نہیں رکھ سکتا۔ لیکن ایک اجمالی اشارہ بطور نتیجہ البرہان کرنے پر مجبور ہوں اور اظہارِ حق کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

تفویض کے معنیٰ کی طرف اجمالی اشارہ

یہ جان لینا چاہیئے کہ تفویض محال (کا مطلب) یہ ہے کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوتے اور بندے کے ارادہ کو مستقل اور تاثیر قدرت کو تسلیم کریں اور اس سلسلہ میں چھوٹے و بڑے امور میں کسی فرق کے قائل نہ ہوں۔ اس لئے زندہ کرنا، موت عطا کرنا، ایجاد کرنا، کسی شئی کو معدوم کر دینا، ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں بدل دینا یہ سب چیزیں تفویض نہیں ہے۔ اور تنکے، پتے کو حرکت دینا بھی تفویض نہیں ہے چاہے ملکِ مقرب یا نبیٔ مرسل کے دلیلے سے ہی ہو، عقولِ مجردہ اور ساکنینِ جبروتِ اعلیٰ سے لے کر ہیولائی اولیٰ تک اسی طرح ہے۔

اور کائنات کا ہر ذرہ خدا کے ارادۂ کاملہ کا تابع فرمان ہے۔ کسی بھی امر میں کسی بھی طرح اختیار نہیں رکھتا اور سب کے سب اپنے وجود اور کمالِ وجود میں، حرکات و سکنات میں ارادہ و قدرت (بلکہ) تمام شئون میں محتاج و فقیر بلکہ فقرِ محض اور محض فقر ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ خدا کی قیومیت اور بندوں کے احتیاج اور ارادۂ الٰہی کے ظہور و نفوذ اور امورِ عظیمہ و صغیرہ کے درمیان سرِ مُو کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم جیسے ضعیف و ناتواں خدا کے بندے جس طرح چھوٹے موٹے اعمال پر قادر ہیں۔ مثلاً حرکت و سکون و دیگر افعال اسی طرح اس کے خاص بندے اور ملائکہ مجردہ بڑے بڑے افعال پر قادر ہیں جیسے زندگی عطا کرنا، موت دینا، رزق، ایجاد، اعدام وغیرہ اور جس طرح ملک الموت پر موکل ہیں اور ان کا لوگوں کی زندگی کا ختم کر دینا از قبیل استجابت دعا نہیں ہے اور جناب اسرافیل کا زندگی پر موکل ہونا از قبیل استجابت دعوت نہیں ہے اور تفویض باطل بھی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ولیٔ کامل اور قوی پاکیزہ نفس والا جیسے انبیا و اولیا، موت و حیات، اعدام و ایجاد پر خدا کی دی ہوئی قدرت کی بنا پر قادر ہوں تو یہ تفویض محال نہیں ہے اور

نہ اس کو باطل شمار کرنا چاہیئے ۔ اسی طرح بندوں کے امور کو کسی ایسی کامل روحانیت کے سپرد کردینا جس کی مشیت خدا کی مشیت میں فنا ہو، جس کا ارادہ ارادۂ الٰہی کا ظل ہو، جس کا ارادہ عین ارادۂ خدا ہو، جس کی ہر حرکت نظام اصلح کے مطابق ہو خواہ وہ خلق وایجاد سے متعلق ہو خواہ تشریع و تربیت سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے ۔ بلکہ حق ہے اور یہ درحقیقت تفویض بھی نہیں ہے جیساکہ اس مطلب کی طرف اشارہ ابنِ سنان کی حدیث میں ہے جو اس کے بعد والی فصل میں ذکر کی جائے گی ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے تفویض کسی امر میں جائز نہیں ہے اور مضبوط ترین دلیلوں کے خلاف ہے اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے تمام امور میں جائز ہے بلکہ نظام بغیر اسباب ومسببات کی ترتیب کے درست ہی نہ ہوگا ۔

«اَبَى اللّٰهُ اَنْ يُجْرِيَ الْاُمُورَ اِلَّا بِاَسْبَابِهَا.» [٢٨] «خدا یہی چاہتا ہے کہ تمام امور اپنے اسباب سے جاری ہوں» یہ تمام مطالب جو اجمالاً ذکر کئے گئے برہانی ہیں اور میزانِ صحیح برہانی اور ذوق ومشربِ عرفانی اور سمعی شواہد کے مطابق ہیں ۔

وَاللّٰهُ الْهَادِي.

پانچویں فصل

مقاماتِ ائمہؑ کی طرف اشارہ

اہلِ بیتِ عصمت وطہارت کے لئے سیرِ معنوی الی اللہ کے سلسلہ میں وہ روحانی بلند مقامات حاصل ہیں جن کا علماً ادراک بھی طاقتِ بشری سے خارج اور اربابِ عقول کی عقلوں و اصحابِ عرفان کے شہود سے بہت بالا ہیں اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ مقامِ روحانیت میں رسولِ اکرمؐ کے شریک ہیں اور ان کے انوارِ مقدسہ عوالم مخلوق کی تخلیق سے بہت پہلے ذاتِ خدا کی تسبیح وتحمید میں مشغول تھے ۔ (مثلاً) کافی میں محمد بن سنان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

«كَافِي بِاِسْنَادِهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ اَبِي جَعْفَرٍ الثَّانِي،

عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَاَجْرَيْتُ اخْتِلَافَ الشِّيعَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمْ يَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِوَحْدَانِيَّتِهِ؛ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَفَاطِمَةَ فَمَكَثُوا اَلْفَ دَهْرٍ، ثُمَّ خَلَقَ جَمِيعَ الْاَشْيَاءِ فَاَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا وَاَجْرٰى طَاعَتَهُمْ عَلَيْهَا وَفَوَّضَ اُمُورَهَا اِلَيْهِمْ؛ فَهُمْ يُحِلُّونَ مَا يَشَاؤُونَ وَيُحَرِّمُونَ مَا يَشَاؤُونَ؛ وَلَنْ يَشَاؤُوا اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى. ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذِهِ الدِّيَانَةُ الَّتِي مَنْ تَقَدَّمَهَا مَرَقَ؛ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا مُحِقَ؛ وَمَنْ لَزِمَهَا لَحِقَ. خُذْهَا اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ»

میں حضرت ابو جعفر ثانی کی خدمت میں موجود تھا اور میں نے شیعوں کے اختلاف کا ذکر چھیڑ دیا تو حضرت نے فرمایا: اے محمد خدا ہمیشہ اپنی وحدانیت میں متفرد رہا۔ پھر اس نے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ کو خلق فرمایا پھر یہ حضرات ایک ہزار زمانہ تک ٹھہرے رہے تب خدا نے اشیا کو پیدا کیا اور اشیا کی پیدائش پر ان کو شاہد بنا کر ان کی اطاعت کو ہر چیز پر واجب قرار دیا اور اشیا کے امور ان کے حوالہ کر دیا۔ لہٰذا ان کو حق ہے جو چاہے حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں البتہ یہ اسی چیز کو چاہیں گے جس کو خدا چاہے گا اس کے بعد فرمایا: اے محمد یہی (اصل) دین ہے جو اس سے آگے بڑھا وہ دین سے خارج ہو گیا اور جو اس سے پیچھے (یعنی منکر ہوا) رہ گیا وہ مٹ گیا اور جو اس قاعدہ پر باقی رہا وہی حق سے ملحق ہوا۔ اے محمد اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔"

کافی ہی میں مفضل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

«وَبِاِسْنَادِهِ عَنِ الْمُفَضَّلِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: كَيْفَ كُنْتُمْ حَيْثُ كُنْتُمْ فِي الْاَظِلَّةِ؟ فَقَالَ: يَا مُفَضَّلُ، كُنَّا عِنْدَ رَبِّنَا، لَيْسَ عِنْدَهُ اَحَدٌ غَيْرُنَا فِي ظِلَّةٍ خَضْرَاءَ نُسَبِّحُهُ وَنُقَدِّسُهُ وَنُهَلِّلُهُ وَنُمَجِّدُهُ؛ وَمَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا ذِي رُوحٍ غَيْرُنَا حَتّٰى بَدَا لَهُ فِي خَلْقِ الْاَشْيَاءِ فَخَلَقَ مَا شَاءَ كَيْفَ شَاءَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ؛ ثُمَّ اَنْهٰى عِلْمَ ذٰلِكَ اِلَيْنَا.»[۲۰]

میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: آپ حضرات زیر سایہ الٰہی کیونکر تھے؟ فرمایا: اے مفضل ہم اپنے رب کے پاس اسوقت ایک "ظلۃ خضراء" میں تھے جب کوئی بھی وہاں ہمارے علاوہ نہ تھا۔ ہم خدا کی تسبیح و تقدیس و تہلیل و تمجید کرتے تھے۔ اس وقت ہمارے علاوہ نہ کوئی

ملک مقرب موجود تھا نہ کوئی دوسرا ذی روح، یہاں تک کہ خدا نے اشیا کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا پھر اس نے جس طرح چاہا اور جس کو چاہا ملائیکہ وغیر ملائیکہ کو پیدا کیا پھر ان سب کا علم ہمارے سپرد کیا۔"

اور وہ حدیثیں جو تخلیق طینتِ ابدان اور خلق ارواح اور ان کے قلوب اور جو حدیثیں ان حضرات کو اسمِ اعظم دیئے جانے اور خزانۂ غیب الٰہی سے مخصوص علوم کے مرحمت کئے جانے پر (اور) علوم انبیاو ملائیکہ اور اس سے بھی بالاتر علوم "جو ہمارے اور تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتے کے دیئے جانے پر اور وہ حدیثیں جو ان حضرات کے فضائل پر دلالت کرنے والی ہیں اور اصحاب کے معتبر کتابوں میں جابجا پھیلی ہوئی ہیں خصوصاً کافی میں اس قدر ہیں کہ عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور خود ان ذواتِ مقدسہ کے علاوہ کوئی بھی ان کے اسرار و حقائق پر آگاہ نہیں ہو سکتا۔ خود اس حدیث میں جسکی میں شرح کر رہا ہوں صرف ایک فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ آیتِ تطہیر ہے جس کے بارے میں بطورِ تواتر اخبارِ عامہ و خاصہ سے ثابت ہے کہ اہل بیتؑ کی شان میں وارد ہوئی اور شیعوں کا تو اتفاق ہے مگر سنیوں کی بھی روایاتِ تواتر کے ساتھ یا کم از کم بطور استفاضہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اہلِ بیتؑ سے مراد اہلِ بیتِ عصمت و طہارت ہیں اور اس کا ذکر از قبیل توضیح واضحات ہے۔

حقیقت عصمت کا بیان

اس حدیث میں اور دیگر حدیثوں میں بھی "رجس" کی تفسیر "شک" سے کی گئی ہے اور بعض حدیثوں میں رجس کا مطلب تمام عیوب سے پاکیزگی بتایا گیا ہے اور بعض سابق حدیثوں کی شرح سے معلوم ہو چکا ہے کہ نفی شک قلبی و قالبی عیوب کے نفی کو مستلزم ہے بلکہ مستلزم عصمت ہے اس لئے کہ عصمت بر خلاف اختیار ایک امر ہے اور فطری و جبلی امور میں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی نفسانی حالت اور باطنی نور ہے جو یقینِ کامل اور اطمینان تام سے حاصل ہوتا ہے اور انسان سے جو معصیت و خطا ہوتی ہے وہ یقین و اطمینان میں کمی کی وجہ سے ہوتی ہے اور یقین و ایمان کے درجوں میں اتنا تفاوت ہے جس کو بیان کرنا مشکل نہیں ناممکن ہے۔ انبیائے کرام کو مشاہدہ حضور یہ جو یقین کامل اور اطمینان تام حاصل ہوتا ہے وہی ان کو معصوم بنا دیتا ہے۔ حضرت علیؑ کے یقین نے ان کو اس منزل تک پہونچا دیا تھا کہ فرماتے تھے: اگر مجھ کو تمام عالم اس شرط

سے دیدیا جائے کہ چیونٹی کے مُنہ میں جو دانہ ہے اس سلسلہ میں اس پر ظلم کروں تو ہرگز نہ کروں گا۔" ۲۱

بہر حال شرک وشک کا زائل ہونا، عالمِ طبیعت کے اخباث وارجاس سے طاہر ہونا غیرِ خدا کے تعلقات کی تاریکیوں سے اور کدورت انیت وانانیت کے دبیز پردوں کو ہٹا کر حق کی روشنی کا حصول اور انوار قدسیۂ الہیٰ اور آیات تامۂ ربوبی کے ذریعہ ارادۂ ازلیہ کے سبب رویت غیریت اور ان کا اپنے خلص وخالص بندوں (کے لئے عطا) عطا فرمانا یہ سب وہ مقامات ہیں جو وصف وبیان میں درست نہیں آسکتے اور عنقائے مغرب کی طرح دست اُمید کی غیبِ ھویت اس کے جلال کی چوٹی تک نہیں پہونچ سکتی۔ عنقا شکار کس نہ شود دام باز گیر۔ ۲۲

چھٹی فصل

ایمان کی توصیف نہیں ہوسکتی

ایمان بھی ان روحانی کمالات میں سے ہے جس کی نورانی حقیقت سے بہت کم لوگ آگاہ ہیں۔ خود مومنین جب تک اس دنیا میں ہیں خدا کے نزدیک ان کے ایمان کی نورانیت اور کرامت جو ہے اس سے ناواقف ہیں۔ انسان جب تک اس دُنیا میں رہتا ہے اس دُنیا کے اوضاع وعادات سے اس طرح مانوس ہوجاتا ہے کہ جب بھی آخرت کی نعمتوں اور کرامتوں یا عذاب ورسوائیوں کو سنتا ہے فوراً دنیاوی صورتوں پر قیاس کرنے لگتا ہے مثلاً خداوند عالم نے مومنین سے جن کرامتوں کا وعدہ کیا ہے اور جن نعمتوں کو ان کے لئے مہیا کیا ہے اور انبیاء نے خبر دی ہے ان کا اپنے بادشاہوں اور بزرگوں کی نعمتوں پر یا ان سے کچھ لطیف واعلیٰ پر قیاس کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ قیاس باطل ہے کیونکہ آخرت کی نعمتوں اور روح وریحان کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے اور ہمارے دل میں اس کا خطور بھی نہیں ہوسکتا۔ ہم تو اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتے کہ آب بہشت کا ایک شربت تمام متصورہ لذتوں کا جامع ہوسکتا ہے۔ جیسا بھی ممکن ہو ایک دوسرے سے ممتاز ہوگا۔ ہر لذت کی کیفیت کا یہاں کی لذتوں کے مشابہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔

اس حدیث میں مومنین کی کرامتوں میں سے ایک کرامت کا ذکر کیا گیا ہے جس کا

کامقابلہ اصحاب معرفت اور ارباب قلوب کے نزدیک نہ کسی چیز سے کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی میزان سے کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: مومن جب کسی برادر مومن سے ملاقات کرکے اس سے مصافحہ کرتا ہے تو خدا ان دونوں کی طرف برابر نظر (رحمت) کرتا ہے۔ دیگر بہت سی روایات میں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ کافی میں امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

«فَفِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: إِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ إِذَا الْتَقَيَا فَتَصَافَحَا، أَقْبَلَ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِمَا بِوَجْهِهِ وَتَسَاقَطَتْ عَنْهُمَا الذُّنُوبُ كَمَا يَتَسَاقَطُ الْوَرَقُ مِنَ الشَّجَرِ» [٢٣]

"دو مومن جب ملاقات کرکے مصافحہ کرتے ہیں تو خدا ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان کے گناہ اس طرح جھڑنے لگتے ہیں جیسے (موسم خزاں میں) درخت کے پتے۔"

خدا جانتا ہے کہ پروردگار کی یہ نظر اور اس کی توجہ باطن میں کون سی نورانیت و کرامت رکھتی ہے اور خدا اور بندۂ مومن کے درمیان کے کون سے پردے اٹھا دیتی ہے اور مومن کی کیسی کیسی مدد کرتی ہے لیکن یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ ان کرامتوں کا ستر واقعی اور نکتۂ حقیقی کیا ہے اور انسان کو اس سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ قلبی توجہ اسی کی طرف ہونی چاہیئے تاکہ اس کے اتباع میں عمل نورانی و کامل ہو جائے اور قالب روح میں نفحۂ الٰہیہ پھونکا جاسکے اور وہ نکتۂ حقیقی اور ستر واقعی محکم و مضبوط کرنا محبت و مودت (اہل بیتؑ کو) اور عہد اخوت فی اللہ کو محکم کرنا ہے چنانچہ حدیثوں میں اس نکتہ کی طرف بہت اہمیت دی گئی ہے اور حدیثوں میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

چنانچہ کافی میں امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

«فَفِي الْكَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: «إِنَّ الْمُؤْمِنَيْنِ إِذَا الْتَقَيَا وَتَصَافَحَا، أَدْخَلَ اللّٰهُ يَدَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا فَصَافَحَ أَشَدَّهُمَا حُبًّا لِصَاحِبِهِ.» [٢٤]

"دو مومن جب ملاقات کرکے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے درمیان خدا اپنے ہاتھ بھی داخل کرکے اس سے مصافحہ کرتا ہے جو اپنے برادر مومن سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔"

دوسری روایت میں ہے:
جب دو مومن ملاقات کرکے مصافحہ کرتے ہیں تو خدا ان کی طرف اپنی رحمت بھیجتا ہے۔ اس میں نو حصہ تو اس شخص کے لئے ہوتے ہیں جس کی محبت اپنے دوست سے زیادہ ہوتی ہے اور اگر محبت میں دونوں برابر ہوں تو رحمت الٰہی دونوں کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے۔"[۲۵]
اس باب میں حدیثیں بہت ہیں۔ مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ اَوَّلاً وَآخِراً

اکتیسویں حدیث کی توضیحات

۱: سورۂ انعام آیت ۹۱، سورۂ حج آیت ۷۴، سورۂ زمر آیت ۶۸

۲: سورۂ حشر آیت ۷۔

۳: اصولِ کافی جلد ۲، ص ۱۸۲، کتاب ایمان وکفر، باب مصافحہ، حدیث ۱۶۔

۴: مراۃ العقول جلد ۹، ص ۱۷، کتاب ایمان وکفر، باب مصافحہ، حدیث ۱۶۔

۵: وافی جلد ۵، ص ۶۱۳

۶: اصولِ کافی جلد ۱ ص ۱۰۰، کتاب التوحید، باب النھی من الصفۃ بغیر ما وصف بہ نفسہ تعالیٰ، حدیث ۱۔

۷: مراۃ العقول جلد ۱ ص ۳۴۶، کتاب التوحید، باب النھی من الصفۃ بغیر ما وصف بہ نفسہ تعالیٰ، حدیث ۱۔

۸: التوحید شیخ صدوق، ۳۱ بہ بعد، باب ۲ (مخصوصاً حدیث ۳) بحار جلد ۳، ص ۲۵۷ بہ بعد، کتاب التوحید، باب ۹، حدیث ۱۳۔

۹: سورۂ اعراف آیت ۱۸۰

۱۰: خدایا تجھ ہی سے شکایت کی جاتی ہے اور تیرے سوا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔

۱۱: دعائے کمیل، مصباح المتہجد ص ۵۸۷۔

۱۲: اسفار اربعۃ جلد ۹ ص ۱۲۳، تفسیر صدر المتالہین، تفسیر آیۃ ۱۷، سورۂ اعلیٰ۔

۱۳: اصولِ کافی جلد ۱ ص ۲۷۲، کتاب الحجۃ (باب فیہ ذکر والارواح التی فی الائمۃ) حدیث ۲۔

۱۴: سورۂ شوریٰ آیت ۵۲۔

۱۵: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۲۷۲، کتاب الحجۃ، "باب الروح التی یسدد اللہ بھا الائمۃ"، حدیث ۱۔
۱۶: بحار جلد ۳۹، ص ۲۱۲، تاریخ امیر المومنین، باب ۸۸، حدیث ۵۔
۱۷: مصباح الہدایۃ الی الخلافۃ والولایۃ یہ امام خمینیؒ کی ایک گرانقدر کتاب ہے جو ۱۳۴۹ھ ق (۱۳۰۸ھ ش) میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ایک مقدمہ دو مشکات اور ایک خاتمہ ہے۔ پہلا مشکات اسرارِ خلافتِ محمدیؐ و ولایتِ علوی پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا اسرارِ خلافت و ولایت و نبوتؐ در نشئہ عین و عالم امر و خلق پر مشتمل ہے۔ حضرت امام نے مقدمہ میں موضوع کتاب کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے: میں چاہتا تھا کہ اس رسالہ میں حقیقت خلافت محمدی کی ابتدا اور دریائے حقیقت ولایتِ علوی کی نمی کو تمھارے لئے واضح کروں اور یہ کہ یہ دونوں حقیقتیں کیونکر عوالم غیب و شہادت میں جاری ہیں اور مراتب نزول و صعود میں کیونکر نافذ ہیں۔
۱۸: وافی، جلد ۵، ص ۶۱۴، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ حدیث ۱۶
۱۹: مراۃ العقول جلد ۹، ص ۱۷، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ حدیث ۱۶
۲۰: مراۃ العقول جلد ۹ ص ۱۷، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحہ حدیث ۱۶
۲۱: علم تو خدا کے پاس ہے، ہو سکتا ہے خدا اس کے بعد کچھ ظاہر کرے۔
۲۲: اصولِ کافی، کتاب الحجۃ، باب التفویض الی رسول اللہ والی الائمۃ فی امر الدین، حدیث ۷۔
۲۳: وسائل جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ باب ۱۳ از ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۱۲- ۱۴۔
۲۴: وسائل جلد ۷، ص ۳۶۱، باب ۲۸، از ابواب صوم مندوب، حدیث ۵۔
۲۵: اصولِ کافی جلد ۱ ص ۲۶۶، کتاب الحجۃ، باب التفویض الی رسول اللہ والی الائمۃ فی امر الدین، حدیث ۳
۲۶: مراۃ العقول جلد ۳ ص ۱۴۴، کتاب الحجۃ باب التفویض حدیث ۱۔
۲۷: مراۃ العقول جلد ۳ ص ۱۴۱، کتاب الحجۃ باب التفویض حدیث ۱۔
۲۸: کافی جلد ۱ ص ۱۸۳، کتاب الحجۃ باب معرفۃ الامام والرد الیہ اور بصائر الدرجات ص ۲۶ جلد ۱ باب ۴ حدیث ۲۔
۲۹: اصولِ کافی جلد ۱ ص ۴۴۱، کتاب الحجۃ باب مولد النبیؐ و وفاتہ، حدیث ۵۔
۳۰: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۴۴۱، کتاب الحجۃ باب مولد النبیؐ و وفاتہ، حدیث ۷۔
۳۱: نہج البلاغۃ، خطبہ ۲۱۵۔
۳۲۔ کامل شعر یہ ہے۔ عنقا شکار کس نشود دام باز گیر ۔ کانجا ہمیشہ باد بہ دست است دام را حافظ
۳۳۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۸۰، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحۃ، حدیث ۴۔
۳۴۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۷۹، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحۃ، حدیث ۲۔
۳۵۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۱۸۱، کتاب ایمان و کفر، باب مصافحۃ، حدیث ۱۴۔

بتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلی مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْمُعَلّی بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ الْوَشَّاءِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنانٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: مِنْ صِحَّةِ يَقِينِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ لاٰيُرْضِيَ النّاسَ بِسَخَطِ اللّٰهِ، وَلاٰيَلُومَهُمْ عَلی ما لَمْ يُؤْتِهِ اللّٰهُ؛ فَاِنَّ الرِّزْقَ لاٰيَسُوقُهُ حِرْصُ حَرِيصٍ، وَلاٰيَرُدُّهُ كَراهِيَةُ كارِهٍ؛ وَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ فَرَّمِنْ رِزْقِهِ كَما يَفِرُّ مِنَ الْمَوْتِ، لاٰدْرَكَهُ رِزْقُهُ كَما يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ. ثُمَّ قالَ: اِنَّ اللّٰهَ بِعَدْلِهِ وَقِسْطِهِ جَعَلَ الرَّوْحَ وَالرّاحَةَ فِي الْيَقِينِ وَالرِّضا؛ وَجَعَلَ الْهَمَّ وَالْحُزْنَ فِي الشَّكِّ وَالسَّخَطِ.[1]»

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: مسلمان مرد کے صحیح یقین (کی علامت یہ ہے کہ) خدا کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی نہ کرے اور خدا نے اس کو جو نہیں دیا ہے اس پر لوگوں کی ملامت نہ کرے اس لئے کہ حریص کی لالچ نہ رزق کو کھینچ کر لا سکتی ہے اور نہ کراہت کرنے والے کی کراہت اس کو واپس کر سکتی ہے۔ اگر تم میں سے کوئی رزق سے اس طرح فرار کرے جیسے موت سے فرار کیا جاتا ہے

تو اس کا رزق اس کو اسی طرح پائے گا جیسے موت اپنے مطلوب کو پالیتی ہے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا: خدا نے اپنے عدل و انصاف کے ساتھ راحت و آرام کو یقین و رضا میں اور رنج وغم کو شک و ناراضگی میں قرار دیا ہے۔"

شرح:۔ جوہری نے کہا ہے: سَخَطَ بروزن فَرَس ہے اور سُخط بروزن قفل خلافِ رضا کو کہتے ہیں اور قَدْ سَخِطَ ای غَضِبَ کے معنیٰ میں ہے فَھُوَ سَاخِطٌ۔

اور القسط بکسر قاف عدل کے معنیٰ میں ہے۔ لہٰذا بعدلہ و قسطہ میں قسط عطف تفسیری ہے۔

الروح والراحۃ دونوں کے معنیٰ ایک ہیں یعنی راحت و آرام جیسا کہ جوہری نے کہا ہے پس یہ بھی عطف تفسیری ہے اور یا رُوح کے معنیٰ راحتِ قلب اور راحۃ کا مطلب راحتِ بدن ہے جیسا کہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے۔ ۲

"وَالْهَمَّ وَالْحُزْنَ": جوہری دونوں کے معنیٰ ایک قرار دیتا ہے۔ اس بنا پر عطف تفسیری بھی ہو سکتا ہے اور علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے "ھَمّ" کا مطلب تحصیل کے وقت اضطراب ہو اور حزن کا مطلب فوت ہو جانے کے بعد جزع و اندوہ ہو۔ ۳

پہلی فصل

قَوْلُهُ: «وَلَا يَلُومَهُمْ عَلَى مَا لَمْ يُؤْتِهِ» اس عبارت میں دو احتمال دیئے گئے ہیں۔

۱۔ لوگوں کی شکایت و مذمت اس بات پر نہ کرے کہ انھوں نے اس کو عطا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ چیز قدرت و تقدیراتِ الٰہیٰ کے ماتحت ہے۔ (ممکن) ہے خدا نے اس کی روزی ان عطایا میں قرار نہ دی ہو اور جو لوگ اہلِ یقین ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ تقدیرِ الٰہی ہے۔ لہٰذا کسی کو ملامت نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ احتمال جناب محقق فیضؒ نے دیا ہے۴ اور محدث خبیر علامہ مجلسیؒ نے اس کو تقویت دی ہے۔ ۵

دوسرا احتمال بھی جناب فیض رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ خدا نے لوگوں کو جو کچھ لوگوں کو نہیں دیا ہے اس پر ان کی ملامت نہ کرے۔ کیونکہ خدا نے لوگوں کو عطیہ میں مختلف قرار دیا ہے۔

اس میں کسی کی ملامت نہیں کرنی چاہئے یا اس روایت کے مانند ہے جس میں فرمایا ہے۔ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس نے مخلوق کو کس طرح پیدا کیا ہے تو کوئی کسی کی ملامت نہ کرے۔[۶]
علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: اس احتمال کا بعید ہونا پوشیدہ نہیں ہے خصوصاً اس علت کو دیکھتے ہوئے کہ «فَاِنَّ الرِّزْقَ لَا یَسُوقُهُ...»

میری نظر میں یہی دوسرا احتمال (جس کو علامہ مجلسیؒ نے بعید قرار دیا ہے) پہلے احتمال سے زیادہ مناسب ہے خصوصاً اسی تعلیل کی بنا پر جو ذکر کی گئی ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کی فقیری اور تنگدستی پر ملامت اسی وقت کی جاسکتی ہے جب رزق کا مسئلہ ان کے اختیار میں ہو اور سعی و کوشش سے وسعت ممکن ہو اس وقت انسان کہہ سکتا ہے: میں نے سعی و کوشش کی لہٰذا تونگر ہو گیا تم نے نہیں کی لہٰذا فقیر رہ گئے۔ مگر اہل یقین جانتے ہیں رزق میں حرص و تحصیل کو کوئی دخل نہیں ہے اس لئے دوسروں کو ملامت نہیں کی جاسکتی۔

تقدیر کے مطابق رزق ملنے اور زیادتی رزق کی دعا دونوں قسموں کی روایتوں میں جمع

جو حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رزق مقسوم و مقدر ہے اور قرآنی آیات کی دلالت بھی اسی پر ہوتی ہے وہ ان روایات کے منافی نہیں ہیں جن میں معیشت کے حاصل کرنے اور تجارت کرنے کی تاکید کی گئی ہے بلکہ ترک تجارت کو مکروہ کہا گیا ہے اور ترک تجارت پر ملامت کی گئی ہے اور جو لوگ طلبِ رزق کی کوشش نہیں کرتے ان کا شمار ان لوگوں میں کیا گیا ہے جن کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور خدا روزی نہیں دیتا۔ اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں۔ ہم (بطورِ مثال) صرف ایک حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، شَيْخِ الطَّائِفَةِ، قُدِّسَ سِرُّهُ، بِإِسْنَادِهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا فَعَلَ عُمَرُ بْنُ مُسْلِمٍ؟ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، أَقْبَلَ عَلَى الْعِبَادَةِ وَتَرَكَ التِّجَارَةَ. فَقَالَ: وَيْحَهُ أَمَا عَلِمَ

اَنَّ تارِکَ الطَّلَبِ لا یُسْتَجابُ لَهُ دَعْوَةٌ؟ اِنَّ قَوْماً مِنْ اَصْحابِ رَسُولِ اللّٰهِ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ، لَمّا نَزَلَتْ: «وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لا یَحْتَسِبُ،» اَغْلَقُوا الْاَبْوابَ وَاَقْبَلُوا عَلَی الْعِبادَةِ، وَقالُوا: قَدْ کُفِینا. فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ، فَاَرْسَلَ اِلَیْهِمْ فَقالَ: ما حَمَلَکُمْ عَلی ما صَنَعْتُمْ؟ فَقالُوا: یا رَسُولَ اللّٰهِ، تَکَفَّلَ اللّٰهُ لَنا بِاَرْزاقِنا، فَاَقْبَلْنا عَلَی الْعِبادَةِ. فَقالَ: مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لَمْ یُسْتَجَبْ لَهُ. عَلَیْکُمْ بِالطَّلَبِ.»[9]

"امام جعفر صادقؑ نے پوچھا: عمر بن مسلم کیا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں انھوں نے تجارت چھوڑ کر عبادت کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہے۔ امام نے فرمایا: ان پر وائے ہو کیا وہ نہیں جانتے کہ روزی نہ کمانے والے کی دُعا قبول نہیں ہوتی؟ جب یہ آیت نازل ہوئی وَمَن یَتَّقِ اللّٰہَ الخ تو اصحاب کی ایک جماعت نے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے اب ہمارے لئے کافی ہے۔ اس کی خبر رسولِ خداؐ کو ہوئی تو آپؐ نے ان کو بلوا کر پوچھا تم لوگوں کو یہ کیا سوجھی؟ انھوں نے کہا: اے رسولِ خداؐ، اب تو خدا نے ہمارے رزق کی کفالت کر لی لہٰذا ہم عبادت میں مشغول ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم میں سے جو ایسا کرے گا اس کی دُعا قبول نہ ہو گی۔ تلاشِ معاش تم پر واجب ہے۔"

ان روایات میں عدم منافات اس طرح ہے کہ طلب کے لبعد بھی رزق اور دیگر امور سب ہی دستِ قدرت میں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہماری طلب اور تلاشِ معاش مستقل طور سے حصولِ رزق کی علت ہو۔ بلکہ تلاشِ معاش فرضِ بندگی ہے۔ رہا امور کی ترتیب اور ظاہری وغیر ظاہری اسباب کا جمع کرنا "جن میں زیادہ تر بندوں کے اختیار سے خارج ہوتے ہیں" یہ سب تقدیرِ باری تعالیٰ پر موقوف ہے لہٰذا جو انسان صحیح الیقین اور مجاری امور پر مطلع ہوتا ہے وہ تلاشِ معاش سے نہ رکنے کے ساتھ اور اپنے عقلی و شرعی فرائض کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ اشتہائے کاذب کی بنا پر اپنے اوپر طلب کے دروازوں کو بند نہیں کرتا اور اسی کے ساتھ ہر چیز کو خدا کی طرف سے جانتا ہے۔ کسی بھی موجود کو وجود اور کمالاتِ وجود میں مؤثر نہیں جانتا۔ طالب و طلب و مطلوب سب اسی سے ہے اور اس حدیث میں ہے کہ صحیح یقین والا لوگوں کے

عدم وسعتِ رزق پر ملامت نہیں کرتا۔ یعنی اگر لوگوں نے بمقدار معمول طلب کیا تو یہ بات قابلِ ملامت نہیں ہے۔ حالانکہ ایک گروہ کا ملامت کرنا جو فریضۂ طلب کو پورا نہیں کرتے اس وقت تک رائج ہے جب تک ان کو طلب پر آمادہ کرے جیسا کہ روایات میں اس کی مثال موجود ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ باب جبر و تفویض کا ایک شعبہ ہے۔ اس لئے جس نے اس کی تحقیق کی ہوگی وہ تو اس کی حقیقت پر مطلع ہو سکتا ہے۔ اس کی تفصیل ہمارے وظیفہ سے خارج ہے۔

دوسری فصل

صحیح یقین کی علامتیں

اس حدیث میں دو چیزوں کو یقین کی صحت و سلامتی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ خدا کی ناراضگی و غضب کے بدلے لوگوں کی رضامندی و خوشنودی نہ خریدے۔

۲۔ جو کچھ خدا نے ان کو دیا ہے اس پر لوگوں کی ملامت نہ کرے۔

یہی دو باتیں کمالِ یقین کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں اور ان کے مقابلہ میں ضعفِ یقین اور ایمان کی کمزوری و بیماری ہے۔ اس کتاب میں جہاں تک میرے بس میں تھا اور مناسب تھا میں نے ایمان و یقین اور ان کے نتائج کی شرح کر دی اور اس وقت بھی اجمالی طریقہ سے ان دونوں صفتوں کے صحت و سلامتی یقین و ان کے مقابلات کے اوپر مرتب ہونے کو بیان کروں گا۔

یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ جو شخص لوگوں کی خوشنودی و رضامندی کا طالب ہے اور اس کی پوری توجہ لوگوں کے دل جیتنے کی طرف ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اس کو امور میں مؤثر سمجھتا ہے جو اس کے لئے موردِ طمع ہے۔

مثلاً جو شخص دولت پرست ہے وہ اربابِ ثروت کے سامنے ہمہ وقت سرِ تسلیم خم کرنے پر آمادہ رہتا ہے اور ان کی چاپلوسی کرتا رہتا ہے۔ اور جو لوگ طالبِ ریاست ہیں اور ظاہری احترام کے دلدادہ ہیں وہ اپنے مریدوں کی تملق کرتے ہیں، اُن کے ساتھ فروتنی برتتے ہیں۔ جس طرح بھی ہو ان کے دل کو موہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ چرخ نیلی نام اسی طرح بطور دور و تسلسل چکر کھاتا رہتا ہے کمزور لوگ اربابِ ریاست سے اور طالبانِ ریاست اپنے بے وقوف

مریدوں سے تملق کیا کرتے ہیں۔ اس سے صرف وہی لوگ مستثنیٰ ہیں۔ جنھوں نے نفسانی ریاضت سے خود اپنی تربیت کرلی ہے اور رضائے الٰہی کے طالب ہیں دُنیا وزیبائش دُنیا سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ریاست میں خدا کی رضا کے طالب اور مرؤسیت میں حق جو اور حق پسند رہتے ہیں۔

لوگوں کے دو طبقے ہیں

۱: ان کے یقین نے ان کو اس منزل تک پہونچا دیا ہے کہ وہ تمام ظاہری اسباب اور صوری موثرات کو خدا کے ارادۂ ازلی وجوبی کاملہ کے تحت مسخر جانتے ہیں۔ حق کے علاوہ نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ چاہتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ دُنیا و آخرت میں خدا ہی موثر ہے اور مالک ہے اور قرآن کی اس آیت پر «قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ» ۱۰ "ایمانِ حقیقی اور ایسا یقین جس میں نقص وتردید وشک کا شائبہ بھی نہ ہو رکھتے ہیں۔ خدا کو مُلک ہستی کا مالک جانتے ہیں، تمام عطیات کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں، قبض وبسط وجود وکمالِ وجود کو خدا کی طرف سے بہ حسبِ ترتیب نظام و پوشیدہ مصالح جانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے خدا ان کے سامنے معرفت کے ابواب کھول دیتا ہے اور ان کے قلوب قلوب الٰہی ہوجاتے ہیں۔ لوگوں کی رضامندی یا ناراضگی ان کی نظروں میں کچھ بھی نہیں ہوتی وہ مرضیٔ الٰہی کے علاوہ کسی چیز کے طالب نہیں ہوتے۔ خدا کے سوا کسی کی طرف اپنی چشم طمع وطلب کو باز نہیں کرتے۔ ان کا دل ان کی زبان گویا ہے: خدایا اگر تو مجھے عطا کرے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور اگر تو کسی چیز کو روک دے تو کون ہے جو عطا کر سکے؟ پس وہ لوگ اپنی آنکھوں کو لوگوں اور ان کے عطیات اور ان کی دُنیا سے بند رکھتے ہیں اور ہمیشہ خدا کی طرف چشمِ نیاز کھولے رکھتے ہیں اور ایسے ہی حضرات تمام موجودات کی رضامندی بھی حاصل ہوجانے کے لئے خدا کی ناراضگی کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے۔

حالانکہ یہی لوگ 'باوجود یہ کہ خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے کسی چیز کے قائل نہیں ہیں'۔ تمام موجودات کو فقیر الی اللہ جانتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ سب کو عظمت ورحمت ومہربانی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کسی کو کسی بات پر ملامت نہیں کرتے سوائے اصلاح حال اور تربیت کے جیسا کہ انبیا بھی اسی طرح تھے۔ کیونکہ انبیائے کرام خدا سے وابستہ تھے۔ اور جلال وجمال خدا کے

مظہر تھے بندگانِ الٰہی پر صرف لطف و محبت کی نظر کرتے تھے۔ دل سے کسی کو اس کی کمی یا فتور پر ملامت نہیں کرتے تھے۔ ہاں مصالح عامہ اور افرادِ بشر کی اصلاح کے لئے حسبِ ظاہر ملامت کرتے تھے اور یہ نتیجہ و ثمرہ تھا شجرۂ طیبۂ یقین و ایمان کا اور حدودِ الٰہی کی معرفت کا۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو حق سے بے خبر ہے اور اگر خبر رکھتا ہے تو ناقص اور ایمان غیر تام رکھتا ہے۔ یہ لوگ چونکہ کثرتوں اور اسبابِ ظاہری کو دیکھ کر مسبب اور اسباب سے غافل ہو چکے ہیں اور مخلوق کی رضامندی تلاش کرتے ہیں اور کبھی ان کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ بہت ہی کمزور مخلوق کی رضایت کے طالب ہوتے ہیں اور خدا کی ناراضگی کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ کبھی تو اہلِ معصیت کی موافقت کرتے ہیں یا وقت پر امر بہ معروف و نہی از منکر کو ترک کر دیتے ہیں۔ یا باطل فتویٰ دیدیتے ہیں۔ یا بے موقع تصدیق یا تکذیب کر دیتے ہیں۔ یا مومنین کی غیبت کرتے ہیں یا اہلِ دُنیا کی توجہ موڑنے کے لئے اور ظاہری منصب پر فائز لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے مومنین پر اتہام لگاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں ایمان کی کمزوری کی بنا پر ہیں۔ بلکہ یہ شرک کا ایک مرتبہ ہے۔ یہ نظریہ انسان کو بڑے بڑے مہلکوں سے دوچار کر دیتا ہے۔ انھیں سے ایک وہ ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔ ایسا شخص بندگانِ خدا سے بدبین ہو جاتا ہے اور ان سے عداوت و دشمنی پیدا کر لیتا ہے اور امور میں ان کی ملامت کرتا ہے۔ وغیر ذلک۔

تیسری فصل

اشاعرہ و معتزلہ کے کلام کا ذکر اور مذہبِ حق کا اشارہ

مجلسیؒ نے مراۃ العقول میں اس حدیث کے ضمن میں ایک بحث فرمائی ہے کہ کیا خدا کی طرف سے رزقِ مقسوم حرام پر بھی شامل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور فخر رازی کی تفسیر سے اشاعرہ و معتزلہ کے اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے دونوں کی دلیلوں کو قرآن و حدیث سے ذکر کرنے کے بعد امامیہ کی موافقت معتزلہ سے فرمائی ہے کہ رزقِ مقسوم حرام کو شامل نہیں ہے۔ بلکہ صرف حلال سے مخصوص ہے اور معتزلہ کی دلیلوں کو بعض آیات و روایات کے ظواہر اور ظاہر لغت "رزق" سے جو اشاعرہ و معتزلہ کا طریقہ ہے نقل فرمایا ہے۔"

اور خود مجلسی نے کلام معتزلہ کو چونکہ مشہور امامیہ کے موافق پایا ہے اسلئے معتزلہ کے اور کو قبول فرمایا ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قضیہ بھی جبر و تفویض کا ایک شعبہ ہے اور مذہب امامیہ اس میں نہ معتزلہ کے موافق ہے نہ اشاعرہ کے بلکہ معتزلہ کا کلام تو اشاعرہ سے زیادہ بے معنیٰ و لغو ہے اس لئے اگر بعض متکلمین امامیہ اس کی طرف مائل ہو گئے ہوں تو حقیقت حال و مآل کی غفلت کی بنا پر ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ پہلے بھی ارشارہ کیا جا چکا ہے کہ جبر و تفویض کا مسئلہ بہت مجمل ہے اور غالباً فریقین کے یہاں بھی نہ صرف مجمل ہے بلکہ محل نزاع میزان صحیح کے مطابق تحریر نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ کا ربط مسئلہ جبر و تفویض سے کیونکر ہے شاید یہ بھی معلوم نہ ہو حالانکہ یہ شاہ فرد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر اشاعرہ کہتے ہیں کہ حرام و حلال دونوں مقسوم ہیں اور اس کو اس طرح کہتے ہیں کہ جو مستلزم جبر ہوتا ہے یا معتزلہ کہتے ہیں کہ صرف حلال مقسوم ہے حرام مقسوم نہیں ہے اور اس طرح کہتے ہیں کہ مستلزم تفویض ہے تو یہ دونوں باطل ہیں اور ان کا فساد اپنی جگہ پر ثابت کیا جا چکا ہے۔

لیکن میں بہ حسب اصول مقررۂ مبرہنہ حلال و حرام دونوں کو خدا کی طرف سے مقسوم سمجھتا ہوں جیسے گناہوں کو بھی میں بہ تقدیر و قضائے الٰہی سمجھتا ہوں۔ لیکن اس طرح کہ مستلزم جبر و فساد نہیں ہے۔ (مگر) چونکہ یہ کتاب دلیل و برہان کیلئے نہیں لکھی گئی ہے اور میں نے بھی اپنے سے یہ شرط کر لی ہے کہ مطالب علمیہ سے بحث نہ کروں گا ویسے میں خود بھی اس کی حقیقت سے بے بہرہ ہوں لہٰذا صاحب کتاب کسر نفسی ہے مترجم لہٰذا اسی مقدار پر قناعت کرتا ہوں واللہ الہادی۔

علامہ مجلسیؒ نے اس حدیث کے ضمن میں ایک دوسری بحث بھی چھیڑی ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا خدا پر تمام بندوں کا رزق مطلقاً واجب ہے یا جب وہ کسب و سعی کریں تب واجب ہے؟۔ یہ ایک ایسا مطلب ہے جو متکلمین کے اصول کے مناسب ہے۔ لیکن برہانی میزان اور یقینی ضابطہ کی بنا پر ان مباحث میں دوسری طرح رفتار اختیار کرنی پڑے گی۔ لیکن بہتر ہے کہ اس قسم کے مباحث میں کلام نہ کیا جائے۔ کیونکہ کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے کہ ارزاق کی تقسیم بحسب قضائے الٰہی سعی و کوشش کے منافی نہیں ہے۔

لہ: اس مسئلہ کی تحقیق اجمالی طور سے انتالیسویں حدیث میں کی ہے (جہاں پر) عرفت اللہ بفسخ العزائم ونقض الھمم۔ کا ذکر ہے۔

چوتھی فصل

روح و راحت کو خدا نے یقین و رضا میں قرار دیا ہے اور رنج و غم کو شک و ناراضگی میں قرار دیا ہے اور یہ عین انصاف کے مطابق ہے۔ یہ راحت و آرام جو حدیث کے ذیل میں وارد ہوا ہے اور اسی طرح رنج و غم اس کی مناسبت یہ ہے کہ یہ تقدیر و تقسیم ارزاق کے ذیل میں مذکور ہوا ہے اور امورِ دُنیا و تحصیلِ معاش کے سلسلہ میں ہے۔

اگرچہ ایک بیان کے اعتبار سے امورِ آخرت کے بارے میں بھی یہ تقسیم صحیح ہے۔ مگر میں فعلاً اس حدیث کے بیان کے درپے ہوں۔

یہ سمجھ لو کہ انسان خدا پر اور اس کے تقدیرات پر یقین رکھنے والا اور ایسے قادر علی الاطلاق پر اعتماد کرنے والا ہے جو تمام امور کو از روئے مصلحت مقرر کرتا ہے۔ اور رحمت مطلقہ کاملہ کا مالک ہے۔

خلاصہ یہ کہ رحیم مطلق و جواد مطلق ہے اور جب ایسا یقین ہوگا تو اس کے سبب سے تمام مشکل امور آسان اور تمام مصائب سہل ہو جائیں گے اور تحصیل معیشت کے سلسلہ میں اس کی طلب اہلِ دنیا اور اہلِ شک و شرک کی طلب سے بہت فرق رکھتی ہے۔ جو لوگ ظاہری اسباب پر اعتماد رکھتے ہیں ان کے حصول میں ہمیشہ تزلزل اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ اگر ان کو کوئی صدمہ پہونچ جائے تو بہت ہی ناگوار گزرتا ہے۔

کیونکہ اس کو مصالح غیبیہ سے گھرا ہوا نہیں جانتے۔ مختصر یہ ہے کہ جو شخص اس دُنیا کے حاصل کر لینے کو اپنے لے سعادت سمجھتا ہے وہ اس کے حصول میں رنج و غم اٹھاتا ہے۔ اس کا راحت و آرام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا سارا وقت و ساری فکر اسی میں لگی رہتی ہے۔ جیساکہ ہم خود بھی دیکھتے ہیں کہ اہلِ دُنیا ہمیشہ تعب و غم میں ہیں۔ ان کے پاس قلبی و جسمانی راحت نہیں ہے۔

اسی طرح اگر ان کے ہاتھوں سے دُنیا نکل جائے تب بھی بے انتہا رنج و غم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی مصیبت آجائے تو تاب و تواں کھو بیٹھتے ہیں اور حادثہ پر صبر نہیں کر پاتے۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ قضا و عدلِ الٰہی میں شک و تزلزل رکھتے ہیں اور اس کے ثمرہ

اسی قسم کے امور ہوتے ہیں۔ میں اس کی شرح کر چکا ہوں لہٰذا اب تکرار نہ کروں گا۔

اب رہی یہ بات کہ ان آثار کا یقین و رضا پر مرتب ہونا اور ان کا شک و غضب پر مرتب ہونا جعل الٰہی سے ہے اور یہ جعل عادلانہ ہے تو یہ اس پر موقوف ہے کہ خدا کی فاعلیت تمام مراتب وجود میں (بغیر اس کے کہ جبر محال لازم آئے) نافذ ہے۔ اور اتمیت نظام وجود کے بیان علیت پر موقوف ہے اور یہ دونوں چیزیں اس کتاب کے فرائض سے خارج ہیں۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً۔»

بتیسویں(۳۲) حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی، ج۔ ۷، ص۔ ۵۷، کتاب ایمان وکفر، باب فضل الیقین، حدیث ۲

۲۔ مرآۃ العقول، ج۔ ۷، ص۔ ۳۵۹ " " " " " "

۳۔ " " " " " " "

۴۔ وافی، ج۔ ۴، ص۔ ۲۶۹۔

۵۔ مرآۃ العقول، ج۔ ۷، ص۔ ۳۵۶، کتاب ایمان وکفر، باب فضل الیقین، حدیث ۲

۶۔ وافی، ج۔ ۴، ص۔ ۲۷۰۔

۷۔ مرآۃ العقول، ج۔ ۷، ص۔ ۳۵۷، کتاب ایمان وکفر، باب فضل الیقین حدیث ۲۔

۸۔ جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لئے ایک نکلنے کی جگہ قرار دیتا ہے اور اسکو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسکو گمان بھی نہ ہو۔ سورۂ طلاق آیت ۲۔۳۔

۹۔ وسائل، ج۔ ۱۲، ص۔ ۱۵، کتاب التجارۃ باب۔ ۵۔ از ابواب مقدمات تجارت حدیث۔ ۷۔

۱۰۔ تفسیر کبیر، ج۔ ۲، ص۔ ۳۰۔

۱۱۔ مرآۃ العقول۔ ج۔ ۷، ص۔ ۳۵۸، کتاب ایمان وکفر باب فضل الیقین حدیث ۶

تینتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيخِ الْاَقْدَمِ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ، عَمَّنْ ذَكَرَهُ، عَنْ عُبَيْدِبْنِ زُرارَةَ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ مارِدٍ، قالَ: قُلْتُ لِاَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: حَدِيثٌ رُوِيَ لَنا اَنَّكَ قُلْتَ: اِذا عَرَفْتَ فَاعْمَلْ ما شِئْتَ. فَقالَ: قَدْ قُلْتُ ذٰلِكَ. قالَ قُلْتُ: وَاِنْ زَنَوْا وَاِنْ سَرَقُوا وَاِنْ شَرِبُوا الْخَمْرَ فَقالَ لِي: اِنّا لِلّٰهِ وَاِنّا اِلَيْهِ راجِعُونَ. وَاللّٰهِ، ما اَنْصَفُونا اَنْ نَكُونَ اُخِذْنا بِالْعَمَلِ وَوُضِعَ عَنْهُمْ اِنَّما قُلْتُ اِذا عَرَفْتَ فَاعْمَلْ ما شِئْتَ مِنْ قَلِيلِ الْخَيْرِ وَكَثِيرِهِ، فَاِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْكَ.»[1]

ترجمہ: راوی کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: آپؑ کی ایک حدیث ہم لوگوں تک پہونچی ہے کہ حضور نے فرمایا ہے: جب تم کو (امامؑ کی) معرفت ہو گئی تو جو چاہے کرو حضرت نے فرمایا: ہاں ہم نے یہ بات کہی ہے۔ راوی نے کہا: میں نے عرض کیا: چاہے (اس کے بعد) لوگ زنا کریں، چوری کریں، شراب پئیں؟ حضرت نے فرمایا: اِنّا لِلّٰهِ وَاِنّا اِلَيْهِ راجِعُونَ خدا کی قسم ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہم تو عمل پر پکڑے جائیں اور لوگ (ہماری وجہ سے)

نہ پکڑے جائیں؟ میں نے کہا تھا جب تم کو معرفت حاصل ہو گئی تو چاہے تھوڑا عملِ خیر کرو یا زیادہ وہ قبول کر لیا جائے گا (یعنی حضرت کا مطلب یہ تھا کہ ہماری معرفت و محبت کے بغیر کوئی عملِ خیر چھوٹا ہو یا بڑا قبول نہ ہوگا لیکن معرفت کے بعد چاہے جو کرو (یعنی چاہے جو عملِ خیر کرو) وہ قبول کر لیا جائے گا۔

شرح :۔ حدیث مبتدا ہے اور اس کی خبر روی ہے اور آنکَ بفتح مبتدائے محذوف کی خبر ہے یعنی ھو آنکَ۔

قولہ: اذا عرفت: اس حدیث میں معرفت سے مُراد امام کی معرفت مُراد ہے۔

قولہ: قال قلت: ممکن ہے یہ تُ تا کے ضمہ کے ساتھ متکلم کا صیغہ ہو اور ممکن ہے کہ خطاب کا صیغہ ہو۔

قولہ: وان زنوا: میں کلمہ اِنْ وصلیہ ہے یعنی جب معرفت حاصل ہو جائے تو جو بھی گناہِ کبیرہ چاہیں کریں۔

قولہ: انا للہ: کلمہ استرجاع کو مصیبت کی شدت اور عظمت کے وقت استعمال کرتے ہیں اور چونکہ یہ بہتان یا نافہمی بہت بڑی مصیبت تھی اس لئے حضرت نے کمالِ افسوس کے موقع پر استعمال فرمایا۔

قولہ: ان نکون: ای فی ان نکون یعنی اس بارے میں ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا اس لئے کہ ہم تو موردِ تکلیف ہیں اور اس پر ہم سے مواخذہ ہوگا اور وہ لوگ ہماری وجہ سے موردِ تکلیف نہ ہوں گے اور ان کے اعمال کے بارے میں کوئی پرسش نہ ہوگی (ایسے ممکن ہے؟) چنانچہ اس کے بارے میں انشاء اللہ اشارہ کیا جائے گا۔

پہلی فصل

جو روایات فعلِ عبادات و ترکِ معاصی پر ابھارتے ہیں اور جو اس کے صورتاً بر خلاف ہیں دونوں میں جمع کی صورت

جو روایات میں رسولِ خدا و ائمہ ہدیٰ کے حالات اور ان کی عبادت کی کیفیت

اور اس میں کوشش اور خداوندِ عالم کی بارگاہ میں ان کی ذلت و مسکنت اور خوف و حزن کو دیکھے گا اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں ان کی مناجات کو جو حدِ تواتر سے بالا ہے اور سینکڑوں درجہ زیادہ ہے مطالعہ کرے گا۔ اسی طرح رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کو اور ائمہ نے جو ایک دوسرے کو وصیتیں کی ہیں ان کی طرف مراجعہ کرے گا اور ان وصیتوں کو دیکھے گا جو ائمہ نے اپنے خالص شیعوں اور خاص دوستوں کو فرمائی ہیں اور ان تاکیدوں کو ملاحظہ کرے گا جو ان حضرات نے کی ہیں اور خدا کی معصیت سے روکا ہے جس سے اصول و فروع کی کتابیں بھری پڑی ہیں تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ جو بعض روایات حسبِ ظاہر ان حدیثوں کی مخالف ہیں ان کا ظاہر حتماً مراد نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ان روایات کی ایسی تاویل ممکن ہو جو احادیث قطعیہ صریحہ جو ضروریاتِ دین سے بھی ہیں کی مخالف نہ ہو تو ویسی تاویل کریں گے یا اگر جمع عرفی ممکن ہو گی تو جمع عرفی کریں گے ورنہ ان روایات کے علم کو ان کے قائل کی طرف رد کر دیں گے۔ سرِ دست تو میں اس کتاب میں ان روایات کے دسویں کا دسواں حصہ بھی نہیں بیان کر سکتا اور نہ ان کی جمع کی صورت کا ذکر کر سکتا ہوں البتہ بعض روایتوں کو ذکر کروں گا تاکہ حقیقتِ حال معلوم ہو سکے۔

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے:

«کافي بِإسْنادِهِ عَنْ ابي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: شِيعَتُنا (هُم) الشّاحِبُونَ الذّابِلُونَ النّاحِلُونَ الَّذِينَ اِذا جَنَّهُمُ اللَّيْلُ اِسْتَقْبَلُوهُ بِحُزْنٍ.»[۲]

"ہمارے شیعہ وہ ہیں جو حزن و اندوہ والے ہیں شدتِ حزن و عبادت سے کمزور جسم والے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ اس کا استقبال حزن کے ساتھ کرتے ہیں۔" علاماتِ شیعہ کو بیان کرنے والی روایات بہت زیادہ ہیں۔

امام جعفر صادقؑ نے مفضل سے فرمایا:

«وَعَنْهُ، عَنِ الْمُفَضَّلِ قالَ قالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ: اِيّاكَ وَالسَّفْلَةَ؛ فَاِنَّما شِيعَةُ عَلِيٍّ، عَلَيْهِ السَّلامُ، مَنْ عَفَّ بَطْنُهُ وَفَرْجُهُ، وَاشْتَدَّ جِهادُهُ، وَعَمِلَ لِخالِقِهِ، وَرَجا ثَوابَهُ وَخافَ عِقابَهُ. فَاِذا رَاَيْتَ اُولئِكَ، فَاُولئِكَ شِيعَةُ جَعْفَرٍ.»[۳]

"پست قسم کے لوگوں سے بچو، حضرت علیؑ کے شیعہ وہی ہیں جن کے شکم و شرمگاہ حرام سے آلودہ نہ ہوں، جہاد میں شدید ہوں اپنے خالق کے لئے عمل کرتے ہوں اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوں، اس کے عقاب سے ڈرتا ہوں۔ اگر ایسے لوگوں کو دیکھو تو یہ حضرات جعفر (صادقؑ) کے شیعہ ہیں۔"

«وَعَنِ الْأَمَالِي، لِلْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ الطُّوسِيِّ، شَيْخِ الطَّائِفَةِ، رَحِمَهُ اللّٰهُ، بِإِسْنَادِهِ عَنِ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَنَّهُ قَالَ لِخَيْثَمَةَ: أَبْلِغْ شِيعَتَنَا (أَنَّا لَا نُغْنِي مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً. وَأَبْلِغْ شِيعَتَنَا أَنَّهُ لَا يُنَالُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ إِلَّا بِالْعَمَلِ. وَأَبْلِغْ شِيعَتَنَا) أَنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ وَصَفَ عَدْلاً ثُمَّ خَالَفَهُ إِلَى غَيْرِهِ. وَأَبْلِغْ شِيعَتَنَا أَنَّهُمْ إِذَا قَامُوا بِمَا أُمِرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.»[4]

شیخ الطائفہ طوسیؒ کی امالی میں امام رضاؑ کے واسطہ سے محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے خیثمہ سے فرمایا ہمارے شیعوں کو بتا دو ہم خدا سے بے نیاز نہیں بناتے (یعنی ہم پر بھروسہ کرکے عمل کو ترک نہ کر دینا) اور یہ بھی ہمارے شیعوں کو یہ خبر بھی دیدو کہ خدا کے پاس جو چیزیں ہیں وہ بغیر عمل نہیں مل سکتیں اور یہ بھی ہمارے شیعوں سے کہدو کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت و افسوس اس کو ہوگا جو عدل کی توصیف کرے اور اسکی (عملاً) مخالفت کرے اور یہ بھی خبر دیدو کہ اگر انھوں نے حکم خدا پر عمل کیا تو قیامت کے دن وہی کامیاب ہوں گے۔"

کافی میں امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

«كَافِي بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: لَا تَذْهَبْ بِكُمُ الْمَذَاهِبُ. فَوَاللّٰهِ، مَا شِيعَتُنَا إِلَّا مَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ.»[5]

"معصیت میں عذر تراشی نہ کرو اور باطل باتوں کی پیروی نہ کرو کہ ہم تو شیعہ ہیں اور یہی بات ہماری نجات کے لئے کافی ہے خدا کی قسم ہمارا شیعہ وہی ہے جو خدا کی اطاعت کرے۔"

«وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ جَابِرٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ لِي: يَا جَابِرُ أَيَكْتَفِي مَنْ يَنْتَحِلُ التَّشَيُّعَ أَنْ يَقُولَ بِحُبِّنَا أَهْلَ الْبَيْتِ؟ فَوَاللّٰهِ، مَا شِيعَتُنَا إِلَّا مَنْ

اَتْقَى اللّٰهَ وَاَطَاعَهُ. اِلٰی اَنْ قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْمَلُوا لِمَا عِنْدَاللّٰهِ، لَیْسَ بَیْنَ اللّٰهِ وَلَا بَیْنَ اَحَدٍ قِرَابَۃٌ، اَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَاَکْرَمُھُمْ عَلَیْهِ اَتْقَاھُمْ وَاَعْمَلُھُمْ بِطَاعَتِهٖ. یَا جَابِرُ وَاللّٰهِ، مَا یَتَقَرَّبُ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اِلَّا بِالطَّاعَةِ. مَا مَعَنَا بَرَاءَۃٌ مِنَ النَّارِ وَلَا عَلَی اللّٰهِ لِاَحَدٍ مِنْ حُجَّةٍ. مَنْ کَانَ لِلّٰهِ مُطِیعاً، فَھُوَلَنَا وَلِیٌّ؛ وَمَنْ کَانَ لِلّٰهِ عَاصِیاً، فَھُوَلَنَا عَدُوٌّ. وَمَا تَنَالُ وِلَایَتُنَا اِلَّا بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ. "[۲]

امام محمد باقرؑ نے جابر سے فرمایا: اے جابر جو لوگ اپنے کو شیعہ کہتے ہیں کیا صرف ہماری محبت کا قائل ہونا ان کے لئے کافی ہے؟ خدا کی قسم ہمارا شیعہ صرف وہی ہے جو تقوائے الٰہی رکھتا ہو اور خدا کی اطاعت کرتا ہو۔ یہاں تک کہ فرمایا: لہٰذا خدا سے ڈرو اور جو خدا کے پاس ہے اس کے لئے عمل کرو۔ خدا اور کسی کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے خدا کے نزدیک سب سے محبوب اور سب سے محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ اس کی اطاعت کرنے والا ہو۔ اے جابر خدا کی قسم خدا سے تقرب صرف اطاعت کے ذریعہ ہو سکتا ہے ہمارے پاس آتش جہنم سے برائت کی چھٹی نہیں ہے اور کسی کے پاس خدا کے خلاف کوئی حجت ہے جو خدا کا مطیع ہے اور ہمارا دوست ہے جو خدا کا نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن ہے اور ہماری ولایت کا حصول صرف عمل و تقویٰ ہی سے ہو سکتا ہے۔"

کافی میں ہے "اے شیعیانِ آلِ محمدؐ کی جماعت تم حد وسط میں رہو کہ غالی حضرات تمہاری طرف رجوع کریں اور تالی (پیچھے رہ جانے والے) تم سے ملحق ہو جائیں ایک انصار نے جس کا نام سعد تھا عرض کیا: "میں قربان جاؤں غالی کیا ہے؟ فرمایا: غالی ایک قوم ہے جو ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتی ہے جو ہم اپنے بارے میں نہیں کہتے نہ یہ لوگ ہم سے ہیں نہ ہم ان سے ہیں۔ سعد نے پھر پوچھا: تالی کیا ہے؟ فرمایا وہ شخص ہے جو طالب ہدایت ہے مگر اس کا راستہ نہیں جانتا وہ چاہتا ہے کہ اس کو خیر ملے اور وہ عمل کرے اس کے بعد امام شیعوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم ہمارے پاس خدا کی طرف سے برائت اور آزادی (کا پروانہ) نہیں ہے (یعنی اس کے عذاب سے بچانے کا پروانہ نہیں ہے) اور ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور نہ ہی ہم خدا پر کوئی حجت رکھتے ہیں۔ ہم بھی خدا سے تقرب

اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ تم میں سے جو خدا کا مطیع و فرمان بردار ہوگا ہماری ولایت و دوستی اسی کو فائدہ پہونچائے گی اور جو مطیع و فرمانبردار نہ ہوگا ہماری ولایت اس کو فائدہ نہ پہونچائے گی۔ تم پر وائے ہو مغرور نہ ہو، تم پر وائے ہو مغرور نہ ہو۔"

کافی ہی میں حضرت امام باقرؑ سے فرمایا: "رسولِ خدا نے کوہِ صفا پر کھڑے ہوکر فرمایا: اے اولادِ ہاشم، اے اولادِ عبد المطلب میں تمھارا رسولؐ ہوں۔ میں تم پر مہربان ہوں لیکن میرا عمل میرے لئے ہے اور تم میں سے ہر ایک کا عمل اس کے لئے ہے یہ نہ کہنا کہ محمدؐ ہم سے ہیں اور جہاں وہ داخل ہوں گے عنقریب ہم بھی وہیں داخل ہو جائیں گے نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہے، اے عبد المطلب کی اولاد تم میں اور دوسروں میں بھی میرا دوست وہی ہے جو متقی و پرہیزگار ہے۔ آگاہ ہو جاؤ اگر تم قیامت میں اپنی پیٹھ پر دنیا لادے ہوئے آئے اور دوسرے لوگ آخرت لادے ہوئے آئے تو میں تم کو نہیں پہچانوں گا۔"[۸]

جابر کی جو روایت گزر چکی اسی میں ہے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: اے جابر باطل آرا اور فاسد مذاہب تم کو دھوکہ نہ دیں کہ تم یہ گمان کر لو کہ صرف حضرت علیؑ کی محبت کافی ہے کیا اگر کوئی شخص کہے میں علیؑ کو دوست رکھتا ہوں اور دارِ کولایت علیؑ ہوں لیکن فعال نہ ہو اور کثرت سے عمل نہ کرتا ہو تو کیا یہ اس کے لئے کافی ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی کہے میں رسولؐ خدا کو دوست رکھتا ہوں (باوجود یہ کہ رسولؐ علیؑ سے بہتر ہیں) لیکن رسولؐ کی سیرت پر عمل نہ کرے ان کی سنت کی پیروی نہ کرے تو کیا آنحضرتؐ کی محبت سے اس کو کچھ نفع پہونچے گا۔"[۹]

طاؤس کی مشہور روایت ہے کہ انھوں نے سنا کسی طرف سے نالہ وزاری کی آواز آرہی ہے تھوڑی دیر کے بعد آواز رک گئی تضرع کرنے والا بے ہوش ہوگیا۔ جب یہ اس کے سرہانے پہونچے تو دیکھا امام زین العابدینؑ تھے۔ انھوں نے حضرتؑ کا سر اپنی گود میں رکھا اور کہنے لگے آپؑ تو فرزندِ رسولؐ ہیں جگر گوشۂ بتولؑ ہیں بہشت تو آپ کی ہی ہے۔ اس پر امام نے فرمایا: خدا نے جنت اس کے لئے پیدا کی ہے جو اس کا مطیع و فرمانبردار ہو خواہ غلام حبشی ہی ہو اور جہنم ان لوگوں کے لئے خلق کیا ہے جو نافرمان ہیں چاہے وہ سید قرشی ہوں (یا اولادِ قریش سے ہوں۔)

یہ وہ چند صریح و واضح حدیثیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ ہم اہلِ دنیا جو جھوٹی امید رکھتے ہیں وہ باطل و کاذب ہیں اور شیطانی خواہشات ہیں عقل و نقل کے مخالف ہیں۔ البتہ آیاتِ

قرآنی سے ان کی تائید ہوتی ہے۔

«کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِینَةٌ.»[11] وَمِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَی: «فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَرَهُ. وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَرَهُ.»[12] وَمِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَی: «لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ.»[13]

اس کے علاوہ دیگر آیات جو تقریباً قرآن کے ہر صفحہ پر موجود ہے اور اس میں تاویل وتصرف خلافِ ضرورت ہے۔

ان حدیثوں کے مقابلہ میں دوسری حدیثیں بھی ہیں وہ بھی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں لیکن نوعاً جمع عرفی صحیح رکھتی ہیں اور اگر جمع پسند نہ ہو اور تاویل کے بھی قائل نہ ہوں تو پھر یہ حدیثیں چونکہ ان تمام صحیح وصریح ومتواتر اور ظواہر قرآن ونصوص فرقان وعقلِ سلیم وضرورتِ مسلمین سے موید ہیں اس لئے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور لہٰذا ان کو ترک کرنا ہوگا مثلاً وہ حدیثیں یہ ہیں۔

«فَمِنْ ذٰلِکَ مَا رَوَاهُ ثِقَةُ الْاِسْلَامِ الْکُلَیْنِیّ بِاِسْنَادِهِ عَنْ یُوسُفَ بْنِ ثَابِتِ بْنِ اَبِي سَعِیدَةٍ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اَلْاِیمَانُ لَا یَضُرُّ مَعَهُ عَمَلٌ، وَکَذٰلِکَ الْکُفْرُ لَا یَنْفَعُ مَعَهُ عَمَلٌ.»[14]

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے ایمان کے ساتھ کوئی بھی عمل مُضر نہیں ہے جیسے کفر کے ساتھ کوئی عمل فائدہ مند نہیں ہے۔"

اسی مضمون کی چند اور احادیث وارد ہیں[15] علامہ مجلسیؒ نے اس قسم کی روایات کو حمل کیا ہے کہ یہاں ضرر سے مُراد دخول نار یا خلود فی النار ہے[16] اور اگر دخول نار مراد لیا جائے تو دیگر عذاب کے۔ مثلاً برزخ میں، مواقف قیامت میں منافی بھی نہیں ہے۔

مؤلف کتاب فرماتے ہیں: ان روایات کو اس بات پر حمل کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مطلب ہے ایمان دل کو اتنا منور کر دیتا ہے کہ بالفرض اگر کبھی انسان سے گناہ یا خطا ہو جائے تو اس نور اور ملکۂ ایمان کی وجہ سے انسان فوراً توبہ کر کے اس کا جبران کر لیتا ہے اور خدا و یوم آخر پر ایمان لانے والا اپنے اعمال کو روزِ حساب پر نہیں اٹھا رکھتا۔ پس ان روایات کا مطلب تمسک بہ ایمان اور بقا بایمان پر ابھارنا و آمادہ کرنا ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر جناب موسیٰ وخضر کی

وہ روایت ہے جو کافی میں مذکور ہے کہ جناب موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا: آپ کی فیضِ صحبت سے میں صاحب شرافت و حرمت ہو گیا لہٰذا آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیے تو جناب خضر نے کہا: ایسی چیز کے اختیار کی کوشش کرو جس سے تم کو ضرر نہ پہونچے چاہے اس کے غیر سے فائدہ (بھی) نہ پہونچے۔"[۱۷]

«وَمِنْ ذٰلِکَ مَا رَوَاهُ بِإِسْنَادِهِ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ الرَّيَّانِ بْنِ الصَّلْتِ، رَفَعَهُ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلاٰمُ، قَالَ كَانَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلاٰمُ، كَثِيراً مَا يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، دِينَكُمْ دِينَكُمْ فَإِنَّ السَّيِّئَةَ فِيهِ خَيْرٌ مِنَ الْحَسَنَةِ فِي غَيْرِهِ؛ وَالسَّيِّئَةُ فِيهِ تُغْفَرُ وَالْحَسَنَةُ فِي غَيْرِهِ لاٰتُقْبَلُ.»[۱۸]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "حضرت علیؑ اپنے خطبہ میں اکثر فرمایا کرتے تھے: لوگوں اپنے دین کی حفاظت کرو اس لئے کہ دین میں رہتے ہوئے گناہ کرنا بیدینی کے حسنہ سے اچھا ہے۔ دین میں رہتے ہوئے گناہ بخش دیا جائے گا لیکن غیر دین میں رہ کر اس کی نیکی بھی قبول نہ ہوگی۔"

یہ حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثیں مذہب حقّہ سے وابستگی پر ترغیب دلاتی ہیں اور اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنین اور دین حق کے پیرو حضرات کے گناہ بہر حال بخش دیئے جائیں گے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً.»[۱۹]

اسی لئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کے گناہ دوسروں کے نیکیوں سے بہتر ہیں کیونکہ وہ نیکیاں قبول نہ ہونگی۔ بلکہ شاید وہ حسنات جن میں ایمان و ولایت جیسے شرائط قبولیت نہ ہوں خود ان کے اندر ایسی ظلمت و تاریکی ہے جو مومنین کے گناہوں کی تاریکی سے کہیں زیادہ شدید و زیادہ ہے کیونکہ مومنین تو اپنے نور ایمان کی وجہ سے خوف و رجا کی حالت میں ہیں (جو ان کے یہاں مفقود ہے) مختصر یہ کہ اس حدیث کی دلالت اس بات پر بہر حال نہیں ہے کہ گنہگار اہلِ ایمان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور یہ مطلب واضح ہے۔

مشہور بین الفریقین ہے:

«حُبُّ عَلِيٍّ حَسَنَةٌ لاٰ يَضُرُّ مَعَهَا سَيِّئَةٌ، وَبُغْضُهُ سَيِّئَةٌ لاٰيَنْفَعُ مَعَهَا حَسَنَةٌ.»[۲۰]

"علیؑ کی محبت وہ نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں پہونچا سکتا اور علیؑ کی دشمنی

وہ گناہ ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں پہونچا سکتی۔"

یہ بھی انھیں حدیثوں کی ایک کڑی ہے جس کو ہم ایمان کے سلسلہ میں پہلے بیان کر چکے۔ اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو علامہ مجلسیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ ضرر سے مُراد یا دخولِ جہنم یا خلود نار ہے یعنی مولائے کائنات کی محبت وہ سرمایۂ ایمان اور اتمام و کمالِ ایمان ہے کہ جس کی وجہ سے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اس کو نصیب ہوگی اور وہ دوزخ سے نجات پا جائے گا۔ اور یہ مطلب "جیسا کہ میں نے عرض کیا" برزخ کے گوناگوں عذاب کے منافی نہیں ہے جیسا کہ خود حدیث میں بھی ہے تم اپنے برزخ کا انتظام کرو۔ ہم قیامت میں تمھاری شفاعت کریں گے۔[21]

اور یا پھر حدیث کا مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا ہے کہ مولا کی محبت دل میں وہ نورانیت اور ملکۂ ایمان پیدا کر دیتی ہے کہ آدمی گناہ سے بچنے لگتا ہے اور اگر کبھی مبتلا ہو گیا تو توبہ وانابت کے ذریعہ اس کی اصلاح کر لیتا ہے ایسا نہیں کرتا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے۔

قَالَ تَعَالَى: «وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلٰهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَاماً. يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَاناً. إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَحِيماً.»[22]

سورۂ فرقان کی اس آیت کے ذیل میں اچھی خاصی روایات اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ "جو لوگ خدا کا کوئی شریک نہیں قرار دیتے اور نہ ہی جس نفس کو خدا نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہے اسے قتل کرتے ہیں البتہ حق کی صورت میں (جیسے قصاص وغیرہ میں) قتل کرتے ہیں اور نہ ہی زنا کرتے ہیں" "وہ خدا کے خاص بندے ہیں۔" "مگر جو لوگ یہ سب کام کریں گے وہ اپنی پوری سزا پائیں گے اور قیامت میں ان پر دُگنا عذاب ہوگا اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ہاں اگر کوئی توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور عمل صالح بجالائے تو خدا اس کی برائیوں کو حسنات سے بدل دے گا اور خدا تو غفور و رحیم ہے ہی۔" اس آیت کے ضمن میں بہت سی روایات ہیں مگر میں صرف ایک کو بیان کرتا ہوں کیونکہ باقی سب معنیٰ و مضمون کے اعتبار سے قریب قریب ایک ہیں۔

«عَنِ الشَّيْخِ فِي أَمَالِيهِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ الثَّقَفِيِّ، قَالَ سَأَلْتُ

اَبا جَعفَرٍ، مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ، عَلَيهِمَا السَّلامُ، عَنْ قَولِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ: «فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئاتِهِمْ حَسَناتٍ وَ كانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَحِيماً.» فَقالَ، عَلَيْهِ السَّلامُ: يُؤْتىٰ بِالْمُؤْمِنِ الْمُذْنِبِ يَوْمَ الْقِيامَةِ حَتّٰى يُقامَ بِمَوْقِفِ الْحِسابِ؛ فَيَكُونُ اللّٰهُ تَعالىٰ هُوَالَّذِي يَتَوَلّٰى حِسابَهُ لاَ يُطْلِعُ عَلىٰ حِسابِهِ اَحَداً مِنَ النّاسِ؛ فَيُعَرِّفُهُ ذُنُوبَهُ حَتّٰى اِذا اَقَرَّ بِسَيِّئاتِهِ. قالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْكَتَبَةِ: بَدِّلُوها حَسَناتٍ وَاَظْهِرُوها لِلنّاسِ. فَيَقُولُ النّاسُ حِينَئِذٍ: ما كانَ لِهٰذا الْعَبْدِ سَيِّئَةٌ واحِدَةٌ ثُمَّ يَأْمُرُ اللّٰهُ بِهِ اِلَى الْجَنَّةِ. فَهٰذا تَأْوِيلُ الْآيَةِ. وَهِيَ فِي الْمُذْنِبِينَ مِنْ شِيعَتِنا خاصَّةً.»[۲۳]

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ سے قول خدا فاولئک یبدل اللہ سیئا تھم حسنات الخ کے بارے میں سوال کیا تو حضرتؑ نے فرمایا: گنہگار مومن کو قیامت کے دن موقف حساب میں لاکر کھڑا کیا جائے گا اور خود خدا اس کا حساب لے گا اس کے حساب پر کسی شخص کو مطلع نہیں کیا جائے گا۔ مومن اپنے گناہوں کو پہچان کر جب اقرار کرے گا تو خدا کاتبین سے کہے گا ان گناہوں کو نیکیوں سے بدل دو اور لوگوں کو دکھا دو اس وقت لوگ کہیں گے یہ ایسا بندہ ہے کہ اس کے ذمہ ایک بھی گناہ نہیں ہے پھر خدا اس کو جنت جانے کے لئے حکم دے دے گا۔ یہ ہے آیت کی تاویل اور یہ صرف ہمارے گنہگار شیعوں کے لئے مخصوص ہے۔

میں نے اس آیت کو پورا لکھا اور کلام کو اس لئے طول دیا کہ یہ اہم ہے۔ بہت سے ذاکرین عوام کو اس قسم کی روایات کا مطلب غلط سمجھاتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کو ربط آیت کے ذکر کے علاوہ کچھ اور نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے طول کلام کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ جو شخص بھی آیت کی ابتدا و انتہا کو غور سے پڑھے گا وہ سمجھ لے گا کہ ہر شخص مطلقاً اپنے اعمال میں گرفتار ہے اور اپنی برائیوں کے بارے میں جوابدہ ہے صرف جو شخص ایمان لائے اور توبہ کی اور عمل صالح بجالائے یہ تین باتیں جس میں جمع ہو گئیں و رستگار اور مورد الطاف پروردگار ہے اور خدا کے نزدیک محترم ہے اس کے سارے گناہ حسنات سے بدل جائیں گے۔ حضرت امام باقرؑ نے بھی یہی تاویل فرمائی ہے کہ ایسے ہی اشخاص کا موقف و حساب اس ترتیب سے ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ اور ان کی معصوم اولاد کی ولایت کے بغیر ایمان حاصل ہی نہیں ہو سکتا اسی لئے امامؑ نے فرمایا یہ صرف

شیعوں کے لئے ہے بلکہ خدا و رسولؐ پر ایمان بھی ولایت کے بغیر قبول نہ ہوگا جیسا کہ اس کے بعد والی فصل میں انشاء اللہ ذکر کیا جائے گا لہٰذا اس آیت اور ان روایات کو اولیاء میں شمار کرنا چاہیے۔ اس لئے اگر کوئی مومن ہے اور اپنے گناہوں کا جبران توبہ و عمل صالح سے نہیں کرتا تو اس آیت کا شمول نہیں ہوگا۔

لہٰذا میرے عزیز تم کو شیطان دھوکہ نہ دے، خواہشاتِ نفس کے چکر میں نہ پھنسو، سست اور کاہل انسان شہوتوں اور حبِّ دنیا و جاہ و مال میں مولف کی طرح گھرا ہوا ہمیشہ اپنی سستی کے لئے تاویلیں ڈھونڈھتا رہتا ہے جو چیز اس کے خواہش کے مطابق ہوتی ہے اور نفس کے مطابق ہوتی ہے اور شیطانی خیالات کی موید ہوتی ہے فوراً اس کو قبول کر لیتا ہے اور اس کے لئے آنکھ کان کھلی رکھتا ہے نہ اس کی حقیقت تلاش کرتا ہے نہ اس کے مقابلات و معارضات پر نظر کرتا ہے۔

بے چارہ محض دعوائے تشیع اور محبتِ اہل بیتؑ کی بنا پر ہر حرام کے ارتکاب کو جائز سمجھتا ہے اور نعوذ باللہ سمجھتا ہے کہ قلم تکلیف اس پر سے اٹھ گیا ہے۔ وہ بدبخت یہ نہیں سمجھتا کہ شیطان اس کو دھوکہ دے رہا ہے اور آخری عمر میں یہ بھی خطرہ ہے کہ بے مغز و بے فائدہ محبت بھی کہیں اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور وہ خالی ہاتھ رہ جائے اور نواصب کی صف میں محشور ہو کیونکہ جس کے پاس دلیل نہ ہو اس کے محبت کا دعویٰ قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ میں اگر آپ کا مخلص ہوں اور آپ سے محبت کرتا ہوں تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کے تمام مقصد کے خلاف اقدام کروں۔ درختِ محبت کا ثمرہ و نتیجہ یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کرے اور اگر یہ ثمرہ نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ محبت ہی نہیں تھی صرف خیال محبت تھا۔

دیکھئے رسولِ اکرمؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ مکرم تمام عمر احکام و اخلاق و عقائد کے نشر میں مشغول رہے ان کا یگانہ مقصد نشر احکامِ خدا، اصلاح بشر تھا اور اس مقصد کے لئے ہر قتل و غارت، ذلت و اہانت کو برداشت کیا مگر اپنے کام سے باز نہیں آئے۔

لہٰذا ان حضرات کا محب و شیعہ وہی ہے جو ان کے مقاصد میں شریک ہو اور ان کے آثار و اخبار کی پیروی کرے اور روایات میں ایمان کے مقدمات میں جو زبانی اقرار اور عمل بالارکان کو شمار کیا گیا ہے یہ ایک فطری راز اور سنت اللہ ہے چونکہ حقیقتِ ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں اور عاشق کی فطرت میں اظہارِ عشق اور شانِ معشوق میں تغزل لازم ہے۔ اسی طرح ایمان و محبتِ

خدا کے لوازم میں سے عمل کرنا بھی ہے اگر کوئی عمل نہیں کرتا تو مومن نہیں ہے اور محبت بھی نہیں رکھتا اور (بے عمل) والا ایمان تھوڑے سے حوادث و فشار سے ختم ہو جاتا ہے اور انسان خالی ہاتھ جزائے اعمال کے لئے وارد ہوتا ہے۔

دوسری فصل

محبت اہلبیت قبولیت اعمال کی شرط ہے

حدیث کے آخر میں جو ہے کہ قبولیت اعمال کی شرط ولایت ہے یہ بات مسلّمات بلکہ مذہب شیعہ کے ضروریات میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں اتنی روایات ہیں جو اس مختصر کتاب میں نہیں بیان کی جا سکتیں اور وہ حد تواتر سے زیادہ ہیں میں تبرّکاً بعض کا ذکر کرتا ہوں۔

«عَنِ الْكافِي بِإسْنادِهِ عَنْ أبِي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: ذِرْوَةُ الْأمْرِ وَسَنامُهُ وَمِفْتاحُهُ وَبابُ الْأشْياءِ وَرِضَى الرَّحْمنِ الطّاعَةُ لِلْإمامِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ... أما لَوْ أنَّ رَجُلاً قامَ لَيْلَهُ وَصامَ نَهارَهُ وَتَصَدَّقَ بِجَمِيعِ مالِهِ وَحَجَّ جَمِيعَ دَهْرِهِ وَلَمْ يَعْرِفْ وَلايَةَ وَلِيِّ اللّٰهِ فَيُوالِيَهُ وَيَكُونَ جَمِيعُ أعْمالِهِ بِدَلالَتِهِ إلَيْهِ، ما كانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ حَقٌّ فِي ثَوابِهِ وَلا كانَ مِنْ أهْلِ الْإيمانِ.»[۲۴]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: خدا کی رضامندی، اشیا کا دروازہ ہر چیز کی حقیقت اور اس کا مغز اور اس کی بلندی اور اس کی مفتاح خدا کی معرفت کے بعد امامؑ کی معرفت ہے۔ آگاہ ہو جاؤ اگر کوئی شخص دنوں کو روزہ رکھے راتوں کو جاگ کر عبادت کرے، اپنا پورا مال صدقہ کر دے، زندگی بھر حج کرے مگر ولی خدا کی معرفت نہ رکھتا ہو کہ اس سے محبت کرتا اور اس کے حکم کے مطابق تمام اعمال بجا لاتا تو خدا کے نزدیک اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے اور نہ وہ اہل ایمان سے ہے۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

«وَبِإسْنادِهِ عَنْ أبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ: مَنْ لَمْ يَأْتِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ

الْقِيامَةِ بِما اَنْتُمْ عَلَيْهِ، لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنْهُ حَسَنَةٌ وَلَمْ يُتَجاوَزْ لَهُ سَيِّئَةٌ.» [25]

"جو شخص تم لوگوں کا عقیدہ لے کر قیامت میں نہ آیا نہ اس کی کوئی نیکی قبول ہوگی نہ کوئی گناہ بخشا جائے گا۔"

«وَبِاِسْنادِهِ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلامُ، فِي حَدِيثٍ قالَ: وَاللّٰهِ، لَوْ اَنَّ اِبْلِيسَ، لَعَنَهُ اللّٰهُ، سَجَدَلِلّٰهِ بَعْدَالْمَعْصِيَةِ وَالتَّكَبُّرِ عُمْرَ الدُّنْيا، ما نَفَعَهُ ذٰلِكَ وَلاَقَبِلَهُ اللّٰهُ ما لَمْ يَسْجُدْ لِآدَمَ كَما اَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَسْجُدَلَهُ؛ وَكَذٰلِكَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ الْعاصِيَةُ الْمَفْتُونَةُ بَعْدَتَرْكِهِمُ الْاِمامَ الَّذِي نَصَبَهُ نَبِيُّهُمْ لَهُمْ، فَلَنْ يَقْبَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَمَلاً وَلَنْ يَرْفَعَ لَهُمْ حَسَنَةً حَتّٰى يَأْتُوا اللّٰهَ مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ وَيَتَوَلَّوُا الْاِمامَ الَّذِي اَمَرَهُمُ اللّٰهُ بِوِلايَتِهِ وَيَدْخُلُوا مِنَ الْبابِ الَّذِي فَتَحَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ لَهُمْ...» [26]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "خدا کی قسم اگر ابلیس لعین تکبر کے بعد دُنیا کی عمر کے برابر خدا کا سجدہ کرتا رہتا تو اس کے لئے نہ وہ فائدہ مند ہوتا نہ خدا قبول کرتا جب تک وہ حکمِ خدا کے مطابق آدمؑ کو سجدہ نہ کر لیتا۔ اسی طرح یہ اُمت گنہگار اپنے اس امام کو ترک کرنے کے بعد جس کو نبیؐ نے ان کے لئے معین کیا تھا ایسی ہو گئی ہے کہ جب تک اس امام کی ولایت کو تسلیم نہیں کرے گی جس کی ولایت کا خدا نے حکم دیا ہے اور جب تک اس دروازے سے نہ داخل ہوگی جس کو خدا نے اور رسولؐ نے اس لئے کھولا ہے اور جب تک وہاں نہ آئے گی جہاں آنے کا حکم دیا گیا ہے نہ خدا اس کے اعمال قبول کرے گا اور نہ اس کی نیکیاں بلند کرے گا۔"

اس باب میں اور اس مضمون کی روایات بہت زیادہ ہیں اور تمام روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اعمال کا قبول ہونا مشروط بہ ولایت ہے۔ بلکہ ایمان باللہ و نبوت رسولؐ خدا کی قبولیت کے لئے بھی شرط ہے لیکن اعمال کے صحیح ہونے کے لئے مشروط ہونا، جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے "یہ معلوم نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ شرط نہیں ہے جیسا کہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے جیسے وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو سُنّی شیعہ ہو جائے اس پر زکوٰۃ کے علاوہ کسی بھی گزشتہ عمل کی قضا واجب نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی قضا تو اس لئے ہے کہ گمراہی کے زمانہ میں نا اہل کو دیدیا تھا۔ دیگر اعمال کی قضا نہ کرے خدا اجر دیدے گا۔"[27] اور دوسری روایت میں ہے کہ دیگر اعمال جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ یہ تم کو مل جائے گا۔ لیکن زکوٰۃ چونکہ نا اہل کو دیا ہے لہٰذا

اس کو اس کی جگہ دینا ہوگا۔[28]

بعض روایات میں ہے تمام اعمال جمعرات کے دن رسولِؐ خدا کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور روزِ عرفہ خدا ان کی طرف توجہ دیتا ہے اور سب کو ھباءً منثورا بنا دیتا ہے۔ پوچھا گیا: کن لوگوں کے اعمال ھباءً منثور قرار دیئے جاتے ہیں؟ فرمایا: ہمارے اور ہمارے شیعوں کے دشمنوں کے اعمال۔ پس یہ روایت صحت پر دلالت کرتی ہے لیکن بتاتی ہے قبول نہیں ہوں گے جیسا کہ واضح ہے۔ بہر صورت یہ بحث ہمارے وظیفہ سے خارج ہے۔

«وَالْحَمْدُلِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً.»

تینیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۴۳، کتاب ایمان وکفر، باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۵، بعض نسخوں میں وان زنوا و سرقوا و شربو آیا ہے۔

۲۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۲۳، کتاب ایمان وکفر، باب المومن وعلاماتہ حدیث ۷۔

۳۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۲۲۳، کتاب ایمان وکفر، باب المومن وعلاماتہ حدیث ۹۔

۴۔ امالی، ص ۲۸۰، جز ۱۲۔

۵۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۷۳، کتاب ایمان وکفر، باب الطاعۃ والتقویٰ حدیث ۱۔

۶۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۷۴، کتاب ایمان وکفر، باب الطاعۃ والتقویٰ حدیث ۳۔

۷۔ اصولِ کافی جلد ۲ ص ۷۵، کتاب ایمان وکفر، باب الطاعۃ والتقویٰ حدیث ۶، متن اربعین میں یوجر علیہ کا مفہوم نقل ہوا۔

۸۔ روضۃ کافی جلد ۸، ص ۱۸۲، حدیث ۲۰۵۔

۹۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۷۴، کتاب ایمان وکفر، باب الطاعۃ والتقویٰ، حدیث ۳۔

۱۰۔ بحار جلد ۴۶ ص ۸۱-۸۲، تاریخ علیؑ ابن الحسینؑ، باب ۵، حدیث ۷۵۔

۱۱۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ گرو ہے پ ۲۹۔ سورہ ۷۴ (مدثر) آیت ۳۸۔

۱۲۔ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اسکی جزا کو دیکھے گا اور جو ذرا برابر بدی کریگا وہ اس کی سزا کو دیکھیگا سورہ زلزال آیت ۷-۸)

جو برائی کرے گا اس کا نقصان اس کو پہونچیگا، سورہ بقرہ آیت ۲۸۶۔

۱۳۔ جو نیکی کریگا اس کا فائدہ اسکو ملے گا اور جو برائی کرے گا اس کا نقصان اس کو پہونچے گا۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۸۶)

۱۴۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۶۴، کتاب ایمان وکفر باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۴۔
۱۵۔ حوالہ سابق حدیث ۳،۵،۶۔
۱۶۔ مرآۃ العقول جلد ۱۱ ص ۳۹۶، کتاب ایمان وکفر باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۲۔
۱۷۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۶۴، کتاب ایمان وکفر، باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۲۔
۱۸۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۴۶۴، کتاب ایمان وکفر، باب ان الایمان لایضر معہ سیئۃ حدیث ۶۔
۱۹۔ یقیناً خدا تمام گناہوں کو بخشتا ہے (سورۂ زمر آیت ۵۳)
۲۰۔ مناقب، جلد ۲، ص ۱۹۷۔
۲۱۔ حدیث ۴، توضیح ۲۲۔
۲۲۔ سورۂ فرقان آیت ۶۸۔۷۰۔
۲۳۔ امالی ص ۷۰، جزء سوم۔
۲۴۔ اصولِ کافی جلد ۲، ص ۱۹، کتاب ایمان وکفر، باب دعائم الاسلام، حدیث پنجم کا تھوڑا سا حصہ۔
۲۵۔ وسائل جلد ۱، ص ۹۱، کتاب الطہارۃ، باب ۲۹، از ابواب مقدمۃ العبادات، حدیث ۲۔
۲۶۔ حوالہ سابق، ص ۹۲، حدیث ۵۔
۲۷۔ وسائل جلد ۱، ص ۹۷، کتاب الطہارۃ، باب ۳۱، از ابواب مقدمۃ العبادات، حدیث ۱۔
۲۸۔ وسائل جلد ۱، ص ۹۷، کتاب الطہارۃ، باب ۳۱، از ابواب مقدمۃ العبادات، حدیث ۱۔
۲۹۔ بحار جلد ۲۳، ص ۳۴۷، کتاب الامامۃ، باب ۲۰، حدیث ۲۷۔

چونتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلى ثِقَةِ الْاِسْلامِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنيِّ، قُدِّسَ سِرُّهُ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحابِنا، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خالِدٍ، عَنْ اِسْماعيلَ بْنِ مِهْرانَ، عَنْ اَبي سَعيدٍ الْقَمّاطِ، عَنْ اَبانِ بْنِ تَغْلِبَ، عَنْ اَبي جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، قالَ لَمّا اُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، قالَ: يا رَبِّ، ما حالُ الْمُؤْمِنِ عِنْدَكَ؟ قالَ: يا مُحَمَّدُ مَنْ اَهانَ لي وَلِيّاً، فَقَدْ بارَزَني بِالْمُحارَبَةِ، وَاَنا اَسْرَعُ شَيْءٍ اِلى نُصْرَةِ اَوْلِيائي؛ وَما تَرَدَّدْتُ في شَيْءٍ اَنا فاعِلُهُ كَتَرَدُّدي في وَفاةِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَكْرَهُ مَساءَتَهُ. وَاِنَّ مِنْ عِبادِيَ الْمُؤْمِنينَ مَنْ لا (يُصْلِحُهُ) اِلَّا الْغِنى؛ وَلَوْ صَرَفْتُهُ اِلى غَيْرِ ذٰلِكَ لَهَلَكَ. وَاِنَّ مِنْ عِبادِيَ الْمُؤْمِنينَ مَنْ لا (يُصْلِحُهُ) اِلَّا الْفَقْرُ وَلَوْ صَرَفْتُهُ اِلى غَيْرِ ذٰلِكَ لَهَلَكَ. وَما يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ عَبْدٌ مِنْ عِبادي بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ. وَ اِنَّهُ لَيَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنّافِلَةِ حَتّى اُحِبَّهُ فَاِذا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ اِذاً سَمْعَهُ الَّذي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ

الَّذي يُبْصِرُ بِهِ وَلِسانُهُ الَّذي يَنْطِقُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتي يَبْطِشُ بِها؛ اِنْ دَعاني اَجَبْتُهُ، وَاِنْ سَاَلَني اَعْطَيْتُهُ.»[1]

ترجمہ: حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: جب رسولؐ خدا کو شب معراج ساحت قدس تک لے گئے تو آپؐ نے عرض فرمایا: خدایا مومن کی قدر و منزلت تیرے نزدیک کیا ہے؟ جواب آیا: اے محمدؐ جو میری وجہ سے کسی دوست کی توہین کرے وہ مجھ سے جنگ کے لئے آمادہ ہوگیا ہے اور میں ہر چیز سے زیادہ جلدی دوستوں کی مدد کرتا ہوں۔ میں جو بھی کام کرتا ہوں اس میں کبھی اس طرح مردد نہیں ہوتا جس طرح اس مومن کی موت میں مردد ہوتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہو اور میں اس کو تکلیف پہونچانے کو ناپسند کرتا ہوں۔ میرے بندوں میں بعض ایسے ہیں جن کی اصلاح مالداری کے علاوہ کچھ نہیں ہے اگر میں اس کو کسی اور طرف موڑ دوں تو وہ ہلاک ہو جائے۔ (اسی طرح) بعض بندوں کی اصلاح ان کو فقیر رکھنے میں ہے اگر اس کو کسی اور طرف موڑ دوں تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ میرے بندوں میں سے جو بندہ مجھ سے قربت حاصل کرنا چاہے تو میرے نزدیک جو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ ہے کہ فرائض کے ذریعہ مجھ سے قربت حاصل کرے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ بھی تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اسے محبوب رکھنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی وہ زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اگر وہ مجھے پکارتا ہے تو جواب دیتا ہوں اور اگر سوال کرتا ہے تو عطا کرتا ہوں۔"

شرح: اُسْرِیَ فعل مجہول ہے اس کے معنی رات کو سفر کرانا ہیں۔ جوہری نے کہا ہے: «سَرَیْتُ سُریً وَمَسْریً. وَاَسْرَیْتُ بِمَعْنیٰ اِذا سِرْتَ لَیْلاً. وَبِالْاَلِفِ، لُغَةُ اَهْلِ الْحِجازِ» اس وقت بولا جاتا ہے جب تم رات کو سفر کرو اور الف کے ساتھ اہل حجاز کی لغت ہے۔ انتھیٰ

اس بنا پر رات کے سفر کو "اسرائ" کہیں گے تو پھر آیت معراج سُبْحانَ الَّذي اَسْریٰ بِعَبْدِهِ لَیْلاً میں لَیلاً کی قید لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نکرہ ہونا اس بات پر

دلالت کرے کہ اسراء کی موت بہت کم تھی جبکہ مسجد الحرام اور مسجدِ اقصیٰ کا فاصلہ چالیس رات کا ہے۔ جیساکہ شیخ بہائی نے فرمایا ہے [3] اور یا پھر اسی مطلب کے لئے مبنی بر تجرید ہے اور اور اسری بالنبی حذف کر دیا گیا ہے اور باقی متعلقات بھی معہود ہونے کی وجہ سے محذوف ہیں یعنی اسری بہ الی مقام القرب۔

«قَوْلُهُ: مَا حَالُ الْمُؤْمِنِ؟» یعنی مومن کی کیا قدر و منزلت تیرے نزدیک کیا ہے؟

«قَوْلُهُ: مَنْ اَهَانَ لِي وَلِيّاً اَهَانَهُ، اَيْ اِسْتَخَفَّ بِهِ وَاسْتَهَانَ بِهِ وَتَهَاوَنَ بِهِ، اَيْ اِسْتَحْقَرَهُ. يُقَالُ: رَجُلٌ فِيهِ مَهَانَةٌ. اَيْ ذُلٌّ وَضَعْفٌ.» [4]

اھان کے معنیٰ اس کو ذلیل و حقیر کرنا (یا) یا ذلیل و حقیر شمار کرنا اسی سے ہے استھان بہ یعنی اس کو حقیر سمجھنا۔ بولا جاتا ہے۔ رجل فیہ مھانۃ یعنی وہ ذلیل و کمزور ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس کا مطلب ذلیل و خوار، حقیر سمجھنا ہے اور بظاہر ظرف فعل یعنی اہان کے متعلق ہے اس وقت ترجمہ یہ ہوگا کہ جو مومن کی اہانت اس کے ایمان بر خدا اور خدا کی وجہ سے کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولیاً سے متعلق ہو تو پھر اس وقت ترجمہ یہ ہوگا جو میرے ولی اور دوست کی اہانت کرے چاہے جس وجہ سے بھی ہو اور ولی کا مطلب دوست و محبّ کے ہوں گے۔

قَوْلُهُ: «بَارَزَنِي بَرَزَ الرَّجُلُ يَبْرُزُ بُرُوزاً، اَيْ خَرَجَ.» کا مطلب خروج کرنا ہے اور یہاں پر محاربۃ و مبارزہ اور جنگ کے لئے نکلنا مراد ہے یا اس کا اظہار مراد ہے۔

قولہ مساءتہ: یہ "ساءۃ" کا مصدر میمی ہے جس کے معنیٰ کراہت لانے کے ہیں۔

قَوْلُهُ: «اِنَّ مِنْ عِبَادِي مَنْ لَا يُصْلِحُهُ اِلَّا الْغِنَى» محقق شیخ بہائیؒ فرماتے ہیں: نحوی قاعدہ سے (مَنْ لا یصلحہ) یعنی موصول کو مبتدا اور (مِنْ عبادی) یعنی جاء مجرور کو خبر ہونی چاہئے اس وقت ترجمہ یہ ہوگا کہ خدا خبر دے رہا ہے کہ بعض وہ لوگ جن کی اصلاح فقر کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں کر سکتی وہ میرے بعض بندے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد اس کے برعکس ہے (یعنی میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کی اصلاح فقر ہی پر موقوف ہے) لہٰذا بہتر ہے کہ ظرف کو اسم قرار دیں اور موصول کو خبر اور یہ بات اور اگرچہ خلاف متعارف ہے مگر بےنظیر نہیں ہے جیسے کہ بعض علما نے «وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا...» میں یہی احتمال دیا ہے۔ [5] انتھی کلامہ [6]

قولِ امام خمینیؒ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے مقامات میں مبتدا محذوف ہو اور جار حذف پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں نحوی قاعدے کی بھی مخالفت نہ ہو گی اور صاحبِ کشاف سے نقل کیا گیا ہے کہ جار مجرور کو مبتدا کی تاویل میں قرار دیں گے۔ اس بنا پر کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

یہاں پر ایک سوال کی گنجائش تھی کہ جو لوگ نظام اتم اور قضائے کامن الٰہی سے ناواقف ہیں وہ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب بندۂ خدا کی پیش پروردگار اتنی عظمت ہے تو وہ فقر و ہلاکت میں کیوں مبتلا ہے۔ اگر دُنیا کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے تو بعض اتنے دولت مند اور بعض اتنے غریب کیوں ہیں؟ اس پیدا ہونے والے احتمالی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے: میرے بندوں کے حالات اور ان کے دلوں کے حالات مختلف ہیں بعض کا علاج فقر کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں اس لئے اس کی اصلاح حال کی خاطر اس کو فقیر بنا دیا گیا اور بعض کی اصلاح بے نیازی اور ثروت پر موقوف تھی اس لئے ان کو مال دار بنایا گیا اور یہ دونوں باتیں مومن کی کرامت اور خدا کے نزدیک اس کی قدر و منزلت ہیں۔

قَوْلُهُ: «وَمَا يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ عَبْدٌ مِنْ عِبَادِي...» یہ جملہ اور اس کے بعد والے جملہ کا ذکر کامل ترین مومنین کے تقرب کا بیان ہے گویا اوّل حدیث سے کہ جب رسولِ خداؐ سے مومنین کا حال بیان کیا گیا اس کی اس طرح ابتدا اور اختتام ہوتا ہے کہ پہلے اجمالاً مطلق مومنین کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ جو ان کی اہانت کرے گا اس نے مجھ سے جنگ چھیڑ دی اس کے بعد مومنین کی دو قسمیں کر دی جاتی ہیں بلکہ اہلِ معرفت کے حساب سے تین قسمیں کی جاتی ہیں۔

۱:۔ عامہ مومنین:۔ یہ «مَا تَرَدَّدْتُ فِي أَمْرٍ» سے شروع ہو کر «مَا يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ» تک عام مومنین سے متعلق ہے۔ عام مومنین ہی موت سے کراہت کرتے ہیں اور فقر و مالداری انھیں کے دلوں میں تغیر پیدا کرتی ہے یہ دونوں کامل ترین مومنین میں نہیں پائی جاتیں بلکہ عام اہلِ ایمان میں پائی جاتی ہیں۔ اس مطلب کے بعد اب ظاہر حدیث پر نہ کوئی اشکال ہے اور نہ یہ ان حدیثوں کے منافی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے: مومن خالص موت سے کراہت نہیں کرتا اور نہ اس جواب کی ضرورت ہے جس کو علامہ شیخ بہائیؒ نے شیخ شہیدؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اگر آپ کا جی چاہے تو شیخ بہائیؒ کی اربعین ملاحظہ فرمائیے۔[۹]

۲:۔ «مَا يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ عَبْدٌ» سے آخر حدیث تک کامل ترین مومنین سے متعلق ہے۔

لیکن اہلِ معرفت کے نزدیک یہ سب فقرے دو گروہوں سے مربوط ہیں۔

۱۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو فریضہ کے ذریعہ خدا سے قریب ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو نافلہ[1] کے ذریعہ تقرب حاصل کرتا ہے اور حدیث کے ذیل میں انھیں کے مقام کی طرف اشارہ ہے اور اُن کے تقرب کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ اجمالاً دونوں مقامات کی طرف اشارہ کریں گے۔

قولہ یَبْطِشُ: جوہری کا کہنا ہے «اَلْبَطْشَةُ، اَلسَّطْوَةُ وَالْاَخْذُ بِالْعُنْفِ. وَقَدْ بَطَشَ بِهٖ يَبْطُشُ وَيَبْطِشُ بَطْشاً.» لیکن یہاں پر مطلق گرفت مُراد ہے بلکہ ظاہراً استعمال بھی شاید مطلق ہی میں ہے۔

شیخ محقق بہائیؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ ان حدیثوں میں ہے جو عامہ و خاصہ میں مشہور ہے تھوڑی سی کمی کے ساتھ عامہ نے اس حدیث کو اپنی صحاح میں نقل کیا ہے اس کے بعد علامہ بہائیؒ نے عامہ کی صحاح سے اس حدیث کو تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور کتاب اربعین کے حاشیہ پر فرمایا ہے: اس حدیث کی سند میں جو لوگ ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک علی ابن ابراہیم کبھی ہیں اور اسی اعتبار سے یہ روایت صحیح ہے اور عامہ نے اس حدیث کو صحیح طریقہ سے نقل کیا ہے۔ اہلِ اسلام کے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ اور مشہور حدیثوں میں سے ہے۔ انتھیٰ۔

پہلی فصل

خدا کی تردید کے لئے توجیہات

اس سے پہلے بعض حدیثوں کی شرح میں ہم نے اہانت مومنین کی توضیح کر دی ہے۔ لہٰذا یہاں تکرار نہیں کریں گے البتہ بعض دوسرے جملوں کی تشریح کروں گا۔

اس حدیث کے اندر جو خدا کی طرف تردد کی نسبت دی گئی ہے (یا) اسی طرح بعض

---

[1] شیخ بہائیؒ نے فرمایا ہے کہ نوافل تمام وہ غیر واجب اعمال ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لئے بجالائے جاتے ہیں۔ نوافل کا صرف نماز کے ساتھ اختصاص بعد کی اصطلاح ہے۔ منہ عفی عنہ، ص ۴۹۰

دیگر امور جو صحیح حدیثوں میں بلکہ قرآن میں مذکور ہیں (مثلاً) بداء، امتحان وغیرہ جو خدا کی طرف منسوب ہیں اس میں علما کی رایوں میں اختلاف ہوا ہے اور ہر ایک نے اپنے مسلک و مذہب کے اعتبار سے اس کی توجیہ و تاویل کی ہے اور شیخ بہائیؒ نے اپنی کتاب اربعین میں اس کی تین توجیہ بیان کی ہے جس کی طرف میں مختصراً اشارہ کرتا ہوں۔

۱۔ کلام میں اضمار ہے یعنی اس طرح ہے اگر میرے لئے تردد جائز ہو۔

۲۔ لوگ چونکہ اس کا احترام کرتے ہیں اس کے ساتھ اساءت ادب میں متردد ہوتے ہیں اور دوسرے کے بارے میں تردد نہیں کرتے اس لئے ہو سکتا ہے بطور استعارہ احترام کے بدلہ میں تردد کا استعمال کیا ہو اور مقصد یہ ہو کہ مومن کی طرح کوئی بھی مخلوق ہماری نظر میں قدر و احترام نہیں رکھتی۔

۳۔ خداوند عالم۔ جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔ مرتے وقت بندۂ مومن کے لئے بشارت اور نعمتوں کا اظہار کرتا ہے تاکہ موت سے اس کی کراہت زائل ہو جائے اور دار قرار کی طرف اس کی رغبت پیدا ہو جائے۔ پس اس حالت کی تشبیہ اس شخص کی حالت سے فرمائی ہے جو اپنے دوست کو تکلیف پہونچانے کا ارادہ رکھتا ہے صرف اس لئے کہ اس کے بعد اس دوست کے لئے عظیم فائدہ ہے اور وہ شخص اس بات میں تردد کرنے لگے کہ اپنے دوست کو کس طرح ایسے رنج پر آمادہ کرے جس میں اس کو تکلیف و اذیت کم ہو۔ اس لئے ہمیشہ ترغیب دینے والی چیزوں کا اظہار کرتا ہے تاکہ وہ اس کو قبول کرے۔ انتہیٰ ۱۲

عرفانی توجیہ

لیکن حکما اور عرفا کا طریقہ اس سلسلہ میں اور اس جیسے دیگر ابواب میں دوسرا ہے۔ لیکن چونکہ وہ طریقہ ذہنوں سے بہت دور ہے اس لئے اس کے اطراف کی تفصیل بیان نہ کروں گا اور نہ اس کے مقدمات کا ذکر کروں گا صرف اس چیز کا ذکر کروں گا جو کسی حد تک اعتبار کے قریب اور ذوق کے موافق ہو۔

یہ بات جان لینی چاہئے کہ تمام مراتب وجود۔ اوج ملکوت کی غایت اور جبروت کی چوٹی کی انتہا سے عالم ظلمات و ہیولیٰ کے منتہائے نہایات تک سب کے سب جمال و جلال حق

کے مظاہر اور تجلیاتِ ربوبیت کے مراتب ہیں۔ کسی بھی موجود کو ذاتی استقلال نہیں ہے۔ محض ذات حق علی الاطلاق سے ایک ربط و تعلق اور عین فقر و احتیاج ہے اور یہ سب بلا استثنا امر حق کے تابع اور حکم الٰہی کے مطیع ہیں اور اس مطلب کی طرف متعدد آیاتِ قرآنی میں ارشاد موجود ہے مثلاً ارشادِ خدا ہے۔ قَالَ تَعَالٰی: «وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى.» [13] "اے رسولؐ! جب تم نے تیر مارا تو تم نے کچھ نہیں مارا بلکہ خود خدا نے تیر مارا۔" یہ اثبات و نفی مقام "امر بین الامرین" کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اے رسولؐ آپ نے کنکریاں پھینکیں۔ لیکن در عین حال بطور استقلال و انانیت آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں، بلکہ قدرتِ حق کا ظہور آپ کے آئینہ میں اور نفوذ قدرتِ الٰہی رسولؐ اسلام کے ملک و ملکوت میں واقع ہوئی ہے۔ پس اے رسولؐ آپؐ تیر پھینکنے والے ہیں اور عین اسی حال میں خدا تیر کا پھینکنے والا ہے اور اس کی مثال وہ آیاتِ شریفہ ہیں جو سورۂ کہف میں جناب موسیٰ و خضر کے قصہ میں مذکور ہیں جس میں جناب خضر نے اپنے اعمال کے اسرار کو بیان فرمایا ہے ایک جگہ پر (کشتی میں) نقص پیدا کر دینے کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور دوسری جگہ جو موردِ کمال تھی اس کی نسبت خدا کی طرف دی ہے اور تیسری جگہ دونوں نسبت کو ثابت کیا ہے ایک جگہ فرمایا اردت (میں نے ارادہ کیا) اور دوسری جگہ فرمایا اَرَادَ رَبُّکَ (تمھارے رب نے ارادہ کیا) تیسری جگہ ارشاد فرمایا: اَرَدْنَا (ہم سب نے ارادہ کیا) اور یہ سب صحیح ہے۔[14]

اسی طرح ہے «اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا.» [15] خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں (اپنی طرف) کھینچ لاتا ہے حالانکہ ملک الموت نفوس کی وفات پر موکل ہیں۔ (اسی طرح) خدا نے ہدایت و گمراہی کی نسبت اپنی طرف دی مثلاً «يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ» [16] "خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔" حالانکہ جبرئیلؑ ہادی ہیں اور رسولؐ اکرم ہادی ہیں «اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ.» [17] "اے رسولؐ تم تو صرف (خوفِ خدا سے) ڈرانے والے ہو اور ہر قوم (کے لئے) ایک ہدایت کرنے والا ہے اور شیطان گمراہ کرنے والا ہے۔" اسی طرح نفخۂ الٰہیہ عین نفخۂ اسرافیل ہے۔

ایک اعتبار سے اسرافیلؑ و عزرائیلؑ و جبرئیلؑ و محمدؐ و تمام انبیا و تمام دار تحقق یہ ہیں کیا کہ مُلکِ مَلکِ علی الاطلاق اور خدا کے ارادۂ نافذہ کے مقابلہ میں کسی چیز کی نسبت دی جائے؟ (یہ سب) تمام مظاہرِ قدرت اور ارادۂ حق ہیں «هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ

اِلٰہٌ.»[18] "وہی زمین میں بھی خدا ہے اور آسمان میں بھی خدا ہے۔"

اور ایک اعتبار سے یعنی نظرِ کثرت اور اسباب و مسببات کو دیکھتے ہوئے تمام اسباب اپنی جگہ پر درست و نظامِ اتم میں ایک نظم و ترتیب کے ساتھ، ترتب مسببات بر اسباب کے ساتھ ان کا ارادہ ہوتا رہتا ہے کہ اگر ایک معمولی سے سبب یا واسطہ کو اس کے کام سے روک دیا جائے تو آسمان دائرہ وجود کی گردش رک جائے گی اور معین واسطوں کے ذریعہ اگر حادث کا ثابت سے ربط نہ رہے تو فیضِ الٰہی و رحمتِ خدا ٹھہر جائے اور اگر کوئی شخص معین مقدمات و مبانی کے ساتھ اور اپنی جگہ پر خصوصاً بڑے بڑے عرفا کی کتابوں کو اور فلسفہ میں مُلّا صدرا[19] کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ اس شیریں یا یمانی مسلک کا ادراک کرے اور مقامِ قلب تک پہونچا دے تو یہ دروازے اس پر منکشف ہو جائیں گے اور وہ سمجھے گا کہ عرفانی تحقیق کے مرحلہ میں یہ تمام نسبتیں صحیح ہیں اس میں مجاز کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ جیسے کہ بعض وہ ملائکہ جو نفوس مومنین پر اور ان کی قبض ارواح پر موکل ہیں جب خدا کے سامنے مومنین کے بلند مقامات کو دیکھتے ہیں اور مومنین کی طرف سے (موت کی) کراہت دیکھتے ہیں تو ان کے اندر ایک تزلزل اور تردید کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس حالت کی خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ جیسے اصل موت دینے اور ہدایت و گمراہی کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور جس طرح عرفانی مسلک کی بنا پر وہ صحیح ہے یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن اس مسلک (عرفانی) کا ادراک حسنِ طبیعت اور لطافت و سلامت ذوق پر موقوف ہے۔

«وَاللّٰهُ الْعَالِمُ وَالْهَادِي.»

یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ چونکہ حقیقتِ وجود عینِ حقیقت کمال اور عینِ تمام ہے کسی بھی قبیح یا نقص کی نسبت خدا کی طرف نہیں دی جا سکتی اور نہ وہ قابلِ جعل ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ مقرر و مبرہن ہے۔ اسی لئے جتنا بھی فیض افق کمال سے نزدیک ہوگا اور ضعف و فتور سے مبرّا ہوگا حق کے ساتھ اس کا رابطہ اتم اور ذاتِ حق کی طرف اس کی نسبت احق ہوگی اور جس قدر ظلمت تعین و نیستی کا غلبہ ہوگا اور حدود و نقائص زیادہ ہوں گے اتنا ہی ربط ناقص اور نسبت بعید ہوگی۔ اسی لئے ابداعی افعال کو لسانِ شریعت میں حق سے زیادہ تر نسبت دیتے ہیں اور افعالِ تجددی مُلکی کی نسبت کم دیتے ہیں اور اگر کسی کی آنکھ کھلی ہو، دل بیدار ہو اور وہ نقص کو کمال سے، بُرائی کو اچھائی سے، قبیح کو حُسن سے تمیز دے سکتا ہو تو باوجود یہ کہ تمام دارِ تحقق تجلّی فعلی حق ہے اور اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس کے بعد بھی وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کے تمام افعال جمیل و کامل ہیں نقص

وقبیح کی کسی بھی قسم کی نسبت اس کی طرف دی نہیں جا سکتی۔
بلکہ اس کا انتساب عرضی ہے جیسا کہ حکما کی زبان پر شائع ہے اور حکمت کی ابتدائی تعلیم میں رائج ہے۔ اس جگہ کچھ اشتباہات بھی ہیں مگر ان سے اعراض کرنا بہتر ہے۔
اس نکتہ کے بیان کرنے کے تین مقاصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض فاسد توہمات کا ازالہ ہو جائے جو ممکن ہے معارف سے عاری جاہل شخص کو پیش آئیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تردید اور دواعی کا ترجح چونکہ بعض ملکوتیوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ اس لئے جو امور اس عالم میں واقع ہوتے ہیں ان کی یہ نسبت ان کی نسبت یہ حق سے اتم ہے۔
تیسری بات یہ ہے کہ انسان عارف بہ حقائق کو چاہیئے کہ اس تردید اور ترجح دواعی میں جہتِ کمال و نقص کے اندر تمیز دے سکے اور جہتِ کمال کو حق کی طرف منسوب سمجھے اور جہتِ نقص کو سلب کرے۔

تتمیم

حدیث تردید کی دوسری توجیہ

حدیث شریف کی ایک دوسری توجیہ بھی ہے جو گزشتہ ایام میں میرے ذہن کے اندر آئی تھی اور وہ یہ ہے کہ بندگانِ خدا کی تین قسمیں ہیں:
۱۔ عرفا و اولیا: یہ حضرات سیر الی اللہ میں اربابِ قلوب سے منسلک ہیں۔ یہ گروہ مجذوبِ حق اور اس کے جمال بے مثال کے شیفتہ ہیں اور ان کی امیدوں کا مرکز اور توجہ کا قبلہ صرف ذاتِ پروردگار ہے۔ خدا کے علاوہ پوری کائنات میں کسی کی طرف حتیٰ اپنے اور اپنے کمال کی طرف بھی نظر نہیں رکھتے۔
۲۔ خالص دُنیادار: جو زیبائش دُنیا اور حبِ جاہ و مال کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور ان کے قلوب کی پوری توجہ اپنی انیت و انانیت کی طرف ہے نہ ان کی توجہ عالمِ قدس کی طرف ہے اور نہ یہ محفلِ انس پہ نظر رکھتے ہیں اور یہی لوگ «وَهُمُ الْمُلْحِدُونَ فِي اَسْمَاءِ اللّٰهِ.» [۳]

۲۔ مومنین کی جماعت: یہ لوگ اپنے نورِ ایمان کے اعتبار سے عالمِ قدس کی طرف متوجہ ہیں اور اس عالم کی طرف توجہ کی مقدار کے مطابق موت سے کراہت رکھتے ہیں اور خداوندِ عالم نے اسی تجاذب ملکی و ملکوتی و الٰہی و خلقی و آخرتی و دنیاوی کے اعتبار سے تردید سے تعبیر فرمائی ہے۔ چنانچہ طرفین قضیہ کی طرف اس تجاذب کی وجہ سے تردید ہے گویا کہ خداوندِ عالم نے فرمایا: موجودات میں سے کسی بھی موجود میں وہ ملکی و ملکوتی تجاذب نہیں ہے جو مومن کے یہاں ہے۔ ایک طرف تو وہ عالم ملک کی طرف توجہ رکھنے کی وجہ سے موت سے کراہت رکھتا ہے اور دوسری طرف جاذبہ الٰہیہ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے تاکہ اس کو اس کے کمال تک پہونچا سکے لہٰذا خداوندِ عالم اس کی ناپسندیدگی موت کا لحاظ کرتا ہے جس کا مطلب ہے اس کو ملک میں باقی رکھنا جب کہ موت کو ناپسند کرتا ہے۔ لیکن دوسرے لوگ اس طرح نہیں ہیں کیونکہ اولیا تو جذبۂ ملکی ہی نہیں رکھتے اور خالص دُنیادار جاذبۂ ملکوتی نہیں رکھتے۔

اور اس تجاذب کی نسبت خدا کی طرف وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی۔ یہاں پر محققِ کبیر میر باقر داماد اور ان کے شاگرد رشید[21] ایسی تحقیقات[22] رکھتے ہیں جس کا ذکر سبب تطویل ہے۔

دوسری فصل

خدا فقیری و مالداری سے مومنین کی اصلاح کرتا ہے

اور یہ جو اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعض بندوں کی اصلاح فقیری کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں کر سکتی اگر میں ان سے فقیری لے لوں تو وہ ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح بعض کی اصلاح مالداری اور بے نیازی پر موقوف ہے اس کے بغیر وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوندِ عالم مومنین کو جو کچھ بھی دیتا ہے چاہے وہ مالداری ہو یا فقیری، صحت ہو یا بیماری، امن ہو یا بے امنی یا دیگر امور وہ سب مومنین کی اصلاح کے لئے کرتا ہے اور ان کے دلوں کے تخلیص کے لئے کرتا ہے۔

یہ حدیث ان دیگر کثیر حدیثوں کے منافی نہیں ہے جن میں آیا ہے کہ مومنین کو بیماریوں

دردوں، فقر و فاقہ اور دیگر مصائب میں مبتلا کر کے خدا ان کا شدید امتحان لیتا ہے کیونکہ خدا اپنے وسیع رحمت اور عمومی فضل و کرم کی وجہ سے ایک معالج طبیب اور مہربان تیمار دار کی طرح ہے جو ہر شخص کو الگ طریقہ سے دُنیا سے بچاتا ہے (مثلاً) کبھی کسی کو مالدار بنا کر اس کے ایمان کے ضعف و شدت کے اعتبار سے، نقص و کمال کے اعتبار سے دیگر بلاؤں میں مبتلا کرتا ہے. بلکہ اس کی ثروت و مالداری کو بلاؤں کے گھیرے میں قرار دیدیتا ہے تاکہ اس کو دُنیا اور حُبِ دُنیا سے منصرف کردے۔ اب اگر خدا اس کو فقیر بنا دیتا تو چونکہ یہ شخص ہو سکتا ہے سعادت کا معیار مال و منال کو قرار دیتا ہے اور دُنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا اور تحصیل دنیا کے سلسلہ میں اپنے کو ہلاکتِ ابدی میں ڈال دیتا۔ لیکن جب دُنیا اس کے حوالہ کر کے اس کو زحمتوں اور صدموں کے بھنور میں ڈال دیا تو یہ چیز دُنیا سے متنفر بنانے کے لئے کافی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ متعدد بیویوں کے رکھنے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ انسان سمجھتا ہے کہ یہ دنیا میں داخل ہونے اور اس کی طرف متوجہ ہونے کا راستہ ہے لیکن جب اس میں خود مبتلا ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہی سب سے بڑی وہ چیز ہے کہ جو انسان کو دُنیا سے نفرت دلا دیتی ہے۔

اس لئے خدا کبھی مومنین کو فقیری میں مبتلا کر کے ان کی اصلاح کرتا ہے اور ان کے دلوں کو دنیا سے پھیر دیتا ہے اور کبھی اس کو مالدار بنا کر دولت و ثروت میں مبتلا کر دیتا ہے اور عین اس حال میں جب لوگ اس کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ یہ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے حالانکہ وہ زحمت و فشار میں مبتلا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ فقرائے مسلمین کا خدا کے نزدیک فضل زیادہ ہو۔ جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس باب کے تھوڑے سے حصہ کی شرح سابقہ حدیثوں کی شرح میں کسی حدیث کے ضمن میں کر چکے ہیں۔ ۲۳

تیسری فصل

واجبات و نوافل کا سبب تقرب ہونا اور اہلِ ذوق و سلوک کے اعتبار سے انکے نتائج

سالک الی اللہ اور نفس کے تاریک گھر سے کعبۂ حقیقی تک مسافر کے لئے ایک سفر روحانی

اور سلوک عرفانی ہے۔ جس کی ابتدا نفس سے ہوتی ہے اور اس کی منزلیں مراتب تعینات آفاقی و انفسی و ملکی و ملکوتی ہیں۔ جن کو حجابہائے نورانی و ظلمانی کہا جاتا ہے۔

«انَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَظُلْمَةٍ.» ۲۴

"خدا کے لیے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں، یعنی انوارِ وجود و ظلمات تعین (کے حجاب) یا انوار ملکوت و ظلمات ملک (کے حجابات یا اونا س ظلمانیہ تعلقات نفسانیہ و انوار طاہرہ تعلقات قلبیہ اور ان ستر ہزار نوری و ظلمانی حجابوں کی تعبیر کبھی "سات حجاب" سے کی جاتی ہے چنانچہ نماز کی تکبیرات افتتاحیہ کے سلسلہ میں ائمہ معصومین ؑ سے وارد ہے کہ ہر تکبیر ایک حجاب کو چاک کرتی ہے ۲۵ اور خاکِ شفا پر سجدہ کرنے کے سلسلہ میں آیا ہے: خاکِ شفا پر سجدہ کرنا ساتوں حجابوں کو چاک کر دیتا ہے ۲۶ مشہور عارف کا کہنا ہے:

ہفت شہر عشق را عطار گشت — ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم ۲۷

عطار نے عشق کے ساتوں شہروں میں گردش کر لی۔ لیکن ہم تو ابھی ایک گلی کے موڑ ہی پر ہیں۔

انسان صغیر کے اندر لطائف سبعہ ۲۸ کی تعبیر کی گئی ہے اور کبھی ان کو تین حجاب کلی میں منحصر کیا گیا ہے۔ ۲۹ آفاق کی تعبیر "عوالم ثلاثہ" ۳۰ اور انفس کی "مراتب ثلاثہ" ۳۱ سے کی گئی ہے اور کبھی متوسط طریقہ سے سائرین کی مشہور منزلوں کو ہزار منزل اور ایک اعتبار سے سو منزل اور ایک اعتبار سے دس منزل پر تقسیم فرمایا ہے۔ ۳۲ شیخ عارف کامل شاہ آبادی نے ہر منزل کے لئے بہترین طریقہ سے دس بیت مقرر کئے ہیں اس ترتیب سے اس کا مجموعہ ہزار بیت ہوتا ہے اور حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے سیر روحانی میں جس کی حکایت خدا نے قرآن میں کی ہے۔ ان منزلوں کی تین مقام سے تعبیر کی ہے۔ ایک کو "کوکب" دوسرے کو "قمر" تیسرے کو "شمس" سے تعبیر فرمایا ہے۔ ۳۳

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ روحانی سفر کا مبداء نفس کا بیت تاریک ہے اور اس کے منازل آفاق و انفس کے مراحل و مراتب ہیں اور اس کی غایت ابتدائے امر میں انسان کامل کے لئے تمام اسماء و صفات کے ساتھ ذاتِ مقدس حق ہے اور آخر امر میں اس کے اندر اسماء و صفات کا مضمحل ہو جاتا ہے اور انسان غیر کامل کے لئے اسماء و صفات و تعینات کا اسمی و صفتی و تعینی ہونا ہے۔

اور جب انسانِ سالک اپنی انیت و انانیت کے سر پہ پیر رکھ دیتا ہے اور اس بیت سے خارج ہو جاتا ہے اور مقصدِ اصلی و خداجوئی کی طلب میں تعینات کے منازل و مراحل کی سیر کر کے ہر ایک کے سر پہ پیر رکھ کر ظلمانی و نورانی پردوں کو چاک کر کے تمام موجودات و کائنات سے دل کو الگ کر لیتا ہے اور کعبۂ دل سے دستِ ولایت مآبی کے ذریعہ بتوں کو توڑ دیتا ہے اور اس کے اُفق دل سے کواکب و اقمار و شموس ڈوب جاتے ہیں اور دل و رُخ بے کدورت ہو کر کسی غیر سے متعلق نہ ہو کر صرف خدا کی طرف متوجہ ہو کر الٰہی ہو جاتے ہیں اور اس کے دل کا حال «وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ.» ۳۴ ہو جاتا ہے اور اسماء و ذات و افعال میں فانی ہو جاتا ہے۔ تب وہ اپنے حال سے بے حال ہو جاتا ہے اور اس کو محوِ کلی حاصل ہو جاتا ہے اور صحق مطلق اس کے لئے درپیش ہوتا ہے اور پھر اس کے وجود میں حق کی کارفرمائی ہو جاتی ہے وہ سنتا ہے تو حق کے کان سے، دیکھتا ہے تو حق کی آنکھ سے، گرفت کرتا ہے تو دستِ قدرت سے، بولتا ہے تو زبانِ حق سے۔ (یعنی) حق سے دیکھتا ہے اور سوائے حق کچھ نہیں دیکھتا، حق سے گفتگو کرتا ہے اور بجز حق بولتا ہی نہیں۔ غیرِ حق کی طرف سے گونگا، بہرا، اندھا ہوتا ہے اس کے کان اور اس کی آنکھیں جز بہ حق باز ہی نہیں ہوتیں اور یہ مقام صرف جذبۂ الٰہیہ اور آتشِ عشق کی چنگاری کی بنا پر حاصل ہوتا ہے جو اس دائمی چنگاری عشق کی بنا پر حق سے قریب ہوتا ہے اور اس جذبۂ ربوبیہ کی وجہ سے جو حُبِّ ذاتی کے عقب میں ہوتا ہے مدد حاصل کرتا ہے تا کہ اس وادی حیرت میں لغزش نہ کھا جائے اور انانیت کی بقا جو "شطح" وغیرہ اس میں گرفتار نہ ہو جائے اور اس حدیث میں نہیں دو کی طرف اشارہ ہوا ہے وَإِنَّهُ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتَّى أُحِبَّهُ بندے کا تقرب چنگاری عشق سے ہے اور جذبۂ الٰہیہ حق حُبّ سے ہے۔

تا کہ از جانبِ معشوق نباشد کششی
کوششِ عاشقِ بیچارہ بہ جائے نرسد ۳۵

پس قربِ نوافل کی انتہا فنائے کلی اور اضمحلالِ مطلق اور فنائے تام ہے اور اس کا نتیجہ «كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ...» ہوتا ہے۔ پھر اس فنائے کلی، محوِ تام، فنائے مطلق و صحق تمام کے بعد کبھی تو عنایاتِ ازلی اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے آپ میں لاتی ہے اور اپنی مملکت کی طرف پلٹا دیتی ہے اور اس کے لئے حالتِ "صحو" یعنی ہوش میں آنا درپیش ہوتی ہے اور انس و اطمینان کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ سبحاتِ جلال و جمال اس پر منکشف ہو جاتے

ہیں اور اس حالت صحو میں آئینۂ ذات میں صفات اور صفات میں اعیان ثابتہ واس کے لوازم منکشف ہو جاتے ہیں اور اہلِ سلوک کی حالت یہاں بھی مقامِ اوّل کی طرح ہے یعنی جو عین ثابت جو اسم کا تابع ہے وہ اسی میں فنا ہو جاتا ہے اور اسی اسم کے ساتھ باقی رہتا ہے اور حالت صحو میں بھی وہی اسم اس پر کشف ہوتا ہے اور کشفِ عین ثابتِ تابع اسی اسم کے ہو جاتا ہے۔

نبوت میں انبیا کے اختلاف کا راز

پس (معلوم ہو گیا کہ) انسانِ کامل اسم جامع اعظم کے تحت، اعیانِ ثابتہ کے کشف مطلق اور اس کے لوازم کے ساتھ ازلاً و ابداً اسی کی طرف پلٹتا ہے اور موجودات کی استعداد اور کشف حالات و کیفیت سلوک اور ان کے وصول کا نقشہ (بھی) ان ہی کی طرف پلٹتا ہے اور خلعت خاتمیت و آخری نبوت جو کشفِ مطلق کا نتیجہ ہے۔ اسی کے قدِ زیبا پر درست آتی ہے۔

رہے دوسرے انبیا تو وہ جس اسم کی مظہریت رکھتے تھے۔ اسی کی مناسبت سے اور اسی کے دائرہ وسعت کے مقدار کے مطابق اس اسم کے تابع اعیان کو کشف کرتے ہیں اور بابِ کمال و نقص، اشرافیت وغیر اشرافیت اور دعوت کے دائرہ کی تنگی اور وسعت کی ابتدا وہیں سے ہوتی ہے اور اسمائے الٰہیہ کی اتباع میں رجوع کرتا ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے "مصباح الہدایہ" میں ذکر کر دی ہے۔ [۳۶]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس حالت کے بعد جب صحو بعد المحو کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کا وجود وجودِ حقانی ہو جاتا ہے اور خدا اس کے مرآتِ جمال میں دیگر موجودات کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ مشیت کے ہم افق ہو جاتا ہے اور اگر انسان کامل ہو تو مشیت مطلقہ کے ہم افق ہو جاتا ہے اور اس کی روحانیت علین مقام ظہور فعلی حق ہو جاتی ہے اور اس وقت خدا اس سے دیکھتا ہے اس سے سنتا ہے اس سے گرفت کرتا ہے اور وہ خود حق کا ارادہ نافذہ و مشیتِ کاملہ و علم فعلی ہوتا ہے۔

«فَالْحَقُّ یَسْمَعُ بِهِ وَیُبْصِرُ بِهِ... اَلْحَدِیثَ. عَلِیٌّ عَیْنُ اللّٰهِ وَسَمْعُ اللّٰهِ وَجَنْبُ اللّٰهِ» [۳۷]

"پس قرب فرائض صحو بعد المحو ہے اور اس کا نتیجہ وہ چیزیں ہیں جن کو آپ نے سنا" یہ بھی جان لیجئے کہ اسی صحو اور رجوع بکثرت کو "قرب" کہتے ہیں کیونکہ یہ صحو بعد المحو اس

حالتِ غفلت کے علاوہ ہے جو ہم کو حاصل ہوتی ہے اور فنائے محض کے بعد یہ وقوع در کثرت اس کثرت کے علاوہ ہے جس میں ہم واقع ہیں کیونکہ کثرت تو ہمارے لئے وجہ حق سے حجاب ہے اور ان کے لئے مشاہدے کا آئینہ ہے۔

«مَا رَأَیْتُ شَیْئاً اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ مَعَہُ وَفِیہِ وَقَبْلَہُ وَبَعْدَہُ»[۳۸]

اور قربِ نوافل کو فنائے اسمائی اور قربِ فرائض کو فنائے ذاتی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر قربِ فرائض کا نتیجہ محو مطلق ہوگا۔ اس کی تفصیل یہاں پر اس سے زیادہ مناسب نہیں ہے۔ اتنا بھی اس کتاب کے طور وطریقہ سے خارج ہے۔

چوتھی فصل

شیخ بہائیؒ کا کلام

شیخ بہائیؒ اپنی اربعین میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں: اصحابِ قلوب کے لئے اس جگہ ایسے کلمات عالیہ واشارات سریہ وتلویحات ذوقیہ ہیں جو مشام ارواح کو معطر کر دیتے ہیں اور بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈال دیتے ہیں۔ مگر ان معانی تک اور ان سے حقائق تک صرف وہی لوگ پہونچ سکتے ہیں جو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ اپنے آرام کو ترک کردیں۔ یہاں تک کہ اس کے آب شیریں کا مزہ چکھ سکیں اور مطلب تک پہونچ سکیں۔ لیکن جو لوگ ان کلمات کے اسرار سے بے خبر ہیں۔ دُنیائے دنی کے لذتوں میں غرق ہونے اور بدنی لذتوں میں ڈوبے رہنے کی وجہ سے ان کلمات کے گنج معارف سے محروم ہیں وہ ان کلمات کے سننے سے عظیم خطرے میں ہیں اور اس بات کا خطرہ ہے کہ گرفتار الحادنہ ہوجائیں اور حلول واتحاد کے توہم میں گرفتار نہ ہوجائیں «تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوّاً کَبِیْراً.»[۳۹]

ہم یہاں پر بہت ہی سادہ طریقہ سے بیان کرتے ہیں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو لہٰذا عرض ہے یہ کلام قرب میں مبالغہ ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ بندہ کے ظاہر و باطن سر و علن پر سلطانِ محبت کا غلبہ ہے لہٰذا مقصود یہ ہے واللہ اعلم کہ جب میں کسی بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو اس کو محل انس میں جذب کرلیتا ہوں اور عالم قدس کی طرف متوجہ کر دیتا ہوں اس

اس کے فکر کو اسرارِ ملکوت میں مستغرق کر دیتا ہوں اور اس کے حواس کو انوارِ جبروت کے اخذ پر محدود کر دیتا ہوں اس وقت بندے کا قدم مقامِ قرب میں ثابت رہ جاتا ہے اور محبت اس کے خون و گوشت میں اس قدر مخلوط ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ سے غایت ہو جاتا ہے اور اپنے احساسات سے غافل ہو جاتا ہے۔ اغیار اس کے نظر سے محو ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بس بمنزلہ وگوش ہو جاتا ہوں چنانچہ شاعر نے کہا ہے ؎

«جُنُونِي فِيكَ لَا يَخْفَى   وَنَارِي مِنْكَ لَا يَخْبُو»

«فَأَنْتَ السَّمْعُ وَالْأَبْصَارُ   وَالْأَرْكَانُ وَالْقَلْبُ»

اِنْتَهٰی کَلَامُهٗ، رُفِعَ مَقَامُهٗ۔[41]

کلام محقق طوسیؒ

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ فرماتے ہیں: عارف جب اپنے سے منقطع ہو جاتا ہے اور حق سے متصل ہو جاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ تمام قدریں قدرتِ حق میں مستغرق ہیں اور تمام علوم علمِ حق میں مستغرق ہیں اور تمام ارادے اس کے ارادہ میں مستغرق ہیں پس عارف تمام وجودات اور کمالات وجودات کو اسی سے صادر اور اسی کی طرف سے فائض دیکھتا ہے اور اس وقت پروردگار اس کی سماعت وبصارت و قدرت و علم و وجود ہو جاتا ہے اور عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ انتہیٰ کلامہ[42] زید و علو مقامہ۔

علامہ مجلسیؒ کا بھی یہاں ایک کلام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

"انسان اگر اپنی طاقتوں کو شہوت اور شیطانی راستوں میں صرف کرتا ہے تو ان میں کچھ باقی نہیں رہتا سوائے حسرت و ندامت کے اور اگر اپنی طاقتوں کو اطاعت خدا کے راستہ میں خرچ کرتا ہے تو خدا ان قوتوں کو روحانی قوتوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پس اس کی سماعت و بصارت سب روحانی ہو جاتی ہے اور اس کی سماعت سے ملائکہ کے کلمات سنتا ہے۔ مرنے کی وجہ سے اس کی سماعت و بصارت ضعیف نہیں ہوتی اور قبر میں اسی روحانی سماعت وبصارت سے سوال و جواب ہوتا ہے اور قیامت میں اسی روحانی سماعت وبصارت کی

وجہ سے صاحبِ سمع وبصر رہتا ہے۔ لیکن جو شخص اس سماعت وبصارت کا حامل نہیں ہے وہ اندھا و بہرا محشور ہوتا ہے۔ اسی اعطاو عطیۂ خداوندی کی وجہ سے خدا نے فرمایا:
«کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ...» الحدیث [۴۳] یہ کلام مجلسیؒ سے غریب ہے۔

تتمہ

شیخ بہائیؒ نے فرمایا:
یہ حدیث صریحی طور پر دلالت کرتی ہے کہ واجبات مستحبات سے افضل ہیں۔
رہا یہ اشکال کہ حدیث میں غیرِ واجب کی افضلیت کی نفی کی گئی ہے اور ایسی بات (غیر واجب کے افضلیت کی نفی) اور افضلیتِ واجب میں کوئی تلازم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے وہ مساوی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی ترکیب اکثر لغات میں (ہمیشہ) افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ (البتہ) شیخ شہید سعیدؒ نے اس کلیہ سے چند مواقع کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

۱۔ قرض سے مقروض کو بری کر دینا جب کہ وہ تنگدست ہو مہلت دینے سے افضل ہے۔ حالانکہ بری کرنا مستحب اور مہلت دینا واجب ہے۔

۲۔ ابتدا بہ سلام کہ ردّ سلام (یعنی جواب سلام) سے افضل ہے (لیکن ابتدا بہ سلام مستحب اور جواب واجب ہے)۔

۳۔ فرادیٰ نماز پڑھنے والا جماعت کے ساتھ نماز کا اعادہ کرسکتا ہے وغیر ذالک انتہیٰ [۴۴] بعض علما نے ان سب میں مناقشہ کیا ہے جس کا ذکر ضروری نہیں ہے۔

یہ سمجھ لیجئے کہ ظاہر حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ واجبات مستحبات سے افضل ہیں، چاہے وہ ایک قسم کے نہ ہوں، مثلاً سلام واجب کا جواب حج مندوب اور مدرسہ عظمیہ کی تعمیر، زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہے۔ یہ بات اگرچہ بعید معلوم ہوتی ہے اسی لئے علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے اس کو چند چیزوں کے ایک اصل سے ہونے پر مخصوص کر دیا جائے۔ [۴۵]

لیکن جب دلیل موجود ہے تو محض استبعاد کی وجہ سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی اور (بہت) ممکن ہے کہ فریضہ کا انصراف فرائض تعبدیہ کی طرف کر دیا جائے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ نہ کہ دیگر فرائض مثلاً تنگدست مقروض کو مہلت دینا، جواب سلام دینا وغیرہ اگرچہ یہ بھی خالی از تامل نہیں ہے۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً.»

چونتیسویں حدیث کی توضیحات

۱۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۳۵۲، کتاب ایمان وکفر، باب من اذی المسلمین واحتقرھم، حدیث ۹۔

۲۔ وہ خدا (ہر عیب سے) پاک ہے جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام (خانۂ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (آسمانی مسجد) تک کی سیر کرائی۔ پ ۱۵ س ۱۷ (بنی اسرائیل) آیت ۱۔

۳۔ اربعین، حدیث ۳۵، ص ۲۹۶۔

۴۔ اسکی اہانت کی۔ (سب کے معانی تقریباً یہی ہیں)۔

۵۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں ہم خدا اور قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ (دل سے) ایمان نہیں لائے۔ پ ۱ س ۲ (بقرہ) آیت ۸۔

۶۔ اربعین، حدیث ۳۵ ص ۲۹۶۔

۷۔ کشاف، ج ۱، ص ۱۶۷، تفسیر آیت ۸ سورہ بقرہ۔

۸۔ اربعین، حدیث ۳۵۔
۹۔ البطشۃ۔ حملہ کرنا، اور سختی سے گرفت کرنا۔
۱۰۔ اربعین، حدیث ۳۵، ص ۲۹۵، اور عامہ میں سے بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب، الرقاق جلد ۲۳، ص ۲۲ اور ابن حنبل نے مسند کے ج ۶، ص ۲۵۶ پر نقل کیا ہے۔
۱۱۔ ص
۱۲۔ اربعین، حدیث ۳۵ ص ۳۰۰
۱۳۔ سورۂ انفال آیت ۱۳
۱۴۔ سورۂ کہف، آیت ۷۹۔ ۸۲۔
۱۵۔ سورۂ زمر آیت ۴۲۔
۱۶۔ سورۂ نحل آیت ۹۳
۱۷۔ سورہ رعد آیت ۷
۱۸۔ سورہ زخرف، آیت ۸۴
۱۹۔ صدر المتالہین ملاصدرا
۲۰۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نام خدا سے اعراض کرتے ہیں۔
۲۱۔ حکیم الہی میر داماد اور ان کے شاگرد ملاصدرا۔
۲۲۔ قبسات ص ۴۶۹۔ ۴۷۰، اسفار اربعہ ص ۳۹۵ اور اس کے بعد سفر سوم، موقف چہارم، فصل ۱۳
۲۳۔ ص
۲۴۔ بحار ج ۵۵، ص ۴۵، کتاب السماء والعالم، باب ۵، حدیث ۱۳
۲۵۔ ہشام کہتے ہیں: ساتویں امامؑ نے اسکے لئے دوسری دلیل فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: جب رسولؐ کو معراج پر لیجایا گیا تو سات حجاب چاک گئے ہر حجاب کے پاس ایک تکبیر کہی اس لئے خدا نے ان کو انتہائے کرامت تک پہونچایا۔ وسائل، ج ۴، ص ۷۲۱، کتاب الصلواۃ باب ۷ از ابواب تکبیرۃ الاحرام، حدیث ۵
۲۶۔ شیخ طوسیؒ نے معاویہ ابن عمار سے روایت کی ہے کہ امام ششمؑ کے پاس زرد

رنگ کا ایک دیبا کا کیسہ تھا جس میں خاک شفا تھی جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو آپ اسکو سجادہ پر پھیلا کر اسی پر سجدہ کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ خاک شفا پر سجدہ ساتوں حجابوں کو چاک کر دیتا ہے۔ وسائل ج ۳ ص ۶۰۸ "کتاب الصلوٰۃ" باب ۱۶ از ابواب مایسجد علیہ، حدیث ۲۔

۲۷۔ یہ شعر مولوی کیطرف منسوب ہے لیکن بعضوں نے اسکو جامی کا کہا ہے

۲۸۔ مرحوم شاہ آبادی نے وجود آدمی کے سات لطیفوں کو اسطرح شمار کیا ہے۔: نفس، عقل، قلب، روح، ستر خفی، اخفیٰ۔ رشحات البحار کتاب الانسان والفطرۃ ص ۱۷۷۔

۲۹۔ مراد آیات اسماء و صفات کے حجابات ہیں۔ ارجاع بہ متن۔

۳۰۔ عوالم ثلاثہ سے مراد عالم طبیعت، عالم مثال، عالم عقل ہے۔ ملا صدرا نے عوالم کے تین میں انحصار کی دلیل یہ قرار دی ہے کہ موجود کی تقسیم محسوس، متخیل اور معقول کیطرف ہوتی ہے۔ شواہد الربوبیۃ۔ ص ۳۲۰

۳۱۔ یہ مرتبۂ ظاہر نفس کی طرف اشارہ ہے جو بدن میں مرتبہ ظہور نفس ہوتا ہے اور مرتبہ برزخ نفس مرتبۂ تجرد مثالی و قوای باطن ہیں۔ اور مرتبۂ عقل، تجرد کامل ہے۔

۳۲۔ خواجہ عبد اللہ انصاری منازل السائرین کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں: ابوبکر کتانی نے بندہ و حق کے درمیان ہزار مقام نورانی و ظلمانی قرار دیے ہیں اور میں نے ان مقامات کو سو مقام کر دیا ہے جو دس قسم پر منقسم ہوتے ہیں اور میں ہر ایک کی شرح کرونگا۔

۳۳۔ یہ سب پ ۷ س ۶ (انعام) کی آیات ۷۶، ۷۸، ۷۹ کیطرف اشارہ ہے۔

۳۴۔ میں نے تو اسی کیطرف اپنا چہرہ کر لیا جس نے بہت سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پ ۷ س ۶ آیت ۸۰۔

۳۵۔ امثال و حکم، دہخدا، ج ۱، ص ۵۲۷۔

۳۶۔ مصباح الہدایہ۔ ۱۹۲۔ ۱۹۵۔

۳۷۔ علیؑ چشم خدا، گوش خدا، پہلوے خدا ہیں۔ امام ششمؑ نے فرمایا: حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: میں علم خدا ہوں، میں خدا کا قلب حافظ ہوں، خدا کی بولتی زبان ہوں، چشم،

خدا ہوں، پہلوئے خدا ہوں میں ید اللہ ہوں۔ توحید صدوق، ص ۱۶۴، باب ۲۲، در معنی، جنب اللہ۔ حدیث ۱

۳۸۔ حدیث ۲۹، حاشیہ ۱۲

۳۹۔ خدا اس سے کہیں برتر و بزرگ ہے۔

۴۰۔ میرا حزن تیرے بارے میں ایسا ہے جو مخفی نہیں ہے۔ اور میری آتش عشق خاموش ہونے والی نہیں ہے۔ پس تو ہی میری سماعت اور میری بصارت ہے، اور تو ہی میرا جسم اور قلب ہے۔

۴۱۔ اربعین، حدیث ۲۵ ص ۲۹۹

۴۲۔ شرح اشارات، ج ۲ ص ۳۸۹، نمط ۹، فصل ۱۹

۴۳۔ مرآۃ العقول، ج ۱۰، ص ۳۹۲، کتاب ایمان و کفر، باب من اذی المسلمین حدیث ۸

۴۴۔ اربعین، حدیث ۳۵، ص ۳۰۲

۴۵۔ مرآۃ العقول ج ۱۰، ص ۳۸۳، کتاب ایمان و کفر، باب من اذی المسلمین حدیث ۷

پینتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَی عِمادِ الْاِسْلامِ وَالْمُسْلِمِینَ، مُحَمَّدُ بْنُ یَعْقُوبَ الْکُلَیْنِي، رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَیْهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیٰی، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِي نَصْرٍ، قالَ، قالَ اَبُو الْحَسَنِ الرِّضا، عَلَیْهِ السَّلامُ: قالَ اللّٰهُ: یَا ابْنَ آدَمَ، بِمَشِیئَتِي کُنْتَ اَنْتَ الَّذِي تَشاءُ لِنَفْسِکَ ما تَشاءُ وَبِقُوَّتِي اَدَّیْتَ فَرائِضِي، وَبِنِعْمَتِي قَوِیْتَ عَلٰی مَعْصِیَتِي. جَعَلْتُکَ سَمِیعاً بَصِیراً قَوِیّاً؛ ما اَصابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ؛ وَما اَصابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ. وَذٰلِکَ اَنِّي اَوْلٰی بِحَسَناتِکَ مِنْکَ؛ وَاَنْتَ اَوْلٰی بِسَیِّئاتِکَ مِنِّي. وَذاکَ اَنَّنِي لا اُسْاَلُ عَمّا اَفْعَلُ وَهُمْ یُسْاَلُونَ.»[1]

ترجمہ: امام رضا علیہ السّلام فرماتے ہیں: خداوند عالم نے فرمایا: اے اولادِ آدم میری ہی مشیت کے ساتھ تو اپنے لئے جو چاہتا ہے خواہش کرتا ہے۔ میری (دی ہوئی) قوت کے سہارے تو نے اپنے فرائض ادا کئے۔ میری ہی نعمت (کے بدولت) سے تو میری معصیت پر

قادر ہوا، میں نے تجھے قوی، سننے والا، دیکھنے والا بنایا۔ جو نیکی تجھے ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی تم کو پہونچتی ہے وہ تمہاری وجہ سے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تیری نیکیوں کے لئے تجھ سے زیادہ میں اولیٰ ہوں اور تیری برائیوں کا مجھ سے زیادہ تو اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ میں جو بھی کرتا ہوں مجھ سے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا۔ مگر میرے بندوں سے ان کے افعال کے بارے میں پرسش ہوگی۔"

شرح:۔ اس حدیث میں عدم عالیہ ما قبل الطبقہ کے ایسے بلند مطالب اور اہم مسائل مذکور ہیں جن کو اگر مقدمات کی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو اس کتاب کی وضع سے خارج اور موجب تطویل ہوں گے۔ اس لئے حدِ وسط کا اعتبار کرتے ہوئے بعض مسائل کو بطورِ نتیجۃ البرہان چند فصلوں کے ضمن میں بیان کریں گے۔ وعلی اللہ التکلان۔

پہلی فصل

اسمائے خدا کے دو مقام ہیں

یہ جان لو کہ مشیتِ الٰہی بلکہ تمام اسما و صفات۔ جیسے علم و قدرت و حیات وغیرہ کے دو مقام ہیں۔

۱۔ اسما و صفاتِ ذاتیہ کا مقام ہے۔ برہان سے ثابت ہے کہ ذاتِ واجب الوجود بہ حیثیت واحدہ و جہت بسیط واحدہ، تمام کمالات اور اسما و صفات کی جامع ہے اور وہ تمام کمالات اور اسما و صفاتِ جمال و جلال کی مرجع ہے اور وجود کے ماسوا جو کچھ بھی ہے وہ نقص و قصور و اعدام ہے اور چونکہ اس کی ذات مقدس صرف وجود اور وجود صرف ہے صرف کمال اور صرف کمال ہے (لہٰذا) «عِلْمٌ کُلُّهُ، قُدْرَةٌ کُلُّهُ حَیَاةٌ کُلُّهُ.» ہے۔

۲۔ اسما و صفات فعلیہ کا مقام ہے اور یہی اسما و صفاتِ ذاتیہ کے ظہور کا مقام ہے اور صفاتِ جلالیہ و جمالیہ کے تجلی کا مرتبہ ہے اور یہ مقام مقام "معیتِ قیومیہ" ہے۔ «هُوَ مَعَکُمْ.»[۲] «وَمَا مِنْ نَجْوٰی ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ...»[۳] اور مقام وجہ اللہ ہے۔ «اَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ.»[۴] اور مقام نوریت ہے

اور مقام "مشیت مطلقہ" ہے «وَمَا تَشَاؤُونَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ»[6] «خَلَقَ اللّٰهُ بِالْمَشِيَّةِ وَخَلَقَ الْمَشِيَّةَ بِنَفْسِهَا.»[7] البتہ اہل اللہ کی زبان میں ان کی دوسری اصطلاحات و القاب ہیں۔ خداوندِ عالم کی کتاب میں بعض اعتبار سے دونوں مقامات کی طرف اس قول سے اشارہ ہے «هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ.»[8]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مقام مشیتِ فعلیۂ مطلقہ تمام موجوداتِ ملکیہ و ملکوتیہ اور تمام موجودات پر ان کے تعینات کے ساتھ ایک اعتبار سے احاطۂ قیومیہ رکھتی ہے اور ایک اعتبار سے ان کی مظاہر ہے اور مشیتِ فعلیہ و مظہریت اور اس میں فنائے مشیتِ عباد بلکہ مظہریت و مرآتیت خود عباد اور ان کے تمام شئون کو اس مقام کے اعتبار سے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے: اے پسرِ آدم میری مشیت سے تو وہ شخص ہوا ہے جو مشیت (وارادہ) کرتا ہے تیری ذات اور تیری ذات کے کمالات سب ہی عین میری مشیت ہیں۔ بلکہ تو خود اور تیرے سارے کمالات مظاہر و تعینات میری مشیت ہیں «وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى.»[9] اخبار و آیات اسے بھی اس مطلبِ عرفانی کے لئے بہت سے شواہد ہیں۔ جن کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔

شیخ اشراقی خدا کے اشیا کے علم تفصیلی کا مطلب اسی مقامِ علم فعلی کو قرار دیتے ہیں[10] اور محقق طوسیؒ نے بھی اس مسئلہ میں اشراقی کی اتباع کی ہے![11] لیکن ملاصدرا خدا کے علم تفصیلی کا مطلب اسی مقامِ ذاتِ بسیط کو قرار دیتے ہیں[12] اور اشراقی و طوسیؒ کا کلام ان کو پسند نہیں ہے۔ لیکن میں (مؤلفِ کتاب) ان سب کے کلام کی روح کو ایک ہی سمجھتا ہوں اور اس نزاع کو نزاعِ لفظی قرار دیتا ہوں ایک ایسے بیان کے ساتھ جو اس مقام پر مناسب نہیں ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس دارِ تحقق میں جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ خواہ جواہرِ قدسیہ الہیہ سے ہو یا ملکیہ طبیعیہ سے ہو یا اعراض سے ہو اور خواہ ذوات و اوصاف و افعال ہوں۔ وہ سب کا سب قیومیت اور نفوذ قدرت اور احاطۂ قوتِ حق کے ماتحت متحقق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات صاف و درست ہو گئی کہ بِقُوَّتِي اَدَّيْتَ فَرَائِضِي اور یہی مقام مشیت مطلقہ مقام رحمتِ واسعہ و نعمت جامعہ ہے جیسا کہ فرمایا «وَبِنِعْمَتِي قَوِيْتَ عَلٰى مَعْصِيَتِي.»

دوسری فصل

جبر و تفویض کی طرف اشارہ

اس حدیث میں مسئلہ جبر و تفویض کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے مذہب حق کو جو منزلہ بین المنزلتین ہے جو مسلک اہل معرفت و طریقہ اصحاب قلوب کے مطابق ہے، ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ اثبات مشیت و اتیان و بندہ کے لئے قوت کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو مشیت حق قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: تونے ارادہ کیا اور میری مشیت کے ساتھ تیری مشیت ظاہر ہوئی ہے۔ تونے فریضہ کو ادا کیا اور تیری قوت میری قوت کا ظہور ہے اور میری نعمت کی وجہ سے جو بسط رحمت واسعہ ہے۔ تجھے معصیت پر قدرت و طاقت حاصل ہوئی۔ لہٰذا تجھ سے مطلقاً افعال و اوصاف و وجودات کو سلب نہیں کیا جاسکتا جس طرح اثبات مطلق بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تونے ارادہ کیا اور تیرا ارادہ میری مشیت میں فانی ہے اور اس کا ظہور و یقین ہے۔ تو اپنی قوت سے اطاعت و معصیت رکھتا ہے۔ وبا این حال تیری طاقت و قدرت میری قوت و قدرت کا ظہور ہے۔ یہاں پر ایک اعتراض کا امکان تھا کہ اس بنا پر تمام نقائص و رزائل و معاصی کی نسبت خدا کی طرف دی جاسکتی ہے لہٰذا بطور حکمی برہانی و ذوقی عرفانی اس کا جواب دیا کہ خداوند عالم چونکہ محض کمال و خیر و جمال و بہاء ہے اس لئے اس کی طرف سے جو بھی ہوگا وہ کمال و خیر ہی ہوگا۔ بلکہ خود پورا نظام وجود و ہستی غیب و شہود میں عین کمال و اصل تمامیت و جمال ہے اور جو نقص و رذیلہ، شر و وبال ہے وہ عدم کی طرف راجع ہے اور لوازم ماہیت سے ہے جو متعلق جعل اور فیضان حق سے غیر متعلق ہے۔ بلکہ عالم طبیعت از نشئہ مُلک کے اندر جتنے قسم کے شرور ہیں وہ موجودات و کائنات کے تضاد کی وجہ سے ہیں اور ان کا تضاد متعلق جعل نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا جتنے خیرات و کمالات و حسنات ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہیں اور جتنے نقائص و شرور و معاصی ہیں وہ مخلوق کی طرف سے ہیں اسی لئے قرآن نے کہا:

«مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ.»

لہٰذا تمام دنیاوی اور اخروی سعادتیں اور تمام ملکی و ملکوتی خیرات مبداء فیاض کی طرف

سے ہوتی ہیں اور تمام دنیوی واخروی بدبختیاں اور اس عالم اور دوسرے عالم کے تمام شرور خود موجودات کے ذاتی قصور ونقصان سے حاصل ہوتے ہیں۔

اور یہ جو زبانِ زد ہے کہ سعادت وشقاوت جعل جاعل سے متعلق نہیں ہے بلکہ اشیا کی ذاتی چیز ہے یہ سعادت کی حد تک تو بے اصل ہے کیونکہ سعادت مجعولِ حق سبحانہ ہے۔ سعادت کسی بھی ذات کی نہ ذاتی ہے نہ کسی ماہیت کی ماہیتی ہے بلکہ ہر شئی کی مکمل شقاوت اور محض ہلاکت کا مرجع ماہیت ہے۔ ہاں یہ کلیہ شقاوت کی حد تک درست ہے کیونکہ شقاوت ماہیت کی طرف راجع ہے اور غیر مجعول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مرتبہ جعل تک نہیں پہونچتی۔ رہی مشہور حدیث "اَلسَّعِیدُ سَعِیدٌ فِي بَطْنِ اُمِّهِ"[13] تو اس کا مطلب دوسرا ہے جو علم اسماء وصفات سے متعلق ہے اور اس کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

اس مطلب حق برہانی کے بعد ایک دوسرے شبہ کا امکان تھا اور وہ یہ ہے کہ، خیرات کے سلسلہ میں موجودات کا عزل لازم آتا تھا اور شرور کے سلسلہ میں قدرت واجبہ قدیمہ کا عزل لازم آتا تھا اور یہ مستلزم جبر وتفویض ہے اور جبر وتفویض مسلک عرفان اور طریقۂ برہان کے خلاف ہے لہٰذا لسانِ دلیل ہی میں اس کی رد فرمادی۔ اور اس کی تفصیل وتحقیق یہ ہے کہ خدا حسنات کے لئے بہ نسبت بندوں کے اولیٰ ہے اور بندے شرور کے لئے بہ نسبت خدا کے اولیٰ ہیں اور اس اثبات اولویت میں طرفین سے انتساب ہے۔ اب رہی یہ بات کہ خیرات میں خدا کو اولویت ہے اور اس کا اصل انتساب بندوں کی اس وجہ سے ہے کہ مبداء المبادی کی خیرات کی طرف نسبت نسبتِ وجود بالذات ہے۔ کیونکہ خیرات وجود کے لئے ذاتی ہے اور یہ واجب میں تو عینِ ذات ہے لیکن ممکن میں بسبب جعل وافاضہ ہے۔ پس اصل افاضۂ خیرات خدا کی طرف سے ہے۔ ممکن صرف مظہر اور آئینۂ ظہور ہے اور اس ظاہریت وافاضہ کی نسبت مظہریت وقابلی سے اتم ہے۔ لیکن شرور اور برائیوں میں مسئلہ اس کے برعکس ہے۔ البتہ دونوں نسبت محفوظ ہے کیونکہ جس چیز کا فیضان خدا کی طرف سے ہے وہ خیرات ہے اور اس خیرات کا لازمہ بطورِ تبعیت درمیان میں شرور کا وقوع ہے پس عرضی طور پر اس کی طرف منسوب ہے لیکن بالذات یہ ذات کا نقصان اور ماہیات کا قصور ہے اور خود آیت میں بھی اس دو نظر سے دونوں معنوں کا ذکر ہے۔ ایک تو وہاں پر جہاں وحدت کا غلبہ ہے اور کثرات ونقائص کو مضمحل قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے "قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔"[14] اور دوسرے اس جگہ پر جہاں تخلل کثرت

کو بالعرض ملاحظہ کرکے وسائط کو مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا: مَا اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۱۵

تیسری فصل

خدا سے سوال نہیں ہو سکتا لیکن دیگر موجودات سے سوال کیا جائے گا

محققین فلاسفہ کے نزدیک خدا کے فعل مطلق کے لئے ذاتِ مقدسِ حق اور اس کی ذاتی تجلیات کے علاوہ کوئی غرض و غایت نہیں ہے۔ ایجاد اشیا کے سلسلہ میں سوائے اپنی ذات اور اس کی تجلی و ظہور کے علاوہ ممکن نہیں ہے کہ خدا کوئی دوسری غایت رکھتا ہو۔ اس لئے کہ جو فاعل بھی اپنی ذات کے علاوہ کسی بھی قصد یا غرض کے پیشِ نظر ایجاد کرتا ہے خواہ وہ دوسرے کو نفع و ثواب ہی پہونچانا ہو، یا عبادت و معرفت یا حمد و ثنا کے لئے ہو وہ فاعل اس غرض کے ذریعہ کمال کو پہونچتا ہے اور اس کا وجود اس کے لئے عدم سے اولیٰ ہوتا ہے اور یہ چیز مستلزم نقص و قصور و انتفاع ہے اور نقص و قصور ذاتِ کاملِ علی الاطلاق و غنی بالذات و واجب من جمیع الجہات کے لئے محال ہے۔ لہٰذا خدا کے افعال میں نہ تو لمیّت ہے اور نہ سوال از لمیّت ہے وَلَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ ۱۶ البتہ خدا کے علاوہ تمام موجودات اپنے افعال میں اپنی ذات کے علاوہ دوسرے اغراض و مقاصد رکھتے ہیں۔ پس عشاقِ جمالِ حق و مقربین و مجذوبین کے افعال کا مقصد وصول بہ باب اللہ اور حصولِ لقاءاللہ ہوتا ہے اور دیگر موجودات اپنے کمال و نقص شدت و ضعف کے اعتبار سے اپنی ذات سے الگ غرض رکھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو ذات کمالِ مطلق اور واجب بالذات ہے وہ من جمیع الجہات واجب ہے اور جس طرح خدا کی ذات لمیّت سے مُبرّا ہے اس کے افعال بھی لمیّت سے مُبرّا ہیں یہ بات دیگر موجودات میں نہیں ہے۔

نیز چونکہ ذاتِ خدا کاملِ مطلق اور جمیل علی الاطلاق ہے اس لئے تمام موجودات

کی اُمیدوں کا کعبہ اور تمام سلسلہ کائنات کا انتہائی مقصد ہے۔ مگر خود خدا نہ کوئی اُمیدوں کا کعبہ رکھتا ہے اور نہ اپنی ذات کے علاوہ کوئی غایت و مقصد رکھتا ہے۔ اس لئے کہ ہر موجود ناقص بالذات ہے اور ہر ناقص فطرتاً مرغوب عنہ ہوتا ہے جیسے ہر کامل مرغوب فیہ ہوتا ہے۔ لہٰذا تمام افعال و حرکات کی غایت ذاتِ مقدس ہے اور ذات مقدس کے لئے اپنی ذات کے علاوہ کوئی غایت نہیں ہے۔ «فَلا یُسْئَلُ عَمّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْأَلُونَ.»

نیز چونکہ ذاتِ خدا بدرجہ اتم جمال و کمال ہے (لہٰذا) نظامِ کائنات۔ جو ذات جمیل کا ظل ہے۔ امکان کے انتہائی درجہ پر ہے اور یہ نظام کلی کامل ترین نظاموں میں متصور ہے اس لئے لمیت و غایت و غرض کا سوال جہالت کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں رکھتا جیسے کہ ابلیس لعین سے سات سوال کئے گئے تھے اور خدا نے بطریق احسن و بطورِ مجادلہ سب ہی کا بوجہ احسن اجمالاً ایک جواب دیا ہے۔[۱۸] بس چونکہ خدا کا فعل غایت کمال پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا! البتہ دیگر موجودات چونکہ ذاتاً و فعلاً ناقص ہیں اس لئے ان کے بارے میں سوال ہو سکتا ہے۔

نیز چونکہ خدا حکیم علی الاطلاق ہے اس کا ہر فعل انتہائی مضبوط و متقن ہوتا ہے اس لئے اس کے بارے میں سوال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بخلاف دیگر موجودات کے۔

نیز چونکہ خدا کا ہر وہ فعل جو صادر ہوتا ہے وہ اس کی اصل حقیقت اور اس کی خالص ماہیت ہے اور دیگر موجودات ایسے نہیں ہیں لہٰذا وہ بالذات فاعل ہے اور اس کے افعال کے بارے میں کیوں؟ کہنا باطل ہے بخلاف دیگر موجودات کے۔

اور چونکہ ارادہ و مشیت و قدرت عین ذات خدا ہیں۔ خدا کے اندر فاعلیت بالذات عین فاعلیت بالارادہ والقدرہ ہے اور شبہہ بالطبع کی گنجائش نہیں ہے (اس لئے خدا کے افعال کے بارے میں لمیت بے معنیٰ چیز ہے) یہ بھی ایک ایسا شریف بحث ہے جو اپنی جگہ ادلہ و براہین سے ثابت ہے اور اس سے متکلمین کے بہت سے وہ شبہات جو مختلف ابوابِ معارف الٰہیہ میں ہیں حل ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ان بیانات سے حدیث کے جملوں کا آپسی ارتباط اور ہر ایک کا دوسرے کے لئے علت ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اب چونکہ فعل خدا حد کمال اور نظام اتم پر واقع ہے لہٰذا وہ جو کرتا ہے اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا۔ مگر دوسرے

ایسے نہیں ہیں لہٰذا ان سے سوال ہوگا اور یہ علت اس لئے ہے کہ خدا حسنات کے لئے اولیٰ ہے اور بندے سیئات کے لئے! اور اس کی یہ علت کہ برائیاں بندوں کی طرف سے ہیں اور حسنات خدا کی طرف سے نیز دوسرے ادلہ سے بھی یہ ارتباطات واضح ہو سکتے ہیں مگر ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔

والحمد للہ اولاً و آخراً۔

پینتسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۵۲، کتاب توحید، باب المشیۃ والارادۃ، حدیث ۶

۲: اور تم (چاہے) جہاں رہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (حدید) آیت ۴

۳۔ جب تین (آدمیوں) کا خفیہ مشورہ ہوتا ہے تو وہ (خدا) ان کا ضرور چوتھا ہے اور جب پانچ کا (مشورہ) ہوتا ہے تو وہ ان کا چھٹا ہے اور اس سے کم ہوں۔ یا زیادہ اور چاہے جہاں کہیں ہوں وہ ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے پھر جو کچھ وہ (دنیا میں) کرتے رہے قیامت کے دن ان کو اس سے آگاہ کردے گا۔ بیشک خدا ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ سورۂ مجادلہ، آیت ۷۔

۴۔ جدھر بھی منہ کرو اُدھر خدا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۱۵۔

۵۔ خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ سورۂ نور آیت ۳۵

۶۔ وہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے سورۂ دھر، آیت ۳۰

۷۔ خدا نے چیزوں کو مشیت سے پیدا کیا اور مشیت کو خود اس سے پیدا کیا، اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۱۰، کتاب توحید، باب ارادۃ انھا من صفات الفعل حدیث ۴۔

۸۔ سورۂ حدید، آیت ۲۔

۹۔ سورۂ انفال، آیت ۱۷

۱۰۔ شرح حکمۃ الاشراق، ص ۲۵۷۔۲۵۸، مقالۂ دوم از قسم دوم

۱۱۔ شرح اشارات نمط ہفتم، فصل ۱۷، و مصارع المصارع، ص ۱۴۱

۱۲۔ اسفار، جلد ۶، ص ۲۶۳۔۲۷۷ سفر سوم، موقف سوم، فصل ۱۲

۱۳۔ نیک ماں کے پیٹ ہی سے نیک ہوتا ہے اور شقی بطنِ مادر ہی سے شقی ہوتا ہے۔ بحار جلد ۵

ص ۱۵۲، کتاب العدل والمعاد، باب ۶، حدیث ۱، تھوڑے سے تغیر کے ساتھ عبارت میں۔

۱۴۔ اے رسولؐ کہہ دیجئے سب خدا کی طرف سے ہے، سورۂ نساء، آیت ۷۸۔

۱۵۔ سورۂ نساء آیت ۷۹۔

۱۶۔ سورۂ انبیاء آیت ۲۲

۱۷۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی البتہ لوگوں سے باز پرس ہوگی۔ یہ سورۂ انبیاء کی تیئسویں آیت کا اقتباس ہے۔

۱۸۔ ابلیس کے ساتوں شبہات کے لئے شہرستانی کی ملل ونحل دیکھئے۔ ترجمہ افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی ص ۲۸۔

چھتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى ثِقَةِ الْاِسْلَامِ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ اِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ خَالِدِالطَّيَالِسِيِّ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَحْيَى، عَنِ ابْنِ مُسْكَانَ، عَنْ اَبِي بَصِيرٍ، قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ: لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ رَبَّنَا وَالْعِلْمُ ذَاتُهُ وَلَا مَعْلُومَ، وَالسَّمْعُ ذَاتُهُ وَلَا مَسْمُوعَ، وَالْبَصَرُ ذَاتُهُ وَلَا مُبْصَرَ وَالْقُدْرَةُ ذَاتُهُ وَلَا مَقْدُورَ فَلَمَّا اَحْدَثَ الْاَشْيَاءَ وَكَانَ الْمَعْلُومُ، وَقَعَ الْعِلْمُ مِنْهُ عَلَى الْمَعْلُومِ، وَالسَّمْعُ عَلَى الْمَسْمُوعِ، وَالْبَصَرُ عَلَى الْمُبْصَرِ وَالْقُدْرَةُ عَلَى الْمَقْدُورِ قَالَ قُلْتُ: فَلَمْ يَزَلِ اللّٰهُ مُتَحَرِّكاً؟ قَالَ فَقَالَ: تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ اِنَّ الْحَرَكَةَ صِفَةٌ مُحْدَثَةٌ بِالْفِعْلِ. قَالَ فَقُلْتُ: فَلَمْ يَزَلِ اللّٰهُ مُتَكَلِّماً؟ قَالَ فَقَالَ: اِنَّ الْكَلَامَ صِفَةٌ مُحْدَثَةٌ لَيْسَتْ بِاَزَلِيَّةٍ، كَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا مُتَكَلِّمَ.»[1]

ترجمہ:۔ ابوبصیر کا کہنا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے

ہیں: خداوند عز وجل ہمیشہ سے ہمارا پروردگار تھا جبکہ علم اس کی ذات تھا لیکن کوئی معلوم نہیں تھا، شنوائی اس کی ذات تھی جبکہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو سنی جا سکے، بینائی اس کی ذات تھی جبکہ دیکھی جانے والی چیز کوئی نہیں تھی قدرت اس کی ذات تھی جبکہ مقدور کا وجود تک نہیں تھا۔ پھر جب اس نے اشیا کو ایجاد کیا اور معلوم وجود میں آگیا تو اس کا علم معلوم پر، شنوائی مسموع پر بینائی دیکھی جانے والی چیز پر اور اس کی قدرت مقدور پر واقع ہوئی،

ابو بصیر کہتے ہیں میں نے عرض کی: تو کیا خدا ہمیشہ سے متحرک تھا۔
جواب میں آپؑ نے فرمایا: خدا اس سے برتر ہے، یقیناً حرکت ایک حادث صفت ہے فعل وایجاد کے لئے، میں نے عرض کی، تو کیا خدا ہمیشہ سے متکلم تھا؟ جواب میں آپؑ نے فرمایا: کلام ایک ایسی صفت ہے جو حادث ہے جبکہ اس وقت کوئی متکلم نہیں تھا۔"

شرح وتفسیر:۔ قَوْلُهُ: «لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ رَبُّنَا» ظاہراً ربنا "زال" کی خبر ہے اور جملہ والعلم ذاتہ اس کے لئے حال ہے لیکن اس سے جملہ سلیس اور مقصود حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں پر مقصود ربوبیت کے ازلی ہونے کا اثبات نہیں ہے بلکہ معلوم سے قبل ازلیتِ علم کا اثبات مقصود ہے البتہ کہا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر اس ترکیب سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ربّنا اس مقام پر مرفوع ہو اور "زال" کے اسم کے تابع ہو جبکہ خبر محذوف ہو اور جملہ العلم ذاتہ اس پر دلالت کرتا ہو ۔ ایسی صورت میں عبارت یوں ہوگی «لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ رَبُّنَا عَالِماً وَالْعِلْمُ ذَاتُهُ.» اور یہ بھی احتمال ہے کہ "زال" تامہ ہو اور صرف مرفوع پر اکتفا کرتا ہو اس بنا پر یہ "زال" "یزول" ہوگا نہ کہ "زال، یزال" کیونکہ "یزال" کا ماضی ہمیشہ ناقص ہوتا ہے جبکہ یزول کا ماضی ہمیشہ تام ہوتا ہے۔

پھر «قَوْلُهُ: وَكَانَ الْمَعْلُومُ» کی عبارت میں کان تامہ ہے یعنی جب اشیا کو ایجاد کیا تو معلوم وجود میں آگیا۔

اور «قَوْلُهُ: مُحْدَثَةٌ بِالْفِعْلِ» کی عبارت میں اس بات کا احتمال ہے

کہ "بالفعل" "بالقوۃ" کے مقابلے میں ہو۔ مختصر یہ کہ معنی مصدری کا حامل ہو یعنی جو صفت ایجاد سے ہوگی وہ حق تعالیٰ کی صفت نہیں ہوگی۔ بہر حال اس حدیث میں نہایت اہم اور قابل احترام مطالب ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم ان کے اپنے مقام پر کریں گے۔

پہلی فصل

ذات کے ساتھ صفاتِ حق کی عینیت کا بیان

جان لو! کہ اس حدیث میں صفات کمالیہ حقیقیہ کے ساتھ ذات حقا کی عینیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جیسے علم، قدرت، سمیع وبصیر۔ البتہ یہ مباحث بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہیں لیکن اس مقام پر اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے البتہ ہم فلاسفر کے محکم برہان اور اہل معرفت کے طریقہ کے مطابق اس سلسلہ میں مذہب حقہ کی طرف ضرور اشارہ کریں گے۔

اپنے مقام پر یہ بات پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ جو چیز کمال کی قسم اور جمال کی جنس سے ہے اور تام وتمام ہے وعین وجود اور اصل حقیقت ہستی سے متعلق ہے۔ اور دار وجود میں ایک ہی محترم بنیاد اور اساس ہے جو تمام کمالات کا سرچشمہ اور تمام خیرات کا منشہ ہے اور وہ حقیقت وجود ہے اور اگر تمام کمالات عین حقیقت وجود نہ ہو اور کسی نہ کسی اعتبار سے عینیتوں کی گہرائی میں اس سے جدا ہو اور دونوں کے درمیان دوئیت پائی جاتی ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ دار تحقق میں دو بنیادیں اور عین اصول موجود ہیں اور یہ چیز بہت سے مفاسد کی حامل ہے۔ پس جو چیز بھی کمال ہے وہ مفہوم اور ماہیت کے اعتبار سے کمال نہیں ہے بلکہ نفسِ اعیان میں تحقق وحصول کی بنیاد پر کمال ہے۔ جو چیز نفس اعیان اور نفس الامر کی گہرائیوں میں متحقق ہے وہ ایک

ہی چیز ہے جسے وجود کہا جاتا ہے پس ہر کمال ایک بنیاد یعنی حقیقتِ وجود کی طرف لوٹتا ہے۔

اور یہ بات بھی پایہ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ حقیقت وجود تمام جہات سے بسیط محض ہے اور اس کا مقام ربوبیت اس وقت تک ہر قسم کی ترکیب سے مُبرّا ہے جب تک وہ اپنی خالص حقیقت اور ذات محض کے ساتھ باقی ہے لیکن اگر وہ اپنی اصلِ حقیقت سے تنزل کر جائے تو اس کے مشاہد منازل کے اعتبار سے عقلی و خارجی ترکیب اس پہ عارض ہو جائے گی۔ لیکن وہ اپنی نفسِ ذات کے اعتبار سے بسیط جبکہ ترکیب اس کے لئے ایک اجنبی اور عرضی چیز ہوگی۔

مذکورہ بیانات سے دو اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

الف: ایک یہ کہ بسیط من جمیع الجہات اپنی واحد احد منفرد حیثیت کے اعتبار سے تمام کمالات کا حامل ہے۔ وہ جس حیثیت سے موجود ہے اسی حیثیت سے عالم، قادر، حی اور صاحب ارادہ بھی ہے اور دیگر اسماء و صفات جمال و جلال کا مصداق بھی۔ وہ جس جہت سے قادر ہے اُسی جہت سے عالم بھی ہے اور جس جہت سے عالم ہے اُسی جہت سے قادر بھی ہے حی انہیں فرض عقلی اور اعتبار عقلی کے لحاظ سے بھی کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اسماء کے مفہوم میں اور جس کے پہلے ان لغات کو وضع کیا گیا ہے اس میں اختلاف ایسے مفاہیم عقلیہ کے اعتبار سے ہے جو لابشرط ہیں نہ کہ حقیقت عینیہ میں اختلاف ہو اور یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ کمال کے مختلف مفاہیم ایک ہی چیز سے نکلتے ہیں بلکہ سابقہ بیان سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تمام مفاہیم کمال حیثیت واحدہ سے نکلتے ہیں اور مفاہیم کمال مختلف حیثیتوں اور جہات سے نکلتے ہیں جیسا کہ بعض ممکنات میں اسی طرح سے ہے تو یہ بالعرض ہے اور حقیقت وجود کے تنزل اور بالعرض اعدام کے ساتھ شباہت کے اعتبار سے ہے۔

ب: دوسرا اصول یہ ہے کہ جو ہر جہت سے کامل اور کمال و خیر محض ہے اسے بسیط من جمیع الجہات بھی ہونا چاہیئے۔ نیز ان ہی دونوں اصولوں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں ترکیب کا کوئی امکان

نہیں ہے۔ ترکیب چاہے کسی بھی نوعیت کی ہو وہ ہر جہت سے کامل نہیں ہو سکتی اور نقص و عدم کا بھی اس میں امکان پیدا ہو جاتا ہے اور ناقص چیز کبھی بسیط مطلق نہیں ہو سکتی۔

پس حق تعالیٰ چونکہ بسیط تام ہے اور ترکیب کا کہ جو امکان و فقر اور غیر سے وابستگی کی موجب ہے، اُس میں مطلقاً طور پر کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ جہت سے کامل ہے اور تمام اسماء و صفات کا حامل ہے۔ وہ اصل حقیقت اور صریح ماہیت ہستی ہے جبکہ اس کے وجود میں غیر وجود اور کمال میں غیر کمال کا کوئی شائبہ نہیں ہے پس وہ وجود محض ہے کیونکہ اگر اس میں غیر وجود کا کوئی امکان ہوتا تو اس میں ترکیب کی بدترین قسم یعنی وجود و عدم کی ترکیب پائی جاتی۔ پس وہ علم محض، حیات محض، قدرت محض، بصر و سمع محض اور دیگر کمالات محضہ کا حامل ہے اس بنا پر امام صادق علیہ السلام کا یہ فرمان بھی سمجھ میں آجاتا ہے: «وَالْعِلْمُ ذَاتُهُ وَ الْقُدْرَةُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ ذَاتُهُ.»

نقل قول اور تحقیق مطلب

اوصاف حق کی تقسیم کے سلسلے میں حکماء کا بیان

حکمائے الٰہی نے صفات حق تعالیٰ کو تین طرح سے تقسیم کیا ہے۔

اول: صفاتِ حقیقیہ: اور اس کی خود دو قسمیں ہیں۔ ایک صفات حقیقیہ محضہ جیسے حیات، ثبات، بقا اور ازلیت وغیرہ اور دوسری صفات حقیقیہ ذات الاضافہ جیسے علم، قدرت اور ارادہ کہ جو معلوم و مقدور و مراد کی طرف اضافہ ہوتا ہے اور ان دونوں قسم کی صفات کو "عین ذات" کہا جاتا ہے۔

دوم: صفات اضافیہ محضہ: جیسے مبدئیت، رازقیت، راحمیت، عالمیت اور قادریت وغیرہ۔

ہی چیز ہے جسے وجود کہا جاتا ہے پس ہر کمال ایک بنیاد یعنی حقیقتِ وجود کی طرف لوٹتا ہے۔

اور یہ بات بھی پایہ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ حقیقت وجود تمام جہات سے بسیط محض ہے اور اس کا مقام ربوبیت اس وقت تک ہر قسم کی ترکیب سے مُبرّا ہے جب تک وہ اپنی خالص حقیقت اور ذات محض کے ساتھ باقی ہے لیکن اگر وہ اپنی اصلِ حقیقت سے تنزل کر جائے تو اس کے مشاہد منازل کے اعتبار سے عقلی و خارجی ترکیب اس پر عارض ہو جائے گی۔ لیکن وہ اپنی نفسِ ذات کے اعتبار سے بسیط جبکہ ترکیب اس کے لئے ایک اجنبی اور عرضی چیز ہوگی۔

مذکورہ بیانات سے دو اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

الف: ایک یہ کہ بسیط من جمیع الجہات اپنی واحد احد منفرد حیثیت کے اعتبار سے تمام کمالات کا حامل ہے۔ وہ جس حیثیت سے موجود ہے اسی حیثیت سے عالم، قادر، حی اور صاحب ارادہ بھی ہے اور دیگر اسماء و صفات جمال و جلال کا مصداق بھی۔ وہ جس جہت سے قادر ہے اُسی جہت سے عالم بھی ہے اور جس جہت سے عالم ہے اُسی جہت سے قادر بھی ہے حتیٰ انہیں فرض عقلی اور اعتبار عقلی کے لحاظ سے بھی کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اسماء کے مفہوم میں اور جس کے پہلے ان لغات کو وضع کیا گیا ہے اس میں اختلاف ایسے مفاہیم عقلیہ کے اعتبار سے ہے جو لابشرط ہیں نہ کہ حقیقت عینیہ میں اختلاف ہو اور یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ کمال کے مختلف مفاہیم ایک ہی چیز سے نکلتے ہیں بلکہ سابقہ بیان سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تمام مفاہیم کمال حیثیت واحدہ سے نکلتے ہیں اور مفاہیم کمال مختلف حیثیتوں اور جہات سے نکلتے ہیں جیسا کہ بعض ممکنات میں اسی طرح سے ہے تو یہ بالعرض ہے اور حقیقت وجود کے تنزل اور بالعرض اعدام کے ساتھ شباہت کے اعتبار سے ہے۔

ب: دوسرا اصول یہ ہے کہ جو ہر جہت سے کامل اور کمال و خیر محض ہے اسے بسیط من جمیع الجہات بھی ہونا چاہیئے۔ نیز ان ہی دونوں اصولوں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں ترکیب کا کوئی امکان

نہیں ہے۔ ترکیب چاہے کسی بھی نوعیت کی ہو وہ ہر جہت سے کامل نہیں ہو سکتی اور نقص و عدم کا بھی اس میں امکان پیدا ہو جاتا ہے اور ناقص چیز کبھی بسیط مطلق نہیں ہو سکتی۔

پس حق تعالیٰ چونکہ بسیط تام ہے اور ترکیب کا کہ جو امکان و فقر اور غیر سے وابستگی کی موجب ہے، اُس میں مطلقاً طور پر کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ جہت سے کامل ہے اور تمام اسماء و صفات کا حامل ہے۔ وہ اصل حقیقت اور صریح ماہیت ہستی ہے جبکہ اس کے وجود میں غیر وجود اور کمال میں غیر کمال کا کوئی شائبہ نہیں ہے پس وہ وجود محض ہے کیونکہ اگر اس میں غیر وجود کا کوئی امکان ہوتا تو اس میں ترکیب کی بدترین قسم یعنی وجود و عدم کی ترکیب پائی جاتی۔ پس وہ علم محض، حیات محض، قدرت محض، بصیر و سمیع محض اور دیگر کمالات محضہ کا حامل ہے اس بنا پر امام صادق علیہ السلام کا یہ فرمان بھی سمجھ میں آجاتا ہے: «وَالْعِلْمُ ذَاتُهُ وَ الْقُدْرَةُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ ذَاتُهُ.»

نقل قول اور تحقیق مطلب

اوصاف حق کی تقسیم کے سلسلے میں حکماء کا بیان

حکمائے الٰہی نے صفات حق تعالیٰ کو تین طرح سے تقسیم کیا ہے۔

اول: صفاتِ حقیقیہ: اور اس کی خود دو قسمیں ہیں۔ ایک صفات حقیقیہ محضہ جیسے حیات، ثبات، بقا اور ازلیت وغیرہ اور دوسری صفات حقیقیہ ذات الاضافہ جیسے علم، قدرت اور ارادہ کہ جو معلوم و مقدور و مراد کی طرف اضافہ ہوتا ہے اور ان دونوں قسم کی صفات کو "عین ذات" کہا جاتا ہے۔

دوم: صفات اضافیہ محضہ: جیسے مبدئیت، رازقیت، راحمیت، عالمیت اور قادریت وغیرہ۔

سوم: صفات سلبیہ محضہ: جیسے قدوسیت، فردیت اور سبوحیت وغیرہ اور ان دونوں قسم کی صفات کو "زائد بر ذات" کہا جاتا ہے اور ہر سلب کو سلب واحد کی طرف یعنی سلب امکان کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے اسی طرح تمام اضافات کو اضافۂ واحدہ موجدیت کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے اور مبداء اضافات کو اضافۂ اشراقیہ اور اضافۂ نوریہ کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے[2]۔ اور صفات حقیقیہ میں تقسیمات اور عینیت اور صفات اضافیہ اور سلبیہ میں زیادت کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اور اس پر برہان قائم کیا گیا ہے راقم کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور محکم فلسفی برہان اور صحیح عرفانی اعتبار کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اگر اسماء وصفات کے مفاہیم کا باب کھلتا ہے اور ہم کثرتِ مفہومی کی طرف نظر کرتے ہیں تو کسی صفت کو بھی عین ذات قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ اگر ذات کو عین اوصاف اضافیہ یا اوصاف سلبیہ قرار دیں تو اس کا لازمہ حق تعالیٰ کے اضافہ محض اور عین حیثیت سلبیہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اسی طرح اگر ہم حق تعالیٰ کو عین اوصاف حقیقیہ قرار دیں تو اس کا لازمہ حق تعالیٰ کے نفس مفاہیم اعتباری اور نفس معانی عقلی ہونے کی صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ اور اگر ہم حقائقِ اوصاف اور اسماء وصفات کے عینی مصداق کو مدنظر میں لائیں تو تمام اسماء اور صفات اضافی و حقیقی عین ذات مقدس ہوں گے اور عالمیت اور عالم، قادریت اور قادر کے درمیان صرف مفہومی اعتبارات کے لحاظ سے فرق رہ جائے گا اور تمام اوصاف اضافیہ رحیمیت اور رحمانیت ذاتی کی طرف لوٹ جائیں گے یہاں تک کہ رازقیت اور خالقیت وغیرہ بھی۔

اور یہ جو ہر سلب کو سلبِ امکان اور تمام اضافات کو اضافہ واحدہ کی طرف لوٹایا ہے اور اوصاف حقیقیہ میں سے کسی چیز کی طرف نہیں لوٹایا گیا تو یہاں پر بھی اگر مفاہیم کو دیکھا جائے تو ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسری کی طرف نہیں لوٹایا جا سکتا نہ تو سلبیتوں اور اضافات میں اور نہ ہی اوصاف حقیقیہ میں اور اگر حقائق کی طرف نظر کی جائے تو تمام اوصاف حقیقیہ بھی حقیقت واحدۂ واجبہ کی طرف لوٹیں گے۔

ذات مقدس کے ساتھ اوصاف کی عینیت کا تحقیقی جائزہ

مختصر یہ کہ اوصاف کے باب میں حکمت نظری کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اوصافِ حقیقی اور اضافی مطلقہ طور پر مفاہیم کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی عین ذات مقدس نہیں ہے۔ تاہم اوصاف کے لئے دو مرتبے ہیں ایک ذات اور اوصاف ذاتی کا مرتبہ کہ جس سے علم وعالمیت وقدرت وقادریت کو اخذ کیا جاسکتا ہے اور ایک اوصاف فعلی کا مرتبہ ہے کہ جس سے بھی علم وعالمیت وقدرت وقادریت کو اخذ کیا جاسکتا ہے لیکن اوصاف سلبی جیسے قدوسیت وسبوحیت اور اسماء تنزلیہ ذات مقدس کے لوازم میں سے ہیں اور ذات مقدس ان کے اعتبار سے مصداق بالعرض ہے کیونکہ حق تعالیٰ کمال مطلق ہے اور کمال مطلق بالذات کا اس پر اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اصل حقیقت وہی ہے اور اس سے نقائص کو سلب کرنا اس کے لوازم میں سے ہے اور سلب نقص کا عرضی مصداق کمال ہے اور اہل معرفت اور اصحاب قلوب "فیض اقدس" کے اعتبار سے مقام تجلی کو مبدا اسماء ذاتی قرار دیتے ہیں اور فیض مقدس کے اعتبار سے مقام تجلی کو مبدا اوصاف فعلی جانتے ہیں اور فیض مقدس کے اعتبار سے تجلی کو "غیر" قرار نہیں دیتے جیسا کہ "عین" بھی قرار نہیں دیتے۔ اور اگر اس سلسلے میں بحث کو جاری رکھا گیا تو ان کے طریقوں پر اسماء وصفات کی بحث میں پڑنا پڑے گا جو ہمیں اپنے مقصد سے دور کر دے گی۔

اور بعض نے صفات حق تعالیٰ کو امور عدمی کی طرف لوٹایا ہے اور "علم" کو عدم جہل اور "قدرت" کو عدم عجز سے عبارت قرار دیا ہے۔ اہل معرفت میں سے اگر میں کسی کو اس بات پر اصرار کرتے دیکھا ہے تو وہ عارف جلیل قاضی سعید قمی[۲] مرحوم نہیں کہ جنھوں نے اس سلسلہ میں اپنے استاد کی اتباع کی ہے کہ جو

ظاہراً املا رجب علی[5] مرحوم ہیں اور ان کا بیان شرح "توحید"[6] میں مذکور ہے۔ ہم پہلے ہی اُن کے برہان کا جواب دے چکے ہیں اسی طرح جن بعض احادیث کے ظواہر سے انھوں نے تمسک کیا ہے ہم اس کا جواب بھی برہانی انداز میں دے چکے ہیں۔

دوسری فصل

تخلیق سے قبل علم کی ماہیت کا بیان

مقدس ترین ابحاث میں سے ایک جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے وہ ازل میں تخلیق و ایجاد سے پہلے اپنے معلولات کا علم ہے۔ اس مسئلے میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ آیا خود یہ علم اور اس کی کیفیت اجمالی ہے یا تفصیلی یا یہ کہ زائد بر ذات ہے یا عین ذات یا ایجاد سے قبل ہے یا ایجاد و تخلیق کے بعد۔ البتہ اس کی تفصیل ہمارے علماء کی کتابوں میں موجود[7] ہے۔ لیکن اس مقام پر ہم صرف تحقیق شدہ گفتگو پر اکتفا کریں گے اور دوسرے اقوال پر تنقیدی نگاہ ڈالنے سے صرف نظر کریں گے۔

ارباب برہان اور اصحاب عرفان کے نزدیک جو چیز ثابت شدہ ہے اسی کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی ایجاد و تخلیق سے قبل ازل سے ہی معلوم سے متعلق علم ہے اور وہ علم عین ذات ہے اور اس علم کے تفصیلی ہونے کی طرف حدیث میں یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ اشیا کو دیکھتا ہے جبکہ دیکھی جانے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے وہ سمیع ہے جبکہ کو مسموع نہیں ہے کیونکہ بصیر و سمیع ہونا تفصیلاً مبصرات و مسموعات کا شہود ہیں جیسا کہ یہ ایک امر واضح ہے۔ اسی طرح اس جگہ پر بھی علم تفصیلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں امام علیہ السلام نے فرمایا ہے: «فَاِذَا اَحْدَثَ الْاَشْیَاءَ وَکَانَ الْمَعْلُومُ، وَقَعَ الْعِلْمُ مِنْہُ عَلَی الْمَعْلُومِ...»

کیونکہ ایجاد و تخلیق کے بعد بھی علم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ متحقق ہونے کے بعد علم معلول پر واقع ہوا اور ہم اس کے بعد معلوم پر وقوع علم کا مطلب بیان کریں گے۔

محقق فلاسفہ کے نزدیک ایمان سے متعلق اس شریف اور مقدس مطلب کا بیان کچھ یوں ہے کہ جب گذشتہ فصل میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ حق تعالیٰ صرف وجود اور صرفِ کمال ہے اور صرف وجود بساطت کے ساتھ جو وحدت تامہ رکھتا ہے اس کی وجہ سے جامع جمیع کمالات اور مکمل طور پر مستجمع جمیع وجودات ہے اور جو چیز اس کے وجود کی حدود سے باہر ہے وہ عدم اور نقص ہے اور مجموعی طور پر لا شئ ہے اور اس ذات مقدس کے ساتھ دیگر مراتب وجود کی نسبت اس طرح ہے جس طرح کمال کے ساتھ نقص کی نسبت ہوتی ہے اور کمال مطلق کا علم، بغیر کسی نقص و عیب کے مطلقِ کمال کا علم ہے۔ اور یہ عین کشف تفصیلی کلی بسیط ہے اگرچہ اس کے دائرہ علم سے ازلاً و ابداً کوئی موجود خارج نہیں ہے لیکن اس میں کسی لحاظ سے بھی کثرت اور ترکیب کا گزر نہیں ہے۔[8]

لیکن عرفا کی روش کے مطابق حق تعالیٰ مقام حضرت "واحدیت" میں مستجمع جمیع اسماء و صفات ہے اور مقام جمع اسمائی اور اعیان ثابتہ جمیع موجودات ازل سے ایجاد و تخلیق سے قبل حضرت جمع میں اسماء الہیہ کے لوازم میں سے ہے اور تجلی مطلق ذات کا تعلق مقام احدیت مقام غیب ہویت کشف جمیع اسماء صفات اور ان کے لوازم سے ہے، اور اعیان ثابتہ تجلی واحد اور کشف بسیط مطلق کے اعتبار سے جمیع موجودات ہے پس تجلی فیض اقدس کے اعتبار سے عین کشف علمی کشف ذات و اسماء و صفات و اعیان ہے جبکہ اس میں کسی ترکیب اور کثرت کا بھی گزر نہیں۔[9]

اور یہ دو طریقے نہایت مستحکم، متین اور عظیم ہیں لیکن چونکہ بہت زیادہ دقت طلب ہے اور اہل اللہ کی اصطلاحات اور فلسفے اور اصحاب قلوب کے بیان کردہ بہت سے اصولوں پر استوار ہیں لہٰذا جب تک کسی کے لئے وہ مقدمات حاصل نہ ہوں اور وہ پوری طرح ان سے انس نہ رکھتا ہو اور میں مکمل مہارت پیدا

نہ کرے اور علمائے باللہ پر اُس کا کامل حُسنِ ظن نہ ہو اور اس وقت تک اُسے ان بیانات سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ اس کی حیرت میں مزید اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اس لحاظ سے بہتر اور مناسب یہی ہے کہ اس مسئلے کو زیادہ سادہ انداز میں جو عوام الناس کے اذہان کے بھی قریب تر ہو، بیان کیا جائے۔

واجب الوجود تعالیٰ شانہ کی علیت اور مبدئیت طبیعی فاعلوں کی سے علیت کی مانند نہیں ہے کہ جو پہلے سے موجود مواد کو آگے پیچھے کرتے ہیں جیسے وہ بڑھئی جو پہلے سے موجودہ مواد میں تبدیلی لاتا ہے، کبھی اُسے جوڑتا ہے، کبھی توڑتا ہے یا ایک مستری جو پہلے سے موجود مواد کو ترتیب دیتا ہے بلکہ حق تعالیٰ فاعلِ الٰہی ہے جو اشیاء کو بغیر کسی سابقے کے اپنے ارادے کے ذریعہ وجود میں لاتا ہے اور خود اس کا علم اور ارادہ اشیا کے وجود و ظہور کی علت ہے۔ پس دار تحقق اس کے دائرۂ علم میں ہے اور اسی کے اظہار سے پوشیدہ خزانۂ غیب ہویت سے اشیا ظاہر ہوتی ہیں:

«وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ»[1] علما کے نزدیک ذات مقدس کی نسبت صفو اعیان بالکل ایسے ہی ہے جیسے اذہان کی نسبت نفسِ انسانی کے ساتھ، کہ نفس ارادہ سے اُسے ایجاد کرتا ہے۔ اور جو چیز غیب ہویت میں ہے اُسے ظہور میں لے آتا ہے۔ پس تمام دائرہ تحقق علم کے احاطے میں ہے، وہاں سے ہی ہر چیز ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس جگہ پر ہر چیز کو لوٹ کر واپس جانا ہے:

«اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.»[2]

زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کسی سبب اور شئے کی علت تامہ کا علم اُس شئے کا علم بھی ہوتا ہے مثلاً جو منجم فلاں ساعت اور فلاں روز سورج اور چاند گرہن کا علم حاصل کرتا ہے وہ ان کے اسباب سے مطلع ہونے کی بنا پر ہے کیونکہ وہ پہلے شمس و قمر اور زمین کی گردش کو نوٹ کرتا ہے اور اس گردش کو نوٹ کرنے کے بعد شمس و قمر کے درمیان زمین کے حائل ہونے اور زمین و شمس کے درمیان قمر کے حائل ہونے کا وقت معلوم کر لیتا ہے اور اگر اس نے اس گردش کو صحیح طور پر معلوم کر لیا ہو تو اس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں ہوگا۔ اور چونکہ اسباب و مسببات کا تمام سلسلہ ذات مقدس

مبدا المبادی پر ہی ختم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ چونکہ اپنی ذات کا علم رکھتا ہے جو تمام موجودات کا سبب ہے لہذا سبب کے علم کی بنا پر مسببات کا بھی علم رکھتا ہے۔

ہر شخص اپنے مرتبے کے مطابق ان مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرتا ہے۔ البتہ ان میں سے بعض صورتیں بعض کی نسبت زیادہ محکم واستوار اور مقصد کے زیادہ قریب ہیں۔

تیسری فصل

حق تعالیٰ کے سمیع وبصیر ہونے کا معنی

فلاسفہ عظام کے درمیان حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے باب میں ایک بحث حق تعالیٰ کے لئے "سمیع" و "بصیر" ہونے کے اثبات سے متعلق ہے۔ اکثر حکماء ومتکلمین نے "سمیع" و "بصیر" ہونے کو علم کی طرف لوٹایا ہے جبکہ شیخ الاشراق نے علم کو سمع و بصر[۱۱۳] کی طرف لوٹایا ہے البتہ ہر ایک نے ایک مخصوص طرز بیان کے ساتھ اسے موضوع گفتگو بنایا ہے جسے اختصار کے پیش نظر یہاں پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ہم بزرگ علماء کے مذہب ومکتب کو اس انداز میں ایک طریقے سے بیان کریں گے کہ جس سے مطلق اسماء وصفات کے سلسلے میں حق واضح ہو جائے۔

بے شک بہت سے فلاسفہ اور اکابر علماء نے بعض جہات سے غفلت اور سہل انگاری کی بنا پر بعض اسماء وصفات کو بعض دیگر اسماء وصفات کی طرف لوٹایا ہے چنانچہ ان کے درمیان معروف ومسلم یہ ہے کہ ارادہ حق تعالیٰ، خیر ونیکی اور نظام اکمل کے علم سے عبارت ہے۔ مثلاً "سمیع" و "بصیر" و "علم" کے باب میں پایا جانے والا اختلاف اور ہر ایک کو دوسرے کی طرف لوٹانے کا مسئلہ، چنانچہ

اس بات کو بیان کیا جاچکا ہے۔ اور یہ چیز خلاف تحقیق اور بعض جہات سے غفلت کا نتیجہ ہے کیونکہ اگر ارادہ کا خیر و نیکی کے علم کی طرف لوٹنے یا علم کا سمیع ہونے یا سمیع ہونے کا علم کی طرف لوٹنے سے وادیہ ہے کہ حق تعالیٰ نہ تو ارادہ رکھتا ہے اور نہ ہی سمیع و بصیر ہے بلکہ اُسی علم کو ارادہ اور سمیع و بصر قرار دیا گیا ہے تو یہ بات نہایت باطل اور رسوا کن ہے۔ کیونکہ اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ ارادے و اختیار کے بغیر مبدا، وجود ہو۔ علاوہ ازیں حق تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ کے ساتھ متصف ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ صفت موجود بما انہ موجود کے لئے صفت کمال ہو۔ مختصر یہ کہ صفت نفس کو حقیقت وجود اور اصل ذات وجود کے کمالات میں سے ہونا چاہیے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ "ارادہ" حقیقت مطلق وجود کی صفات کمال میں سے ہے لہذا وجود جتنا بھی اپنے مقام سے تنزل کرے گا اُتنا ہی اُس میں ارادہ ضعیف و کمزور ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ ایک مقام ایسا آئے گا جب اُس وجود سے ارادہ مکمل طور پر سلب ہو جائے گا اور اکثر لوگ اُسے صاحب ارادہ قرار نہ دیں۔ جیسے معدنیات اور نباتات وغیرہ جیسی قدرتی چیزیں۔ اور وجود اپنے موافق کمالات کے جتنے اعلیٰ مدارج طے کرے گا اُتنا ہی اُس میں ارادہ زیادہ ظاہر اور قوی ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ طبیعی موجودات میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مقام ہیولیٰ، جسم و عنصر، معدن و نبات کے مرتبے سے جونہی خارج ہوتے ہیں تو علم و ارادہ اُن میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور جس قدر وہ اعلیٰ مدارج طے کرتے جاتے ہیں یہ شریف و مقدس جوہر اُن میں کامل تر ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان کامل ایسے ارادہ کامل کا حامل ہوتا ہے جو صرف ارادے کے ذریعے ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کر دیتا ہے اور عالم طبیعت اس کے ارادے کے سامنے خاضع ہوتا ہے۔ پس یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "ارادہ" وجود اور موجود بما انہ موجود کی صفات کمالیہ میں سے ہے اور یہاں سے ذات حق تعالیٰ کے لئے اسی حقیقت (ارادہ) کو بھی کسی دوسری حقیقت کی طرف لوٹائے بغیر ثابت کر سکتے ہیں۔

اسی طرح تحقیق کے مطابق "سمیع" و "بصیر" بھی کمالات موجود مطلق کے

تصدیق ہے اور سننے اور دیکھنے کی حقیقت جسمانی آلات داد وات سے مقید علوم پر استوار نہیں ہے بلکہ آلات کی ضرورت عالم طبیعت اور ملک بدن میں نفس کی قوت سماعت و بصارت کے ظہور میں ہے چنانچہ "علم" کو بھی مملک طبیعت میں ظہور کے اعتبار سے اُم الدماغ کی ضرورت ہے اور یہ عالم طبیعت اور مُلک بدن کے ناقص ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ علم و سمع و بصر میں سے کوئی ناقص ہے [.........] دوگر نہ یہی انسان) حقائقِ عالم غیب کا مشاہدہ کرتا ہے اور ملائکہ و روحانیین کے ملکوتی کلام کو سنتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ مناجات کے دوران کلام حق کو سنتے تھے اور حضرت محمد ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ سے تکلم فرماتے تھے اور حضرت جبرئیل کو ملکوتی صورت میں دیکھتے تھے جبکہ کوئی کان اس کی آواز کو نہ سنتا اور نہ ہی کوئی آنکھ اُسے دیکھ پاتی جبکہ وہ نزول وحی کے وقت ایک ہی محفل میں رسول اللہؐ کے ہمراہ ہوتے۔

مختصر یہ کہ سمع و بصر کا تعلق بھی ایسے علوم سے ہے جو اصل علم سے زائد اور حقیقت علم کے علاوہ ہیں اور مطلق وجود کے کمالات میں سے ہیں۔ پس حق تعالیٰ کے لئے ان کا اثبات کہ جو مبدائے اصل وجود اور سرچشمہ کمال ہستی ہے، لازم اور ضروری ہے۔

اگر ارادہ و سمع و بصر کو علم کی طرف یا علم کو ان کی طرف لوٹانے سے اُن کی مراد یہ ہے کہ علم و ارادہ ایک ہی جہت و حیثیت سے حق تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور ذات مقدس میں سمع و بصر و علم کی مختلف جہات اور حیثیتیں نہیں ہیں تو یہ بات برحق اور برہان کے موافق ہے لیکن اس چیز کو ان ہی اوصاف کے ساتھ مختص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ مطلق اوصاف ایسی حقیقت کی طرف لوٹتے ہیں جو وجود صرف ہے۔ اور یہ چیز ذات حق کے لئے مختلف و متکثر اوصاف کے اثبات کے منافی نہیں ہے بلکہ اسی پر تاکید ہے کیونکہ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ وجود جس قدر وحدت کے زیادہ نزدیک ہوگا اور کثرت کے افق سے زیادہ دور اور مبرا ہوگا اتنا ہی اسماء و صفات کے اعتبار سے زیادہ جامع ہوگا یہاں تک کہ صرفِ وجود اور حقیقت بسیطۂ واجبہ، جَلَّتْ عَظَمَتُهُ وَعَظُمَتْ قُدْرَتُهُ کا مرتبہ

حاصل کرے جو وحدت وبساطت کی غایت ہے مستجمع جمیع کمالات ہے اور جامع جمیع اسماء وصفات ہے۔ تمام مفاہیم کمال اور معانی جلال وجمال حقیقت میں اُس پر صادق آتے ہیں۔ ذات مقدس حق پر اُن کا اطلاق احقیت اور اولویت کے تمام مراتب کی نسبت زیادہ احقیت اور اولویت رکھتا ہے۔

اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ وحدت جتنی اقویٰ واکمل ہوگی تو مفاہیم کا اطلاق اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اور اسماء وصفات میں اضافہ ہوگا اور اس کے برعکس ایک موجود جتنا افق کثرت سے نزدیک تر ہوگا اُتنا ہی مفاہیم کمال اُس پر کمتر صادق آئیں گے اور صادق آنے کے اعتبار سے بھی ضعیف تر اور مجاز کے قریب تر ہوں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وحدت کے مساوق اور موجود بماھو موجود کے کمالات میں سے ہے اور یہاں پر مساوق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ "وجود" اور "وحدت" کا مفہوم مختلف ہے لیکن عالم عین میں حقیقت وجود عین حقیقت وحدت ہے۔ چنانچہ کثرت جس جگہ بھی پڑاؤ ڈالتی ہے وہاں پر نقص وعدم شر و ضعف اور سستی و بے حالی بھی اپنے قدم جما لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وجود نقص کی منزلوں کی طرف جتنا تنزل کرتا ہے، وہاں کثرت تمام مراتب وجود سے زیادہ ہوتی مقام ربوبیت اور ساحت مقدس کبرائی جل وعلا جو صرف وجود ہے، ف وحدت وبساطت ہے اور اس میں کثرت وترکیب کا کوئی گزر نہیں ہے۔ اور اس سے قبل ہم اشارہ کرچکے ہیں کہ وجود اہلِ حقیقت کمال اور سرچشمہ جلال وجمال ہے لہٰذا صرف وجود صرف وحدت وصرف کمال ہے پس صرف وحدت بھی صرف کمال ہے پس جسکی وحدت اعلیٰ مرتبہ پر تمام اسماء وصفات وکمالات کا اس پر اطلاق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا اس پر اطلاق ہونا احق اور اولیٰ ہے جبکہ اس کے برعکس جتنا کثرت سے نزدیک ہوگا، اُتنا ہی اُس میں نقص زیادہ ہوگا اور مفاہیم کمالات واسماء وصفات بھی اسی اسی اعتبار سے صادق آئیں گے اور ان کے صادق آنے کی کیفیت بھی ضعیف تر ہوگی۔ پس حق تعالیٰ جل جلالہ تمام کمالات کا حامل اور مستجمع جمیع اسماء وصفات ہے۔ جبکہ ان میں سے کوئی اسم، صفت یا کمال دوسرے کی طرف بھی نہیں لوٹتا بلکہ ہر ایک اپنی حقیقت کے مطابق اس کی ذات مقدس پر صادق آتا ہے۔ اور ذات

مقدس میں کسی اعتبار سے بھی کثرت لازم آئے بغیر اس کے سمع و بصر و ارادہ و علم سب کا حقیقی معنی ہے۔ «فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ وَالْأَمْثَالُ الْعُلْيَا وَالْكِبْرِيَاءُ وَالْآلَاءُ»[۱۳۲]

چوتھی فصل

معلومات کے ساتھ علم حق تعالیٰ کے تعلق کی کیفیت

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے علم بسیط ذاتی اور کشف واحد ازلی کی بنا پر جمیع موجودات بما انہا موجودات اور جہت کمال کے اعتبار سے جہات وجودیہ کمالیہ معلوم و مکشوف ہیں۔ اور یہ کشف عین بساطت اور وحدت کے ساتھ تام تفصیلی ہے یہاں تک کہ سماوات ارواح اور اراضی اشباح میں سے ایک ذرہ بھی ازلاً اور ابداً اس کے دائرۂ علم سے خارج نہیں ہے اور یہ علم اور کشف ازلی ہے اور عین ذات مقدس ہے اور معلومات اپنے تعینات اور حدود کے ساتھ، کہ جن کی بر گشت عدم اور نقص کی طرف ہے۔ ایجاد و تخلیق کے بعد بالعرض متحقق ہو جاتی ہیں اور علم بالعرض سے متعلق ہو جاتی ہیں اور یہ تعلق بالعرض ایجاد و تخلیق کے بعد ہوتا ہے اور اس حدیثِ شریف میں اسی چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی «فَلَمَّا أَحْدَثَ الْأَشْيَاءَ وَكَانَ الْمَعْلُومُ، وَقَعَ الْعِلْمُ مِنْهُ عَلَى الْمَعْلُومِ.» اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ عبارت تجلی "فیض مقدس" سے حاصل ہونے والے علم فعلی کی طرف اشارہ ہو اور معلومات سے مراد معلومات بالذات ہوں کہ جو فیض مقدس سے متعلق وجودی حقائق اور ایک ظہوری نوری تجلی ہیں۔

پس پہلے احتمال کی بنا پر عبارت یوں ہوگی: «فَلَمَّا تَجَلَّىٰ بِفَيْضِهِ الْمُقَدَّسِ وَظَهَرَ الْكَوْنُ بِالْعَرَضِ، وَقَعَ الْعِلْمُ عَلَى الْمَعْلُومِ. أَيْ، ظَهَرَ

الْفَيْضُ فِي مِرْآةِ الْمُسْتَفِيضِ بِالْعَرَضِ.[14]»

اور دوسرے احتمال کی بناپر عبارت یوں ہوگی: «فَلَمَّا تَجَلّٰی بِفَيْضِهِ الْمُقَدَّسِ وَظَهَرَ وُجُودُ الْكَوْنِ بِالذَّاتِ، اَيْ بِلَا حَيْثِيَّةٍ تَقْيِيدِيَّةٍ، وَقَعَ الْفَيْضُ عَلَى الْمُسْتَفِيضِ بِالذَّاتِ.[15]» دونوں تعبیروں کے لحاظ سے فیض مقدس کے سبب سے ہونے والی تجلی زمانی تغیرات اور تبدیلیوں کے زیر اثر نہیں ہے اور حق تعالیٰ کی ایجاد و تخلیق تغیر و تبدل بلکہ تعین و تحدید سے بھی مبرا و منزہ ہے چنانچہ علم ذاتی بسیط من جمیع الجہات ہے اور تمام حیثیات پر محیط ہے، علم فعلی جو حق کی حقیقی علامت اور اس کے علم ذات کا ظہور و آئینہ ہے، بسیط تام اور واحد مطلق ہے اور پورے دائرہ تحقق پر محیط ہے جبکہ اس میں تعین و تجدد اور ترکیب کا بھی کوئی گذر نہیں ہے۔ نہایت کلام یہ ہے کہ وہ متقوم بالذات ذات مقدس کبریا کے سہارے قائم ہے اور نفس ارتباط محض ہے۔ اسی لئے کبریائے حق کی ذات میں فانی اور ذوالجلال کے سامنے سراپا حضور ہے۔ اور اسی حوالے سے اسے علم حق قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ علم عقل میں نفس ناطقہ کا حقائق علمی کی تخلیق، لوح خیال میں مثل خیالی کا ایجاد کرنا علم فعلی نفس ہے اور اس کی ذات میں فانی۔

فلاسفہ کے بقول حق تعالیٰ سے لوح نفس الامر کی نسبت ایسے ہی ہے جیسے نفس کے ساتھ علمی صور کی نسبت احدا سی احاطے، وسعت و بساطت اور نفوذ کی بناپر کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ علم حکماء کے اعتبار سے جزئیات کا عالم ہے یعنی معلوم میں جزئیت، محاطیت اور محدودیت علم کو محدود کرنے کا سبب نہیں بنتی۔ پس علم محیط، قدیم و ازلی اور غیر متغیر ہے اور غیر عارف نے اُن کے اسلوب کلام پر یہ گمان کیا ہے کہ انھوں نے جزئیات کے علم کی نفی کی ہے اور کلیت و جزئیت کو اہل منطق و لغت کے درمیان عام طور سے مروج معنی میں لیا ہے۔ حالانکہ وہ اس چیز سے غافل ہیں کہ اہل معرفت کی اصطلاح میں کلیت و جزئیت کا کچھ اور ہی معنی ہے۔ اسی طرح اہل نظر نے بھی بعض جگہ پر ان ہی کی اتباع کی ہے بلکہ درحقیقت یہ معنی علم واجب الوجود جلّ اسمہ و تعالیٰ شانُہٗ کے باب میں

اہل معرفت حکماء سے اخذ کیا گیا ہے۔

پانچویں فصل

صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا معیار

ذات مقدس واجب جَلَّ اسمہ کے لئے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ وصف جو اوصاف کمالیہ اور صفات جمالیہ سے ہے اور اصلِ حقیقتِ وجود و صرفِ ذات ہستی کہ جو بغیر کسی تعین کے ہے اور کسی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تبدیلی کے بغیر اس کے لئے ہے مختصر یہ کہ جو صفت عین ہویت ہستی اور ذات نوریہ وجودیہ کی طرف لوٹتی ہے وہ ذات مقدس تعالیٰ شانہ کے لئے لازم الثبوت اور واجب التحقق ہے کیونکہ اگر ذات مقدس کے لئے وہ صفت ثابت نہ ہو تو پھر اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ یا ذات مقدس وجود محض اور ہستی محض نہیں ہے یا صرف وجود کمال محض اور صرف جمال نہیں ہے اور یہ دونوں صورتیں مکتب عرفان اور مسلک برہان کے نزدیک باطل ہیں۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس بات کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

اور ہر وہ صفت جو کسی موجود کے لئے ثابت نہ ہو مگر تعینات کے مراتب میں سے ایک مرتبے طرف تنزل کرنے اور انواع تقییدات میں سے کسی ایک نوع میں تبدیل ہونے اور ناقص مراتب میں سے کسی ایک مرتبے کے ساتھ ہم رکاب ہونے اور کمزور وضعیف حدود میں سے کسی حد کا جز ولازم بننے کے بعد اور مختصر یہ کہ جو چیز ذات ہستی میں سے نہیں ہے اور حدود اور ماہیات کی طرف لوٹتی ہے وہ اس کا مطلق طور پر کامل ذات سے سلب کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے ممتنع التحقق ہے کیونکہ ذات کامل مطلق اور ذات صرفِ وجود جیسا کہ صرف کمال

کا مصداق ہے اسی طرح سلب نقائص سلب حدود و اعدام اور سلب ماہیات کا مصدوق علیہ بھی ہے۔

اور یہ جو محققین کے درمیان مشہور ہے کہ صفات سلبیہ، سلب واحد کی طرف لوٹتی ہیں کہ جو سلب امکان ہے[16]۔ راقم کی نظر میں درست نہیں ہے بلکہ جیسے ذات مقدس تمام صفاتِ کمال کا ذاتی مصداق ہے اور کوئی صفت دوسری صفت کی طرف رجوع نہیں کرتی۔ جیساکہ پہلے واضح ہوچکا ہے۔ اسی طرح ہر نقص کے سلب کے لئے مصدوق علیہ اور مصداق بالعرض ہے۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اعدام اور نقائص جہت واحدہ کے حامل ہیں ولا مُیَزَّ فی الاعدام کیونکہ اگر نفس واقع اور نفس الامر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عدم مطلق جہت واحدہ ہونے کے باوجود ہر عدم کو شامل بھی ہے۔

اس طرح وجود مطلق بھی حیثیت واحدہ ہے اور ہر قسم کے کمالات کا حامل بھی پس جب مقام "احدیت" اور مقام غیب الغیوب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو اس کے لئے کوئی صفت ثابت نہیں کی جاسکتی نہ تو صفات حقیقیہ ثبوتیہ کو ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی صفات سلبیہ جلالیہ کو لیکن مقام "واحدیت" اور مقام جمع اسماء وصفات کو اگر نظر میں رکھا جائے تو چونکہ صفاتِ ثبوتیہ کمالیہ متکثر ہیں اور ہر صفتِ کمال کا لازمہ سلب صفت نقص ہے کہ جو اس کے مقابل پر ہے اور ذات مقدس حق بالذات مصداق "عالم" مصداق ہے اور "جاہل نہیں ہے" کا بالعرض مصداق ہے اور چونکہ وہ "قادر" ہے لہذا "عاجز نہ ہونے" کا بھی بالعرض مصداق ہے اور جیساکہ علم اسماء کے باب میں ہے کہ اسماء وصفات ثبوتیہ کے لئے محیطیت محاطیت اور ریاست ومرئوسیت ہے اسی طرح اسماء وصفات سلبیہ کے لئے بھی تبعاً یہی عناوین قابل تصور ہیں۔

مختصر یہ کہ جب صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا معیار سمجھ میں آگیا تو یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ذات مقدس حق تعالیٰ میں اس حرکت کا کوئی امکان نہیں جو قوۃ اور ہیولی کے ذریعہ قائم ہے اور جن کی ذات میں ہی تغیر وتبدل پایا جاتا ہے۔

اس عرفی اور رائج مفہوم میں جس "متکلم" کے بارے میں راوی

نے سوال کیا ہے وہ اس محدثہ متجددہ کی صفت ہے جس سے حق تعالیٰ منزہ و مبرا ہے اور یہ چیز مقام ذات میں حق تعالیٰ کے لئے تجدد و حدوث سے مبرا معنی میں کلام متکلم ذاتی کے اثبات کے منافی نہیں ہے۔

اجمالی طور پر اس بات کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ "حقیقت تکلم" کسی خاص مقام سے کلام ظاہر ہونے پر موقوف نہیں ہے اور عام طور پر اور عرف لغت میں کلام کے ساتھ جو اس قسم کی قید لگائی جاتی ہے یا کلام کا لفظ آتے ہی جو اس طرح سمجھا جاتا ہے تو یہ ہمارے اُنس و عادت کے ساتھ ساتھ اوہام و افکار کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقی معنی کے اعتبار سے کلام کو مقید نہیں کیا گیا اور نہ ہی کسی خاص چیز کے لئے خود بخود متعین ہو گیا ہے۔ علم و دانش محض اور عالم کے نزدیک شئے کے ظہور سے عبارت ہے اور علم اس چیز کے ساتھ مقید نہیں ہے کہ کسی مادی چیز مثلاً دماغ یا معنوی وسیلے مثلاً حس مشترک اور لوحِ خیال سے حاصل ہو۔ اگر فرض کریں کہ کوئی اپنے ہاتھ یا پاؤں سے کسی چیز کا علم پیدا کرتا ہے کوئی چیز سنتا ہے یا دیکھتا ہے تو علم و سمع و بصر کا اطلاق اس پر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عالم خواب میں کچھ دیکھتا ہے سنتا ہے گفتگو کرتا ہے اور احساس کرتا ہے تو ان تمام معانی کا اطلاق حقیقۃً اس پر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان محسوس اور مخصوص آلات و وسائل میں سے کسی نے کام نہیں کیا ہے۔ پس معانی و مفاہیم کے اطلاق کے لئے معیار نفسِ ادراک مخصوص ہے۔ اور حقیقت "تکلم" کسی مخصوص عضو کو کام میں لائے بغیر مافی الضمیر کا اظہار ہے۔ اگر بالفرض لغت اور عرف کے اعتبار سے یہ مجاز بھی ہو تب بھی معانی اور حقائق میں اس طرح کی قیود نہیں ہیں اور عقل کے اعتبار سے یہ معانی اس پر صادق آتے ہیں۔ اور ہمیں اسماء و صفات کے باب میں لغوی بحث سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ مقصود نفس حقائق کا اثبات ہے۔ اگرچہ لغت اور عرف اس کا ساتھ نہ بھی دیتے ہوں۔ پس اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت کلام مافی الضمیر کا اظہار ہے چاہے وہ حسی وسائل و آلات کے ذریعے ہو یا غیر حسی اور چاہے کلام صوت لفظ اور خارجی فضا کی صنف سے ہو یا نہ۔ پس کلام اس حقیقت کے اعتبار سے وجود کے اوصاف کمالیہ میں سے ہے کیونکہ ظہور و

اظہار کا تعلق حقیقت وجود سے ہے اور حقیقت وجود کی طرف ہے اور وجود جس قدر کمال و قوت کی طرف جاتا ہے اس کا ظہور و اظہار بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ افق اعلیٰ اور مقام واجب تک پہونچ جائے جو نور الانوار، نور علی نور اور ظہور علی ظہور ہے اور وہ اطلاقی فیض مقدس کے ساتھ اور کلمہ "کن" وجودی کے ساتھ واحدیت کے مقام غیب پر جوہر کا مرتبہ ہے اس کا اظہار غیب مقام واحدیت میں جو کچھ کرے۔ اور فیض اقدس اور تجلی ذاتی احدی کے ساتھ غیب مطلق اور مقام لامقامی احدیت کا اظہار فرمائے۔ اور اس تجلی احدی میں متکلم وہ ذات مقدس احدی ہے جو مستجمع جمع اسماء اور صفات ہے جبکہ کلام خود تجلی ہے اور سامع اور مطیع علمی حقائق میں اسماء و صفات کا لزوم ہے۔ اور احد "کن" کے ذریعے تحقق عینی پیدا کرتے ہیں۔ «فَاِذا قالَ لِكُلِّ عَيْنٍ اَرادَ اِيْجادَها: كُنْ فَيُطيعُ الْأَمْرَ الْاِلٰهِيَّ، فَيَكُونُ وَيَتَحَقَّقُ.» البتہ اس باب میں سنے گئے شواہد بہت زیادہ ہیں جن کے ذکر سے ہم اجتناب کر رہے ہیں۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

توضیحات

۱۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۱۰۷، "کتاب توحید" ۔ "باب صفات الذات" حدیث ۱۔

۲۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۱۱۸۔ "سفر" سوم، "موقف" دوم در بحث صفات وایضا ملاحظہ ہو اس مقام پر حاشیہ کلیم سبزواری۔

۳۔ مصباح الانس، ص ۱۳۰، ۱۳۱، نقد النصوص فصل ۲، ص ۳۸، ۳۹۔

۴۔ محمد سعید بن محمد مفید قمی، معروف بہ "قاضی سعید"، شیعوں کے نامور اور عظیم علماء کے علاوہ حدیث وحکمت اور فنون ادبی کے علماء میں سے ان کا شمار ہوتا ہے۔ "عرفان" کی طرف ان کا بہت رجحان تھا۔ آپ ملا محسن فیض، ملا عبد الرزاق لاہیجی اور ملا رجب علی تبریزی کے شاگرد تھے۔ قاضی سعید ایک عرصے تک قم میں منصب قضاوت پر فائز رہے۔ اسی لئے آپ کو قاضی بھی کہا جاتا ہے آپ نے سن ۱۱۰۳ ہجری قمری کو قم میں وفات پائی۔ آپ کے قلمی آثار کی فہرست کچھ یوں ہے، الاربعون حدیثا، اسرار الصلاۃ، حاشیہ اثولوجیا، حاشیہ اشارات، حقیقۃ الصلاۃ، شرح توحید صدوق، البواق الملکوتیۃ، کلید بہشت۔

۵۔ ملا رجب علی تبریزی (۱۰۸۰) میر فندرسکی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ فلسفہ میں مکتب مشاء سے اُن کا تعلق تھا، ابو علی سینا کی کتابیں پڑھاتے تھے

قاضی سعید قمی اور محمد تنکابنی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ کلید بہشت، اور اثبات واجب کے سلسلے میں فارسی رسالہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔

۶۔ شرح توحید، ج ۳، ص ۵۴، (نسخہ خطی کتابخانہ مرحوم آیۃ اللہ مرعشی نجفی)

۷۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۲۶۳، ۲۷۷۔ "سفر" سوم، "موقف"، سوم، فصل ۱۲ (بحث علم حق تعالیٰ)

۸۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۲۸۰۔ ۲۹۰، "سفر" سوم، فصل ۱۲۔

۹۔ "غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں اور اس کے سوا ان سے کوئی آگاہ نہیں" (انعام، ۵۹)

۱۰۔ "بے شک ہم خدا کی طرف سے آتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے" (بقرہ، ۱۵۶)

۱۱۔ شرح حکمۃ الاشراق، ۳۵۸۔ ۳۶۶، در علم حق تعالیٰ۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۴۲۳، "سفر" سوم، "موقف" ششم۔

۱۲۔ اللہ کے لئے ہی ہیں نیک نام اور بلند و عظیم اور خوبصورت مثالیں۔

۱۳۔ جب فیض مقدس متجلی ہو گیا اور وجود بالعرض ظاہر ہو گیا تو علم نے معلوم کے ساتھ تعلق پیدا کیا یعنی فیض وجود مستفیض بالعرض کے آئینے میں سے ظاہر ہوا۔

۱۴۔ جب فیض مقدس نے تجلی دکھائی حیثیت تقییدیہ کے بغیر وجود موجودات بالذات ظاہر ہوا۔ تو فیض نے مستفیض کے ساتھ ذاتاً تعلق پیدا کیا۔

۱۵۔ اسفار اربعہ، ج ۶، ص ۱۱۸، "سفر" سوم، "موقف"، دوم (بحث صفات حق تعالیٰ)

۱۶۔ جب بھی کسی چیز کے وجود میں آنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا" تو وہ چیز فرمان الٰہی کی اطاعت کرتے ہوئے وجود میں آجاتی ہے۔

سینتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلی مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَمَّنْ ذَكَرَهُ، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسىٰ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حِمْرَانَ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ السَّكَنِ، عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ قَالَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِعْرِفُوا اللّٰهَ بِاللّٰهِ، وَالرَّسُولَ بِالرِّسَالَةِ، وَاُولِي الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ.»

ترجمہ: امام صادقؑ نے فرمایا: حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے: خدا کو خدا سے، رسولؐ کو رسالت سے، صاحبِ امر کو امر بہ معروف و عدالت و نیکی کرنے سے پہچانو۔

شرح: معرفت، علم، شناسائی، دانائی میں فرق واضح ہے۔ علما کا کہنا ہے اصل لغت میں علم مخصوص ہے کلیات سے (جیسے) معرفت مخصوص ہے۔ جزئیات و شخصیات سے علما کہتے ہیں عارف باللہ وہ ہے جو حق کو مشاہدۂ حضوریہ سے پہچانے اور عالم باللہ وہ ہے جو حق کو فلسفی دلیلوں سے پہچانے۔ بعض علما نے کہا ہے: علم و عرفان میں دو جہت سے فرق ہے ایک تو متعلق کے اعتبار سے جیساکہ ذکر ہوا دوسرے معرفت میں پہلے فراموش اور نسیان ماخوذ ہے لہٰذا جس چیز کا ادراک ابتداءً ہو اس کو علم کہتے ہیں اور جو چیز معلوم رہی ہو مگر بھول جانے کے بعد یاد آئے اس کو معرفت کہتے ہیں اور عارف کو اسی لئے عارف کہتے ہیں کہ وہ اکوان سالفہ اور نشات سابقہ بر کون ملکی اور اپنے نشۂ طبیعی کا متذکر ہوتا ہے۔

اور اہلِ سلوک تو تذکر عالم ذر تک کے مدعی ہیں اور وہ کہتے ہیں اگر حجاب طبیعت جو اس غفلت و نسیان کا موجب ہے اور اگر سالک کی آنکھوں کے سامنے سے اٹھالیا جائے تو وہ عوالمِ سابقہ کا متذکر ہو جائے گا اور بعض اہلِ ذوق فرماتے ہیں: معراج روحانی و معنوی کی حقیقت ایامِ سلف کا تذکر ہے۔ اگر ہم اپنے سابق احوال کی طرف پلٹ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص کسی نہ کسی حد تک اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر سکتا ہے۔ بعض سات سال کی عمر تک کے حالات اور بعض پانچ سال یا تین سال کی عمر کے واقعات یاد رکھتے ہیں۔ اس سے کم کے حالات کا یاد ہونا نادر ہے۔ ہاں شیخ الرئیس سے نقل کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں اپنے اوّل زمانہ ولادت کو جانتا ہوں اور اس سے پہلے کے حالات بھی یاد کر سکتا ہوں مثلاً جب وہ رحم مادر یا پشتِ پدر میں تھے اسی طرح مُلک میں جتنے حالات ہوئے ان کو یاد کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح پیچھے مڑتے مڑتے اکوان عالم سے ملکوتِ اعلیٰ اور جبروت سے جبروتِ اعلیٰ تک کے حالات یاد رکھے جاسکتے ہیں یہاں تک کہ سلسلہ نشۂ علم ربوبی تک پہونچ جائے۔ اور یہی تذکر حقیقتِ معراج ہے اور روحانی عروج کی انتہا ہے۔ انتہیٰ بیانہ

ہوسکتا ہے یہ مطلب اپنی جگہ پر صحیح ہو۔ لیکن حقیقت معراج مسلک عرفان میں اس طرح پیچھے کی طرف پلٹنے کو نہیں کہتے اور نہ ہی اصحاب قلوب کے نزدیک صحیح ہے۔ بلکہ معراجِ روحانی اس حرکت معنویہ انعطافیہ کا نام ہے جس سے دائرہ وجود کی تتمیم ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے جمیع مافی سلسلۃ الشہود کا رجوع عالمِ غیب کی طرف ہوتا ہے اور یہ قوس صعودی و حرکت انعطافی کی صورت میں ہوتا ہے

اور موجودات میں اللہ کی جو سنّت جاریہ ہے یہ حرکت رجوعی قہقرائی (الٹی) اس کے خلاف ہے۔ خصوصاً انبیا میں اور بالخصوص خاتم انبیا کے سلسلہ میں بالکل ہی برخلاف ہے۔ سلوک کا یہ طریقہ ملائکہ کے اس صنف کی مجذوبیت کے مشابہ ہے جن کو ذات کبریا کے بارے میں مُھَیَّمہ متحیرہ کہا جاتا ہے جو بالکلیہ کثرات سے غفلت رکھتے ہیں اور جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ آدم و آدمی خلق ہوئے ہیں (یا نہیں) شیخ عارف کامل شاہ آبادی فرماتے تھے کہ حضرتِ آدمؑ کی روحی حالت یہ تھی کہ اپنے مُلک کی طرف توجہ نہیں رکھتے تھے اور مجذوب عالمِ غیب و مقامِ قدسی تھے اور یہ حرکت آدم کو مقامِ آدمیت سے سلب کر دیتی اس لئے خدا نے ان پر شیطان کو مُسلط کیا تاکہ وہ ان کو شجرۂ طبیعت کی طرف متوجہ کرے اور اُن کے جذبۂ ملکوتی کو مُلک کی طرف منصرف کر دے۔

قولہ والعدل والاحسان الخ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں الامر بالمعروف پر عطف ہیں، یعنی اعرفوھم بالامر بالمعروف و بالعدل والاحسان اور یہ بھی احتمال ہے کہ المعروف پر سب عطف ہوں یعنی اعرفوھم بالامر بالمعروف و بالامر بالعدل والاحسان۔

پہلی فصل

اعرفوا اللہ باللہ کا مطلب

آپ یہ سمجھ لیں کہ علمائے کرام نے اس حدیث کی شرح اور اعرفوا اللہ باللہ کے سلسلہ میں اپنے اپنے مسلکِ علمی اور مشربِ حلمی کے اعتبار سے معنیٰ بیان فرمائے ہیں۔ میں بطورِ خلاصہ بعض کو تبرکاً بیان کروں گا۔

اوّل:۔ جناب ثقۃ الاسلام کلینی رضؒ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے: پروردگارِ عالم نے ابدان و ارواح و انوار کو خلق فرمایا اور وہ ان چیزوں کے خلق میں متفرد ہے کوئی اس میں شریک نہیں ہے اور نہ خدا ان میں سے کسی ایک کے مشابہ ہے۔ پس جس نے خدا کی ان میں سے کسی ایک سے تشبیہ دی اس نے خدا کو نہیں پہچانا اور جس نے خدا کو ان کی شباہت سے منزہ تسلیم کیا اس نے حق کو پہچان لیا، انتہیٰ (عجیب و غریب) بات یہ ہے کہ صدر المتالہین قدس سرہ نے اس کلام کو حدیث کا تتمہ سمجھا ہے اور اپنے مسلک

کے مطابق طولانی توجیہات پیش فرمائی ہیں۔[3]

دوم:- شیخ صدوقؒ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم خدا کی معرفت خدا سے کریں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم خدا کو اپنی عقلوں سے پہچانیں (تو خدا کو خدا سے پہچانا کیونکہ) خدا ہی نے ہم کو یہ عقول ہبۃ فرمائی ہیں اور اگر خدا کو انبیاء و حجج کے ذریعہ پہچانا (جب بھی خدا ہی کے ذریعہ پہچانا) کیونکہ خدا نے ان حضرات کو مبعوث کیا ہے اور حجت قرار دیا ہے اور اگر اپنے نفوس سے پہچانیں (جب بھی خدا ہی کے ذریعہ خدا کو پہچانا کیونکہ) نفوس کا خالق خدا ہے۔[4]

سوم:- یہ وہ جواب ہے جس کی طرف جناب ملا صدرا نے اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ معرفت کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ مشاہدہ و صریح عرفان ہے۔

۲۔ تنزیہ و تقدیس ہے اور چونکہ پہلا طریقہ سوائے انبیا اور کامل ترین بندوں کے کسی کے لئے ممکن نہیں ہے اسی لئے حدیث میں دوسرے طریقہ کا ذکر کیا گیا ہے انتھیٰ۔

ملا صدرا کی یہ تفسیر اس بات پر مبنی ہے کہ شیخ کلینیؒ کے کلام کو حدیث کا جزو اور تفسیر امام صادقؑ کو کلام حضرت علیؑ سمجھا ہے۔

چہارم:- جناب ملا فیض کاشانی کی تفسیر ہے۔ ان کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ: ہر موجود کے لئے ایک ماہیت اور وجود ہے۔ ماہیت کا مطلب کسی بھی شیٔ کی نفسی تعینات اور اس کی وجۂ ذاتی ہے اور وجود کا مطلب از جہت یلی الربی ہے کہ جس کے ذریعہ قوام ذات و ظہور آثار و حول و قوت شئی ہے پس اگر کوئی ماہیات کو دیکھ کر اور اشیا کے جہات تعینات کو دیکھ کر اشیا کے امکان و احتیاج الی الحق کو دیکھ خدا کو پہچانتا ہے تو اس نے خدا کو اشیا سے پہچانا نہ کہ حق سے پہچانا اس کے علاوہ یہ علم و فطرت فطری ہے نہ کہ کسبی (اور حدیث میں جس علم کے لئے کہا گیا ہے وہ کسبی ہے) لیکن اگر کوئی حق کو جہات وجودیہ سے پہچانے جو وجہ الی اللہ اور جہات یلی اللہ ہیں اور جن کی طرف اشارہ «هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ» اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ[5] سے کیا گیا۔ تو اس نے حق کو حق سے پہچانا۔

پنجم:- یہ وہ احتمال ہے جو مولف کی نظر میں ہے مگر یہ ایک ایسے مقدمہ

کے بعد واضح ہوگا جو علم اسمائ و صفات میں طے شدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوندِ عالم کے لئے کچھ اعتبارات ہیں اور ہر اعتبار کے لئے ایک اصطلاح معیّن ہے۔

(مثلاً) ایک اعتبار ذات من حیث ہی ہے جو اس اعتبار ذات کے لحاظ سے مجہولِ مطلق ہے نہ اس کے لئے کوئی اسم ہے نہ رسم (جس سے اس کو پہچانا جا سکے) دستِ امیدِ عرفا، آرزوئے اصحابِ قلوب و اولیا اس سے کوتاہ ہے۔ اربابِ معرفت کی زبان میں کبھی اس کو "عنقائے مغرب" کہتے ہیں۔

عنقا شکار کس نشود دام باز گیر[8]

اور "عماء" "یا عمی" سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ روایت ہے کہ رسولِ خدا سے پوچھا گیا مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے آپ کا خدا کہاں تھا؟ فی عماء[9] اور کبھی اس کی تعبیر غیب الغیوب اور غیبِ مطلق وغیرہ سے بھی ہوئی ہے اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ تمام تعبیرات اس سے کوتاہ ہیں اور عنقا یا عما یا دیگر تعبیرات حسبِ ذوق عرفانی ایک قسم کے برہان سے مطابق ہیں جو اس مقام سے مربوط نہیں ہیں۔

دوسرا اعتبار: اعتبار ذات ہے مقام تعین غیبی اور عدم ظہور مطلق کے ساتھ اور اسی مقام کو احدیت کہتے ہیں اور وہ تعبیرات زیادہ تر اسی مقام سے مناسبت رکھتی ہیں۔ اصطلاح علما کے اعتبار سے اسی جگہ پر اسمائے ذاتیہ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے "باطن" "مطلق" و "اوّل" "مطلق و علی و عظیم چنانچہ کافی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ خداوندِ عالم نے اپنے لئے سب سے پہلا نام جو اختیار کیا وہ العلی اور العظیم تھا![10]

ایک اور اعتبارِ ذات ہے جو حسبِ مقام واحدیت و جمع اسماء و صفات ہے اور اس مقام کی تعبیر مقامِ "واحدیت" اور مقامِ "احدیت جمع اسماء" و "جمع الجمع" سے کی جاتی ہے اور اس مقام کو حسبِ اعتبار احدیت جمع مقام اسمِ اعظم اور اسمِ جامع اللہ کہتے ہیں۔

اور ایک اعتبار: اعتبار ذات ہے بہ حسب مرتبہ تجلّی بہ "فیض مقدس" و مقامِ ظہور اسمائی و صفاتی در مرائی اعیانی جیسے کہ مقام واحدیت بہ تجلّی بہ "فیض اقدس" ہے اور اس مقامِ ظہور اسمائی کو مقام ظہور اطلاقی اور مقام الوہیت اور مقام اللہ بھی کہتے ہیں یہ ان اعتبارات کی وجہ سے ہے جو اسماء و صفات میں مقرر ہیں اور امام خمینیؒ نے مصباح الہدایۃ میں اس کی شرح کی ہے۔[11]

(اب) یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ اہلِ معرفت اور اصحابِ قلوب کی زبان میں یہ تمام اعتبارات قلوب صافیہ پر تجلیاتِ حق کے نقشہ کی خبر دینے والے ہیں اور یہ تجلیات مقامات اور سلوکِ اولیا کے مراتب اور سائر الی اللہ کے منازل و مراحل سیر سے ظہور اسمائی و صفاتی کے مقام سے "جو مقامِ الوہیت ہے اور اس کو اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نور سماوات والارض.....۱۲ اسی کی طرف اشارہ جانتے ہیں" شروع ہوتے ہیں اور مقامِ غیب احدی اور مرتبۂ اسمائے ذاتیہ اور اسمِ "مُستاثر" پر ختم ہوتے ہیں جو غایت سیر اور منتہائے مقصد ہے اور ہو سکتا ہے کہ قولِ خدا او ادنیٰ ۱۳ کے مقام مشار الیہ کا اشارہ یہی مقام ہو۔

اب اس مقدمہ کے تمام ہونے کے بعد میں عرض کرتا ہوں کہ جب تک طالبِ حق اور سائر الی اللہ کا قدم فکر و استدلال کی سرحدوں میں ہے اس کی سیر عقلی علمی ہے اور وہ اہلِ معرفت و اصحاب و عرفان سے نہیں ہے بلکہ حجاب اعظم واکبر میں واقع ہے خواہ ماہیات اشیا میں نظر کر کے ان کے ذریعہ حق کو طلب کرے جو حجابہائے ظلمانی ہیں اور چاہے وجودات کے ذریعہ تلاشِ حق کرے جو حجابہائے نورانی ہیں اور جناب فیض ؒ کا کلام اسی طرف ناظر ہے۔

لیکن سیر الی اللہ کے تحقق کی پہلی شرط نفس و خودی و خود خواہی کے گھر سے نکلنا ہے جیسے سفر حسی میں جب تک انسان اپنے بارے میں چاہے جس قدر گمان مسافرت کرے اور کہے میں مسافر ہوں مسافرت کا تحقق نہیں ہوگا۔ شرعی مسافرت اسی وقت ہوگی جب گھر سے نکل جائے اور آثار بلد ناپید ہو جائیں اسی طرح خدا کی طرف عرفانی سفر اور شہودی ہجرت اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک نفس کے تاریک گھر سے نہ نکل جائیں اور اس کے آثار نہ چھپ جائیں۔ جب تک تعینات کی دیواریں اور کثرت کی اذانیں موجود ہیں۔ انسان مسافر نہیں ہے صرف گمان مسافرت ہے اور دعوائے سیر و سلوک ہے۔

«وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ.» ۱۴

اس کے بعد جب سالک الی اللہ کامل تقویٰ اور قدم ریاضت کے ساتھ اپنے گھر سے نکلتا ہے اور اپنے ہمراہ کوئی علاقہ و تعین نہیں رکھتا اور سفر الی اللہ محقق ہو جاتا ہے

تو اس کے قلب پر جو سب سے پہلی تجلی خدا کی طرف سے ہوتی ہے وہ تجلی الوہیت و مقامِ ظہورِ اسماو صفات کی ہوتی ہے اور یہ تجلی بھی ایک منظم ترتیب سے اسمائے محاطہ سے اسمائے محیط تک پہونچتی ہے۔ سایر کے قلب کی قوت وضعف کے مطابق اور سیر کے مطابق ایسا ہوتا ہے" مگر اس کی تفصیل اس مختصر میں نہیں بیان کی جاسکتی" یہاں تک کہ نوبت عالمِ وجود کے تمام تعینات کے چھوڑ دینے تک منتہی ہوتی ہے چاہے وہ اپنے سے ہو یا غیر سے ! کہ اس کے بعد والے مراحل و منازل میں خود اسی سے ہے اور پھر رفض مطلق کے بعد تجلی بہ الوہیت و مقامِ اللہ۔ جو مقامِ احدیت جمع اسمائے ظہوری ہے۔ واقع ہوتا ہے۔ اور اعرفوا اللہ باللہ مرتبہ نازلیہ اولیہ کا ظہور حاصل کرتا ہے۔

عارف جب اس منزل و مقام پر پہلی مرتبہ پہونچتا ہے تو اس تجلی میں فنا ہو جاتا ہے اور اگر عنایت ازلی شامل ہو جائے تو عارف انس حاصل کر لیتا ہے اور سفر کی ساری وحشت اور تمام تعب دور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے ہوش میں آجاتا ہے اور اسی مقام پر قناعت نہیں کرتا اور قدم عشق سے سیر کی ابتدا کرتا ہے۔ البتہ اس عشقی سفر میں حق ہی ابتدا و انتہائے سفر ہوتا ہے اور وہ اصل سفر ہوتا ہے اور مسافر انوارِ تجلیات میں قدم زن ہوتا ہے اور تقدم کی آواز سنتا ہے۔ یہاں تک کہ مقامِ واحدیت میں اسماو صفات اس کے قلب پر منظم ترتیب سے تجلی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مقامِ احدیت جمعی اور مقام اسم اعظم میں ظہور پیدا کرتے ہیں کہ وہی اسم اللہ ہے اور اسی جگہ اعرفوا اللہ باللہ مقامِ عالی پر تحقق پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی ایک اور مقام ہے جو سر دست ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

اسی ترتیب سے۔ جو ذکر کی گئی۔ رسولؐ کو رسالت سے اور اولوا الامر کو امر بمعروف اور عدل و احسان سے پہچاننے کی عرفانی ترتیب ایک امر بدیع ہے جو مقامِ رسالت و ولایت تفصیل پر موجود ہے مگر وہ اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ رسالہ سابق الذکر اس کے بیان کا متکفل ہے۔

وہم اور اس کا دفع

معارف کے سلسلہ میں وارد ہونے والی حدیثیں اپنے

معانی عامیہ پر محمول نہیں کی جاسکتیں

یہ گمان نہ ہو کہ اس حدیث کے بیانات سے ہمارا مقصد مفاد حدیث کو مسلک اہل عرفان کی طرح اسی پر محدود کرتا ہے تاکہ تفسیر بالرائے رجم بالغیب میں شامل ہو جائے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ عام طور سے معرفت کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان کے بارے میں یہ طے کر لینا کہ ان سے صرف عرفی معانی مُراد ہیں یہ غلط ہے کیونکہ جو شخص بھی ائمہ معصومینؑ کے اسلوبِ کلام کا عارف ہے وہ جانتا ہے کہ عقائد و معارف میں وارد ہونے والی حدیثوں کا مطلب مفہوم عرف کے مطابق نہیں ہوتا۔ بلکہ ائمہؑ نے اپنی حدیثوں میں دقیق ترین فلسفی معانی و مطالب کو سمو دیا ہے۔ ہر وہ شخص ہماری بات کی تصدیق کرے گا جو اصول کافی توحیدِ صدوق کا مطالعہ کئے ہو گا اور یہ مطلب مُراد لینے سے اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ ائمہؑ اہلِ معرفت اور علمائے باللہ اپنے کلام کو اس جامع طریقہ سے ادا کریں کہ ہر گروہ اپنے مسلک کے حساب سے اس سے استفادہ کرے اور نہ کسی کو یہ حق ہے کہ مفہومِ حدیث کو اسی مطلب میں منحصر کر دے جس کو وہ سمجھا ہے۔ مثلاً یہی حدیث جو موردِ بحث ہے اس کے ظہور فقط اور استظہار عرف کے اعتبار سے ایک عرفی معنیٰ مُراد لئے جائیں کہ اعرفوا اللہ باللہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو اس کی صنعت اور متقن و محکم آثار کے ذریعہ پہچانا جائے اور اولوالامر کو اُن کے کیفیتِ اعمال کے ذریعہ جیسے امر بہ معروف و عدالت کے ذریعہ پہچانا جائے۔ رسولؐ کو ان کی رسالت کے ذریعہ پہچانا جائے یعنی ہر ایک کو اس کے آثار سے پہچانا جائے تو یہ معنیٰ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس حدیث کا ایک دوسرا مطلب بھی ہو جو اس سے لطیف تر ہو اور وہ بمنزلۂ بطن کے ہو۔ بلکہ (یہ بھی ممکن ہے کہ) اس سے بھی زیادہ کوئی لطیف تر معنیٰ ہو جو بطن بطن ہو۔ مختصر یہ کہ اولیا کے کلام کا قیاس اپنے کلام پر نہ کرو کیونکہ یہ ایسے ہی غلط اور باطل ہے جس طرح ان کا قیاس اپنے اوپر کرنا باطل و غلط ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اور اس نکتہ کی شرح اس وقت ہم نہیں کر سکتے۔

یہاں پر ایک عجیب و غریب بات بعض حضرات نے بطور طعن و اشکال کہی ہے کہ ائمۂ ہدیٰ کا ہر کلام لوگوں کی ہدایت و ارشاد کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس کا فہم عرف کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ دقیق و فلسفی یا عرفانی معانی کا ان کی طرف سے صدور ناممکن ہے۔ یہ بہت بڑا افترا ہے اور بہت بڑی تہمت ہے جس کی وجہ اخبار اہل بیتؑ میں تدبر نہ کرنا اور ان کا تلاش نہ کرنا ہے بعض دیگر امور بھی اس کا سبب بنے ہیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے اگر توحید اور معارف کی دقیق باتوں کو انبیا و اولیا نہیں بتائیں گے تو پھر کون تسلیم دے گا؟ کیا توحید اور دوسرے معارف دقیق چیزوں پر مشتمل نہیں ہے؟ کیا تمام لوگوں کی معرفت یکساں ہے؟ کیا ہماری اور امیر المومنینؑ کی معرفت ایک ہے؟ دونوں کی معرفت وہی عامیانہ ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ کیا معرفت کی تعلیم لازم نہیں ہے؟ کیا معرفت بہت ہی آسان ہے اس میں رجحان بھی نہیں ہے اور ائمۂ نے اس کی کبھی کوئی اہمیت بھی نہیں دی؟ جو حضرات خواب، خوراک، بیت الخلاء کے مستحب آداب تک کو ترک نہ کریں بیان کر دیں وہ معارف الٰہیہ جو اولیا کا انتہائی مقصد ہے۔ اس کو ترک کر دیں گے۔؟

اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے کہ بعض یہی حضرات جو ان معانی کے منکر ہیں وہی فقہ میں "جس کا سمجھنا عرف پر موقوف ہے"۔ ایسے مباحث تشکیل دیتے ہیں جس کے سمجھنے سے عرف کی کیا حقیقت ہے عقل عاجز ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں یہ تو عرف کا ارتکازی مسئلہ ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو علی الید ما اخذت حتی تودی[1] اور اس قسم کے دیگر قواعد کلیہ کی طرف۔ خصوصاً معاملات میں رجوع فرمائیں۔

بہر حال مطلب ہاتھ سے نکل گیا۔ قلم اپنی حد سے آگے بڑھ گیا۔ صاحب کتاب خدا کو گواہ کر کے کہتا ہے کہ میرا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ اپنے برادران ایمانی کو معارف الٰہیہ سے آشنا کراؤں۔

«وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنَ الزَّلَلِ وَالْفَشَلِ وَالْكَسَلِ. وَالْحَمْدُلِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً.»

سینتیسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۴، کتابِ توحید، باب انہ لایعرف الا بہ حدیث ۱۔
۲: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۸۵، کتابِ توحید، باب انہ لایعرف الا بہ ذیل حدیث ۱۔
۳: شرح اصولِ کافی، ۲۲۳، ۲۲۴۔
۴: توحید ص، ۲۹ باب ۴۱۔
۵: شرح اصولِ کافی ص ۲۲۳، ۲۲۴۔
۶: اور تم (چاہے) جہاں کہیں رہو وہ تمھارے ساتھ ہے۔ سورۂ حدید، آیت ۴۔
۷: اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے، سورۂ قصص آیت ۸۸۔
۸: اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے ؎ کانجا ہمیشہ باد بدستست دام را۔ حافظ
۹: عوالی اللآلی جلد ۱، ص ۵۴، مسند احمد بن حنبل جلد ۴، ص ۱۲ (عبارت میں تھوڑا سا تفاوت ہے۔
۱۰: «عَنِ ابْنِ سِنَانٍ قَالَ: سَأَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ الرِّضَا، عَلَيْهِ السَّلَامُ: هَلْ كَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَارِفاً بِنَفْسِهِ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ: يَرَاهَا وَيَسْمَعُهَا؟ قَالَ: مَا كَانَ مُحْتَاجاً اِلَى ذٰلِكَ، لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَسْاَلُهَا وَلَا يَطْلُبُ مِنْهَا؛ هُوَ نَفْسُهُ وَنَفْسُهُ هُوَ قُدْرَتُهُ نَافِذَةٌ فَلَيْسَ يَحْتَاجُ اَنْ يُسَمِّيَ نَفْسَهُ، وَلٰكِنَّهُ اخْتَارَ لِنَفْسِهِ اَسْمَاءً لِغَيْرِهِ يَدْعُوهُ بِهَا، لِاَنَّهُ اِذَا لَمْ يُدْعَ بِاسْمِهِ لَمْ يُعْرَفْ. فَاَوَّلُ مَا اخْتَارَ لِنَفْسِهِ: «الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ»، لِاَنَّهُ اَعْلَى الْاَشْيَاءِ كُلِّهَا. فَمَعْنَاهُ اللّٰهُ وَاسْمُهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ؛ هُوَ اَوَّلُ اَسْمَائِهِ، عَلَا عَلَى كُلِّ شَيْءٍ.»

ابن سنان کہتے ہیں: "میں نے امام رضاؑ سے پوچھا کیا خدا مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے اپنی ذات سے آگاہ تھا؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے پھر پوچھا کیا اس کو دیکھتا اور سنتا تھا؟ فرمایا: اس کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ نہ اس کے بارے میں کوئی سوال کرنے والا تھا اور نہ اس کی کوئی خواہش تھی وہی اس کی ذات تھی اور ذات وہی تھا۔ اس کی قدرت نافذ تھی اپنا نام رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ البتہ اس نے اپنے لئے اس لئے نام رکھے ہیں کہ دوسرے اس کو ان ناموں سے پکاریں اس لئے کہ اگر اس کو اس کے نام سے نہ پکارا جاتا تو وہ پہچانا نہ جاتا۔ اس نے اپنے لئے سب سے پہلا نام علی عظیم انتخاب کیا۔ کیوں کہ وہ ہر چیز سے برتر ہے اور اس کے معنیٰ اللہ کے ہیں۔ اور اس کا نام علی عظیم ہے۔ اصولِ کافی جلد۱، ص ۱۱۲، کتابِ توحید، باب حدوث الاسماء حدیث ۲۔

۱۱: مصباح الہدایہ ص ۳۲۔ ۳۸۔

۱۲: سورۂ نور آیت ۳۶۔

۱۳: پھر قریب ہوا۔ پھر دو کمان یا اس سے بھی کا فاصلہ رہ گیا۔ سورۂ نجم، آیت ۹۔

۱۴: اور جو شخص اپنے گھر سے جلاوطن ہو کے خدا و رسولؐ کی طرف نکل کھڑا ہو پھر اسے منزلِ مقصود تک پہونچنے سے پہلے موت آجائے تو خدا پر اس کا ثواب لازم ہوگا۔ (سورہ نساء آیت ۱۰۰)

۱۵: آگے بڑھو یہ شبِ معراج رسولِ خدا سے اللہ کا خطاب تھا۔

۱۶: یہ ایک مشہور فقہی قاعدہ کی طرف اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو لے لے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کو واپس کرے فقہا نے اس میں دقیق اور مفصل بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو عوائد الایام نراقی عائدہ ۳۲، القواعد الفقہیہ آیۃ ... بجنوروی، جلد ۴، ص ۴۷ ۔ ۹۹

۱۷: خدا سے اپنی لغزش، سستی اور کاہلی کی معذرت چاہتا ہوں۔ اول و آخر میں حمد و ستائش خدا ہی کے لئے مخصوص ہے۔

اڑتیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيْخِ الْجَلِيلِ عِمادِ الْاِسْلامِ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحابِنا، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِبْنِ خالِدٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بَحْرٍ، عَنْ اَبِي اَيُّوبَ الْخَزّازِ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ مُسْلِمٍ، قالَ: سَأَلْتُ اَبا جَعْفَرٍ، عَلَيْهِ السَّلامُ، عَمّا يَرْوُونَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ، عَلَيْهِ السَّلامُ، عَلى صُورَتِهِ. فَقالَ: هِيَ صُورَةٌ مُحْدَثَةٌ مَخْلُوقَةٌ، (و) اِصْطَفاهَا اللّٰهُ وَاخْتارَها عَلى سائِرِ الصُّوَرِ الْمُخْتَلِفَةِ؛ فَاَضافَها اِلى نَفْسِهِ كَما اَضافَ «الْكَعْبَةَ» اِلى نَفْسِهِ، وَ«الرُّوحَ» اِلى نَفْسِهِ، فَقالَ: «بَيْتِي» وَ«نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي.»[1]

ترجمہ: محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ سے اس روایت کے بارے میں پوچھا جو لوگ روایت کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے جناب آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: وہ صورت تو تازہ پیدا کی گئی ہے۔ خدا نے اس صورت کو منتخب کیا اور تمام مختلف صورتوں میں اس صورت کو اختیار فرمایا اور اس کی نسبت

اپنی طرف دیدی جیسے کعبہ کی نیت اپنی طرف دی ہے اور کہا ہے "میرا گھر" اور روح کی نسبت اپنی طرف دی ہے اور کہا ہے "میری روح"۔

شرح :۔ اس حدیث کا ابتدائی حصہ ائمہؑ کے زمانے سے ہمارے زمانے تک مشہور رہا ہے اور سنی شیعہ کتابوں میں اس سے استشہاد کیا جاتا رہا ہے۔ امام باقرؑ نے بھی صدور حدیث کی تصدیق فرمائی ہے بس اتنی سی بات ہے کہ حدیث کا مقصد نہیں بیان فرمایا۔ لیکن شیخ صدوقؒ نے عیون میں حضرت امام رضاؑ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کا مطلب یہی ہے: حسین بن خالد کہتے ہیں: میں نے امام رضاؑ سے پوچھا: لوگ کہتے ہیں حضرت رسولؐ نے فرمایا: خدا نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے: امام ہشتم نے فرمایا: خدا ان کو غارت کرے انھوں نے صدرِ حدیث کو حذف کر دیا ہے۔ (قصہ یہ ہے کہ) رسولؐ خدا کا گزر ایسے دو آدمیوں کی طرف سے ہوا جو ایک دوسرے کو گالی دے رہے تھے حضرتؐ نے سنا تو ان میں سے ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا خدا تیرے چہرے کو اور جس کا چہرہ تیرے چہرے کے مشابہ ہے اس کو بھی خراب کر دے اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: اے بندۂ خدا اپنے برادرِ مومن کے لئے یہ مت کہہ کیونکہ خدا نے آدمؑ کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔[۲]

اسی وجہ سے علامہ مجلسیؒ نے حضرت امام محمد باقرؑ والی حدیث کو تقیہ پر حمل فرمایا ہے اور یہ بھی احتمال دیا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب بر فرض تسلیم ہے[۳] (مگر) یہ احتمال بہت بعید ہے بلکہ احتمال یہ ہے کہ امام رضاؑ والی حدیث کو حدیثِ اوّل کی طرف ارجاع کیا جائے کہ آدم سے مراد اس حدیث اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ.» میں نوع آدمی ہو۔ اور علی صورتہ کی ضمیر خدا کی طرف پلٹتی ہے۔

اور امام رضاؑ والی حدیث میں چونکہ مخاطب اہلِ فہم معنی حدیث نہ رہا ہو اس لئے امامؑ نے صدر حدیث کو بھی ذکر کر دیا تاکہ وہ خیال کرے کہ آدمؑ سے مراد ابوالبشر حضرت آدمؑ ہیں اور علی صورتہ کی ضمیر اس شخص کی طرف پلٹ رہی ہے تامل۔

اور ہو سکتا ہے یہ دو الگ الگ حدیثیں ہوں۔ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ حدیث کو بے سابقہ اور ابتدأً فرمایا ہو اور یہ وہ حدیث ہے جس کی تاویل امامؑ محمد باقرؑ نے فرمائی ہے اور ایک مرتبہ حضور نے حدیث کو سابقہ کے ساتھ فرمایا ہو اور راوی کے نا سمجھ ہونے کی

وجہ سے امام رضاؑ نے اس کو متوجہ کیا ہو کہ حدیث مسبوق بہ سابقہ ہے اور اس مطلب کا شاہد یہ ہے کہ بعض روایات میں عَلٰی صُورَةِ الرَّحْمٰنِ۔[۴] آیا ہے۔ یہ عیون والی حدیث سے مناسبت بھی نہیں رکھتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہم فرض کرلیں یہ حدیث وارد نہیں ہوئی ہے تو اسکا مطلب احادیث شریفہ میں چھپا ہوا ہے جو ہمارے آنے والے بیان سے واضح ہو جائے گا۔

دیگر الفاظ حدیث کی شرح

قولہ آدم: صحاح میں ہے آدمؑ کی اصل دو ہمزہ سے ہے کیونکہ یہ افعل کے وزن پر ہے دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا اور جب اس کو متحرک کرنا چاہتے ہیں تو دوسرے ہمزہ کو واو سے بدل دیتے ہیں اور جمع میں اوادم کہتے ہیں اور شاید ابوالبشر کو آدم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ گندم گوں تھے کیوں کہ لغت میں ہے۔ اَسْمَرُ اللَّوْنِ. اَلْاٰدَمُ مِنَ النَّاسِ، اَلْاَسْمَرُ: اور بعض روایات میں ہے کہ آدم کو اس لئے آدم کہتے ہیں کہ وہ ادیم ارض [۵] سے پیدا کئے گئے۔ ادیم ارض یعنی روئے زمین سے۔

قولہ علی صورتہ الخ لغت میں صورت کے معنی تمثال وہیئت کے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک معنائے عام مراد ہو جو تمام امور میں مشترک ہو اور وہ مشترک شیئیت شئی اور اس کی فعلیت ہے بس اتنا ضرور ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک فعلیت ہے اور اسی اعتبار سے اس کو ذوالصورۃ اور اس فعلیت کو صورت کہتے ہیں۔

اور یہ جو (صورت) کو فلسفہ کی زبان میں چند امور پر اطلاق کرتے ہیں تو ان سب کی جامع وہی فعلیت شئی اور اس کی شیئیت ہے اور وہ بھی لغت کے مخالف نہیں ہے اور نہ از قبیل مواضعہ واصلاح ہے۔ شیخ بو علی سینا رئیس فلسفہ اسلامی الٰہیات شفا میں کہتے ہیں: کبھی صورت کا اطلاق ہر اس ہیئت اور فعل پر ہوتا ہے جو قابل وحدانی یا مرکب ہو یہاں تک کہ حرکات واعراض بھی صورت ہوتی ہے اور اس چیز کو بھی صورت کہتے ہیں جس سے مادہ بالفعل متقوم ہوتا ہے اس اعتبار سے جواہر عقلیہ اور اعراض کو صورت نہیں کہا جا سکتا اور جس چیز سے مادہ کامل ہوتا ہے اس کو بھی صورت کہا جاتا ہے چاہے بالفعل اس سے متقوم نہ بھی ہو جیسے صحت اور وہ چیز کہ جس کی طرف شئی بالطبع متحرک ہو اور نیز کسی شئی کی نوع، جنس، فصل کو بھی صورت کہا جاتا ہے اجزاء کے اندر کل کی کلیت

بھی صورت ہے انتہیٰ۔

صورت کے تمام موارد واستعمالات میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سب ہی کے اندر میزان وہی فعلیت ہے اور تمام مقامات میں بطور مشترک معنوی استعمال ہوتی ہے یہاں تک کہ خدا کو بھی صورۃ الصور کہا جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ اِصْطَفَاهَا «صَفْوَۃ» "صفوت" کدورتوں سے صاف وخالص کو کہا جاتا ہے اور اصطفاء کے معنیٰ خالص وصافی کو اخذ کرنے کے ہیں۔ مگر یہ لازمی معنی ہیں۔ لیکن جوہری وغیرہ نے اصطفاء کے معنیٰ "اختیار" بتائے ہیں چنانچہ لغت میں اصطفاء کے یہ معنیٰ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ تفسیر بھی بمعنی لازم ہے کیونکہ اختیار کے معنیٰ بھی خیر اور نیکی کا اختیار کرنا ہے اسی لئے خارج میں اصطفاء کا ملازم ہے نہ کہ اس کا مفہوم ہے۔

قولہ الکعبۃ کعبہ خانۂ خدا کا نام ہے۔ بعض علما نے کہا ہے چونکہ یہ عمارت شبیہ بہ ملعب ہے اس لئے اس کو کعبہ کہا گیا ہے یا پھر اس کے تربیع ہونے کی وجہ سے اس کو کعبہ کہا گیا ہے۔ اہلِ ریاضی کی اصطلاح میں "ملعب" اس جسم کو کہتے ہیں جس کو چھ سطحوں نے مساوی طور سے زاویہ قائمہ کے عنوان سے گھیر رکھا ہو۔

قولہ والروح: اطباء کی اصطلاح میں روح اس لطیف بخار کو کہتے ہیں جو خون حیوان کی حرارت سے قلب میں پیدا ہوتا ہے (اطباء) کہتے ہیں قلب کے لئے دو تجویف ہوتی ہے ایک داہنی طرف جس میں جگر کا خون جذب ہوتا ہے اور وہیں پر دل کی حرارت اس کو تبخر کرتی ہے اور وہ بخارات قلب کے بائیں جوف میں جاری ہوتے ہیں۔ اور وہاں پر قلب کے عمل کرنے سے لطیف بن جاتے ہیں اور روح حیوانی کی تشکیل ہو کر قلب کے قبض وبسط کی وجہ سے رگوں میں اسی طرح جاری ہو جاتی ہے جس طرح اپنی جگہ پر مذکور ہے۔ پس اس روح حیوانی کا منبع قلب ہے اور رگیں مجریٰ ہیں۔

اور کبھی روح کا اطلاق اس خون پر ہوتا ہے جو جگر میں متمرکز ہے اور اس کا مجریٰ رگہائے گلو ہیں اور اس کو روحِ طبیعی کہتے ہیں۔ جیسے حلما کے یہاں کبھی روح کا اطلاق روح نفسانی پر ہوتا ہے کہ جس کا مبداء دماغ اور مجریٰ اعصاب ہے اور وہ ظہور و نازلۂ روح مجرد ایک ایسا امر ہے جو سر سبحانی اور نفخت فیہ من روحی کا منشار الیہ ہے اس کے بعد اسکا بیان ہوگا کہ یہ روح منفوخ مختار حق ہے۔ انشاء اللہ

پہلی فصل

آدم مظہر تام الٰہی و اسمِ اعظم الٰہی ہیں

اربابِ معرفت و اصحابِ قلوب فرماتے ہیں: تمام اسمائے الٰہیہ کے لئے حضرت واحدیت میں ایک صورت ہے جو بواسطہ حُبِّ ذاتی اور طلب مفاتیح غیب کہ لا یعلمھا الا ہو، حضرت علمیہ میں فیض اقدس کی تجلی کے تابع ہے اور اس صورت کو اہل اللہ کی اصطلاح میں "عین ثابت" کہا جاتا ہے اور فیض اقدس کی اس تجلی سے پہلے تو تعینات اسمائیہ حاصل ہوتے ہیں اور عین اسی تعین نفسی سے صور اسمائی۔ جو اعیان ثابتہ ہیں محقق ہوتے ہیں اور سب سے پہلا اسم جو تجلئ احدیت اور فیض اقدس سے حضرت علمیہ واحدہ میں ظہور حاصل کرتا ہے اور اس تجلّی کا آئینہ بنتا ہے وہ اسمِ اعظم جامع الٰہی و مقام مسمائے "اللہ" ہے۔ جو وجہۂ غیبیہ میں عینِ تجلّی بہ فیض اقدس ہے اور کمال جلاو استجلاء کے تجلئ ظہوری میں ایک اعتبار سے عین مقام جمع واحدیت ہے اور ایک اعتبار سے کثرتِ اسمائیہ ہے اور اسم جامع کے تعین اور اس کی صورت عبارت ہے۔ عین ثابت انسانِ کامل و حقیقت محمدیّہ ہے۔ جیسے کہ مظہر تجلّی عینی فیض اقدس، فیضِ مقدّس ہے اور مقام واحدیت کی مظہر تجلّی مقامِ الوہیت ہے اور عین ثابت انسانِ کامل کی مظہر تجلّی روح اعظم ہے اور تمام موجودات اسمائیہ و علمیہ و عینیہ انھیں حقائق و دقائق کے مظاہر کلیہ و جزئیہ ہیں اسی ترتیب بدیع کے ساتھ جس کی تفصیل اس مختصر میں نہیں آسکتی۔ مصباح الہدایہ میں اس کی تفصیل میں نے بیان کی ہے۔[۸]

یہیں سے معلوم ہو گیا کہ انسان کامل اسمِ جامع کا مظہر اور اسم اعظم کا مرآۃ تجلّی ہے چنانچہ کتاب و سنّت میں اس مطلب کی طرف بہت جگہوں پر اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشادِ خدا ہے عَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا[۹]۔ یہ تخمیر غیبی جمعی دست جلال و جمال سے باطن آدم کے اعتبار سے حضرت واحدیت میں ہوئی ہے جیسے کہ آدم کی صورت اور ظاہر کی تخمیر عالمِ شہادت میں بہ ظہورِ دست جلال و جمال مظہریتِ طبیعت میں ہوئی ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: «اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ...»[10] اور امانت سے مُراد اہلِ عرفان کے یہاں ولایتِ مطلقہ ہے کیونکہ انسان کے علاوہ کوئی بھی موجود اس کے لائق نہیں ہے اور یہ ولایتِ مطلقہ وہی مقام فیضِ مقدّس ہے جس کی طرف قرآن نے «کُلُّ شَيْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهُ.»[11] کہہ کر اشارہ فرمایا ہے اور حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے: «نَحْنُ وَجْهُ اللّٰهِ.»[12] اور دعائے ندبہ میں ہے «اَیْنَ وَجْهُ اللّٰهِ الَّذِي اِلَیْهِ یَتَوَجَّهُ الْاَوْلِیَاءُ اَیْنَ السَّبَبُ الْمُتَّصِلُ بَیْنَ اَهْلِ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ»[13] اور زیارت جامعہ کبیرہ میں ہے: «وَالْمَثَلُ الْاَعْلٰی»[14] اور یہ مثلیت و وجہیت وہی ہے کہ حدیث شریف میں ہے «اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ.» یعنی آدم مثلِ اعلائے حق اور آیت اللہ کبریٰ و مظہر اتم مرآت تجلیات اسما و صفات اور وجہ اللہ، و عین اللہ، و ید اللہ و جنب اللہ ہیں یعنی «هُوَ یَسْمَعُ وَ یُبْصِرُ وَ یَبْطِشُ بِاللّٰهِ، وَاللّٰهُ یُبْصِرُ وَ یَسْمَعُ وَ یَبْطِشُ بِهِ.»[15] اور یہ وجہ اللہ وہی نور ہے جس کو قرآن نے کہا ہے: «اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ.»[16] اور امام پنجم نے کافی کی حدیث میں ابو خالد کابلی سے فرمایا: یہی حضرات (یعنی ائمہ) خدا کی قسم وہ نورِ خدا ہیں جن کو خدا نے نازل فرمایا ہے اور یہی حضرات (یعنی ائمہؑ) خدا کی قسم وہ نورِ خدا ہیں جن کو خدا نے نازل فرمایا ہے اور یہی حضرات واللہ نور اللہ فی السماوات والارض ہیں۔[17] اور کافی میں حضرت محمد باقرؑ سے «عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ. عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ.»[18] کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مُراد حضرت علیؑ ہیں حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے: «هِيَ فِي اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ. کَانَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ، عَلَیْهِ السَّلَامُ، یَقُوْلُ: مَا لِلّٰهِ تَعَالٰی آیَةٌ هِيَ اَکْبَرُ مِنِّي، وَلَا لِلّٰهِ مِنْ نَبَاٍ اَعْظَمُ مِنِّي.»[19] خدا کی کوئی آیت مجھ سے بزرگ نہیں ہے اور نہ خدا کی کوئی نبا مجھ سے اعظم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسانِ کامل ہی خدا کی بزرگ ترین آیت اور مظہر اسما و صفات ہے اور مثلِ اور آیتِ حق ہے اور جناب آدمؑ اس کے مصادیق میں سے ایک مصداق تھے اور خدا مثل یعنی شبیہ سے منزہ و مبرا ہے۔ لیکن خدا کو مثل سے یعنی آیت و علامت سے منزہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ «وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی» ہے۔ کائنات کے تمام ذرّے خدائے جمیل کے تجلیات کے مرآت و آیات ہیں۔ بس اتنا ضرور ہے کہ ہر ایک اپنے ظرف کے اعتبار سے ہے لیکن کوئی بھی آیت اسم اعظم جامع نہیں ہے سوائے حضرت کون جامع

ومقام مُقدّس برزخیت کبریٰ کے «جَلَّتْ عَظَمَتُهُ بِعَظَمَةِ بَارِيهِ، فَاللّٰهُ تَعَالٰى خَلَقَ الْاِنْسَانَ الْكَامِلَ وَالْآدَمَ الْأَوَّلَ عَلٰى صُورَتِهِ الْجَامِعَةِ؛ وَجَعَلَهُ مِرْآةَ أَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ. قَالَ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ «فَظَهَرَ جَمِيعُ مَا فِي الصُّورَةِ الْإِلٰهِيَّةِ مِنَ الْأَسْمَاءِ فِي هٰذِهِ النَّشْأَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ، فَحَازَتْ رُتْبَةَ الْإِحَاطَةِ وَالْجَمْعِ بِهٰذَا الْوُجُودِ وَبِهِ قَامَتِ الْحُجَّةُ لِلّٰهِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ.» [۲۱] «پس خدا نے انسانِ کامل اور آدم اوّل کو ان کی صورتِ جامعہ پر خلق فرمایا اور انھیں کو اپنے اسماء وصفات کا مرآۃ قرار دیا۔ الشیخ الکبیر فرماتے ہیں: صورتِ الٰہیّہ میں جتنے بھی اسماء اس نشأۃ انسانیہ میں تھے وہ سب کے سب ظاہر ہو گئے پس اس نشأۃ نے اپنے اس وجود کے ساتھ رتبۃ الاحاطت والجمع کو حاصل کر لیا اور اسی کے ذریعہ خدا کی حجت ملائکہ پر قائم ہو گئی۔»

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ خداوندِ عالم نے تمام مختلف اکوان کے مختلف صورتوں میں سے صورتِ جامعہ انسانیہ ہی کو کیوں انتخاب واختیار کیا اور حضرتِ آدمؑ کو تمام ملائکہ پر کیوں مکرم کیا اور تمام موجودات میں انھیں کو یہ شرف کیوں بخشا اور وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي [۲۲] میں ان کی روح کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا۔

چونکہ اس کتاب میں اختصار مدِ نظر ہے اس لئے نفخہ الٰہیّہ کی حقیقت اور آدم میں اس کی کیفیت اور تمام موجودات میں آدم کے ساتھ اختصاص کی وجہ وغیرہ سے صرفِ نظر کرتا ہوں۔

«وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلًا وَآخِرًا.»

اڑتیسویں حدیث کی توضیحات

۱:۔ اصولِ کافی جلد۱، ص ۱۳۴، کتاب التوحید، باب الروح، حدیث ۴۔

«عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ خَالِدٍ، قَالَ قُلْتُ لِلرِّضَا(ع): يَابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ، إِنَّ النَّاسَ يَرْوُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ(ص) قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ. فَقَالَ: قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ لَقَدْ حَذَفُوا أَوَّلَ الْحَدِيثِ. إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ(ص) مَرَّ بِرَجُلَيْنِ يَتَسَابَّانِ، فَسَمِعَ أَحَدَهُمَا يَقُولُ لِصَاحِبِهِ: قَبَّحَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَوَجْهَ مَنْ يُشْبِهُكَ فَقَالَ(ص) لَهُ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ، لَا تَقُلْ هٰذَا لِأَخِيكَ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ.»

۲:۔ عیون اخبار الرضا، جلد۱، ص ۱۱۹، باب ۱۱، حدیث ۱۲

۳:۔ مرآة العقول جلد۲، ص ۸۴، کتاب التوحید، باب الروح، حدیث ۴

۴:۔ تفسیر قرآن ملا صدرا، جلد۲، ص ۲۳۵، فتوحات مکیہ (تحقیق عثمان یحییٰ) جلد۱، ص ۸۷

۵:۔ «عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ(ع) قَالَ: إِنَّمَا سُمِّيَ آدَمُ آدَمَ لِأَنَّهُ خُلِقَ مِنْ أَدِيمِ الْأَرْضِ.» علل الشرائع جلد۱، ص ۲۶۔

۶:۔ مجمع البیان، تفسیر آیہ ۷، سورۂ مائدہ، قاموس اللغۃ، ذیل کلمۃ کعب و کعبہ

۷:۔ «وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ» والی آیت کی طرف اشارہ ہے اور یہ سورہ انعام کی ۵۹ ویں آیت ہے۔

۸:۔ مصباح الہدایہ الی الخلافۃ والولایۃ، ص ۲۸-۳۲-۴۴-۵۶-۵۶۔

۹۔ جناب آدمؑ کو تمام اسما کی تعلیم فرمائی، سورۂ بقرہ آیت ۳۱۔
۱۰۔ ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین و پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اٹھالیا یقیناً وہ ظالم اور نادان ہے۔ سورۂ احزاب آیت ۷۲۔
۱۱: سورۂ قصص آیت ۸۸۔
۱۲: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۴۵، کتاب توحید، باب النوادر، حدیث ۷۔
۱۳: زاد المعاد باب ۱۱، ص ۲۹۹، مفاتیح الجنان ص ۵۲۷۔
۱۴: من لایحضرہ الفقیہ جلد ۲، ص ۳۷۰، باب زیارہ جامعہ، عیون اخبار الرضاؑ، شیخ صدوق، باب ۶۸، حدیث ۱۔
۱۵: اصولِ کافی، کتاب الایمان والکفر، باب اذی المسلمین، حدیث ۷
۱۶: سورۂ نور آیت ۳۶۔
۱۷: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۱۹۴، کتاب الحجۃ، باب ان الائمۃ نور اللہ، حدیث ۱۔
۱۸: سورۂ نباء آیت ۱-۲۔
۱۹: اصولِ کافی جلد ۱، ص ۲۰۷، کتاب الحجۃ، باب ان الآیات التی ذکرھا اللہ فی کتابہ، حدیث ۲۔
۲۰: یہ آیہ وللہ المثل الاعلیٰ فی السماوات والارض کی طرف اشارہ ہے سورۂ روم آیت ۲۷۔
۲۱: اس آیت کا ترجمہ متن میں گزر چکا ہے
۲۲: سورۂ حجر آیت ۲۹، سورہ ص آیت ۷۲۔

انتالیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى رُكْنِ الْاِسْلَامِ، مُحَمَّدِبْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحَابِنَا، عَنْ اَحْمَدَبْنِ مُحَمَّدِبْنِ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ مَحْبُوبٍ وَعَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ وَهَبٍ، قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَقُولُ: اِنَّ مِمَّا اَوْحَى اللّٰهُ اِلَى مُوسَى، عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ فِي التَّوْرَاةِ: اَنِّي اَنَا اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا.

خَلَقْتُ الْخَلْقَ وَخَلَقْتُ الْخَيْرَ وَاَجْرَيْتُهُ عَلَى يَدَيْ مَنْ اُحِبُّ؛ فَطُوبَى لِمَنْ اَجْرَيْتُهُ عَلَى يَدَيْهِ. وَاَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا.

خَلَقْتُ الْخَلْقَ وَخَلَقْتُ الشَّرَّ، وَاَجْرَيْتُهُ عَلَى يَدَيْ مَنْ اُرِيدُهُ؛ فَوَيْلٌ لِمَنْ اَجْرَيْتُهُ عَلَى يَدَيْهِ.» [1]

ترجمہ: معاویہ بن وہب کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خداوندِ عالم نے جنابِ موسیٰؑ پر جن باتوں کی وحی فرمائی تھی اور ان کو توریت میں نازل کیا

تھا. ان میں سے یہ بات بھی تھی: بیشک میں اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے میں نے مخلوق اور خیر کو پیدا کیا اور خیر کو اس ذات کے ہاتھوں اجرا کرایا جس کو میں دوست رکھتا ہوں پس کیا کہنا اس کا جس کے ہاتھوں میں نے خیر کا اجرا کیا۔ اور میں: اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے. میں نے مخلوق اور شر کو پیدا کیا اور شر کو جس کے ہاتھوں چاہا اجرا کرایا پس ویل ہو اس شخص کے لئے جس کے ہاتھوں سے شر کا اجرا کرایا۔

شرح:۔ إِلٰه (اَلَهَ) بفتح ہمزہ ولام "اِلٰهَۃً" کے معنی عَبَدَ عِبَادَۃً کے ہیں. اور إِلٰهٌ بروزن فِعَالٌ بمعنی مفعول ہے جیسے امام بمعنی «مَنْ يُؤْتَمُّ بِهِ.»[۲] کے ہے. اور إله کی اصل الالہ تھی الف ولام کے داخل ہونے کے بعد ہمزہ کو تخفیف کے لئے گرا دیا گیا. لیکن بعض علماء کا خیال ہے الف ولام ہمزہ کے عوض میں لائے گئے ہیں[۳] ان میں سے ہر ایک کے پاس ادبی دلیل بھی ہے مگر اس کا ذکر لازم نہیں ہے البتہ اہل اللہ کی زبان میں اِلٰهیت اور الوھیت کو زیادہ تر مقام تجلی بہ فعل، اور مقام فیض تقدس کے لئے استعمال کرتے ہیں. اور اللہ کو جو اسم جلالہ ہے زیادہ تر مقام ذات مستجمع صفات کے لئے اطلاق کرتے ہیں. اور کبھی اس کے برعکس استعمال کرتے ہیں۔

اور اس حدیث میں ہو سکتا ہے یہ بمعنی لغوی عرفی استعمال ہوا ہو۔ یعنی میں معبود ہوں اور میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے. اور اگر یہ معنی مراد ہیں تو پھر قصر عبودیت یا تو اس بات پر مبتنی ہے کہ کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں ہے ـــــ چاہے وہ حسب خطاء مردم معبود واقع ہو ـــــ اور یا پھر اصحاب قلوب وارباب معرفت کے اس قول پر مبنی ہے کہ عبادت خواہ کسی مظہر میں ہو وہ عبادت کامل مطلق ہے اور انسان حسب «فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا» ہم طالب جمیل علی الاطلاق ہے۔ اگرچہ خود اس فطرت سے محجوب ہے. اور اپنے کو تعین وتعیین سے دلبستہ گمان کرتا ہے۔

لیکن ذیل حدیث کو دیکھ کر جس میں خیر وشر کی نسبت اپنی طرف دی ہے اس سے اس احتمال کو تقویت ملتی ہے کہ الہ سے مراد وہی مقام الوھیت ہے اور یہ توحید افعالی کی طرف اشارہ ہے. جس کی تعبیر بڑے بڑے حکماء کی زبان میں لَا مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُودِ إِلَّا اللَّهُ

سے کی گئی ہے۔ اور اس مطلب کی طرف بعد میں اشارہ کیا جائے گا۔
قولہٗ الخیر محدثین کے محقق علامہ مجلسیؒ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں: خیر و شر کا اطلاق (جہاں) طاعت و معصیت پر ہوتا ہے۔ (وہیں) ان کے اسباب و دواعی، مخلوقات نافعہ جیسے حبوب و ثمار وحیوانات ماکولہ اور ضرر پہنچانے والی مخلوقات جیسے بچھو، سانپ وغیرہ اور نعمتوں و مصیبتوں پر (بھی) ہوتا ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں یہ سب خدا کا فعل ہے۔ لیکن امامیہ اور معتزلہ نے افعال عباد کے بارے میں ان کی مخالفت کی ہے اور جو آیات و روایات وارد ہوئی ہیں کہ خدا خالق خیر و شر ہے امامیہ و معتزلہ نے ان کی تاویل افعال عباد کے علاوہ دیگر معانی سے کی ہے۔ اس کے بعد علامہ مجلسی نے فرمایا ہے: اب رہے حکماء تو انمیں سے اکثر کہتے ہیں، لَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہُ، اور بندوں کا ارادہ مددگار ہوتا ہے کہ خدا افعال عباد کو اپنے ہاتھوں ایجاد کرے۔ اور یہ بات خود حکماء اور اشاعرہ کے مطابق ہے ویسے اس قسم کی روایات کو تقیہ پر حمل کیا جاسکتا ہے۔ اِنْتَھٰی کَلَامُہٗ رُفِعَ مَقَامُہٗ ٥

تحقیق خیر و شر

خیر و شر کا اطلاق جہاں بھی ہوتا ہے وہ ذات یا صفات میں کمال یا نقص کے معنی میں ہوتا ہے اور وجود و کمالات وجود میں ہوتا ہے اور جتنے بھی خیرات ہیں وہ بالذات حقیقت وجود کیطرف راجع ہوتے ہیں اور دوسری چیزوں پر جو ان کا اطلاق ہوتا ہے وہ ان کے نحوۂ وجود کا لحاظ کر کے بولا جاتا ہے۔ جیسے شر بالذات عدم وجود یا عدم کمال وجود کا نام ہے اور دوسری چیزوں پر اس کا اطلاق بالعرض ہوتا ہے۔ جیسے موذیات اور ضرر پہنچانے والے حیوانات پر اطلاق عرضی ہے۔ اطراف کے تصور کے ساتھ اس کو بدیہیات میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس پر برہان قوی بھی موجود ہے۔

اور علامہ مجلسیؒ (و دیگر علماء) نے جو یہ فرمایا ہے: افعال عباد کے خلق کے بارے میں، کہ امامیہ اور معتزلہ نے اشاعرہ کی مخالفت کی ہے اور جو آیات و احادیث خیر و شر کی نسبت

خدا کی طرف دیتے ہیں ان کی تاویل کی ہے تو اس سلسلہ میں عرض کرتا ہوں، اشاعرہ کی مخالفت تو بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ یہ لوگ جبری المسلک ہیں اور ان کا مسلک صریح عقل و برہان و وجدان کے مخالف ہے۔ لیکن آیات و احادیث کو مذہب معتزلہ پر حمل کرنا بھی، بے معنی بات ہے کیونکہ یہ لوگ تفویضی المسلک ہیں اور ان کا مذہب اشاعرہ کے مسلک سے بھی زیادہ باطل اور اسکی شناعت و رسوائی اس سے کہیں زیادہ ہے۔

البتہ حضرات امامیہ جو اہل بیت عظام کے نور ہدایت اور خاندان وحی و عصمت کے بدولت اس مسلک حق کو اختیار کر چکے ہیں جو آیات اور مضبوط دلیلوں، بلند ترین عرفا کے مسلک اور اصحاب قلوب کے ذوق کے مطابق ہے۔ اس کی بنا پر ان آیات کثیرہ و اخبار کی تاویلات علامہ مجلسیؒ نے کی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ امامیہ اور ان کے ائمہ افعال عباد میں سے کسی بھی فعل کو نہ ارادۂ حق سے معزول سمجھتے ہیں اور نہ کسی چیز کو دبالکلیہ، بندوں کی سپردگی کے قائل ہیں۔

اور آخر کلام میں علامہ مجلسی نے جو یہ فرمایا ہے: اکثر حکماء نے فرمایا ہے لَامُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہُ اور یہ مذہب حکماء اور اشاعرہ کے موافق ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ یہ اکثر حکماء کا مذہب ہے یہ صحیح ہے بلکہ تمام حکماء اور اہل معرفت کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے حکماء میں سے جو اس قضیہ کا قائل نہ ہو نور حکمت اس کے دل میں اترا ہی نہیں اور اس کے باطن نے مس معرفت کی ہی نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ارادۂ عبد ممد و معدّ ہے ایجاد حق کے لئے۔ جیسا کہ اسکے اہل کے نزدیک واضح ہے اور اس کا مذہب اشاعرہ کے موافق ہونا قابل قبول نہیں ہے۔ اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ علامہ مجلسیؒ نے مذہب اشاعرہ کو مذہب حکماء پر عطف فرمایا ہے حالانکہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بہت کم ایسے حکیم ہوں گے جو محقق ہوں اور مذہب اشاعرہ کو باطل نہ سمجھتے ہوں۔ اور اس کے مخالف نہ ہوں۔

اور علامہ مجلسیؒ نے یہ جو فرمایا ہے کہ: ممکن ہے ان اخبار کو تقیہ پر حمل کر دیا جائے تو پہلی بات یہ ہے کہ یہ حمل بلا وجہ ہے کیونکہ ان اخبار کے ظواہر مذہب حق کے موافق اور برہان کے موافق ہیں اس لئے تقیہ پر حمل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایات و اخبار قرآن

مجید کی بہت سی آیتوں کے موافق ہیں۔ لہذا آیات اور اسی طرح ان اخبار کو جو ان آیات کے موافق ہیں تقیہ پر حمل کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں تیسری بات یہ ہے کہ ان اخبار کا معارض بھی نہیں ہے تاکہ مقام معارضہ میں تقیہ پر حمل کر دیا جائے جو مرجحات کی ایک قسم ہے ونیز یہ اخبار ان روایات کے ساتھ قابل جمع ہیں جن کی دلالت اس بات پر ہے کہ انسان خیر و شر کا فاعل ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ خود علامہ مجلسی نے فرمایا: یہ اخبار مذہب اشاعرہ کے مطابق ہیں اور علی الظاہر مذہب اشاعرہ (اس وقت) مذہب غالب نہیں تھا لہذا ایسی صورت میں حمل بر تقیہ غیر موجہ ہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ یہ باب اور اس کے امثال باقی اعتقادیات در اخبار متعارضہ مورد مرجحات نہیں ہیں۔ جیسا کہ واضح ہے۔

قولہ طوبیٰ جوہری نے کہا ہے طوبیٰ بروزن فُعْلیٰ ہے اور طیب سے ماخوذ ہے یہ طُیبیٰ تھا مگر "ی" کا ماقبل مضموم تھا اس لئے واو سے "ی" کو بدل کر طوبیٰ کر دیا گیا اور مجمع میں ہے کہ "طوبیٰ لہم" کا مطلب "ان کے لئے اچھی زندگی" ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طوبیٰ کا مطلب خیر اور انتہائے آرزو ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت کا نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لغت اہل ہند میں طوبیٰ بہشت کا نام ہے۔ «وطوبیٰ لکَ وطوباکَ» اضافت کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے۔ رسول اکرم (ص) کی روایت ہے کہ طوبیٰ بہشت میں ایک درخت ہے جس کی جڑ میرے گھر میں ہے اور اسکی شاخ علی (ع) کے گھر میں ہے۔[۶]

قولہ ویل جوہری کا کہنا ہے ویح کلمۂ رحمت ہے اور ویل کلمۂ عذاب ہے اور یزیدی کہتا ہے دونوں کے ایک معنی ہیں «ویلٌ لزیدٍ وویحٌ لزیدٍ» کو بنا بر مبتدا ہونے کے مرفوع اور فعل کو مقدر مان کر منصوب پڑھا جا سکتا ہے جیسے «الرحمةَ اللهُ الویلَ»۔[۷] بعضوں نے کہا ہے ویل جہنم میں ایک وادی ہے اگر پہاڑ کو اس میں ڈال دیں تو پگھل جائے گا۔[۸] بعض نے کہا ہے دوزخ میں ایک کنویں کا نام ہے۔[۹]

پہلی فصل

خیر و شر دونوں متعلق ایجاد ہیں اور ان کی کیفیت
قضائے الٰہی میں وقوع شر کی کیفیت کی طرف اشارہ

۱۔ علوم عالیہ میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے کہ موجودہ نظام وجود خیر و کمال کے اعلیٰ درجہ اور حسن و جمال کے اعلیٰ و اقصیٰ مرتبہ پر فائز ہے اور یہ قسم برہان لمی کی اجمالی طرح سے اور دوسرے اعتبار سے تفصیلی طور سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس کی تفصیل پر اطلاع صرف اس کے خالق کو ہے یا پھر وحی و تعلیم الٰہی پر موقوف ہے لیکن جو چیز یہاں پر اس کتاب کے مناسب ہے اور سابق میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز بھی اصل کمال و جمال و خیر ہے وہ اصل حقیقتِ وجود سے خارج نہیں ہے۔ کیونکہ وجود کے علاوہ کسی اور چیز کا تحقق نہیں ہے اور دنیا جانتی ہے کہ حقیقتِ وجود کے مدِ مقابل صرف دو چیزیں ہیں، عدم یا ماہیت اور یہ ذات و خودی خود انمیں سے کوئی کچھ نہیں ہے۔ نہ ان کی کوئی قیمت ہے یہ باطل ہیں یا محض اعتباری ہیں جب تک یہ چیزیں نور وجود سے منور اور ظہور وجود سے ظاہر نہ ہوں ان کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے نہ ثبوت ذاتی نہ صفاتی و آثاری۔ جب ان کے سروں پر وجود سایہ فگن ہوتا ہے۔ اور دست رحمت واسعہ ان کے سروں پر کھینچا جاتا ہے تب یہ دارائے ظہور و خاصیت و آثار ہوتے ہیں۔ پس تمام کمالات جمال جمیل علی الاطلاق کا پرتو ہے اور تجلی نور مقدس کامل مطلق ہے۔ دیگر موجودات کے پاس اپنے پاس سے کچھ نہیں ہے وہ تو فقر محض و لاشئ مطلق ہیں۔ پس تمام کمالات اس سے ہیں اور اسی کی طرف راجع ہیں۔[۱]

۲۔ اسی طرح اپنی جگہ ثابت و مقرر ہے کہ ذات مقدس سے جو چیز صادر ہوئی ہے وہ اصل حاق وجود و صرف متن ہستی ہے بغیر اس کے کہ وہ محدود بہ حدود عدمیہ و ماہویہ ہو کیوں کہ عدم و ماہیت غیر صادر۔ اور محدودیت در فیض یہ سب مفیض کی محدودیت سے ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو کیفیت افاضہ و فیض کا علم اسطرح ہوگا جسطرح اہل معرفت نے بیان کیا ہے وہ اس بات کی تصدیق کریگا کہ فیض باری میں کسی بھی قسم کی حد بندی اور قید کا تصور نہیں ہے۔ لہٰذا جسطرح

ذات مقدس کو نقص و امکان و محدودیت سے منزہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح فیض مقدس کو بھی تمام امکانی حدود اور امکانات راجعہ بہ ماہیات اور تقییدات راجعہ بہ حدود و نقائص سے منزہ و مقدس ماننا چاہئے۔ پس اس کا فیض جو جمیل مطلق کا ظل ہے وہ بھی جمیل مطلق و جمال تام و کمال تام ہے فَهُوَ جَمِيلٌ فِي ذَاتِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ اور سوائے اصل وجود کے کوئی بھی شئی، متعلق جعل و ایجاد نہیں ہو سکتی۔ ۱۱

۳۔ یہ بات بھی اپنی جگہ ادلہ و براہین سے ثابت ہے کہ اس عالم طبیعت اور تنگنائے باور مظلمہ کے اندر جتنے بھی شرور، ناگہانی اموات، ہلاکتیں، امراض، مہلک حوادث غریبہ موذیات وغیرہ ہیں یہ سب کے سب موجودات کے آپسی تضاد اور تصادم سے ہوا کرتے ہیں۔ جہات موجودیہ کی وجہ سے نہیں ہوا کرتے بلکہ موجودات کے مقدار کی تنگی اور نقص کی وجہ سے ہے اور یہ سب حدود و نقائص کیطرف راجع ہوتے ہیں جو بالکلیہ حیطۂ نور جعل سے خارج اور حقیقت میں دونوں جعل ہیں۔ نور کی اصل حقیقت وجود ہے جو تمام شرور و عیوب و نواقص سے بری ہے البتہ نقائص و شرور اور ضرر رساں و اذیت رساں اشیاء اگرچہ جہات و نقص کے ساتھ بالذات مورد جعل نہیں ہیں لیکن بالعرض بحسب نظر بحثی و برہانی دبہر حال، مورد جعل ہیں اس لئے کہ اگر اصل عالم طبیعت متحقق نہ ہو اور جہات وجودیہ متعلق جعل نہ ہوں دتو پھر نقائص و شرور اس میں اسی طرح متحقق نہ ہوں گے جسطرح، نفع و خیر و کمال اسمیں متحقق نہ ہوگا کیوں کہ اس طرح کے اعدام، اعدام مطلقہ نہیں ہیں بلکہ اعدام مضافہ ہیں جن کے لئے ملکات کے ضمن میں ایک عرضی تحقق بہر حال ہوتا ہے اور ان سے منعقد شدہ قضیہ، قضیۂ معدولہ یا موجبۂ سالبۃ المحمولہ ہوتا ہے نہ کہ سالبۂ محصلہ۔ ۱۲

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جو چیز بالذات متعلق خلقت اور مورد جعل الٰہی ہوتی ہے وہ صرف خیرات و کمالات ہوا کرتے ہیں اور تخلل شرور و ضرر رساں اشیاء وغیرہ قضائے الٰہی میں ضمنی ہوتی ہیں مقام اول کیطرف اشارہ اس آیت میں ہے «مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَ مَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ.» ۱۳۔ اور مقام دوم کیطرف اشارہ اس آیت میں ہے «قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ.» ۱۴۔ اور آیات و احادیث میں ان دونوں مقامات کیطرف بہت زیادہ اشارہ کیا گیا ہے اس میں سے یہ حدیث بھی ہے جسمیں ہے خیر و شر دونوں متعلق جعل و

خلقت ہیں۔

دوسری فصل

خیر و شر کا بندوں کے ذریعہ اجراء کی کیفیت

مطالب سابقہ میں غور و تامل کرنے سے جو لوگ اہل ہیں ان کو معلوم ہو جائیگا کہ، مخلوقات کے ہاتھوں خدا خیر و شر کو کیونکر اجرا کراتا ہے کہ جس سے کوئی مفسدہ جبر لازم نہیں آتا۔ البتہ اس طرح کی تحقیق جس سے مطلب واضح ہو جائے اور اس سلسلہ میں ہونے والے تمام، اعتراضات مرتفع ہو جائیں وہ موقوف ہے کہ مذاہب کی تفصیل بیان کی جائے اور بہت سے مقدمات کا ذکر کیا جائے مگر اس کتاب میں اس کی تفصیل بیان کرنے سے میں قاصر ہوں البتہ ایک اجمالی اشارہ ضرور کرنا چاہتا ہوں جو نظر بحث سے مناسب ہو۔

پس آپ یہ سمجھ لیں کہ موجودات میں سے کوئی بھی موجود اپنے کسی بھی عمل میں اس کا اس وقت تک مستقل ہونا ممکن نہیں ہے جب تک فاعل و موجد معلول کے عدم میں رہنے والے تمام اسباب کو صد در صد ختم نہ کر دے۔ مثلاً ایک معلول کے وجود میں آنے کے لئے سو شرطیں ہیں اور فاعل ۹۹ کو پوری کرتا ہے ایک کو چھوڑ دیتا ہے تو معلول موجود نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس فاعل کو علت مستقلہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کسی بھی علت کا مستقل ہونا اس بات پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ علت تمام ان چیزوں کو معدوم کر دے جن کے معدوم ہونے پر معلول کا وجود ضروری ہے اور بالبداہۃ والبرہان یہ بات معلوم ہے کہ تمام دائرہ ممکنات ساکنین جبروت عظمیٰ و ملکوت علیا سے لے کر عالم ملک و طبیعت کے بسنے والوں تک تمام قوای فعالہ باطنہ و ظاہرہ کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ پہلا عدم جو معلول کو جائز ہے اس کا عدم علت فاعلہ و مؤثر کے عدم پر موقوف ہے۔ اور سلسلہ ممکنات میں کوئی ایسا موجود نہیں جو اس جہت سے سدِّ عدم معلول کر سکے۔ کیونکہ ایسا ہونا مستلزم ہے کہ امکان ذاتی وجوب ذاتی سے بدل جائے اور ممکن دائرہ امکان سے خارج ہو جائے اور یہ (انقلاب) بدیہی طور سے محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ استقلال در ایجاد، استقلال در وجود کے لئے

لازم ہے۔ اور یہ بات ممکنات میں ممکن نہیں ہے۔

اسی بیان سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ تفویض نہ صرف ایجاد میں بلکہ موجودات کے شؤون وجودی میں سے کسی بھی شان میں ممکن نہیں ہے۔ یہ صرف مکلفین یا افعال مکلفین سے مخصوص نہیں ہے (جیسا کہ ہمارے علماء عنوان بحث قرار دیتے ہیں) اگرچہ متکلمین کی زبانوں سے جاری ہونے والے کلمات سے اختصاص ہی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن متفرق ابواب کے ملاحظہ سے عمومیت بحث کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ طریقۂ اصحاب کلام میں افعال مکلفین کی بحث زیادہ اہم ہے۔ اسی لئے نزاع کو اسی سے مخصوص کیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ہم کو متکلمین سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم تحقیق حق کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ موجودات کے کسی بھی امر میں تفویض ممکن نہیں ہے۔

مسئلہ ابطال جبر

اب جبری مذہب کا بطلان بھی معلوم ہو جانا چاہئے۔ لیکن پہلے ان کے مذہب کی طرف اشارہ کر دوں اس کے بعد بطلان کا ذکر کروں گا۔ اور وہ اشارہ یہ ہے کہ جبری حضرات کہتے ہیں: ایجاد موجودات میں کسی بھی وسائط وجودی کو کوئی مدخلیت نہیں ہے۔ صرف انسان کو مدخلیت کا توہم ہوتا ہے۔ مثلاً قوۂ ناریہ ہے یہ حرارت میں بالکل مؤثر نہیں ہے بس خدا کی عادت جاری ہے۔ کہ جب بھی صورتِ ناریہ جاری ہوگی اس کے بعد ہی حرارت ایجاد کر دیگا۔ بغیر اس کے کہ صورت ناریہ کو اس میں کوئی مدخلیت ہو (یہ ایسے ہی ہے کہ) اگر خدا صورت ناریہ کے بعد برودت ایجاد کر دیتا تو اس وقت جو صورت حرارت کی ہے وہی صورت برودت کی ہوتی اور کوئی فرق نہ ہوتا۔ خلاصہ خدا بغیر توسیط وسائط خود بذات مقدس خود تمام افعال مکلفین و آثار موجودات کا مباشر ہے۔[۱۵] ان لوگوں نے اپنے خیال سے اس مذہب کو خدا کی تنزیہ و تقدیس کے لئے اختیار کیا ہے تاکہ یَدُ اللہ کو مغلولہ نہ سمجھا جا سکے۔ «غُلَّتْ اَیْدِیهِمْ وَلُعِنُوا.»[۱۶] اس تنزیہ و تقدیس کے ذریعہ جو سنت برہان اور مذہب عرفان میں مستلزم نقص و تشبیہ ہے اور مستلزم تعطیل ہے۔ جیسا کہ ہم نے فصل

سابق میں اس کی طرف اشارہ کیا کہ حق تعالیٰ کمال مطلق اور وجود صرف ہے اس کی ذات وصفات میں تحدید یا نقص کا تصور بھی نہیں ہے اور جو چیز متعلق و ایجاد وجعل الٰہی ہے وہ موجود مطلق وفیض مقدس اطلاقی ہے اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس ذات مقدس سے وجود محدود ناقص صادر ہو۔ ایجاد کے اندر کسی قسم کا نقص ہے ہی نہیں بلکہ تمام تحدیدات و نقائص مستفیض و معلول کے تحدید و نقص ہوا کرتے ہیں جیسا کہ متکلمین نے تصور کیا ہے۔ اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے "۔ پس جتنے وجود معلول کا ارتباط ذات مقدس حق تعالیٰ سے بلا واسطہ ممکن ہے وہ موجود مطلق وصریح وجود ہے اور وہ یا تو فیض مقدس ہے بنابر مسلک عرفا ریا عقل مجرد و نور شریف اول ہے بنابر مسلک حکماء۔

دوسرے بیان کے ساتھ۔ اس میں تو شک نہیں ہے کہ قبولیت وجود میں موجودات مختلف ہیں۔ بعض موجودات قبول وجود ابتداءً و استقلالاً کرتے ہیں۔ جیسے جواہر۔ اور بعض کو دوسرے کے ضمن وتبعیت میں قبول کرتے ہیں جیسے اعراض اور ایسی چیزیں جو ضعیف الوجود ہیں مثلاً زید کا کلام ضمناً پایا جاسکتا ہے مستقلاً نہیں پایا جاسکتا۔ اسی طرح اعراض واوصاف جواہر اور موصوفات کے بغیر نہیں پائے جاسکتے اور یہ نقص ان کا خود ذاتی ہے فاعلیت اور موجدیت کا نقص نہیں ہے اس بیان سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ سلسلۂ موجودات میں جبر اور نفی وسائط وجودیہ کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اور قوی ترین دلیل اس باب میں یہ ہے کہ: جس طرح ماہیات بہ حسب ذات تاثیر و تاثر سے منعزل ہیں اور بالذات جعل ان سے متعلق نہیں ہوسکتا اسی طرح حقیقت وجود بذاتہ منشأ تاثیر ہے کہ اگر اس سے مطلقاً نفی تاثیر کردی جائے تو یہ انقلاب ذاتی کو مستلزم ہوجائیگا۔ لہٰذا ایجاد مراتب وجود بے آثار اور منفی الاثر مطلقاً ممکن نہیں ہے اور موجب نفی شی از ذات خود ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ مسلک جبر و مسلک تفویض دونوں مسلک برہان تام و ضوابط عقلیہ کی بنا بر باطل و ممتنع ہیں۔ اہل معرفت اور حکمت عالیہ میں مسلک امر بین الامرین ثابت ہے۔ اگرچہ اس کے امر بین الامرین کے معنی میں بھی علماء کے درمیان اختلاف

عظیم ہے۔ لیکن اس میں جو چیز تمام مذاہب میں مضبوط اور مناقشات سے محفوظ اور مسلک توحید کے مطابق اور عرفاء راسخین و اصحاب قلوب کے موافق ہے مگر یہ مسلک تمام معارف الٰہیہ میں از قبیل سہل ممتنع ہے جس کا حل بحث و برہان سے ممکن نہیں ہے۔ اور تقویٰ تام قلبی اور توفیق الٰہی کے بغیر دست امید کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہے۔ اس لئے میں اس کو اس کے اہل کے لئے یعنی اولیاء حق کیلئے چھوڑتا ہوں اور ہم اصحاب بحث کی طرح اس وادی میں داخل ہوں گے۔

اور وہ یہ ہے کہ تفویض کا مطلب استقلال موجودات در تاثیر ہے اور جبر نفی تاثیر کا نام ہے اور ہم ان دونوں ــ جبر و تفویض ــ کی نفی کر کے منزلہ بین المنزلتین کہ اثبات تاثیر و نفی استقلال ہے کا اثبات کریں اور کہیں منزلہ ایجاد مثل وجود و اوصاف وجود ہے جیسے کہ موجودات موجود ہیں مگر مستقل در وجود نہیں ہیں اور اوصاف ان کے لئے ثابت ہیں لیکن ان میں مستقل نہیں ہیں آثار و افعال ان کے لئے ثابت ہیں اور ان سے صادر ہیں لیکن وجود میں غیر مستقل ہیں اور فواعل و موجدات غیر مستقل در فاعلیت و ایجاد ہیں۔

اور یہ بھی جان لیجئے کہ: فصل سابق کے مطالب میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خیرات و شرور دونوں کی نسبت حق کیطرف بھی اور خلق کیطرف بھی دی جا سکتی اور دونوں صحیح ہیں اسی لئے اس حدیث میں فرمایا ہے: خیرات و شرور کو میں نے اپنے بندوں کے ہاتھوں اجرا فرمایا اس کے باوجود خیرات منسوب بحق تعالیٰ ہے بالذات اور بندوں اور موجوات کی طرف بالعرض اور شرور اسکے برعکس دیگر موجودات کیطرف بالذات اور خدا کیطرف بالعرض منسوب ہیں۔ اسی مطلب کیطرف حدیث قدسی میں ارشاد ہے: اے اولاد آدم میں تیرے حسنات کے لئے تجھ سے اولیٰ ہوں اور تو اپنے گناہوں کے لئے مجھ سے اولیٰ ہے[18]۔ سابق میں بھی اس کیطرف اشارہ کر چکا ہوں۔ سر دست اس ذکر سے دست بردار ہوتا ہوں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَآخِراً

انتالیسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۱ ص ۱۵۴، کتاب التوحید، باب الخیر والشر، حدیث ۱۔

۲: جس شخص کی پیروی کی جائے۔

۳: پہلے قول کے سلسلہ میں بحار جلد ۴ ص ۱۸۷، باب ۲ از ابواب اسمائہ تعالیٰ وحقائقہا وصفاتھا ومعانیھا کی طرف رجوع کیجیے اور دوسرے قول کے سلسلہ میں مجمع البیان ذیل آیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم از سورۂ حمد کی طرف رجوع کیجیے۔

۴: سورۂ روم آیت ۳۰۔

۵: مراۃ العقول جلد ۲، ص ۱۷۱، ۱۷۲، کتاب التوحید، باب الخیر والشر حدیث ۱

۶: حاکم حسکانی نے امام ہفتم سے انھوں نے اپنے والدِ ماجد سے انھوں نے اپنے بزرگوں سے روایت کی ہے کہ رسولؐ سے طوبیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ایک درخت ہے جس کی جڑ میرے گھر میں ہے اور اس کی شاخ اہلِ فردوس پر سایہ فگن ہے دوبارہ پوچھے جانے پر فرمایا: وہ درخت علیؑ کے گھر میں ہے۔ (مجمع البیان تفسیر سورہ رعد آیت ۲۹)۔

۷: خداوندِ عالم نے اس کو عذاب سے دوچار کر دیا۔

۸: مجمع البحرین، ولسان العرب ذیل کلمہ ویل۔

۹: قاموس المحیط ذیل کلمہ ویل اور پیغمبرؐ سے ایک روایت آئی ہے کہ ویل جہنم میں ایک درہ ہے کافر چالیس سال تک کے بعد اس کی گہرائی تک پہونچتا ہے تفسیر نور الثقلین جلد ۱ ص ۹۳ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۴۰۔

۱۰: اسفار اربعہ جلد ۲ ص ۲۹۲ اور اس کے بعد اسفار اربعہ جلد ۱ بحث اصالۃ الوجود۔

۱۱۔ اسفار اربعہ جلد ۲ ص ۲۹۲ فصول ۲۵۔ ۲۹۔

۱۲۔ اسفار اربعہ جلد ۷ ص ۵۸۔ ۶۲ سفر سوم، موقف ہشتم فصل دوم۔

۱۳۔ سورۂ نساء آیت ۴۷ اور حدیث ۳ توضیح ۲۳۔

۱۴۔ سورہ نساء آیت ۷۸ اور حدیث ۱۴ توضیح ۶۔

۱۵۔ کشف المراد ص ۲۳۹۔ ۲۴۰ فی علم الکلام جلد ۲ ص ۶۲، ۷۸، ۷۹۔

۱۶۔ مائدہ آیت ۷۰ اور حدیث ۲۱ توضیح ۲۷۔

۱۷۔ اسفار جلد ۲ ص ۱۲۷ اور اس کے بعد سفر دوم مرحلہ ششم، بحث علت و معلول، مخصوص فصول ۲، ۱۲، ۱۴، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۲۹، وجلد ۶ ص ۳۲۰ بر بعد سفر سوم موقف چہارم فصل ۳۔

۱۸۔ عن الرضاؑ قال اللہ یا ابن آدم انا اولیٰ بحسناتک منک وانت اولیٰ بسیئاتک منی الجواہر السنیۃ ص ۲۷۹۔

اٹھائیسویں حدیث کی توضیحات

چالیسویں حدیث

«بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلَى الشَّيْخِ الْأَقْدَمِ وَالرُّكْنِ الْأَعْظَمِ، مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ حُمَيْدٍ قَالَ قَالَ: سُئِلَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، عَنِ التَّوْحِيدِ فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلِمَ اَنَّهُ سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ مُتَعَمِّقُونَ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: «قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ.» وَالْآيَاتُ مِنْ سُورَةِ «اَلْحَدِيدِ اِلٰى قَوْلِهِ: «وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ» فَمَنْ رَامَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ.»[1]

ترجمہ: عاصم کہتے ہیں: امام زین العابدینؑ سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت نے فرمایا: خدا کو معلوم تھا آخری زمانہ میں ایک دقیق النظر قوم پیدا ہوگی لہٰذا اس نے قل ہو اللہ احد اور سورہ حدید کی آیات اوّل سے ہو علیم بذات الصدور تک نازل فرمایا۔ اب اگر کوئی اس کے غیر کو طلب کرے تو وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔

شرح: حضرت صدر المتالہین فرماتے ہیں: عاصم بن حمید کا زمانہ حضرت سجادؑ سے متصل نہیں تھا لہٰذا حدیث مرفوع ہے اور لفظ قال کی تکرار شاید بواسطہ تقطیع حدیث ہو اور ہو سکتا ہے نساخ کے اشتباہ کی بنا پر ہو اور یا یہ وجہ ہو کہ فاعل موجود رہا ہو اور قلم کے لکھنے سے رہ گیا ہو اور یا فاعل محذوف ہو بنا بر جواز حذف اور یا یہ کہ فاعل اوّل ضمیر ہو جو نضر بن سوید کی طرف راجع ہے مگر یہ احتمال بہت ہی بعید ہے۔

قولہ التوحید: توحید بروزن تفعیل ہے اور یہ یا تو فعل میں تکثیر کے لئے ہے بہ معنیٰ قرار دادن در عنایت وحدت و نہایت بساطت یا پھر بمعنائے انتساب مفعول ہے بہ اصل فعل جیسے تکفیر و تفسیق لیکن بعض اہل فضل کی رائے تھی کہ یہ باب تفعیل بمعنائے انتساب مفعول آیا ہی نہیں اور تفسیق و تکفیر بھی اس معنیٰ سے غلط ہیں بلکہ یہ سب بمعنیٰ دعوت بہ فسق و کفر کے ہیں اور یہاں پر تکفیر کے بجائے اکفار استعمال ہونا چاہیئے تھا اور خود قاموس میں بھی مادہ کفر کے اندر تکفیر بمعنائے انتساب بکفر نہیں آیا ہے۔ مولف عرض کرتا ہے: میں نے بھی قاموس میں تکفیر بمعنائے انتساب بکفر نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ علامہ لغویین جوہری نے بھی یہ معنی نہیں لکھے ہیں البتہ اکفار کو اس معنی میں لکھا ہے جیسا کہ اس فاضل نے کہا ہے۔ مگر ادب کی کتابوں میں باب تفعیل کے ایک معنی انتساب مفعول بہ اصل فعل شمار کیا گیا ہے اور اس کی مثال تفسیق سے دی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ توحید کا مطلب نسبت بہ وحدانیت ہے۔

قولہ متعمقون: عَمق و عُمق بفتح عین وضم عین کنویں کی تہہ اور گڑھے کی تہہ کو کہتے ہیں۔ اسی اعتبار سے اہل ریاضی جسم کے تیسرے بعد کو عمق سے تعبیر کرتے ہیں جو سطح فوقانی سے شروع ہو کر سطح تحتانی پر ختم ہوتا ہے۔ اور بعد دوم کو عرض کہتے ہیں اور اعتبار سے زیادہ دقیق النظر شخص کو متعمق کہا جاتا ہے اور نظر دقیق کو نظر عمیق کہا جاتا ہے اور نظر غیر عمیق کو سطحی نظر کہا جاتا ہے۔ گویا مطالب علمیہ کے لئے بھی عمیق و گہرائی ہوتی ہے شخص متعمق اس کی تہہ تک چلا جاتا ہے اور حقائق کو نکال لاتا ہے اور سطحی نظر والا اوپری حصہ تک رہتا ہے گہرائی تک نہیں جا پاتا۔

قولہ فمن رام: رام یرُوم کے معنیٰ طلب کرنے کے ہیں اور مرام کے معنی مطلب کے ہیں۔

قولہ وراء ذالک: وراء بمعنی پیچھے کے ہیں اور کبھی آگے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ پس یہ اضداد میں سے ہے اور اس کا استعمال ان مقامات پر مناسبت کے ساتھ معنیٰ اوّل میں ہوتا ہے۔

پہلی فصل

سورۂ توحید کی تفسیر کی طرف اجمالی اشارہ

یاد رکھیے سورہ توحید اور سورہ حدید کی پہلی آیتوں کی تفسیر ہم جیسے افراد کے حوصلہ سے خارج ہے ویسے واقعہ یہ ہے کہ اس کی تفسیر میں داخل ہونا اپنے وظیفہ سے خارج ہونا ہے بھلا مجھ جیسے آدمی کے لئے شریعت انصاف میں کہاں جائز ہے کہ میں ایسی چیز کی تفسیر میں داخل ہوں جس کو خدا نے اشخاص متعمق اور علمائے محقق کے لئے نازل فرمایا ہے تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے کلمہ مبارکہ الصمد کے کچھ اسرار بیان کرنے کے بعد فرمایا: خداوندِ عالم نے مجھے جو علم عطا فرمایا ہے اگر میں اس کے حاملین پاتا تو الصمدؔ کے اندر جو توحید واسلام وایمان ودین وشریعت ہے اس کو نشر کر دیا۔

فیلسوف کبیر مُلّا صدرا سورۂ حدید کی آیتوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یہ چھ آیتیں جن کی طرف حدیث میں اشارہ ہے ان میں سے ہر ایک علم توحید والہیت کے عظیم باب پر مشتمل ہے اور صمدیت وربوبیت کے محکم احکام پر مشتمل ہے کہ اگر زمانہ مہلت دے اور دہر ایک ایسے عارف ربانی کی مدد کرے یا ایسے حکیم الٰہی کی مدد کرے جس کا علم مشکاۃ نبوت محمدیہ سے ماخوذ ہو علیہ وعلی آلہ افضل السلام والتحیۃؑ اور اس کی حکمت مقتبس ہو احادیث اصحاب عصمت وطہارت سے تو یقیناً اس شخص اور ان آیات کا حق تھا کہ ہر آیت کے لئے ایک بڑی جلد بلکہ مجلدات کثیرہ تحریر کی جائیں (انتھیٰ)

خلاصہ یہ ہے کہ مجھ جیسے لکھنے والے اس میدان کے شہسوار نہیں ہیں لیکن چونکہ عقل کا فیصلہ ہے کہ مشکل کی وجہ سے آسان کو نہیں چھوڑ دینا چاہیئے اس لئے مشائخ عظام اور کتب ارباب معرفت اور اہل بیتؑ کے مشکاۃ انوار ہدایت سے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے اجمالاً

واشارۃً اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

ومن اللہ الہدایۃ۔

بسم اللہ کی طرف اشارہ

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حسب مسلک اہلِ معرفت ہر سورہ کی بسم اللہ خود اسی سورہ سے متعلق ہے استعین وغیرہ سے متعلق نہیں ہے کیونکہ اسم اللہ بحسب مقام ظہوری تمام مشیت ہے اور بہ حسب تجلی احدی مقام فیض اقدس ہے اور بحسب مقام واحدیت مقام جمع احدی اسماء ہے اور باعتبار احدیت جمع جمیع عالم ہے کہ در سلسلۂ طولیۃ صعودیۃ ونزولیۃ کون جامع ہے اور مراتب وجود ہے اور سلسلۂ عرضیۃ میں ہر ایک ھویات عینیۃ ہے اور اسم کے ہر اعتبار کے لحاظ سے اللہ کے معنیٰ میں فرق ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ ان اسماء کا مسمیٰ ہے اور قرآن کے ہر سورے کے اعتبار سے کہ متعلق بسم اللہ دو لفظ اور اس کا مظہر معنیٰ میں ہے بسم اللہ کے معنیٰ مختلف ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ہر اس فعل کے اعتبار سے جس سے بسم اللہ کی ابتداء کی گئی ہے اس کے معنیٰ مختلف ہو جاتے ہیں اور وہ اسی فعل سے متعلق ہوتا ہے۔ مظاہر و ظہورات اسمائے الٰہیہ کا عارف جانتا ہے کہ تمام افعال و اعمال و اعیان و اعراض بہ اسم شریف اعظم و مقامِ مشیت مطلقہ ظاہر و متحقق ہیں۔ پس اس عمل کے بجالاتے وقت اور ایجاد کرتے وقت دل میں اس معنیٰ کا متذکر ہوتا ہے اور ان کو مرتبہ طبیعت تک اور ملک خود جاری کرتا ہے اور کہتا ہے۔ بسم اللہ یعنی بہ مقام مشیت مطلقۂ صاحب مقام رحمانیت کہ بسط وجود ہے اور مقام رحیمیت کہ بسط مقام کمال وجود ہے یا صاحبِ مقام رحمانیت کہ مقام تجلی بہ ظہور و بسط وجود ہے اور مقام رحیمیت کہ مقام تجلی بہ باطنیت و قبض وجود ہے۔

«آكِلُ وَاَشْرِبُ وَاَكْتُبُ وَاَفْعَلُ كَذَا وَكَذَا.»

پس سالک الی اللہ اور عارف باللہ ایک ہی نظر میں تمام فعال و موجودات کو ظہور مشیت مطلقہ اور اسی میں فانی دیکھتا ہے اور اس نظر میں سلطان وحدت کا غلبہ ہوتا ہے اور بسم اللہ کو تمام قرآنی سوروں اور تمام افعال و اعمال میں ایک معنیٰ سے سمجھتا ہے اور جس نظر میں متوجہ عالم فرق و فرق الفرق ہوتا ہے اس وقت ہر بسم اللہ کے لئے ہر سورہ کی ابتدا

میں اور ہر کام کی ابتدا میں ایک معنیٰ کو دیکھتا ہے اور دوسرے غیر کا مشاہدہ کرتا ہے۔

یہ مقام جو سورہ شریفہ توحید کی تفسیر کا مقام ہے یہاں پر بسم اللہ کو کلمہ قُل سے بھی متعلق کر سکتے ہیں ایسی صورت میں بسم اللہ سے مُراد کسوۂ تجرید و غلبۂ توحید کی صورت میں مقام مشیت مطلقہ ہے اور کسوۂ تکثیر و مقام توجہ بہ کثرات میں اس کے تعینات ہیں اور مقام جمع بین مقامین کہ مقام برزخیت کبریٰ ہے۔

مشیت بمقام وحدت وکثرت وظہور وبطون ورحمانیت ورحمیت بمعنائے دوئی ہے اور آیۂ شریفہ قل ھو اللہ احد میں چونکہ جمع بین اور احدیت غیبیہ والوہیت ہے اس لئے اسم اللہ حسبِ مقام سوم یعنی مقام برزخیت مُراد ہے اس کے بعد مقام احدی سے قلب تقی نقی احدی احمدی محمدیؐ سے خطاب ہوا قلُ اور یہ بحسب اس نشئہ برزخیٔ کبریٰ بہ ظہور اسم اللہ ہے کہ جو مقامِ مشیت مطلقہ وصاحب تعین وظہور رحمانیت درعین رحیمیت اور بسط درعین قبض ہے۔

ھُوَ: یہ کلمہ مقام ھویتِ مطلقہ من حیث ھی ھی کی طرف اشارہ ہے بغیر اس کے متعین بہ تعین صفاتی یا متجلی بہ تجلیات اسمائی ہو حتیٰ اسمائے ذاتیہ کہ جو مقام احدیت میں معتبر ہوتا ہے اور یہ اشارہ صاحب اس قلب کے غیر اور اس مقام کے دارا کے غیر کے لئے ناممکن ہے اور اگر حق کی ان نسبتوں کے اظہار پر مامور نہ ہوتا تو ازلاً وابداً اس کلمہ کو زبان پر بھی جاری نہ کرتا۔ مگر چونکہ قضائے الٰہی میں یہ بات حتمی تھی کہ آخری نبیؐ اس اشارہ کا اظہار کرے۔

اور چونکہ جذبہ مطلقہ میں کچھ باقی نہ تھا اور (نبیؐ) مقام برزخیت کے دارا تھے لہٰذا فرمایا: اللہ احد۔ اللہ اسم جامع اعظم ورب مطلق خاتم ہے اور باعین برزخی کثرت اسمائی بہ ظہور واحدیت، عین وہی تجلی غیبی خفائی بہ مقام احدیت ہے۔ ایسے سالک کے قلب پر نہ تو جنبۂ احدیت واحدیت پر غلبہ رکھتا ہے۔ اور نہ واحدیت احدیت پر!

لفظِ اللہ کو احد پر مقدم کیا ہے حالانکہ اسمائے ذاتیہ اعتبار میں مقدم ہوا کرتے ہیں مگر یہاں پر شاید اشارہ مقصود ہے کہ مقامِ تجلی بہ قلب سالک کی طرف ہے کیونکہ تجلیاتِ ذاتیہ قلوب اولیاء کے لئے پہلے اسمائے صفاتیہ کی ہوتی ہے جو حضرت واحدیت ہے اس کے بعد اسمائے ذاتیہ احدیہ کا نمبر آتا ہے۔

اور تمام اسماء میں لفظ اللہ کا اختصاص اور اس کا ذکر دو باتوں میں سے کسی ایک بات کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ بحسب کیفیت سلوک و نقشہ تجلی اولی بہ مظاہر اسم اللہ کہ سائر اسماء ہیں بمناسبت قلب سالک تجلی ہوتی ہے اس کے بعد تمامیت سلوک کے آخر میں اسمائے صفاتیہ میں تجلی باسم اللہ ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ تجلی چاہے جس اسم سے ہو وہ تجلی باسم اللہ ہے از باب اتحاد ظاہر و مظہر خصوصاً در حضرت الہیت دوسرے یہ کہ اشارہ بغایت سلوک واحدی ہو کہ جب تک وہ محقق نہ ہو گا سالک شروع بہ سلوک احدی نہ کر سکے گا۔

بنا بریں خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ھو ایک ایسے مقام کی طرف اشارہ ہے جہاں پر اشارہ اور عارفوں کی امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں اور مقام و رسم سے اور مبرا ہے تجلی و ظہور سے منزہ ہے۔ اور احد تجلی بہ اسمائے باطنہ غیبیہ کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تجلی باسمائے ظاہریہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ان تینوں اعتبارات اولیہ سے حضرت ربوبیت کا محقق ہوتا ہے اور چار دوسرے اسماء کہ صمدیت ان کی جامع ہے بحسب بعض روایات^(۲) از اسمائے سلبیہ تنزیہیہ ہیں جو در ضمن اسمائے ثبوتیہ جمالیہ اعتبار کئے جاتے ہیں چنانچہ کسی حدیث کے ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہاں تک جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ بسم اللہ کلمہ قل سے متعلق مانا جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سورہ کے جزء سے بسم اللہ متعلق ہو۔ اس وقت پر تفسیر سورہ اور اس کے بسم اللہ کے اعتبار سے فرق ہو گا۔ مگر چونکہ اس کا ذکر موجب تطویل ہے اس لئے اس سے صرف نظر کرتا ہوں۔

ہمارے شیخ عارف کامل، شاہ آبادی روحی فداہ فرماتے تھے ھو برہان چھ اسم ہے اور دوسرا کمال ہے جو سورہ مبارکہ توحید میں اس کلمہ مبارکہ کے بعد ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ ذات مقدس ھو مطلق ہے اور اشارہ بہ صرف وجود ہے مستجمع جمیع کمالات اسمائے ہے پھر اللہ ہے اور چونکہ صرف وجود بہ حقیقت بسیط دارائے جمیع اوصاف و اسماء ہے اور یہ کثرت اسمائی وحدت ذات کو ختم نہیں کر سکتی۔ (اس لئے) احد ہے اور چونکہ صرف کے لئے ماہیت نہیں ہے (اس

لئے اصمد ہے۔ اور چونکہ صرف کو نقص حاصل نہیں ہو سکتا اور غیر سے حاصل نہیں ہوتا اور تکرار اس پر محال ہے (لہٰذا)، والد و مولود نہیں ہے اور کوئی کفو نہیں رکھتا انتہیٰ۔

یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ روایات میں "صمد" کے بہت سے معانی اور اسرار کثیرہ ذکر کئے گئے ہیں جس کا بیان کرنا اس کتاب کے فریضہ سے خارج ہے اور ایک جداگانہ رسالہ کی ضرورت ہے یہاں پر صرف ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر صمد بہ حسب بعض اعتبارات نفس ماہیت کی طرف اشارہ ہے اور اللہ الصمد کے اندر اللہ کے معانی از اعتبارات مقام واحدیت و مقام احدیتِ جمع اسماء ہے۔ اور اگر اشارہ بہ صفت اضافی ہو، جیسا کہ بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے، تو اشارہ بہ احدیت جمع اسماء در حضرت تجلی بہ فیض مقدس اور اس کے معنی موافق ہیں۔ اللہ نور السمٰوات والارض کے۔

دوسری فصل

سورہ حدید کی آیات علیم بذات الصدور تک کی تفسیر کی طرف اجمالی اشارہ۔

پہلی آیت[1] کی دلالت اس بات پر ہوتی ہے کہ تمام موجودات یہاں تک کہ نباتات و جمادات بھی تسبیح الٰہی کرتے ہیں۔ اب اس تسبیح کو ذوی العقول کے لئے مخصوص کرنا ارباب عقول کی عقلوں پر پردہ ڈالنا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ آیت قابل تاویل بھی ہے تو دوسری آیات اس کو قبول کرنے والی نہیں ہیں مثلاً «قَوْلُهُ تَعالَى: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النّاسِ[2]» اور تسبیح کی تاویل تکوینی فطری سے کرنا بار دار بعید قسم کی تاویل ہے جس سے اخبار و

آیات ابار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ برہان متین اور مشرب ارباب عرفانی کے بھی خلاف ہے۔

مگر حکیم بزرگ، دانشمند کبیر، فیلسوف اعظم، ملاصدرا سے تعجب ہے کہ موصوف موجودات کی اس تسبیح کو تسبیح نطقی نہیں مانتے۔ اور بعض جمادات مثلاً سنگریزہ کے نطق کو از قبیل انشائے نفس مقدس ولی اصوات والفاظ ان کے اپنے حالات کے مطابق جانتے ہیں اور بعض اہل معرفت کے قول: "تمام موجودات دارائے حیات نطقی ہیں" کو مخالف برہان و ملازم با تعطیل و دوام قسر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ملاصدرا نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب خود ان کے اصول کے مخالف ہے اور حتماً یہ قول (حیات نطقی والا) صریح حق اور عرفان کا لب لباب ہے اور کسی بھی مفسدہ کا مستلزم نہیں ہے۔ اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو مقدمات کے ساتھ میں اس کی شرح کرتا۔

پہلے بھی میں اشارہ کر چکا ہوں کہ حقیقت دعبارت ہے (عین شعور و علم وارادہ وقدرت وحیات ودیگر شعون حیاتیہ سے۔ بایں معنی کہ اگر شئی من الاشیاء کو مطلقاً علم وحیات نہ ہو تو وہ جامۂ وجود سے بھی محروم ہوگی۔ اور جو شخص بھی حقیقت اصالت وجود اور اس کے مشترک معنوی ہونے کو اپنے ذوق عرفانی سے ادراک کر سکتا ہے وہ ذوقاً یا علماً تمام موجودات کے اندر جمیع شئون حیاتیہ کے ساتھ جاری زندگی کا ادراک کر سکتا ہے شئون حیاتیہ سے مراد علم وارادہ وتکلم وغیرہ ہیں اور اگر کوئی معنوی ریاضتوں کی وجہ سے دارائے مشاہدہ وعیان ہے تو وہ موجودات کے غلغلۂ تسبیح وتقدیس کو عیاناً مشاہدہ کر سکتا ہے۔ (لیکن) ابھی یہ شکر طبیعت جس نے ہمارے چشم وگوش ودیگر حواس پر ایک بے ہوشی سی طاری کر رکھی ہے وہ ہم کو حقائق وجودیۃ وہویات غیبیہ پر اطلاع نہیں حاصل کرنے دیتی۔ چنانچہ ہمارے اور حق کے درمیان ظلمانی حجاب اور نورانی فاصلے (اسی طرح) ہمارے اور دیگر موجودات یہاں تک کہ اپنے نفس کے لئے بھی حجاب و فاصلہ ہے جس نے ہم کو زندگی وعلم اور ان کے دیگر شئون سے محجوب کر رکھا ہے۔ لیکن ان تمام حجابوں میں سب سے سخت تر افکار محجوبہ کے ذریعہ کا انکار ہے جو انسان کو تمام چیزوں سے روک دیتا ہے اور ہم جیسے محجوبین کے لئے بہترین وسائلے

اولیائے خدا کے آیات و اخبار کو تسلیم کرنا اور ان کی تصدیق کرنا ہے اور تفسیر بالرائے کے دروازے کو بند کرنا اور عقول ضعیف سے تطبیق کو ترک کرنا ہے۔

چلئے بالفرض اگر آیات تسبیح کی تاویل تسبیح تکوینی یا شعوری فطری سے ممکن بھی مان لی جائے تو آیہ «قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ» اور شہر سبا سے ہدہد کا جناب سلیمان کے لئے خبر لانے اور متفرق ابواب میں اہل بیت عصمت وطہارت کی روایات کے بارے میں کیا تاویل کیجئے گا وہاں تو نطق صریح کے علاوہ کسی تاویل کی گنجائش ہی نہیں ہے۔؟

مختصر یہ ہے کہ سریان حیات اور اشیاء کی تسبیح شعوری علمی کو فلسفۂ عالیہ اور ارباب شرائع وعرفان کے مسلمات میں شمار کرنا چاہیئے البتہ ہر موجود کی تسبیح اور ذکر خاص ہر ایک سے مخصوص ہے (جو ہم کو معلوم نہیں ہے) اور ذکر جامع کا مالک انسان ہے۔ دیگر موجودات اپنے نشئہ کے مطابق اپنا ذکر رکھتے ہیں۔ اجمالی طور سے اس کا ایک علمی وعرفانی میزان ہے جو علم الاسماء سے مربوط ہے۔ البتہ اس کی تفصیل علوم کشفی وعیانی سے ہے جو کامل ترین اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا کہ ہر سورہ کی بسم اللہ خود اسی سورہ سے متعلق ہے یہاں بھی سبح للہ سے متعلق ہے اور اس سے مسئلہ جبر وتفویض میں مسلک اہل حق کا استفادہ ہوتا ہے۔

اب رہی آیت "۲" تو یہ اشارہ ہے کہ حق جل جلالہ ملکوت سماوات والارض کا مالک ہے اور اسی مالکیت کا واحاطہ سلطنت ونفوذ قدرت وتصرف احیاء واماتت وظہور ورجوع اور بسط وقبض کا تصور ہوتا ہے۔ اور تصرف وتدبیر حق جو انتہائے توحید فعلی ہے اس میں یہ نظر استہلاک واضمحلال جمیع تصرفات و تدبیرات ہے اور اسی لئے احیاء واماتت کو ۔ جو تصرفات ملکوتی کا ایک بزرگ ترین مظہر ہے یا جمیع قبض وبسط ہے۔ بخود مالکیت ذات مقدس کی طرف نسبت دی ہے۔ اور حالانکہ احیاء رحمانیت کے شئون میں سے ہے اور موت عطا کرنا

مالکیت کے شئون سے ہے مگر دونوں کو مالکیت کی طرف منسوب فرمایا ہے اور یہ بات، ممکن ہے ایک بڑے عرفانی نکتہ کی بنا پر ہو اور وہ یہ ہے کہ استجماع اسمی جمیع اسماء کے لئے بہ وجہ احدی و وجہ غیبیۃ ہے کہ سردست اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور صدر و ذیل آیت ممکن ہے اشارہ بہ وحدت در کثرت و کثرت در وحدت کی طرف ہو مقام تجلی فعلی بہ فیض اقدس ہو جیساکہ اہل حضرات کے لئے واضح ہے۔

اور ضمیر لہ بظاہر اللہ کی طرف پلٹ رہی ہے۔ اور ممکن ہے عزیز و حکیم کی طرف پلٹ رہی ہو۔ اور دونوں صورتوں میں معنی کے اندر فرق ہو جائیگا جو تھوڑے سے تامل کے ساتھ اس کے اہل پر واضح ہو جائے گا۔

اور بیان کیفیت مالکیت حق اور «يُحْيِي وَيُمِيتُ» کا مضارع کے ضیغہ پر جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اور ھُوَ کی ضمیر کا مرجع کی صورت میں معانی کا فرق اور یہ بیان کرنا کہ محیی و ممیت و قادر اسمائے ذات میں سے ہیں یا اوصاف و افعال میں سے یہ سب اپنی اپنی جگہ کے حوالہ ہے۔ جیسے احیاء و اماتہ کی کیفیت اور حقیقت صور اسرافیل اور دو نفخ احیاء۔ و اماتہ و شئون حضرت اسرافیل و عزرائیل اور ان کے منازل اور ان کے احیاء و اماتہ کی کیفیت کہ ہر ایک کے لئے بیانات عرفانیہ اور براہین حکمیہ ہیں جو بہت طولانی ہیں (ان سب کو چھوڑتا ہوں)

اب رہی تیسری آیت یعنی «هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ» تو ارباب معرفت و یقین کے معارف حقہ کے جاننے والے اور اصحاب قلوب و سالکین کے راستے پر چلنے والے کو معلوم ہے کہ سالکوں کے سلوک کی انتہا اور عارفوں کی انتہائی امید اسی ایک آیت محکمہ کا سمجھنا ہے۔ اور اپنے دوست کے جان کی قسم توحید ذاتی و اسمائی کی حقیقت کی تعبیر کے لئے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہے اور سزاوار تو یہ ہے کہ تمام اصحاب معارف اس عرفان تام محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور کشف جامع احمدی اور آیہ محکمہ الہی کے لئے سجدہ کریں اور خاک پر گر پڑیں۔ حقیقت عرفان و عشق کی قسم عارف

مجذوب اور عاشق جمال کو اس آیت کے سننے کے بعد ایک ملکوتی مسرت اور ایسا الٰہی سرور حاصل ہوتا ہے کہ لباس بیان اس قامت پر کوتاہ نظر آتا ہے اور کوئی موجود اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ «فَسُبْحانَ اللّٰهِ ما اَعْظَمَ شَأْنُهُ وَ اَجَلَّ سُلْطانُهُ وَاَكْرَمَ قُدْرَةُ وَاَمْنَعَ عِزَّةُ وَاَعَزَّ جَنابَه» [149]

جو لوگ بلند ترین عرفاء اور علمائے باللہ اور اولیائے رحمان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں ذرا دیکھیں تو کس عارف ربانی نے یا سالک مجذوب نے اس آیۂ مبارکہ تامہ سے زیادہ بیان کیا ہے یا کوئی تازہ چیز بازار معارف میں لے کر آیا ہے؟ آپ دیکھ لیں یہ آیہ کریمہ ہے اور عرفان عرفاء سے بھری کتابیں ہیں۔ اگرچہ پورا سورۂ حدید بالخصوص اس کی ابتدائی آیات ایسے معارف مشتمل ہیں کہ دست امید کی اس تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ لیکن مؤلف کی نظر میں یہ آیہ شریفہ دوسری ایسی بھی خصوصیت رکھتی ہے جو دوسری آیتوں میں نہیں ہے۔ اور اولیت و آخریت وظاہریت و باطنیت حق ایسی چیز نہیں ہے جو بیان کی جاسکے یا قلم کو جرأت جسارت ہو۔ لہٰذا اس کو چھوڑتے ہیں اور قلوب محبین و اولیاء کے واگزار کرتے ہیں۔

اب آیئے چوتھی آیت [150] جس میں چھ دن کے اندر آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور استواء بر عرش کا ذکر ہے۔ ارباب عقول کی عقلیں اس آیت کی تفسیر میں حیران و سرگرداں ہیں۔ ہر شخص نے علم و عرفان میں اپنے مسلک کے اعتبار سے اس کی تفسیر کی ہے۔ چنانچہ علمائے ظاہر کا کہنا ہے: چھ دن میں خلق کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ظرف زمان سے اس کو ناپا جاتا تو چھ دن کے مطابق ہوتا۔ اور فیلسوف عظیم الشان جناب ملاصدرا قدس سرہ فرماتے ہیں: کہ اس کو ایام ربوبیت سے تطبیق کرنا چاہیئے جو ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اور موصوف نے اس کو زمان نزول آدم سے زمان طلوع شمس محمدی تک کی تطبیق فرمائی ہے جو چھ ہزار سال ہوتا ہے۔ اس چھ ہزار کو چھ دن پر منطبق کیا ہے اور ابتدائے طلوع یوم الجمعۃ و یوم الجمع کو قرار دیا ہے جو ساتواں دن اور اول روز قیامت و ابتدائے استوائے رحمان بر عرش ہے۔ اس کے اجمال کو شرح اصول کافی

میں اور تفصیل کو اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے[6]۔ اور بعض اہل معرفت نے ایام ستہ کو از مراتب سیر نو شمس وجود در مراتی نزول وصعود سمجھا ہے۔

اور بہ حسب مسلک عرفانی مراتب نزول وجود تا اخیرہ نزول دکہ امرتبہ احتجاب شمس وجود ہے حجب تعینات میں اور وہ حقیقت "لیلۃ القدر" ہے اور ابتداے یوم قیامت اولین مرتبہ رجوع ملک بہ ملکوت وخرق حجب تعینات سے آخری مراتب ظہور ورجوع تک دوام ہے اجو ظہور تام قیامت کبریٰ ہے، یہ چھ دن جنھیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق کامل ہوئی اور انتہا بہ عرش اللہ وعرش الرحمان جو استوار واستیلاء وقہاریت حق کی غایۃ الغایات ہیں دیہ چھ دن اعالم کبیر میں مراتب شش گانہ صعودی ہیں اور عرش استوا ے حق جو ظہور بہ قہاریت تامہ ومالکیت ہے امرتبہ مشیت وفیض مقدس رحمانی ہے۔ جس کا ظہور تام رفع تعینات اور تخلیق زمین وآسمان کے بعد ہوتا ہے۔ اور جب تک آسمان وزمین کا وجود متحقق ہے اہل معرفت کے نزدیک ان کی تخلیق تمام نہیں ہوتی ہے کیونکہ «كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ.» اور تجلی میں عدم تکرار اور انسان کبیر وعالم اکبر میں عدم تکریر کا تقاضا مراتب ستہ ہیں اور اس کا لطیفہ مسابعہ عرش الرحمان ہے جو مرتبہ قلب حقیقی ہے۔ اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو اس وجہ کے تمام وجوہ سے انسب ہونے کی وجہ کو مفصل طرح سے بیان کرتا۔ اگر چہ کتاب الٰہی کا علم صرف خدا اور مخصوصین خطاب کے پاس ہے۔ لیکن میں بطور احتمال ومناسبات گفتگو کرتا کیونکہ جب ظاہر پر حمل کرنا محال ہے۔ تو اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے یہاں پر ایک اور بھی احتمال ہے جو بیان عرفانی کے مخالف بھی نہیں ہے اور وہ احتمال عصر حاضر کی ہیئت کے حساب سے ہے اور وہ ابطال ہیئت بطلیموسی پر موقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے منظومہ شمسی کے علاوہ دوسرے بہت سے نظام ہائے شمسی موجود ہیں جن کا کوئی احصا نہیں کر سکتا اور اس کی تفصیل کتب ہیئت جدیدہ میں ہے کہ سماوات وارض سے مراد یہی نظام شمسی اور مدارات کواکب ہیں لیکن چھ روز کی تحدید دوسرے نظام شمسی کے اعتبار سے کی گئی ہے یہ احتمال تمام احتمالات سے اقرب بظاہر ہے اور احتمالات عرفانیہ کے مخالف

بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کے بعض بطون کے اعتبار سے ہیں۔

اور ذیل آیۃ «یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِي الْأَرْضِ.» الی آخرہ سے سلسلہ غیب وشہود ونزول وصعود میں مراتب وجود کے جزئیات سے علم خدا کے تعلق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور هُوَ مَعَكُمْ سے مَعِيَّتْ قَيُّومِيَّةْ حق اور کیفیت علم حق تعالیٰ بہ جزئیات کو بطریقہ احاطہ وجودیہ وسعہ قیومیۃ بیان کیا گیا ہے۔ اور حق کی اس کی قیومیت کی حقیقت کا ادراک خواص اولیاء اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

اب آیئے آیت پنجم[18] تو یہ اشارہ ہے مالکیت حق کی طرف اور اس بات کی طرف کہ تمام دائرہ وجود حق کی طرف راجع ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ اسم مالک سے مربوط ہے جیسا کہ سورہ حمد میں فرمایا ہے مالکِ یوم الدین۔ لیکن ان میں سے ہر ایک امر کی تفصیل وتفسیر کے لئے دوسرے مقامات ہیں۔

اور چھٹی آیت[19] شب وروز کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ ان میں سے جو کم ہوتا ہے وہ دوسرے میں ملا دیا جاتا ہے اور اس کے برعکس اور اس اختلاف میں بہت سے فوائد ہیں جن کا ذکر ہمارے فریضہ سے خارج ہے اس آیت کا ایک دوسرا عرفانی مطلب بھی ہے جس کا ذکر ہمارے وظیفہ سے خارج ہے، اور ہم بھی اس کے ذکر سے اعراض کر رہے ہیں۔

خاتمہ

حدیث کے ذیل میں جو آیا ہے کہ جس نے اس کے علاوہ کا قصد کیا وہ ہلاک ہوا، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان آیات میں اور سورہ توحید میں جو معارف بیان کئے گئے ہیں وہ علوم بشری کی آخری حد معارف کی انتہا ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اس کے پاس اس سے بلندتر

معارف ہیں تو وہ یقیناً غلطی پر ہے۔ اور جس طرح یہ آیات سلسلہ بشر کی حد اعلائے معارف کی تعلیم دے رہی ہیں اسی طرح ان سے قصور بھی سبب ہلاکت ہے اور جہل بہ مقام ربوبیت ہے۔

البتہ یہ حدیث حث و ترغیب کر رہی ہے کہ ان آیات میں تعمق و تفکر کیا جائے لیکن ہر علم کے لئے اہل ہوتے ہیں اور ہر میدان کے لئے شہسوار۔ البتہ کسی کو یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ آیات توحید کو۔ خواہ وہ سورہ توحید میں ہوں یا ان آیات میں یا قرآن کی دیگر آیتوں میں اور اسی طرح وہ روایات و خطبے و دعائیں اور آئمہ کی مناجاتیں جو معارف سے بھری پڑی ہیں لہ اپنی فکر سے یا ان کے ظہور عرفی سے خود ہی سمجھ لے گا ایسا ہرگز نہیں ہے یہ تو ایک خام خیالی اور شیطانی وسوسہ ہے۔ ایسے لوگ راہ انسانیت کے ڈاکو ہیں جنھوں نے جال پھیلا رکھا ہے۔ جس سے لوگوں کو معارف سے روک سکیں۔ اور انسان پر حکمت و معرفت کے دروازے بند کر دیں اور آدمی کو وادی حیرت و ضلالت میں سرنگوں کر دیں۔ خدا گواہ ہے کفی بہ شہید[30] کہ اس کلام سے میرا مقصد فلسفہ رسمیہ یا عرفان رسمی کا بازار چمکانا نہیں ہے بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ میرے برادران ایمانی خصوصاً اہل علم تھوڑا سا معارف اہل بیتؑ اور قرآن کی طرف بھی توجہ کریں اس کو طاق نسیان کے حوالہ نہ کر دیں کیونکہ بعثت رسل اور انزال کتب کا بہترین مقصد معرفت الٰہی تھا جس کے زیر سایہ تمام دنیاوی و آخروی سعادتیں حاصل ہو سکیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ انسان جب تک اس عالم میں رہتا ہے مختلف قسم کے حجابوں میں گرفتار رہتا ہے جس کی وجہ سے اپنی خوش بختی کی تشخیص نہیں دے پاتا۔ اور اولیا ء و انبیاء و علماء چاہے جتنی نصیحت کریں اور اس کو بلائیں انسان نہ خواب غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور نہ پنبۂ غفلت اپنے کانوں سے نکالتا ہے۔ غفلت کی نیند سے اس وقت بیدار ہوتا ہے جب سرمایہ تحصیل سعادت اس کے ہاتھوں سے نکل چکا ہوتا ہے اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔

دُعا و خاتمہ

خدایا تُو نے اپنے اولیاء کے قلوب کو نورِ محبت سے منوّر فرمایا، عشاقِ جمال کی زبان کو ما و من سے بند کر دیا، خود خواہ بیوقوفوں کے ہاتھوں کو اپنے دامن کبریائی سے کوتاہ کر دیا، ہم کو بھی غرور دنیا کی مستی سے ہوشیار کر دے، طبیعت کے سنگین خواب سے بیدار کر دے، خود پسندی و خود پرستی کے ضخیم و غلیظ پردوں کو اپنے ایک اشارے سے چاک کر دے، ہم کو اپنے درگاہ کے پاک لوگوں کی محفل اور خدا خواہ مخلصوں کی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے، اس بد خواہی، سخت گوئی، خود آروی، کج نمائی اور دیو سیرتی سے نجات دے، ہمارے حرکات و سکنات و افعال و اعمال، اول و آخر، ظاہر و باطن کو اخلاص و ارادت سے مقرون فرما۔

بارِ الہا تیری نعمتیں ابتدائی (بغیر سوال کئے ملتی) ہیں (دادِ حق کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے)[1] تیری بخشش غیر متناہی ہیں۔ تیرا بابِ رحمت و عنایت کھلا ہوا ہے اور تیری بے پایاں نعمتوں کا خوان پھیلا ہوا ہے۔ (مجھے) شوریدہ دلی، آشفتہ حالی، داغدار قلب، اشکبار آنکھ بے قرار سودائی سر،[2] آتشبار سینہ مرحمت فرما، ہمارا خاتمہ اپنے سے اخلاص کے ساتھ اور تیری درگاہ کے خاص بندوں کی ارادت کے ساتھ کر، خاصانِ درگاہ یعنی دیباچہ دفترِ وجود و خاتمۂ طومارِ غیب و شہود محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ساتھ انجام دے۔

الحمد للہ اولاً آخراً و ظاہراً و باطناً۔

مؤلف فقیر کے دستِ فانی سے عصر روزِ جمعہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ کو یہ رسالہ تمام ہوا و علی اللہ التکلان فی الافتتاح والاختتام۔

چالیسویں حدیث کی توضیحات

۱: اصولِ کافی جلد ۱ ص ۹۲، کتابِ توحید، باب النیۃ، حدیث ۳۔
۲: شرح اصولِ کافی ص ۲۴۶، کتابِ توحید، باب النیۃ، حدیث ۳۔
۳: البرہان فی تفسیر القرآن، جلد ۴، ص ۵۲۶۔
۴: ان پر اور ان کی آلِ پاک پر بہترین سلام ہو۔
۵: شرح اصولِ کافی ص ۲۴۸۔
۶: توحید صدوق، ص ۹۱، باب ۴، حدیث ۳، تفسیر برہان، جلد ۴، ص ۵۲۵۔
۷: اصولِ کافی، جلد ۱، ص ۱۲۴، کتاب التوحید، باب تاویل الصمد، حدیث ۲۔
۸: زمین و آسمان میں جو بھی ہیں وہ خدا کی تسبیح گو ہیں خدا ہی عزیز و حکیم ہے۔
۹: کیا تم نے اس کو بھی نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور آفتاب و ماہتاب و ستارے اور پہاڑ و درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ خدا کا سجدہ کرتے ہیں۔ سورۃ حج آیت ۱۸۔
۱۰۔ شرح اصولِ کافی، ص ۲۴۸، کتاب التوحید باب النیۃ، حدیث ۲۔
۱۱: چیونٹی نے کہا، اے چیونٹیو تم سب اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ تاکہ سلیمانؑ اور ان کا شکر تم کو لاعلمی میں مار نہ ڈالے (سورہ نمل آیت ۱۸)
۱۲: آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا کے لئے ہے وہی حیات و موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
۱۳: وہی سب سے پہلے اور سب سے آخر ہے اور اپنی قدرتوں سے سب پر ظاہر اور نگاہوں سے پوشیدہ ہے

اور وہی سب چیزوں کو جانتا ہے (سورہ حدید آیت ۲)

۱۴: خدا پاک و منزہ ہے اس کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ اس کی قدرت کتنی بزرگ ہے اس کی قدر کتنی بلند ہے اس کی شوکت ناقابل رسائی ہے اس کی درگاہ کتنی بلند ہے۔

۱۵: اسی نے تمام زمین و آسمان چھ دن میں پیدا کئے پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جو اس کی طرف بڑھتی ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس کی طرف بڑھتی ہے (سب) اس کو معلوم ہے اور تم چاہے جہاں رہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور جو کچھ کرتے ہو خدا اس کو دیکھتا ہے۔ (سورۂ حدید آیت ۴)

۱۶: شرح اصول کافی ص ۲۴۹-۲۵۰، تفسیر ملا صدرا جلد ۶ ص ۱۶۰، ۱۶۴ تفسیر سورہ حدید۔

۱۷: وہ ہر روز (مخلوق کے) ایک نہ ایک کام میں ہے (سورۂ رحمان آیت ۲۹)

۱۸: آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا کے لئے ہے اور تمام امور کی بازگشت اسی کی طرف ہے (سورۂ حدید آیت ۵۔

۱۹: وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے وہ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے (سورۂ حدید آیت ۶)

۲۰: اقتباس از سورۃ نساء آیت ۷۹۔

۲۱: حدیث ۱۷، توضیح ۱۲۔

فہرست مطالب

حدیث ۱

جہادِ نفس ۱۱
نشأتِ وجودی انسان ۱۱
نفس کے مقامات و درجات ۱۱
رحمانی و شیطانی لشکر ۱۱
(مقامِ اوّل) نشئہ ملک و ظاہر ۱۲
فصلِ اوّل: بدن اور اس کی قوتیں ۱۲
بدن کی قوتیں وہم و عقل کے زیرِ تصرف ۱۲
فصلِ دوم: تہذیبِ نفس کے سلسلہ میں غور و فکر پہلی منزل ہے ۱۳
فصلِ سوم: تہذیبِ نفس کے سلسلہ میں عزم دوسری منزل ہے ۱۵
فصلِ چہارم: گناہوں کے ترک کرنے اور تکالیف کے انجام دینے کے سلسلہ ۱۶

میں عزم وارادہ کی اہمیت ۱۶
فصلِ پنجم: مشارطہ، مراقبہ، محاسبہ ۱۶
فصلِ ششم: تذکر
منعم کا احترام فطری ہے ۱۸
نعماتِ الٰہی کی یاد آوری ۱۹
بزرگ اشخاص کا احترام فطری چیز ہے ۱۹
مالک الملوک کا احترام واجب ولازم ہے ۱۹
خلقت کی عظمت اور نشات عالم کا متعدد ہونا ۲۰
احترام حاضر فطری ہے اور عالمِ وجود میں حق کا حضور ۲۰
مقامِ دوم: نشئہ باطن وملکوت ۲۱
فصلِ اوّل: رحمانی وشیطانی لشکروں کا باطن نفس میں نزاع ۲۱
نشئہ ظاہر نشئہ باطن کا ظہور ہے ۲۱
نشئہ باطن میں جہادِ نفس کی اہمیت ۲۱
جہنم اور بہشت اعمال واخلاق ولقا ۲۲
اخبارِ اولیا پر اجمالی ایمان رکھنا واجب ولازم ہے ۲۲
فصلِ دوم: قوّتِ واہمہ، قوّتِ غضبیہ، قوّتِ شہوانیہ ۲۳
ملکاتِ نفس کی ملکوتی صورت کی تبعیت ۲۳
مرتے وقت آخرت کی صورتوں کی ملکات نفس سے مناسبت ۲۴
فصلِ سوم: انسانی طبیعت کی زیادہ روی سے انبیا کی ممانعت ۲۶
فصلِ چہارم: ضبطِ خیال ۲۷
فاسد خیالات اور باطن تصوراتِ شیطانی القاءات ہیں ۲۷
فصلِ پنجم: برائیوں اور اچھائیوں کے فائدوں اور نقصانات کو تولنا ۲۸
انسان کے اندر جو چیز نہیں ہے اس کی طرف اس کی فطری کشش ۳۰
دنیاوی لذتوں کا بے فائدہ ہونا ۳۱
دوزخ اور دُنیا کی آگ کا فرق ۳۱

ملکوتی اعمال اور انسانی ملکات کی صورت ۳۱
عذاب کے درجات غیر متناہی ہیں ۳۱
شیخ صدوقؒ کی جلالت قدر ۳۴
جہنّم کے خوف سے رسولِ خداؐ کے محزون ہونے کی روایت ۳۵
فصلِ ششم: اخلاقی برائیوں کا علاج ۳۷
لڑائی جھگڑے کی برائی اور اس کا علاج ۳۹

حدیث ۲

ریاکاری کا مطلب اور اس کے درجات ۵۳
مقامِ اوّل: عقائد میں ریاکاری ۵۴
فصلِ اوّل: اس ریاکاری کی حقیقت میں بحث ۵۵
فصلِ دوم: ایمان و علم میں فرق ۵۷
فصلِ سوم: ریاکاری کی برائی ۵۸
فصلِ چہارم: مادۂ ریاکاری کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لئے ایک علمی تنبیہ ۶۰
فصلِ پنجم: اخلاص کی دعوت ۶۳
انسان کی عبادت سے خدا بے نیاز ہے ۶۴
ہمارے اوپر انبیا و اولیا کا احسان ۶۵
مقامِ دوم: اخلاق اور ملکاتِ باطنی میں ریاکاری ۶۶
فصلِ اوّل: حقانی و نفسانی ریاضتوں کا معیار ۶۶
حریمِ قلب جو منزلِ خدا ہے اس کے حفاظت کی اہمیّت ۶۷
فصلِ دوم: خدا کی ستّاریت اس کے غیور ہونے سے مانع نہیں ہے ۶۸
مقامِ سوم: اعمال میں ریاکاری ۷۰
فصلِ اوّل: عبادت و مناسک میں شیطان کا تصرّف ۷۰
فصلِ دوم: ریا کی باریکی و دقت ۷۱

علمِ دین حاصل کرنے میں ریاکاری ۷۲
نمازِ جماعت میں ریاکاری ۷۴
فصلِ سوم: اخلاص کی نئی دعوت ۷۵
نفس کا محاسبہ اور خلوصِ اعمال کی تحقیق ۷۶
مخلصین تک شیطان کی رسائی نہیں ہے ۷۸
ریاکار مشرک ہے ۷۹
ریاکاری کے علاج میں توحید افعالی کے عقیدہ کا دخل ۷۹
فصلِ چہارم: ریاکاری کے پہچان کے لئے حضرت علیؑ کی حدیث ۸۰
تمام مراتب ریاکاری سے خالص ہونا اولیا کے لئے مخصوص ہے ۸۲
تتمہ: سمعہ "لوگوں کو سنانے کے لئے ریاکاری کرنا" ۸۳

حدیث ۳

عجب: خودپسندی ۸۷
خودپسندی کے سلسلہ میں علامہ شیخ بہائی کا بیان ۸۸
مؤلف کا خودپسندی کے بارے میں بیان ۸۸
خودپسندی کے درجات ۸۹
فصلِ اوّل: خودپسندی کے درجات کے ہر مرتبہ کا بیان ۸۹
خدا پر احسان جتانا ۹۰
خدا کو ناز و نخرے دکھانا ۹۰
خدا سے طلب گاری ۹۰
اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھنا ۹۱
فصلِ دوم: اہلِ فساد و کفر کی خودپسندی ۹۲
اہلِ فساد کے خودپسندی کے فاسد نتائج ۹۲
خودپسندی کے افراد میں ترقی کیونکر ہوتی ہے ۹۳

فصلِ سوم : انسان کی خودپسندی کے مراتب کو بڑھاوا دینے کے لئے شیطان کی مکاریاں ۹۴
فصلِ چہارم: خودپسندی کے مفاسد ۹۵
گناہ کرنے سے بدتر خودپسندی ہے ۹۶
گناہوں کو معمولی خیال کرنا ۹۶
اپنے نفس پر بھروسہ کرنا اور خدا سے بے نیاز ہونا ۹۶
لوگوں کو اور ان کے اعمال کو حقیر سمجھنا ۹۷
تکبر وریاکاری میں گرفتار ہونا ۹۷
اپنے ناچیز ہونے سے جاہل ہونا خودپسندی کے اسباب میں سے ہے ۹۸
عارف حضرات موجودات کے فقرِ ذاتی سے آگاہ ہیں ۹۹
انبیا اور اولیا کا عدلِ الٰہی سے خوف زدہ رہنا ۹۹
فصلِ پنجم: خودپسندی کا منشا ۱۰۰
ہمارے کام نفسانی لذتوں کے حصول کے لئے ہیں ۱۰۱
ہماری عبادتیں اولیا حق کے نزدیک گناہ کبیرہ ہیں ۱۰۲
انسان کا اپنے اعمال پر منصفانہ نظر خودپسندی کو دور کردیتی ہے ۱۰۴
معصومینؑ کی مناجاتوں اور نمازوں کا دوسروں کی مناجات و عبادات سے تفاوت ۱۰۵
توحید اور خودپسندی کا ایک جگہ جمع ہونا ناممکن ہے ۱۰۶

حدیث ۴

تکبر ۱۱۱
خودپسندی اور تکبر کا فرق ۱۱۲
وہمی کمالات کے اعتبار سے تکبر کے درجات ۱۱۲
فصلِ اوّل: تکبر کے درجات اس شخص کے اعتبار سے جس میں تکبر ہے ۱۱۳
خدا سے تکبر کرنا ۱۱۳

انبیا و اولیا الٰہی سے تکبر کرنا ۱۱۳
احکامِ الٰہی سے تکبر کرنا ۱۱۴
بندگانِ الٰہی سے تکبر کرنا ۱۱۵
فصلِ دوم: کمال کا توہم تکبر کا اصلی سبب ہے ۱۱۵
علما و عرفا کا تکبر ۱۱۵
حکما کا تکبر ۱۱۶
تصوف اور تہذیبِ باطن کے مدعی حضرات کا تکبر ۱۱۶
فقہا کا تکبر ۱۱۷
اہلِ عبادت کا تکبر ۱۱۷
چھپا ہوا تکبر ۱۱۸
رفتار و گفتار میں تکبر ۱۱۹
فصلِ سوم: تکبر کے مفاسد ۱۲۰
تکبر اور عزّتِ خدا کے لئے مخصوص ہے ۱۲۱
تکبر کرنے والوں کی جگہ جہنّم ہے ۱۲۲
دنیوی اور اخروی عذاب کا فرق ۱۲۳
فصلِ چہارم: تکبر کے اسباب ۱۲۵
صاحبانِ علوم اور مختلف مذہب والوں سے گفتگو ۱۲۶
مال و دولت پر تکبر پست ترین تکبر کا درجہ ہے ۱۲۹
فصلِ پنجم: تکبر کا علاج ۱۳۰
علمی علاج ۱۳۱
عملی علاج ۱۳۲
حضرت رسولِ خدا اور اُن کے اوصیا کی تواضع ۱۳۴
بیداری منزلِ انسانیت کی پہلی منزل ہے ۱۳۷
فصلِ ششم: حسد کبھی تکبر کا مبدا ہوتا ہے ۱۳۹
صاحبِ کمال سے بے کمال شخص کا تکبر ۱۴۰

تواضع اور چاپلوسی میں فرق ۱۴۰

حدیث ۵

حَسد ۱۴۵
فصلِ اوّل: بعض موجباتِ حَسد کا تذکرہ ۱۴۷
حَسد کا انجام نفس کے اندر ذلت وانکساری کا احساس ہونا ہے ۱۴۷
حَسد کے ساتوں اسباب ۱۴۸
فصلِ دوم: کچھ مفاسد حسد کے بارے میں ۱۴۹
قلب کے اندر نُورِ ایمان کا زائل ہوجانا ۱۴۹
آثارِ حَسد مومن کے اوصاف کے منافی ہیں ۱۵۰
ولی نعمت پر غضب ۱۵۰
فشار اور قبر کی تاریکی ۱۵۱
اصلاح اور نفس کی برائیوں کے ختم کرنے کا امکان ۱۵۲
جوانی کو غنیمت شمار کرو ۱۵۳
فصلِ سوم: اخلاقی مفاسد کی جڑیں ۱۵۴
عالم کے نظامِ احسن کے بارے میں مختلف مذہب والوں کا بیان ۱۵۴
حَسد کا علمی علاج ۱۵۵
فصلِ چہارم: حَسد کا عملی علاج ۱۵۶
فصلِ پنجم: حدیث "رفع" ۱۵۷

حدیث ۶

حُبِّ دنیا ۱۶۱
فصلِ اوّل: دنیائے ممدوح ومذموم کی حقیقت بیان کرنیکے لئے ایک بیان ۱۶۲

دُنیاوآخرت کے معانی ۱۶۳
فصلِ دوم: انسان کے دِل میں محبتِ دُنیا کے زیادہ ہونے کا سبب ۱۶۵
بقا کی محبت اور فنا سے فرار ۱۶۵
دُنیاوآخرت کا پہچان لینا، آخرت کی محبّت کا سبب ہوتا ہے ۱۶۶
اولیا کا فراق وجدائی پر نالہ وفریاد ۱۶۶
حضرت آدمؑ کی خطا ۱۶۷
فصلِ سوم: قلب کے اندر دنیاوی خطوط کے بُرے اثرات ۱۶۷
مرتے وقت خدا سے بغض کا پیدا ہونا ۱۶۸
عالمِ برزخ کا طول اوراس کی سختی ۱۶۸
موت سے خوف ۱۶۹
شرعی عبادات وریاضات سے روکنا ۱۶۹
عبادات کی تاثیر قوائے ملکی کی تبعیت میں جو ملکوتی قوتوں میں سے ہے ۱۷۰
عزم وارادہ کی کارسازی آخرت اور درجاتِ بہشت میں ۱۷۱
پُرمشقت عبادتوں کے ثمرات ۱۷۱
فصلِ چہارم: جمیلِ مطلق کی طرف فطری عشق اور کمال طلبی کی فطرت ۱۷۲
حُبِّ دُنیا کی وجہ سے ظاہر و باطن میں فقر و ذلت ۱۷۳
اہلِ آخرت کے دلوں میں سرور واطمینان ۱۷۴

حدیث ۷

غضب: ۱۷۹
غضب کے بارے میں ابنِ مسکویہ کا کلام ۱۷۹
فصلِ اوّل: قوّتِ غضبیہ کے فوائد ۱۸۰
بقائے انسان کی حفاظت کے سلسلہ میں قوّتِ غضبیہ کا اثر ۱۸۰
حدود و تعزیرات کے اجرا اور امر بمعروف و نہی از منکر کے سلسلہ میں قوّتِ ۱۸۱

غضبیہ کا عمل
قوتِ غضبیہ کے فقدان کے نقصانات اور اس کے دفعیہ کا چارہ ۱۸۱
فصلِ دوم: غضب کی زیادتی کے نقصانات ۱۸۲
نورِ ایمان کی خاموشی ۱۸۲
غضبِ الٰہی میں گرفتار ہونا ۱۸۳
دوزخ میں غضب کی ملکوتی صورت ۱۸۳
شرِّ غضب کا علاج ۱۸۴
غضب کے اخلاقی نقصانات ۱۸۵
غضب کے اعمالی نقصانات ۱۸۶
غضب جیسی رذیل صفت سے مقابلہ لازمی ہے ۱۸۶
فصلِ سوم: غصہ کا پی جانا ۱۸۷
علمی علاج ۱۸۷
عملی علاج ۱۸۸
امام باقرؑ کی حدیث غصہ پی جانے کے بارے میں ۱۸۸
فصلِ چہارم: غصہ کا علاج اس کے اسباب کا قلع قمع کرکے ۱۸۹
حُبِّ نفس قوتِ غضبیہ کو ہیجان میں لانے والی چیز ہے ۱۸۹
غصہ کے پہچاننے کا کمال ۱۸۹
غضب و شجاعت کے آثار ۱۹۰
غضب کے دیگر اسباب ۱۹۲

حدیث ۸

عصبیت: ۱۹۵
ممدوح اور مذموم عصبیت ۱۹۶
فصلِ اوّل: عصبیت کے نقصانات ۱۹۷

انسانی تعلقات کی زوال پذیری ۱۹۸
فصلِ دوم: تعصب کی ملکوتی صورت) ۱۹۸
تعصب، خلق شیطان ۲۰۰
شفاعت کرنے والوں کے شفاعت کی شرط ۲۰۲
فصلِ سوم: اہلِ علم کی عصبیت ۲۰۲
اس تعصب کی برائی متعصب کے اعتبار سے ۲۰۲
اس کی بُرائی علمی اعتبار سے ۲۰۳
اس کی بُرائی اس شخص کے اعتبار سے کہ جس کے ساتھ تعصب برتتا ہے ۲۰۳
اس کی بُرائی اس شخص کے اعتبار سے کہ جس کے حق میں تعصب کرتے ہیں ۲۰۴

حدیث ۹

نفاق ۲۰۷
قولی اور عملی نفاق ۲۰۸
نفس انسان میں نفاق کا اثر ۲۰۸
فصلِ اوّل: نفاق کے مراتب ۲۰۸
جوہر نفاق میں شدّت وضعف کے اعتبار سے مراتب ۲۰۹
متعلق کے اعتبار سے نفاق کی تقسیم ۲۰۹
فصلِ دوم: نفاق کی ملکوتی صورت ۲۱۰
جو کام نفاق کے حکم میں ہیں ۲۱۱
فصلِ سوم: نفاق کا علاج ۲۱۱
علمی علاج ۲۱۲
عملی علاج ۲۱۲
فصلِ چہارم: خدا سے نفاق ۲۱۳
مدعی گروہوں سے خطاب ۲۱۳

حدیث ۱۰

خواہش و درازی آرزو ۲۲۱
مقامِ اوّل : خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والوں کی مذمت ۲۲۲
فصلِ اوّل ابتدائے ولادت میں انسان حیوان بالفعل ہے ۲۲۲
انسان مُربی کا محتاج ہے ۲۲۳
خواہشاتِ نفس کی پیروی زوالِ انسانیت کا سبب ہے ۲۲۳
حق تک رسائی یا نارسائی کا معیار ۲۲۴
دستِ رسولؐ پر شیطان کے ایمان لانے والی حدیث کا مطلب (ان
شیطانی آمن بیدی) ۲۲۴
فصلِ دوم: پیرویٔ نفس کی مذمت ۲۲۴
انسانی تمنائیں بے انتہا ہیں ۲۲۶
حدیث نبویؐ (شیبتنی سورۂ ھود) کا مطلب شاہ آبادی مرحوم کے نزدیک ۲۲۷
فصلِ سوم : گوناگوں خواہشاتِ نفسانی اور راہِ حق کے ذریعہ ان کی روک تھام ۲۲۸
مقامِ دوم : درازیٔ آرزو کی مذمت ۲۲۹
فصلِ اوّل: درازیٔ آرزو آخرت کے نسیان کا سبب ہے ۲۲۹
فصلِ دوم: پُرخطر سفر اور زاد و راحلہ کی ضرورت ۲۳۰

حدیث ۱۱

فطرت: ۲۳۷
فصلِ اوّل : فطرت کے معنیٰ ۲۳۸
فصلِ دوم : احکامِ فطرت کی تشخیص ۲۳۹
فصلِ سوم : بعض احکام و لوازمِ فطرت کی طرف اشارہ ۲۴۰

مقامِ اوّل: اصل وجود مبدا عقیدے کا فطری ہونا ۲۴۱
کمال کا عشق فطری ہے ۲۴۱
تشخیص کمال میں لوگوں کا اختلاف ۲۴۲
کمالِ مطلق کا عشق تمام علائق و اشتیاق کا محور ہے ۲۴۳
مقامِ دوم: توحید کا فطری ہونا ۲۴۴
نقص سے فطرت کا تنفر ۲۴۴
مقامِ سوم: معاد کا عقیدہ فطری ہے ۲۴۵
فطرت راحت کی عاشق اور رنج و غم سے گریزاں ہے ۲۴۶
دنیا میں نعمت رنج سے مخلوط ہے ۲۴۶
ایک ایسے عالم کا ہونا ضروری ہے جس کی راحت رنج سے مخلوط نہ ہو ۲۴۶
عشق فعلی بغیر معشوق فعلی ممکن نہیں ہے ۲۴۷
فطرت حریت اور ارادہ کے نفوذ کی خواہش آخرت کے وجود پر ایک
دوسری دلیل ہے ۲۴۷

حدیث ۱۲

تفکر ۲۵۱
فکر کی تعریف ۲۵۱
خواجہ عبداللہ انصاری کے نزدیک تفکر کی تعریف ۲۵۲
قلب کے مختلف معانی ۲۵۲
فصلِ اوّل: تفکر کی فضیلت ۲۵۳
تفکر کا پہلا درجہ، اسماء و صفاتِ حق میں تفکر ۲۵۴
صدیقوں کا برہان ۲۵۴
تتمہ: ذاتِ حق کے بارے میں ممدوح و ممنوع تفکر ۲۵۵
ان جاہلوں کا اشتباہ جو معارف میں غور و خوص کو حرام جانتے ہیں ۲۵۶

فصلِ دوم: آفرینش میں تفکر ۲۵۹
تفکر کا دوسرا مرتبہ، لطائف صنعت اور دقائق خلقت کے بارے میں
غور و فکر ۲۵۹
اتقان صنع کے برہان کی مذاق عامہ سے مناسبت اور برہان صدیقین کے
ساتھ اس کا فرق ۲۶۰
خورشید و زمین و چاند کے درمیان نسبت کی حکمت ۲۶۱
انسان کے ادراکی قوتوں کی تخلیق ۲۶۲
فصلِ سوم: احوالِ نفس کے بارے میں غور و فکر ۲۶۲
تجردِ نفس پر پہلی دلیل، بڑھاپے اور جوانی میں جسمانی و نفسانی قوتوں کا
اختلاف ۲۶۳
دوسری دلیل، نفس و جسم کا مختلف صورتوں کے قبول کرنے میں تفاوت ۲۶۳
تیسری دلیل: اعادہ صور میں نفس و جسم کا تفاوت ۲۶۳
معاد کا اثباتِ نفس کے تجرد اور جاودانگی کے واسطہ سے ۲۶۴
عالم کے نظامِ احسن ہونے کے راستہ سے نبوتِ عامہ کا اثبات ۲۶۵
شریعتِ اسلام کا کامل ہونا ۲۶۶
نبوتِ خاصہ کا اثبات ۲۶۶
فصلِ چہارم: نمازِ شب کی فضیلت ۲۶۷
دُنیا و آخرت کے نعمتوں کا تفاوت ۲۷۱
فصلِ پنجم: کسبِ مقامات کے لئے تقویٰ کا لازم ہونا ۲۷۲
فصلِ ششم: تقوائے عامہ کا بیان ۲۷۳
نفس کی بیماری و صحت ۲۷۳
جسمانی امراض کے بہ نسبت روحانی امراض کی اہمیت ۲۷۵
نفسانی مُصلحات کے بجالانے اور نفسانی مفسدات کے ترک کرنے میں
ہی نفس کی سلامتی ہے ۲۷۵
ہمیشہ اصلاح نفس کی کوشش کرتے رہنا اور اس کے روحانی لذت کا نتیجہ ۲۷۶

حدیث ۱۳

توکل: ۲۸۳
فصلِ اوّل: توکل کے معنیٰ اور اس کے درجات ۲۸۴
ذاتِ حق کی ربوبیت کی معرفت کے سلسلہ میں لوگوں کا تفاوت اور اُن
کے توکل کے اقسام ۲۸۵
عام لوگوں کی ربوبیتِ حق کے بارے میں معرفت اور ان کا توکل ۲۸۵
ربوبیتِ حق کے تعلق سے اہلِ برہان و نقل کی معرفت اور ان کا توکل ۲۸۶
ربوبیتِ حق اور اس کے توکل کے بارے میں اہلِ قلوب کی معرفت
توکل و رضا و تسلیم کا تدریجی حصول ۲۸۷
فصلِ دوم: توکل و رضا کا فرق ۲۸۸
فصلِ سوم: تفویض و توکل و ثقہ کا فرق ۲۸۹
تفویض کے معنیٰ اور اس میں اور توکل میں فرق ۲۸۹
ثقہ و توکل کا فرق ۲۹۰

حدیث ۱۴

خوف و رجا ۲۹۳
فصلِ اوّل: انسان عارف کی دو نظر ہے ایک نظر اپنے فقرِ ذاتی کی طرف اور دوسری ۲۹۴
کمالِ غیر متناہی ذاتِ حق اور اس کی رحمتِ واسعہ کی طرف ۲۹۵
فصلِ دوم: خوف و رجا کے مراتب ۲۹۶
عامہ و خاصہ و اخص (حضرات) کا خوف ۲۹۷
عبادتِ خالق کے حق کی ادائیگی سے مخلوق قاصر ہے ۲۹۸
درِ عبادت کا بندوں کے لئے کھولنا اور ان کو عبادت کی تعلیم دینا رحمتِ

لُطفِ الٰہی ہے ۲۹۸
مواقف آخرت اور زندگی کے خطرات میں غور و فکر کرنا اسباب خوف میں ۲۹۹
سے ہے ۳۰۰
آخرت میں رحمتِ حق کی کشادگی ۳۰۰
فصلِ سوم: رجاو غرور کا فرق ۳۰۱
فصلِ چہارم: رجامیں توازن خوف کی حکمت ۳۰۳
دنیا و آخرت میں خوف یا رجا کے نظریہ کے غلبہ پر تبصرہ ۳۰۵

حدیث ۱۵

مومنوں کا امتحان و آزمائش ۳۰۹
فصلِ اوّل: امتحان کے معنیٰ اور اس کا نتیجہ ۳۱۱
ابتدا ہی سے نفس انسان کے اندر ادراکات اور ملکات بالقوہ ہیں ۳۱۱
باطنی و ظاہری راہنما ۳۱۲
عام امتحان اور اس کا نتیجہ ۳۱۲
دوسری فصل: انبیا، اوصیا، مومنین کا شدت ابتلا ۳۱۳
اعمال سے نفس کے اثر پذیری کی کیفیت ۳۱۴
نفس انسان میں شدائد و لذائذ کا اثر ۳۱۵
انسان کا دُنیا سے محروم ہونا اس کے ساتھ لطفِ خدا کی دلیل ہے ۳۱۶
ابتلا کے بعد مناجات و حق کی یاد ۳۱۷
دُنیا کی طرف متوجہ ہونے میں انبیا و اولیا دیگر لوگوں سے تفاوت
رکھتے ہیں۔ ۳۱۸
فصل سوم: انبیا کا جسمانی امراض میں مبتلا ہونا ۳۱۹
اس بارے میں محقق مجلسیؒ کا نظریہ ۳۱۹
محقق طوسیؒ کا نظریہ ۳۱۹

مُؤلّف کا نظریہ ۳۱۹
فصلِ چہارم: دُنیا دارِ ثواب و عقاب نہیں ہے ۳۲۲
دُنیا کی لذتیں اور تکلیفیں مخلوط ہیں ۳۲۳
استدراج ۳۲۳
فصلِ پنجم: قوّتِ ادراک کے مناسب ہے شدّتِ بلیّات ۳۲۴

حدیث ۱۶

صَبر ۳۳۱
فصلِ اوّل: خواہشات کی اطاعت انسان کی بندگی تک پہونچا دیتی ہے ۳۳۳
گرفتاری شہوت سے علاج کا طریقہ ۳۳۴
خدا کی بندگی اور قلب و روح کا استغنا ۳۳۵
فصلِ دوم: شہوتوں کی پیروی مقاماتِ معنوی کے تحصیل سے مانع ہے ۳۳۷
فصلِ سوم: صَبر کا مطلب اور اس کا بیان کہ قیدِ نفس سے خلاصی کا نتیجہ صَبر ہوتا ہے ۳۳۵
مصیبتوں اور گناہوں پر صبر اور نفس اطاعتوں پر آمادہ کرنا یہ نقصان معرفت
کی دلیل ہے اور یہ متوسط حضرات کا مقام ہے ۳۳۹
انبیا اور ائمہ ہدیٰ کے اعتبار سے صَبر کی تفسیر ۳۴۰
انبیا اور ائمہ کا صَبر دوسروں کے صَبر سے فرق رکھتا ہے ۳۴۰
فصلِ چہارم: صَبر کے فوائد اور نتائج ۳۴۱
تربیت اور کمال نفس ۳۴۲
انسان کے اندر عزم و ارادہ کی تقویت ۳۴۲
اندرونی اضطراب اور جزع و فزع کا بے فائدہ ہونا ۳۴۳
فصلِ پنجم: صَبر کے درجات، مصیبت پر صَبر، طاعت پر صبر، معصیت سے صبر
خدا کے بہشت کی وسعت ۳۴۵
فصلِ ششم: اہلِ معرفت کے درجاتِ صَبر: صَبر مع اللہ، صَبر عن اللہ، صَبر باللہ ۳۴۷

حدیث ۱۷

توبہ ۳۵۱

حقیقتِ توبہ ۳۵۲

ابتدا میں نفس کمال ونقص سے خالی ہوتا ہے ۳۵۲

گناہ کرنے سے نفس کدورت وظلمت کا شکار ہوتا ہے ۳۵۲

توبہ وانابت میں فرق ۳۵۲

فصلِ اوّل: توبہ کی دشواری اور معاصی کا جبران ۳۵۳

نکتہ مہم: توبہ نفس کو اس کی اصلی صفائی و پاکیزگی کی طرف نہیں پلٹا سکتا ۳۵۴

فصلِ دوم: ارکانِ توبہ، ندامت، عدم تکرار پر عزمِ محکم ۳۵۵

قلب وروح میں گناہ کا اثر ۳۵۷

فصلِ سوم: شرائط توبہ ۳۵۸

امیر المومنینؑ کے کلام میں استغفار کے معنیٰ اور اس کے شرائط ۳۵۸

شیطان آدمی کو توبہ سے ناامید کردیتا ہے ۳۵۹

شمول ووسعت رحمت حق کی طرف توجہ ۳۶۰

کامل توبہ کے شرائط ۳۶۱

فصلِ چہارم: استغفار کا نتیجہ ۳۶۲

خدا کے مقام غفاریت وستاریت کے اقتضائے مقام کا بیان ۳۶۳

فصلِ پنجم: توبہ نصوح کا مطلب ۳۶۳

اس توبہ کے سلسلہ میں شیخ بہائیؒ کا نظریہ ۳۶۳

دیگر معانی ۳۶۴

تکمیل: پوری ہستی میں علم وحیات موجود ہے ۳۶۴

حدیث ۱۸

ذکرِ خدا ۳۶۹
خدا کا احاطۂ قیومی ۳۷۰
ذکرِ خفی کی فضیلت ۳۷۱
فصلِ اوّل: بندۂ خدا کی یاد سبب ہوتی ہے کہ خدا اس بندہ کو یاد کرے ۳۷۲
محبّت فی اللہ کا مرتبۂ کامل ۳۷۳
فصلِ دوم: منزلِ تفکر و تذکر کا فرق اور خواجہ عبداللہ انصاری کا بیان ۳۷۴
تفکر و تذکر کے درمیان رابطہ اور دونوں کی فضیلت ۳۷۴
کاملین و متوسطین و عامہ کے تذکر کے نتائج ۳۷۵
فصلِ سوم: درمیان ذکرِ تام ۳۷۵
ذکرِ صفات قلب میں سے ہے ۳۷۵
نشأت وجود میں سریان ذکر ۳۷۶
ذکر و ذاکر کے سلسلہ میں شاہ آبادی کا بیان ۳۷۶
قبولیت اعمال کا معیار ۳۷۷
فصلِ چہارم: فضیلت ذکر میں احادیث ۳۷۷

حدیث ۱۹

غیبت ۳۸۳
فصلِ اوّل: غیبت کی حقیقت اور اس کی تعریف ۳۸۵
غیبت کے سلسلہ میں شہید ثانی کا بیان ۳۸۵
قولی اور غیر قولی غیبت کے بارے میں بحث اور اس سلسلہ میں چند ۳۸۵
احادیثِ نبویؐ ۳۸۶

فصلِ دوم: غیبت کا گناہ عظیم ہے اور اس کے نتائج ۳۸۸
غیبت کی ملکوتی صورت ۳۸۸
دُنیا و آخرت میں غیبت کرنے والے کی رسوائی ۳۸۹
مومن کی ہتک آبرو ناموسِ الہیٰ کی ہتک ہے ۳۸۹
غیبت ولایتِ حق سے خارج ہونے کا سبب اور ولایت شیطان میں
داخل ہونے کا باعث ہے ۳۹۲
لوگوں کے حقوق کی ادائیگی بہت دشوار ہے ۳۹۳
غیبت کفر کا پہلا مرتبہ ہے ۳۹۵
فصلِ سوم: غیبت کا اجتماعی ضرر ۳۹۵
جس کی غیبت کی گئی ہے اس کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے اور
اس کے لئے استغفار بھی ضروری ہے ۳۹۷
فصلِ چہارم: غیبت کا علاج ۳۹۸
علمی علاج ۳۹۸
عملی علاج ۴۰۰
فصلِ پنجم: جن مقامات پر غیبت جائز ہے وہاں بھی غیبت نہ کرنا اولیٰ ہے ۴۰۰
فصلِ ششم: غیبت سننا حرام ہے ۴۰۲
تتمیم: غیبت کی پلید ترین قسم کے بارے میں شہید ثانیؒ کا کلام ۴۰۴
غیبت کے مختلف طریقے ۴۰۵

حدیث ۲۰

اخلاص: ۴۰۹
فصلِ اوّل: خدا کے ابتلاء وامتحان کا مطلب اور اس بارے میں مجلسیؒ کا قول ۴۱۱
فصلِ دوم: خوفِ خدا اور صدقِ نیت صواب عمل کا موجب ہے ۴۱۳
نفس انسان میں اعمال کی تاثیر ۴۱۴

افضلیت اعمال کا معیار ۴۱۴
عمل کے ناقص و کامل ہونے میں نیّت کا اثر ۴۱۴
شرکِ خفی ۴۱۵
بندوں، مزدوروں اور آزاد لوگوں کی عبادت ۴۱۵
شک کے مراتب ۴۱۶
حقیقی توحید ۴۱۷
فصلِ سوم: اخلاص کی تعریف ۴۱۷
خواجہ عبداللہ انصاری کی تعریف ۴۱۷
اصحابِ قلوب کی تعریف بنابر نقل از شیخ بہائیؒ ۴۱۸
فصلِ چہارم: عمل کے بعد کا خلوص ۴۱۹
عمل کی مراقبت اس کے انجام دینے سے زیادہ دشوار ہے ۴۲۰
تمام مراتب شرک سے نیّت کا خالص ہونا بہت دشوار ہے عمل اور
نیّت کے درمیان نسبت ۴۲۱
نیّت کے عمل پر رجحان کی دلیل ۴۲۲
نیّت میں عمل کا فنا ہونا، قل کل یعمل علی شاکلتہ کا مطلب ۴۲۳
بیتِ نفس سے خروج اور سوئے حق سفر ۴۲۳

حدیث ۲۱

شکر ۴۲۷
نبی اکرمؐ کی عفو و بخشش اُن کی عصمت کے منافی نہیں ہے ۴۲۸
اس سلسلہ میں علامہ مجلسیؒ کا بیان ۴۲۸
علم الہدیٰؒ سید مرتضیٰ کا بیان ۴۳۰
دیگر اقوال
فصلِ اوّل: رسولِ خداؐ کی بخششوں کی عرفانی توجیہ ۴۳۱

فتوحات ثلاثہ : فتح قریب: فتح مبین، فتح مطلق ۴۳۳
گناہ کے مراتب ۴۳۴
فصلِ دوم: شکر کی حقیقت ۴۳۵
بعض محققین کی نظر میں شکر کی تعریف اور اس کے ارکان ۴۳۵
شکر کے بارے میں خواجہ عبداللہ انصاری کا قول ۴۳۶
فصلِ سوم: چگونگی شکر ۴۳۷
انتہائے شکر اور شکرِ خدا سے انسان عاجز ہے ۴۳۷
توحیدِ افعالی کا علم عامل شکر ہے ۴۳۷
کفرانِ نعمت اسباب وعلل کو استقلال نظر سے دیکھنے کی وجہ سے
پیدا ہوتا ہے ۴۳۸
نعمتوں کے اختلاف کی بنا پر شکر کے مرتبے بھی مختلف ہوتے ہیں ۴۳۸
سبب یہ ہے کہ شکر مقاماتِ عامہ میں سے ہے ۴۳۹
اولیا کا شکر اور شکر کا تیسرا مرتبہ خواجہ عبداللہ انصاری کی نظر سے ۴۳۹
تکملہ: فضیلتِ شکر میں احادیث ۴۴۰
حمد و شکر مساوی ہیں ۴۴۱
تتمیم: عبادات اور عبادتِ رسولؐ سے عائشہ کا گمان ۴۴۳
فصلِ چہارم: پیغمبرؐ کی عبادت کے سلسلہ میں حدیثیں اور طٰہٰ کے معنی کی تحقیق ۴۴۳

حدیث ۲۲

موت سے کراہت ۴۵۲
ناقص ومتوسط وکامل حضرات کی موت سے کراہت کی وجہ
تصدیقِ عقلی وایمانِ قلبی کا فرق ۴۵۳
صراط کی حقیقت ولایت کی باطنی صورت ہے ۴۵۴
مومنین موت سے کراہت نہیں رکھتے بلکہ موت سے ڈرتے ہیں ۴۵۵

تجلیاتِ اسما کے قبولیت میں قلوبِ اولیا میں تفاوت ہے ۴۵۶
فصلِ اول: جنت و دوزخ کے موجود و مخلوق ہونے میں اختلاف ۴۵۶
ملکوتِ اعلیٰ و ملکوت سفلیٰ ۴۵۷
فصلِ دوم: شیطان انسان کو خدا کی رحمتِ واسعہ کے واسطہ سے مغرور کردیتا ہے ۴۵۸

حدیث ۲۳

اصناف جویندگان علم ۴۶۴
فصلِ اول: مبادی غیبی کی طرف سے علم نفسِ متعلم پر القا ہوتا ہے اور تحصیلِ علم معدات میں سے ہے۔ ۴۶۸
تحصیل علم کے سلسلہ میں دو مسلک ہیں جبر و تفویض ۴۷۰
علومِ ملکی یا شیطانی القاءات کا حاصل ہے ۴۷۰
القاءات رحمانی کی شرط تقویٰ ہے ۴۷۱
شیطانی اور رحمانی القاءات کا پہچاننا ۴۷۱
علم کے تلاش کرنے والے دو اصلی گروہ ہیں ۴۷۱
فصلِ دوم: مراء کے مفاسد کے ذکر کے بارے میں احادیث ۴۷۲
برے اعمال کی جلدی اور شدید تاثیر قلب میں ہوتی ہے ۴۷۳
دشمنانِ خدا سے دوستی اور ان کی ہمنشینی کا اثر ۴۷۳
اہل جدال کی علامات ۴۷۴
جدال کرنے والے کی دنیا و آخرت میں رسوائی ۴۷۵
فصلِ سوم: جاہ طلب فریبی کی علامتیں ۴۷۶
لباس اہل علم میں دینداری کی سختیاں ۴۷۸
فصلِ چہارم: صاحبان عقل و فقہ کی علامتیں ۴۷۹

حدیث ۲۴

اقسامِ علم : ۴۸۳
مَنْ اور کا سے سوال کا فرق ۴۸۴
فصلِ اوّل : انسان کی نشأت وجودی اور علوم اس نشأت کے مناسب ہیں۔ ۴۸۵
نفع بخش علوم کی تقسیمات : علم ذات، علم صفات حق، علم منجیات و
مہلکات، علم مناسبات ومعاملات ۴۸۶
نشات وجودی و علومِ سہ گانہ کا ایک دوسرے سے ارتباط ۴۸۷
شیخ اشراق کی نظر میں کاملوں کے اقسام ۴۸۷
علوم انبیا کا انحصار علومِ سہ گانہ میں ۴۸۸
فصلِ دوم : حدیثِ نبویؐ العلم ثلاثۃ..... کی علوم سہ گانہ سے تطبیق ۴۸۹
فصلِ سوم : آیۂ محکمہ کے بارے میں شاہ آبادی کا بیان اور علم عقائد کی تعبیر آیہ سے۔
علم کا معیار ۴۹۱
علم کے الٰہی ہونے کی شرط خلوصِ نیت ۴۹۳
فصلِ چہارم : تقسیمِ علوم میں حدیثِ نبویؐ کی تطبیق کلام غزالی سے ملاصدرا کے نزدیک
اشکالِ کلامِ غزالی و ملاصدرا ۴۹۴
فصلِ پنجم : بہت سے علوم کا علومِ سہ گانہ کے ذیل میں اندراج ۴۹۶

حدیث ۲۵

۵۰۱
وسوسہ اور شک شیطانی القاءات ہیں ۵۰۲
شک و سواس
آدمی کا قلب ایک چہرہ ملک کی طرف رکھتا ہے ایک ملکوت کی طرف ۵۰۳
فصلِ اوّل : چگونگی وضو وغسل و تطہیر ائمہؑ اور ان کے وسواس سے دور ہونے

کے سلسلہ میں احادیث کا ذکر ۵۰۳
نیّتِ نماز و تکبیرۃ الاحرام میں وسوسہ ۵۰۶
امام جماعت کی اقتدا میں وسوسہ ۵۰۶
قرائت نماز میں وسوسہ ۵۰۷
یہ توہم کہ وسواس فضیلت ہے ۵۰۷
فصلِ دوم: وسوسہ کا علاج ۵۰۸
علمی علاج ۵۰۸
عملی علاج ۵۰۹

حدیث ۲۶

فضیلت علم ۵۱۵
فصلِ اوّل: دانش کے متلاشی کو خدا بہشت کے راستہ پر لے جاتا ہے ۵۱۶
علم کی تقسیم علوم دنیاوی اور اخروی کی طرف اور دونوں کا فرق ۵۱۶
تینوں بہشتوں کی تحصیل ۵۱۶
شرح حدیث کے سلسلہ میں ملا صدرا کے بیان کی طرف اشارہ اور اس پر تبصرہ ۵۱۸
دوسری فصل: طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں ۵۱۸
فرشتوں کے اقسام ۵۱۸
فرشتوں کے بال و پر و اجسام ۵۱۹
ملائکہ مقرب کا تمثل کس طرح ہوتا ہے ۵۲۰
تیسری فصل: زمین و آسمان کے بسنے والوں کا طالب علم کے لئے استغفار ۵۲۱
وجود عین تمام کمالات ہے ۵۲۱
تسبیح موجودات ۵۲۲
موجودات وجہ ملکوتی رکھتے ہیں ۵۲۳

چوتھی فصل: عالم کی فضیلت عابد پر ۵۲۴
علم و نور کی عینیت ۵۲۴
نور عابد و نور عالم ۵۲۶
پانچویں فصل: علما، انبیا کے وارث ہیں ۵۲۷

حدیث ۲۷

عبادت و حضورِ قلب ۵۳۱
پہلی فصل: فراغتِ وقت و قلب در عبادت ۵۳۲
استخفاف نماز کی وجہ سے شفاعت سے محرومیت ۵۳۳
فراغتِ قلب کی اہمیت زیادہ ہے ۵۳۴
ایمان و یقین کی کمزوری عبادت میں سُستی کا سبب بنتی ہے ۵۳۴
نفس کی پوری توجہ کسی چیز کی طرف دوسرے امور کی طرف توجہ سے مانع ہوتی ہے ۵۳۵
نماز میں حضورِ قلب اور اس کے قبولیت کا معیار ۵۳۶
عبادت میں ائمہؑ کی سیرت ۵۳۸
دوسری فصل: حضورِ قلب کے مراتب ۵۳۹
خدا کی ثنا عبادت ہے ۵۴۰
عبادات کے توقیفی ہونے کا سبب ۵۴۱
عبادت میں حضورِ قلب کے مراتب ۵۴۲
معبود میں حضورِ قلب کے مراتب، تجلیاتِ افعالی و اسمائی و ذاتی میں ۵۴۲
حضورِ قلب ۵۴۳
نبی اکرمؐ کی سبب خاتمیت ۵۴۳
مناجاتِ خدا سے اولیا اللہ کے مختلف و متفاوت فائدے ۵۴۴
تیسری فصل: حضورِ قلب کے حاصل کرنے کا طریقہ ۵۴۴

تجسمِ اعمال یعنی اعمال و افعال کی باطنی صورت ۵۴۴
تجسمِ اعتقادات ۵۴۵
فرائض کی کمی کو دور کرنے کے لئے نوافل رکھے گئے ۵۴۶
خدا سے خوف کھانا اور نفس کا محاسبہ کرنا ضروری ہے ۵۴۷
اہلِ بیتؑ کے اعمال ۵۴۸
چوتھی فصل: عبادت میں فراغت غنائے قلب کا سبب ہے ۵۵۲
نفس کے صفاتِ کمالی سے غنا ہے ۵۵۲
غنائے حق و فقرِ انسان ۵۵۳
دنیا کی طرف توجہ ظلمت قلب و کدورت قلب کا سبب ہے ۵۵۴
نکتہ: توکل و تفویض کے درمیان تفاوت ۵۵۵

حدیث ۲۸

لقاء اللہ ۵۶۱
پہلی فصل: لقاء اللہ اور اس کی کیفیت ۵۶۳
کنہ ذات کا علم محال ہے ۵۶۴
قلبِ سالک میں اسماء و صفات کی تجلی ۵۶۴
احاطۂ قیومیٔ حق کا مشاہدہ اور فنائے ذاتی کا شہود ۵۶۵
رویتِ حق کے بارے میں کلماتِ اولیا تکذیب و تاویل ۵۶۵
خدا اور اس کے اسماء و صفات کے معرفت کا ذریعہ ۵۶۷
دوسری فصل: مرتے وقت تھوڑے سے غیبی حالات کا ظہور ۵۶۸
دنیا میں اعمال و اخلاق کی صورتوں کے پوشیدہ ہونے کا سبب ۵۶۹
مرتے وقت رسولِ خداؐ، ائمۂ معصومینؑ اور فرشتوں کا دیدار ۵۷۱
نشۂ قیامت کا نمونہ برزخ ہے ۵۷۲
مرتے وقت اعمال کے آثار و صورتوں کا مشاہدہ ۵۷۳

مرتے وقت اہلِ ایمان کا لقائے حق کے لئے اشتیاق اور اہلِ معصیت ۵۷۳
کا غضبِ الٰہی سے وحشت ۵۷۴
مختلف امور کے وجہہ ملکوتی کا ظہور آخرت میں ۵۷۴
تیسری فصل: خدا سے محبت و بغض کا مطلب ۵۷۵
عوالمِ غیبیہ احوال و اوصاف کا تنزل اور عالمِ مُلک میں اس کا ظہور ۵۷۵

حدیث ۲۹

حضرت علیؑ کو رسولِ خداؐ کی وصیتیں ۵۷۹
مقدمہ: ان وصایا میں رسولؐ کے مخاطب خود حضرت علیؑ ہیں ۵۸۲
پہلی فصل: جھوٹ کے مفاسد ۵۸۳
مذاق اور سنجیدگی دونوں صورتوں میں جھوٹ سے پرہیز ضروری ہے ۵۸۵
دوسری فصل: تقویٰ کی حقیقت اور اس کے مراتب ۵۸۶
کمالاتِ معنوی کے کسب میں تقویٰ کی اہمیت ۵۸۷
عبادات کی قبولیت میں تقویٰ کی اہمیت ۵۸۸
تتمیم: خیانت اور اس کے مفاسد سے پرہیز، آیت شریفہ میں حقیقتِ امانت
کا بیان ۵۸۹
ادائے امانت کی اہمیت ۵۹۱
بعض حق کی امانتوں کی طرف اشارہ اور ان کے ادائیگی کا لزوم ۵۹۳
غیر حق کی طرف توجہ حق کے ساتھ خیانت ہے ۵۹۳
امانت حضرت علیؑ کی امامت کا نام ہے ۵۹۴
امر ولایت کے سلسلہ میں خیانت اور اس کے آثار و نتائج ۵۹۵
تیسری فصل: خوفِ خدا ۵۹۶
عالم میں حضورِ حق کا مشاہدہ، فقط ادب حضور ۵۹۶
فقط حضورِ حق میں لوگوں کا متفاوت ہونا ۵۹۷

خوفِ خدا میں گریہ ۵۹۷
خوفِ خدا میں گریہ کی فضیلت ۵۹۸
تھوڑے سے عمل کے مقابلہ میں بہت بڑی جزا ۵۹۹
عالم کی بنیاد تفضل او بسطِ رحمت پر ہے ۶۰۰
انسان کے عالمِ غیب سے ارتباط کے لئے نماز کے آثار ۶۰۱
چوتھی فصل: نوافل کی تعداد ۶۰۱
ہر ماہ تین روزے کا استحباب ۶۰۳
صدقہ کی فضیلت ۶۰۴
دوسرے نکتہ کا بیان ۶۰۷
صدقہ کا راز ۶۰۸
تتمہ ۶۰۹
خاتمہ ۶۱۰
نمازِ شب کی فضیلت ۶۱۱
صلوٰۃ وسطہ کا بیان ۶۱۲
پانچویں فصل: تلاوتِ قرآن کی فضیلت ۶۱۴
آیاتِ قرآن میں تدبر تفسیر بالرای سے الگ چیز ہے ۶۱۵
قرآن کی شفاعت ۶۱۶
جوان کے دل میں عبادت کا اثر بہتر اور زیادہ ہوتا ہے ۶۱۷
تلاوت کے آداب ۶۱۷
قرآن میں تدبر و تفکر کا نتیجہ ۶۱۸
قرأت میں اخلاص ۶۱۹
قاریانِ قرآن کے تین گروہ ۶۲۰
ترتیل کا مطلب ۶۲۲
چھٹی فصل: ہاتھوں کا نماز میں اٹھانا اور گرانا تقلیب ۶۲۴
تکبیر میں فرقِ حجاب ۶۲۵

مقامات کا انکار مکاید شیطان سے ہے ۶۲۷
ساتویں فصل: مسواک کی فضیلت ۶۲۸
آٹھویں فصل: اخلاقی اچھائیاں و برائیاں اور اُن کے مبادی ۶۲۹
تعریفِ خلق ۶۳۰
فطرت و عادت خلق کے دو مبداء ۶۳۰
خلق انسانی تغیر کے قابل ہے ۶۳۱
اجناسِ فضائل: حکمت، عفت، شجاعت، عدالت ۶۳۲
غایتِ بعثت ۶۳۴

حدیث ۳۰

اقسامِ قلوب ۶۴۹
مقدمہ: اصلاحِ نفس کی ترغیب ۶۵۱
پہلی فصل: تقسیمِ قلوب کا مبنیٰ ۶۵۳
حدیثِ رسول ص "اشقی شقی من بطن امہ" منافی نہیں ہے انسان کے تحصیلِ ۶۵۳
سعادت و شقاوت میں خود مختار ہونے کے ۶۵۴
قلوب کے قلوبِ چہار گانہ میں انحصار کی علت ۶۵۴
دوسری فصل: قلوب کے حالات ۶۵۵
وجود کی حقیقت اور تمام کمالات کی اس کی طرف بازگشت ۶۵۵
قلبِ مومن کی روشنی ۶۵۶
مومن انسانِ کامل کے تابع ہے ۶۵۶
انسانِ کامل ربوبیتِ حق کے تحت اور صراطِ مستقیم پر ہے ۶۵۷
اس سلسلہ میں شیطان کے بعض مکاید ۶۵۷
شرک کی باطنی صورت ۶۵۸
تتمیم: قلبِ مومن اور قلبِ منافق ۶۶۰
منافق و شرک کے قلب میں مشابہت اور مغایرت کے وجوہ ۶۶۰
ختام: حق سے غفلت قلب کے اُلٹا ہونے کی علامت ہے ۶۶۱

حدیث ۳۱

خدا، رسولؐ اور ائمہؑ کی حقیقی معرفت نہیں ہو سکتی ۶۶۵
پہلی فصل: وصفِ حق سے ممانعت اور معنائے عجز ۶۶۷
ذاتِ حق کی توصیف کا معیار ۶۶۸
اسما و صفات کی حقیقت کا علم ممکن نہیں ہے ۶۷۰
دوسری فصل: انبیا و اولیا کے مقامِ روحانیت کی معرفت سائرین کے لئے مقدور نہیں ہے ۶۷۱
تیسری فصل: عبد احتجب اللہ عزوجل بسبع میں چند احتمال کا ذکر ۶۷۲
بیان مرحوم فیضؒ ۶۷۲
بیان مجلسیؒ ۶۷۳
چوتھی فصل: معنئ تفویض اَمر بہ رسولؐ اکرم ۶۷۵
جبر و تفویض کا مطلب اور دونوں کے محال ہونے کا بیان ۶۷۶
تفویض بعض امور بر رسولؐ خدا ۶۷۸
پانچویں فصل: مقامات اَئمہؑ ۶۷۹
عصمت کی حقیقت اور اس کا منشا ۶۸۱
یقین سببِ عصمت ۶۸۱
چھٹی فصل: ایمان کی صفت بیان کرنا غیر ممکن ۶۸۳
اس دُنیا کے اندر عذابِ آخرت اور حقیقت نعمت کی معرفت ناممکن ہے ۶۸۳

حدیث ۳۲

یقین (وحرص و رضا) ۶۸۷
پہلی فصل: روزی کا مقدر ہونا ۶۸۸

روزی کے مقدر ہونے اور رزق کے لئے طلب و کوشش کرنے میں
کوئی منافات نہیں ہے ۶۸۹
دوسری فصل: ہمّت یقین کی علامتیں ۶۹۱
توحید افعالی پر یقین و عدم یقین کے اعتبار سے لوگوں کی تقسیم ۶۹۲
تیسری فصل: رزقِ مقسوم کے بارے میں نقل کلام، اشاعرہ و معتزلہ اور مذہب حق
کی طرف اشارہ، اس بارے میں مجلسیؒ کا نظریہ ۶۹۳
چوتھی فصل: یقین و رضا کے بارے میں آسودگی و پریشانی حال و تردید و نارضائی ۶۹۵
مشرک و منافق ۶۹۵

حدیث ۳۳

ولایت و اعمال ۶۹۹
پہلی فصل: ان روایات کے درمیان میں جمع کرنا جن میں کی بعض تو صرف اعمال
پر تکیہ کرتی ہیں اور بعض صرف ولایت پر بھروسہ رکھتی ہیں ۷۰۰
ائمہ معصومینؑ کی وصیتیں اپنے شیعوں کے لئے ۷۰۱
امام جعفر صادقؑ کے اس قول، ایمان کے ساتھ بُرا عمل نقصان نہیں
پہونچا سکتا اور کفر کے ساتھ اچھا عمل فائدہ نہیں پہنچا سکتا: کا مطلب ۷۰۶
دوسری فصل: قبولیتِ اعمال کی شرط ولایت ہے ۷۱۰
ولایتِ اعمال کے صحت کی شرط نہیں ہے ۷۱۱

حدیث ۳۴

خدا کے نزدیک مومن کا مقام ۷۱۵
پہلی فصل: مومن کو موت دینے میں خدا کی تردید کا مطلب حدیث تردید ۷۱۹
تتمیم: توجیہ دیگر ۷۲۳
دوسری فصل: فقر و غنا سے مومنین کی حالت کی اصلاح ۷۲۴
تیسری فصل: قربِ فرائض و قربِ نوافل ۷۲۵

نورانی وظلمانی پردے ۷۲۷
چوتھی فصل: شرحِ حدیث کے سلسلہ میں نقل اقوالِ علما ۷۲۹
نقلِ کلام شیخ بہائیؒ ۷۲۹
نقلِ کلام محقق طوسیؒ ۷۳۰
نقلِ کلام محدث مجلسیؒ ۷۳۰
تتمہ: شیخ بہائیؒ کا بیان کہ واجبات کو مستحبات پر فضیلت ہے ۷۳۱

حدیث ۳۵

اسمائے حق کی معرفت اور مسئلہ جبر وتفویض ۷۳۷
پہلی فصل: مقاماتِ دوگانہ اسما ۷۳۸
مقامِ اسماو صفاتِ ذاتیہ ۷۳۹
مقامِ اسماو صفات فعلیہ ۷۳۹
احاطہ قیومیہ، مشیتِ مطلقہ
دوسری فصل: جبر وتفویض کی بحث اور حدیث کی مناسبت سے امر بین الامرین ۷۴۰
خیر کے ذاتی ہونے اور شر کے عرضی ہونے کا بیان ۷۴۰
شقاوت وشر کا رجوع قصورِ ذاتی ونقصانِ وجودی کی طرف ۷۴۱
تیسری فصل: خدا سوال کرسکتا ہے لیکن خدا سے سوال نہیں کیا جاسکتا ۷۴۲
ذاتِ حق غایت افعالِ الٰہی ۷۴۳
غرض در افعالِ موجودات ۷۴۳

حدیث ۳۶

صفاتِ حق ۷۴۷
پہلی فصل: عینیت ذات وصفات ۷۴۹
تمام کمالات وخیرات کی بازگشت اصل وجود کی طرف ہے ۷۴۹

حقیقتِ وجود بسیط ہے ۷۵۰
خدا کے تمام صفات بایکدیگر عین ہیں ۷۵۰
خدا صرف وجود و کمال ہے ۷۵۱
نقل و تحقیق: صفاتِ حق کی تقسیم میں حکما کا کلام ۷۵۱
حکما کی تقسیم پر اشکال ۷۵۲
صفات و ذات کی عینیت کی تحقیق ۷۵۳
فیض اقدس و فیض مقدس کی مقام تجلّی ۷۵۳
قاضی سعید نے صفاتِ حق کو امور عدمی کی طرف ارجاع کیا ہے اس کی طرف اشارہ ۷۵۳
دوسری فصل: علم قبل از ایجاد ۷۵۴
علم اجمالی در عین کشف تفصیلی ملا صدرا اور عرفا کے مشرب کے مطابق ہے ۷۵۴
واجب الوجود کی مبدائیت و علیت کا فرق فاعل ہائے طبیعی کی علیت سے ۷۵۵
علت تامہ کا علم، معلول کے علم کو مستلزم ہے ۷۵۶
تیسری فصل: سمع و بصر کا مطلب ۷۵۷
اتصاف حق با اوصاف کمالیہ کا معیار ۷۵۸
حقیقت سمع و بصر آلاتِ جسمانی سے متقوم نہیں ہے ۷۵۹
وحدت جس قدر اتم ہوگی مفاہیم کمال کا صدق اس پر بیشتر ہوگا ۷۶۰
چوتھی فصل: علمِ خدا کا معلومات سے متعلق ہونے کی کیفیت ۷۶۱
صفاتِ سلبیہ کے سلب امکان کی طرف رجوع کرنے میں نظر مشہور ۷۶۳
اور اس نظر پر نقد و تبصرہ ۷۶۴
حقیقتِ تکلم اور کلامِ حق کا مطلب ۷۶۵

حدیث ۲۷

خدا و رسولؐ و اولوالامر کی معرفت ۷۶۹
علم و عرفان کا فرق ۷۷۰

انسان کے معراج روحانی کی بحث ۷۷۰
آدم پر شیطان کے مسلط ہونے کی اجازت کا سبب ۷۷۱
پہلی فصل: اعرفوا اللہ باللہ کا مطلب ۷۷۱
مرحوم کلینیؒ کا بیان ۷۷۱
شیخ صدوقؒ کا بیان ۷۷۲
مُلا صدراؒ کا بیان ۷۷۲
فیض کاشانیؒ کا بیان ۷۷۲
مولف کا بیان ۷۷۳
خداوندِ عالم کی ذات کے مختلف اعتبارات ۷۷۴
سیرِ عقلی و علمی و سیرِ عرفانی ۷۷۴
تجلی الوہیت اور قلبِ سالک پر مقام ظہور اسما و صفات ۷۷۵
رفع دہم: احادیثِ معارف کا سادہ اور عرفی معانی پر حمل کرنا غلط ہے ۷۷۶
کلامِ آئمہؑ کی جامعیت ۷۷۷

حدیث ۳۸

آدمؑ کی تخلیق خدا کی صورت پر ۷۸۱
کتاب عیون میں منقول امام رضاؑ کی حدیث کے بارے میں بحث ۷۸۲
فلسفہ میں صورت کے مختلف معانی ۷۸۳
روح کے معانی ۷۸۴
پہلی فصل: آدم مظہر تامِ الٰہی میں اور مظہر اسمِ اعظم ہیں ۷۸۵
اعیان ثابتہ ۷۸۵
اسمِ اعظم وو جھہ غیبیہ و تجلی ظہوری اور اس کا تعین ۷۸۶
اہلِ عرفان کے نزدیک امانت کا مطلب ۷۸۶
صورتِ خدا پر تخلیق کا مطلب ۷۸۶
خدا بے مثل ہے نہ کہ بے مثل ۷۸۷

حدیث ۳۹

خیر و شر ۷۹۱
لسان اہل اللہ میں الھیت والوہیت ۷۹۲
خیر و شر کے بارے میں علامہ مجلسیؒ کا قول اور مذہب حکما و متکلمین ۷۹۳
خیر و شر کے بارے میں تحقیق ۷۹۳
نقد نظر مجلسیؒ اور بطلان رای اشاعرہ ۷۹۴
پہلی فصل: خیر و شر کے جعل کی تحقیق اور اس سے قضائے الٰہی کا تعلق ۷۹۶
نظام عالم کا احسن ہونا ۷۹۷
تمام کمالات کی بازگشت وجود کی طرف ہے اس کے علاوہ کا قول باطل ہے ۷۹۷

دوسری فصل: خیر و شر کے اجرا کی بندوں کے ہاتھوں پر اجرا کی کیفیت ۷۹۸
ایجاد میں ملازمہ استقلال اور وجود میں استقلال ۷۹۹
مذہب جبر کا بیان اور اس کا ابطال ۸۰۰
امر بین الامرین کا فلسفی بیان ۸۰۱

حدیث ۴۰

تفسیر سورۂ توحید اور ابتدائی آیات سورۂ حدید ۸۰۶
پہلی فصل: سورۂ توحید کی طرف اجمالی اشارہ ۸۰۷
سورۂ توحید کی عظمت ۸۰۷
سورہ حدید کی آیتوں کے بارے میں مُلّا صدرا کا بیان ۸۰۷

سورۂ حدید کی آیتوں کے بارے میں مُلّا صدرا کا بیان ۸۰۷
ہر سورہ کی بسم اللہ اسی سورہ سے متعلق ہے ۸۰۸
اِسم جلالہ کے مختلف مقامات ۸۰۸
بسم اللہ کے معنیٰ در نظرِ وحدت و نظر فرق و فرق الفرق ۸۰۹
سورۂ توحید میں بسم اللہ کے معنیٰ ۸۰۹
ھو کے بارے میں شاہ آبادی کا بیان ۸۱۰
صمد کا مطلب ۸۱۰
دوسری فصل: سورۂ حدید کی آیتوں کی اجمالی تفسیر ۸۱۱
تسبیح صرف صاحبانِ عقل کے لئے مخصوص نہیں ہے ۸۱۲
موجودات کی تسبیح تکوینی تسبیح نہیں ہے ۸۱۳
سُکرِ طبیعت درکِ حقائق کے لئے حجاب ہے ۸۱۳
حجابِ انکار ۸۱۴
سورۂ حدید کی پہلی آیت سے جبر و تفویض کے بارے میں ایک نکتہ کا استفادہ ۸۱۴
دوسری آیت کی تفسیر (توحید افعالی) ۸۱۵
تیسری آیت کی تفسیر (توحید ذاتی و اسمائی) ۸۱۵
چوتھی آیت کی تفسیر (دُنیا کی چھ روزہ تخلیق اور استوار بر عرش) ۸۱۵
مُلّا صدرا کے بیان کی تطبیق یا ایام ربوبیتِ حق ۸۱۵
آیت کی دلالت کہ خدا کا علم جزئیات پر محیط ہے ۸۱۶
آیت کا اشارہ بہ معیت قیومیۂ حق ۸۱۷
پانچویں آیت کی تفسیر (مالکیت حق) ۸۱۷
چھٹی آیت کی تفسیر (اختلاف شب و روز) ۸۱۷
خاتمہ: معرفتِ بشری کی انتہا ۸۱۷
آیات شریفہ میں تدبر کی ترغیب ۸۱۸
دُعا و ختام ۸۱۹
تمت

maablib.org